عشق بے انتہا

تحریر :ماریہ عارف

یہ ایک یونیورسٹی کا منظر تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ کچھ اسٹوڈنٹس کلاسسز لے رہے تھے اور کچھ اپنے فری پیریڈ کو انجوائے کر رہے تھے۔ وہ سب سے الگ کھڑی ان سب کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہاں چند لڑکیاں ایسی تھی۔ جنھوں نے اس کی طرح عبایا پہنا ہوا تھا اور چہرے پر نقاب تھا۔ اور باقیوں نے ماڈرن قسم کی ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔ اور اسے وہ ماڈرن لڑکیاں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی ان جیسی نہیں دِکھ سکتی تھی۔ اسے اس ماحول سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ وہاں سے پلٹی اور واپس اپنی کلاس میں آگئی۔ جو بالکل خالی تھی۔ دھیان بٹانے کے لیے اس نے کتاب نکالی اور ساری توجہ ادھر لگا دی۔ تبھی اس کے کان کے بالکل قریب ایک سر گوشی ہوئی۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم بہت خوبصورت ہو تو یہ غلط فہمی دور کر لو۔ کیونکہ تم بالکل بھی خوبصورت نہیں ہو۔" اس کی پیشانی پر ننھی سی بوندیں چمکنے لگیں۔

"ہاں تم خوبصورت لگ سکتی ہو اگر تم یہ حجاب اپنے چہرے سے ہٹا دو۔" اس کی پلکیں لرزیں۔

"دیکھو سب تمہارا مذاق اڑا رہے ہیں۔" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں نکل کر اس کی کنپٹی میں جذب ہونے لگے۔ اس نے زور سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"دیکھو کوئی تمہاری طرف دیکھتا بھی نہیں ہے۔ جو بھی دیکھتا ہے۔ ہنستا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے۔" وہ رونا چاہ رہی تھی لیکن رو

نہیں سکی۔ کہیں دور سے اذان کی آواز سنائی دی۔ یہ کونسی اذان تھی۔ کیا ٹائم ہو رہا تھا۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ مکمل طور پر پسینے میں بھیگ چکی تھی۔ تبھی اس نے گھبرا کر فوراً آنکھیں کھولیں۔ اپنے ارد گرد دیکھا۔ وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا وہاں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور خود کو نارمل کرنے لگی۔ سائیڈ ٹیبل سے پانی سے بھرا گلاس اٹھایا اور لبوں سے لگا لیا۔ اب اسے اذان کی آواز بالکل قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ یہ اس کے موبائل کا الارم تھا۔

"یا اللہ یہ کیسا خواب تھا۔" اس کے دل کی دھڑکن ابھی بھی تیز تھی۔ اب ہر طرف سے فجر کی اذانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فرقان ہاؤس کے ہر کمرے میں صبح کے وقت ایک جیسا الارم ہی بجتا تھا۔ اذان کا الارم۔

وہ ہمت کر کے اٹھی اور وضو کرنے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ واشروم سے باہر آئی۔ دوپٹے کا اچھی طرح سے حجاب بنایا۔ مصلہ بچھا کر نماز ادا کرنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

نماز مکمل کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسوؤں خود بخود آنکھوں سے بہنے لگے۔ وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ بس روئے جا رہی تھی۔ آنکھیں بند کیں تو یونیورسٹی کا کل والا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

"یا اللہ مجھے گمراہ نا کرنا۔" ایک جملہ جو بے ساختہ اس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔

"میری مدد کرنا۔ تو مجھ پر رحم کر دے یا اللہ۔ میرے حق میں جو بہتر ہے تو مجھے وہ عطا کر دے۔" وہ بمشکل بس اتنا ہی بول پائی تھی۔ پھر وہ کتنی دیر تک جائے نماز پر بیٹھی آنسوؤں بہاتی رہی۔ اس کو اپنے اللہ پر

یقین تھا کہ اگر وہ زبان سے کچھ نہیں کہے گی تو اللہ اس کے دل کی آواز ضرور سنے گا۔اس کا رونا رائیگاں نہیں جائے گا۔

****

"ماریہ۔" وہ سب ناشتہ کر رہے تھے جب ہاشم درانی نے آہستہ سے اپنی بہن کو مخاطب کیا۔

"جی ہاشم بھائی۔" ماریہ نے پلیٹ پر جھکا ہوا سر اٹھا کر ہاشم کی طرف دیکھا۔

"کل تمہارا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔ کیسا رہا؟" ہاشم نے منہ میں نوالا ڈالتے ہوئے پوچھا۔ بھائی کے سوال پر کل والے سارے مناظر اور خواب سب کچھ پھر سے اس کے ذہن کے پردے پر نمایاں ہونے لگے۔ وہ کچھ بول نہیں پائی۔ اس خاموشی کو مومن اور منہاج نے

بہت اچھے سے نوٹ کیا تھا۔ جبکہ حماد درانی کھانا کھانے میں مگن رہا۔

ماریہ کی خاموشی پر ہاشم نے کھانے پر جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"کل میں تھوڑا سا مصروف تھا اس لیے مجھے کل پوچھنے کا ٹائم نہیں ملا۔ میں جب آفس سے آیا تو تم سو گئیں تھی۔ بات ہی نہیں ہو سکی اس حوالے سے۔" وہ پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ جبکہ مومن اور منہاج دونوں ماریہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو کچھ پریشان سی لگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ تم میری بات کا جواب نہیں دے رہی؟" جب وہ مسلسل خاموش رہی تو ہاشم نے پھر پوچھا۔ اب کی بار حماد نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے پاؤں سے اس کے پاؤں پر ٹھوکر ماری۔

ماریہ نے غصے سے حماد کی طرف دیکھا۔

"ہاشم بھائی تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔ جواب کیوں نہیں دے رہی؟" اس سے پہلے کہ وہ غصے سے کچھ الٹا سیدھا کہتی حماد نے فوراً اسے پاؤں مارنے کی وجہ بتائی۔ اس نے ہاشم کی طرف دیکھا جو سوالیہ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ہاشم کو جیسے فکر ہوئی۔

"جی بھائی میں ٹھیک ہوں اور کل کا دن بہت اچھا گزرا تھا۔" اس نے مسکرا کر اپنے بھائی کو آرام دہ کرنے کی کوشش کی۔

"ہمم! اگر کوئی پریشانی ہوئی تو مجھے بتانا۔ ابھی تمہارے بھائی زندہ ہیں۔ تمہیں کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بہت محبت اور نرم لہجے میں بات کر رہا تھا۔ جس پر ماریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ حماد نے حیرت سے ایک دفعہ ہاشم کو اور ایک دفعہ ماریہ کو

دیکھا۔ جیسے انہوں نے کوئی انوکھی بات کہی ہو۔ پھر سارے کھانے میں مصروف ہو گئے۔

"میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے تم لوگوں کے لیے۔" ناشتہ کرنے کے بعد ہاشم نے سب کو ایک ساتھ مخاطب کیا۔

"کیسی گڈ نیوز؟" ان چاروں نے یک زبان ہو کر پوچھا تو ہاشم سے اپنی مسکراہٹ روکی نا گئی۔

"گڈ نیوز یہ ہے کہ ......۔" وہ اب پر جوش اور متجسس ہو کر ہاشم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہاشم کو ان کی اس حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔

"گڈ نیوز یہ ہے کہ ...." وہ پھر سے جملہ ادھورا چھوڑ گیا تھا۔

"کہ ..." وہ سب پھر یک زبان ہوئے۔

"کہ کل یاور اور یمان واپس آرہے ہیں۔" جتنا پرجوش ہو کر بتایا گیا تھا۔ ماریہ، مومن اور حماد اتنی ہی پرجوشی سے اچھلے تھے۔ ہاشم اور منہاج ان کی پرجوشی دیکھ ہنسنے لگے۔

"یعنی ہمیں ان کے ویلکم کے لیے آج سے ہی تیاریاں شروع کردینی چاہیے۔" ماریہ نے کہا تو سب نے یک زبان سے "ہاں" کا نعرہ لگایا۔ وہ سب واقعی میں بہت خوش تھے۔ یاور اور یمان چار سال بعد کوریا واپس آرہے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد ہاشم، منہاج اور مومن آفس کے لیے نکل گئے۔ ماریہ اور حماد یونیورسٹی کے لیے نکل گئے۔

****

"فرقان ہاؤس"

جسے فرقان احمد نے بہت محنت اور محبت سے بنایا تھا۔ وہ بہت چھوٹے تھے جب ان کے والدین انہیں اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔

پھر جیسے تیسے کر کے انہوں نے اپنی پڑھائی مکمل کی۔ دن رات محنت کر کے سوسائٹی میں اپنا مقام پیدا کیا۔ قرض داروں کے قرض واپس کیے۔ جب وہ مکمل طور پر اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے تو انہوں نے اپنے دوست کی بہن سے محبت کی شادی کر لی۔ گل رعنا ایک سادہ اور سمجھدار خاتون تھیں۔ اپنے شوہر کے محنت سے بنائے ہوئے گھر کو اپنی محبت سے مزید خوبصورت بنا دیا۔ اس گھر کی ہر چیز ان کی اسیر ہو گئی تھی۔ وہ ایک محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ شادی کے ایک سال بعد ہی ماں بننے کی خبر ملی۔ اس خوشی نے فرقان احمد اور گل رعنا کو مزید ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ ہر بڑھتے دن کے ساتھ ان کی محبتوں میں اِضافہ ہو رہا تھا۔ فرقان احمد کی محبتیں پا کر گل رعنا مزید خوبصورت ہو گئی تھیں۔ ان کی ساتھ اولادیں ان کی محبت کا ثبوت تھیں۔

ان کے گھر پہلی اولاد بیٹا ہوا تھا جس کا نام انہوں نے ہاشم رکھا تھا۔

شادی کے پندرہ سالوں میں ان کی سات اولادیں ہوئیں تھی۔ چھے

بیٹے اور ایک بیٹی۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام ہاشم، پھر منہاج،

مومن، یاور، یمان اور حماد تھا۔ گل رعنا کو بیٹی کی بہت خواہش تھی

لیکن بیٹی کی پیدائش کے دوران وہ خالق حقیقی سے جا ملی۔ گل رعنا کی

موت کا سانحہ فرقان ہاؤس میں قیامت بن کر گرا تھا۔ فرقان احمد اور

حماد کو لگتا تھا کہ گل رعنا کی موت ماریہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس

لیے وہ دونوں اسے گود میں اٹھانا تو دور کی بات دیکھنا تک بھی گوارا

نہیں کرتے تھے۔ ماریہ کا نام بھی یاور نے رکھا تھا۔ اس نے اپنی

چھوٹی بہن کو پالا تھا۔ حماد چار سال کا تھا جب اس کی والدہ اس دنیا سے

رخصت ہو گئی تھیں۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ ماریہ کے پاس آ

جاتا۔ اسے ہرٹ کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کے کھلونے توڑ دیتا۔

دن بدن ماریہ کے لیے اس کی نفرت بڑھنے لگی تھی۔ جسے یاور اور فرقان احمد نے محسوس کیا تھا۔ ایک دن فرقان نے حماد کو اپنے پاس بلایا اور اسے بتایا کہ ماریہ اس کی بہن ہے۔ اس کی ماں اگر اس دنیا میں نہیں ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ بس اتنی ہی زندگی لکھوا کر آئی تھی۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

وہ دو سال تک اپنی بیٹی سے دور رہے تھے اور آج حماد کو سمجھاتے ہوئے انہیں خود تکلیف ہوئی تھی۔ حماد کو بھیج کر وہ کتنی دیر تک اپنے بند کمرے میں روتے رہے۔ پھر ہمت کر کے اپنی بیٹی کے روم میں آئے۔ یاور اس کے پاس بیٹھ کر اپنا اسکول کا کام کر رہا تھا اور وہ کھیل رہی تھی۔

"بابا آپ یہاں؟" وہ بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ حیران سا۔ انہوں نے یاور کی بات کا جواب نہیں دیا۔ بس بے بسی سے اپنی بے قصور بیٹی

کو دیکھنے لگے جو انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ آخر کس جرم کی سزا ملی تھی اسے۔

"تم جانتے ہو بیٹا؟" نظریں بیٹی پر جمائے ہوئے انہوں نے یاور کو مخاطب کیا۔ وہ بھی بابا کی بات سننے کے لیے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری ماں کی خواہش تھی کہ اس کی ایک اولاد بیٹی ہو۔ اسے بیٹیاں بہت پسند تھیں۔ لیکن افسوس کہ جب بیٹی ہوئی تو وہ نا رہی۔" آنسوؤں ان کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔

"اور سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ میں اس کی موت کا قصور وار اپنی بیٹی کو سمجھتا رہا۔ میں ایک اچھا باپ ثابت نہیں ہوا۔" باپ کو روتا دیکھ کر بیٹے کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔ جبکہ اس چھوٹی سی بچی کے چہرے سے بھی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"نہیں بابا! آپ بہت اچھے ہیں۔ اور ایک اچھے باپ ثابت ہوئے ہیں۔ وہ آگے آیا اور بہت احترام سے باپ کا ہاتھ پکڑا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا بابا۔ آپ کی بیٹی آپ کے سامنے ہے۔ جائیں اسے اٹھائیں اور سینے سے لگالیں۔ ماں کے سائے سے تو محروم ہو چکی ہے۔ کم از کم باپ کی شفقت سے تو محروم نا رہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کے اپنے دل پر بھی قیامت گزر رہی تھی۔ فرقان احمد کو لگا جیسے وہ اپنی بیٹی سے نظریں نہیں ملا ہوئیں گے۔ انہوں نے ہمت کر کے اپنے قدم اس طرف بڑھائے جہاں ان کی بیٹی بیٹھی ہوئی تھی۔ گویا ان کا انتظار کر رہی تھی۔ بمشکل چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ اس کے سامنے بازوں پھیلائے۔ وہ اچھل کر باپ کی گود میں آئی۔ انہوں نے زور سے اپنی بیٹی کو ساتھ لگایا۔ اپنی بیٹی کا لمس ان کے دل کے ٹکرے کر رہا تھا۔ کیسے وہ اتنی دیر تک اس سے دور رہے۔ آنسوؤں

مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ جا بجا اپنی بیٹی کو پیار کر رہے تھے۔ کبھی اس کے ماتھے پر، کبھی اس کے گال پر اور کبھی اس کے سر پر۔ اور وہ بھی اپنے باپ کی محبت پر خوشی سے اچھل رہی تھی۔ باپ بیٹی کی محبت پر یاور کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔ جی بھر کر بیٹی کو پیار کر لینے کے بعد وہ یاور کے پاس آئے۔

"مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے بیٹا۔" بیٹی کو اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا۔

"ہاں بولیں بابا۔" وہ بھی متوجہ ہوا۔

"میں کچھ دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں کہ حماد کا رویہ ماریہ کے ساتھ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ شاید اسے بھی لگتا ہے کہ اس کی ماں کی موت کی ذمہ دار ماریہ ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے بابا۔ وہ کئی بار ماریہ ہو کہہ چکا ہے کہ میری مما کو تم نے مارا ہے۔ میں اکثر اسے منع کرتا رہتا ہوں۔ لیکن وہ سنتا ہی نہیں۔" یاور کے بتانے پر فرقان صاحب کسی سوچ میں گم ہو گئے۔

"تم اسے پیار سے سمجھاؤ شاید سمجھ جائے۔" ان کو امید تھی کہ وہ سمجھ جائے گا۔

ءجی بابا جان! جیسا آپ کا حکم۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔ میں اپنی بیٹی کے پاس رہوں گا۔" وہ مسکرا کر سر اثبات میں ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ بھی اپنی بیٹی کو لے کر بیڈ پر آ گئے۔ اور اس کے ساتھ کھیلنے میں لگ گئے۔

****

وقت گزرتا گیا۔ وہ سب آہستہ آہستہ بڑے ہونے لگے۔ ان گزرے ایام میں ماریہ اپنے بابا کے بہت قریب آ گئی تھی۔ حماد ہو یاور نے کہا

تھا کہ وہ آج کے بعد یہ کبھی نا کہے کہ مما کی ڈیتھ ماریہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پہلے تو اس نے یہ بات نہیں مانی۔ لیکن سب بھائیوں کے منع کرنے اور سمجھانے کے بعد وہ یہ بات کہنا چھوڑ چکا تھا۔ اس گھر میں فرقان صاحب کے بعد اگر وہ سب کسی سے ڈرتے تھے تو وہ تھا یاور۔ ہاشم ویسے تو سب سے بڑا تھا لیکن حرکتیں بچوں والی تھیں۔ آتے جاتے سب کو چھیڑنا اسکا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ منہاج زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ مومن انتہائی حساس طبیعت کا مالک تھا۔ اگر ماریہ کبھی اداس ہوتی تو ہر وہ کام کرتا جس سے اس کے چہرے پر مسکراہٹ لائی جا سکے۔ یمان کیئر نگ اور مہربان لڑکا تھا لیکن کبھی کبھی وہ انتہائی بے حس بن جاتا تھا۔ وہ سب اپنی اکلوتی بہن سے بہت محبت کرتے تھے۔ اک حماد تھا جس کی اس کے ساتھ نہیں بنتی تھی۔ ان دونوں کی اکثر لڑائی ہو جاتی تھی۔ لیکن یاور کی ایک سخت آواز پر وہ

دونوں چپ ہو جاتے تھے۔ فرقان صاحب نے سارے اختیارات یاور کے حوالے کر دیے تھے۔ اپنی زندگی میں ہی انہوں نے اپنی ساری جائیداد اپنے بچوں کے نام کر دی تھی۔

انہیں بہت اچانک ایک ضروری میٹنگ کے لیے کوریا سے باہر جانا پڑا۔ لیکن انکا جہاز کریش ہو گیا۔ جس میں فرقان احمد کی موت ہو گئی۔ تب ماریہ آٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ فرقان احمد کی موت نے اس گھر کے در و دیوار ہلا دیئے تھے۔ کتنی ہی دیر تک وہ سب بہن بھائی ایک دوسرے سے نظریں چراتے پھر رہے تھے۔ پھر ایک دن یاور نے سب کو اکٹھا کیا اور انہیں سمجھایا۔ کچھ دنوں میں ان کی زندگیاں روٹین پر واپس آ چکی تھیں۔ ہاشم کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی تو وہ اپنے بابا کا بزنس دیکھنے لگ گیا تھا۔ مومن اور منہاج پڑھائی کے سلسلے میں

امریکہ چلے گئے تھے۔ باقی سب بھی اپنی اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئے تھے۔

اسی دوران ہاشم کو اپنے آفس میں ایک لڑکی پسند آگئی۔ جس کا اظہار اس نے یاور سے کیا تھا۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا سو کچھ ٹائم بعد ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ ہاشم اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ کچھ عرصے تک تو سب ٹھیک رہا لیکن آہستہ آہستہ ان دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہونے لگی۔ جس کی شروعات ہمیشہ لڑکی کی طرف سے ہوتی تھی۔ کبھی وہ کہتی اپنے بھائیوں کو چھوڑ دو۔ ہم اکیلے گھر میں رہیں گے۔ کبھی حماد کے کان بھرتی تو کبھی ماریہ کو حماد کے خلاف بھڑکاتی۔ وہ ہر وہ کام کرتی جس سے گھر کا ماحول ڈسٹرب رہے۔ ہاشم کو لگا وقتی اختلاف ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوا۔ ہاشم کو بہت دیر بعد پتا چلا کہ وہ لڑکی پہلے بھی دو شادیاں کر چکی ہے۔

اور ان دونوں کا مال لوٹ کر بھاگ چکی ہے۔ ہاشم کو بری طرح جھٹکا لگا

تھا۔ وہ جس سے اتنی شدید محبت کرتا ہے وہ اتنی بڑی دھوکے باز ہے۔

دل ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ پھر ایک دن اس نے اسے ریسٹورنٹ

میں ایک لڑکے کے ساتھ دیکھا۔ وہ ایک دوسرے کے بہت قریب

تھے۔ ہاشم کو لگا وہ اپنے قدموں پر چل نہیں پائے گا۔ وہ گھر تو آ گیا

لیکن اس کے ذہن سے یہ سب نہیں نکل رہا تھا۔ پھر وہ اس کا ویٹ

کرنے لگا لیکن وہ نہیں آئی۔ ہاشم آدھی رات کو اس کی تلاش میں نکل

گیا۔ جو بھی تھا وہ ابھی اس کے نکاح میں تھی۔ اس کی عزت تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے ڈھونڈتا رہا۔ بالآخر وہ اسے مل ہی گئی۔ ایک پارک

کی پچھلی سائیڈ پر بے ہوش پڑی تھی۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ ہاشم

کو اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا دکھائی دینے لگا۔ ہمت کر کے آگے

بڑھا اور اسے اٹھایا اور کار تک لایا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور اسے

گاڑی میں بٹھایا۔ اپنا کوٹ اتار کر اسے پہنایا۔ اور گاڑی ہسپتال کی طرف لے گیا۔ اپنی بیوی کو اپنے یقین کے ڈاکٹر کے حوالے کر کے خود وہاں سے چلا گیا۔ گھر آ کر دروازہ بند کر کے وہ کتنی دیر تک روتا رہا۔

کچھ دیر بعد اس نے یاور کو ساری بات بتائی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ لیکن فیصلہ ہاشم پر چھوڑ دیا۔ کچھ دن تک وہ خاموش رہا لیکن پھر طلاق کے کاغذات اس تک پہنچا دیئے۔ اس خبر کے بعد لڑکی نے ہاشم سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن ہاشم نے سختی سے منع کر دیا۔ برا وقت آ کر چلا گیا لیکن ہاشم کے چہرے سے مسکراہٹ بھی لے گیا تھا۔ پھر وقت گزرتا گیا۔ ہاشم نے اپنے بہن بھائیوں کے لیے خود کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن اندرونی زخم آج بھی تازہ تھے۔ منہاج اور مومن اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے۔ کوریا واپس آ کر ان لوگوں نے بھی بزنس دیکھنا

شروع کر دیا تھا۔ فارغ وقت میں ہوسک پینٹنگز بھی بنالیتا تھا۔ یہ اس کا شوق تھا۔ ان دونوں کے واپس آنے کے بعد یاور اور یمان ہائی تعلیم کی غرض سے امریکہ چلے گئے۔ یاور کے آنے تک سب کچھ ہاشم کو سنبھالنا تھا۔

****

(حال)

"اوہو جنگکوک اٹھ بھی جاؤ۔ تم نے یونیورسٹی نہیں جانا ہے کیا؟"

گھڑی صبح کے گیارہ بجارہی تھی اور جنگکوک ابھی تک سو رہا تھا۔ سارہ آفندی پہلے بھی دو تین دفعہ اسے اٹھانے آئی تھیں لیکن جنگکوک کے سر پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ اس لیے اسے اٹھانے کے لیے سارہ آفندی کو پھر سے خود آنا پڑا تھا۔

"دیکھو تو ذرا اس لاپرواہ لڑکے کو۔ اتنی دفعہ اٹھا چکی ہوں لیکن کوئی اثر ہی نہیں۔" سب سے پہلے انہوں نے پردے پیچھے کیئے۔ سورج کی روشنی کھڑکی سے سیدھی جنگکوک کے بیڈ پر پڑنے لگی۔ واپس آکر جنگکوک کے منہ سے کمبل پیچھے کیا۔ تمام بال چہرے پر گرے ہوئے تھے۔

"کیا ہے مما یار۔ سونے دیں نا۔" کمبل واپس منہ پر لیتے ہوئے جنگکوک غنودگی میں بولا تھا۔

"ہاں سو جاؤ۔ جب تمہارے ڈیڈ کی دوبارہ کال آئے گی تو خود ہی جواب دے لینا نہیں۔" سارہ بیگم کا پارہ چڑھ گیا تھا۔ غصے سے کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔ پہلے تو وہ ڈھیٹ بن کر لیتا رہا پھر اکتا کر کمبل پیچھے ہٹایا۔ بال پھر الجھ کر چہرے پر آچکے تھے۔ لگتا تھا کافی

دن سے کٹوائے نہیں۔ لیکن اس کے چہرے پر سوٹ کر رہے تھے مطلب شوق سے رکھے گئے تھے۔

"اف! کب جان چھوٹے گی اس پڑھائی سے۔" چھت کو دیکھتے ہوئے بولا تو سامنے لگی وال کلاک کی طرف نظر گئی۔ جہاں گھڑی سوا گیارہ بجا رہی تھی۔ بمشکل اٹھا۔ حلیہ بکھرا سا تھا لیکن ہینڈسم لگ رہا تھا۔ سر کے سارے بال ماتھے پر بکھرے تھے۔ آنکھیں نیند کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں اور یہ سب رات کو دیر سے سونے کی نشانی تھی۔ کمبل کو ایک طرف پھینک کر بیڈ سے نیچے آیا اور سلیپر پہنے۔ پھر الماری کی طرف آیا۔ وہاں سے ایک ٹی شرٹ لی اور واشروم میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد واشروم سے باہر آیا۔ ٹاول سے اپنے گیلے بالوں کو خشک کیا۔ پھر کوٹ پہنا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی اٹھا کر کلائی پر باندھی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ سلیقے

سے بال سیٹ کیئے۔ خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔ پھر اپنا بیگ اٹھایا اور روم سے باہر آ گیا۔

"میں صدقے جاؤں۔ آ گیا میرا بیٹا۔ کھل گئی آنکھ؟ دل کر گیا یونی جانے کو؟" وہ باہر آیا تو سارہ سامنے ہی غصے سے بھری بیٹھی تھیں۔ وہ مسکراتا ہوا ان کے پاس آیا۔

"وہ کیا ہے ناں مما۔ ابھی بھی اٹھنے کا دل نہیں کر رہا تھا لیکن کیا کروں اٹھنا پڑا۔ مجھے پتا تھا میری مما نے اب تک اپنا بی پی ہائی کر لیا ہو گا۔" اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔

"باتیں بنوا لو اس لڑکے سے۔" وہ بھی مصنوعی خفگی سے بولیں۔

"بیٹھو تمھارے لیے ناشتہ لگواتی ہوں۔"

"نہیں مما! ناشتہ اب یونی جا کر کروں گا۔"

"او کے ٹھیک ہے۔ لیکن یاد سے کر لینا۔"

"اوکے مائی سویٹ ہارٹ۔" ماں کے چہرے کو پیار سے ہاتھ میں لے کران کے ماتھے پر بوسہ دیا۔اور پھر علیحدہ ہوا۔

"بائے مما۔" ہاتھ ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"شریر لڑکا۔" مسکراتے ہوئے اپنے بیٹے کو جاتے ہوئے دیکھا۔

****

آج یونی میں اس کا دوسرا دن تھا۔ابھی تک اس کی کوئی دوست نہیں بنی تھی۔اس لیے وہ اکیلی ہی کیفے میں بیٹھی ہوئی تھی۔کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی۔پھر اکتا کر وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔جب زور سے کسی چیز سے ٹکرا کر پیچھے پڑے بینچ پر گری۔

"اوہس سوری۔آپ کو لگی تو نہیں؟" وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھی تھی جب جنگکوک نے پوچھا۔وہ اسی شخص سے ٹکرائی تھی۔

اس نے غصے سے جنگلوک کو دیکھا۔ آنکھیں ضبط سے لال ہو چکی تھی کیونکہ اکثریت اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ اس نے سرخ پڑتی آنکھوں سے جنگلوک کو دیکھا۔ وہ ڈسٹرب ہوا۔ اس کے سوال پر وہ اسے باتیں سنانا چاہتی تھی لیکن اتنی بھیڑ میں اس کا سادا کانفیڈنس ختم ہو گیا۔ وہ وہاں رکے بغیر وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔ پیچھے کھڑی اسٹوڈنٹس ہنسنے لگے جبکہ جنگلوک اس عجیب سی لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اس نے اس لڑکی کو پہلی بار اس یونی میں دیکھا تھا۔ پھر اس نے سر جھٹکا اور کیفے کی طرف چلا گیا۔

****

وہ اس وقت کلاس میں بالکل اکیلی تھی۔ اسے شدید رونا آرہا تھا۔ وہ اتنی کمزور تو نہیں تھی۔ کیوں ان سب کے منہ بند نہیں کر دیئے۔ کیوں اس لڑکے کو کھری نہیں سنائی۔ دل تو کر رہا تھا کہیں

بھاگ جائے۔ شدید گھٹن کے باعث اس نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تھا۔ پھر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ جنوری کی اس ٹھنڈ میں بھی اسے گرمی لگ رہی تھی۔ باہر سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی لیکن اسے کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بس باہر کے منظر دیکھنے میں مگن تھی۔ جہاں پر لڑکے لڑکیاں گروپ بنائے گھوم رہے تھے۔ چند لڑکیاں جو حجاب کیے ہوئے تھیں۔ لیکن وہ اس کی طرح ڈر کر کلاس میں نہیں بیٹھی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ حجاب کر کے انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ اسے خود سے شرمندگی ہونے لگی تھی۔ کچھ ہی دیر میں کلاس شروع ہونے والی تھی۔ کلاس کے بعد اس نے گھر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ ابھی بھی وہیں کھڑکی کے پاس کھڑی تھی جب کوئی کلاس میں آیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہی لڑکا نظر آیا جس سے کچھ دیر پہلے اس کی ٹکر ہوئی تھی۔

جنگکوک اپنی دھن میں دروازہ کھول کر اندر آیا تھا لیکن ماریہ کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔ وہ پہلا لڑکا تھا جس نے اسے بغیر نقاب کے دیکھا تھا۔

ماریہ نے فوراً اپنا چہرہ چھپایا۔

"سوری۔۔۔۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ یہاں ہیں ورنہ میں......۔" وہ اس کی بات سنے بغیر ہی وہاں سے چلی گئی۔ وہ بس اسے جاتا ہوا ہی دیکھ سکا۔ وہ لڑکی اسے الجھا رہی تھی۔ وہ وہیں پر بیٹھ گیا۔

****

حماد کا فری پیریڈ چل رہا تھا تو وہ لائبریری میں آگیا۔ اسے بھی یاور کی طرح کتابیں پڑھنے کا کافی شوق تھا۔ ابھی بھی لائبریری میں بیٹھا وہ کتنا پڑھنے میں مگن تھا جب کوئی خاموشی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو اس کا موڈ اچھا خاصا خراب ہوا۔ وہ

نیلی آنکھوں والی لڑکی اسے بالکل بھی اچھی نہیں لگتی تھی اور وہ پچھلے تین سال سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ وہ جہاں جاتا وہیں پہنچ جاتی۔ لیکن حماد اسے گھاس تک نہیں ڈالتا تھا۔ ایک نظر اسے دیکھ کر پھر کتاب میں مصروف ہو گیا۔

"تمہاری یہ مجھے دیکھ کر... اگنور کرنے والی عادت مجھے بالکل بھی نہیں پسند میڈی۔" بالوں کو ایک ادا سے پیچھے کر کے اس نے ناز سے شکوہ کیا۔

"حماد.... حماد درانی نام ہے میرا۔" انتہائی سرد مہری سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"تم جانتے ہو نا کہ مجھے تمہارے غصے سے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا۔ پھر کیوں فضول میں اپنی انرجی ویسٹ کرتے رہتے ہو؟"

"عنایہ تم کیوں میرا ٹائم برباد کرنے آجاتی ہو؟ کتنی دفعہ کہا ہے کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔" آواز آہستہ لیکن لہجے میں سختی تھی۔

"اور تم کیوں ہم دونوں کا ٹائم ویسٹ کرتے ہو مجھے اگنور کر کے؟ کیا ہے اگر تم میرے ساتھ دوستی کر لو۔ اتنی محبت کرتی ہوں تم سے لیکن اتنا سا بھی خیال نہیں ہے۔" وہ ویسے ہی ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہی تو حماد کو مزید تپ چڑھی۔ ایک نظر پوری لائبریری پر ڈالی اور لمبی سانس اندر کو کھینچی۔ اور پھر وہاں سے اٹھ کر باہر آگیا۔ عنایہ اپنی توہین برداشت کرنے والی لڑکی بالکل بھی نہیں تھی لیکن حماد کے معاملے میں ایسا نہیں تھا۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ جب حماد نے اسے گھاس نا ڈالی تو اس نے حماد کو اپنی ضد بنا لیا۔ اور حماد کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ گئی جس میں ابھی تک وہ ناکام ہوتی رہی تھی۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی۔

"اتنی اکڑ ٹھیک نہیں ہے مسٹر اکڑو۔" اس کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے پھر اسے آگ لگا رہی تھی۔ لیکن وہ خاموشی سے چلتا رہا۔

"ہزاروں لڑکے مجھ پر مرتے ہیں۔ میری خوبصورتی کے دیوانے ہیں۔ ایک تم ہی ہو جسے نا مجھ سے نا میری خوبصورتی سے غرض ہے۔" انتہائی غرور سے کہا تو حماد نے رک کر اس کا جائزہ لیا۔

"میری نظر سے دیکھو تو تمہیں پتا چلے کہ خوبصورتی کیا ہوتی ہے۔" حماد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا گلا دبا دے۔ ایک لڑکی کتنے فخر سے یہ بات بتا رہی تھی کہ لڑکے اس کے حسن کے دیوانے ہیں۔

"اچھا تو تمہاری نظر میں خوبصورتی کیا ہے حماد؟ تم جیسا کہو گے میں ویسی بن جاؤں گی۔ بتاؤ مجھے۔" وہ تھوڑی سنجیدہ ہوئی تو حماد نے سامنے یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں نظر دہرائی۔

"وہ ہے خوبصورتی۔" اس نے ایک عبایہ والی لڑکی کی طرف اشارہ کیا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔

"سیریسلی؟ مطلب اس نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے اور تم کہہ رہے ہو وہ خوبصورت ہے۔ تمہیں کیسے پتا کہ وہ خوبصورت ہے؟ کیا تم نے کبھی اسے دیکھا ہے؟" اپنی ہنسی روک کر پوچھا۔

"یہی تو خوبصورتی ہے کہ آج تک کسی نامحرم نے اسے نہیں دیکھا۔ کسی نے اس کے حسن کی تعریف نہیں کی۔ یہ سو کالڈ لڑکے اس کے حسن کے دیوانے نہیں ہیں۔ اور یہ بات ایسی لڑکیوں کو مزید حسین بنا دیتی ہے۔" حماد کی باتیں سن کر عنایہ کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

"واٹ ایور! تمہیں اس پوری یونی میں مجھ سے حسین اور زیادہ محبت کرنے والی لڑکی پھر نہیں ملے گی۔" اس پر جیسے حماد کی باتوں کا اثر

نہیں ہوا تھا۔ایک نظر افسوس کی اس پر ڈال کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

اور وہ غصے سے اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

"کتنا انا پرست لڑکا ہے۔ایک بار تمہیں اپنا اسیر بنالوں مسٹر اکڑو۔ پھر دیکھنا کیسے تمہارا سارا غرور خاک میں ملاتی ہوں۔" حماد کے جانے کے بعد اس نے اس عبائے والی لڑکی کو دیکھا۔

"ہمم..... سو کالڈ لڑکی۔اب ان مڈل کلاس عبائے والی لڑکیوں کو میرے مقابلے میں لائے گا یہ۔دیکھو لوں گی تمہیں بھی اور ان پردے داروں کو بھی۔" وہ وہیں کھڑی اس کا جائزہ لینے لگی۔

****

وہ اپنا لیکچر لے کر ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے پریر روم میں آگئی تھی۔یونیورسٹی میں زیادہ تر اسٹوڈنٹس عیسائی تھے۔لیکن یہاں مسلم اسٹوڈنٹس کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ مسلم اسٹوڈنٹس کے

لیے الگ سے پریر روم بنایا گیا تھا جہاں پر وہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ ابھی بھی وہ نماز پڑھ کر باہر نکل رہی تھی جب سامنے اسے اسی لڑکے کا گروپ نظر آیا۔ وہ وہیں رک گئی۔

"آج کیا پلان ہے کُکی؟ کلب تو آؤ گے نا آج؟" اس کے ساتھ کھڑے ایک لڑکے نے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کلب تو میری دنیا ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں مجھے سکون ملتا ہے۔" جنگکوک نے شوخی سے اپنی باہیں پھیلا کر جواب دیا۔

"تو پھر کل کیوں نہیں آئے تم؟ کتنا انتظار کیا تمہارا۔" اب کی بار سوال ایک لڑکی کی طرف سے آیا۔ اس لڑکی نے سلیولیس ڈریس پہنا تھا۔ ماریہ کو آسن سے کوفت ہوئی۔

"ہاں یار کل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اس لیے نہیں آ سکا۔"

"مجھے لگتا ہے کل تم نے کچھ زیادہ ہی پی لی تھی۔ اس لیے طبیعت خراب ہو گئی ہو گی۔" پھر سے اس لڑکی نے کہا تو ماریہ کو حیرت ہوئی۔

"کیا وہ لوگ شراب پیتے ہیں؟" خود سے سوال کیا۔

"ہاں کل تھوڑی زیادہ ہو گئی تھی۔" جنگکوک نے ہنستے ہوئے بتایا گویا اپنا مذاق اڑایا ہو۔ وہ مزید وہاں رکے بغیر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ وہ سارے اپنی باتوں میں مگن رہے۔

****

"یار اتنی ضروری میٹنگ تھی اور تم فائل گھر بھول کر آ گئے۔ یقین نہیں آ رہا مجھے۔" آج آفس میں ہاشم کی ایک ضروری میٹنگ تھی

جس کی فائل مومن نے تیار کی تھی۔اور وہ، وہ فائل گھر بھول آیا تھا

جس کی وجہ سے اب منہاج اسے جھڑک رہا تھا۔

"میں جا کر لے آتا ہوں یار۔ابھی میٹنگ میں کچھ وقت ہے۔"

مومن نے کہا تو منہاج نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔وہ

مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔منہاج نے نفی میں سر ہلایا۔

****

مومن فائل لے کر جا رہا تھا جب اسے ماریہ کے روم کا دروازہ کھلا ہوا

نظر آیا۔وہ ادھر ہی چلا آیا۔تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ

سامنے صوفے پر بیٹھی نظر آئی۔وہ اپنے دھیان میں بیٹھی ہوئی تھی۔

اس لئے اسے مومن کے آنے کا پتا نہیں چلا۔

"خیریت ہے، تم آج اتنی جلدی گھر آ گئی۔"مومن اس کے پاس جا

کر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں بھائی۔ایسے ہی بس سر درد کر رہا تھا۔"اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"سر درد کر رہا ہے اور کسی کو بتایا بھی نہیں۔"مومن نے اسے گھورا۔

"نہیں بوا کو بتایا تھا۔انفیکٹ انہوں نے میڈیسن بھی دے دی تھی۔"اس نے ملازمہ کو حوالہ دے کر بتایا۔

"تم ہم میں سے کسی کو بتا دیتی۔یہ اتنے بھائی ہیں تمہارے۔آخر کس لیے ہیں؟"

مومن کی بات پر وہ مسکرائی تو مومن نے پیار بھری خفگی سے اسے گھورا۔

"اچھا یہ بتائیں آپ اس وقت گھر پر کیا کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں بس ایک ضروری میٹنگ تھی تو اس کی فائل لینے آیا تھا۔" مومن نے فائل سامنے کی۔

"اچھا تو جائیں، دیر ہو جائے گی۔" وہ اس کو جانے کا اشارہ کر رہی تھی لیکن مومن کا لگا وہ اسے نکال رہی ہے۔

"کیا بات ہے، میں کل سے نوٹ کر رہا ہوں تمہارا رویہ کچھ بدلا سا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔ اور میرا رویہ کیوں بدلے گا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی۔ آپ جائیں۔ آپ کو دیر ہو جائے گی۔" اس کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"ہاں جانتا ہوں۔ یاور کے علاوہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گی۔ لیکن ماریہ اگر کوئی پریشانی ہے تو تم بتاؤ۔ تمہارے بھائی اتنے کمزور نہیں کہ تمہاری پریشانی دور نا کر سکیں۔" مومن کے پوچھنے پر اس کا دل کیا وہ بتا دے کہ اس کا دماغ کتنا الجھا ہوا ہے۔ وہ کیوں اتنی مضطرب ہے۔ لیکن وہ خاموش رہی۔

"ہم اس بارے میں شام کو بات کریں گے۔ ابھی آپ جائیں۔"

"ٹھیک ہے میں شام کو آؤں گا اور پھر کوئی بہانہ بھی نہیں سنوں گا۔ سنا تم نے۔" اسے شہادت کی انگلی دکھائی تو وہ مسکرا دی۔

"تم ہنستی رہا کرو۔ میری بہن مجھے ہنستی ہوئی ہی پیاری لگتی ہے۔" پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے سر پر پیار کیا۔ اور پھر چلا گیا۔

ماریہ کی آنکھیں ایک بار پھر سے نم ہونے لگیں۔

شام کی نیلی روشنی پورے سول میں پھیل چکی تھی جب وہ گھر واپس آیا۔ اپنے روم میں جانے لگا تو کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ادھر ہی چلا آیا۔

"کیا کر رہی ہو تم؟" وہ اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ اس کے پوچھنے پر وہ ڈر کر مڑی تو سامنے حماد کو دیکھ کر اس کا اٹکا ہوا سانس باہر آیا۔

"ڈرا دیا تم نے مجھے۔ انسانوں کی طرح نہیں آ سکتے تھے؟"

"خیر... ڈرنے والوں میں سے تو نہیں ہو تم۔ یہ بتاؤ کر کیا رہی تھی؟" اس نے ماریہ کے ہاتھ میں موجود کپ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کافی بنا رہی ہوں اپنے لیے۔" وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"میرے لیے بھی بنا دینا۔" اسے آرڈر دے کر جانے لگا۔

"میں بالکل بھی تمہارے لیے کافی نہیں بناؤں گی۔" اس کے انکار پر حماد نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کتنی بد تمیز ہو تم۔ بڑا بھائی ہوں تمہارا۔" وہ واپس کچن میں آیا۔

"تو بڑے بھائی کے ہاتھ دُکھتے ہیں خود بناتے ہوئے؟" اسی کے انداز میں کہتی اسے چڑا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ سب یہ کافی میں ہی پیوں گا۔ تم اپنے لیے نئی بنا لینا۔" اس کے ہاتھ سے کپ چھین کر بولا تو وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی۔

"تم کتنے بد تمیز ہو میڈی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"شرم کرو۔ چار سال بڑا ہوں تم سے اور تم مجھے بد تمیز کہہ رہی ہو۔ ذرا بھی تمیز نہیں ہے کہ بڑے بھائی سے کیسے بات کرتے ہیں۔"

"اچھا تو تم اپنے سے چار سال چھوٹی بہن کی کافی چھین سکتے ہو جو اس نے اتنی محنت سے بنائی ہو۔" اس نے دکھ سے حماد کو دیکھا۔ یہ دکھ کافی چھن جانے کا نہیں بلکہ حماد کے رویے کا تھا۔

"سوری گڑیا! تم اپنے لیے نئی بنا لینا۔" اسے آنکھ مارتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ماریہ کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اس نے اتنی مشکل سے اپنے لیے کافی بنائی تھی۔ وہ بھی حماد لے گیا۔ اس کا دل رونے کو کر رہا تھا۔ لیکن پھر ہمت کر کے اس نے ایک کپ چائے کا پانی چڑھا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ سب کھانا کھانے کے لیے اکھٹے ہوئے تھے۔

"ماریہ کہاں ہے؟" ماریہ کی غیر موجودگی پر ہاشم نے بوا سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ان کے سر میں درد ہو رہا تھا تو وہ سو گئیں۔" بوا کے بتانے پر حماد نے ان کی طرف دیکھا۔

"کیا اس نے کھانا کھایا؟" ہاشم نے پریشان ہوا۔

"نہیں۔۔۔" ہاشم نے ان کی طرف دیکھا تو وہ گھبرا گئیں۔

"صاحب میں نے انہیں کہا تھا کہ کھانا کھا کر سوئیں لیکن انہوں نے منع کر دیا۔ کہہ رہی تھیں جب بھوک لگے گی تو کھالوں گی۔"

"پتا نہیں اس کی طبیعت بھی ٹھیک ہے یا نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔"

ہاشم کو غصہ تو آیا لیکن ضبط کر گیا۔ سب ہاشم کو ہی دیکھ رہے تھے جو وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی بات کو لے کر پریشان ہے لیکن بتانا نہیں چاہ رہی۔" مومن نے کہا تو دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کو نظرانداز کرتا وہ کھانے کی پلیٹ پر جھک گیا۔

oooooooooooooooooooooooo

ہاشم نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ جواب نا پا کر وہ روم میں چلا آیا۔ وہ سو رہی تھی۔ ہاشم اسی کے پاس چلا آیا۔ اس کے ماتھے پر ہاتھ

رکھا یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں اسے بخار تو نہیں۔ پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"شکر ہے۔ بخار نہیں ہے۔" اس کا کمبل ٹھیک کیا اور لائٹ آف کر کے روم سے باہر آگیا۔

"کیا ہوا بھائی وہ ٹھیک ہے نا؟" نا جانے حماد وہاں کب آیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ سو رہی ہے۔" حماد کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ مسکرا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے ایک بج رہے تھے جب وہ گھر واپس آیا۔ گھر مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ قدم قدم چلتا ہوا اپنے روم میں آیا۔ لائٹ آن کی۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔ الماری سے کپڑے نکالے اور واشروم میں چلا گیا۔ کتنی دیر تک وہ شاور کے نیچے

کپڑوں سمیت بھیگتا رہا۔ جب اسے اپنی طبیعت کچھ بہتر لگی تو کپڑے چینج کر کے باہر آگیا۔ بالوں کو خشک کیا اور بیڈ کے بیچ و بیچ لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔

بند آنکھوں کے پیچھے ایک سانولا سا چہرا نظر آیا۔

اس نے جھما کے سے آنکھیں کھولیں۔ بس ایک جھلک تھی اور جنگکوک بے چین ہو گیا۔ کچھ دیر وہ ایسے ہی چھت کو گھورتا رہا۔ پھر اٹھ کر لائٹ آف کی۔ اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیں تو یونیورسٹی کا وہ منظر واضح ہوا جہاں وہ اس انجان لڑکی سے ٹکرایا تھا۔ چہرہ حجاب سے ڈھکا ہوا تھا اور آنکھوں میں خوف۔ جنگکوک نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ اس کی بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ دوستی تھی لیکن کبھی یوں کسی لڑکی نے اسے خیالوں میں آکر بے چین نہیں کیا تھا۔ وہ اٹھ کر بالکونی میں آگیا۔ باہر سے آتی ٹھنڈی ہوا اسے اچھے

خاصی محسوس ہوئی تھی۔ لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔ وہ لڑکی جیسے اس کے ذہن پر سوار ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے اکتا کر جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ سگریٹ سلگا کر اپنے لبوں سے لگایا۔ سگریٹ نکال کر ایک لمبی سانس خارج کی۔ سارے میں دھواں سا پھیل گیا۔ اس نے سگریٹ واپس لبوں سے لگایا اور کئی دفعہ یہی کام کیا۔ رات دھیرے دھیرے کٹ رہی تھی اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"میں آج یونیورسٹی نہیں جاؤں گی۔" وہ سب ناشتے کے ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے جب ماریہ نے کہا۔

"کیوں بھئی کیوں نہیں جاؤ گی؟" منہاج نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ آج یمان اور ریاور بھائی واپس آ رہے ہیں تو میں ان کے استقبال کے لئے تیاری کروں گی۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آج ہم گھر رک کر تیاری کریں گے۔" حماد نے بھی اپنے رائے ظاہر کیں تو سب ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئے۔

"اگر یہ بات ہے تو میں بھی آج آفس نہیں جاؤں گا۔" مومن نے کہا تو جہاں منہاج اور ہاشم نے حیرت سے اسے دیکھا وہیں ماریہ اور حماد خوشی سے اچھلے تھے۔

"کیا تم بھی نہیں آؤ گے آفس؟" ہاشم نے منہاج سے پوچھا۔

"نہیں بھئی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" منہاج نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"چلو پھر ہم آفس کے لیے نکلتے ہیں۔اور ہاں۔"ہاشم ہاتھ صاف کر کے اٹھا اور پھر مومن کی طرف متوجہ ہوا۔

"ان دونوں پر نظر رکھنا۔پھر سے کسی بات پر آپس میں نا الجھنے لگیں۔"

"آپ فکر نہیں کریں بھائی۔میں دونوں پر نظر رکھوں گا۔"مومن نے ہاشم کو تسلی دے کر ماریہ اور حماد کی طرف دیکھا۔وہ دونوں بظاہر کھانا کھانے میں مصروف تھے لیکن دھیان ہاشم کی طرف ہی تھا۔ تھوڑی دیر میں ہاشم اور منہاج آفس کے لیے نکل گئے۔اور وہ تینوں جلدی جلدی کھانا ختم کرنے میں لگ گئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ تمام دوست اس وقت کیفے میں بیٹھے چائے کی چسکیاں بھر رہے تھے۔موسم آج پھر کافی سرد ہو گیا تھا۔دھوپ نا ہونے کے برابر

تھی۔ جنگکوک کی نظریں غیر ارادی طور پر کیفے کے مین گیٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ اس لڑکی سے اس کی ملاقات اسی جگہ پر ہوئی تھی۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ لیکن وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ کل جب وہ کلاس میں گیا تھا تو وہ بغیر حجاب کے کھڑی تھی۔ جنگکوک کے ذہن میں دھندلا سا ایک عکس نمایاں ہوا۔ آج اس کا دل اپنے دوستوں کے ساتھ نہیں لگ رہا تھا۔

"یہ تم بار بار دروازے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ کسی کا انتظار کر رہے ہو کیا؟" چینگ من نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک وہی تھی جو اسے کب سے نوٹ کر رہی تھی۔ چینگ من نے پوچھا تو سب دوست جنگکوک کو دیکھنے لگ گئے۔ جنگکوک نے سب کو باری باری دیکھا۔

"تم لوگوں کو لگتا ہے کہ جنگلوک کسی کا انتظار کر سکتا ہے؟ جنگلوک کسی کا انتظار نہیں کرتا اور نا ہی کسی کے لیے رکتا ہے۔" چہرے پر مغرور سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم بار بار دروازے کی طرف کیوں دیکھ رہے تھے؟ مجھے لگا تم نے کسی کو ٹائم دیا ہوا ہے۔" چینگ من کو اس کا رویہ عجیب لگ رہا تھا۔

"کیا کوئی لڑکی پسند آگئی ہے تمہیں؟ کہیں اسی کا انتظار تو نہیں کر رہے؟" لیو نے کہا تو چینگ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"جس دن کوئی پسند آجائے گی تم لوگوں کو بھی پتہ چل جائے گا۔" لاپرواہی سے کہہ کر چائے کا کپ لبوں سے لگالیا جبکہ چینگ اس کی بات پر پہلو بدل کر رہ گئی۔

ooooooooooooooooooooooooooo

"ارے تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اتنی زیادہ مرچی کیوں ڈال رہے ہو بریانی میں؟" حماد کو بریانی میں لال مرچ کا تیسرا چمچ ڈالتے دیکھ کر ماریہ نے تقریباً چلا کر کہا۔

"یمان کو تیکھے کھانے پسند ہیں۔ اس لیے ڈال رہا ہوں۔" یہ کہتے ساتھ ہی اس نے ایک اور چمچ بریانی میں ڈال دیا۔ جس پر ماریہ چکرا کر رہ گئی۔

"تم تو ایسے دیکھ رہی ہو جیسے میں نے مرچ بریانی میں ڈالنے کے بجائے تمہارے منہ میں ڈال دی ہو۔"

"یمان بھائی اگر تیکھے کھانے پسند کرتے ہیں تو کیا آج سب یہ مرچوں والا کھانا کھائیں گے؟ ایسے لگ رہا ہے جیسے تم نے بریانی میں مرچیں

نہیں بلکہ مرچوں میں بریانی ڈالی ہے۔" ماریہ سے حماد کی یہ حرکت ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"کھانا بنانا تو تمہیں آتا ہے نہیں اور آ گئی مجھے سکھانے۔ جو کام تمہیں دیا ہے وہ کرو۔ جاؤ جا کر ان دونوں کے روم صاف کرو۔" حماد نے اسے باہر کا راستہ دکھایا۔

"پتا نہیں کیوں مومن بھائی نے تمہیں کھانا بنانے کا کہہ دیا۔ اس سے اچھا تھا وہ کسی ملازمہ کو کہہ دیتے کم از کم اچھا کھانا تو مل جاتا۔" وہ بھی اسے چوٹ کروانے سے باز نہیں آئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اس سے پہلے حماد کچھ کہتا مومن آ گیا۔

"آپ کو پتا ہے اس نے کھانے میں تین چمچ سرخ مرچ کے ڈالے ہیں۔" ماریہ نے شکایتی انداز میں کہا تو مومن نے آنکھیں پھاڑ کر حماد کو دیکھا۔ وہ کچھ شرمندہ سا ہوا۔

"آج پکاسب کے کانوں سے دھواں نکلے گا۔ کیا ہم ایسے کھانے سے ان کا ویلکم کریں گے؟" مومن بھی حیران تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا بھائی۔ کبھی کبھی ایسے کھانے کھا لینے چاہیے۔ اور ویسے بھی میٹھا بھی تو بن رہا ہے نا۔ وہ کھا کر سب اپنے دھویں ختم کر لیں گے۔" حماد ایسے کہہ رہا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات نا ہو۔ مومن نے نفی میں سر ہلایا اور پھر رس ملائی بنانے کا سامان نکالنے لگا۔ فرقان ہاؤس میں رس ملائی بہت شوق سے کھائی جاتی تھی۔ ماریہ بھی وہاں سے چلی گئی۔ یہ سب کام ملازم کرتے تھے لیکن آج ان کے بھائی چار سال بعد واپس آ رہے تھے تو وہ ہر چیز اپنے ہاتھوں سے تیار کرنا چاہتے تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

شام کے سات بج رہے تھے اور وہ چاروں بیٹھے ان کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ہاشم ان دونوں کو ائیر پورٹ سے ریسیو کرنے گیا تھا۔

دفعتاً ڈور بیل بجی۔حماد اور ماریہ خوشی سے دروازے کی طرف بھاگے۔مومن بھی ان کے پیچھے ہی چلا آیا جبکہ منہاج وہیں کھڑا رہا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔دروازہ کھلا تو سامنے یاور اور یمان کھڑے تھے۔وہ بھاگ کر یاور کے گلے سے لگی جبکہ حماد جیمین کے گلے ملا۔

"کیسی ہے میری بہن؟"یاور نے پیار اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟اور آپ کو اپنی اکلوتی بہن کی یاد نہیں آتی تھی؟"ماریہ نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"بہت یاد آتی تھی اپنی اکلوتی بہن کی، اسی لیے تو آ گیا ہوں۔" یاور کی بات پر اس نے اسے گھورا۔

"ارے پہلے گھر میں تو داخل ہو لینے دیتے تم دونوں۔" ہاشم نے ان دونوں کو آنکھیں دکھائیں جسے دونوں نے ہی سیریس نہیں لیا۔

"ارے کوئی بات نہیں بھائی۔ اتنی لمبی جدائی کے بعد اتنی خوشی تو بنتی ہے۔" یمان نے کہا اور پھر مومن سے گلے ملا۔

"یہ آلسی بلا کبھی نہیں بدلے گا۔" یاور نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے منہاج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

"کیوں بھئی میں نے کیا کر دیا ہے اب؟" منہاج نے ناک منہ چڑھایا۔

"بندہ دو قدم آگے آجاتا ہے اور آپ یہیں کھڑے رہے۔" یاور کی بات پر وہ ہنس دیا۔

"یہ دونوں ہیں نا تم لوگوں کا استقبال کرنے کے لیے۔" منہاج نے حماد اور ماریہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اور ویسے بھی اگر میں دروازے تک آجاتا تو آلسی بلا کیسے کہلاتا۔" منہاج کی بات پر وہ سب ہنسنے لگے۔

کچھ دیر تک وہ سب وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد یمان اور یاور فریش ہونے کے لیے اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔

ooooooooooooooooooooooo

وہ اس وقت چھت پر کھلے آسمان تلے سگریٹ سلگائے بغیر شرٹ کے کھڑا تھا۔ تیز ہوا اس کے سلکی بالوں کو چھو رہی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں مگن تھا۔

غیر ارادی طور پر ہی سہی لیکن اس نے آج اس عبائے والی لڑکی کا انتظار کیا تھا۔اس کا دل اتنا بے چین کیوں ہو رہا تھا۔ایک ہی بار تو دیکھا تھا صرف۔

"پھر میں مضطرب کیوں ہو رہا ہوں؟" سوچتے سوچتے پتا ہی نہیں چلا کہ کب اس کی سگریٹ سلگ کر ختم ہو چکی تھی۔اس نے دیوار پر رکھی سگریٹ کی ڈبیہ اٹھائی اور دوسری سگریٹ سلگائی۔

کچھ دیر بعد وہ پاس رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔سر پیچھے کیے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ اسے سوچنا چاہتا تھا۔

اس کا ذہن الجھ رہا تھا اور وہ چاہ کر بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پا رہا تھا۔پھر اکتا کر اٹھا اور کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔جب وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آیا تو سردی کا احساس ہوا۔

اسے سردی پہلے بھی لگ رہی تھی لیکن اسے محسوس نہیں ہوا۔اب جب احساس ہوا تو اسے سمجھ آیا کہ وہ لڑکی اس کے دماغ پر قابض ہو چکی ہے۔ سوچوں سے پیچھا چھڑوانے کے لیے وہ نیچے چلا آیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"اور بھئی کیسی جا رہی ہے تم دونوں کی پڑھائی ؟" وہ سب کھانے کی میز پر جمع تھے جب یاور نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

"بہت اچھی جارہی ہے بھائی۔ میرا تو ویسے بھی سیکنڈ لاسٹ سمسٹر چل رہا۔" حماد نے خوشی سے بتایا۔

"میرا تو پہلا سمسٹر ہے لیکن پڑھائی اچھی جارہی ہے۔" ماریہ نے کہا تو یاور نے غور سے اسے دیکھا۔

"تم دونوں کو کہا بھی تھا کہ اچھی ہائی تعلیم کے لیے امریکہ آجاؤ لیکن تم دونوں مانے ہی نہیں۔" یمان نے کہا تو حماد نے ناک منہ چڑھایا۔

"وہاں کا ماحول مجھے نہیں پسند۔"

"تو یہاں کا کونسا اچھا ہے۔"

"ایٹ لیسٹ میں اپنے گھر پر تو ہوں نا۔ آزادی کی زندگی جیتا ہوں۔"

حماد نے شانے اچکائے تو یمان خاموش ہو گیا۔

"بس کرو تم دونوں۔ تم بتاؤ یونیورسٹی کا ماحول کیسا ہے؟" ان دونوں کو خاموش کروا کر یاور نے ماریہ سے پوچھا۔

یاور کے سوال پر ماریہ کو یونیورسٹی میں گزارے دو دن یاد آئے تو وہ کچھ بول ہی نا پائی۔

"ہاشم بھائی آپ نے ہماری بہن کو کس یونیورسٹی میں داخل کروا دیا ہے، جس کے ذکر پر وہ سوچ میں پڑھ گئی ہے۔" پوچھ وہ ہاشم سے رہا تھا لیکن دیکھ ماریہ کو ہی رہا تھا۔ وہ اپنی بہن کی رگ رگ سے واقف تھا۔

"سول نیشنل یونیورسٹی۔ یہ سول کی بہت مشہور یونیورسٹی ہے۔ زیادہ تر امیر لوگ اسی یونیورسٹی کا رخ کرتے ہیں۔ اور سنا ہے کہ اس کا تعلیمی نظام بہت اچھا ہے۔ مسلم اسٹوڈنٹس کے لیے بھی بہت ساری سہولیات ہیں۔" ہاشم کے بتانے پر یاور کو تھوڑی تسلی ہوئی۔

"ہمم... "یاور نے ایک دفعہ پھر ماریہ کو دیکھا۔

"یہ بریانی کس نے بنائی ہے، ایسی مزیدار بریانی پہلے تو کبھی نہیں کھائی۔" آدھی پلیٹ کھا لینے کے بعد یمان نے کمنٹ پاس کیا تو ماریہ اور حماد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہاں بریانی تو واقعی ہی مزے کی ہے۔" ہاشم بھی داد دیئے بغیر نا رہ سکا۔ ان دونوں نے مومن کی طرف دیکھا جو اپنی پلیٹ میں مزید بریانی نکال رہا تھا۔ وہ سب کھانے میں مصروف تھے جبکہ وہ دونوں کبھی ان سب کو تو کبھی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ جو بریانی حماد

نے بنائی تھی اس میں حد سے زیادہ مرچی تھی۔ان دونوں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر مومن نے باہر بریانی منگوالی تھی اور یہ بات صرف مومن ہی جانتا تھا۔لیکن اب وہ دونوں بھی جان گئے تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ یونیورسٹی کے کاریڈور میں بیٹھی باہر کے موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔آج پھر ابر ٹوٹ کر برسا تھا۔

"اگر انسان خوبصورت ہو تو وہ اپنی خوبصورتی کو چھپاتا نہیں ہے۔"

اس نے گردن موڑ کر اپنے سامنے سے گزرنے والی لڑکیوں کو دیکھا۔وہ یقیناً اس کو ہی سنا کر گئی تھیں۔ماریہ کا دل کیا ان دونوں کا منہ توڑ دے۔اور انہیں اپنا چہرہ دکھائے اور کہے میں تم دونوں سے زیادہ خوبصورت ہوں۔لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔وہ کر بھی کیا سکتی تھی سوائے صبر کے۔آنکھوں میں نمی سی اترنے لگی۔تبھی اس کے

ساتھ ایک لڑکی آکر بیٹھ گئی۔ اس نے گردن موڑ کر اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ مکمل کور تھی۔ چہرے پر بھی پردہ تھا۔ لیکن وہ اس کی طرح پریشان نہیں تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کتنی پر سکون ہے۔

"تمہیں ان لوگوں کی باتوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس لڑکی نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

"معاف کرنا میں نے بغیر سلام دعا کے گفتگو شروع کر دی۔" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "چلو میں پہلے تمہیں اپنا انٹرو ڈکشن دیتی ہوں۔ میرا نام فرح ہے اور میں بی ایس اکنامکس کے پانچویں سمسٹر میں ہوں۔ میرے خیال سے ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" فرح بول کر خاموش ہو چکی تھی جبکہ ماریہ اس کے بولنے کے انداز میں کھو گئی تھی۔ اتنا مدھم اور ٹھہرا ہوا لہجہ۔

"کیا ہوا تمہیں میرا یہاں بیٹھنا اور تم سے باتیں کرنا پسند نہیں آیا؟"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہوئی ہے کہ اس یونیورسٹی میں مجھے اچھی لڑکی ملی ہے۔ دو دن سے میں بالکل اکیلی تھی۔ کوئی بھی میری دوست نہیں تھی۔ اگر آپ برا نا مانیں تو کیا تم دوست بن سکتے ہیں؟" اس نے دل میں ایک امید لے کر ہاتھ آگے کیا۔ فرح نے پہلے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر اسے۔

"ابھی ہمیں ملے وقت ہی کتنا ہوا ہے اور تم مجھ سے دوستی کا کہہ رہی ہو۔ کیا اتنا آسان ہوتا ہے کسی بھی اجنبی پر بھروسہ کر لینا۔" فرح نے کہا تو ایک پل کو اس پر سکتہ طاری ہوا لیکن اگلے ہی پل اس نے ہاتھ نیچے کرنا چاہا جسے فرح نے فوراً سے تھام لیا۔

"لیکن تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔" وہ مسکرائی۔ "ہم دوست بن سکتے ہیں۔" دونوں کی آنکھیں چمکیں۔ اسے بھی آج یونیورسٹی میں

ایک دوست مل گئی تھی۔ نئی دوست ملتے ہی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کی یہ چمک کسی کے دل کو روشن کر رہی تھی اور وہ اس بات سے بے خبر اپنی نئی سہیلی کے ساتھ باتوں میں مصروف رہی۔

ooooooooooooooooooooo

"ایکسکیوز می۔"

وہ اس وقت کوریڈور سے گزر رہی تھی جب کسی نے اسے پیچھے سے آواز دی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے بالکل سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا۔

"جی۔" اس نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" جنگکوک کے پوچھنے پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی کہیے... میں سن رہی ہوں۔" وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی وقفے پر کھڑے تھے۔

"یہاں نہیں کہیں اور۔ مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" نا جانے کیوں وہ اس لڑکی کے سامنے کنفیوز ہو رہا تھا۔

"کیا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

"آ... ن.... نہیں۔"

"تو پھر آپ کو جو بھی بات کرنی ہے یہیں پر کریں۔ ورنہ میرا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماتھے پر تیوری چڑھا کر کہا۔

جنگکوک نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ایک پل کو ماریہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر باہر یونیورسٹی کے وسیع لان کو دیکھنے لگی۔ جہاں الگ الگ ڈیپارٹمنٹس کے طلبا تھے۔ کچھ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے

اور کچھ ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہے تھے۔ کچھ اپنی پڑھائی کر رہے تھے جو کہ اہم تھی اور کچھ اپنی اپنی گرل فرینڈ لیے خیالوں کی دنیا سجائے بیٹھے تھے۔

"کیا میں آپ سے آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟" اس نے گردن موڑ کر جنگکوک کو دیکھا۔ حیرت سے۔ اجنبیت سے۔

"کیا یہی پوچھنا تھا؟" اس نے ابرو آچکا کر پوچھا۔

جنگکوک نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو اپنا نام بتا دوں گی۔" وہ پھر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ماریہ نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں ایک الگ ہی جہان آباد تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

جنگکوک کے جواب نا دینے پر ایک نظر غصے سے اسے دیکھا اور پھر وہاں سے جانے لگی۔

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔" جنگکوک فوراً ایک قدم آگے بڑھا۔ وہ رکی لیکن مڑی نہیں۔

"آپ کے لیے میرا نام جاننا ضروری نہیں ہے۔ بہتر ہو گا اپنے کام سے کام رکھیں۔" سرد لہجے میں کہا۔

"اگر میں کہوں کہ ضروری ہے تو۔" جنگکوک کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ماریہ تم یہاں ہو۔ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔" فرح جو ابھی اپنے لیکچر سے فری ہوئی تھی ماریہ کو ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ گئی۔ وہ جو غصے سے جنگکوک کو دیکھ رہی تھی فرح کی پکار پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ کی کلاس ختم ہو گئی؟"

"ہاں ساری کلاسز ختم ہو چکی ہیں۔"

میرے خیال سے اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔"اسے جنگکوک کی نظروں سے الجھن ہو رہی تھی۔ عجیب بے سکون نگاہیں تھیں۔

"نہیں میں کچھ دیر لائبریری جاؤں گی اور اس کے بعد گھر کے لیے نکلوں گی۔"فرح جنگکوک کی موجودگی سے بے خبر تھی۔

"لگتا ہے آپ کو بھی کتابیں پڑھنے کا کافی شوق ہے۔"ماریہ نے دلچسپی سے کہا۔

"ہاں مجھے شوق تو ہے لیکن یہ "آپ کو بھی" کا کیا مطلب ہے؟"اس نے لفظ"بھی"پر ذرا زور دیا۔

"میرے بھی دو بھائی ہیں جو کتابیں پڑھنے کا کافی شوق رکھتے ہیں۔"وہ بھول گئی تھی کہ ان دونوں کے علاوہ وہاں پر کوئی تیسرا بھی موجود ہے۔

"تو کیا تمہیں شوق نہیں ہے؟" اب وہ دونوں وہاں سے جانے لگی تھیں۔

"ہے لیکن زیادہ نہیں۔"

"چلو آجاؤ مل کر کوئی اچھی سی کتاب پڑھتے ہیں، پھر گھر چلتے ہیں۔"

فرح اسے بھی اپنے ساتھ لائبریری میں لے گئی۔

"ماریہ۔"

آہستہ سے کہہ کر وہ زیر لب مسکرایا۔ نام کے بعد اس کے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش نے جنم لیا تھا۔

oooooooooooooooooooooo

"اگر تمہاری آنکھیں اس لڑکی کے دیدار سے سیراب ہو گئی ہوں تو کچھ بات کر لیں۔" مومن جو اپنے سامنے ٹیبل پر بیٹھی لڑکی کو دیکھنے میں مگن تھا منہاج کی بات پر سیدھا ہوا۔

"نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں کیوں دیکھنے لگا کسی کو۔"

منہاج کی اچانک آمد پر وہ گڑ بڑا گیا۔

"اچھاااااا...... ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔" منہاج نے اسے چھوٹی آنکھوں سے دیکھا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگ گیا۔

"کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟" منہاج کو تجسس ہوا۔

"ظاہر ہے اچھی لگتی ہے تبھی تو دیکھ رہا تھا۔ ورنہ میں ایسے ہی منہ اٹھا کر تھوڑی نا کسی لڑکی کو دیکھوں گا۔" منہاج جسے پہلے سے ہی مومن پر شک تھا اس کی بات سن کر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

اور مومن جو اپنی دھن میں مگن اسے بتا بیٹھا تھا اب سر تھامے اسے دیکھنے لگا۔

"No more lecture. Please brother."

مومن نے اس کے سامنے ہاتھ باندھے۔

منہاج نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

یعنی مومن کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو اگنور کر دیا گیا تھا۔

"میرے بھائی اگر تُو اس سے محبت کرتا ہے تو جا کر اس سے بات کر۔ اس طرح چوری چھپے دیکھنا غلط بات ہے۔" منہاج کی بات پر مومن نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"تم جانتے ہو نا کہ ہماری بھی ایک بہن ہے۔ ہم بھی بہن والے ہیں۔ اور اگر کوئی ہماری بہن کو اس طرح چھپ چھپ کر دیکھے گا تو ہمیں بھی برا لگے گا نا۔"

ادھر یونیورسٹی میں وہ فرح کے ساتھ کوئی بات کر رہی تھی اور اپنے دوستوں کے ساتھ فاصلے پر کھڑا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سب کی نظروں سے بچ کر۔

"یہاں تک کہ ہمارا اس انسان کی آنکھیں نوچنے کا دل کرے گا۔"

کوئی نہیں تھا جو اس کی آنکھیں نوچ لیتا۔ وہ آنکھیں محبت سے اٹھتی تھیں اور احترام میں جھک جاتی تھیں۔

"وہ لڑکی بیچاری پردہ کر کے یہاں کام کرنے آتی ہے اور پھر بھی کوئی غیر مرد اسے ایسے دیکھ رہا ہو تو اس میں اس کا کیا قصور۔" مومن کو منہاج کی بات بالکل بھی سمجھ نہیں تھی آئی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ پردے کی کیا اہمیت ہے۔ پردہ کیوں کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ سب کی نظروں سے بچ کر ایک نظر اسے دیکھ لیتا تھا۔ وہ اس کی عزت پامال نہیں کر سکتا تھا۔

"تم نے دیکھا ہو گا کہ اکثر لڑکیاں اپنی عزت بچانے کے لیے کسی مرد کو بھائی تک کہہ دیتی ہیں۔ مردوں کی ہوس بھری نگاہوں سے بچنے کے لیے پردہ کرتی ہیں، اگر مرد پھر بھی باز نا آئیں تو یہ معاشرہ سارا الزام عورتوں پر لگا دیتا ہے۔ اس کی کردار کشی کرتا ہے۔"

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بہن کو یہ ساری باتیں پردے کے اندر بھی سننی اور سہنی پڑ رہی تھیں۔ جن کو باتیں بنانی ہوتی ہیں وہ ایک پاک کردار لڑکی کو بھی نہیں بخشتے۔ لوگ ایسے ہی ہیں۔ اور لوگ بھی کون۔ اپنے۔

"اگر لڑکی بغیر پردے کے باہر آ جائے تو بھی وہ قصوروار ہوتی ہے۔"

"لیکن بھائی کوریا میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"لیکن مسلمان تو ہر طرف ایک جیسے ہی ہوتے ہیں مومن۔ اگر نہیں بھی ہوتے تو ہونا چاہیے۔ ایک مسلمان کو اپنا کردار معلوم ہونا چاہیے۔" مومن خاموش رہا۔

"جانتے ہو میں نے کہیں سنا تھا کہ معاشرہ کوئی بھی ہو۔ مذہب کوئی بھی ہو۔ غلط عورت کو ہی کہا جاتا ہے۔

مردوں کو اکثر یہ کہتے پایا گیا ہے کہ اگر عورت چاہتی ہے کہ مرد اسے نا دیکھیں تو اپنے گھر رہے۔ باہر نکلنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں پردے کا حکم سب سے پہلے مرد کو دیا گیا تھا۔ بہت سارے مسلمان اس بات سے ناواقف ہوں گے۔ اس بات کی شورٹی ہے مجھے۔"

"تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟" اب کہ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تم جا کر اس سے بات کرو۔ اگر وہ بھی تمہارے لیے ویسا ہی سوچتی ہے تو ہم اس کے گھر والوں سے بات کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی فیلنگز نہیں ہیں تو آئندہ تم اسے نہیں دیکھو گے۔" مومن نے بس سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اور اگر تمہیں لگے کہ تم اسے بھول نہیں پاؤ گے تو پھر تم اسے اس سے نہیں، اللہ سے مانگنا۔" منہاج چپ ہوا تو مومن نے اسے دیکھا۔

"اور اگر اللہ نے نا دیا تو؟" مومن نے پوچھا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مومن ہو... مایوسی کی باتیں مت کرو۔"

"لیکن...."

"میرے بھائی اللہ سے ناامید نہیں ہوتے۔ اگر دعا قبول کروانی ہے تو پھر میری کچھ باتیں یاد رکھو۔ پہلی چیز کہ جو دعا مانگو اس پر یقین رکھو۔ انشاءاللہ وہ ضرور قبول ہو گی۔ اور جو تم مانگ رہے ہو اور وہ تمہیں نہیں ملا تو یقیناً اسی میں تمہاری بھلائی ہو گی۔ وہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے اور کبھی ان کا برا نہیں چاہتا۔ وہ اپنی رحمت سے نواز کر ہی رہتا ہے۔ اس لیے دعا پورے یقین سے مانگو۔ اگر وہ دے تو اس کا شکر ادا کرو اور نا دے تو صبر کرو۔" منہاج نے اس کے ہاتھ کو پیار سے تھپتھپایا۔ مومن نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ منہاج زیادہ

بولتا نہیں تھا لیکن جب بولتا تھا تو کمال کرتا تھا۔اس کی اکثر باتیں ایسے ہی دل کو لگتی تھیں جیسے ابھی مومن کے دل کو لگی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تمہیں کیا لگتا ہے عنایہ وہ تمہاری ان اداؤں کا اسیر ہو جائے گا؟اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو غلط لگتا ہے۔ پچھلے تین سالوں سے تم اس کے آگے پیچھے گھوم رہی ہو لیکن اس نے ابھی تک غلط تو کیا ایک اچھی نگاہ بھی تم پہ نہیں ڈالی۔"عنایہ جو ابھی ابھی حماد سے کسی بات پر لڑ کر آئی تھی،اپنی دوست کے پاس منہ پھلائے بیٹھی تھی۔اور وہ سمجھ گئی تھی کہ موڈ کیوں آف ہے۔

"تو تم بتاؤ میں ایسا کیا کروں کہ وہ مجھ سے محبت کرے۔میرا دیوانہ ہو۔ہر وقت میرے آگے پیچھے گھومے۔"

"تم جانتی تو ہو وہ کیا چاہتا ہے اور پھر بھی پوچھ رہی ہو۔" اس کی دوست جانتی تھی کہ اگر عنایہ سونے کی بھی بن کر آجائے تو حماد کے دل میں نہیں اتر سکتی۔ لیکن وہ اپنی دوست کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

"لیکن جو وہ چاہتا ہے وہ بہت مشکل ہے عریش۔ میں نہیں کر سکتی۔" عنایہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی لیکن آج اسے لگ رہا تھا وہ ہار رہی ہے۔

"کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔ بس انسان کے ہمت کرنے کی دیر ہوتی ہے۔ مجھے دیکھو میں نے بھی تو کر دکھایا ہے۔ مجھے بھی لگتا تھا کہ یہ بہت مشکل ہے ایک ماڈرن لڑکی سے ایک حجابی لڑکی بننا۔" عریش کے کہنے پر عنایہ نے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں تمہیں کیا شوق چڑھا تھا یہ سب کچھ کرنے کا۔اگر تم میری بچپن کی دوست نا ہوتی تو کب کا چھوڑ چکی ہوتی۔"عنایہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا تو عریش اسے دیکھ کر رہ گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"ارے میرے بھائی آ گئے۔اب میں چلتی ہوں۔"وہ دونوں یونیورسٹی کے مین گیٹ کے پاس کھڑی تھیں جب ماریہ نے سامنے یاور کی گاڑی دیکھی۔

"اوکے۔خدا حافظ۔"فرح نے کہا۔

"ارے آپ بھی چلیئے نا ہمارے ساتھ۔آپ کو بھی گھر ڈراپ کر دیں گے۔آپ کا گھر راستے میں ہی آتا ہے۔"ماریہ نے اسے آفر دی۔ تب تک یاور کی گاڑی بھی قریب آ گئی تھی۔

"نہیں نہیں میں چلی جاؤں گی۔ تم جاؤ۔" فرح کے انکار پر ماریہ نے آنکھیں دکھائیں۔

"میں پھر بھی نہیں آؤں گی۔" فرح نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"آپ مجھ سے بڑی ہیں ورنہ بد تمیز کہہ دیتی۔" ماریہ نے منہ بنا کر کہا تو وہ ہنس دی۔

"کہہ تو تم نے اب بھی دیا ہے۔" فرح نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ گئی۔ اور پھر اسے خدا حافظ کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

یاور نے غیر ارادی طور پر ماریہ کے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا۔ نگاہوں کے تصادم پر فوراً سیدھا ہوا۔ اسے ایسے روڈ پر کھڑی لڑکی کو دیکھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"چلیں۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی ماریہ نے کہا تو یاور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اس وقت وہ اپنے روم میں بیٹھا آفس کا کچھ کام کر رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کون ہے اندر آ جاؤ۔" نیند کی وجہ سے آواز بھاری ہو رہی تھی۔

اجازت ملتے ہی وہ دونوں ایک ساتھ روم میں داخل ہوئے۔

○○○○○○○○○○○○○

ـ

اس وقت وہ اپنے روم میں بیٹھا آفس کا کچھ کام کر رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کون ہے اندر آ جاؤ۔" نیند کی وجہ سے آواز بھاری ہو رہی تھی۔

اجازت ملتے ہی وہ دونوں ایک ساتھ روم میں داخل ہوئے۔

"تم دونوں اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو جبکہ یہ تم لوگوں کے سونے کا ٹائم ہے۔" حماد اور ماریہ کو اپنے روم میں دیکھ کر مومن کے ذہن میں خطرے کا الارم بجا۔ وہ دونوں اپنے چہروں پر مسکراہٹ لیے مومن کو دیکھ رہے تھے لیکن دونوں کی مسکراہٹ میں فرق تھا۔ حماد کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی جبکہ ماریہ کے چہرے پر متجسس مسکراہٹ تھی۔۔

"آپ مجھے یہ بتائیں یہ بریانی بدلنے والی حرکت آپ نے کی تھی؟" حماد آنکھیں دکھاتا آگے آیا۔

"ہاں یہ میری حرکت تھی لیکن یہ بات کل کی ختم ہو چکی ہے تو تم آج کیوں پوچھ رہے ہو؟" مومن اپنی مسکراہٹ دبائے سنجیدگی کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔

"اف بھائی! آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا کتنا مزا آتا اگر وہ سب یہ والا کھانا کھاتے۔ دن میں جتنا وہ سارے بڑے ہمیں ڈانٹتے ہیں سارا بدلا پورا ہو جاتا۔" وہ خاصہ بدمزہ ہوا تو مومن نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہمیں؟ ہاں..... ویسے تم دونوں کی آپس میں بنتی نہیں ہے اور اب دیکھو... جنگ کے لیے دونوں ایک ساتھ آ گئے ہیں۔" مومن کی بات پر حماد کے تاثرات لمحے بھر کو بدلے تھے جبکہ ماریہ نے اپنی مسکراہٹ کو ضبط کرتے حماد کو دیکھا۔ یہ تاثرات اسے تکلیف دیتے تھے۔ مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"آپ بات کیوں بدل رہے ہیں؟" حماد واپس اپنی ٹون میں آیا تو وہ بھی ہاتھ باندھے کھڑی ہو گئی۔

"مت بھولو میں بھی تمہارا بڑا بھائی ہوں۔"

"بالکل! بہت اچھے سے پتا چل گیا ہے کہ آپ بھی ہمارے بڑے بھائی ہیں۔" حماد نے جل کر کہا تو وہ دونوں ہنسنے لگے جب ہی ماریہ نے مومن سے پوچھا۔

"ویسے بھائی آپ نے وہ بریانی کہاں چھپائی؟ میں کل سے ڈھونڈ رہی ہوں لیکن مل نہیں رہی۔" مومن جو اپنے کام کی متوجہ ہوا تھا واپس ماریہ کی طرف دیکھا۔

"وہ.... وہ میں نے پرندوں کو ڈال دیا تھا۔"

"واٹ؟" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تو مومن تھوڑا شرمندہ سا ہوا۔ تبھی کوئی دروازے کی چرچراہٹ کے ساتھ چہرے پر ناگواری لیے اندر داخل ہوا۔

"یاور۔" مومن بالکل دروازے کے عین سامنے کھڑا جبکہ ماریہ اور حماد کی اس طرف پشت تھی۔ مومن کے بڑبڑانے پر دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"تم دونوں اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا باتیں چل رہی تھی؟" اس نے دو سوال ایک ساتھ پوچھے۔ وہ سن چکا تھا جو باتیں وہ کر رہے تھے پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بھائی ہم تو بس ایسے ہی....." حماد نے بولتے بولتے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ یاور نے ایک نظر حماد کو دیکھا اور پھر مومن کو۔

"تم کہہ رہے تھے کہ تم نے وہ کھانا پرندوں کے آگے ڈال دیا۔ کیا تم لوگ مجھے بتاؤ گے کہ یہ کس کھانے کی بات ہو رہی تھی؟" ان تینوں نے باری باری ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر یاور کو بتانا شروع کیا۔ بات ختم ہوتے ہی یاور نے دکھ سے مومن کو دیکھا اور پھر دکھ کی جگہ

غصے نے لے لی۔ لیکن اس نے اپنا غصہ کنڑول کرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔ کیونکہ وہ غصہ کنڑول کرنا جانتا تھا۔اس نے مومن کو پاس پڑی لکڑی کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھو۔"

مومن اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہوا پیچھے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور ریاور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ جبکہ وہ دونوں چپ چاپ پاس کھڑے رہے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ پھر سے کوئی لیکچر ملنے والا ہے جو آدھا دماغ کے اندر جائے گا اور آدھا اوپر سے گزر جائے گا۔ لیکن یہ لیکچر سنے بغیر ریاور ان دونوں کو وہاں سے ہلنے تک نہیں دے گا۔

"مجھے زیادہ کچھ نہیں کہنا۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "جو میں کہنے جا رہا ہوں شاید تم لوگوں کو فضول لگے یا بے مقصد۔ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ

بے حس لوگ اس بات پر ہنس کر چلے جائیں لیکن میرے خیال سے اس پہلو پر بات کر لینی چاہیے۔" وہ لمحے بھر کو رکا۔

"ایک چیز جو ہمیں نہیں پسند وہ ہمیں دوسروں کو نہیں دینی چاہیے۔ کیا گارنٹی ہے کہ جو چیز ہمیں پسند نہیں وہ دوسروں کو پسند آئے گی؟"

اس کی نظریں مومن کے جھکے ہوئے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ جبکہ حماد اور ماریہ نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا جیسے وہ اس بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میری بات دھیان سے سنو۔ آج کے بعد گھر میں جیسا کھانا بنا ہو گا تم لوگ اس کھانے کو دوسرے سے نہیں بدلو گے۔" اب کے اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ کبھی کبھی انہیں لگتا تھا کہ ان کے بڑے بھائی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا بنا کر لیکچر دیتے تھے۔

"پرندوں کا حصہ بھی تو نکالنا ہوتا ہے نا بھائی۔" حماد منمنایا۔ یاور نے اس کی جانب دیکھا۔

"لیکن جتنی مرچ تم اسے کھانے میں ڈال چکے تھے۔ سوچو ذرا ان پرندوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔" ماریہ نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ یاور نے اپنی مسکراہٹ کو ضبط کیا۔

"میری پیاری گڑیا۔ پرندوں کو مرچ محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے اندر یہ احساس نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو ہر قسم کے کھانے کو انجوائے کرتے ہیں۔" یاور نے اس کے نالج میں اِضافہ کیا۔

"ایسے کیسے بھائی؟" سوال حماد کی طرف سے آیا تھا۔

"پرندوں کا انسانوں کے مقابلے مسالہ دار کھانے کے لیے مختلف جسمانی رد عمل ہوتا ہے۔ پرندوں کی زبانوں پر ریسیپٹرز کی کمی ہوتی ہے جو کیپسا سین کا پتہ لگاتے ہیں، وہ مرکب جو مرچ کو ان کی

حرارت دیتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ پرندے اس جلن یا تکلیف کا تجربہ نہیں کرتے جو انسانوں کو مسالہ دار کھانا کھاتے وقت محسوس ہوتا ہے۔"ان دونوں نے تھوک نگلتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہم سمجھ گئے۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا تھا۔جبکہ ان کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔اور یہ بات یاور جانتا تھا تبھی وہ ہلکا سا مسکرایا لیکن ساتھ ہی چھپا گیا۔۔

" کبھی انٹرنیٹ پر کام کی چیز بھی سرچ کر لیا کرو تا کہ پتا ہو۔ہر وقت فضولیات میں لگے رہتے ہو۔"اس نے دونوں کو گھڑ کا۔دونوں نے کام کھجائے۔

"اور ہاں آئندہ ایسی حرکت دوبارہ نا ہو۔" انگلی اٹھا کر تینوں کو وارن کیا اور پھر جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ مومن بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوا تھا۔

"اور تم...۔" اب اس کا رخ حماد کی طرف تھا۔ "اگر آج کے بعد ایسی کوئی شرارت کی تو وہ سارا کھانا سزا کے طور پر تمہیں کھلاؤں گا۔ سمجھ آئی میری بات؟" آواز دھیمی تھی مگر کہا اس نے غصے سے تھا۔

حماد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب جا کر سو جانا۔ جاگتا ہوا نا دیکھوں میں تم لوگوں کو۔" تنبیہ کرتا ہوا روم سے باہر نکل گیا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے جب ہی ماریہ کی ہنسی نکل گئی۔ ان دونوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی ہنسی کو فوراً بریک لگا۔

"واللہ! میں تو ڈر رہی گیا تھا کہ پتا نہیں کیا کہنے لگا ہے اور دیکھو اتنی سی بات کہہ کر گیا ہے۔" مومن نے ماتھا پیٹا۔

"اور سب سے بڑی بات کہ میں اس سے ایک سال بڑا ہوا اور مخاطب ایسے ہوتا ہے میرے ساتھ جیسے وہ مجھ سے بڑا ہو۔" مومن نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں وہ تو بات بھی تو وہ ایسے ہی کریں گے نا۔" ماریہ نے فوراً یاور کی سائیڈ لی۔

"اوئے میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ اپنی بات کر رہا ہوں۔" مومن نے اسے گھورا۔

"ارے بھئی مجھے تو بہت نیند آ رہی ہے تو میں سونے جا رہی ہوں۔"

وہ فوراً اپنی جان وہاں سے بچا کر نکل گئی۔ حماد بھی ہنستا ہوا اس کے پیچھے ہی نکل گیا۔ مومن منہ کھولے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

اسے یاور پہ غصہ نہیں تھا۔ سب یاور کو بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے۔ اس نے چھوٹی عمر میں اپنے سب بہن بھائیوں کو کس طرح پالا تھا۔ اس گھر کو کس طرح سمبھالا تھا۔ ایک اسی سے تو سب ڈرتے تھے۔ یہاں تک ہاشم بھی اس سے ڈرتا تھا۔ ان کی نظر میں یاور اس گھر کا ستون تھا۔ ایک مظبوط ستون جو اپنے اوپر بہن بھائیوں کا اور بزنس کا بوجھ لیے کھڑا تھا۔

ان سب کے جانے کے بعد مومن پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن یاور کو اس طرح رات دیر تک جاگنا پسند نہیں تھا۔ اس لئے اس نے تھوڑا سا کام کیا اور پھر لیپ ٹاپ بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا اور اٹھ کر لائٹس آف کیں۔ پھر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

آنکھیں بند کی تو اس کے سامنے ایک خوبصورت اور معصوم سا وجود گھومنے لگا۔ اس کے چہرے پر ایک دلکش سے مسکراہٹ آ گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یہ ایک آفس روم کا منظر تھا۔ جس کی دیواروں پر سفید اور چمکتا ہوا پتھر لگا ہوا تھا۔ ہر چیز نفاست سے رکھی گئی تھی۔ ایک طرف گلاس وال تھی جس کے اس پار سمندر تھا۔ پررونق منظر۔ آفس کے اندر گلاس وال کی مخالف سمت صاف ستھری دیوار تھی۔ جس کے پاس ایک تھری سیٹر صوفہ رکھا ہوا تھا جس کا رنگ کالا تھا۔ آفس ٹیبل کے پاس رکھی سربراہی کرسی پر وہ بیٹھا تھا اور اس کے پیچھے کی دیوار پر بک ریک بنا ہوا تھا۔ جس پر بہت ساری کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ پچیس سالہ نوجوان بیقرار سا وہاں بیٹھا کوئی فائل دیکھ رہا تھا۔ سانولی رنگت اور عام سے نقوش کے باوجود وہ جس حلیے میں تھا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ بلیک تھری پیس پہنے ہوئے وہ بہت ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ کوٹ اتار کر کرسی پر لٹکایا ہوا تھا۔ کف مڑے ہوئے تھے۔ بالوں کو کورین

اسٹائل دیا گیا تھا۔ یعنی ایک سائڈ سے پیچھے اور ایک سائڈ سے ماتھے پر بکھرے۔ اس معمولی حسن کے ساتھ بھی وہ ہزاروں لڑکیوں کے دلوں کو دھڑکا سکتا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں سرد مہری تھی۔ وہ کوئی رحم دل نوجوان نہیں لگتا تھا۔ اس کی کم عمری کے باوجود اسے سی ای او کی کرسی پر بیٹھا دیکھ اکثر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ لیکن اس کے پیچھے کی وجہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

فائل سے نظریں ہٹا کر اس نے لیپ ٹاپ کی جانب رخ کیا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جھنجھلا کر سر اٹھایا۔

"کم اِن۔" پھر واپس مصروف۔ دروازے سے کوئی چالیس سالہ مرد اندر آیا تھا۔ اس نے وائٹ کلر کی شرٹ کے ساتھ نیلی جینز پہنی ہوئی تھی۔ بال ماتھے پر بکھرے وہ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔

"کہو کیا خبر ہے ؟"اس نے نظریں لیپ ٹاپ پر جمائے اس لڑکے سے پوچھا۔

"وہ دو دن پہلے ہی کوریا واپس آیا ہے۔"

"وہ کون ؟"وہ مصروف تھا شاید اسی لیے سمجھ نہیں سکا ورنہ اس کے ذکر پر سارے پرانے درد تازہ ہو جاتے تھے۔

"یمان درانی۔"جیونگ کے تیزی سے ٹائپ کرتے ہاتھ ایک جھٹکے سے رکے۔آنکھوں میں تیزی سے نمی آئی۔اس نے سختی سے اس نمی کو واپس دھکیلا۔ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے جاؤ تم۔"اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ سر کو خم دیتا وہاں سے چلا گیا۔جیونگ نے آنکھیں بند کیں تو ماضی کے کچھ پل اس کی آنکھوں میں کسی ٹریلر کی طرح آئے۔اس نے سختی سے لبوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیا۔

"تم نے میری زندگی برباد کر دی یمان۔اس کی قیمت تو تمہیں چکانی پڑے گی۔بہت انتظار کیا ہے تمہارا۔اب واپس آ گئے ہو تو.... تیار رہنا....اپنی بربادی کے لیے۔"اس نے شل ہوتے دماغ کے ساتھ سوچا تھا۔اس کا کام سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔وہ کچھ پل ریلکس کرنے کی غرض سے آنکھیں بند کیے ایسے ہی بیٹھا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

مڈ ٹرم نزدیک تھے اسٹوڈنٹس کھلے آسمان تلے وسیع میدان میں ہری ہری گھاس پر بیٹھے گروپ اسٹڈی کر رہے تھے۔غیر مسلمز کے ساتھ بیٹھ کر پڑھائی کرنا بھی ایک مسلہ تھا اس لیے ہر کلاس کے مسلم اسٹوڈنٹس کا ایک الگ گروپ بنایا گیا تھا تاکہ انہیں پڑھائی میں کسی قسم کی مشکل نا ہو۔سارے دوست آپس میں کچھ ڈسکس کر رہے تھے لیکن اس کی نظریں ان کے سامنے کے گروپ میں بیٹھی اس

لڑکی پر جمی ہوئی تھیں جو کچھ دنوں سے اس کے ذہن پر سوار ہو گئی تھی۔ وہ اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو سیراب کر رہا تھا۔ چینگ من کو اس کا اس لڑکی کو بار بار دیکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تمہیں اس لڑکی کے دیدار سے فرصت مل گئی ہو تو ہماری بھی بات سن لو۔" لیو نے کہا تو جنگکوک اس کی بات پر ہنسا۔

"تم اسے دیدار کہتے ہو جس میں اس کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا۔" جنگکوک کی بات پر سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ جنگکوک نے سب کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر فوراً سیدھا ہوا۔

"تم لوگ تو ایسے حیران ہو رہے ہو جیسے یہ دنیا کی واحد لڑکی ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے سامنے روزانہ اس طرح کی بہت سی لڑکیاں آتی ہیں جن پر ہماری نظریں غیر ارادی طور پر اٹھ جاتی ہیں۔" جنگکوک نے اپنی طرف سے صفائی دی۔

"لیکن مسٹر جنگکوک آفندی یہ وہ واحد لڑکی ہے جسے دیکھ کر آپ نے اگنور نہیں کیا۔ بلکہ آپ اسے بار بار دیکھتے ہیں۔ اور پھر پلکیں جھپکنا بھول جاتے ہیں۔" لیو نے جیسے اسے یاد کروایا۔ لیو کی بات پر چینگ نے ناگواری سے پہلو بدلا۔ اور جنگکوک نے اسے گھورا۔ باقی دوست بس خاموشی سے یہ سب دیکھ رہے تھے لیکن کچھ ہی دیر میں وہ سب ان کی گفتگو سے بور ہو کر وہاں سے اٹھ گئے۔ لیو، چینگ من اور جنگکوک بچپن کے دوست تھے۔ جبکہ باقی چار یونی میں آکر بنے تھے۔ جن میں دو لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ اکثر وہ ان بچپن کے دوستوں سے بور ہو جاتے تو اپنی اپنی گرل فرینڈ کو لے کر وہاں سے چلے جاتے۔

"ویسے ماننا پڑے گا پسند اچھی ہے تمہاری۔" لیو نے ماریہ کو دیکھتے ہوئے کہا جو اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی سے کوئی بات کر رہی تھی۔

"تم یہ بات میری طرف دیکھ کر بھی کر سکتے ہو۔" جنگکوک نے ناگواری سے کہا۔

"ارے میں اندھا ہو جاؤں جو بھابھی کو اس نظر سے دیکھوں تو۔" لیو نے اپنے ازلی شرارتی لہجے میں کہا تو جنگکوک نے پہلے اسے گھورا اور پھر مسکرا دیا۔ جبکہ چینگ نے لیو کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اس نے فوراً کان پکڑے جبکہ جنگکوک ماریہ کو دیکھ رہا تھا جو وہاں سے اٹھ کر جا رہی تھی۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"اس سے پہلے کہ نماز کا وقت نکل جائے میں پڑھ لوں۔" وہ اپنی کسی دوست کو بتا کر وہاں سے جانے لگی۔ اس کو وہاں سے جاتا دیکھ کر جنگکوک بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔ چینگ نے کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ جبکہ لیو اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

"یہ پکا اس لڑکی کے ہاتھوں ذلیل ہونے والا ہے۔"لیو نے مزے سے کہا۔

"بیچارے نے پہلی دفعہ محبت کی ہے اور پہلی دفعہ میں ہی تھپڑ کھا کر آئے گا دیکھ لینا تم۔"اس نے چینگ مِن کو دیکھ کر چیلنجنگ انداز میں کہا۔اس نے جواب نہیں دیا اور اپنے موبائل پر انگلیاں چلانے لگی۔لیو نے اسے دیکھا تو درد کی ایک ٹیس اپنے دل میں محسوس کی۔اور پھر اپنے موبائل میں مصروف ہو گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یہاں پر گرلز واشروم الگ سے بنائے گئے تھے۔ایک قطار میں کئی زیادہ واشروم تھے۔عموماً تعلیمی اداروں کے واشروم بدبودار اور گندے ہوتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں تھا۔واشروم صاف ستھرے تھے۔اس کے فرش اور دیواروں پر سفید رنگ کی ٹائل لگی ہوئی

تھی۔ واشروم سے نکل کر سامنے ایک برآمدہ بنا تھا جہاں قطار میں بیسن لگے ہوئے تھے۔ دائیں طرف مین دروازہ تھا۔ ایک بیسن پر کھڑی وہ وضو کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ بھی وہاں پر دو تین لڑکیاں تھیں لیکن وہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ ان سب سے بے نیاز وہ وضو کرتی رہی۔ تبھی وہ تینوں لڑکیاں اس کے پاس سے گزر کر وہاں سے چلی گئیں۔

وہ اپنا حجاب درست کر رہی تھی جب اس نے خود کو غیر آرام دہ محسوس کیا۔ اس نے اپنے دائیں جانب گردن موڑ کر دیکھا۔ اس کے حجاب کرتے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔ پھر فوراً چہرے پر دوپٹے کا پلو کیا اور چہرے پر شدید غصہ لیے اسے دیکھے گئی۔ آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے۔

"انتہائی غیر اخلاقی حرکت کی ہے آپ نے۔" وہ وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن جنگکوک غیر ارادی طور پر اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔اس نے جواب نہیں دیا تو ماریہ نے خود سائڈ سے نکل جانا چاہا۔

"مجھے جانا ہے.....راستہ چھوڑیں گے آپ؟" اسے جتنا غصہ تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر جائے۔

"اوہ....سوری....میں نے دھیان نہیں دیا کہ میں آپ کے راستے میں کھڑا ہوں۔" وہ وہاں سے ہٹا نہیں تھا۔اس نے جنگکوک کی چمکیلی آنکھوں میں دیکھا۔نگاہوں کے ملاپ پر جنگکوک کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

اس کی آنکھوں میں سامنے کھڑے لڑکے کے لیے صرف غصہ تھا لیکن دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔جنگکوک کے مسلسل دیکھنے پر

اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔اسے جنگلوک کی نظروں سے گھن آ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"جنگلوک نے جلدی سے کہا۔

"لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔پلیز آپ میرا راستہ چھوڑ دیں۔"آواز دھیمی لیکن لہجہ سخت تھا۔جنگلوک بے اختیار سائیڈ پر ہو گیا۔

اس نے ایک نظر اس کے پرکشش چہرے پر ڈالی اور پھر تیزی سے اس کے دائیں جانب سے نکلتی چلی گئی۔اس نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔اور پھر اس سانس کو خارج کر دیا۔پھر اس کا چہرہ یاد کرنے لگا۔

اس کا رنگ سفید تھا لیکن ایسی کوئی خوبصورت نہیں تھی کہ کوئی بھی اسے دیکھتا اور دل ہار بیٹھتا۔آنکھیں لائٹ براؤن اور دائیں گال پر تل

تھا۔ وہ معمولی شکل وصورت والی لڑکی جنگکوک کو ہر اس لڑکی سے زیادہ حسین لگی تھی جو اب تک اس کی زندگی میں آئیں تھیں۔ وہ جنگکوک سے زیادہ خوبصورت نہیں تھی لیکن ایسا کیا تھا اس میں جس نے جنگکوک کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں سے، اس کے تل سے اور اس کے حجاب سے محبت کر بیٹھا تھا۔ وہ اسی بات پر خوش تھا کہ اس لڑکی کو اس کے علاوہ اس یونیورسٹی میں کسی نے نہیں دیکھا۔

لیکن اپنی غیر اخلاقی حرکت پہ اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔ وہ دل کے ہاتھوں اتنا مجبور کیسے ہو گیا۔ اس نے زور سے دیوار پر ایک مکا مارا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہاں سے تو وہ نارمل انداز میں نکلی تھی لیکن اب دل کنڑول میں نہیں آرہا تھا۔ کلاس میں آکر اس پہلے پانی پیا۔ وہ زیادہ تر پانی کی بوتل اپنے گھر سے ساتھ لاتی تھی۔ یہاں کا پانی اسے پسند نہیں آتا تھا۔ پانی پی کر اس نے خود کو کمپوز کیا۔ لیکن ذہن میں بار بار وہی منظر آرہا تھا۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس کا چہرہ آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔

"بدتمیز... ہونہہ۔ ناجانے خود کو کیا سمجھتا ہے۔ برا آدمی۔" دل میں کہتی وہاں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ اس حالت میں نماز نہیں پڑھ سکتی تھی۔ سب سے پہلے اس نے خود کو ریلکس کیا۔ پھر کچھ دیر بعد نماز کے لیے پریر روم میں چلی گئی۔

پریر روم پہنچنے تک اس نے دوبارہ سے اس اسے سامنا نا ہونے کی دعا کی تھی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

اس وقت وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔اس کے سامنے لیپ ٹاپ پڑا ہوا تھا جس پر وہ تیز تیز انگلیاں چلا رہا تھا۔اس کے پاس کافی کا مگ پڑا ہوا تھا جسے ابھی تک اس نے چھوا نہیں تھا۔کام ختم کر کے اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور پیچھے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیں اور ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔پھر سیدھا ہوا اور کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ایک ہی سپ پر یاور کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"اُف یہ تو برف سے بھی زیادہ ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" اکتائے ہوئے لہجے میں انٹر کام اٹھایا اور کافی کا دوسرا کپ آرڈر کیا۔پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے آفس روم کی گلاس وال کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔موسم کافی خوشگوار اور ٹھنڈا ہو رہا تھا۔شیشے کی دیوار کے اس پار کا منظر بہت خوبصورت تھا۔ہر طرف سبزہ تھا۔لمبے لمبے خوبصورت درخت تھے

اوران کے درمیان بنی اونچی عمارتیں۔ وہ ان نظاروں میں مگن تھا

جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کم ان۔" مڑے بغیر کہا۔ اجازت ملتے ہی وہ اندر آیا تھا۔ یاور مڑا

نہیں تو نو وارد کھنکارا۔ یاور ایڑھیوں پر گھوما تو سامنے مومن کو دیکھ کر

اسکی بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

"آپ تھے میں سمجھا کافی آئی ہے۔" ہلکی سی مسکراہٹ نے ہونٹوں

کو چھوا تو اس کے ڈمپل نمایاں ہوئے۔

"تم کافی کا انتظار کر رہے تھے۔" اس نے سرسری پوچھا تو یاور نے

ہاں میں سر کو ہلایا۔ تبھی دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

"آجائیں۔" آنے والا ایک ڈھلتی عمر کا آدمی تھا جس کے ہاتھ میں کافی

کا مگ تھا۔

"یہاں رکھ دیں اور یہ اٹھالیں۔" یاور نے ٹھنڈی کافی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوکے سر۔" اس آدمی نے سر کا خم بنا کر کہا اور ٹھنڈی کافی اٹھا کر لے گیا۔ یاور اپنی کرسی پر آکر بیٹھا۔ اب اس پار وہ تھا اور دوسری جانب مومن۔

"مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" مومن نے تمہید باندھی۔ یاور جو کافی کا سپ لے رہا تھا مگر سے نظریں اٹھا کر مومن کو دیکھا۔

"ہاں بولیں میں سن رہا ہوں۔" یاور سیدھا ہوا۔

"وہ.....دراصل.....مجھے آفس میں ایک لڑکی پسند آگئی ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" بنا کوئی دیر کئے مومن نے اپنی بات کہہ دی۔ یاور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کون لڑکی؟" تجسس سے پوچھا۔

"وہی.... جس کا ٹیبل میرے آفس کے.... سامنے ہے۔" اس اس نے جھجھک کر بتایا لیکن ابھی اسے منہاج کی باتوں پر عمل کرنا تھا۔

"کیا آپ نے اس سے بات کی؟"

"نہیں... مجھے ڈر ہے کہ......"

"کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو...."

"ہاں.... پتا نہیں میں... اس کا انکار سن پاؤں گا بھی یا نہیں۔" آواز دھیمی اور لہجہ سنجیدہ تھا۔ چہرے پر خوف بھی نمایاں تھا۔ محبت کو کھو دینے کا خوف۔

یاور نے اس کے چہرے پر پھیلے خوف کو دیکھا تو اسے کچھ سال پہلے والا ہاشم یاد آگیا۔ جب اس کی محبت اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اور وہ کتنا رویا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ اس یہ بھی یاد تھا

جب ان کی ماں اس دنیا سے گئی تھی تو اس کے بابا کتنے ویران ہو گئے تھے۔ماں کی جدائی نے باپ کو کتنا کمزور اور اکیلا بنا دیا تھا۔

آج اس کے ایک اور بھائی نے محبت کر لی تھی۔وہ اسے روک تو نہیں سکتا تھا لیکن سمجھا تو سکتا تھا نا۔

"اگر محبت کر لی ہے تو انکار کا حوصلہ بھی پیدا کر لیں۔"وہ بہت جلد جذباتی نہیں ہوتا تھا یا حالات نے اسے اتنا سخت بنا دیا تھا۔ماضی کی تلخیوں کو بھلانا آسان نہیں تھا لیکن وہ ان پر مٹی ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا۔وہ چھوٹی عمر میں بہت بڑا ہو گیا تھا۔وہ خوابوں میں جینے والا لڑکا نہیں تھا۔ایک پریکٹیکل بندا تھا۔جو کتابیں وہ پڑھتا تھا وہ رومانس یا لو اسٹوریز پر مبنی نہیں ہوتی تھیں۔اس کا انٹرسٹ الگ تھا۔وہ حقیقت پسند انسان تھا۔

"کیا تم اس کے گھر والوں سے بات نہیں کر سکتے؟" مومن کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ محبت میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ واپسی کا راستہ نہیں ہے۔

"آپ پہلے ایک دفعہ اس سے بات کر لیں۔ اگر وہ ہاں کہیں گی تو ہم ان کے گھر والوں سے بات کر لیں گے۔"

"کیا تم اس سے بات نہیں کر سکتے۔"

" صحیح ہے بھئی۔ محبت آپ فرمائیں اور قربانی کا بکرا ہم بنے۔ ہم تو نہیں کر رہے۔ ہماری طرف سے انکار ہے۔ محبت آپ نے کی ہے تو بات بھی آپ ہی کریں گے۔" یاور نے ہری جھنڈی دکھائی تو وہ آہ بھر کر رہ گیا۔

"اور بھائی صاحب دوسری اور اہم بات کہ ایسی باتیں ورک پلیسز پر کرنے والی نہیں ہوتیں۔ اس لیے آپ ایک دفعہ ان سے بات کر

لیں۔ پھر ہم اس حوالے سے گھر پر بات کریں گے۔" اپنی بات کہہ کر اس نے کافی کا آخری گھونٹ بھرا اور پیچھے ٹیک لگا لی۔ مومن نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھیکا سا ہنس دیا۔

اب سب کچھ اسے خود ہی کرنا تھا۔ یاور نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار دل اسے دعا دینے کو چاہا۔

"یا اللہ میرے بھائی کو اس کی چاہت سے نواز دینا۔ اس دفعہ فرقان ہاؤس کے ممبر کسی غم کے لیے فی الحال تیار نہیں ہیں۔" دل میں کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس میں سب کھانا کھا کر اپنے اپنے روم میں جا چکے تھے۔ ایسے میں گھر سے کچھ فاصلے پر سرونٹ کوارٹرز میں سے ایک کوارٹر

میں وہ اپنے بستر پر بیٹھی ہوئیں تھیں۔ سامنے کچھ چیزیں بکھری پڑی تھیں جن میں ماضی کی تلخ یادیں بستی تھیں۔

"میں اس گھر کو اور یہاں کے لوگوں کو اپنا سمجھتی ہوں۔" چیزوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چیون سا نے کہا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میں ان سے محبت کرتی ہوں۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ وہ جو ایک نقصان یمان بیٹے نے کیا ہے۔ وہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ جب جب اسے دیکھتی ہوں تو غم تازہ ہونے لگتا ہے۔" وہ ان چیزوں میں سے ایک شرٹ اٹھا کر اپنے ساتھ لگائے رونے لگی۔ وہ کسی پندرہ سولہ برس کے لڑکے کی شرٹ تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"ارے علیزے تم رو کیوں رہی ہو؟"فرح جو ابھی عشا کی نماز پڑھ کر آئی تھی اپنی چھوٹی بہن کو روتا دیکھ کر ادھر ہی آ گئی۔وہ اس سے ایک سال ہی چھوٹی تھی۔

"اب کچھ بولو بھی، میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"فرح پریشان سی اس کے پاس ہی بیٹھی تو علیزے اس کے گلے سے لگ کر اور زور سے رونے لگی۔

"اف! چپ کرو ورنہ امی بابا میں سے کوئی آ جائے گا۔مجھے بتاؤ آفس میں کوئی بات ہوئی ہے؟"وہ کچھ نہیں بول رہی تھی بس روئے جا رہی تھی۔ تبھی فرح اس سے علیحدہ ہوئی اور اس کے آنسوؤں صاف کیے۔ پھر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔

"کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟ بولو میری جان ایسے رو رو کر مجھے پریشان کیوں کر رہی ہو؟"اس نے بھاری پلکیں اٹھا کر فرح کو دیکھا۔

"فرح۔۔۔۔۔ عمر۔۔۔۔۔۔ عمر مر گیا۔ وہ۔۔۔۔ وہ ختم ہو گیا۔"

فرح نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"علیزے اکیلی رہ گئی۔" یہ کہہ کر وہ پھر سے رونے لگی۔

"علیزے کیا تم کسی سے محبت کرتی تھی؟" چہرے پر معصومیت اور دکھ تھا۔ "کیا اس کا نام عمر تھا؟ کیا وہ مر گیا؟ علیزے! وہ کیسے مرا؟" فرح نے ایک ساتھ کئی سوال پوچھ ڈالے۔ علیزے نے دائیں بائیں سر ہلایا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"اسے گولی لگی تھی۔" فرح کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"تم نے ایک ایسے لڑکے سے محبت کی جس کے اتنے دشمن تھے۔"

علیزے نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں میری بات نہیں کر رہی۔"

"علیزے تو تمہارا ہی نام ہے نا۔" فرح نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

علیزے نے تاسف سے۔

"چپ کر جاؤ فرح کتنا بولتی ہو تم۔ میں۔۔۔۔۔ میں امر بیل ناول والی علیزے کی بات کر رہی ہوں۔" اس کے سارے ایموشنز کا بیڑہ غرق ہو چکا تھا۔ غصے سے ایک نظر فرح کو دیکھ کر پھر سے ناول پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

"علیزے کی بچی۔ تم۔۔۔۔ تم طریقے سے نہیں بتا سکتی تھی کہ تم ناول کی بات کر رہی ہو۔ میری یہاں جان نکل گئی تھی۔" اس نے غصے سے پاس پڑا تکیہ اٹھا کر علیزے کو دے مارا۔ اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر بیڈ پر جا گرا۔

"واپس آ گئی نا اب تمہاری جان۔ اب میری جان چھوڑو اور سو جاؤ جا کر۔" علیزے اپنا موبائل اٹھا کر صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ فرح کو اس پر

شدید غصہ آرہا تھا لیکن کنٹرول کر گئی۔ علیزے اس سے چھوٹی تھی اور چھوٹی بہنیں اپنے چھوٹے ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اگر علیزے کی جگہ فرح ہوتی تو یقیناً تکیے کی جگہ کوئی بھاری چیز ہوتی پھر بھی علیزے کا غصہ ختم نا ہوتا۔ علیزے چھوٹی ہونے کے باوجود بھی جاب کر رہی تھی لیکن فرح ابھی تک بی ایس کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اس کی وجہ فرح کا ایک لمبے عرصے تک بیمار رہنا تھا۔ جس میں اس کی پڑھائی کا کافی حرج ہوا تھا۔ دو سال پہلے ہی اس نے اپنی پڑھائی پھر سے شروع کی تھی۔

ابھی اس کا بھی کوئی کتاب پڑھنے کا دل کر رہا تھا لیکن صبح اس کا پہلا پیپر تھا تو وہ اس کی تیاری کے لیے لائبریری چلی گئی تھی۔ اس نے اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی لائبریری بنا کر رکھی تھی۔ جہاں اردو، انگلش اور کورین ناولز کا مجموعہ تھا۔ اس کے علاوہ تاریخی اور اسلامی

کتابیں بھی تھیں۔کچھ ہارر ناولز تھی۔اوراس کی یونیورسٹی کی کتابیں۔وہ اپنی پڑھائی زیادہ تراسی لائبریری میں بیٹھ کرکرتی تھی۔

فرح کے جاتے ہی علیزے فوراً بیڈ پر آگئی اور ایک دفعہ پھر سے اس کا رونا شروع ہو چکا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

صبح اس کا پہلا پرچہ تھااور وہ بیٹھ کر تیاری کر رہی تھی۔اسے کچھ چیزوں کی سمجھ نہیں آرہی تھی تو سوچا یاور بھائی سے پوچھ لے۔لیکن جب اس نے سامنے ٹنگی وال کلاک کی طرف دیکھا تھا وہاں رات کے بارہ بج رہے تھے۔اور اسے یقین تھا کہ بھائی اس وقت سو گئے ہوں گے۔اسے دیر تک جاگنا پسند نہیں تھا۔مایوس ہو کر واپس بیٹھ گئی۔ پھر پڑھتے پڑھتے چائے کی طلب ہونے لگی تو کتابیں چھوڑ کر وہ باہر آ گئی۔پہلے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں یاور بھائی جاگ نا رہے ہوں۔پھر

کچن کی طرف جانے لگی۔ تبھی اس کی نظریں اوپر ایک روم کی طرف گئیں۔ جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس روم کی بتی جل رہی تھی۔

"اس کا مطلب یمان بھائی ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ انھی سے ہیلپ لے لیتی ہوں۔" چائے کو بھول کر وہ واپس روم میں آئی اور اپنی مطلوبہ کتاب اٹھا کر پھر باہر آ گئی۔ نائٹ ڈریس میں بھی اس نے سر پر دوپٹا لیا ہوا تھا لیکن بال کھلے ہوئے تھے۔ سلکی اور بلیک چمکتے بال کمر سے بھی نیچے جاتے تھے۔ ان سے بے نیاز وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ گھر میں داخل ہوں تو اس کے رائٹ سائیڈ پر تین کمرے تھے۔ پہلے والا ماریہ کا، پھر منہاج کا اور ساتھ والا حماد کا تھا۔ جن کے اوپر باقاعدہ تینوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ بالکل سامنے مگر انٹرنس سے کچھ فاصلے پر سامنے سیڑھیاں تھیں جو تھوڑا اوپر جا کر تھوڑا سا موڑ لیتی تھیں۔ سیڑھیوں کے موڑ کے نیچے ایک اوپن کچن تھا لیکن کافی بڑا

تھا۔داخلی دروازے سے کچھ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اندر موجود نفوس نظر نہیں آتے تھے۔کچن کے سامنے کھانے کی میز لگی ہوئی تھی۔منہاج کے روم کے مخالف سمت ڈرائنگ روم تھا۔

لاونج میں نیوی بلیو کلر کے صوفے رکھے ہوئے تھے۔ایک تھری سیٹر اور ایک ایل شیپ صوفہ تھا۔اور دو سنگل تھے۔درمیان میں شیشے کی میز تھے۔سیڑھیوں کے دائیں طرف حماد کے کمرے کے ساتھ خالی دیوار پر فیملی فوٹو تھا۔جو کہ بہت بڑا تھا۔اس میں ماریہ کی تصویر ایڈٹ کر کے لگائی گئی تھی۔

گھر مکمل صاف شفاف تھا جس پر سفید پتھر لگا ہوا تھا۔گھر کا باہر کا حصہ بھی ویسا ہی خوبصورت اور وسیع تھا۔جو کہ رات کے اس پہر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔مین گیٹ سے داخلی دروازے تک ایک سڑک نمار اہداری تھی۔جس کے سائڈ پر چھوٹی چھوٹی کیاریاں بنی

ہوئی تھیں۔ کچھ بڑے بڑے پودے تھے اور گلاب کی تو حد تھی۔ ہر رنگ کے پھول لان میں موجود تھے۔ یہ تمام مناظر دن کو اور بھی خوبصورت لگتے تھے۔ لیکن فی الحال رات تھی اور رات کے بارہ کا ٹائم۔ جب فرقان ہاؤس کے افراد بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔

ایسے میں وہ احتیاط سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

اوپر پہنچ کر یمان کے روم کے سامنے رکی۔ پھر دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا اور آہستہ آواز میں دستک دی کہ کوئی سن نا لے۔ یمان جو اپنے سامنے رکھی فائل پڑھ رہا تھا ذرا سی گردن اونچی کر کے دیکھا۔ سامنے

وہ دروازے سے اپنا سر اندر نکالے کھڑی تھی۔

"آجاؤ۔" مسکرا کر کہا تو وہ اجازت ملتے ہی اندر آگئی۔

"ارے آرام سے لڑکی۔" دروازہ زور سے بند کیا تو یمان دبی دبی آواز میں چلایا۔ اس نے گڑبڑا کر یمان کی طرف دیکھا۔

"اگر یاور بھائی کو پتا چل گیا نا تو دونوں کی شامت آجائے گی۔" یمان نے اسے ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔ وہ چلتی ہوئی یمان کے برابر، صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

"اور جو ابھی تک آپ جاگ رہے ہیں اگر یہ یاور بھائی کو پتا چل گیا تو؟" گردن اکڑا کر کہا۔

"تو میں ہم دونوں کی بات کر رہا ہوں پاگل لڑکی۔" لفظ پاگل پہ اس نے زور دیا تو ماریہ نے خفگی سے اسے گھورا۔

"اچھا یہ بتاو یہ آدھی رات کو تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس کے ہاتھ میں کتاب، رجسٹر اور پین دیکھ کر پوچھا۔

"یہ مجھے اس کی سمجھ نہیں آرہی۔ کیا آپ مجھے سمجھا دیں گے؟" مطلوبہ عنوان پر انگلی رکھی۔ یمان نے اس کے ہاتھ سے کتاب لی اور دیکھنے لگا۔ ابھی تھوڑا سا کام کروایا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک

ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ اس بار دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تیسری دفعہ دستک کے بجائے دروازہ کھولا گیا تھا۔ نووارد کو دیکھ کر بظاہر دونوں ڈر گئے تھے لیکن اندر ہی اندر ماریہ کو ہنسی آرہی تھی۔ جبکہ یمان فوراً کھڑا ہو گیا۔

"بھائی آ۔۔۔آپ یہاں؟۔۔۔کوئی کام تھا تو۔۔۔مجھے بلا لیا ہوتا۔" بہت سارا تھوک ایک ساتھ نگلا۔ یاور نے نفی میں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو یہ کبھی نہیں سدھرے گیں۔

"رات کے ایک بج رہے ہیں اور تم لوگ ابھی تک جاگے ہوئے ہو۔ وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" دونوں کو اپنی نظروں کے حصار میں لے کر سختی سے کہا۔

"وہ ایک ضروری فائل تھی جو مجھے ابھی دیکھنی تھی اور۔۔۔" ماریہ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کا پیپر تھا تو اس لیے اپنا مسلہ لے کر آئی تھی۔" بہت آہستہ سے کہا۔

"باقی کا کام صبح کر لینا۔ کافی رات ہو گئی ہے۔ اب تم دونوں کو سونا چاہیے۔" چہرہ کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھی۔

"لیکن بھائی میرا ضروری کام ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ یمان نے اسے ٹوکنے کے انداز میں دیکھا۔

"میں نے کہا نا کہ باقی کا کام صبح کر لینا۔" لہجہ ختمی تھا۔ جانے کے لیے پلٹا اور پھر رک گیا۔ واپس ان دونوں کی طرف مڑا۔

"جانتا ہوں کہ کام بہت ضروری ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری صحت ہے۔ اگر صحت نہیں ہو گی تو تم لوگ کام کیسے کرو گے۔" ایک نظر اپنی خفا بہن پر ڈالی۔

"گڑیا! ابھی سو جاؤ۔ صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھو گی تو اس ٹائم سونے کے بجائے امتحان کی تیاری کر لینا۔ رات اللہ نے سونے کے لیے بنائی ہے۔ آرام کے لئے بنائی ہے۔ اس میں بھی اگر تم لوگ ان دنیاوی کاموں کے لیے جاگو گی، اسے جاگ کر برباد کرو گے تو صحت سے دور رہو گے۔ سستی جو تم لوگوں کی پہلے ہی ختم نہیں ہوتی۔۔۔۔ پھر وہ بالکل بھی ختم نہیں ہو گی۔" اس کے آخری جملے میں چھپا طنز اچھے سے واضح تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا۔

"مجھے امید ہے میری بات تم لوگوں کی سمجھ میں آگئی ہو گی۔" آخری دفعہ ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر چلا گیا۔ ان دونوں نے پیچھے سے رکی ہوئی سانس بحال کی۔

"سچی جب آپ دونون یہاں نہیں تھے تو کوئی بھی ایسی پابندیاں نہیں لگاتا تھا۔" خفگی سے کہہ کر اپنی کتابیں اٹھا کر یمان کے روم سے باہر

آئی۔اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔دروازے کی کھٹاک پر یمان نے زور سے آنکھیں بند کی اور پھر ہنس دیا۔

"پاگل لڑکی۔"زیر لب بڑبڑایا۔اور پھر یاور کے حکم پر عمل کرنے کے لیے اٹھ گیا۔

یاور نے دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز سنی تھی۔ایک آفسردہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تو ڈمپل ذرا گہرا ہوا۔

"یہ لوگ کبھی نہیں سمجھ سکتے جو ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے۔"

کھڑکی کے پاس پڑی ونگ چیئر پہ بیٹھا اور سر پیچھے ٹکا لیا۔وہ سب سو جاتے تھے اور جب تک وہ نہیں سو جاتے تھے،وہ نہیں سو سکتا تھا۔وہ اپنے بہن بھائیوں کا محافظ تھا۔جب وہ یہاں نہیں تھا تو ہاشم کو دن میں بہت دفعہ فون کرتا تھا۔عموماً یہ کام گھر کے بڑے بیٹے یا بیٹی کا ہوتا ہے

کہ ماں باپ کے بعد اپنے چھوٹے بھائی بہن کا خیال رکھے لیکن فرقان ہاؤس ام گھروں سے مختلف تھا۔ یہاں گھر کے منجھلے بیٹے کو گھر کے چھوٹے بڑے کا خیال رکھنا تھا۔۔

ooooooooooooooooo

ماریہ ابھی کچھ مہینے پہلے ہی پورے اٹھارہ سال کی ہوئی تھی۔ حماد جو اس سے چار سال بڑا تھا وہ بھی پورے بائیس کا ہونے جارہا تھا۔ گل رعنا کی ڈیتھ کی وجہ سے اس کے اسکول کا ایک سال ضائع گیا تھا۔ یمان جو حماد سے تین سال جبکہ یاور چار سال بڑا تھا۔ یمان چھبیس اور یاور ستائیس سال کا ہو چکا تھا۔
ہاشم کی عمر تینتیس سال تھی۔ منہاج بتیس جبکہ مومن اکتیس سال کا تھا۔ کوریا میں چالیس سال تک کی عمر کو بالکل جوانی کی عمر سمجھا جاتا

ہے۔ تبھی ہاشم اس عمر کے باوجود بھی بے انتہا خوبصورت اور ڈیشنگ لگتا تھا۔ تمام بھائیوں کو حسن باپ سے وراثت میں ملا تھا۔ لیکن ماریہ میں گل رعنا کی جھلک پائی جاتی تھی۔ وہ خود معمولی حسن کی مالک تھیں اور ان کی بیٹی بھی ویسی ہی تھی۔ وہ کوئی آسمان سے اتری پری نہیں لگتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ کسی کے دل کو بے چین کر چکی تھی۔ کسی کی نیندیں چرا لے گئی تھی۔

وہ اس وقت اپنے روم میں قالین پر بیڈ کی پائنتی کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں جامنی رنگ کی ایک ڈائری پکڑ رکھی تھی۔ وہ بالکل نئی اور صاف ڈائری تھی۔ جس پر ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

لوگ زلفوں کے اسیر ہوتے ہیں۔۔۔۔

میں نے تو تیرے حجاب پہ دل ہارا ہے

انجانے میں ہی سہی لیکن وہ اس شعر کے نیچے اس کا نام لکھ بیٹھا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"آج تمہارے بابا واپس آرہے ہیں تو تم یونیورسٹی سے سیدھا گھر آنا۔" چائے کپ میں ڈالتے ہوئے سارہ بیگم نے جنگکوک سے کہا۔

"ہمم۔" سیب کا پیس منہ میں ڈالتے ہوئے سرسری سا کہا تو انہوں نے چونک کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"صرف ہمم۔" چائے کا کپ اٹھا کر جنگکوک کو دیا۔ "کیا تمہیں خوشی نہیں ہو رہی کہ پورے دو ماہ بعد تمہارے ڈیڈ کوریا واپس آ رہے ہیں؟"

"مجھے کیوں خوشی نہیں ہو گی مام۔ میں بہت خوش ہوں۔" چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا اور پھر واپس ٹیبل پر رکھا۔

''آپ فکر نہیں کریں۔ میں جلدی آجاؤں گا۔ ویسے بھی ایگزامز ہو رہے ہیں تو جلدی فری ہو جاتا ہوں۔'' ماں کو تسلی بخش جواب دیا اور پھر ٹوسٹ پر جیم لگا کر کھانے لگا۔

''میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔'' کھوجتی نظروں سے جنگلوک کو دیکھا۔ وہ مسکرایا۔ اس کی آنکھیں بھی مسکرائیں۔

''کیا بات ہے۔ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا۔ کیا کوئی لڑکی پسند آگئی ہے؟'' جنگلوک کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ماں کی بات پر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ چائے جو وہ پی رہا تھا واپس رکھ دی۔

''کب کوئی لڑکی پسند آئی تو سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا۔'' ماں کے ہاتھ کو پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔" اپنا دوسرا ہاتھ جنگلوک کے ہاتھ پہ رکھا۔

"ابھی انتظار مت کریں۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ محض اکیس سال۔" وہ بے ساختہ مسکرا دیں۔

"بالکل۔ تمہیں ابھی اپنی پڑھائی پر توجہ دینی چاہیے۔" ماں کی بات پر سر کو خم دیا اور پھر مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ واپسی پر ملاقات ہو گی۔" کہتے ہوئے ماں کے ماتھے کو پیار سے چوما اور پھر چلا گیا۔ وہ بھی مسکرا کر ناشتہ کرنے لگ گئیں۔

"جیسے میں جانتی نہیں تمہیں۔" زیر لب کہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ تیز تیز کاریڈور سے گزرتا ہوا جا رہا تھا جب زور سے کسی سے ٹکرایا۔

"آؤچ۔" مخالف کے لبوں سے نکلا۔

حماد نے دیکھا تو سامنے عبائے ملبوس ایک لڑکی اپنا ماتھا سہلا رہی تھی۔

وہ اس عبائے کو بخوبی پہچانتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے دیکھا نہیں۔۔۔۔۔ سوری۔" وہ خفیف سا کھڑا کہہ رہا تھا۔

"اٹس اوکے۔" دھیمی آواز میں کہتی وہ حماد کے کانوں میں جلترنگ پیدا کر چکی تھی۔ حماد نے ایک نظر اسے دیکھا جو وہاں سے جا رہی تھی۔ حماد کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔ وہ لڑکی دائیں جانب مڑ گئی۔ الجھے ذہن کے ساتھ وہ واپس مڑا تو سامنے سے عنایہ چلتی ہوئی اسی کی طرف آ رہی تھی۔

عنایہ کو دیکھ کر اس نے فوراً جیب سے موبائل نکال کر کان کے ساتھ لگالیا۔ چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے وہ وہیں سے تیز قدم اٹھاتا واپس مڑ گیا۔ عنایہ نے اسے آواز دینے کے لیے منہ لیکن پھر رک گئی۔

"بدتمیز۔" وہ وہیں کھڑی اس کا ویٹ کرنے لگی۔ تبھی اس کے عقب میں کسی مرد کی شناسا سی آواز ابھری۔

"عنایہ۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جہاں تھی وہیں تھم گئی۔

"س۔۔۔ سعدت۔۔۔۔ تم یہاں؟" سانس روکے یک ٹک اسے دیکھے گئی جیسے یقین نا آیا ہو۔

"کیوں میں یہاں نہیں آسکتا کیا؟" ہاتھ سینے پر باندھے وہ ڈھٹائی سے پوچھ رہا تھا۔

"آ سکتے ہو۔ لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اگر۔۔۔۔اگر آنا تھا تو بتا کر آتے۔" وہ گڑ بڑا ہی تو گئی تھی۔ جیسے کوئی چوری پکڑ لی گئی ہو۔

"اب تو آگیا۔ اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم نے۔۔۔۔آنے سے پہلے بابا کو بتایا تھا۔"

"اف عنایہ! اب اپنی منگیتر کو ملنے کے لیے مجھے اب لوگوں کی اجازت لینی پڑے گی۔" وہ بدمزہ ہوا۔

"پلیز سعد آہستہ بولو۔" ادھر ادھر دیکھا کہیں کسی نے سن تو نہیں لیا۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں تمہیں بھگانے کی بات کر رہا ہوں۔"

عنایہ کے ماتھے پر غصے سے بل پڑے۔

"ویسے اگر بھاگ کر لے بھی جاؤں تو کونسا کسی کو فرق پڑے گا۔ تمہاری کسی کو بھی ضرورت نہیں ہے۔ایک میرا دل تم پر آگیا ورنہ کوئی تم سے محبت نہیں کرتا۔" لہجہ خاصا جتاتا ہوا تھا۔ارد گرد سارا شور بند ہو گیا تھا۔وہاں بس سعد کے جملے گونج رہے تھے۔

"اچھا میں تمہیں لینے آیا ہوں۔آج میرے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں اچھا سا لنچ کریں گے۔"

"ہم کل چلے جائیں گے۔" وہ بمشکل بول پائی۔

"عنایہ۔۔۔آج کا مطلب آج ہے۔اس کا کل سے کوئی تعلق نہیں۔" سختی سے کہتا وہ وہاں سے چلا گیا۔وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔اب اس کے ساتھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔آنسو صاف کرتی وہ بھی اس کے پیچھے چلی گئی۔وہ گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اسے آتا دیکھ کر ایک فاتحانہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔ اس کے بیٹھتے ہی سعد نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

"یار پتا نہیں کہاں سے ہماری یونی میں یہ جاہل لوگ آ گئے ہیں۔" وہ سیڑھیوں پر بیٹھی اپنے موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ دوسری جانب یقیناً یاور ہی ہو گا۔ کتاب اس کی گود میں پڑی ہوئی تھی۔ تبھی اس نے وہاں سے گزرنے والی لڑکیوں کا یہ جملہ سنا۔ میسج ٹائپ کرتے اس کے ہاتھ سست پڑے۔ لیکن اس نے ان لڑکیوں کی طرف نہیں دیکھا۔

"سہی کہہ رہی ہو۔ ان لوگوں کو اپنا منہ چھپا کر پتہ نہیں کیا ملتا ہے۔" ایک دوسری لڑکی نے کہا۔ وہ تینوں غالباً اس کے پیچھے ہی کھڑی تھیں۔

"کوئی کالے کرتوت ہوں گے جو وہ اس کالی چادر میں چھپاتی ہوں گی۔" وہاں ایک قہقہہ بلند ہوا۔ گلے میں آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا۔ وہ ان کا منہ توڑ دینا چاہتی تھی لیکن وہ وہاں سے جا چکی تھیں۔ پیپر سے بھی دھیان ہٹ چکا تھا۔ وہ وہاں سے تقریباً بھاگتی ہوئی نکلی تھی۔

بھاگتے ہوئے وہ کسی سے ٹکرائی تھی لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ رونا چاہتی تھی لیکن رونے کے لیئے جگہ نہیں مل رہی تھی۔

وہ جس سے ٹکرائی تھی اس نے رک کر، مڑ کر اسے دیکھا جس کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو چکی تھیں۔

(وہ پریشان تھی۔ لیکن کیوں۔) اس سوچ نے اسے پریشان کیا تھا۔ لیکن وہ اس کے پیچھے نہیں گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

وہ پیپر دے کر باہر آئی تو سامنے اسٹوڈنٹس کا رش لگا ہوا تھا۔ فرح الگ ڈپارٹمنٹ کی تھی اور پھر ٹائمنگ اور تاریخ بھی ایک جیسی نہیں تھی تو ان دونوں کی ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔

کچھ طلباء ابھی تک پیپر دے رہے تھے اور کچھ دے کر آ چکے تھے۔ پیپر میں کیا آیا تھا اور کیا نہیں آیا تھا۔ وہ کیا لکھ کر آئی ہے، وہ نہیں جانتی تھی۔ اس کا دھیان بس چند گھنٹوں پہلے ہونے والی ان لڑکیوں کی گفتگو کی طرف تھا۔ اسٹوڈنٹس کے درمیان میں سے راستہ بناتے ہوئے وہ وہاں سے باہر آ گئی۔ اب اس کے قدم یونیورسٹی کے مین گیٹ کی طرف تھے۔ مین گیٹ سے نکل کر اس نے سامنے پارکنگ ایریا کی طرف دیکھا۔ وہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان سب کو نظرانداز کرتی وہ سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ آنسوؤں آنکھوں سے لڑیوں کی صورت میں چہرے پر پھسل کر نقاب میں غائب ہو رہے

تھے۔ کہیں دور اسے ہارن کی آواز سنائی دی لیکن وہ اپنے دھیان چلتی گئی۔ لیکن ایک جملہ جو اسے بے حد قریب سے سنائی دیا تھا۔

"کوئی کالے کرتوت ہوں گے جو وہ اس چادر میں چھپاتی ہوں گی۔" رفتار میں مزید تیزی آگئی تھی۔

"ایسا کیا کیا تھا اس نے جو اسے اپنا چہرہ چھپا کر گھر سے نکلنا پڑتا تھا۔ کونسے کالے کرتوت کیے تھے اس نے؟" دل پہ ایک بوجھ سا آن گرا تھا۔ ہارن کی آواز نزدیک آرہی تھی۔ ایک دم سے اسے گھٹن ہونے لگی۔ بے دردی سے آنکھوں کو رگڑا۔ چلتے چلتے اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ گھٹنوں کے بل گر گئی۔

"آہ..." لبوں سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ گھٹنے پہ ہاتھ رکھے آس پاس دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ یونیورسٹی سے بغیر ڈرائیور کے نکل آئی ہے۔

وہ سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں گاڑیاں ناہونے کے برابر تھیں۔انہی میں سے ایک گاڑی اس کے پاس آکر رکی۔اس نے اٹھنا چاہا لیکن وہ اٹھ نہیں سکی۔گاڑی میں سے ایک عورت نکلی۔ اس کی نظریں گاڑی سے نکلتے وجود کے قدموں پر ٹکی ہوئیں تھیں۔ اس نے سفید رنگ کی پنسل ہیل پہنی ہوئی تھی۔ماریہ نے اس کا مکمل جائزہ لیا۔وہ بغیر آستین کے سفید لباس میں ملبوس تھی۔سفید رنگ کی ہی جینز پہنی ہوئی تھی۔بال دونوں طرف سے آگے کو تھے اور آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا۔ماریہ کو وہ حسن کی دیوی لگ رہی تھی۔وہ چند لمحے اسے دیکھے گئی۔وہ عورت اس کے قریب آئی تو وہ اپنے حواس میں واپس آئی۔وہ بالکل اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا تم ایسے روڈ پر کیوں بیٹھی ہو؟" لہجے میں نرمی اور آواز پر کشش تھی۔ وہ جواب دیئے بغیر اسے دیکھے گئی۔ نا جانے کیوں ماریہ کو اس کے لہجے کی یہ نرمی بناوٹی لگ رہی تھی۔

"کیا تمہیں چوٹ آئی ہے؟" پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھنے لگی۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔" اپنے آپ کو نارمل رکھتے ہوئے اٹھنے لگی لیکن اٹھا نہیں گیا۔

"اگر تم ٹھیک ہوتیں تو تم اپنے پیروں پر چل پاتی۔ لیکن تم سے تو اٹھا بھی نہیں گیا۔" بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش رہیں تھیں۔ کس کا عکس۔ ماریہ نے خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

"آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" سارہ آفندی نے کھڑے ہو کر اس کے سامنے ہاتھ کیا۔ پہلے تو وہ ان کے ہاتھ کو دیکھے گئی۔ پھر کچھ سوچ کر اس کے ہاتھ کے سہارے اٹھ گئی۔

"میرا گھر یہیں پاس میں ہے۔ ہم پہلے وہاں جائیں گے پھر میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گی۔" گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے پیار سے دیکھا۔ان کی نظریں کچھ جتاتی ہوئیں تھیں۔

"لیکن اگر آپ مجھے میرے گھر چھوڑ دیں پہلے تو....۔" اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"اگر تمہارا گھر پہلے آگیا تو میں تمہیں اتار دوں گی۔ لیکن اگر میرا گھر پہلے آگیا تو تمہیں کچھ دیر میرے گھر رکنا ہو گا۔" سارہ بیگم نے مسکرا کر کہا تو ان کی آنکھیں بھی مسکرا دیں۔ یہ آواز، یہ لہجہ، یہ مسکراتی

ہوئی آنکھیں، کسی سے مشابہت رکھتی تھیں۔ لیکن کس سے۔ اسے یاد نہیں آیا۔

خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر قدرے مسکرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگ گئی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

"میرا گھر پہلے آگیا تو اب تمہیں کچھ دیر میرے ساتھ رکنا ہوگا۔" اپنائیت سے کہہ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آئیں۔ پھر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اسے اترنے میں مدد دی۔ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ باہر آگئی۔ ان کے سہارے سے چلتی ہوئی ان کے گھر داخل ہوئی۔ جتنا یہ گھر باہر سے خوبصورت تھا اتنا ہی اندر سے خوبصورت تھا۔ ستائش سے وہ اس گھر کو دیکھے گئی۔ یونیورسٹی ہونے والے واقع کو وہ فی الحال بھول چکی تھی۔ سارہ بیگم اسے ڈرائنگ روم میں لے

آئیں۔ آرام سے صوفے پر بٹھایا۔ پھر اس کی ٹانگ کو اٹھا کر سامنے ٹیبل پر رکھا۔ وہ چپ چاپ ان کی حرکات دیکھ رہی تھی۔

"آپ ڈاکٹر ہیں؟" ماریہ کے سوال پر انہوں نے سر اٹھایا۔ پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ بولی کچھ نہیں۔ بس خاموشی سے اپنا کام کرتی رہیں۔ پہلے انہوں نے عبایا اوپر کیا اور پھر اس کا پائنچہ اوپر کرنے لگیں۔ تبھی اس نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ جیسے انہیں روکنا چاہا۔ وہ سمجھ گئی تھیں تبھی مطمئن سی مسکرائیں۔

"فکر نہیں کرو تم۔ اس وقت میرے علاوہ یہاں کوئی نہیں۔" مسکرا کر اسے تسلی دی۔

"لیکن....." اس نے کچھ بولنا چاہا۔

"مجھے دیکھنے دو کہاں چوٹ آئی ہے۔ پھر میں وہاں بینڈیج کر دوں گی۔" وہ چپ چاپ پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"تم حجاب ریموو کر سکتی ہو۔ کوئی غیر مرد نہیں ہے فی الحال یہاں۔" زخم کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے آہستہ سے اپنا حجاب اتار دیا۔ وہ گھٹنے کو دیکھ رہیں تھیں جہاں معمولی سی چوٹ آئی تھی۔ پھر سر اٹھا کر دیکھا تو ایک پل کو حیران ہوئی۔

شک یقین میں بدل گیا تھا۔ وہ ایک لمحے میں اسے پہچان گئی تھیں۔ خود کو کمپوز کیا اور پھر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"زیادہ چوٹ نہیں ہے۔ تم یہاں بیٹھو میں فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتی ہوں۔" اسے کہہ کر وہ باہر چلی گئیں۔ پھر دو منٹ بعد وہ ڈرائنگ روم میں واپس آئیں۔ سامنے ٹیبل پر بیٹھ گئیں۔ پہلے اس کے زخم کو صاف کیا۔ پھر احتیاط سے پٹی باندھ دی۔ وہ خاموشی سے اس مہربان خاتون کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ پٹی کر کے سیدھی ہوئی تو خود پر اس کی جمی ہوئی نگاہ کو دیکھا۔

"آپ کتنی مہربان اور رحمدل ہیں۔ میرے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں کی مدد کرتی ہوں گی۔" تبصرے کے بعد سوال کیا تھا۔ وہ ان کے رویے سے متاثر ہو رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔۔۔ میں تو ایک پرندہ کو بھی زخمی نہیں دیکھ سکتی۔ پھر انسان تو دور کی بات ہے۔" نرمی سے کہا۔

"لیکن میں کبھی کسی انسان کو اس طرح گھر نہیں لے کر آتی۔" اس بات پر ماریہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "میں انہیں ہسپتال لے جاتی ہوں۔ لیکن تکلیف میں چھوڑ کر نہیں آتی۔" ان کے لہجے میں کہیں غرور نہیں تھا۔

"پھر تو آپ جنت کی حقدار ہیں۔" اس کے کہنے پر سارہ آفندی نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"جنت؟" ابرو اچھنبے سے اکھٹے ہوئے۔ پھر سر جھٹکا۔

"خیر تم یہاں پیچھے ٹیک لگالو۔ میں تمہارے لیے کافی لاتی ہوں۔"

اٹھ کر جانے لگی پھر رک کر اسے دیکھا۔

"کافی تو پیتی ہو گی تم؟"

"زیادہ شوق سے نہیں پیتی۔ چائے شوق سے پیتی ہوں۔" بے اختیار کہا لیکن ساتھ ہی زبان دانتوں تلے دبالی۔ انہوں مسکرا کر دیکھا۔

("ماں والے ہی شوق ہیں۔")۔ محض سوچا۔

"میرے بیٹے کو بھی چائے بہت پسند ہے۔ میں تمہارے لیے کڑک سی چائے بنواتی ہوں۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔ ماریہ نے ان کو جاتے

ہوئے دیکھا۔ وہ خاتون ایک اجنبی لڑکی کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں کر رہی تھی، یہ سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی۔

سارہ کے جانے کے بعد اس نے اپنے بیگ سے موبائل نکالا۔ وہاں پر یاور، ہاشم، حماد اور ڈرائیور کی کتنی کالز آچکی تھیں۔ اسے یاد تھا پیپر سے پہلے موبائل سائلنٹ پہ لگایا تھا تبھی اسے یاد آیا کہ وہ یونیورسٹی سے بتائے بغیر نکل آئی تھی۔ فوراً سے یاور کو کال ملائی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"دیکھیں ہماری ذمہ داری صرف یونیورسٹی کے اندر تک ہے۔ یہاں سے جب اسٹوڈنٹس باہر جاتے ہیں تب وہ ہماری زمہ داری سے باہر نکل جاتے ہیں۔" ڈرائیور دیئے گئے ٹائم کے مطابق آیا تھا لیکن وہ ابھی تک باہر نہیں آئی تھی۔ کچھ اسٹوڈنٹس سے معلوم کروایا تو انہوں نے نے بتایا کہ وہ جا چکی ہے۔

"اگر وہ جا چکی ہیں تو آپ نے انہیں جاتے ہوئے تو دیکھا ہو گا۔"

"میں آپ کو بتا رہا ہوں نہ کہ میری ڈیوٹی کچھ ٹائم پہلے شروع ہوئی ہے۔ مجھ سے پہلے یہاں پر کسی اور کی ڈیوٹی تھی۔ اور وہ اب گھر جا چکے ہیں۔" چوکیدار نے اپنی طرف سے صفائی دی۔ ڈرائیور نے پانچویں دفعہ ماریہ کے نمبر پر کال کی۔ اس کے بھائیوں کو بتاتے ہوئے اس کی جان نکل رہی تھی۔ رنگ جا رہی تھی لیکن کوئی نہیں اٹھا رہا تھا۔ بالآخر اس نے یاور کے نمبر پر کال ملائی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہاشم اور یاور اس وقت یاور کے آفس میں بیٹھے کچھ ڈسکس کر رہے تھے۔ کچھ دیر میں ان کی ایک میٹنگ شروع ہونے والی تھی۔ جب یاور کے فون پہ رنگ ہونے لگی۔ فائل سے نظریں ہٹا کر موبائل کی

طرف دیکھا۔اسکرین پر ڈرائیور کا نام جگمگا رہا تھا۔ تفکر سے فون اٹھا کر کان کے ساتھ لگایا۔

"ہاں بولو۔"دوسری جانب سے ڈرائیور نے کچھ کہا تھا کہ اس کے تاثرات پریشانی میں ڈھلے۔

"کیا مطلب یونیورسٹی میں نہیں ہے؟"اس کے فکر منداور پریشان تاثر دیکھ کر ہاشم کو بھی پریشانی ہوئی تھی۔

"تم وہاں رکو۔میں آرہاہوں۔"فون بند کر کے ہاشم کو دیکھا جواس کی طرف پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔

"ماریہ یونیورسٹی میں نہیں ہے۔"یہ ایک جملہ دونوں کی سماعت پہ بھاری تھا۔

"کیا مطلب یونیورسٹی میں نہیں ہے؟۔۔۔۔پھر کہاں ہے وہ؟"ہاشم نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں.... آپ حماد کو فون کریں کہیں وہ اس کے ساتھ نا ہو۔ میں یونیورسٹی جاتا ہوں۔" اپنا موبائل اور کار کی چابی اٹھا کر وہ تیزی سے نکل گیا۔ ہاشم نے اس کے کہے پر عمل کرتے ہوئے حماد کو فون کیا۔ لیکن اس نے بتایا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔ ہاشم مزید پریشان ہو گیا۔ پھر ماریہ کو کال کی۔ رنگ جا رہی تھی لیکن ریسیو نہیں ہو رہا تھا۔

ooooooooooooooooo

"اف کب سے اس لڑکی کو فون کر رہا ہوں مجال ہے جو اٹھا لے۔" دو تین دفعہ حماد نے اسے فون کیا تھا لیکن رنگ جانے کے باوجود ریسیو نہیں ہوا تھا۔ غصے اور پریشانی کی حالت میں یونیورسٹی سے نکلا تھا۔

ooooooooooooooo

یونیورسٹی میں وہ اسے ڈھونڈ رہا تھا لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملی۔

"آپ یقیناً ماریہ کے بھائی ہیں اور اسی کو ڈھونڈ رہیں ہیں۔" یاور کے عقب میں نسوانی آواز ابھری۔اس نے مڑ کر دیکھا۔

"جی میں اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ آپ مجھے بتا سکتی ہیں وہ کہاں ہے؟"

"اس کا پیپر مجھ سے پہلے تھا اور وہ پیپر دے کر چلی گئی ہو گی۔" وہ اطمینان سے بتا رہی تھی تبھی یاور کے موبائل پر گھنٹی بجی۔اسکرین پر ماریہ کا نام دیکھ کر اس کا جسم بے جان ہونے لگا تھا۔ایک آنسو ٹپکا۔ ہمت کر کے فون کان کے ساتھ لگایا۔

"ہیلو۔۔۔" بمشکل بولا جیسے آگے سے ماریہ کے بجائے کسی اور کی آواز سنائی دے گی۔

"سوری بھائی۔ میرا موبائل سائلنٹ پہ تھا اس لیے میں آپ کی کال نہیں دیکھ سکی۔" وہ کہہ رہی تھی اور یاور کو اپنی بہن کی آواز سن کر سکون ملا تھا۔ناک کی ذریعے سانس اندر کھینچی۔

"کہاں ہو تم؟ تم ٹھیک ہو نا؟" خود کو نارمل کیا۔

"میں۔۔۔وہ۔۔۔" پھر اسے گھر کے باہر لگی تختی پہ لکھا نام یاد آیا۔

"میں کوئی آفندی ہیں ان کے گھر پہ ہوں۔ آفندی ہوم۔ یونیورسٹی سے بیس منٹ کی مسافت پر ان کا گھر ہے۔" وہ جانتی تھی کہ اس نے بنا بتائے آکر سب کو پریشان کیا ہے۔ اس لئے شرمندگی سے بول رہی تھی۔ جبکہ یاور کو "آفندی" لفظ نے الگ پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

"میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔" سرد مہری سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ایک نظر اس لڑکی پر ڈال کر وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ فرح کے نے ایک لمبی آہ بھری۔ پھر وہاں سے چلی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"یہ رہی تمہاری چائے۔" میز پر ایک ٹرے رکھا جس میں دو کپ تھے اور یقیناً ان میں سے ایک سارہ بیگم کا تھا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" تجسس سے مگر ہچکچاتے پوچھا۔

"سارہ آفندی۔" مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں ایسا کیا ہوا جو تم اپنے گھر سے نکلی اور پھر دنیا سے بے خبر ہو کر روڈ پر چلنے لگی؟" چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

"میں گھر سے نہیں یونیورسٹی سے نکلی تھی۔" چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے بتایا تو سارہ نے اچنبے سے اسے دیکھا۔ یہ چہرہ۔۔۔۔ یہ چہرہ بہت کچھ یاد کروا رہا تھا۔ کچھ تلخ سا۔

"آپ کے گھر سے چند منٹ کے فاصلے پر ہے میری یونیورسٹی۔"

"کس یونیورسٹی میں پڑھتی ہو تم؟" تجسس سے پوچھا۔

"سول نیشنل یونیورسٹی۔" بھاپ اڑاتی چائے کا سپ لیتے ہوئے بتایا۔

"رئیلی؟ میرا بیٹا بھی اسی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔" ان کے بتانے پر ماریہ کو حیرت ہوئی۔

"لو! ابھی اس کا نام لیا اور وہ آ بھی گیا۔" جنگکوک اس وقت ڈرائنگ روم کی طرف ہی آ رہا تھا جب سارہ بیگم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

ماریہ نے تجسس سے پیچھے دیکھا اور پھر پلک جھپکنا بھول گئی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ooooooooooo

پارک میں ہر طرف بچوں کا رش تھا۔ کچھ بچے جھولے لینے میں مصروف تھے اور کچھ کھانے پینے میں۔ کچھ اپنے والدین کے ساتھ

چھپے اور خاموش بیٹھے تھے۔اور کچھ بھاگ بھاگ کر ادھر سے ادھر جا رہے تھے۔ کچھ فٹ بال، کچھ کرکٹ کھیل رہے تھے۔انہی میں وہ سات سال کا لڑکا بھی فٹ بال کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جس طرف فٹ بال جاتا وہ اسی طرف بھاگتا ہوا جاتا۔ وہ بے حد خوبصورت لڑکا اس وقت پسینے میں نہا گیا تھا۔اس کے ماں باپ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھے باتوں میں مگن تھے۔ماں گاہے بگاہے اس پر نظر ڈال لیتی تھی۔ اس پارک میں آج وہ بھی آئی ہوئی تھی۔ وائٹ رنگت مگر معمولی سے نین نقش والی لیکن معصوم اور پیاری سی پانچ سال کی لڑکی۔اپنے باپ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ آگے آگے بھاگ رہی تھی جبکہ اس کا باپ اس کے پیچھے اسے پکڑنے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے اس کی ٹکر ہو گئی۔ مقابل وہی خوبصورت لڑکا تھا۔ جو

ٹکرا کر کہنی کے بل گرا تھا جبکہ وہ پیٹ کے بل اوندھے منہ گری تھی۔ اور گرتے ساتھ ہی اس کا رونا شروع ہو گیا تھا۔

لڑکے کی کہنی پر چوٹ آئی تھی۔ وہاں سے خون بہنے لگا تھا لیکن وہ پریشان سا اس روتی ہوئی لڑکی کو دیکھے لگ گیا۔ جسے ذرا سی خراش بھی نہیں آئی تھی لیکن رو ایسے رہی تھی جیسے پتا نہیں کیا ہو گیا۔ لڑکی کے باپ نے دونوں کو دیکھ لیا تھا تبھی وہ ان کے قریب تقریباً بھاگتے ہوئے آیا۔ لیکن لڑکا اپنے ماں باپ سے دور نکل آیا تھا۔ وہ اس کے گرنے سے انجان تھے۔

"آہ... کیا ہوا میری گڑیا کو؟" انہوں نے اپنی بیٹی کو اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے روئے جا رہی تھی جبکہ لڑکا اس کے رونے سے گھبرا گیا تھا۔

"بابا....اس گندے لڑکے نے مجھے اتنی زور سے گرایا ہے۔"اس نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔باپ نے اس لڑکے کی طرف دیکھا۔وہ ابھی تک کہنی کے بل گرا ہوا تھا۔ان کی نظر اس کی چوٹ پر گئی۔سفید معدے جیسے بازو پر خون واضح نظر آ رہا تھا۔بیٹی کو سائڈ پر کرتے وہ اس لڑکے کے پاس آئے۔

"بیٹا آپ کو چوٹ آئی ہے۔"باپ کو یوں اس لڑکے کے لیے فکر مند ہوتا دیکھ کر لڑکی نے ناک منہ چڑایا۔

"وہ....اس....اسے چوٹ...م....میری وجہ سے ن.... نہیں آئی۔"لڑکے سے ڈر کے مارے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

گہری کالی چمک دار آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔کالی آنکھوں نے ڈرتے ڈرے ہلکی بھوری آنکھوں میں دیکھا۔جن میں معصوم سا غصہ تھا۔

"آپ کو چوٹ آئی ہے۔ ادھر آؤ میں بینڈیج کر دیتا ہوں۔" انہوں نے لڑکے کا ہاتھ پکڑنا چاہا جب کسی نے بری طرح ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ اور وہ اس عورت کو پہچان بھی گئے تھے۔ وہ شناسا سا مسکرائے۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔

"میرے بیٹے سے دور رہو۔" انہوں نے اس عورت کے اجنبی لہجے پر کھلتے لبوں کو بند کر دیا۔ تبھی عورت کی نظر اپنے بیٹے کی چوٹ پر گئی۔

"یہ چوٹ کیسے آئی ہے تمہیں؟" وہ اس کا بازو پکڑے پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔

"مما... وہ.... میں کھیلتے کھیلتے گر گیا۔ انکل مجھے بینڈیج کرنے لگے تھے۔" وہ اصلی بات چھپا گیا تھا۔ لڑکی کا باپ اس سے متاثر ہوا تھا۔

عورت نے پانچ سال کی بچی کو دیکھا۔اور ایک سخت نظر اس کے باپ پر ڈالی۔

"میں اپنے بیٹے کا دھیان رکھ سکتی ہوں۔ تمہیں ہم پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بیٹے کا ہاتھ تھامے جانے لگی۔ پھر رک گئ۔

"اور اگر تم دوبارہ سے ہماری زندگیوں میں واپس آنے کے لیے اپنی بیٹی کا استعمال کر رہے ہو تو مت کرو۔ ہماری زندگیوں میں نا تمہاری کوئی جگہ ہے، نا تمہاری بیوی کی اور نا ہی تمہاری اولاد کی۔"

بیوی کے نام پر الگ تکلیف ہوئی تھی لیکن وہ اپنی بیٹی کو استعمال کر رہے ہیں۔اس الزام نے ان کے دل کے ہزار ٹکڑے کر دیئے تھے۔

"مجھے تم جیسے کم ظرف لوگوں کے ساتھ دوبارہ رشتے جوڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔نا ہی میں تم لوگوں کی طرح اپنے جان سے پیارے رشتوں کو استعمال کرتا ہوں۔" تیر نشانے پہ لگا تھا۔ لیکن وہ تیر چلا کر

وہاں رکے نہیں تھے۔ عورت نے سختی سے اپنے لبوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیا۔

"اس بات کا حساب تمہیں دینا ہو گا۔" وہ چلے تو گئے تھے تیر چلا کر لیکن نہیں جانتے تھے کہ مستقبل میں یہ تیر ان کی ہی بیٹی کے وجود چھلنی کر دے گا۔

oooooooooooooooooooooooooo

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا جب ماریہ نے تجسس سے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اور پھر پلک جھپکنا بھول گئی۔ وہ ایک سیکنڈ میں اسے پہچان گئی تھی۔ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سارہ بیگم اسے نہیں دیکھ رہی تھیں اس لیے وہ اس کی حالت سے بے خبر اپنے بیٹے کو ادھر آتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ ایسا ماریہ کو لگا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتا، اس کا فون بجا۔ وہ فون کان کے ساتھ لگائے اپنے روم میں چلا گیا۔

"ضروری کال ہوگی۔ ورنہ میں تمہیں اپنے بیٹے سے ضرور ملواتی۔" ٹانگ پر ٹانگ رکھے اب وہ ماریہ کی جانب متوجہ ہوئیں۔ اس نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا اور اندر ہی اندر شکر کے کلمات ادا کیے۔

"اچھا تم نے بتایا نہیں چائے کیسی بنی ہے؟" بظاہر وہ خود کو نارمل رکھے ہوئے تھی لیکن اندر ہی اندر وہ اس کے واپس نہ آنے کی دعا کر رہی تھی۔

"چائے بہت اچھی بنی ہے۔" مسکرا کر کہا تبھی اس کے موبائل پر میسج آیا۔ اس نے موبائل اٹھا کر سامنے کیا تو اسکرین پر یاور کا نام جگمگا رہا تھا۔

"میرے بھائی آ گئے ہیں۔ میں چلتی ہوں۔" چہرے پر نقاب گرا کر وہ اٹھی۔ گھٹنے پر زور پڑنے سے درد کی ٹیس اٹھی۔ اس کے منہ سے سسکی نکلی۔ ضبط کرتے ہوئے اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

"آؤ میں تمہیں دروازے تک چھوڑ دیتی ہوں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ مسکرا کر خاموشی سے ان کے ساتھ چل دی۔

"تم سے مل کر اچھا لگا۔ امید کرتی ہوں ہماری ملاقات دوبارہ ہو گی۔" اس وقت وہ دونوں گیٹ کے پاس کھڑی تھیں جب سارہ بیگم نے کہا۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر اچھا لگا۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

اپنے روم میں کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر وہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ لیکن نظریں کھڑکی کے پار گیٹ کے پاس دو خواتین پر تھی۔

ماریہ کی اس کی جانب پشت تھی۔

"میں تمہیں کبھی بھولنے بھی نہیں دوں گی۔" انہوں نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ ان کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جو ماریہ کو کھٹکا۔ لیکن ظاہر نہیں کیا۔ کسی احساس کے تحت اس نے گردن موڑ کر اپنے بائیں جانب دیکھا۔ وہ شیشے کے پار اسے نظر آ گیا تھا۔ وہ فون پر بات کر رہا تھا۔ کچھ محسوس کرتے اس نے دوبارہ گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اس کے دیکھتے ہی وہ رخ موڑ گئی تھی۔ ہارن کی آواز پر وہ سارہ آفندی کو خدا حافظ کرتی باہر آ گئی۔ سامنے ہی یاور کی گاڑی کھڑی تھی لیکن نا ہی وہ باہر نکلا تھا اور نا ہی اس نے ماریہ کی طرف دیکھا تھا۔

سامنے سے گزر کر دوسری طرف آ گئی۔ چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھنے لگی جب گھٹنے نے یاد دلایا کہ وہ یہاں پر کیوں ہے۔ تکلیف پر ضبط کرتے وہ مشکل سے گاڑی میں بیٹھی اور دروازہ بند کیا۔ وہ سیٹ بیلٹ لگا رہی تھی جب یاور نے گاڑی اسٹارٹ کر کے ریورس کی۔ اس نے یاور کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سرد تھا۔ بالکل برف کے جیسا۔ اس نے بہت سارا تھوک نگلا۔ اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یاور غصہ ظاہر نہیں کرے گا بلکہ وہ خاموش رہ کر اسے کنٹرول کرے گا۔ اس لیے چپ چاپ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سارے راستے وہ کنکھیوں سے اسے دیکھتی آئی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ موبائل پر کسی کو پیغام بھیجتے ہوئے روم سے باہر نکل رہا تھا جب سارہ بیگم کو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا۔

"مام۔" تبھی اس نے پکارا۔ بیٹے کی آواز پر انہوں نے مڑ کر دیکھا "آپ کی مہمان چلی گئی؟" انداز مصروف سا تھا۔

"ہمم! چلی گئی۔"

"ویسے کون تھی یہ لڑکی؟" موبائل سے نظریں ہٹا کر ماں کو دیکھا۔

"ماریہ۔" جواب مختصر لیکن سامنے والے کو حیران کر دینے والا تھا۔

"ماریہ؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ "آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟" تحیر سے پوچھا۔

"میں اسے نہیں جانتی۔ وہ تو بس سڑک پر چل رہی تھی اور پھر کسی چیز سے اس کا پاؤں ٹکرایا اور وہ گر گئی۔ جس کی وجہ سے اسے چوٹ آ گئی تھی۔ عین اسی وقت میری گاڑی وہاں سے گزر رہی تھی تو میں

نے اسے دیکھا۔اس کی بینڈیج کرنی تھی اس لیے میں گھر لے آئی۔"

انداز میں ٹھہراؤ تھااور چہرہ بے تاثر تھا۔

"آپ ایسے ہی کسی کو بھی اپنے گھر میں نہیں لاتیں مما۔" وہ کبھی

ماں، کبھی مام، کبھی مما کہہ کر پکارتا تھا۔

"مجھے لگ رہا ہے آپ اسے جانتی ہیں۔" مشکوک نظروں سے ماں کو

دیکھاتو وہ ہنس دی۔دواسٹیپ نیچے آئی۔

"میراتو پتانہیں لیکن تم ضرور اسے جانتے ہو۔" وہ پوچھ رہیں تھیں یا

بتارہیں تھیں۔وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔

"وہ بھی اسی یونیورسٹی میں جاتی ہے جہاں تم جاتے ہو۔" مسکرا کر

کہتے ہوئے وہ اوپر کی جانب بڑھ گئیں۔اور وہ وہیں کھڑا انہیں اوپر

جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

وہ اس کے گھر آئی تھی اور اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ یہ محبت کا کونسا اسٹیپ تھا۔ یا پھر ابھی اسے اس لڑکی سے محبت ہی نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کے گھر آئی بیٹھی تھی اور اسے کچھ محسوس ہی نہیں ہوا۔ محبت میں تو الہام ہوتے ہیں۔ وہ کیسے اس بات سے انجان رہ گیا۔ اگر یہ محبت نہیں تھی تو پھر کیا تھا۔ کیا کوئی اٹریکشن تھی؟ سانولے رنگ ہی تو اٹریکٹ کرتے ہیں۔

"تمہارے بابا رات کے نو بجے ائیرپورٹ پر ہوں گے تم انہیں لینے جاؤ گے۔" وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جب سارہ بیگم کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا واپس اپنے روم میں چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑی تھیں۔ ماضی کی کچھ یادوں نے اس کے دماغ کے ساتھ چھیڑ خانی کی تھی۔

"تم اسے جانتے ہو جنگلوک۔ یونیورسٹی سے نہیں۔ بہت پہلے سے۔" زیر لب کہا اور پھر اپنے روم میں چلی گئیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گاڑی فرقان ہاؤس کے سامنے آ کر رکی لیکن گاڑی میں سے کوئی بھی باہر نہیں آیا تھا۔ اس نے یاور کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہوئی۔ نظریں چرا کر اپنا سیٹ بیلٹ کھولنے لگی۔

"اگر آئندہ تمہیں کہیں جانا ہو تو فون کر کے مجھے بتا دینا۔" آواز آہستہ لیکن لہجہ سخت تھا۔

"جی۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن پھر ایک لفظی جواب دے کر وہ خاموش ہو گئی۔

"اب تم اندر جاؤ۔" یاور کے کہنے پر وہ گاڑی سے اترنے لگی۔ جس طرح چڑھتے ہوئے اسے تکلیف ہوئی تھی ایسے ہی اب اترتے ہوئے

ہو رہی تھی۔ لیکن وہ لب بھینچے اپنی تکلیف کو برداشت کر گئی۔ ایک نظر یاور کو دیکھا کہ وہ شاید وہ ادھر دیکھ رہا ہو۔ شائد اس نے اس کے تکلیف دہ تاثرات دیکھ لیے ہوں۔ اور پوچھ لے کہ تم ٹھیک تو ہو نا؟ لیکن وہ تو اسکرین کے اس پار دیکھ رہا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ یاور نے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا لی اور ایک گہری سانس خارج کی۔ دو موتی اس کی آنکھوں سے نکلے اور چہرے سے پھسلتے ہوئے گردن میں کہیں جذب ہو گئے۔

"کیوں نہیں سمجھتے یہ لوگ کہ مجھ پر ان لوگوں کی کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔" سوچتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا۔

"سوری مما! رئیلی سوری۔ میں آپ کی بیٹی کا دھیان نہیں رکھ سکا۔" لب بھینچے وہ آسمان کو دیکھے گیا۔ کچھ دیر مزید رک کر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اس وقت وہ لاونج میں رکھے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھا ہوا تھا اور ٹانگیں اٹھا کر سامنے پڑے شیشے کے میز پر رکھی تھیں۔ ہاتھ سر کے پیچھے رکھے وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا ہوا تھا۔ تبھی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر حماد نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ماریہ کو دیکھ کر فوراً سیدھا ہوا۔ اور بغیر سلیپر پہنے وہ اس کے پاس چلا آیا۔ سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر تو وہ خاموشی سے حماد کی اس حرکت کو نوٹ کرتی رہی پھر قدرے جھنجھلا کر بولی۔

"کیا مسئلہ ہے۔ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"کہاں گئی تھیں تم؟" ہاتھ ٹھوڑی تلے رکھے وہ تفتیشی انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جہنم میں گئی تھی۔" جھنجھلا کر کہتی وہاں سے جانے لگی۔

"تو واپس کیوں آئی ہو؟ اسی جہنم میں رہنا تھا نا۔" وہ ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ حماد کی بات پر وہ ایڑھیوں پر واپس گھومی۔

"نہیں.... میرا مطلب تھا کہ..... اگر تم اپنے گھر چلی ہی گئی تھی تو واپس ہمارے گھر کیوں آئی ہو؟" وہ اب اس کے عین سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"تم تھوڑا سا وقت نکال کر مر کیوں نہیں جاتے؟" وہ شدید اکتا گئی تھی۔ گھٹنے پر زخم کا درد الگ سے تنگ کر رہا تھا۔

"توبہ کرو لڑکی۔ میں کیوں مروں۔ مریں میرے دشمن۔" ماریہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے مزید آگ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اس وقت اس کی سب سے بڑی دشمن وہی ہے۔ اس وقت وہ کچھ بھی کہنے سننے کے موڈ میں نہیں تھی اس لیے ایک تلخ نظر اس پر ڈال کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئی۔

"ویسے کیا تمہیں مزا آتا ہے اپنے بھائیوں کو ستانے میں ؟"لیکن آج وہ اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"بہت اچھے سے جانتا ہوں میں، تم یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتی ہو.... سب کی توجہ حاصل کرنے کے لیے۔"ساری کڑواہٹ اکھٹی ہو کر اس کی زبان پر آگئی تھی۔

"میں ایسا کیوں کروں گی حماد؟"وہ بے یقینی بھرے دکھ سے اسے دیکھنے لگی۔آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

"یہ تو تم ہی جانتی ہو کہ تم ایسا.... کیوں کرتی ہو۔"صوفے کے پاس پڑے سلیپر پیروں میں پہن کر وہ اس کے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔

"لیکن میری ایک بات یاد رکھنا۔ اگر تم اپنی ایسی حرکتوں سے باز نا آئیں تو بہت جلد اپنا اعتبار کھو دو گی اور ....." دانستہ بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

"تم جانتی ہو جب بھائی کو پتا چلا کہ تم یونیورسٹی میں نہیں ہو تو ان کی حالت کیا ہو گئی تھی؟" ماریہ نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

"لیکن نہیں۔ تمہیں کیسے معلوم ہو گا۔ تم تو ایک نمبر کی خود غرض لڑکی ہو۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا ماریہ۔ لیکن..... ہمیں فرق پڑتا ہے۔" ایک تلخ نظر اسے دیکھا۔

"اگر آئندہ تم یوں بتائے بغیر بھائیوں کو پریشان کر کے گئی تو میں بھول جاؤں گا کہ میرا تمہارا کیا رشتہ ہے۔ اگر ایک عرصے سے میری زبان بند ہے تو اسے بند رہنے دو۔ اس سے پہلے کہ تم پھر سے میری نفرت کی زد میں آ جاؤ۔" انگلی اٹھا کر وارن کرتا اپنے روم میں چلا گیا۔

اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔ حماد کے الفاظ اپنے اندر اتارنے کی کوشش میں اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ ایک دم سے گھٹن بڑھ گئی تھی۔ اسے اپنا جسم آگ کی تپش میں جھلستا محسوس ہو رہا تھا۔ مسلسل کوئی اس کے جسم پر کوئلوں کی برسات کر رہا تھا۔ قدم بھاری ہو رہے تھے۔ بمشکل چل کر وہ اپنے روم میں ایک اور دروازہ بند کر دیا۔ خود دروازے کے پاس نیچے بیٹھ گئی کیونکہ اب مزید کھڑے رہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

ooooooooooooooooo

"چار بجے ہماری میٹنگ تھی جس میں مجھے اپنی فرسٹ پریزنٹیشن پیش کرنی تھی اور اب پانچ بجنے والے ہیں لیکن یاور بھائی ابھی تک نہیں آئے۔" اس وقت وہ سب یاور کے آفس میں بیٹھے اس کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہاشم نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں گیا۔ اس

لیے وہ سب خاموشی سے بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اب یمان کا صبر ختم ہو رہا تھا۔ وہ بے چینی سے پورے روم کے چکر کاٹ رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

یاور کی گاڑی چھ منزلہ عمارت کے سامنے آکر رکی۔ گاڑی کو پارکنگ ایریا میں پارک کر کے وہ عمارت کی جانب بڑھ گیا۔ اس کا آفس سب سے پہلے آتا تھا اس لیے اسے لفٹ میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اپنے آفس روم کی جانب جا رہا تھا۔ ورکز کام روکے اسے سر کے خم سے سلام کر رہے تھے۔ بہت سارے ورکز غیر مسلم تھے تو ان سلامتی بھیجنے کا اپنا طریقہ تھا۔

"کیا تم آرام سے ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے؟ تمہارے اس طرح ادھر ادھر چکر کاٹنے سے مجھے چکر آنے لگے ہیں۔" منہاج کب سے اسے

دیکھ رہا تھا۔ جب یمان نہیں رکا تو تنگ آکر اسے بولنا پڑا۔ غصے سے منہاج کی طرف دیکھ کر بڑبڑاتا ہوا ٹیبل کے دوسری جانب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یاور کبھی اس طرح اپنی زمہ داری چھوڑ کر نہیں جاتا لیکن ابھی وہ غائب ہے۔ اور ہاشم بھائی ہمیں کچھ بتا نہیں رہے۔" مومن نے کہا تو ہاشم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جو بالکل اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ہاشم ہی جانتا تھا کہ اس نے سب کو کتنی مشکل سے سنبھالا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مومن کو کچھ کہتا تبھی دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سب اپنی اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے۔ احتراماً نہیں پریشانی سے۔

"بھائی آپ کہاں چلے گئے تھے۔ ہم سب کب سے آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔" اس کے اندر داخل ہوتے ہی یمان اس کی طرف لپکا۔

ہاشم کو وہ میسج پہ سب کچھ بتا چکا تھا۔ اس لیے وہ اطمینان سے ایک ہی جگہ پر کھڑا رہا۔ منہاج تو اٹھتے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔ تبھی سب اسے آلسی بلا کہتے تھے۔

"ایک ضروری کام تھا بس اسی سلسلے میں گیا تھا۔" کسی کی طرف دیکھے بغیر وہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

"آپ جانتے ہیں نا کہ آج کی میٹنگ میں میری پریزنٹیشن تھی۔" ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھے وہ ذرا آگے کو جھکا ہوا تھا۔

"میٹنگ ری ارینج کروا دی ہے میں نے۔ اب میٹنگ کل ہو گی۔ تو تم بھی کل ہی پریزنٹیشن دو گے۔" یاور کو اس کا یہ انداز اور یہ انداز گفتگو دونوں ہی پسند نہیں آئے تھے۔

"لیکن آپ جانتے ہیں نا کہ میں نے کتنی محنت سے بنائی ہے یہ اور میں..." یاور نے اس کی بات کو درمیان میں کاٹا۔

"میں نے میٹنگ کینسل نہیں کی اور نا ہی تمہاری محنت کو ضائع کیا ہے۔ صرف ایک دن آگے کر دی ہے۔" خود کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"اور کل پھر کوئی ضروری کام آجائے گا۔ پھر اسے اگلے دن پہ ڈال دیجیے گا۔" یمان کا یہ رویہ وہاں موجود کسی فرد کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ پریزنٹیشن بہت مشکل سے بنائی ہے۔ تم ذرا صبر...."

"ہر بات کے لیے آپ مجھے صبر کا کیوں کہتے ہیں؟" یمان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے ایک پی اے (پرسنل اسسٹنٹ) کی ضرورت ہے اور یقیناً آپ وہ بھی بھول گئے ہوں گے۔" وہ استہزائیہ مسکرایا۔

"میں نے پی اے کی جاب کے لیے ایک نیوز پیپر میں کہا ہے۔ تم فکر نہیں کرو۔ انفیکٹ تم خود انٹرویو لینا اور پھر جو تمہیں مناسب لگے اسے اپنے ساتھ رکھ لینا۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔

"ہمم۔" اس نے ہنکارا بھرا۔

"یہ ساری باتیں آرام سے بھی کی جاسکتی تھیں یمان۔ لیکن تمہیں تو عادت ہی لگ گئی ہے چھوٹی بات کو بڑا بنا کر پیش کرنے کی۔" منہاج ناخوش نظر آتا تھا۔ کھڑے ہوتے ہوئے اس نے یمان کو سخت چتونوں سے دیکھا اور وہاں سے نکل گیا۔ یمان بھی اس کے جانے کے کچھ پل بعد وہاں سے چلا گیا۔

"میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔" آنکھیں بند کر کے پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ ہاشم نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ مومن بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

سیمون آفندی کچھ دیر پہلے ہی گھر پہنچے تھے۔ کچھ دیر ریسٹ کرنے کے بعد وہ کھانے کی میز پر اکھٹے ہوئے تھے۔ پھر کچھ دیر خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ باتوں کے دوران وائن بھی چلتی رہی تھی۔ پھر کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد وہ سب اپنے اپنے روم میں چلے گئے تھے۔

"آپ کو پتا ہے آج میں کس سے ملی ہوں؟" وہ دونوں سونے کی تیاری کر رہے تھے جب سارہ آفندی نے کہا۔

"کس سے؟" وہ نیند سے بھری آنکھیں لیے تجسس سے پوچھ رہے تھے۔

"گل رعنا کی بیٹی سے۔" انہوں نے بہت اطمینان سے بتایا تھا۔ جبکہ سیمون آفندی کو شاک لگا۔

"کہاں، کب، کیسے؟" ان کے پوچھنے پر سارہ آفندی نے تمام بات بتا دی۔

"کیا اس نے تمہیں خود بتایا تھا کہ وہ گل رعنا کی بیٹی ہے؟" آنکھیں چھوٹی کر کے پوچھا۔

"مجھے تو اس نے اپنا نام تک نہیں بتایا۔ اور نا ہی میں نے پوچھا۔"

"پھر تمہیں کیسے پتا کہ وہ اس کی بیٹی ہے؟" وہ اپنی وائف کو مشکوک نظروں سے دیکھتے پوچھ رہے تھے۔

"جب آپ دیکھیں گے تو آپ کو بھی پتا چل جائے گا۔" بہت آہستہ سے کہتے ہوئے وہ اپنے شوہر کے بازو پر آ کر لیٹ گئیں۔

"ہمم۔۔۔" وہ ایک گہری سوچ میں ڈوب چکے تھے۔ گل رعنا کا ذکر آج بھی انہیں تکلیف دیتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس میں اس وقت ہر طرف خاموشی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ سب اپنے اپنے روم میں جا چکے تھے۔ کھانے کے دوران بھی خاموشی رہی تھی۔ ہاشم نے آفس میں ہی ان تینوں کو میٹنگ کینسل کرنے کی وجہ بتا دی تھی۔ شاید وہ نا بتاتا اگر یمان کا رویہ یاور کے ساتھ ایسا نا ہوتا۔ سوا سے سیچویشن سنبھالنے کے لیے بتانا پڑا تھا۔

یمان یہ سب سن کر خاصا شرمندہ ہوا تھا۔ جبکہ مومن اور منہاج کو غصہ آیا تھا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ہاشم نے کسی طریقے سے ان کے غصے کو ٹھنڈا کر ہی لیا تھا۔ لیکن یاور کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔

رات کے دس بج رہے تھے جب وہ ماریہ کے کمرے میں آیا۔ وہ جو رو رہی تھی آہٹ پر چپ کر گئی۔ اور سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ یاور نے سائیڈ لیمپ آن کیا۔ کمرہ ہلکا سا روشن ہوا۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس آ

کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تو وہ خاموش رہا۔ اس کی طرف سے خاموشی پا کر اسے بولنا پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جاگ رہی ہو۔" بہت آہستہ سے کہا۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" تھوڑے وقفے کے بعد کہا۔ کچھ دیر تو وہ ایسے ہی لیٹی رہی پھر جب اسے اندازہ ہوا کہ یاور بات کیے بغیر نہیں جائے گا تو مجبوراًا سے اٹھنا پڑا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں بھائی۔ میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ لیکن میرا یقین کریں میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا۔" وہ ایسے کہتے ہوئے ایک دفعہ پھر رونے لگی۔ یاور کو اس کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ اپنی بہنوں کو روتا دیکھ کر بھائیوں کو ایسے ہی تکلیف ہوتی ہو گی جیسے اس وقت یاور کو ہو رہی تھی۔

"پھر تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟" وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ ماریہ نے خفت سے ایک نظر یاور کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ اسے یونیورسٹی کے پہلے دن سے لے کر اب تک کی ساری کہانی سنادی کہ کس طرح وہ یونیورسٹی میں حجاب کی وجہ سے بُلینگ (Bullying) کا شکار رہی ہے۔ یاور نے بہت تحمل اور ضبط سے اس کی بات سنی۔ اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ حماد کی باتیں وہ گول کر گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو۔

"اپنے آنسوؤں صاف کرو۔" یہ کام وہ بھی کر سکتا تھا لیکن کب تک وہ اس کے آنسوؤں پونچھتا۔ اگر یہ کام وہ پہلے کر چکا ہوتا تو آج وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رو نا رہی ہوتی۔ اس نے ایک نظر یاور کو دیکھا اور پھر اپنے آنسوئں کو بے دردی سے صاف کیا۔

"اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اب تک کیا کیا ہے؟" اس نے نا سمجھی سے یاور کو دیکھا۔

"پردے پر انگلی اٹھانے والوں کو کیا جواب دیا ہے؟ کیسے ان کا منہ توڑا ہے؟" وہ خاموش رہی۔ یاور نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"یعنی تمہیں اپنے پردے سے گھٹن ہونے لگی ہے؟" یہ پوچھتے ہوئے اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"آپ مجھے بتائیں کہ ایسا کونسا غلط کام کیا ہے میں نے جو مجھے اپنا چہرہ چھپا کر جانا پڑتا ہے؟" اس نے یاور کے بدلتے تیور دیکھے تھے لیکن پھر بھی جواب کی منتظر رہی۔

"پردہ ہمارے اسلام میں ہے۔ پردہ مسلمان عورتوں کی زینت ہے۔ تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جو غلط کام کرتے ہیں وہی اپنے چہرے

چھپاتے ہیں۔ جبکہ پردہ تو قیمتی چیزوں کے لیے ہی بنا ہے۔" برف سے بھی زیادہ سرد لہجہ تھا اس کا لیکن آواز ویسی ہی آہستہ۔

"میں سر اٹھا کر جینا چاہتی ہوں بھائی۔ اگر میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تو میں کیوں اپنا منہ چھپا کر نکلوں۔" اس کی بات پر یاور نے تاسف سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"کیا جو لڑکیاں پردہ کرتی ہیں وہ سر جھکا کر چلتی ہیں؟"

"سر اٹھا کر بھی تو نہیں چلتی نا۔" بیزاریت سے کہتے ہوئے اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔

"تم سر اٹھا کر چل سکتی ہو۔ پردہ ہمارے لیے شرمندگی کا باعث نہیں ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو چھپا کر رکھو گی اور اس پر ڈٹ جاؤ گی تو کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو گی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔"

"اس سب کا کیا فائدہ جب اپنی شناخت ہی چھپ جائے گی۔"

"پردہ ہماری شناخت چھپاتا نہیں ہے بلکہ وہ یہ بتاتا ہے کہ ہم ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پردہ ہی تو مسلمان لڑکیوں کی اصل پہچان ہے۔ تمہیں تو خود پر فخر کرنا چاہیے کہ تم ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہو اور اسلام کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو اور سمجھتی ہو۔"

"تو پھر آپ بتائیں میں کیا کروں؟" یاور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اگر تمہیں کوئی پردے کو لے کر کچھ کہتا ہے تو اسے جواب دو۔ نہیں تو معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ لیکن اس طرح کمزور پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا تعلق کسی کمزور گھرانے سے نہیں ہے۔ ہماری ماں ایک بہادر خاتون تھیں اور تم بھی انہی کی بیٹی ہو۔ آج کے بعد اتنی

چھوٹی چھوٹی باتوں پر روتا ہوا نا دیکھوں میں۔"اس کے انداز میں
تنبیہہ واضح تھی۔

"میں جان بوجھ کر نہیں روئی۔ جس طرح وہ بات....۔"یاور نے
اس کی بات کاٹی۔

"کوئی جو کچھ مرضی کہے لیکن تم آج کے بعد یونیورسٹی سے اس طرح
کہیں نہیں جاؤ گی۔ ورنہ میں بہت سختی سے پیش آؤں گا۔"وہ یاور کی
باتوں سے مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے پردہ کون لڑکیاں کرتی ہیں؟"اب وہ ذرا نرمی سے
پوچھ رہا تھا۔

"ظاہر سی بات ہے یہ پابندی مسلمان لڑکیوں کے لئے ہے۔"

"نہیں یہ پابندی نہیں ہے۔ حکم ہے۔اور پردہ صرف وہ کرتی ہیں جو شہزادیاں ہوتی ہیں۔اپنے گھر کی نہیں، اسلام کی شہزادیاں۔اور مسلمان عورتیں اتنی کمزور نہیں ہیں جتنی تم بن رہی ہو۔"

"لیکن یہ حکم صرف لڑکیوں کے لئے کیوں ہے؟"

"تم سے کس نے کہا کہ پردے کا حکم صرف عورت کو ہے؟"رک کراس کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"پردے کا حکم تو مرد کو بھی ہے۔انفیکٹ پہلا حکم مرد کو ہی ہے۔ انہیں اپنی نگاہیں جھکا کر چلنے کا حکم ہے۔ مرد ایک پردہ دار عورت کو دیکھ کر ہی اپنی نگاہیں جھکا لیتا ہے۔" بالکل ویسے جیسے اس روز سڑک پر اس نے فرح کو دیکھ کر جھکائی تھیں۔

"لوگوں کی باتوں کو دل سے لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کا کام ہی باتیں کرنا ہے۔اگر نا بھی کوئی بات ہو گی وہ تب بھی

کوئی نا کوئی بات بنالیں گے۔ ہم ان لوگوں سے بھاگ تو نہیں سکتے لیکن ان کا سامنا تو کر سکتے ہیں نا۔ تمہیں بھی ہمت سے ان سب کا سامنا کرنا ہے۔

جانتی ہو لوگ باتیں کیوں بناتے ہیں؟ کیونکہ ان میں شعور کی کمی ہوتی ہے۔اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے وہ باتیں بنانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ان کی فطرت انہیں اکساتی ہے۔اور یہ پھر سارا سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔اس لئے ہمیں ایک اچھی اور باشعور جنریشن تیار کرنے کی لیے اپنی سو کالڈ سوچ اور جاہلانہ باتوں پر کنٹرول کرنا چاہیے۔خود کو نفس کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ نفس آپ کو برباد کر دیتا ہے۔یہ شیطانی وسوسوں کو پیدا کر کے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔بدظن کرتا ہے۔راستہ بدلنے پر مجبور کرتا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے دین سے دور کرنے کی جستجو کرتا ہے۔ضروری نہیں کہ شیطان

خود ہمارے پاس آئے بلکہ یہ انسانوں کے روپ میں آتا ہے اور اپنے ناپاک ارادوں سے دوسروں کو برباد کرتا ہے۔دل کو بے سکون کرتا ہے بالکل ویسے ہی جیسے ان لڑکیوں نے تمہیں تمہارے پردے سے بدظن کردیا اور تمہاری روح بے سکون ہو گئی ہے۔" وہ بول رہا تھا اور وہ خاموشی سے آنسو بہانے میں مگن تھی۔یاور کی باتیں اس کے دل کو مطمئن کر رہیں تھیں لیکن شرمندہ بھی کر رہی تھیں۔آخر اس نے ایسا سوچا بھی کیسے۔

"تم اگر ایسے کم علمی والے لوگوں کی باتوں کو دل سے لگاؤ گی تو روتی رہ جاؤ گی جبکہ مجھے میری گڑیا روتے ہوئے بالکل بھی اچھی نہیں لگتی۔" بات کرتے کرتے اس کا لہجہ ایک دم نرم ہو گیا تھا۔

"میں کوشش کروں گی...۔"

"کوشش نہیں کرنی۔ تمہیں کر کے دکھانا ہے۔" مسکرا کر کہا تو وہ بھی جبراً مسکرا دی۔

"اب بہت رات ہو گئی ہے۔ تم سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" پیار سے اس کے سر پر بوسہ دے کر روم سے باہر نکل گیا۔ اور وہ وہیں بیٹھی یاور کی باتوں پر غور کرنے لگی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

یہ ایک لان کا منظر تھا جہاں شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔ وہاں پر وہ چھ سال کی لڑکی ایک بلی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ اپنی معصومانہ باتوں سے وہ اپنی والد کو ہنسنے پر مجبور کر رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس بلی کو چوٹ آئی تو اس لڑکی نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ اس کا یہ رونا وہاں موجود ہر نفوس کو تشویش میں مبتلا کر گیا تھا جبکہ ایک نفس ایسا بھی تھا جسے اس لڑکی کے آنسو اپنے دل پر گرتے ہوئے

محسوس ہو رہے تھے۔ وہ گیارہ سال کا سانولا سا لڑکا اپنے کوارٹر میں چھپ کر اسے روتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ کسی ملازم کا بیٹا تھا۔ بڑی مشکل سے بلی کی مرہم پٹی کر کے اس لڑکی کو چپ کروایا تھا۔ اب وہ اس کے پاس بیٹھی اسے باؤل سے دودھ پلا رہی تھی اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی۔

"آہ! دیکھو تو کتنی چوٹ آئی ہے۔" آنکھیں ابھی بھی نم تھیں۔ اس کی ٹانگ کو دیکھتے ہوئے مزید پانی بھر گیا۔ پاس ہی وہ کھڑا پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ محض دیکھنے کے بہانے۔

"مرہم پٹی کر دی ہے نا بیٹا۔ تو اب کیوں رو رہی ہو؟" اس کا باپ اس کے پاس چلا آیا۔

"بابا اسے تکلیف ہو رہی ہو گی نا۔ دیکھو ہایون بلی بھی رو رہی ہے۔"

جب اسے لگا کہ بابا نہیں سمجھیں گے تو اس نے اپنے دوست کو اپنا درد سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ مسکرا دیئے۔ ہایون تذبذب کا شکار ہوا۔

"ہاں یہ تو واقعی ہی رو رہی ہے۔ تم اسے چپ کرواؤ میں آتا ہوں۔"

ان کے موبائل پر کال آنے لگی تو وہ اٹھ گئے۔ ان کو جاتا دیکھ کر وہ لڑکا بھاگ کر اس کے پاس آیا۔ مالک کی بیٹی کو چھونے کا حق نہیں تھا اس لیے اپنا رومال اس کے آگے کر دیا۔

"آپ تو مت روئیں۔" اس نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر ہایون کو دیکھا۔ لائٹ براؤن آنکھیں اس وقت لال ہو چکی تھی۔ ہایون نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ یہ احترام تھا مالک کی بیٹی کا۔

اس نے وہ رومال لیا اور اس رومال سے بلی کے آنسو پونچھنے لگی۔ اس کی اس معصوم حرکت پر ہایون کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"جب تک یہ چپ نہیں ہو گی میں بھی نہیں ہوں گی۔"

"ایسے تو مجھے تکلیف ہو گی۔" اس کے لب پھر پھڑائے۔ وہ چھوٹی سی بچی اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

"نا تو تمہیں چوٹ آئی ہے اور نا ہی یہ بلی تمہاری ہے۔ تو تمہیں کیوں تکلیف ہو گی؟" معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔ دور گھر کے ایک کونے میں کھڑے اس تیرہ سالہ نوجوان کو یہ منظر بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"کیونکہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے اس لیے۔" اس نے نا سمجھی سے ہایون کو دیکھا۔

"مطلب کہ ہم دونوں دوست ہیں۔ تو جب ایک دوست تکلیف میں ہو گا تو دوسرے کو تکلیف تو ہو گی نا۔" اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"مطلب تم میرے درد کو محسوس کر سکتے ہو؟"

"ہاں۔میں کر سکتا ہوں۔"

"ایک تم ہی ہو جسے میرا درد، میری تکلیف سمجھ آئی ہے۔ورنہ سب ہنس کر چلے جاتے ہیں۔"ناک منہ سکوڑ کر کہا تو اس نے مشکل سے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"کیونکہ ہم دوست ہیں نا اس لیے۔"جو جواز سمجھ آیا فوراً پیش کر دیا۔ اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔پونی ٹیل بھی اس کے ساتھ ہی ہلی تھی۔

"اچھا اب آپ ایسا کریں کہ اس بلی کو آرام کرنے دیں تاکہ وہ جلد ٹھیک ہو سکے۔"اس نے اس کے ہاتھ سے بلی لی تو اس نے بغیر شور کیے وہ بلی اسے دے دی۔ورنہ جو بھی اس سے بلی لینے لگتا رونے لگ جاتی۔

اس نوجوان کو یہ بات بھی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔اسے وہ ملازم لڑکا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ تبھی اس نے اپنے قدم لان کی طرف بڑھائے۔

بلی کو ایک پودے کی چھاؤں میں رکھ کر خود وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"اب اسے آرام کرنے دینا۔" ہایون کے حکم پر اس نے زور زور سے سر ہلایا۔

"اٹھو تمہیں بابا بلا رہے ہیں۔" وہ اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔میں تم سب سے ناراض ہوں۔" وہ غصے سے منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔لڑکے نے دانت پیسے۔

"ہایون تم جاؤ اور میرے لیے ایک کپ کافی بنا کر لاؤ۔" بہن پر زور نا چلا تو ملازم کو کہہ دیا۔

"ہایون کا کل پیپر ہے۔آپ بوا سے کہیں۔" تحکم بھرا انداز تھا۔

"دس بیس منٹ میں کافی بن جاتی ہے۔ پھر پڑھ لے گا۔ ویسے بھی یہاں بیٹھ کر کونسا وہ پڑھ رہا تھا۔" اس نے ہایون کو سخت چتونوں سے گھورا تو وہ سر جھکائے اٹھ گیا۔ وہ لڑکی بھی اس کے پیچھے ہی جانے لگی۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔" پشت پر بھائی کی آواز ابھری۔

"میں ہایون کے ساتھ جا رہی ہوں۔" ہایون نے رک کر پہلے اسے تو پھر مالک کے بیٹے کو دیکھا۔

"آپ جائیں۔ بلی کے پاس بیٹھیں۔ کہیں کوئی دوسرا جانور نا اسے اٹھا کر لے جائے۔ میں کافی کے بعد پڑھوں گا۔" وہ رک گئی۔ پھر سر ہلاتی واپس چلی آئی۔ ہایون کی بات تو پتھر پر لکیر ہوتی تھی۔ بھائی نے ناگواری سے اسے دیکھا اور وہاں سے چلا گیا۔ ہایون دکھی سا مسکرایا۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ وہ بلی کے نرم بالوں پر ہاتھ پھیرتی کچھ گنگنا

رہی تھی۔ بلی کو اس کی یہ حرکت سکون دے رہی تھی تبھی وہ بھی آرام سے لیٹی رہی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ آفس جانے کے لئے نکل چکا تھا۔ آج کی میٹنگ میں اس کی پریزنٹیشن تھی اور پھر پی اے کے لیے کچھ انٹرویوز بھی لینے تھے۔ سڑک پر معمول کے مطابق رش تھا تو وہ بہت احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک صاف شفاف روڈ پر تھا۔ وہاں اکادکا گاڑیاں تھیں۔ روڈ سے ہٹ کر بہت ساری دکانیں تھیں۔ وہ اپنی دھن میں گاڑی چلاتا ہوا جا رہا تھا جب اچانک ایک لڑکی اس کے سامنے آگئی۔ بریک لگاتے لگاتے بھی گاڑی لڑکی کے پاس جا کر رکی تھی۔

اور وہ لڑکی گاڑی کے قریب آنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل سے بے خبر کانوں پہ ہاتھ رکھے اور آنکھیں بند کیے نیچے بیٹھ گئی تھی ایسے جیسے گاڑی والا اسے مار کر ہی آگے جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور پھر گاڑی پر اس کی نظر گئی۔ اندر سے ایک لڑکا نکل کر تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔ لڑکے کو دیکھ کر لڑکی کے تاثرات بدل گئے تھے۔ ماتھے پر غصے سے لکیریں پڑنے لگی تھیں۔ لڑکے کے پاس آنے تک وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیا تم اندھی ہو؟ یا پھر مرنے کا شوق ہے تمہیں؟" اس کے پاس آتے ہی وہ غصے سے بولا۔

"میں نہیں تم اندھے ہو جسے کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر تمہیں گاڑی چلانی نہیں آتی تو اسے روڈ پہ لے کر نکلے ہی کیوں ہو؟" اسی کے انداز میں

کہتی وہ یمان کو آگ لگا گئی تھی۔ لڑکی نے جامنی رنگ کا لانگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ گردن میں مفلر دائیں بائیں آگے کو گرایا ہوا تھا۔ بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ وہ ایک پر کشش اور بے حد حسین لڑکی تھی۔ لیکن یمان کو وہ بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"مجھے گاڑی چلانی آتی ہو یا نا آتی ہو لیکن بریک بہت اچھی لگانی آتی ہے۔" وہ جو اپنی فائل اٹھانے کے لیے جھکی تھی یمان کی بات پر اسے سخت نگاہوں سے گھورا۔

"اگر میں بریک نا لگاتا تو یہ جو تمہاری زبان چل رہی ہے نا، کب کی بند ہو چکی ہوتی۔" یمان کا موڈ اچھا خاصا خراب ہو چکا تھا اس ایکسڈنٹ کی وجہ سے۔

"تو تمہیں کیا لگتا ہے، مجھے مار کر تم بچ جاتے؟" سینے پر بازو باندھ کر یمان کے مقابل کھڑی ہو گئی۔ "یہاں میری آنکھیں بند ہوتیں اور وہاں تم جیل میں بند ہوتے۔"

"اگر تمہاری آنکھیں بند نہیں ہوئیں تو اب میرا راستہ چھوڑ دو۔ موڈ تو تمہاری وجہ سے خراب ہو ہی گیا ہے۔"

"تمہارا موڈ تمہاری اپنی وجہ سے خراب ہوا ہے۔ جہاں خوبصورت لڑکی نظر آ جائے وہیں تم جیسے لڑکے شوخیوں پر اتر آتے ہیں۔" وہ ابھی تک یمان کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ یمان نے اس کے لفظ "خوبصورت لڑکی" پر اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"خوبصورت لڑکی؟ کہاں ہے خوبصورت لڑکی؟ مجھے بھی دکھاؤ۔ بڑی دیر ہو گئی ہے کوئی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی۔" یمان نے

ادھر ادھر نظر دوڑا کر دیکھا۔ تبھی لڑکی کے تاثرات بگڑے۔ لیکن وہ مزید بحث کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گئی۔

"ویسے اب کس ہینڈسم لڑکے کی گاڑی کے آگے آنے کا ارادہ ہے؟" اپنی تعریف کے معاملے میں وہ بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔

"بہت زیادہ غلط فہمی ہے تمہیں کہ تم ہینڈسم ہو۔" اس کی بات پر یمان قہقہ لگا کر ہنسا۔

"ویسے میں تمہیں آفر دے سکتا ہوں۔ اگر تم کہو تو تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دوں گا۔" وہ یقیناً اس کا ضبط آزما رہا تھا۔

"تم اپنی آفر اپنے پاس رکھو۔ شکل سے تو دو نمبر آدمی لگ ہی رہے تھے، اب حرکتیں بھی وہی کر رہے ہو۔"

"ایک آفر ہی تو کی ہے میں نے اور تم مجھے باتیں ایسے سنا رہی ہو جیسے میں کوئی فلرٹ کر رہا ہوں تمہارے ساتھ۔ سر پھری لڑکی۔" یمان

کے تبصرے پر اس نے غصے اور نفرت کے ملے جلے تاثرات سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے میں خوبصورت اور ہینڈسم ہوں لیکن تم مجھے ایسے دیکھ دیکھ کر نظر مت لگا دینا۔" فخریہ انداز میں کہا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہیں دیکھنے کا اور نا ہی تمہارے ساتھ جانے کا۔ پتا نہیں کہاں سے آجاتے ہیں ایسے لوگ۔" وہ اب نظریں پھیر چکی تھی۔

"ہاں مجھے تو بہت شوق ہو رہا ہے نا تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر اپنا موڈ خراب کرنے کا۔ تمہاری وجہ سے میرا نقصان ہوتے ہوتے بچا ہے۔ اور باتیں ایسے سنا رہی ہے جیسے میں نے محترمہ کا نقصان کیا ہے۔" وہ مزید دل کی بھڑاس نکالتا لیکن اس کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ ضبط سے اس نے اپنے لب بھینچے ہوئے تھے۔

"امید کرتا ہوں آئندہ اپنی یہ شکل لے کر میرے سامنے نہیں آؤ گی۔" اسے آگ لگا کر خود وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہ جو کب سے خاموش تھی۔ غصے سے اس کی جانب پلٹی۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری یہ منحوس شکل دیکھنے کا۔" اس کی آواز یمان کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ مسکرا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے تنبیہہ کرتا آگے نکل گیا۔

"جاہل آدمی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"ویسے ہماری کافی اچھی دوستی ہو گئی ہے لیکن آپ نے مجھے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ اور نا ہی میں نے کبھی آپ کو دیکھا ہے۔" اس وقت وہ دونوں یونیورسٹی کے کیفے میں آمنے سامنے بیٹھی ہوئیں تھیں۔ درمیان میں رکھی گئی میز پر دو بھاپ اڑاتے کپ چائے کے

بھی موجود تھے۔ کیفے میں رش بہت کم تھا۔ لیکن پھر بھی ان دونوں کے چہرے کور تھے۔ اور اسی حجاب میں وہ دونوں چائے پی رہی تھیں۔ چائے کا کپ واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے ماریہ نے فرح سے پوچھا۔

"میں نے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اگر تم میری فیملی کے بارے میں پوچھ رہی ہو تو تمہیں بتا دیتی ہوں۔" وہ اپنے ازلی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کر رہی تھی۔ ماریہ تجسس سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میرے بابا کی پیدائش پاکستان کی ہے۔" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"آپ پاکستان سے ہیں۔ اور مجھے لگا آپ کوریا میں رہتی ہیں۔" وہ ابھی تک حیران تھی۔

"ہاں ہم کوریا میں ہی رہتے ہیں۔ ہماری پیدائش کوریا کی ہی ہے لیکن چھٹیوں میں ہم پاکستان ضرور جاتے ہیں۔"

"ایسا کیوں ہوا کہ آپ لوگ مستقل یہاں آ گئے؟" اس نے نا سمجھی سے فرح کو دیکھا۔

"میرے بابا لوگ تین بھائی تھے۔ ان کی کوئی بہن نہیں تھی۔ اور میرے بابا سب سے چھوٹے تھے۔ جب میرے دادا ابو کا انتقال ہوا تو وہ اپنی ساری جائیداد اپنے دونوں بیٹوں کے نام کر گئے۔ دراصل میرے بابا نے ان کی پسند کے خلاف شادی کی تھی تو دادا ابو نے بابا کو جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔ وہاں بابا کے پاس کچھ بھی نہیں تھا یہاں تک نوکری بھی کوئی نہیں تھی۔ اپنی جمع پونجی سے بابا نے کوریا کا ویزا لیا اور یہاں چلے آئے۔ یہاں آ کر انہوں نے نوکری شروع کر دی۔"

سانس لینے کے لیے وقفہ لیا۔ چائے کا گھونٹ بھرا اور کپ واپس رکھ دیا۔

"جب میں تین سال کی تھی تب پہلی دفعہ دادا ابو کی وفات پر پاکستان گئے تھے۔ اپنی عزت بچانے کے لیے بابا کے بھائیوں نے انہیں جنازے میں شرکت کرنے دی تھی لیکن مزید وہاں رہنے نہیں دیا۔ پھر بابا واپس آ گئے۔ لیکن ہم نے کبھی پاکستان والا گھر کسی کو نہیں دیا۔ ہم جب بھی پاکستان جاتے ہیں اپنے اسی گھر میں رہتے ہیں۔" مختصر بتا کر وہ خاموش ہو گئی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن آپ کے بابا نے کوریا کا ہی انتخاب کیوں کیا؟"

"میں نے بابا سے کبھی نہیں پوچھا۔اور نا ہی وہ ہمیں کچھ بتاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری ماں نے بتایا تھا لیکن رہائش کے لیے کوریا کا انتخاب کیوں کیا یہ ہمیں کبھی نہیں بتایا۔"

"ویسے ہمارا ملک اتنا برا بھی نہیں ہے۔"ماریہ نے کہا تو فرح نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں اس طرح یونیورسٹی سے نہیں جانا چاہیے تھا۔"ماریہ کو لگا جیسے وہ اس سے خفا ہے۔وہ شرمندہ سی سر جھکا گئی۔

"میں تمہیں کوئی لیکچر نہیں دوں گی لیکن میں تمہیں کچھ ایسا ضرور دوں گی کہ تمہاری زندگی بدل جائے گی۔یہ جو تم لوگوں کی باتوں کو دل سے لگا لیتی ہو پھر تم ایسا نہیں کرو گی۔"وہ کہہ رہی تھی اور ماریہ خفیف ہو کر نظریں چرا گئی۔

کیفے کے دروازے سے جنگکوک اپنے دوستوں کے ساتھ اندر آرہا تھا۔اسے دیکھتے ہی ماریہ کے تاثرات بدلے تھے۔فرح نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر ماریہ کی طرف دیکھا۔

"یہ غیر مسلم ہے۔"ماریہ کو لگا جیسے اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ گردن موڑ کر فرح کی طرف دیکھا۔

"اس کا نام جنگکوک ہے اور یہ غیر مسلم لڑکا ہے۔"فرح نے بے نیازی سے شانے اچکائے جبکہ وہ شاکڈ سی فرح کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"تو آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟"بمشکل اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے لگا کہ تمہیں بتانا ضروری ہے۔"فرح نے بہت غور سے اس کے تاثرات دیکھے تھے۔فرح سے نظریں چرا کر اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا جہاں وہ سارے دوست ایک ٹیبل کے ارد گرد بیٹھ رہے

تھے۔ لیکن جنگکوک ٹیبل کے اوپر آلتی پالتی مار کے بیٹھا ہوا تھا۔ بالوں کی پونی کی ہوئی تھی اور ایک کان میں بالی تھی۔ ہاتھوں میں مختلف قسم کے بینڈز اور گلے میں چین پہنی ہوئی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک پرکشش اور بے حد حسین نوجوان تھا لیکن اس کا یہ حلیہ ماریہ کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے افسوس ہوا۔

وہ اس کا جائزہ لے رہی تھی جب کیفے میں اس کا قہقہہ گونجا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے جو یقیناً کسی بات پہ ہنسا تھا۔ اس نے اس کی کالی چمکیلی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ ہنس رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹانا بہت مشکل کام تھا لیکن وہ یہ کام بھی کر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کو نظرانداز کر کے ماریہ نے فرح کی طرف دیکھا۔

"آپ مجھے کچھ دینے لگی تھیں جو میری زندگی بدل دینے والا تھا۔" وہ اس کی بات کو نظرانداز کر گئی تھی لیکن اندر کہیں کچھ برا بھی لگ رہا تھا۔ فرح اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"آج نہیں پھر کسی دن۔ ابھی میری کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔" وہ اٹھ کر جانے لگی جب ماریہ کے سوال نے اسے روکا۔

"آپ کیسے جانتی ہیں کہ وہ غیر مسلم ہے؟" ماریہ کے استفسار پر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"سب کو پتا ہے وہ غیر مسلم ہے۔ صرف تمہیں ہی نہیں پتا۔" اس نے شان بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"میں بھی پچھلے دو سال سے اسی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوں اور ہمارے بہت سارے سبجیکٹ ایک جیسے ہیں۔" فرح نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"یہاں حیرت غیر مسلم پر نہیں بلکہ مسلم پر کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ کوئی مسلم کنٹری نہیں ہے ماریہ۔ میں حیران ہوں تم اس ملک کی ہو لیکن تمہیں اس بات کا نہیں پتا۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں.....۔"

"ہاں میں جانتی ہوں کیسی بات ہے۔ تمہیں اس کا غیر مسلم ہونا اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔ اس نے اسے جاتے ہوئے دیکھا لیکن اس کا ذہن اسی بات پر اٹک گیا تھا۔

"تمہیں اس کا غیر مسلم ہونا اچھا نہیں لگ رہا۔"

"میری بلا سے۔ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ مجھے کیوں برا لگے گا۔" اس نے فرح کی بات کی تردید کی تھی۔

اس نے گردن موڑ کر دائیں جانب دیکھا جہاں اب وہ کچھ کھانے میں مصروف تھا۔اور کسی نا کسی بات پر قہقہ لگا رہا تھا۔ قہقہوں میں اونچا قہقہ بھی اسی کا تھا۔

(جس دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے پھر اسے ان قہقہوں سے خوف آنے لگتا ہے۔ لیکن نا جانے وہ شخص کبھی قہقہوں سے ڈرے گا بھی یا نہیں....)

اس سے آگے وہ کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی۔وہ لاکھ اس بات سے انکار کرتی لیکن اس کے اندر توڑ پھوڑ شروع ہو چکی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ اسے دیکھتا اس نے وہاں سے چلے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

اور یہ اس کی غلط فہمی تھی کہ اس نے اسے نہیں دیکھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گاڑی چھ منزلہ عمارت کے سامنے آ کر رکی۔ گاڑی کو پارک کر کے وہ آفس کے اندر داخل ہوا۔ وہ موبائل پہ کسی سے میسج پہ بات کرتا ہوا چلتا جا رہا تھا۔ یاور کے آفس کا دروازہ کھولتے اس کی ہاتھ رکے۔ اس کی نگاہ میں کچھ کھٹکا تھا۔ رک کر اس نے دائیں جانب ویٹنگ روم کی طرف دیکھا تو منہ حیرت سے کھل گیا۔

ویٹنگ روم میں صبح والی لڑکی بیٹھی اپنی فائل پہ جھکی ہوئی تھی۔ یمان کے لبوں پر دلکش اور فاتح مسکراہٹ ابھری۔

"تو شکار خود چل کر آ گیا جال میں پھنسنے۔" مسکراتا ہوا ریسیپشن کی طرف آیا۔ وہاں بیٹھی لڑکی کو کچھ کہہ کر یاور کے آفس میں چلا آیا۔ انٹرویو کے دوران اس نے بہت ساری لڑکیوں اور لڑکوں کو ریجیکٹ کر دیا تھا جس کی وجہ سے یاور کو اب تک غصہ آ گیا تھا۔

"تمہیں کوئی بھی انٹرویو دینے والا کام کا نہیں لگ رہا اس لئے خود لیتے

پھر وانٹرویو۔ میں جا رہا ہوں۔ خوامخواہ میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

اسے چھوڑ کر وہ روم سے باہر نکل آیا۔ اس کے جانے کے فوراً بعد

یمان نے اس لڑکی کو بلایا۔ اور پھر اس کا انتظار کرنے لگا۔

"کیا میں اندر آجاؤں؟" وہ دروازے کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

یمان کی اس کی جانب پشت تھی۔

"کم ان۔" اجازت ملتے ہی وہ اندر آگئی۔ وہ جو سربراہی کرسی پر بیٹھا

ہوا تھا۔ کرسی سمیت گھوم کر اس کی طرف اپنا رخ کیا۔ وہ جو کچھ

نروس سی تھی یمان کو دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

جبکہ وہ اپنی ہنسی چھپائے اس پر سنجیدگی کا ماسک چڑھائے بیٹھا تھا۔

اس وقت وہ آفس روم میں موجود تھا۔بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔دروازے کی ناک اور نسوانی آواز پر اس کا انتظار ختم ہوا اور دھڑکنیں تیز ہوئیں۔

“MAY I COME IN SIR?”

اس نے دروازے کی جانب دیکھا۔وہ اجازت کی منتظر تھی۔مومن کو اپنا دل دماغ میں دھڑکتا محسوس ہوا۔

"یس کم ان۔" اجازت ملتے ہی علیزے اندر آگئی۔

"سر آپ نے بلایا تھا؟" اس نے نقاب کیا ہوا تھا لیکن اس کی آنکھیں کسی قسم کے پردے سے عاری تھیں۔

"جی میں نے بلایا تھا۔" خود کو کمپوز کیا۔

"سر کوئی کام تھا؟" اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

"ہاں پلیز بیٹھئے۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن خود کھڑا رہا۔ وہ پہلے تو حیران ہوئی پھر سر کو خم دیتی وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ مومن اپنا گلا کھنکھارتا ہوا اس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہ سٹپٹا گئی لیکن خود کو نارمل رکھتے ہوئے مومن کو دیکھا جو اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں .... میں جو بات آپ سے کہنے جا رہا ہوں .... پلیز اسے بہت تحمل سے سنیے گا اور اتنے ہی تحمل سے جواب دیجیے گا۔" اپنی بات کر کے اس نے علیزے کی طرف دیکھا۔ وہ بہت حیران ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے مومن بہت کانفیڈنس اور رعب سے بات کرتا تھا۔ جیسے ایک باس اپنے ورکر سے کرتے ہیں۔ لیکن آج وہ کانفیڈنس، وہ رعب کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"جی میں.... ایسا ہی کروں گی۔"اب وہ خود تھوڑی سی نروس ہو رہی تھی۔

"دراصل بات یہ ہے کہ.... میں نہیں جانتا کہاں سے شروع کروں۔"

"آپ کو تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں ہے سر۔جو بات ہے آپ وہ کہیں۔"

"میں.... میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔"علیزے نے کرنٹ کھا کر مومن کو دیکھا۔

"اور میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"اس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooo

وہ آفس روم میں داخل ہوئی تو سامنے یمان کو بیٹھا دیکھ کر اسے شاک لگا تھا۔ وہ شخص.... وہ یہاں کیسے ہو سکتا ہے جسے اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی منحوس شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ اب وہ شکل اس کے سامنے تھی۔ دل کر رہا تھا کہیں بھاگ جائے۔ زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔ کچھ ہو جائے لیکن وہ شخص یہاں نا ہو۔ وہ جس کے لئے انٹرویو دینے آئی تھی وہ شخص.... کم از کم وہ سامنے بیٹھا شخص نا ہو۔

"یا اللہ" دل میں کہا۔

"پلیز بیٹھئے۔" اپنی ہنسی کو مشکل سے دبا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ اسے لگا کہ یمان نے اسے پہچانا نہیں شاید اس لیے اس نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا۔ وہ پر سکون ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اب دونوں کے درمیان شیشے کا ٹیبل تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے سر پیچھے ٹکا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے یوں مسلسل گھورنے پر کچھ دیر

پہلے والا سکون اچانک غائب ہو گیا تھا۔ وہ خود کو بے آرام محسوس کر رہی تھی اور وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"سر یہ میرے ڈاکومنٹس۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل ٹیبل پر رکھی جسے یمان نے بازو لمبا کر کے پکڑ لیا اور پھر کھول کر الٹ پلٹ کرنے لگا۔

"کیا لیں گی آپ؟ چائے یا کافی؟" فائل سے نظریں ہٹا کر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" دو لفظی جواب دے کر چپ کر گئی۔

"کیوں؟" مصنوعی حیرانگی۔

"کیونکہ میں چائے نہیں پیتی۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں کافی منگواؤں آپ کے لیے؟"

"میں دونوں چیزیں نہیں پیتی۔" وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہ رہی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ سامنے بھی یمان بیٹھا تھا۔ بالکل اس جیسا ہی۔

"میرے خیال سے جو انسان چائے یا کافی نہیں پیتا وہ اپنے کام اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا۔ اس پر سستی طاری رہتی ہے جبکہ چائے اور کافی ذہن کو تر و تازہ رکھتے ہیں۔" لڑکی نے بیزاریت سے اسے دیکھا۔

"کافی۔" وہ مزید لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے فوراً بولی۔ ایک دلکش سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آتے آتے رہ گئی۔ پھر آگے ہو کر انٹرکام اٹھایا اور ایک بٹن پش کیا۔ کافی کا آرڈر دے کر واپس ویسے ہی ٹیک لگا لی۔ وہ یمان کی نظروں میں مکمل طور پر سمائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کا سارا کانفیڈنس ختم ہو رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

مومن کے سوال پر وہ ابھی تک سکتے کی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے اس سوال کی امید نہیں تھی۔

"آپ کچھ کہیں گی نہیں؟" اس کی طرف سے خاموشی پا کر مومن نے کہا تبھی اس کا سکتہ ٹوٹا۔

"میں.... میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آپ اس معاملے میں میرے گھر والوں سے بات کریں تو زیادہ مناسب لگے گا۔" اسے غصہ تو آیا تھا لیکن وہ کہہ چکی تھی کہ وہ تحمل سے سنے گی اور اسی طرح جواب دے گی تو اس نے بڑی سمجھداری سے صبر کیا تھا۔

"یعنی.... یعنی آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ علیزے نے تعجب سے اسے دیکھا۔ کیا وہ شخص واقعی ہی اس سے محبت کرتا ہے۔

"ظاہر سی بات ہے میں اسی سے شادی کروں گی جسے میرے ماں باپ میرے لیے چنیں گے۔ اگر میرے لیے وہ آپ کا انتخاب کریں گے تو مجھے کیا ہی اعتراض ہو گا۔" وہ بہت تحمل سے بول رہی تھی۔ لیکن اندر کہیں دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بنائی ہوئیں تھیں جن میں پسینہ آ رہا تھا۔ مومن تو بس اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہے اس لیے مجھے اجازت دیں۔" وہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔ مومن بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔ اسے لگا وہ گرنے لگی ہے۔ یہ چیزیں ناولوں تک تو بہت اچھی لگتی ہیں لیکن جب آج خود پر گزر رہی تھی تو اس کی جان حلق میں آئی ہوئی تھی۔

"شیور۔" اس نے ذرا سا جھک کر کہا۔ علیزے بہت تیزی سے باہر نکل گئی۔ ایک بوجھ تو سر سے اتر گیا تھا اب اگلا مرحلہ یاور اور ہاشم کو بتا

کر علیزے کے والدین سے بات کرنا تھا۔ وہ ریلکس ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور پیچھے ٹیک لگا لی۔ چہرے پر ایک پر سکون سی مسکراہٹ تھی۔ اس کے برعکس علیزے کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ سب سے پہلے اپنے ٹیبل پر آکر پانی پیا اور کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ دو تین اونچے اونچے سانس لیے۔ اور پھر خود کو نارمل کیا۔ ارد گرد سب اپنے کام میں مگن تھے۔ کسی کا بھی دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔ چار پانچ منٹ تک وہ خود کو نارمل کر چکی تھی لیکن اب اس کا کام کرنے کا دل نہیں کر رہا تھا۔ بہت بے دلی سے اس نے اپنا کام جاری رکھا۔

ooooooooooooooooooooooooo

وہ دونوں اس وقت کلاس لے کر باہر نکل رہے تھے۔ حماد لائبریری کی طرف جا رہا تھا جب عنایہ اسے پکارتی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

"حماد.... حماد سنو۔" اس کی آواز پہ حماد نے مڑ کر دیکھا۔اس کے چہرے کا ری ایکشن "یہ پھر سے آگئی" جیسا تھا۔ مجبوراً اسے رکنا پڑا۔

"حماد مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ حماد کے پاس آکر رکی۔

"ہاں بولو... سن رہا ہوں۔" اس نے موبائل نکال کر سامنے کر لیا جیسے اس کی بات سننے میں کوئی دلچسپی نا ہو۔

"کیا ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟"

"شیور۔" حماد نے جبراً مسکرا کر کہا۔ پھر دونوں کیفے میں آگئے۔اب وہ بالکل آمنے سامنے تھے۔

"بولو کیا کہنا تھا؟"

"پلیز میری پوری بات سننا۔ درمیان میں سے اٹھ کر مت جانا۔" اس نے جیسے التجا کی تھی۔

"نہیں جاتا۔ بولو کیا بات ہے؟" حماد کو وہ پریشان لگ رہی تھی۔

"بہت ساری باتیں ہیں جو تم میرے بارے میں نہیں جانتے۔ میں تمہیں وہی ساری باتیں بتانا چاہتی ہوں۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

حماد خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں پانچ سال کی تھی جب میری ماں وفات پا گئی۔" اس کا گلا رندھ گیا تھا جبکہ حماد کو یہ سن کر شاک لگا تھا۔ یہ بات اس کے لیے نئی تھی۔

"میری ماں کی وفات کے ایک سال بعد بابا نے دوسری شادی کر لی۔ ایک ہفتہ تو سب کچھ ٹھیک رہا لیکن پھر بابا کی بیوی نے اپنا سوتیلا پن دکھانا شروع کر دیا۔ ان کی ظلم کی داستان بہت لمبی ہے لیکن میں تمہیں وہ سب نہیں بتا سکتی لیکن....." اس نے وقفہ کیا۔

"لیکن؟"

"لیکن ان کا سب سے بڑا ظلم میرے بابا کو میرے خلاف کرنا تھا۔ میں یہ جو بن کر آتی ہوں یہ سب... یہ سب دکھاوا ہے۔" کچھ آنسوؤں اس کے چہرے پر پھسلنے لگے۔

"میں جتنی مظبوط نظر آتی ہوں، اتنی میں ہوں نہیں۔ میں بہت کمزور لڑکی ہوں۔ اس گھر میں میرا جینا بہت مشکل ہے۔ میں کتنی مشکل سے اپنی پڑھائی جاری رکھے ہوئے ہوں یہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔" وہ رکی۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ میں یہ سب کچھ تمہاری ہمدردی سمیٹنے کے لیے بتا رہی ہوں۔ ایسا نہیں ہے۔" اس نے بھیگی پلکوں سے حماد کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ سب کچھ سچ ہے؟" حماد کے استفسار پر اس نے دکھ سے اسے دیکھا۔ کیا وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ اس کا یقین کیا جاتا۔

"میری سوتیلی ماں میری شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کروانا چاہتی ہیں۔یعنی ایک جہنم سے نکال کر دوسری جہنم میں بھیجنا چاہتی ہیں۔وہ تو میں ہی نہیں مان رہی ورنہ اب تک اس کے نام کر چکے ہوتے مجھے۔" منگنی والی بات وہ پھر چھپا گئی تھی۔

"میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تم بس اس گھر سے نکلنے میں میرا ساتھ دے دو۔" وہ ملتجی ہوئی۔

"میں کیسے تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں؟" حماد نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"پلیز مجھ سے شادی کر لو۔" اس کے اچانک کیے جانے والے استفسار پر حماد چونکا۔

"تو یہ ساری کہانی تم مجھے صرف اس لیے سنا رہی تھی کہ میں تم سے شادی کر لوں؟" حماد کا لہجہ استہزایہ تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں اس گھر میں ایک مشکل ترین زندگی گزار رہی ہوں حماد۔ بس تم سے مدد مانگ رہی ہوں۔ پلیز میری مدد کر دو۔" وہ اب بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا تو تم بتا دو میں کیسے تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟"

"تم... مجھ سے.... شادی کر کے.... میری اس گھر سے.... نکلنے میں.... مدد کر دو۔" اسے پتا تھا وہ شادی کے لیے کبھی نہیں مانے گا اس لیے وہ اپنا جملہ توڑ توڑ کر پورا کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تم سے شادی کر لیتا ہوں۔" ایک لمحہ لگا تھا حماد کو یہ فیصلہ کرنے میں۔ عنایہ کو لگا جیسے اس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

"لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟" وہ ابھی تک حیران تھی۔

"تم جانتی ہو کہ تم مجھے کیوں نہیں پسند۔"

"تم جیسا کہو گے میں ویسی بن جاؤں گی۔ میں..... میں وہ سب کروں گی جو تم کہو گے۔ بس تم میری مدد کر دو۔"

"ہمم. میں اپنے بھائی سے بات کروں گا اس سلسلے میں۔" حماد کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن اسے سکھایا گیا تھا کہ اگر کوئی مشکل میں ہو تو اس کی مدد کرو۔

وہ عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اسے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا اس کی مدد کرنے کا۔ اس کے پاس نکاح کے علاوہ کوئی دوسرا حل نہیں تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو کوئی ایسا حل نکالتا کہ سامنے والے کی مدد بھی ہو جاتی اور اپنا آپ بھی بچ جاتا۔

حماد کی رضامندی پر عنایہ کے چہرے پر اطمینان سا بکھر گیا تھا۔

حماد نے پہلی بار اس کی بات کا یقین کیا تھا لیکن اسے اس چیز کا کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اگر عنایہ ویسی لڑکی بن گئی جیسی اسے پسند ہیں تو آخر برا ہی کیا ہے۔ یہی سوچ کر وہ پر سکون ہو گیا تھا۔

لیکن اگر وہ ذرا دل میں جھانک لیتا تو اسے پتا چلتا کہ اس کے اس فیصلے پر دل میں پہلے سے کوئی مکین سخت خفا ہے۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ کوئی اس کے دل پر قبضہ جما چکا تھا۔

ooooooooooooooooo

وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے کوئی بھی سامنے نظر نہیں آیا۔ وہ شکر کر کلمہ پڑھتی ہوئی اپنے روم میں چلی گئی۔ موڈ پہلے ہی شدید خراب تھا۔ اگر ایسے میں ماں نظر آجاتی تو پھر سوالوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

"کیسا رہا انٹرویو؟ تمہیں جاب مل گئی؟ وہاں کا ماحول کیسا تھا؟ آنے جانے میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟ وغیرہ وغیرہ۔" اور وہ انہی

سوالوں سے تنگ آ کر یقیناً ماں کو کچھ کہہ دیتی۔اور پھر سارا دن ضمیر ملامت کرتا رہتا۔جب پوری دنیا پر ہمارا بس نہیں چلتا تو ہم ماں کو کچھ تلخ کہہ دیتے ہیں۔اور پھر ایسا نہیں ہوتا کہ ہم سکون میں آ جائیں گے۔الٹا ہمارا ضمیر ہمیں ملامت کرتا ہے۔ماں کا وہ معصوم چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جب ہم ان پر اپنا غصہ نکال رہے تھے اور وہ چپ تھی۔پھر خود ہی رونا آنے لگتا ہے اور دل کرتا ہے خود کو کہیں دور پھینک آئیں۔خیر اس کے اس غصے سے ماں تو بچ گئیں لیکن کیا وہ بچ گئی جو اس وقت اس کے روم میں تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

کافی کے دو بھاپ اڑاتے مگ ٹیبل پر رکھے ہوئے تھے۔باہر نکلا ہوا سورج بادلوں کی اوٹ میں کہیں چھپ گیا تھا۔موسم کافی ٹھنڈا ہو رہا تھا لیکن باہر کی نسبت اندر سردی کم تھی۔

"ہم اپنے انٹرویو کی شروعات آپ کے نام سے کرتے ہیں۔ تو بتایئے آپ کا نام کیا ہے؟" وہ جو اس کی فائل پر اس کا نام پڑھ چکا تھا پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

"میرا نام بختاور ہے۔" اسے غصہ تو بہت آیا لیکن خود پر کنٹرول کر گئی۔

"تو مس بختاور آج آپ پرسنل اسسٹنٹ کی جاب کے لیے انٹرویو دینے آئی ہیں۔ ("بدقسمتی سے۔" اس کی بات کے درمیان بختاور نے سوچا۔) تو کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اسسٹنٹ کا کیا کام ہوتا ہے اور اس پر کیا ذمہ داری ہوتی ہے؟" فائل ایک طرف رکھ کر، ٹیبل پر بازوں رکھے وہ اسے دیکھ رہا تھا یا شاید کنفیوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اسسٹنٹ کا کام اپنے باس کو اسسٹ کرنا ہوتا ہے۔" وہ خود کو مظبوط ظاہر کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کس کام میں اسسٹ کرنا ہوتا ہے؟" اگر سامنے بیٹھے انسان کو کنفیوز کرنا ہو تو اس کی آنکھوں میں مسلسل دیکھتے رہنا چاہیے اور اس وقت یمان یہی کر رہا تھا۔

"ہر اس کام میں جو اس کا باس کہے۔" اور وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

"جیسے کہ؟"

"جیسے کہ ان کی غیر حاضری میں ان کے کام کرنا، اس کے میٹنگز شیڈول بنانا اور چیک کرنا، ان کے آنے جانے کی ٹائمنگ یاد رکھنا، ان کو افس میں ہونے والی ہر چھوٹی بڑی حرکت سے باخبر رکھنا، ان کے ساتھ وفادار رہنا، اس کی پرسنل معلومات کو پرائیویٹ رکھنا، وغیرہ۔"

"آپ کو ہر چیز کا پتا ہونا چاہیے کہ پی اے کی کیا کیا زمہ داری ہوتی ہے تاکہ وغیرہ کی کوئی گنجائش نا رہے۔" قدرے سنجیدگی سے کہا اور یہ سنجیدگی بھی مصنوعی تھی۔ اس نے جواباً کچھ نہیں کہا۔

"آپ کی فیورٹ ڈش کونسی ہے؟" وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے میں کامیاب رہا تھا۔

"جی؟" وہ اس غیر متوقع پوچھے جانے والے بے تکے سوال پر چونکی۔

"کیا آپ کم سنتی ہیں یا آپ کا دھیان کہیں اور تھا؟" وہ صبح والے بدلے اس طرح سے لے رہا تھا اور بختاور کو یقین آگیا تھا کہ وہ اسے پہچان چکا ہے۔

"نا میں کم سنتی ہوں اور نا ہی میرا دھیان کہیں اور تھا۔ آپ کا سوال انٹرویو سے متعلق سوالوں کے خلاف تھا اس لیے۔" غصہ تو بہت آرہا تھا لیکن وہ اس وقت اسے نکال نہیں پا رہی تھی۔ اس کی بات پر یمان

اپنی مسکراہٹ روک نہیں سکا۔ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں بے حد چھوٹی ہو جاتی تھیں جو اسے ہنستے ہوئے مزید پیارا دکھاتی تھیں۔

"انٹرویو میں لے رہا ہوں تو جو میں پوچھوں گا وہ آپ کو بتانا ہو گا مس بختاور۔اور ویسے بھی اگر پی اے کو باس کی ہر چیز کا پتا ہونا چاہیے تو باس کو بھی اس کی ہر چیز کا پتا ہونا چاہیے۔" یمان کی وضاحت اسے بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔اس کے لیے یہ سب فضول سوال تھے۔

"میری فیورٹ ڈش.... بریانی ہے۔" وہ اپنی زبان کو کچھ الٹا سیدھا کہنے سے روک رہی تھی۔

"واؤ! پاکستانی فوڈ۔یہ میری بھی فیورٹ ہے۔" وہ اس اتفاق پر مسکرایا تھا۔

("لگتا ہے بریانی سے نفرت کرنے کے دن آگئے ہیں۔") وہ اس اتفاق پر خوش نہیں تھی اور بتا بھی نہیں سکتی تھی۔اس لئے محض سوچ ہی پائی تھی۔

"آپ کو کافی بنانی آتی ہے؟" وہ اپنی مخمور آنکھوں سے اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"کیوں آپ نے بنوانی ہے؟" وہ خمار آلود آنکھوں سے نظریں چرا گئی۔کچھ بھی ہو وہ شخص اس کا کھلم کھلا دشمن ہے۔یمان کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"اسسٹنٹ کی اپنے باس کے آفس آنے کے بعد سب سے پہلی زمہ داری اس کو کافی یا چائے سرو کرنا ہوتی ہے۔اور میں کافی پیتا ہوں تو آپ کو آنی چاہیے۔"

"اور اگر مجھے کافی بنانی نا آتی ہو تو کیا مجھے جاب نہیں ملے گی؟" اس نے ابرو اچکائے۔ یمان نے اپنے لبوں پر شہادت کی انگلی ٹیڑھی کر کے رکھی۔ قہقہہ روکنے کا طریقہ۔

"آپ اتنے شوق سے کافی پیتی ہیں اور پھر بھی کہہ رہی ہیں بنانی نہیں آتی۔" یمان نے اس کے خالی کپ کی طرف اشارہ کیا تو وہ بری طرح شرمندہ ہوئی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کب سوالوں کے جواب دیتے دیتے اس نے کافی ختم کر دی۔ اس نے شرمندگی سے پہلو بدلا۔

"آپ کل سے آفس آسکتی ہیں۔" وہ اس کے شرمندہ ہونے سے محظوظ ہوا تھا۔

"آپ کو کوئی اور سوال نہیں پوچھنا؟" وہ اب حیران ہوئی تھی کیونکہ اس نے محض دو تین سوال پوچھے تھے اور وہ بھی بے تکے سے۔

"سوال تو کوئی نہیں پوچھنا لیکن آپ کو ٹائمنگ کا خاص خیال رکھنا ہو گا۔ میں آٹھ بجے آفس میں ہوتا ہوں اور آپ کو میرے آنے سے پہلے یہاں موجود ہونا ہے۔ میرا آفس روم میری نگرانی میں صاف کروانا اور میرے آنے سے پہلے میری کافی تیار ہونی چاہیے۔" بات میں وقفہ کر کے بختاور کے تاثرات دیکھے جو ہر بات پر بدل رہے تھے۔ اسے یقین تھا وہ دل میں اسے بہت اچھے القابات سے نواز رہی ہو گی۔

"اور میں کام میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا کیونکہ میں سزا دینے میں دیر نہیں کرتا۔" وہ اسے وارن کر رہا تھا لیکن اندر ہی اندر خاصا محظوظ بھی ہو رہا تھا۔

"جی..... سر۔" یہ دو لفظ بھی وہ خاصے چبا کر بولی تھی۔

"اب آپ جا سکتی ہیں۔" اسے جانے کا کہہ کر خود اپنے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس کی نظروں میں یمان کے لیے نفرت واضح تھی۔ اپنی فائل اٹھا کر وہ وہاں رکے بغیر نکلتی چلی گئی۔ لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر یمان نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے وہ گئی تھی۔ تبھی اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کیا کہا تھا تمہیں کوئی شوق نہیں ہے میری منحوس شکل دیکھنے کا۔ لیکن اب یہ منحوس شکل روز دیکھنے کو ملے گی۔ اب میں بتاؤں گا تمہیں کہ میں دو نمبر آدمی ہوں یا نہیں۔" ایک شرارتی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

ooooooooooooooo

وہ شکر کے کلمات ادا کرتی ہوئی اپنے روم میں آئی تو عریش کو بیڈ پر بیٹھے دیکھا۔ وہ یقیناً اسی کی منتظر تھی۔ سر سے ہی نظر انداز کرتی وہ

واشروم کی طرف چلی گئی۔ دس منٹ بعد باہر آئی۔ منہ کو تولیے سے صاف کیا۔اور پھر الماری کی طرف گئی۔ عریش اس کی ساری حرکتیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔ کپڑے نکال کر پھر واشروم میں چلی گئی۔ پھر دس منٹ بعد باہر آئی۔ تولیے سے بالوں کو خشک کیا۔اور پھر بیڈ پر اپنا موبائل لے کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟ اتنی خاموش کیوں ہو؟" اس سے رہا نہیں گیا تو پوچھ لیا۔

"کچھ نہیں ہوا۔" مصروف انداز میں جواب دیا۔

"انٹرویو کیسا رہا؟"

"بہت برا۔"

"ہیں کیا مطلب؟ تمہیں ہائر نہیں کیا؟"

"یہی تو دکھ ہے کہ ہائر کر لیا ہے۔"

"ہیں مطلب؟"

"مجھے یہ جاب بالکل بھی پسند نہیں آئی۔"

"جاب پسند نہیں آئی۔ کیوں ایسا کونسا کام تھا جو تمہیں کرنا تھا اور تمہیں پسند نہیں آیا۔" عریش کا سوال نامہ شروع ہو چکا تھا۔

"تم پلیز دو منٹ چپ کر جاؤ گی۔ پہلے ہی میرا دماغ بہت خراب ہے اوپر سے تمہارے یہ فضول سوال۔" وہ اس کے سوالات سے جھنجھلا گئی تھی۔

"تم ٹھیک سے بتا ہی نہیں رہی تو میں کیوں چپ کروں اور یہ تم موبائل پر کیا کر رہی ہو؟"

"ٹھیک ہے پھر تم بولتی رہو۔" بختاور اکتا ہی تو گئی تھی۔

"میرے دوسرے سوال کا تو جواب ہی نہیں دیا۔" عریش نے معصوم شکل بنا کر پوچھا۔ بختاور نے قدرے اکتا کر اسے دیکھا۔

"کوئی دوسری جاب ڈھونڈ رہی ہوں تاکہ مجھے یہاں کام نا کرنا پڑے۔"

"کام تو ہر جگہ کرنا ہوتا ہے۔ پھر تم چاہے یہاں کرو یا وہاں۔" اس کی باتیں عریش کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

"یہ دیکھو....۔" بختاور نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کیے۔

"میرے ہاتھ جڑے ہوئے ہیں تمہارے سامنے۔ خدا کے لیے تھوڑی دیر چپ کر جاؤ۔" غصے سے کہتی پھر موبائل میں مصروف ہو گئی۔

"یہ بتاؤ تم یونیورسٹی کیوں نہیں گئی آج؟" بختاور کو جیسے یاد آیا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے نہیں گئی۔"

"اور ماں کہاں ہیں؟" اب اسے ماں کا خیال آیا۔

"وہ ذرا مارکیٹ گئی ہیں۔ گھر کی کچھ چیزیں ختم ہو گئی تھیں وہی لینے گئی ہیں۔"

"ہمم۔ چلو تم ریسٹ کرو۔ میرے بھی سر میں درد ہو رہا ہے۔ کافی پیوں گی تو سکون مل جائے گا۔" کہہ کر باہر چلی گئی۔ عریش اپنی بڑی بہن سے خوب واقف تھی۔ وہ وہی کرتی تھی جو اس کا دل کرتا تھا۔ عریش اور اس کے مزاج میں بہت فرق تھا۔ وہ جانتی تھی کم از کم جاب کے معاملے میں بختاور کوئی کوتاہی نہیں کر سکتی۔ اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

دوسری جانب وہ جو کافی پینے آئی تھی۔ کافی کی خوشبو نے انٹرویو کا سارا منظر ایک بار پھر سے یاد کروا دیا تھا۔ وہ کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گئی۔ کافی ساری سنک میں گرا کر وہ پیر پٹختی واپس روم میں چلی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اس وقت یونیورسٹی کے لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کیفے سے سیدھا یہیں آئی تھی۔ وہ سکون چاہتی تھی لیکن کانوں میں ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

"وہ غیر مسلم ہے۔" اس نے خود کو مصروف کرنے کے لیے کتاب کھول لی۔ لیکن زیادہ دیر تک اسے پڑھ نہیں پائی۔ کچھ دیر وہاں بیٹھے رہنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگی تو زور سے کسی کے ساتھ ٹکرائی۔

"آہ..." منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ اپنا ماتھا سہلاتی وہ پیچھے ہوئی۔ اور نظریں اٹھا کر سامنے کھڑے سات فٹ کے مرد کو دیکھا۔ پانچ فٹ کی لڑکی کا سر اس کے چوڑے سینے سے ٹکرایا تھا۔

"معاف کیجئے گا میں نے دیکھا نہیں۔"اس کی غلطی نہیں تھی، وہ پھر بھی معافی مانگ رہا تھا۔اس کے دوست حیران تھے کیونکہ وہ بغیر غلطی تو کیا غلطی پر بھی سوری نہیں بولتا تھا۔

"تو دیکھ لیتے نا۔یہ آنکھیں کس لیے ہیں۔"اس نے ذرا چلا کر کہا۔وہ پہلے ہی اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔وہ غیر مسلم ہے تو اسے اتنا برا کیوں لگ رہا ہے۔اور پھر اسی شخص کا سامنے آجانا۔

"اوکے۔آئندہ دیکھ کر چلوں گا۔پھر نا کہیے گا کہ میں آپ کو کیوں دیکھ....."

"شٹ اپ۔"انگلی اٹھا کر کہا۔جنگکوک کی چلتی زبان کو وہیں بریک لگی تھی۔اگر کوئی اور ایسے کرتا تو انگلی ٹوٹ سکتی تھی زبان نہیں رکنی تھی۔وہ بہت اچھا تھا تب تک جب تک یہ اچھائی سامنے والے میں موجود ہو۔

"اوکے۔ میں کچھ نہیں بول رہا۔" وہ شاید اس سے لڑنے کے موڈ میں تھی لیکن وہ اس کی ہر بات مانتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی لائٹ براؤن آنکھیں لال ہونے لگی تھیں۔

اسے آنکھوں کا یہ امتزاج کچھ جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھوں کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ لیکن ذہن کے پردے پر وہ منظر واضح نہیں ہوا۔ لیکن آنکھیں شناسا سی تھیں۔

آج کافی دنوں بعد سورج نکلا تھا جس کی کرنیں اس کی لال اور براؤن آنکھوں پر پڑ رہی تھیں۔ اور اس وقت وہ آنکھیں جنگکوک کو دنیا کی تمام آنکھوں سے زیادہ حسین لگ رہی تھیں۔ وہ اس کو دیکھ چکا تھا تو تصور بھی کر سکتا تھا کہ وہ کیسی لگ رہی ہو گی۔ وہ کچھ پل ان آنکھوں میں کھو سا گیا تھا۔

تمہاری ان آنکھوں نے

چرا لیے الفاظ جو سارے میرے تھے

"آپ کچھ مت بولیں۔ بس جائیں یہاں سے۔" آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہوئیں اور یہاں دل کی دھڑکنوں نے اودھم مچا دیا۔

مجھے اچھا لگتا ہے تیرا بولنا، تجھے سننا

اور پھر یونہی تیری آنکھوں میں کھو جانا

"او کے۔ میں جا رہا ہوں۔ بس آپ روئیں نہیں پلیز۔" اس نے جیسے التجا کی تھی۔ جنگکوک سے کچھ فاصلے پر کھڑی چینگ لب بھینچ کر نفرت سے ماریہ کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ سے مطلب؟ میں روؤں یا ہنسوں۔ آپ کو کیا تکلیف ہے؟"

"مجھے ہی تو تکلیف ہے۔" بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ جہاں ماریہ نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا وہی چینگ کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔ وہ وہیں سے واپس مڑ گئی۔ لیو بھی اس کے پیچھے ہی وہاں سے

نکل گیا تھا۔اب بس وہ دونوں تھے۔ سورج پھر سے بادلوں کے ساتھ لکا چھپی کھیلنے لگ گیا تھا۔

"آ... آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟"آنکھوں سے نظریں ہٹانا مشکل تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ رخ موڑ گیا۔ایک پل رکا اور پھر وہاں سے جانے لگا۔ اس کے دل نے حسرت کی تھی کہ وہ رک جائے۔اور کہے کہ وہ مسلمان ہے۔فرح کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ لیکن وہ نہیں رکا اور نا اپنی صفائی میں کچھ کہا۔

("میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں۔ مجھے کیوں برا لگ رہا ہے۔میری بلا سے۔")وہ بھیگی آنکھوں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی تھی میرے رونے سے۔ بتا کر تو جاتے۔ "اس نے کانپتے ہوئے لبوں سے کہا۔ وہاں رکنا مشکل تھا۔ وہ بھی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ ہوا آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"فرح مجھے تمہیں ایک بہت ضروری بات بتانی ہے۔ "شام کو چار بجے جب وہ آفس سے واپس آئی تو سیدھا اپنے روم میں آ گئی۔ فرح ابھی تک یونیورسٹی سے واپس نہیں آئی تھی۔ وہ بے چینی سے اپنے روم میں ادھر ادھر چکر لگانے لگی۔ ماں نے دو دفعہ کھانے کے لیے بلایا تھا لیکن وہ باہر نہیں گئی یہ کہہ کر کہ اس کے سر میں درد ہو رہا ہے تو کچھ دیر آرام کرے گی۔ ماں نے دوبارہ نہیں بلایا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد جب فرح واپس آئی تو علیزے نے آتے ہی اسے کہا۔

"کیا بات ہے اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟" اس نے اپنا بیگ بیڈ پر رکھا اور عبایا اتارا۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے جو اس وقت میں صرف تمہیں ہی بتا سکتی ہوں۔" اس نے فرح کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھایا۔

"ہاں بولو کیا بات ہے؟" فرح کو تشویش ہوئی۔

"وہ ایکچوئلی...... میرے جو باس ہیں نا...... انہوں نے مجھے...... پر...... پرپوز کیا ہے۔" وہ بے ربط بولی۔ لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟" اسے شاک لگا۔ "تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا آپ اس معاملے میں میرے ماں باپ سے بات کریں۔ میں نے ٹھیک کیا نا؟"

"ہاں بالکل ٹھیک کیا تم نے۔ لیکن تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں تھی؟"

فرح کو پھر یاد آیا۔

"یار مجھے نہیں پتا ایسا کیوں ہوا۔ لیکن میرا دل ابھی تک بری طرح دھڑک رہا ہے۔ میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو گا۔ اور پتا نہیں بابا کیا سوچیں گے کہ میں وہاں جاب کرنے جاتی تھی یا۔۔۔۔"

فرح نے اس کی بات درمیان میں کاٹی۔

"بابا ایسا کیوں سوچیں گے پاگل لڑکی۔ ہاں وہ آکر بابا سے بات کریں اور اگر بابا کو وہ اچھا لگا تو وہ ضرور مان جائیں گے۔ تم اپنی بتاؤ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟"

"تم جانتی تو ہو کہ تم دونوں نے شادی کا فیصلہ بابا پہ چھوڑا ہوا ہے۔ وہ جس کو بھی ہمارے لیے منتخب کریں گے ہم اسی سے شادی کریں گے۔ لیکن اس معاملے میں بابا سے کون بات کرے گا۔ کیونکہ مجھے

لگتا ہے بابا ہم دونوں کے لیے کوئی پاکستانی لڑکا ہی ڈھونڈیں گے۔ شاید اس معاملے میں انہیں کورین پسند نا آئیں۔"علیزے کو الگ فکر ستائے جا رہی تھی۔

"کورین اتنے برے بھی نہیں ہیں علیزے۔اور پھر بابا کی اتنی زیادہ زندگی یہاں گزری ہے تو مجھے نہیں لگتا انہیں کورین ناپسند ہوں گے۔ شاید انہیں تمہارے باس پسند آجائیں۔ فکر نہیں کرو۔ میں ماں سے بات کروں گی وہ بابا سے بات کرلیں گی۔"فرح نے حل بھی ساتھ ہی بتا دیا۔

"نہیں میں بابا سے خود بات کروں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ بابا کو کسی اور سے پتا چلے اور انہیں برا لگے۔"

"ٹھیک ہے تم خود کر لینا۔"

"پتا نہیں لوگ کیا سوچیں گے کہ اپنے باس سے...۔"

"اوہو! شٹ اپ علیزے۔ یہ لوگوں کا مسلہ ہے۔ تمہارا نہیں۔ اب لوگوں کے چکر میں بندا دل ہی مار دے۔"

فرح کو ہمیشہ یہی بات بری لگتی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے۔

"تنگ مت کرو اور اٹھو کھانا کھاتے ہیں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"ہاں بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔ تم چینج کر لو پھر چلتے ہیں باہر۔"

علیزے نے کہا تو فرح الماری سے کپڑے نکال کر واشروم میں گھس گئی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOO

رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ عشا کی نماز پڑھ رہی تھی۔ آج پھر وہ واپس آکر سو گئی تھی۔ دیر سے اٹھ کر کھانا کھایا تھا اور پھر یونیورسٹی کا کچھ کام کیا۔ اس لیے وہ دیر سے نماز پڑھ رہی تھی۔

کبھی کبھی عشا کی نماز دیر سے پڑھنے کا دل کرتا ہے تا کہ ہم اندھیرے میں اکیلے بیٹھ کر اس کی عبادت کریں۔ اور اس کے سامنے روئیں اور گڑگڑائیں تا کہ کوئی اور ہمارے آنسوؤں نا دیکھے۔

دوسری جانب وہ اپنے روم میں بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس کی۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس کے سکون کو برباد کر سکتی لیکن وہ لڑکی.... وہ اس کا چین و سکون سب کچھ برباد کر گئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے بس اسے ہی سوچ رہا تھا جب اسے اپنے بالوں میں کسی کا لمس محسوس ہوا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر دیکھا لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ لیکن یہ لمس اسے پہلی دفعہ محسوس ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکا کہ وہ کون تھا۔ تبھی اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ نمبر دیکھے بغیر موبائل اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"جنگکوک ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ آئے کیوں نہیں؟" دوسری جانب لیو تھا۔

"کہاں؟"

"بار کلب میں یار۔"

"ہاں میں بس آ ہی رہا تھا۔" فون بند کر کے وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا۔ لیکن پھر اٹھ گیا۔ وہ اپنی بے سکونی ختم کرنا چاہتا تھا تو اس سے بہتر اور کچھ بھی نہیں تھا۔

آج پھر اس کے پردے پہ انگلی اٹھی تھی۔ چھٹی سے کچھ دیر پہلے انہی لڑکیوں سے اس کا ٹکراؤ ہوا تھا۔ وہ آتے جاتے اسے تنگ کرتی تھیں۔ اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ نماز ادا کرتے ہوئے بھی وہ رو رہی تھی۔

جس چیز کا حکم اس کے اللہ نے دیا تھا وہ اسے بوجھ لگ رہا تھا۔ اسے پردہ بوجھ لگ رہا تھا اور یہ بات اسے شرمندہ کر رہی تھی۔

ایک طرف وہ نماز ادا کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ بار کلب میں کھڑا شراب پی رہا تھا۔ ارد گرد نوجوان لڑکے لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ وہ سارے نشے میں دھت تھے۔ پیچھے ہلکا سے میوزک چل رہا تھا اور وہ سارے اس میوزک کے مطابق رقص کر رہے تھے۔ گانے کی لیرکس کسی بھی شریف انسان کے سننے کے لائق نہیں تھیں۔

جنگلوک ساتواں گلاس پکڑ چکا تھا اور ایسے پی رہا تھا جیسے پانی پی رہا ہو۔

"یا اللہ مجھے ہدایت کا راستہ دے۔ میرے دل سے یہ واہمے نکال دے۔ مجھے کسی بھی ایسے کام کے کرنے سے بچا جس سے تو مجھ سے ناراض ہو جائے۔" وہ جائے نماز پہ بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔

"یا اللہ مجھے گمراہ نا ہونے دینا۔"

جنگکوک وائن کا ایک اور گلاس لے رہا تھا۔

"یا اللہ مجھے اس دنیا میں اکیلا نا چھوڑنا۔ مجھے اپنے ساتھ سے نواز دے یا اللہ۔"

وہ نشے میں چکنا چور رقص کرتا جا رہا تھا۔

"یا اللہ میں جس کشمکش میں مبتلا ہوں مجھے اس سے نکال دے۔ میری سبھی الجھنوں کو سنوار دے۔"

اس نے گلاس میں سے آخری گھونٹ بھرا اور گلاس زمین پر گرا دیا۔

"یا اللہ مجھے بے حیا لوگوں میں شامل نا کرنا۔ مجھے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما میرے مولا۔"

جنگکوک نے ایک لڑکی کی کمر میں بازو ڈال کر اسے اپنے نزدیک کیا۔

وہ لڑکی نشے میں ہونے کی وجہ سے لڑکھڑائی۔ لیکن جنگکوک کے بازو اس کے گرد ایک دیوار بن گئے تھے۔

دعا کے درمیان اسے جنگکوک کا خیال آیا۔اس نے آنکھیں زور سے میچ لیں۔آنسوؤں تیزی سے بہنے لگے۔

"یااللہ میرے دل میں ایسی کوئی خواہش پیدا نا کرنا جو پوری نہیں ہو سکتی۔" وہ ایک بار پھر الجھ گئی تھی۔یوں نماز کے دروان کسی نا محرم اور غیر مسلم کا خیال آنا اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔وہ ذہن کو جھٹک کر اس کے خیال سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔

جنگکوک اس لڑکی کے ساتھ ڈانس کرتا رہا اور وہ سجدے میں سر رکھے روتی رہی۔اس وقت وہ دونوں بے بس تھے۔

اس کو تو اللہ نے سنبھال لیا تھا لیکن وہ زیادہ پینے کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہو پا رہا تھا۔تبھی وہ لڑکھڑایا اور بری طرح منہ کے بل زمین پر گرا۔

"یااللہ پلیز میری مدد فرما دے۔ پلیز یااللہ مجھے کوئی راستہ دکھا دے جہاں مجھے سکون میسر ہو جائے۔" وہ کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔

ادھر وہ سارے جنگلوک کے ارد گرد اکٹھے تھے جس کے سر سے خون نکل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔

"م.... ماریہ۔" اور پھر وہ ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانا ہو گیا۔

چینگ من کو اس نام سے، اس وجود سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

کچھ دیر مزید دعا مانگنے کے بعد وہ چپ چاپ اپنے بستر پر آکر لیٹ گئی تھی۔ ذہن میں ایک بار پھر ایک جملہ گونجا۔

"وہ غیر مسلم ہے۔" ماریہ نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

آج اتوار کا دن تھا۔یونیورسٹی سے چھٹی تھی لیکن جنگکوک کا چھٹی کا پورا دن ہسپتال میں گزرا تھا۔اتوار والے دن شام کو اسے چھٹی مل گئی تھی۔چینگ اور لیوا سے ہسپتال لے کر گئے تھے اور وہی اسے گھر واپس لے کر آئے تھے۔سارہ بیگم اور سیمون آفندی کو ان دونوں نے فون پر ساری بات بتادی تھی۔

"تمہیں کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ اتنی زیادہ مت پیا کرو۔صحت خراب ہو جائے گی لیکن مجال ہے جو تم میری بات کا ذرا سا بھی اثر کرو۔"

ماں، چینگ، لیو اور بابا سب اس وقت جنگکوک کے روم میں تھے۔ سیمون آفندی نے اسے اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تھی۔

"تمہارے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا۔دیکھو تو ذرا کیا حال بنالیا تم نے اپنا۔اگر تمہیں زیادہ چوٹ لگ جاتی تو؟"سارہ آفندی بھی فکر مند تھیں۔

"تو کیا ہوتا مام۔ تب بھی ڈاکٹرز پٹی کر کے گھر بھیج دیتے۔ اور میں بالکل ٹھیک آپ دونوں کے سامنے بیٹھا ہوتا۔" اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"نا تمہیں میری فکر ہے اور نا ہی اپنی ماں کی۔ تم وہی کرتے ہو جو تمہارے دل میں آتا ہے۔" جنگکوک کا لاپرواہ انداز سیمون آفندی کو طیش دلا رہا تھا۔

"بابا زندگی بھی تو میری ہے۔ کیا مجھے ذرا سا بھی حق نہیں ہے اپنی مرضی سے جینے کا۔" زخم کی وجہ سے پہلے ہی سر درد کر رہا تھا اوپر سے یہ ڈانٹ ڈپٹ۔

"ہاں تم تو چاہتے ہو کہ ہم دونوں کہیں چلے جائیں تاکہ تم اپنی مرضی سے کھل کر جی سکو۔"

"بابا ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ لیو تم بتاؤنا بابا کو۔ "اس نے توپ کا رخ لیو کی طرف موڑا تو وہ بوکھلا گیا۔ فوراً سیدھا ہوا۔

"جی انکل میں نے اسے منع کیا تھا لیکن اس نے میری بھی بات نہیں مانی۔ " جلدی میں جو کچھ اس کے منہ میں آیا۔ بول گیا۔ جنگکوک نے پیچ وتاب کھا کر اسے دیکھا۔

"آپ دیکھیں انکل۔ اس کی آنکھیں دیکھیں۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے کئی راتوں سے نہیں سویا۔ کیسے حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ "اس نے پھر سے سیمون آفندی کا دھیان جنگکوک کی طرف موڑنے کی کوشش کی۔

"تم دونوں نے اگر دوبارہ کوئی ایسی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ پھر میں اچھی طرح نمٹوں کا تم دونوں سے۔ کان کھول کر سن لو

تم دونوں۔" وہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ جنگکوک نے لیو کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"مام پلیز بابا کو سمجھائیں۔ میں بس ذرا سا بے سکون ہو رہا تھا۔ بس ذرا سا سکون چاہیے تھا مجھے۔ اس لیے اتنی مقدار میں پی گیا۔"

"تو پھر ملا سکون تمہیں؟" سارہ بیگم نے پوچھا۔

"پتا نہیں لیکن.... ابھی آپ سب باہر جائیں، میں سونا چاہتا ہوں۔" کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دینے والا تھا۔ ماں نے پریشانی سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور باہر چلی گئی۔

"بدتمیز آدمی۔ ہمیں پھنسا کر خود سونے جا رہا۔" لیو نے اس کا کمبل کھینچا۔

"دفعہ ہو جاؤ کمینے انسان۔" جنگکوک نے کمبل واپس کھینچا اور لیو کو سخت گھوریوں سے نوازا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا۔ چینگ بھی اس کے پیچھے ہی وہاں سے نکل گئی۔

اب بس اسے ماریہ کو سبق سکھانا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اس وقت اپنے کوارٹر میں لیٹا ہوا تھا لیکن بہت بے چین تھا۔ ماں بھی پاس ہی سوئی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور باہر چلا آیا۔ فروری کی ٹھنڈی رات تھی اور آسمان بھی بالکل صاف تھا۔ چاند کی روشنی نے سارے لان کو خوبصورتی بخشی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہوں نے چاند سے کھڑکی تک کا سفر کیا۔ جس کے پردے گرے ہوئے تھے۔ شاید وہ سو رہی تھی۔

ہایون کا شدت سے دل چاہا کہ اسے ایک نظر دیکھ لے۔ لیکن اتنی رات کو کہاں ممکن تھا۔ وہ جس طرح خاموشی سے باہر آیا تھا ویسے ہی اندر بھی چلا گیا۔ آہستہ آہستہ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اسے مالک کی بیٹی سے محبت نہیں عشق ہو رہا ہے۔

ooooooooooooooooooooo

جہاں اتوار والے جنگلوک ہسپتال میں تھا وہیں ماریہ اپنے بھائی کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی تھی۔ یاور نے حماد اور ماریہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا تو اب وہ وعدہ پورا ہو رہا تھا۔

انہیں شاپنگ کا شوق نہیں تھا وہ دونوں بس یاور کے ساتھ باہر گھومنا چاہتے تھے۔ تھوڑی بہت شاپنگ کر کے وہ ایک پارک میں آ گئے۔ کتنی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ پھر لنچ کے لیے ریستوران میں چلے گئے۔

آج منہاج دل کھول کر اپنی نیندیں پوری کر رہا تھا جبکہ مومن یہی سوچ رہا تھا کہ کس وقت یاور سے بات کرے۔ کیونکہ آج وہ گھر نہیں تھا۔

ہاشم کام کے سلسلے میں پندرہ دن کے لیے دبئی جا رہا تھا سو وہ پیکنگ کرنے میں مصروف تھا۔ اور یمان نے صبری سے اتوار کے دن کے گزرنے کا انتظار کر رہا تھا۔

دوسری طرف وہ لیپ ٹاپ پہ کوئی کام کر رہا تھا۔ حساب کتاب کے کھاتے کھلے ہوئے تھے۔ کس کس کمپنی سے پیسے لینے تھے اور کس کس کو دینے تھے سب کی لسٹ سامنے تھی۔ سب سے اوپر جیونگ انڈسٹری کا نام تھا۔ جنہوں نے ایک سال پہلے فرقان کنسٹرکشن سے بیس لاکھ ادھار لیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں کیا تھا۔ یمان یہی سوچ رہا تھا کہ واپس کیسے لیے جائیں۔

فرح اور علیزے دونوں میں فی الحال ہمت نہیں ہوئی تھی کی اسجد صاحب سے کیسے بات کریں۔

بختاور نے دو تین جگہوں پر جاب کے لیے اپلائی کیا تھا لیکن جواب کہیں سے نہیں آیا تھا۔ شام میں دو جگہ سے جواب آیا تھا لیکن جواب ہی آیا تھا۔ وہ سخت مایوس ہوئی تھی۔ اب اس کی ساری امیدیں ایک ہی جگہ پر تھیں۔

جیونگ انڈسٹریز۔

عنایہ اپنے لیے ایک عبایا خرید لائی تھی۔ وہ بہت خوش تھی کہ اس نے حماد کو کنوینس کر لیا ہے۔

اسی طرح اتوار کا دن اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○

ایک خوبصورت صبح کا آغاز، کچھ لوگوں کی صبح اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اور کچھ لوگوں کی صبح چائے کافی سے ہوتی ہے۔

وہ اذان کی آواز پر اٹھی اور وضو کرنے چلی گئی۔ پانچ منٹ میں وہ وضو کر کے باہر آگئی۔ جائے نماز بچھائی اور نماز کے لیے نیت باندھ لی۔

باہر ابھی اندھیرا تھا۔ روم میں مدھم سی روشنی تھی۔ وہ اپنے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے تکیے کو گلے لگانے والے انداز میں منہ کے آگے رکھا ہوا تھا۔ اسے تکیے کو گلے لگائے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔

جس وقت ماریہ ناشتہ کرنے کے لیے ٹیبل پر آچکی تھی، اس وقت میڈ جنگلوک کو چائے دے کر گئی تھی۔

وہ یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی، اور وہ اٹھ کر واشروم میں گیا تھا۔

آج وہ یاور کے ساتھ یونیورسٹی جانے کا ارادہ رکھتی تھی، یاور کب سے اس کا ویٹ کر رہا تھا۔ بالآخر تنگ آ کر اس نے ہارن ہر ہاتھ رکھ دیا۔

مسلسل ہارن کی آواز پر اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

اور دوسری طرف جنگلوک آفندی ناشتے کے لیے باہر آ رہے تھے۔

کل کی نسبت اس کی طبیعت ذرا سنبھلی ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔ ماتھے پر زخم کا نشان ابھی بھی تھا لیکن اس نے بینڈیج اتار دی تھی۔

اپنا یونیورسٹی بیگ اٹھا کر وہ فوراً باہر بھاگی۔ سامنے سے آتے حماد کے ساتھ زور سے ٹکرائی اور گرتے گرتے بچی۔ کانوں پہ ہاتھ رکھے سوری بولتی تیزی سے باہر بھاگی

"اندھی۔" غصے سے کہتا وہ باہر کو بھاگا۔ اسے بھی دیر ہو رہی تھی۔

دونوں کو یاور کے ساتھ ہی جانا تھا۔ حالانکہ حماد خود ڈرائیو کر سکتا تھا۔

"طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" سارہ آفندی نے ٹوسٹ پر جیم لگاتے ہوئے جنگکوک سے پوچھا۔

"بہتر ہے۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔

"زخم ابھی تازہ ہے۔ یونیورسٹی نا جاتے تو....۔"

"اتنے معمولی سے زخم کے لیے میں چھٹی نہیں کر سکتا۔" چہرے پر بھرپور سنجیدگی تھی۔ ناشتہ وہ ویسے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تھا۔ سو ان دونوں کو نظر انداز کرتا وہاں سے چلا گیا۔ سیمون اور سارہ دونوں اسے دیکھ کر رہ گئے۔

"سمجھاؤ اسے۔ بچہ نہیں ہے یہ۔" وہ بھی نیپکن رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں بھی آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی۔

"دونوں باپ بیٹا کو میں ہی سمجھاؤں۔" وہ غصے سے اٹھ کر روم میں چلی گئیں۔

"بھائی حماد کو کہا کریں کہ مجھے اپنے ساتھ یونیورسٹی لایا کرے اور اپنے ساتھ واپس لے جایا کرے۔" وہ فرنٹ سیٹ پر یاور کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی جبکہ وہ پیچھے۔ ماریہ پہ انتہا کا غصہ تھا۔ آگے جو بیٹھ گئی تھی۔

"کس خوشی میں؟ میں تمہارا ڈرائیور ہوں کیا؟" ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

"نہیں۔ تم میرے بھائی ہو۔" ایک پل کو وہ چپ ہوا۔

"ڈرائیور کے ساتھ کیا مسلہ ہے؟" کچھ سخت نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ابھی یاور جو ساتھ میں تھا۔

"مجھے کیا پتا اس کے ساتھ کیا مسلہ ہے۔ اسی سے پوچھ لینا۔" کہہ کر باہر دیکھنے لگ گئی۔ وہ یاور کی موجودگی کا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ وہ اسے تنگ کر رہی تھی۔

"مذاق ہو رہا ہے یہاں پر؟" یاور کا فوکس ڈرائیونگ پہ تھا۔ لیکن دھیان ان دونوں کی طرف بھی تھا کہ پھر سے کسی بات پر الجھ نا پڑیں۔ ویسے بھی اس دن کے بعد سے آج ہی ان دونوں کی پراپر بات ہو رہی تھی۔

"دیکھو حماد۔ ڈرائیور میرے لیے ایک غیر مرد ہے۔ میں اتنی دور اس کے ساتھ اکیلے آ جا نہیں سکتی۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" یاور نے حیرت سے اک نظر ماریہ کو دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگ گیا۔

"بھروسے مند آدمی ہے۔" حماد نے جواز پیش کیا۔

"ہے تو غیر نا۔ تم میرے بھائی ہو۔ تم پر بھروسہ کر سکتی ہوں لیکن اس پہ نہیں۔"

"تم...۔"

"اگر تم نہیں کر سکتے تو مجھے فی میل ڈرائیور رکھوا دیں بھائی۔" اب وہ یاور سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں تاکہ ایک ہی دن میں پورے سول کا ستیاناس ہو جائے۔" لیڈیز ڈرائیونگ کو نشانہ بناتے ہوئے اسے چوٹ کروائی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سخت کہتی، یاور درمیان میں بول پڑا۔

"کوئی مسلہ نہیں۔ ہفتے کے چھ دنوں میں تم چھ بھائیوں کے ساتھ جایا کرو گی۔"

"مطلب؟"

"ایک دن میرے ساتھ، ایک دن منہاج بھائی، پھر مومن، ہاشم بھائی، یمان اور حماد۔" آسان حل پیش کیا۔

''ہمم اوکے۔'' وہ خوشی خوشی مان گئی تھی۔ حماد نے اچھی خاصی گھوریوں سے اسے نوازا تھا۔ وہ اس کو چڑاتی باہر کے نظاروں میں مگن ہو گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ پورے آٹھ بجے اپنے آفس میں موجود تھا لیکن وہاں کوئی کافی موجود نہیں تھی۔ چونکہ اسے آفس میں سب سے پہلے کافی پینے کی عادت تھی اس لیے اس کا موڈ آف ہو رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف وہ اسے دیر سے آنے پر سزا دینے کے لیے ایکسائٹڈ بھی تھا۔ مزید آدھا گھنٹہ گزرا لیکن وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ بالآخر وہ اٹھ کر آفس سے باہر آیا اور ریسیپشن پہ بیٹھی لڑکی کے پاس آیا۔

''گڈ مارننگ سر۔'' وہ یمان کے آتے ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"مس بختاور نہیں آئیں ابھی تک؟" یمان نے اس کے گڈ مارننگ کا جواب نہیں دیا تھا۔

"نہیں سر ابھی تک تو نہیں آئیں۔ میں انہیں فون کر دیتی ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جب وہ آئیں تو انہیں کہیے گا مجھ سے ملیں۔" کہہ کر وہ جانے لگا۔

"اوکے سر۔" وہ سر کو خم دیتی بیٹھنے لگی۔

"اور ہاں! میرے روم میں کافی بھجوادیں۔" اس کا موڈ کافی حد تک خراب ہو گیا تھا۔

"اوکے سر۔" یمان چلا گیا۔

دس منٹ بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کم ان۔" وہ لیپ ٹاپ پہ مصروف کچھ کام کر رہا تھا۔ اجازت ملتے ہی وہ ہائی ہیل سے چلتی اندر داخل ہوئی۔ ایک ہاتھ میں ٹرے پکڑ رکھا تھا

جس میں کافی کا مگ تھا۔ بہت احتیاط سے چلتی ہوئی وہ یمان کے ٹیبل تک آئی اور ٹرے اس پر رکھ دیا۔

"گڈ مارننگ سر۔" نا چاہتے ہوئے بھی اسے یہ کہنا پڑا اور وہ بھی خوشگوار موڈ میں۔ اس کی آواز سے وہ بہت اچھے سے واقف تھا۔ چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اس سے تین قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس نے کالے رنگ کے چوری دار پاجامے کے ساتھ گھٹنوں تک آتی ہوئی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ دوپٹا مفلر کی صورت میں دائیں بائیں آگے کو گرایا ہوا تھا۔ شاید اسے مشرقی لباس پسند ہیں۔ کم از کم یمان کو یہی لگا تھا۔

بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ دونوں سائیڈ سے دو لٹیں چہرے کو چھو رہی تھیں۔ چہرے پر ہلکا سا میک اپ اور لبوں پر لائٹ شیڈ لپ اسٹک اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ اس غیر معمولی حسن کو کسی میک

اپ کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ویسے بھی حسن کی دیوی تھی۔ لیکن یمان کو وہ پھر بھی زہر ہی لگ رہی تھی۔

"گڈ مارننگ۔" وہ پیچھے ٹیک لگا کر فرصت سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کچھ نروس سی ہوئی لیکن بظاہر خود کو نارمل رکھا۔

"بیٹھیے۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ریسیور کان کے ساتھ لگا لیا۔

"آپ کافی میں چینی کتنے چمچ لیتی ہیں؟" ریسیور کان کے ساتھ لگائے اس سے پوچھا۔ اسے لگا شاید اس کے علاوہ بھی اس روم میں کوئی ہے۔ اس نے ارد گرد دیکھا۔ پھر یمان کی طرف دیکھا۔ وہاں بالکل سنجیدگی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اسی سے پوچھ رہا ہے۔

"جتنے چمچ انٹرویو والے دن لیے تھے۔" کانفیڈنس سے اپنے چہرے کو اونچا رکھا ہوا تھا۔ ورنہ اس وقت دل پسلیوں میں دھڑک رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"ایک چمچ۔" اس نے بمشکل کہا۔ وہ جان بوجھ کر دیر سے آئی تھی تاکہ وہ یمان سے اپنا بدلہ لے سکے۔ یا پھر وہ اسے چڑانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ تو اس کے لیے کافی منگوا رہا تھا۔ جیسے وہ یہاں کام کرنے نہیں بلکہ اس کی مہمان بن کے آئی ہو۔

"ایک کپ کافی اور تین چمچ شوگر۔" آرڈر دے کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ لیکن وہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ابھی اسے کھا جائے گی۔ آنکھوں میں آنسو کا ریلا اس نے مشکل سے پیچھے دھکیلا۔ یعنی وہ اسے سزا دینے جا رہا تھا۔

"تو مس بختاور! مجھے آفس میں پہلے ہی دن دیر سے آنے پر کیا بہانہ پیش کریں گی؟" وہ اسی طرح ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں بہانے نہیں بناتی۔ سچ بولتی ہوں اور سچ یہ ہے کہ میں دیر سے اٹھنے کی عادی ہوں۔" بظاہر وہ بہادری سے کہہ رہی تھی لیکن اسے وہ

تیز چینی والی کافی یاد آ رہی تھی۔ جو وہ اسے پلانے جا رہا تھا۔ اسے زیادہ میٹھے سے الرجی تھی۔

"یعنی آپ سست ہیں، کاہل ہیں اور کام چور ہیں۔" وہ اس کا ضبط آزما رہا تھا۔ جبکہ وہ لفظ "کام چور" پر اٹک گئی تھی۔

"میں کام چور نہیں ہوں۔" یمان نے بائیں ابرو اچکا کر دیکھا جیسے طنزیہ "اچھا" کہہ رہا ہو۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ۔" اب وہ دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے ایک ادھیڑ عمر آدمی اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھا جس میں کافی کا کپ تھا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پہ رکھا۔ یمان نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور وہ چلا گیا۔

"آج آپ کا آفس میں پہلا دن ہے تو یہ کافی آپ کے لیے۔" اس نے پہلے سے ٹیبل پہ رکھا ہوا کپ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کافی آپ نے بنائی ہے تو یقیناً اس میں ایک چمچ ہی شوگر ہو گی۔"

مسکرا کر کہتے ہوئے تازہ کافی کا کپ اٹھالیا۔

"میں شوگر تین چمچ لیتا ہوں۔" اس نے شاکڈ سے یمان کو دیکھا۔

یعنی سزا کے طور پر اسے ٹھنڈی اور نمک والی چائے پینی تھی۔ ہاں

جی......اس نے بدلہ لینے کے لیے کافی میں چینی کی جگہ نمک ڈالا تھا

اور یقیناً وہ بہانے میں یہ کہنے والی تھی۔

"ایم سوری مجھے پتا نہیں چلا۔" لیکن اگر اسے لگا تھا کہ یمان یہ نمک

والی کافی پی لے گا تو یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ

کافی میں چینی ہے، نہیں ہے یا نمک ہے۔ لیکن وہ بختاور کو جانتا تھا، وہ

بہانے بہانے سے بدلہ لے گی۔

"نہیں شکریہ۔ میں اس وقت کافی پینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیسے اس کافی سے بچے۔

"کافی تو آپ کو پینی پڑے گی۔ یہاں پر سب ورکرز کام کا آغاز کافی سے کرتے ہیں۔ تاکہ کام کرتے ہوئے ان پہ سستی نا آئے۔" اسے وضاحت دیتے ہوئے اس نے ایک آپ لی۔ کپ سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا جو منہ کے الٹے سیدھے زاویے بنا رہی تھی۔ مجبوراً کپ اٹھا کر لبوں کے ساتھ لگایا۔

اپنی مسکراہٹ دبائے وہ اس ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک سپ، دو سپ، تین سپ...... پھر وہ اٹھ کر منہ پر ہاتھ رکھے باہر کہ طرف بھاگی جیسے ابھی الٹی کر دے گی۔ یمان کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ وہ ہولے سے ہنسنے لگا۔

"اتنی آسانی سے تو میں تمہیں نہیں بخشنے والا مس بختاور۔ اب اس کا بھی حساب دینے کے لیے تیار رہو۔"

مسکراتے ہوئے کافی کا کپ لبوں سے لگا کر وہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOO

اس کی کار یونیورسٹی کے اندر داخل ہوئی۔گاڑی کو پارکنگ ایریا میں پارک کر کے وہ اترنے لگا جب اس کی نظریں بہت زیادہ فاصلے پر پودوں کے پاس کھڑی ماریہ پہ گئی۔

کار سے اتر کر وہ قدم قدم چلتا فاصلہ سمیٹنے لگا۔پھر اس سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ موتیے کے پھولوں کے پودے پاس کھڑی تھی۔اس کا چہرہ پھولوں کے قریب تھا۔شاید موتیے کی خوشبو اسے بھلی لگ رہی تھی۔وہ قدم قدم چلتا اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"لگتا ہے آپ کو موتیے کے پھول بہت پسند ہیں۔" وہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"بہت.... سب سے بڑھ کر ان کی خوشبو۔" وہ اس کی خوشبو میں کھوئی ہوئی تھی تبھی آرام سے بول دیا لیکن پھر وہ ایک دم پلٹی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا چہرے پر مسکراہٹ لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آ.... آپ۔" اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا کہے۔ شدید غصہ آ رہا تھا اس پہ۔ تبھی پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔ وہ غصے میں اس کے زخم کو بھی نہیں دیکھ سکی تھی۔

اور تو کچھ نہیں لیکن جنگکوک کو اس کے بارے میں ایک اور بات پتا چلی تھی کہ موتیے کے پھول اسے بہت پسند ہیں۔

oooooooooooo

فری پیریڈ چل رہا تھا اور وہ تینوں یونیورسٹی کے کھلے میدان میں ہری ہری گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ارد گرد بہت سارے اسٹوڈنٹس بھی

گروپ کی شکل میں وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ موسم میں آج ذرا خنکی تھی۔

"تمہاری چوٹ کیسی ہے اب؟" چینگ من نے پوچھا۔

"اتنی گہری بھی نہیں تھی جتنی باتیں سننے کو مل گئیں۔" جنگکوک نے کہا تو لیو نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ جنگکوک نے اسے گھوری سے نوازا۔

"آئندہ اتنی مت پینا۔ زیادہ بھی لگ سکتی ہے۔" چینگ نے تفکر سے کہا تو لیو نے اسے دیکھا۔

"تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا اچھا بھلا سب جانتا ہے وہ۔" لیو کو اس کا جنگکوک کے لیے پریشان ہونا اچھا نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ جنگکوک سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنتا تھا۔ اور اب تو وہ کسی اور میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

"ہم اس کے دوست ہیں اور دوستوں کو بھی ایک دوسرے کا اچھا ہی سوچنا چاہیے۔" اس نے ذرا سختی سے کہا تو لیو خاموش ہو گیا۔ وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔

جنگکوک کی نظریں سامنے کسی سے باتیں کرتی ماریہ پہ گئیں اور وہیں جم گئیں۔ ان دونوں نے بھی جنگکوک کی نظروں کا تعاقب کیا۔

"اگر تم اس سے محبت کرتے ہو تو اظہار کیوں نہیں کر دیتے۔" لیو نے کہا تو ان دونوں نے اسے دیکھا۔ جہاں جنگکوک کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی وہیں چینگ من کے تیور بگڑے۔

"مجھے نہیں لگتا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ یہ شاید کوئی اٹریکشن ہے۔ میں خود نہیں سمجھ پا رہا۔" وہ پھر سے ماریہ کو دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب محبت نہیں کرتے۔ جب وہ تمہارے سامنے آتی ہے تو تم

اسے دیکھنے سے خود کو روک نہیں پاتے۔" لیو اور چینگ من اس کی

بات پر حیران ہوئے تھے تبھی لیو نے کہا۔

"ایک دن وہ ہمارے گھر آئیں تھیں اور مجھے محسوس تک نہیں ہوا کہ

وہ ہمارے گھر پر ہیں۔"

"تمہارے گھر؟ وہ تمہارے گھر کیوں گئی تھی؟" چینگ من کو اچھا

نہیں لگا تھا۔

"جو بھی ہے لیکن ضروری نہیں کہ تمہیں اس کی آہٹ محسوس ہو

تبھی تمہیں پتا چلے کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔"

"نہیں لیو۔ ضروری ہے۔ بہت ضروری ہے کہ وہ میرے ارد گرد ہو

اور مجھے محسوس ہو۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مجھے اس سے

عشق ہو جائے۔ عشق بے انتہا۔" وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جواب اسی طرف آرہی تھی۔

"اور یہ عشق بے انتہا کب ہو گا اور کیسے ہو گا اور تمہیں کیسے پتا چلے گا؟" وہ ان کی نزدیک آگئی تھی۔

"لیو کیا تم چپ نہیں کر سکتے؟ جب وہ کہہ رہا ہے کہ اسے محبت نہیں ہے تو......"

"ہاں وہ اس سے محبت کرنا بھی نہیں چاہتا۔ عشق کرنا چاہتا ہے۔" لیو نے چینگ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ تبھی وہ ان کی پاس سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔ شاید اس نے جنگکوک کو نہیں دیکھا تھا یا دیکھ کر نظر انداز کیا تھا۔

وہ غیر مسلم تھا اور اسے جنگکوک کی طرف بڑھتے قدم روکنے تھے۔ لیکن کیا وہ یہ کر پائے گی۔

"میرے خیال سے تمہیں اسے بتانا چاہیے کہ تم اس کے لیے کچھ محسوس کرتے ہو۔ کہیں ایسا نا ہو جب تک تمہیں عشق ہو وہ کسی کی بیوی بن جائے۔" ایک لمحے کے لیے جنگکوک کا سانس رکا تھا۔

"یا تم اس کے بچوں کے ماموں نا بن جاؤ۔" اس بات پر بمشکل اس نے اپنی ہنسی روکی تھی جبکہ جنگکوک نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا۔

لیو اپنی کہے جا رہا تھا جبکہ چینگ من کو غصہ آ رہا تھا۔ تبھی وہ وہاں سے اٹھ گئی اور اسی طرف گئی جس طرف ماریہ گئی تھی۔

"تم جانتے ہو نا کہ وہ مسلم ہے اور میں غیر مسلم ہوں۔ کیا وہ میری محبت کو قبول کر لے گی؟" اب یہ سب سے ضروری اور بڑی فکر تھی جو جنگکوک کو ہوئی تھی۔

"وہ بعد کی بات ہے جنگکوک۔ تمہیں ایک بار تو اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہیئے۔"جنگکوک نے لیو کو دیکھا۔ بہت غور سے دیکھا۔

"کیا تمہیں یہ ڈر ہے کہ اگر میں ماریہ سے محبت کا اظہار نا کر سکا تو میں کہیں چینگ سے شادی نا کرلوں؟"لیو نے اسے دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں نے چینگ کو آج تک کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا اور نا دیکھوں گا۔ لیکن اگر تمہارے دل میں اس کے لیے کچھ ہے تو جلد ہی اظہار کر دو تاکہ وہ اس معاملے پر تھوڑا سا غور کرے۔"

جنگکوک نے اس کے دل سے ایک بوجھ تو اتار دیا تھا لیکن وہ تھوڑا شرمندہ بھی تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اگر ماریہ نا ہوئی تو کوئی اور ہو گی لیکن وہ چینگ من کبھی نہیں ہو گی۔

"اگر ایک طرف یہ بات ہے تو دوسری طرف مجھے سچ میں تمہاری فکر ہے جنگکوک۔"لیو نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"یہ چینگ من کہاں گئی ہے؟"ان دونوں دھیان اب گیا تھا اس کی طرف۔

"مجھے کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا ہے۔"لیو نے کہا تو جنگکوک نے اسے دیکھا۔ایک.....دو....... تین.....۔وہ دونوں ایک ساتھ تیزی سے اٹھے اور اسی تیزی سے بھاگے۔وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ اس وقت کہاں گئی ہے۔بس اسے ڈھونڈنا تھا۔

اسے نہیں۔ان دونوں کو۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنی کلاس میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے سامنے ایک دوسری کرسی پر نوٹس پڑے ہوئے تھے اور کچھ کورے کاغذ۔ایک

کورے کاغذ پر وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ شاید اسائنمنٹ تھی۔ وہ روم میں اکیلی ہی بیٹھی ہوئی تھی تاکہ سکون سے اپنا کام کر سکے۔ تبھی دھاڑ سے دروازہ کھلا اور ایک لڑکی غصے سے چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ اس کے سارے نوٹس اٹھا کر زمین پر پھینک دیئے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" ماریہ کو اس کی اس حرکت کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی لیکن غصہ ضرور آیا تھا۔ وہ اسے پہچانتی تھی۔ ہاں وہ چینگ من ہی تھی۔ وہ جنگکوک کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ اس کی دوست تھی۔

"کیا سمجھتی ہو تم یہ پردہ کر کے اپنا کردار چھپا لو گی۔" ایک ایک لفظ سختی سے چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیسا کردار ہے میرا؟" اس نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

ایک اور لڑکی آگئی تھی، لڑکی ہونے کے باوجود دوسری لڑکی کی تذلیل کرنے، اس کے کردار پر انگلی اٹھانے۔

"یہ جو تم پردہ کر کے بڑی پارسا بنی پھرتی ہو۔ سب سمجھتی ہوں میں۔ یونیورسٹی کے خوبصورت لڑکوں کو اپنے پیچھے لگانے کا طریقہ ہے تم مسلمان لڑکیوں کا۔"

چٹاخ۔ ایک زوردار تھپڑ کی گونج پورے کمرے میں گونجی۔ وہ اپنی تذلیل برداشت کر سکتی تھی لیکن پوری مسلم کمیونٹی کی نہیں۔ مسلمان لڑکیوں میں بہت لڑکیاں پاک دامن ہوتی ہیں جنہیں وہ عیسائی لڑکی بدکردار کہہ رہی تھی۔ تبھی بے اختیار ماریہ کا ہاتھ اس پر اٹھا اور پوری قوت سے چینگ من کے گال پر پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہماری مسلم گرلز کے بارے میں ایسا کہنے کی۔ اگر تم مجھے کہتی تو میں برداشت کر جاتی لیکن تم نے حد پار کی ہے۔" وہ نہیں جانتی تھی کہ اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی لیکن فی الوقت آگئی تھی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی؟" اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھی۔ وہ تو بس سکتے میں تھی کہ ایک لڑکی نے اسے تھپڑ مارا ہے۔ وہ ابھی تک چہرے پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر دوبارہ ایسی کوئی بات کی تو میں دوبارہ تھپڑ مارنے سے باز نہیں آؤں گی چینگ۔ یاد رکھنا۔" اسے تنبیہہ کرتے ہوئے اس نے جھک کر اپنے نوٹس اٹھانے چاہے تبھی چینگ کسی بپھرے ہوئے شیر کی مانند اس کی طرف لپکی اور کھینچ کر اس کا نقاب اتار دیا۔ وہ جہاں تھی وہیں تک گئی۔ بالکل ساکت۔

"تو یہ وہ چہرہ ہے جس کا وہ دیوانہ ہوا پھرتا ہے۔ میں سمجھ رہی تھی پتا نہیں کتنا حسن چھپا رکھا ہے تم نے اس نقاب کے پیچھے۔" انداز سراسر مذاق اڑاتا ہوا تھا۔ جہاں وہ اس کی حرکت پر سکتے میں آگئی تھی وہیں اسے چینگ کی باتیں ہرٹ کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں تیزی سے بہنے لگے۔ بس اتنی ہی ہمت تھی اس کی۔

"تم نے اس نقاب کے پیچھے اپنا کردار نہیں بلکہ یہ معمولی سا چہرہ چھپا رکھا تھا جسے اگر سو میں سے نمبر دیئے جائیں تو مشکل سے بیس ملیں۔" وہ اسے احساس کمتری کا شکار بنا رہی تھی۔ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ اتنا بھی کم حسن نہیں رکھتی تھی جتنا چینگ من اسے کہہ رہی تھی۔

اس کا دوپٹا اس کے سر سے کھسک کر اس کے کندھوں پر جا گرا تھا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے لیکن عبائے کے اندر تھے۔ اس کا جسم

تپنے لگا تھا۔ چہرہ اور آنکھیں لال ہو چکے تھے۔ لگ رہا تھا ابھی گر جائے گی۔

"اگر جنگکوک تمہارا یہ معمولی سا چہرہ دیکھ لے تو اسے اپنی چوائس پر شرم آ جائے۔" تمسخر اڑاتی مسکراہٹ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس چہرے کو دو دفعہ دیکھ چکا ہے۔ اور اسی چہرے نے اس کے سکون کو برباد کر دیا تھا۔ وہ جو حسن چینگ کی آنکھوں میں کہیں نہیں تھا، وہ جنگکوک کی آنکھوں میں تھا۔ وہ اس چہرے کو کسی غیر کی نظروں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

"تم نے یہ جو حرکت کی ہے نا اس کا حساب تمہیں دینا ہو گا چینگ۔" وہ بمشکل اتنا ہی بول سکی تھی۔ چینگ من کے ماتھے پر بل پڑے۔ آگے بڑھ کر اس کا جبڑا زور سے پکڑا۔

"تم لو گی حساب؟ ہاں...... بولو۔ تم لو گی؟ اوقات کیا ہے تمہاری۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گا کیونکہ کہ تم یاد رکھو گی۔ یونیورسٹی چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاؤ گی تم۔" اس نے زور سے ماریہ کو دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ اس کا منہ دکھنے لگا تھا۔ تبھی دروازے سے جنگکوک اور لیو بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ وہ ایک سیکنڈ میں سمجھ گئے تھے یہاں کیا ہوا ہے۔

جنگکوک تیزی سے آگے آیا اور ماریہ کے سامنے کھڑا ہو گیا گو کہ لیو اسے نا دیکھ سکے۔ وہ بت بنی کھڑی تھی۔ وہ جنگکوک کو دیکھ رہی تھی لیکن دل پر جیسے کوئی بوجھ آن گرا تھا۔ جنگکوک نے اس کے کندھوں سے دوپٹا اٹھا کر اس کے سر پر رکھا۔ وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا، وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس اس کی عزت زیادہ عزیز تھی۔ وہ غیر مسلم تھا لیکن اسے اس کے مسلمان ہونے کا احترام کرنا تھا۔

"پلیز آپ اپنا حجاب ٹھیک کر لیں۔" جنگکوک کی بات پر عمل کرتے ہوئے اس نے تیزی سے اپنا نقاب اٹھایا اور اسے باندھنے لگی۔ نا جانے کیوں وہ اس کے سامنے اتنا بے بس ہو جاتا تھا۔ لیکن اتنی بے بسی کے باوجود بھی اس نے ایک نظر دیکھ لینے کے بعد دوسری دفعہ اسے نہیں دیکھا تھا۔ نگاہیں احترام سے جھک گئیں تھیں۔

یہ اس کے پردے کا لحاظ تھا۔ یہ سچ ہے آپ کو وہی انسان ڈھانپ کر رکھ سکتا ہے جو آپ کی عزت کرتا ہو، آپ سے محبت کرتا ہو۔ اس کی روئی روئی آنکھیں اسے تکلیف دے رہیں تھیں، پھر بھی وہ کہہ رہا تھا کہ اسے اس سے محبت نہیں ہوئی جبکہ محبت دل پر دستک دے کر اندر داخل ہو چکی تھی۔ اس نے اجازت نہیں دی تو وہ زبردستی ہی آ گئی تھی۔ اپنی مرضی سے۔ بھلا محبت کو اجازت کی ضرورت ہوتی ہے؟

جنگکوک کے پیچھے لیو نے بھی اپنا چہرہ چینگ من کی طرف کر لیا تھا جو نفرت سے ماریہ کو دیکھ رہی تھی۔ اپنا نقاب ٹھیک کر کے اس نے جنگکوک کو دیکھا۔ اف یہ لائٹ براؤن اور ریڈ آنکھیں۔

"تم سب کو اس کا حساب دینا ہو گا۔ میں تم میں سے کسی کو معاف نہیں کروں گی۔" غصے سے جنگکوک کو دھکا دیتی وہ باہر چلی گئی اور اپنے نوٹس وہیں چھوڑ گئی تھی۔ جنگکوک اسے جاتے ہوئے ہی دیکھ سکتا تھا روک نہیں سکتا تھا۔

"تم نے یہ کیا کیا چینگ من؟ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔" بظاہر وہ غصے سے بول رہا تھا لیکن اندر کہیں اسے دکھ ہو رہا تھا۔

"جو بھی کیا ٹھیک کیا۔ وہ اسی کی مستحق تھی۔" وہ اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"سمجھاؤ اسے۔ اس کا یہ رویہ ہماری دوستی کے لیے ٹھیک نہیں

ہے۔" غصے سے کہتا وہ وہاں سے چلا گیا۔

"پلیز لیو تم کچھ مت کہنا۔ کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں ہوں

میں۔" اس سے پہلے لیو کچھ کہتا اس نے پہلے ہی اسے چپ کروا دیا۔

اور وہ چپ چاپ سر تھامے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

مجھے یقین نہیں آرہا عنایہ کہ یہ تم ہو۔"

ان دونوں کی پہلی کلاس اپنے اختتام کو پہنچی تو عریش باہر نکل آئی۔

تبھی پیچھے سے عبایا پہنے ایک لڑکی اسے پکارتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"عریش.... عریش رکو۔" عریش ذرا چونک کر رکی۔ وہ آواز تو

پہچانتی تھی لیکن وہ اس عبائے والی لڑکی کو نہیں جانتی تھی تبھی اس

نے ادھر ادھر دیکھا۔ عبائے والی لڑکی اس کے پاس آئی۔

"کب سے آوازیں دے رہی ہوں سن کیوں نہیں رہی تھی۔"اس کے پاس آکر اس نے اپنے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے کہا۔ جبکہ عریش نے ذرا حیرانی سے اسے دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں عنایہ ہی ہوں۔"عنایہ جانتی تھی کہ وہ اسے عبائے میں دیکھ کر حیران رہ گئی ہے۔

"کیا سچ میں تم عنایہ ہو؟"اس نے جانچتی نظروں سے عنایہ کو دیکھا۔

"ہاں کیوں تمہیں یقین نہیں آرہا؟"وہ فخریہ انداز لیے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا عنایہ کہ یہ تم ہو۔" تبھی عنایہ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا اور اسے دکھایا۔ عریش کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تم کب سے نقاب کرنے لگی۔"

"کیوں۔ کیا میں نقاب نہیں کر سکتی؟"وہ ذرا سا خفا ہو کر بولی۔

"کر سکتی ہو لیکن یوں اچانک؟" عریش کو واقعی ہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ تبدیلی اچانک کیسے آئی تبھی عنایہ نے اسے بتانا شروع کیا۔

عریش بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تو کیا یہ سب کچھ تم نے حماد کے لیے کیا ہے؟"

"ہاں اسی کے لیے کیا ہے۔میں اسے پانا چاہتی ہوں۔وہ مجھے ہر چیز سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ہر انسان اس کے سامنے اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔اب جس انسان کے سامنے مجھے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اس کے لیے یہ تبدیلی تو لا ہی سکتی ہوں۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے کہ تم نے سچ بول دیا اور یقیناً حماد کو یہ تبدیلی بہت پسند آئے گی۔" بظاہر وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی لیکن اس کا دل برا ہو رہا تھا۔اچانک جیسے ہوا کے سارے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سانس رک جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنی دوست کے لئے خوش تھی۔

"ہاں اب میں اسے ملنے جا رہی ہوں۔اس کی بھی کلاس ہو گئی ہو گی۔" جوش سے کہتی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"وہ لائبریری میں ہو گا۔" عریش نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔عنایہ بھی لائبریری کی طرف چلی گئی۔اسے اب وہ شاید وہیں ملے گا......
مگر شاید۔

ooooooooooooooooooooo

"فائنلی......آپ نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔"
یاور لیپ ٹاپ پر کسی کو ایک میل بھیج رہا تھا جب مومن دروازہ ناک کر کے اندر آیا۔کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے اور علیزے کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ای میل بھیجنے کے دوران وہ ساری کہانی سنتا رہا اور پھر لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کہا۔

"فائنلی...... آپ نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔" انداز داد دیتا ہوا تھا۔ مومن نے مسکرا کر سینے پر ہاتھ رکھا اور تھوڑا سا آگے کو جھکا جیسے شہزادے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہیں۔

"تو تم کب جا رہے ہو اس کے گھر؟" مومن نے تحمل سے پوچھا۔

ہاں وہ ایسا ہی تھا بہت سارا صبر اپنے اندر رکھے ہوئے۔ اسے کسی بات کی کوئی جلدی نہیں ہوتی تھی لیکن وہ اپنی محبت کو ایک نام دینا چاہتا تھا..... نکاح۔ ہاں وہ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ محبت کی منزل نکاح ہی ہونی چاہیے اور نکاح ہوتی بھی ہے۔ ہر جگہ منہ مارنے والے کبھی نکاح تک نہیں پہنچتے۔ جنہیں حرام کا چسکا لگ جائے پھر وہ حلال کے بارے میں نہیں سوچتے۔ جن کی ہوس نکاح کے بغیر پوری ہو جائے انہیں کسی رشتے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ اس پاکیزہ رشتے کو قید سمجھتے ہیں۔ اور کچھ تو اتنے ہوس کے مارے ہوتے ہیں کہ وہ اس قید

میں رہ کر بھی باز نہیں آتے۔ایک حلال کا رشتہ ہوتے ہوئے بھی باہر منہ مارتے ہیں۔

نکاح وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے رشتے کو حلال بنانا چاہتے ہیں۔ جنہیں واقعی ہی محبت ہوتی ہے۔جو عزت دینا جانتے ہیں اور عزت لینا بھی جانتے ہیں۔جو محبت کے معاملے میں پوزیسسو تو ہوتے ہیں لیکن حد پار نہیں کرتے کہ اگلا اس پوزیسسونس کی وجہ سے گھٹ گھٹ کر مر جائے۔

اور یہی کام مومن نے کیا تھا۔اس نے اس کی مرضی سے اسے پایا تھا۔وہ علیزے سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔وہ مزید چھپ چھپ کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔اسے جلدی تھی وہ پھر بھی تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاشم بھائی واپس آجائیں تو پھر چلیں گے۔وہ اس معاملے کو بہتر طریقے سے سنبھال سکتے ہیں۔کیا خیال ہے؟"اپنی ڈریگن جیسی

آنکھوں کو مومن پر جمائے اور اپنے ڈمپلز کو گہرا کرتے ہوئے اس کے کہا۔

"ہاں میرے خیال سے یہ ٹھیک ہے.....۔"مومن کی بات درمیان میں رہ گئی جب یاور کا فون بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھا کر سامنے کیا جس کی اسکرین پر لکھا آرہا تھا۔

“HASHIM BHAI CALLING”

اس نے کچھ حیران ہو کر فون کان کے ساتھ لگایا۔اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو مومن نے بخوبی نوٹ کیا۔

"کیا کہہ رہے تھے ہاشم بھائی؟"یاور نے فون بند کیا تو مومن نے پوچھا۔

"ماریہ کی یونیورسٹی سے فون آیا تھا۔ انہوں نے ہاشم بھائی کو بلایا ہے۔ ظاہر ہے وہ تو دبئی سے آ نہیں سکتے تو اس لیے مجھے جانا پڑے گا۔"

مومن نے تشویش سے یاور کو دیکھا۔

"کیوں کیا ہوا۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟"

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔" کار کی چابی ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے یاور کرسی سے اٹھا۔

"میں چلوں تمہارے ساتھ؟" اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے مومن نے کہا۔

"ہاں چلیں۔" وہ دونوں ایک ساتھ ہی آفس سے نکلے اور گاڑی تک پہنچے۔ کچھ ہی دیر میں وہ یونیورسٹی کے آفس میں موجود تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"میں حیران ہوں ماریہ۔اس نے تمہارے ساتھ اتنا غلط کیا اور تم بس چپ چاپ آنسوؤں بہاتی رہی اور اپنے لیے اسٹینڈ تک نہیں لیا۔"

جب وہ روم سے باہر آئی تو اسے باہر فرح مل گئی تھی۔ماریہ کی حالت تشویشناک لگی تو وہ اسے پر یر روم میں لے آئی۔فرح کے پوچھنے پر ماریہ نے اسے ساری بات بتادی تبھی فرح کے تیور بگڑے۔اس نے پرنسپل کو بتانے کا کہا تو ماریہ نے منع کر دیا۔تبھی فرح کو اس پر غصہ آیا تھا۔

"ہاں میں اپنے لیے اسٹینڈ نہیں لے سکتی۔"اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"تمہارے بھائیوں کی بے جا محبت اور لاڈ پیار نے تمہیں بزدل بنا دیا ہے۔"فرح کو سچ میں غصہ آرہا تھا۔

"تو آپ بتائیں میں کیا کروں۔ تھپڑ تو مار دیا تھا اسے۔" اس نے ذرا اکتا کر کہا۔

"تھپڑ مسلے کا حل نہیں ہوتا ماریہ۔ یہ مسئلے کو اور بگاڑ دیتا ہے۔ اگر آج اس سب کو روکا نہیں گیا تو وہ پھر ضرور کچھ ایسا ویسا کرے گی جس سے تم دونوں کی پڑھائی بری طرح متاثر ہو۔" فرح نے اپنا لہجہ نرم کیا۔

لیکن وہ چپ ہی رہی۔

اسے بتائے بغیر فرح نے یہ بات پرنسپل کے آفس تک پہنچا دی تھی۔ پرنسپل نے دونوں کے گھر والوں کو بلایا تاکہ وہ ان سے بات کر سکیں۔ ماریہ کو جب پتا چلا تو وہ فرح خفا ہو گئی لیکن وہ پھر بھی ڈھیٹ بنی رہی۔ اور اب وہ دونوں پرنسپل کے روم میں تھیں۔ چینگ من کے ڈیڈ اور ماریہ کے دونوں بھائی بھی۔ جبکہ جنگکوک، لیو اور فرح باہر الگ سے بے چین ہو رہے تھے۔

"میری بہن جب سے اس یونیورسٹی میں آئی ہے اپنے حجاب کو لے کر بُلینگ کا شکار رہی ہے۔ میں نے اسے سمجھایا تھا اور وہ سمجھ گئی۔ لیکن جو اس کے ساتھ آج ہوا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مسلمان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ظلم برداشت کرتے رہو۔" یاور کو اس لڑکی پر غصہ آ رہا تھا کہ کیسے وہ کسی کے ساتھ ایسے کر سکتی ہے لیکن وہ کنٹرول کر رہا تھا ہمیشہ کی طرح۔

"ہم اس بات پر شرمندہ ہیں کہ ہم اپنی یونیورسٹی میں اسٹوڈنٹس سے تھوڑا سا بے خبر ہو گئے۔ لیکن انہیں چاہیے تھا کہ آ کر ہمیں بتاتیں تا کہ ہم ان کے لیے کچھ کرتے۔" پرنسپل شرمندہ سے بولے۔

"بقول آپ کے کہ میری بہن نے ان خاتون پر تشدد کیا ہے۔

("جبکہ تشدد کے نام پر ایک تھپڑ مارا ہے بس۔" ساتھ بیٹھے مومن نے دل میں کہا۔) اور آپ اس کے لیے جرمانہ مانگ رہے ہیں جبکہ ہر

انسان کو اپنے مذہب کے ساتھ آزاد رہنے کا حق ہے۔" یاور بہت آرام سے بات کر رہا تھا۔اور باقی سب سن رہے تھے۔

"دونوں اسٹوڈنٹس کو جرمانہ دینا ہوگا تاکہ ائندہ وہ ایسی حرکت نا کریں۔" پرنسپل نے کہا۔۔

"ماریہ ان سے معافی مانگ لے گی لیکن اتنا بڑا کوئی قصور نہیں اس کا کی جرمانہ مانگیں۔"

"ویسے بھی اس نے سیلف ڈیفنس میں تھپڑ مارا تھا۔" مومن نے کہا تو یاور نے اپنی ڈریگن آنکھوں میں غصہ بھر کر اسے دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا جبکہ ماریہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

یاور کی بات سے متفق ہوتے ہوئے وہ سب خاموش رہے۔ چینگ من کی ڈیڈ نے ایک دو دفعہ غصے سے یاور اور چینگ من کو دیکھا تھا۔ لیکن خاموش رہے۔ شاید وہ انصاف پسند تھے۔ انہوں نے جرمانہ ادا

کر دیا تھا اور ماریہ نے اس سے معافی مانگ لی تھی۔ معافی تو چینگ من نے بھی مانگی تھی۔ لیکن اب دونوں پرنسپل کی نظروں میں آ چکی تھیں۔ اس لیے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

oooooooooooooooooooooo

"میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ تم کہاں ہو؟" نا جانے وہ کب سے حماد کو ڈھونڈ رہی تھی۔ سب سے پہلے وہ لائبریری گئی تھی لیکن وہ اسے وہاں نہیں ملا تھا۔ پھر وہ اس کی کلاس تک گئی۔ وہاں بھی نا ملا تو پوری یونیورسٹی چھان ماری۔ کیفے، گراؤنڈ، ہر اک کلاس، واشروم لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملا تو تنگ آ کر اس نے اسے فون کر دیا۔ اس چکر میں ہیلی کلاس کے علاوہ سب ضائع گئی تھیں۔

"اگر تم اپنے پیچھے دیکھ لو تو شائد تمہیں نظر آ جاؤں۔" حماد نے کہا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ چہرے پر

مسکراہٹ لیے۔ عنایہ جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے آج وہ الگ احساس دیکھ رہی تھی۔ وہ ستائشی اور حیران کن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہو؟" سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

"تم کہاں تھا۔ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"میں چاہتا تھا تم مجھے ڈھونڈو۔ مجھے تلاش کرو لیکن تم اتنا سا کام بھی نہیں کر سکی۔"

"میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں تمہیں حماد۔ تم ہو کہ ملتے ہی نہیں۔" منہ بسور کر کہا لیکن حماد اس کے دوسرے جملے کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔

"ابھی سے ؟" حماد کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو ابھی تو بہت ساری منزلیں طے کرنی ہیں اور تم ابھی سے تھک گئی۔ عنایہ نے اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کیا مطلب ہے تمہارے ابھی سے کا۔

"مطلب میں ڈپارٹمنٹ میں گئی تھی تم مجھے کہیں نہیں ملے۔"

"اگر میں آئندہ تمہیں کہیں نا ملوں تو مڑ کر پیچھے دیکھ لینا۔ شاید مل جاؤں۔" اس نے یہ بات ایک ادا سے کہی تھی جس پر کوئی بھی فدا ہو سکتا تھا۔ عنایہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو جائے گا۔ اسے حماد کی محبت اتنی جلدی مل جائے گی۔ وہ خوش تھی اور بہت خوش تھی۔ لیکن وہ جذباتی لڑکی اپنی خوشی میں حماد کی بات کے اندر چھپے مطلب کو نا سمجھ سکی۔

"میں امید کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ ایسے ہی رہو گی۔اب خود کو دوبارہ کبھی نہیں بدلو گی۔" حماد نے اپنی بھوری آنکھیں نیلی آنکھوں پر جماتے ہوئے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب خود کو کبھی نہیں بدلوں گی۔ویسی بن کر رہوں گی جیسے تم کہو گے۔" بھوری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔وہ مطمئن سا ہو کر مسکرایا۔ایسی مسکراہٹ پر تو کوئی بھی لڑکی قربان ہو سکتی تھی۔

وہ مطمئن ہو کر بھی مطمئن نہیں تھا۔وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔دور کہیں کسی نے اس منظر کو زخمی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا تھا۔

ooooooooooooooooo

آج بختاور کا آفس میں پہلا دن تھا جو کہ نہایت ہی برا رہا تھا۔ کافی میں نمک ڈال کر اپنے باس کو دینے کی سزا میں اسے اپنی طبیعت خراب کرنی پڑی تھی۔ سارا دن خراب طبیعت کے باوجود وہ یمان کے ساتھ گھوم گھوم کر کام کیا جس کے باعث اس کی طبیعت مزید خراب ہو گئی تھی۔ یمان کا کام بلڈنگز کنسٹرکشن کے لیے لائے گئے سامان کے حساب کتاب کرنا تھا۔ اس ڈپارٹمنٹ کا پورا اسٹاف یہی کام کرتا تھا۔ وہ بہتر طریقے سے جانتا تھا کہ بلڈنگ کے لیے لایا گیا سامان کتنا مناسب ہے۔ اس سے بلڈنگ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا۔ ہر چیز اس کے انڈر تھی۔

آج بھی کوریا کے شہر ڈیگو میں بننے والی بلڈنگ کے لیے سامان آیا تھا جس کی وجہ سے آج کام بہت زیادہ تھا۔ وہ بھی آفس کی ٹائمنگ ختم ہونے تک اس کے ساتھ ساتھ ہی رہی تھی۔ یمان کو اگر اس کی

خراب طبیعت کے بارے میں پتا ہوتا تو اسے گھر بھیج دیتا کیونکہ وہ اتنا بھی سفاک نہیں تھا۔

دوسری جانب منہاج کا ڈپارٹمنٹ پراجیکٹس پر کام کرتا تھا۔ان کی شیڈولنگ اور انتظام کی ساری ذمہ داری پراجیکٹ ڈپارٹمنٹ کی تھی۔

مومن انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر تھا۔ان کا کام ڈھانچے تیار کرنا اور ڈیزائن بنانا تھا۔

یاور کا تعلق مالیاتی محکمہ سے تھا جس میں کمپنی کے کیش فلو کا انتظام کرنا ہوتا ہے اور اس بات کو یقینی بنانا ہوتا ہے کہ روزمرہ کی ادائیگیوں کو پورا کرنے کے لیے مناسب فنڈز دستیاب ہیں۔

ہاشم اس کمپنی کا سی ای او تھا لیکن کچھ چیزوں کا دھیان اس کا ڈپارٹمنٹ ہی رکھتا تھا۔اس کا سٹاف انفارمیشن ٹکنالوجی کے محکمے کے طور پر جانا جاتا تھا۔انفارمیشن ٹیکنالوجی ڈپارٹمنٹ اس بات کو یقینی

بنانے کے لئے ذمہ دار ہے کہ کمپنی اور کسٹمر ڈیٹا محفوظ ہے، اور یہ کہ سافٹ ویئر اور ٹیکنالوجی ویسا ہی کام کر رہی ہے جیسا کہ اسے کرنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ وہ نئے نئے پروجیکٹس کے لیے اندرونی اور بیرونی کمپنیز کے مالکان سے میٹنگز کرتا رہتا تھا۔

دوسری جانب ماریہ فرح کے ساتھ ناراض ہو گئی تھی۔ گھر واپس آ کر بھی اس نے کسی کے ساتھ بات نہیں کی اور اپنے روم میں چلی گئی۔ یاور بھی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا جبکہ حماد کو اس کے ساتھ ضروری بات کرنی تھی۔

"آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ ایسا کیا کر دیا ہے تم نے کہ بھائی کسی سے بھی بات نہیں کر رہے؟" وہ غصے سے ماریہ کے روم میں چلا آیا تھا اور

اب اس پر چلا رہا تھا۔ وہ بیڈ پر کشن منہ پر رکھے لیٹی ہوئی تھی جیسے کوئی بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ سن رہی ہو نا تم؟" جواب نا آنے پر اس نے غصے سے کہا۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ تبھی حماد نے اس کے منہ سے کشن چھین لیا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" وہ غصے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"میں کب سے بکواس کر رہا ہوں۔ سنائی نہیں دے رہا تمہیں؟"

"بکواس کر رہے تھے اس لئے سنائی نہیں دیا۔ اگر طریقے سے بول لیتے تو شاید سمجھ آجاتی۔" وہ بھی باز نہیں آتی تھی۔

"بکواس بند کرو اپنی اور بتاؤ بھائی کیوں کسی سے بات نہیں کر رہے؟"

"خود پوچھ لو جا کر۔ میرا سر مت کھاؤ۔" کہتے اس نے کمبل اوڑھ لیا۔

حماد نے سختی سے خود کو کچھ کہنے سے روکا۔ پھر اس کا کمبل کھینچ کر اتار دیا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں ذلیل انسان۔" اس نے کشن اٹھا کر حماد کو مارا۔ بر وقت وہ سائیڈ پر ہو گیا ورنہ نشانہ اس کا منہ تھا۔

"بھائی کو کیا ہوا ہے بد تمیز لڑکی۔" وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔" وہ ہاتھ چھڑوانے لگی۔ ناخن بھی چھوٹے تھے ورنہ اسی کے ہاتھ زخمی کر دیتی۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ بتاؤ مجھے۔"

"حماد مجھے درد ہو رہا ہے۔ پ.... پلیز چھوڑ دو۔" وہ رونے والی ہو گئی تھی۔ حماد کی گرفت سخت ہوئی۔

"بتاؤ۔" وہ غرایا تھا۔

"س... سچی نہیں پتا۔ میرا یقین کرو۔" آنسوؤں بل بل بہنے لگے۔ چند قطرے حماد کے ہاتھ کی پشت پر گرے۔ اس کی نظریں اس کی آنکھوں سے ہوتی ہوئیں اپنے ہاتھ تک گئیں۔ اور گرفت خود بخود ڈھیلی ہو گئی۔ ہاتھ بھی چھوٹ گیا۔ اور پھر وہ وہاں رکے بغیر چلا گیا۔

"ہونہہ۔ جنگلی انسان۔" آنسوؤں صاف کرتے منہ بسورا۔

رات کے کھانے پر وہ اب اکھٹے ہوئے تھے لیکن حماد وہاں بھی اپنی بات نہیں کہہ سکا۔ کیونکہ ان سب کی اپنی ہی باتیں ہو رہیں تھیں۔

"تمہاری سیکرٹری کیسی ہے؟" بریانی کا چمچ منہ تک لے جاتے ہوئے یاور نے پوچھا۔

"خوبصورت ہے۔" وہ جو آفس میں اس کی درگت بنا کر خوش تھا بے دھیانی میں کہہ بیٹھا اور پھر سب کی نظروں نے جس طرح اس کی

طرف دیکھا وہ بری طرح شرمندہ ہوا۔ کھاتے کھاتے اسے اچھو لگ گیا۔ منہاج نے اسے گھورتے ہوئے پانی دیا۔

"میں نے کہا بھی تھا کہ اسے ایک ایسی سیکرٹری دینا جسے یہ صرف کام کے لیے بلائے نا کہ اس کے حسن کے گن گاتا پھرے۔" منہاج نے دانت چبا کر یاور سے کہا جبکہ دیکھ وہ یمان کو ہی رہا تھا۔

"اب بندہ خوبصورت کو خوبصورت بھی نا کہے تو اور کیا کہے۔" سب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"ہو گی وہ خوبصورت لیکن مجھے اس کی خوبصورتی سے کوئی لینا دینا نہیں۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ہائے صدقے ایسی معصومیت کے۔

"ہاں جیسے تو ہم تمہیں جانتے نہیں۔ جتنا اوچھا مزاج ہے نا تمہارا سب جانتے ہیں۔ لیکن بچ کر رہنا اس دفعہ مقابلہ ٹکر کا ہے۔ وہ کوئی عام

لڑکی نہیں ہے جو تمہارے ہاتھوں ذلیل ہو کر رونے بیٹھ جائے گی۔"

منہاج نے کہا تو سب کی دبی دبی ہنسی نکلی۔

"آپ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ کو ہاتھ لگ گئے ہیں اس کے۔"

یمان کی بات پر منہاج سر نیچے کیے مسکرایا۔

"نہیں میرے بھائی۔ بس دیکھا تھا۔ دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ ایک ایسی لڑکی آگئی ہے جو تمہاری عقل ٹھکانے لگا دے گی۔" یمان نے منہ بسورا۔

"کیونکہ تمہیں تو سب ہی جانتے ہیں۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بھائی۔ وہ لڑکی اتنی بدتمیز ہے اور مجھے ایسی لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں۔" چہرے پر مصنوعی سنجیدگی سجاتے ہوئے کہا۔ تبھی یاور نے اسے اصل سنجیدگی سے دیکھا۔

ڈریگن آنکھوں میں شدید غصہ بھر آیا تھا۔

"ایک لڑکی کو مخاطب کرنا نہیں آتا تمہیں؟ ساری عقل کسی ڈبے میں بند کر کے رکھ دی ہے؟"

یمان گڑبڑا گیا۔

"سوری بھائی لیکن آپ اس لڑکی کو جانتے۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے اگر وہ لڑکی تمہیں اپنی سیکرٹری کے طور پر پسند نہیں آئی تو تم کوئی نئ ڈھونڈ لو۔ لیکن اس طرح کسی لڑکی کو غلط القابات سے مخاطب نا کرو۔" وہ ضرورت سے زیادہ سخت ہو رہا تھا۔ یمان نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

کچھ ہی دیر میں سب کھانا کھا کر اپنے اپنے روم میں چلے گئے تھے۔

"یاور بھائی کو کیا ہوا ہے؟" یمان نے جاتے جاتے مومن سے پوچھا۔

مومن کندھے اچکا کر وہاں سے چلا گیا۔ ایسے جیسے کہہ رہا ہو۔

پتا نہیں۔ میں نہیں جانتا۔

یمان نے منہ بسورا جسے دیکھ کر حماد اور ماریہ کی دبی دبی ہنسی دیئے۔

لاکھوں اختلافات کے باوجود ایسی سیچوئشن پر وہ دونوں ایک جیسے

تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ آنکھیں بند کیں تو ذہن کچھ دیر پیچھے

یونیورسٹی کے کاریڈور میں لے گیا جہاں سے وہ بڑے سرد انداز سے

گزر رہا تھا۔ مومن آگے نکل چکا تھا تو وہ اکیلا تھا۔ وہ جا رہا تھا جب پیچھے

سے کسی نے اسے پکارا۔ نسوانی آواز پر وہ رکا۔

"کیا آپ ماریہ کے بھائی ہیں؟" یاور نے ایڑھیوں کے بل گھوم کر

دیکھا اور نظریں اسی لڑکی پر جمالیں۔

"جی میں ماریہ کا بھائی ہوں۔" لہجہ ویسا ہی سرد تھا۔

"بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے اپنی بہن کی تربیت میں بہت لاپرواہی برتی ہے جس کا خمیازہ آپ بھگت بھی رہے ہیں۔"

لڑکی نے سر سے پیر تک خود کو کور کیا تھا۔اس کے چہرے پر بھی نقاب تھا۔بس آنکھیں نظر آ رہی تھیں جن کا رنگ پرپل کے ساتھ گرین شیڈ دیتا تھا۔اور وہ اس لڑکی کو پہچان گیا تھا۔اس کی آنکھیں بھوری تھیں لیکن فرح کی آنکھوں کا عکس اس کی آنکھوں پر پڑتا ہوا انہیں سبز بنا رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"اسے اس طرح کسی کا اپنے فیملی میٹر میں انوالو ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔غصے کی وجہ سے ان آنکھوں کی بنا پر وہ خود بھی غصیلا ڈریگن لگتا تھا۔

"بتایا تھا اس نے مجھے کہ اس کے چھ بھائی ہیں جنہوں نے بہت لاڈ سے اسے رکھا ہوا ہے۔ کسی قسم کی تکلیف بھی اسی پہنچے تو اس کے بھائی تڑپ جاتے ہیں اور اسی تڑپنے نے آپ کی بہن کو بزدل بنا دیا۔"

"تو آپ کو جلن ہو رہی ہے؟"

"میں.... میں کیوں جلنے لگی۔" فرح کو برا لگا تھا۔

"دیکھئے محترمہ آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ میری تربیت پہ انگلی اٹھانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ میں یہی سمجھوں گا آپ جل رہی ہیں۔" اسے غصہ آرہا تھا لیکن ہمشہ کی طرح اسے کنٹرول کرنا تھا۔

"میں آپ کی تربیت پر انگلی نہیں اٹھا رہی بس اتنا بتا رہی ہوں کہ اپنی بہن کو اتنا بہادر تو بنا دیتے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والی بُلینگ کے خلاف آواز تو اٹھا سکتی۔ لیکن اس نے سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ یا اسے سکھایا نہیں گیا۔" آخر میں اس نے اچھا خاصا طنز کیا تھا۔

فرح بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے کب اور کہاں اپنی اکلوتی بہن کی تربیت میں کمی کی ہے۔

"میں آپ کی بہن کی دشمن نہیں ہوں لیکن اس کی بزدلی ختم کرنے کے لیے اگر مجھے سخت بھی ہونا پڑا تو میں ہو جاؤں گی۔ اس کی دشمن بننا پڑا تو بن جاؤں گی لیکن اسے اس طرح کمزور نہیں رہنے دوں گی جس طرح آپ سب نے بنایا ہے۔" اس کا انداز چیلنج کرتا ہوا تھا۔

"آپ کو میری بہن سے دور رہنے کی ضرورت ہے۔ سمجھی آپ؟" انگلی اٹھا کر کہا تو وہ استہزایہ ہنس دی۔ ڈریگن آنکھوں میں وہ اپنے لیے غصہ دیکھ سکتی تھی لیکن وہ کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔

"آپ مجھے روک لیں لیکن نقصان میں آپ رہیں گے۔ روزانہ کوئی نا کوئی آپ کی بہن کو ایسے ہی نشانہ بنائے گا۔ اس پر جملے کسے جائیں گے اور وہ بزدلوں کی طرح روتی رہے گی۔ اور یقیناً آپ کو اس کا رونا

تکلیف دے گا۔ تو کیا یہ ٹھیک نہیں کہ اس کی آنکھوں سے بزدلی کے آنسوؤں کو ختم کر دیا جائے۔" وہ بہت آرام سے کہہ رہی تھی۔ یاور کو اس کی باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں لیکن وہ اس کی بہن کو کس طرح بہادر بنانا چاہتی تھی وہ یہ نہیں جانتا تھا اس لیے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کر کے وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

کتاب پر جھکی نظریں ذہن کو ماضی سے نکال لائیں تھیں۔ وہ لائبریری میں پڑھنے آئی تھی لیکن یاور سے ہونے والی ملاقات کسی فلم کی طرح اس کے ذہن میں چلنے لگی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اسجد صاحب اپنے روم میں کوئی فائل ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے۔ سائڈ ٹیبل پر چائے کا بھاپ اڑاتا کپ پڑا ہوا تھا اور علینا بیگم عشا کی نماز پڑھ

رہیں تھیں۔ دروازے پر ہونے والی دستک پر اسجد صاحب نے سر اٹھا کر دیکھا تو چوکھٹ پر علیزے کھڑی تھی۔

"اپنے بابا کے کمرے میں آنے کے لیے اجازت کی ضرورت کب سے پڑنے لگی میری بیٹی کو؟" فائل کو بند کرتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے لگا آپ سو گئے ہوں گے اس لیے۔" وہ کچھ ہچکچاتی ہوئی اندر آئی۔

"اگر سو بھی گئے تو اپنی بیٹیوں کے لیے جاگ بھی سکتے ہیں۔" وہ اپنی بیٹیوں سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک شفیق، رحمدل اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ اور ان کی دونوں بیٹیاں اس کی آنکھ کا تارا تھیں۔ وہ قدم قدم چلتی بابا کے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا کر رہے تھے آپ، مصروف تو نہیں تھے؟" وہ بھی ویسی شفقت سے بات کر رہی تھی جیسے ان کے والدین کیا کرتے ہیں۔ انداز میں احترام تھا۔ علینا بیگم نے سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے۔

"نہیں میں بالکل بھی مصروف نہیں۔ اور اگر ہوا بھی تو میری بیٹی کی بات پہلے سننا زیادہ ضروری ہے۔" بابا کی بات پر وہ مسکرا دی۔ وہ کچھ نروس سی ہو رہی تھی لیکن بات تو کرنی تھی

"بابا مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے تمہید باندھی۔

"بلا جھجھک بولو بیٹا۔" اس نے ذرا سی گردن موڑ کر ماں کو دیکھا جو دعا مانگنے میں مصروف تھیں۔

"دراصل بابا.... وہ جو میرے باس ہیں.... انہوں نے مجھے.... وہ.... مجھ سے....۔"

"ایسی کیا بات ہے بیٹا جو تم بتانا بھی چاہ رہی ہو اور بتا بھی نہیں پا رہی۔" انہوں نے بہت نرمی سے کہا۔

"وہ میرے باس... میرے لیے... وہ... وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہیں۔" اس نے آنکھیں بند کر کے تیزی سے اپنا جملہ مکمل کیا۔ اسجد صاحب خاموشی سے اسے دیکھنے لگے۔ کوئی جواب نا پا کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ذرا سہم گئی۔ گردن موڑ کر ماں کو دیکھا۔ وہ حیران سی علیزے کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

"تو تم نے کیا کہا اپنے باس کو؟" سکتہ ٹوٹا تو وہ کچھ پوچھنے کے قابل ہوئے۔

"میں نے.... میں نے کہا کہ آپ اس سلسلے میں میرے والدین سے بات کریں۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا تو اسجد صاحب نے ایک

گہری سانس اندر کھینچ کر باہر نکالی۔ماں بھی اٹھ کر بیڈ پر آکر بیٹھ گئیں۔

"نام کیا ہے اس کا؟"

"مومن درانی۔"

"ٹھیک ہے اسے کہو ہمارے گھر آکر ہم سے ملے۔اگر مجھے وہ لڑکا ٹھیک لگا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"اب ذرا سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔علیزے نے ماں کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے اسے پرسکون کیا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ اپنے روم میں۔میں جب فارغ ہوں گا تو اسے گھر بلاؤں گا۔"علیزے سر ہلاتی ہوئی باہر چلی گئی۔ایک بوجھ جو اس کے دل سے اتر گیا تھا۔باہر آکر اس نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا اور پھر اپنے روم میں چلی گئی۔

''کیا آپ کو علیزے کی بات بری لگی؟''علیزے کے جاتے ہی علینا نے پوچھا۔

''اس میں برا لگنے والی کیا بات ہے۔ اچھا کیا اس نے خود مجھے آکر بتا دیا۔''

''آپ نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کیا وہ بھی اسے پسند کرتی ہے یا نہیں؟''

''اگر پسند کرتی بھی ہے تو اسے یہ حق ہے اور اگر ناپسند کرتی ہوتی تو وہ اس طرح ہمارے پاس نا آتی بلکہ وہیں انکار کر کے آتی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے خود فیصلہ نہیں کیا۔ خود سے اس لڑکے کو ہاں یا ناں کہہ کر نہیں آئی۔ بلکہ وہ ہمارے پاس آئی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے اہم فیصلے میں ماں باپ کو شریک کرنا نہیں بھولی۔ ایسے ہی تو میں اپنی بیٹیوں پر فخر نہیں کرتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے فخریہ انداز میں بول

رہے تھے، علینا بیگم بھی مسکرا دیں۔ یقیناً وہ اپنی اولاد کے لیے آئیڈیل ماں باپ اور آئیڈیل کپل تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

یونیورسٹی میں فائنل ٹرم کا دور آگیا تھا۔ سب طلبا کتابی کیڑے بن کر رہ گئے تھے۔ کچھ ہر وقت لائبریری میں بیٹھ کر پڑھ رہے ہوتے، کچھ کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوتے اور کچھ کیفے میں بیٹھ کر ساتھ ساتھ پڑھائی کرتے اور ساتھ ساتھ پیٹ پوجا کرتے جاتے۔ بہت سارے ایسے بھی تھے جو سارا سال بھی پڑھتے رہے تھے پھر بھی انہیں ٹینشن تھی کہ انہوں نے کچھ نہیں پڑھا اور وہ خدانخواستہ فیل ہو جائیں گے اور کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے سارا سال تو کچھ نہیں پڑھا اور امتحانات سے چند دن پہلے وہ سارا سلیبس کور کر لینا چاہتے تھے۔ اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے نا تو سارا سال پڑھا تھا اور نا اب پڑھ رہے

تھے۔وہ تو بس پیپر سے ایک دن پہلے ساری کتاب حفظ کرنے کے چکر میں تھے۔کچھ شرارتی طلبا نا خود پڑھتے تھے اور نا دوسروں کو پڑھنے دے رہے تھے۔بس اسی طرح دن گزرے اور پھر گزرتے چلے گئے۔امتحان آ کر جا چکے تھے۔طلبا کو ایک ہفتہ فری ملا تھا چاہے وہ یونیورسٹی آئیں۔چاہیں تو گھر پر ریسٹ کریں۔

امتحانات کے دوران ماریہ اور فرح کی بات چیت بالکل بند تھی۔ماریہ اس سے ناراض تھی اور فرح نے اس کی ناراضگی ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔جنگلوک نے بھی دو تین دفعہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اسے ایسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی جیسے وہ اسے جانتی ہی نا ہو۔اس نے جو ایک ہفتہ فری ملا تھا یونیورسٹی میں گزارنے کے بجائے گھر گزارنے کو ترجیح دیا۔

حماد اور عنایہ کی ملاقاتیں دن بہ دن بڑھتی جارہی تھیں۔ حماد کو اس سے محبت نہیں ہوئی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ ایک دن وہ اس سے محبت بھی کرنے لگے گا۔ وہ دونوں جہاں جاتے ان کا ایک فوٹو گرافر ان کے ساتھ جاتا جس سے وہ دونوں بے خبر تھے۔

اسی دوران ہاشم دبئی سے واپس آچکا تھا اور پھر سے آفس کے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔ ہاشم کے آنے کے کچھ دن بعد یاور نے مومن اور علیزے کے بارے میں بات کی تھی۔ ایک رات وہ اپنے روم میں کھڑکی کے پاس رکھی ونگ چیئر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے روم کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی جہاں سے پورا لان نظر آتا تھا۔ یہاں تک کے گھر کے باہر کا منظر بھی۔ جیسے کہ روڈ اور دوسرے گھر۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس سے ٹھنڈی اور تازہ ہوا اندر آرہی تھی۔ وہ پیچھے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوا تھا۔ تبھی یاور دروازہ ناک کر کے

اندر آیا۔ لیکن وہ ایسے ہی آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔ وہ قدم قدم چلتا ہاشم کے مقابل رکھی وِنگ چیئر پر بیٹھ گیا۔ اس نے گلا کھنکھارا تاکہ ہاشم کو اس کی موجودگی کا پتا چل جائے۔ ہاشم نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں۔ سامنے یاور کو بیٹھا دیکھ کر وہ سیدھا ہوا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی میری۔" ہاشم نے ذرا معصومیت سے کہا تو یاور کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"آپ کا پتا ہے بھائی آپ اس طرح سوتے ہوئے بالکل بچے لگتے ہیں۔ میرا تو دل کر رہا تھا کہ بس ایسے ہی دیکھتا جاؤں۔" وہ بہت محبت سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم کہتے کہ میں سوتے ہوئے خوبصورت لگ رہا تھا تو زیادہ اچھا لگتا مجھے۔"

"بچے سوتے ہوئے خوبصورت ہی لگتے ہیں۔" کہتے ساتھ ہی اس کے گال پر گڑھا بنا۔ ہاشم بھی اس کی بات پر مسکرا دیا۔

"اچھا بتاؤ کیا بات تمہیں اس وقت میرے روم میں لے آئی ہے۔"

ہاشم نے کلائی پہ پہنی گھڑی کو دیکھا جو رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔

"مجھے آپ سے مومن کے بارے میں بات کرنی ہے۔"

"کیا بات؟" ہاشم نے ذرا تفکر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل وہ ایک لڑکی کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کون لڑکی؟" اب وہ چھوٹا بچہ بڑا بن گیا تھا۔

"وہ ہمارے آفس میں کام کرتی ہے۔"

"نام کیا ہے اس کا؟"

"علیزے۔" یاور نے ذرا تیزی سے کہا۔

"وہ جو ڈیزائن ڈپارٹمنٹ میں کام کرتی ہے؟"

"ہاں وہی۔"

"اچھی لڑکی ہے علیزے۔ مومن کی چوائس اچھی ہے۔ ہم کچھ دنوں تک جائیں گے ان کے گھر مومن کے لیے علیزے کا ہاتھ مانگنے۔" وہ مطمئن سا ہو کر پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یاور نے اثبات میں سر ہلایا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

پچھلے کچھ دنوں سے وہ ایک عجیب بے چینی میں مبتلا تھا۔ بنا قصور کے ملنے والی سزا اسے تکلیف دے رہی تھی اسی تکلیف کو کم کرنے کے لیے وہ بئیر کی پانچ بوتلیں اٹھا لایا تھا اور ان میں سے دو خالی کر چکا تھا۔ وہ دو دفعہ بے حجابانہ اس کے سامنے آ کر اس کی نیند حرام کر چکی تھی۔

"وہ اتنی خوبصورت تو نہیں ہے کہ اس کی محبت میں گرفتار ہوا جائے۔ پھر کیوں میں اسے دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا ہوں۔" وہ

بیڈ کے پاس نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ مسلسل سوچوں کی وجہ سے اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا لیکن وہاں کسے پرواہ تھی۔

"وہ کیوں ایسی ہے کہ مجھے ہر خوبصورت چمکتا ہوا چہرہ بھی اس کے سامنے بجھا ہوا لگتا ہے۔ ایسا کیا ہے اس میں جو میں اتنا بے بس ہوا جا رہا ہوں۔" اس کی آنکھیں ریڈ ہو چکی تھیں۔

اس نے بہت ساری مسلمان لڑکیاں دیکھی تھیں لیکن کوئی بھی اسے اس کی طرح خوبصورت نہیں لگی تھی۔ اسے تو مسلمان لڑکیاں پسند ہی نہیں تھیں۔ یونیورسٹی میں اکثر لڑکیوں کا اس پر کرش تھا۔ لڑکیاں اس کے ساتھ سیلفیاں لیتی تھیں اور پھر خوشی سے پھولے نا سماتی تھیں۔ وہ چینگ من کو لگی کہتی تھیں کہ وہ اس انسان کی دوست ہے جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لڑکیاں مری جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ مسلمان لڑکیوں کا بھی اس پر کرش تھا۔ وہ حجاب نہیں کرتی

تھی تھیں لیکن ان کا لباس مکمل ہوتا۔ کچھ کے سر پر دوپٹہ ہوتا تھا اور کچھ بغیر دوپٹے کے۔

وہ بھی جنگکوک کے ساتھ سیلفی لینا چاہتی تھیں لیکن اس نے کبھی اک نظر مڑ کر بھی ان مسلمان لڑکیوں کو نہیں دیکھا۔ سخت چڑ تھی اسے مسلمانوں سے۔ لیکن اس میں ایسا کیا تھا کہ وہ پہلی ملاقات پر ٹکرانے کے باوجود بھی اسے کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ ایک مسلمان لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو رہا تھا۔

بہت خوبصورت لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں لیکن اسے کسی کا حسن نظر نہیں آیا۔

وہ اسے دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی قرار دے رہا تھا۔ جو وائٹ رنگت لیکن معمولی نین نقش کی مالک تھی۔ اس کا چہرہ اتنا پر نور اور

چمکتا ہوا تھا کہ جنگلوک کو ارد و گرد موجود خوبصورت خواتین نظر نہیں آتی تھیں۔

"شاید میں اسے محبت کی نظر سے دیکھ رہا ہوں۔" اس نے ایک ہی سانس میں تیسری بوتل ختم کر دی۔

"مجھے ایک مسلمان لڑکی سے محبت نہیں کرنی تھی۔" اس نے محبت کو ایک سائڈ پر رکھ کر سوچنا چاہا لیکن وہ پھر ویسی ہی خوبصورت تھی۔ یا وہ محبت کو اس سے جدا کر ہی نہیں پایا۔

کتنی ہی دیر وہ بے چین سا بیٹھا پہلو بدلتا رہا اور بئیر کے گھونٹ بھرتا رہا۔ رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کی طرف جا رہی تھی۔ اور وہ لمحہ بہ لمحہ پگھل رہا تھا۔

ooooooooooooooooo

رات کا نا جانے کونسا پہر تھا اور وہ لیپ ٹاپ لیے بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے کسی امیدوار کی سی وی تھی۔ ہر پیج پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔

BAKHTAWER D/O Wajaht

اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ پھر سائیڈ سے موبائل اٹھایا اور کسی کو کال ملائی۔ فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"یہ جو بختاور نام کی لڑکی ہے۔ اس نے ہماری کمپنی میں جاب کے لیے اپلائی کیا ہے۔ اسے ریجیکٹ کر دو۔"

"مگر سر...."

"اسے فرقان کنسٹرکشن میں ہی رہنے دو۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

"کب تک تم اس حسن کی دیوی کے حسن سے نظریں چراؤ گے یمان۔ ایک نا ایک دن تم اس کے حسن کے جال میں پھنس جاؤ گے۔

تب..... تب میں تم سے اسے چھین لوں گا۔" یمان کے ذکر پر ہی اس کے اندر کڑواہٹ بھر آتی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ بند نہیں کر سکا۔ وہ بس اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا اور اس کا موازنہ کسی اور سے کر رہا تھا۔ وہ حسن کی دیوی بھی جیونگ کو اس کے سامنے معمولی شکل و صورت والی لگ رہی تھی۔ حالانکہ دس سال سے اسے دیکھا نہیں تھا۔

ooooooooooooooooo

"مے آئی کم ان سر؟"

وہ اس وقت اپنے آفس میں روم میں بیٹھا ہوا تھا جب اس نے دروازے سے ذرا اندر جھانک کر اجازت لی۔

"یس کم ان۔"

اجازت پر وہ پورا دروازہ کھول کر اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا۔ وہ اب آفس پورے وقت پر آیا کرتی تھی کیونکہ اسے پہلے دن کی سزا بہت اچھے سے یاد تھی۔

"سر آپ کی کافی۔" کافی کا کپ یمان کے سامنے رکھا۔ وہ اس کے اس انداز سے کافی محظوظ ہوتا تھا جو وہ زبردستی یمان کے لیے اپنائے ہوئے تھی۔

"جزاک اللہ۔" سرسری سی نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کافی کا مگ اٹھا لیا۔ وہ کافی گرم ہی پیتا تھا۔ کافی کا کپ اٹھا کر اس نے لبوں سے لگایا جبکہ وہ پاس ہی کھڑی رہی۔ کیمل کلر کا لانگ کوٹ پہنے، اسی رنگ کے بلاک ہیل شوز پہنے، بالوں کا جوڑا بنائے اور اسی رنگ کے مفلر کو گلے میں ڈالے وہ بہت ڈیسنٹ سی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی ڈریس کا کلر پکڑ چکی تھیں۔ شاید اس کی آنکھیں رنگ

بدلتی تھیں۔ ناخنوں پر لائٹ کلر کی نیل پالش لگا رکھی تھی۔ میک اپ تو وہ کم ہی کرتی تھی لیکن لپ اسٹک اور مسکارا لازمی لگاتی تھی۔ یہ دو چیزیں اس کی فیورٹ تھیں۔ یمان نے کبھی توجہ ہی نہیں دی کہ وہ دکھنے میں کیسی ہے۔ وہ بس اتنا جانتا تھا کہ اس پہلی ملاقات کا بدلہ کیسے لینا ہے۔ اتنی دفعہ اسے ستا لینے کے بعد بھی اسے سکون نہیں ملا تھا۔

"مس بختاور۔"

کافی کا کپ واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے یمان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی سر۔" وہ بالکل کسی ایکٹیو بچے کی طرح فوراً بولی۔

"یہ فائل ہے اور اس کے اندر کچھ ڈاکومنٹس ہیں جو آپ کو کاپی کروا کر لانے ہیں۔ مجھے دس منٹ کے اندر اندر یہ فولڈر واپس چاہیے۔"

اسے آرڈر دے کر پھر سے کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"اوکے سر۔" اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ یمان کا اپنی ہنسی پر کنڑول مشکل ہو گیا لیکن وہ کنڑول رکھے ہوئے تھا۔

"اب آپ جا سکتی ہیں۔" دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بختاور نے ایک تلخ نگاہ یمان پر ڈالی اور پھر فائل اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔ اس کی جاتے ہی اس نے اپنی قید ہنسی کو آزاد کیا۔

"دیکھو تو ذرا۔ یہ اتنے زیادہ پیج ہیں۔ دس منٹ میں کیسے یہ سارے کاپی کر کے لاؤں گی۔" باہر آتے ہی اس نے فائل میں موجود صفحات دیکھے جن کی تعداد واقعی ہی بہت زیادہ تھی۔ دل میں یمان کو کوستی ہوئی وہ پرنٹر تک آئی اور ایک ایک صفحے کو کاپی کرنے لگی۔

"یہ تو بتایا ہی نہیں کہ ایک پیج کو کتنی دفعہ کاپی کرنا ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔

"شاید ایک ایک دفعہ ہی کرنا ہے۔"خود سے کہتی وہ اپنے کام میں لگ گئی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ یمان کے آفس میں واپس آئی تو وہاں پر پہلے سے ایک لڑکی موجود تھی۔ جو یمان کی کرسی کے پاس کھڑی تھوڑا آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ پہ یمان کو کچھ دکھا رہی تھی۔ نا جانے کیوں بختاور کو وہ لڑکی یمان کے اتنے قریب بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ پوچھے بغیر اندر چلی آئی۔ وہ دونوں پھر بھی ویسے ہی مصروف رہے۔ خود کا اس طرح نظرانداز ہونا بختاور کو اچھا نہیں لگ رہا تھا تبھی اس نے گلا کھنکھار کر ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ دونوں نے ایک ساتھ لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ یمان نے بائیں ابرو اچکائی۔

"آپ کس کی اِجازت سے اندر آئی ہیں؟"

"آپ کی۔"

"لیکن آپ نے اجازت لی ہی نہیں۔"

"میں نے اجازت لی تھی سر۔" اس نے لب بھینچے۔

"اچھا کب؟" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"سر میں نے اجازت لی تھی اور آپ نے کہا تھا کہ اندر آجائیں۔" اس نے ذرا تپے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں مس بختاور! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ نے اجازت نہیں لی۔ اگر لی ہوتی تو ہم میں سے کوئی ایک تو سن لیتا۔" اس لڑکی نے کہا تو بختاور نے اسے تیکھے انداز سے گھور کر دیکھا تو وہ بیچاری سہم کر چپ کر گئی۔

"خیر! بتائیں آپ کو کیا کام تھا؟" یمان اب اصلی بات کی طرف آیا جیسے اسے اجازت نامے میں فی الحال دلچسپی نہیں تھی۔

"سر یہ فولڈر..... میں یہ سارے ڈاکومنٹس کاپی کر کے لے آئی ہوں۔"اس نے فائل کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ کو یہ فائل دس منٹ میں لانے کو کہا تھا اور آپ پورے ایک گھنٹے بعد آئی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"سر بہت زیادہ صفحات تھے اس لیے ٹائم لگ گیا۔"

"ٹھیک ہے پھر آپ یہ پکڑیں اور میرے روم سے باہر جا کر کھڑی ہو جائیں۔جب تک میں نا بلاؤں آپ اندر نہیں آ سکتیں۔" فائل اس کے آگے کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔انداز ایسا تھا جیسے ایک ٹیچر اسٹوڈنٹ کو دیر سے اسائنمنٹ جمع کروانے پر سزا کے طور پر اپنے آفس یا کلاس سے باہر نکال دیتی ہے۔اور کہتی ہے جب تک میں نا کہوں تم واپس کلاس میں نہیں آ سکتے۔بختاور کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔اس لڑکی کے سامنے اسے اپنی انسلٹ بہت بری لگی تھی۔چپ

چاپ فائل اٹھا کر باہر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی یمان پھر سے لیپ ٹاپ پر لڑکی کا کام دیکھنے لگ گیا۔

وہ باہر آ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ خود کو رونے سے روکنے لگی۔ وہ ایسے کھڑی ہوئی جیسے اپنی مرضی سے یہاں پر کھڑی ہے یا وہ کسی کام سے کھڑی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

دن کے بارہ بج رہے تھے اور وہ کچن میں کھڑی اپنے لیے نوڈلز بنا رہی تھی۔ باہر دور بیل بجی۔ وہ اپنے نوڈلز چھوڑ کر تو جانے والی نہیں تھی۔ اور بوا کی آج طبیعت خراب تھی۔ منہاج بھی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے آفس نہیں گیا تھا۔ اس لیے اب دروازہ اسے ہی کھولنا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کون ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ بڑے آرام

سے اپنے نوڈلز بناتی رہی۔ڈور بیل پر تو آنے والے نے ہاتھ ہی رکھ دیا تھا۔

ادھر روم میں منہاج کی نیند بری طرح خراب ہو رہی تھی۔وہ کروٹ پر کروٹ لے رہا تھا لیکن نا بیل بجانے والے کو اثر ہو رہا تھا اور نا دروازہ کھولنے والے کو۔دونوں انتہا کے ڈھیٹ تھے۔

وہ بہت آرام سے اپنے نوڈلز بنا کر دروازہ کھولنے کے لیے باہر آئی۔ دروازہ کھلتے ہی بیل بند ہو گئی تھی لیکن وہ سامنے بیل پر ہاتھ رکھے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔کھل گیا ہے دروازہ۔آجاؤ اندر۔" لاپرواہی سے کہہ کر وہ واپس کچن میں چلی آئی۔وہ بھی غصے سے دروازہ بند کر کے ماریہ کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔

"میں کب سے بیل دے رہا ہوں تم دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں؟" اس نے چلانے کے سے انداز میں کہا۔

"کیونکہ میں کام کر رہی تھی اور اپنا کام چھوڑ کر تمہارے لیے دروازہ کھولنے نہیں آسکتی تھی۔" سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھنے لگی کیونکہ اسے یہ تو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ نوڈلز بنا رہی تھی۔

"ایسا کونسا کام کر رہی تھی تم جسے چھوڑ کر دروازہ نہیں کھولا گیا۔" وہ کچن میں اندر گھس آیا اور ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگا۔ "بنانا تو تمہیں کچھ آتا ہے نہیں اور کام کر رہی تھی تم۔" اس کی نگاہیں متلاشی تھیں۔ نوڈلز کی خوشبو کچن میں ہر سو پھیلی ہوئی تھی جو اس کے نتھنوں سے اندر جا رہی تھی۔

"ہاں تو جب مجھے کچھ بنانا نہیں آتا تو تم کچن میں کیوں آئے ہو؟" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"ہاں یہ تو سچ ہے لیکن مجھے نوڈلز کی خوشبو آ رہی ہے۔ کہاں چھپائے ہیں؟"

"دیکھو حماد! وہ نوڈلز میرے ہیں اور میں ہی کھاؤں گی۔ اس لیے میرے نوڈلز پر اپنی نیت خراب مت کرو اور جا کر اپنے بناؤ۔"

"تو اس کا مطلب میری بہن نے نوڈلز بنائے ہیں لیکن چھپا دیئے ہیں۔ کوئی بات نہیں میں ڈھونڈ لوں گا۔" کہتے ساتھ ہی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگ گیا۔ حماد کا چہرہ دوسری جانب تھا۔ تبھی وہ اتنے بڑے برتن کے نیچے سے ایک چھوٹا سا باؤل اٹھا کر جانے لگی لیکن قسمت خراب حماد اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لپکا اور اس کا بازو پکڑ لیا۔

"حماد میرا ہاتھ چھوڑو۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اپنا بازو چھڑواتی وہ چلائی۔

"اگر تم آرام سے بتا دیتی تو میں ایسے نا چھینتا۔ تم نے کیوں چھپائے اور چھپا کر کیوں لے کر جا رہی تھی؟" ایک طرف سے باؤل حماد نے پکڑ لیا تھا۔

"کیونکہ یہ میں نے بنائے ہیں اور انہیں میں ہی کھاؤں گی۔ اس لیے تم انہیں چھوڑو۔" اس نے احتیاط سے باؤل کو واپس کھینچنا چاہا۔

"نہیں تم اپنے لیے اور بنا لو۔ یہ میں کھاؤں گا۔" حماد نے اپنی طرف باؤل کو کھینچا۔

"ہرگز نہیں! میں تمہیں بالکل بھی نہیں دوں گی۔" اسی طرح وہ دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ باؤل کو ادھر ادھر کھینچنے لگے۔ ان کی آوازیں بھی بہت اونچی ہوتی جا رہی تھیں۔ ان کے شور سے پریشان ہو کر منہاج اپنے روم سے باہر آگیا۔ دونوں کو لڑتا دیکھ کر اسے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔

"کیا تم دونوں پاگل ہو۔ جانوروں کی طرح لڑ رہے ہو۔" منہاج کے اچانک بولنے پر وہ دونوں ایک دم ڈرے اور اسی ڈر کے درمیان باؤل زمین پر گر کر کئی حصوں میں ٹوٹ کر بکھر گیا اور نوڈلز بھی زمین بوس ہو چکے تھے۔ ماریہ منہ کھولے نوڈلز کو دیکھ رہی تھی جبکہ حماد کبھی ماریہ کو تو کبھی نوڈلز کو۔

"تم دونوں کبھی نہیں سدھر سکتے۔" منہاج نے تاسف سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ ماریہ کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ اس نے لب بھینچ کر دکھ سے حماد کو دیکھا۔

"کیا دشمنی ہے تمہاری میرے ساتھ۔ ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہو۔" حلق میں گولہ سا اٹک گیا۔ بمشکل بول کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ حماد نے شرمندہ ہو کر پہلے ماریہ کو جاتے ہوئے دیکھا پھر منہاج کو۔

"اپنے بنا لیتے تو یہ نوبت نا آتی۔ صاف کرو اب یہ۔" منہاج نے سختی سے کہا اور بڑ بڑاتا ہوا چلا گیا۔

"اللہ جانے کس برے وقت میں گھر آ گیا تھا۔" کہتے ہوئے وہ زمین پر بیٹھ گیا۔اور سارا کچن آدھے گھنٹے میں صاف کیا۔ کچن صاف کرنے کے بعد اس نے دوسرے نوڈلز کے لیے پانی رکھ دیا۔

"گھر کا تھا سکون کے لیے۔ لیکن ان دونوں کے ہوتے ہوئے سکون مل ہی کا جائے ہمیں۔" منہاج بڑ بڑاتا ہوا بیڈ پر اوندھے منہ لیٹ گیا۔

"پھر شکلیں بھی دونوں اتنی معصوم بنا لیتے ہیں سمجھ نہیں آتا بندہ ترس کس پر کھائے اور کسے مجرم کہے۔" کشن منہ کے آگے رکھتے ہوئے اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔اس کے سر میں مسلسل شور کی وجہ سے درد ہونے لگا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"وہ پچھلے تین گھنٹوں سے وہاں پر کھڑی تھی۔اس کے پاس ایک بینچ پڑا ہوا تھا لیکن اسے سزا میں کھڑا رہنے کو کہا گیا تھا اور وہ تب سے کھڑی ہی تھی۔ لیکن اب مسلسل کھڑے رہ اس کا سر چکرانے لگا تھا اس لیے وہ دیوار کا سہارا لیے کھڑی تھی۔ پاؤں میں بھی سوجن کا احساس ہو رہا تھا۔ آتے جاتے سب اس کے وہاں کھڑے ہونے کی وجہ پوچھ رہے تھے لیکن وہ مسکرا کر کوئی نا کوئی وجہ بتا دیتی۔ ابھی بھی وہ ایسے ہی دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھے کھڑی تھی جب یمان اپنے آفس سے باہر آیا۔ بختاور کو وہاں کھڑے دیکھ کر وہ وہیں رک گیا۔

"مس بختاور آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" وہ اسی کے پاس چلا آیا۔ اس نے سرسری نظر اٹھا کر یمان کو دیکھا۔ کیا وہ کام کی وجہ سے بھول گیا تھا یا وہ واقعی ہی بھلکڑ تھا۔ یا پھر بن رہا تھا..... جان بوجھ کر۔

"سر شاید آپ بھول رہے ہیں کہ یہاں آپ نے مجھے کھڑا ہونے کے لیے کہا تھا۔" اس نے ابھی تک دیوار کو پکڑا ہوا تھا۔ یمان نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

"کیا آپ کو یہ بینچ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آپ یہاں پر بھی بیٹھ سکتی تھیں۔" یمان کو اس کی طبیعت خراب لگ رہی تھی۔

"لیکن آپ نے کھڑا رہنے کے لیے کہا تھا۔" اس نے دیوار پر اپنی گرفت مضبوط کرنی چاہی۔ لیکن وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے پکڑ کر وہ مزید کھڑی رہ پاتی۔

"ہاں بات تو آپ بہت مانتی ہیں نا میری۔" طنز سے کہتے ہوئے اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور ایک گہرا سانس لے کر اسے دیکھا جو اب بس گرنے ہی والی تھی۔

"آر یو او کے؟" وہ تھوڑا سا اس کے قریب آیا۔ اس سے پہلے وہ بولتی وہ بری طرح چکرا گئی۔ یمان نے آگے بڑھ کر اسے پکڑا اور پاس پڑے بینچ پر بیٹھا دیا۔ عجیب آکورڈ سی سیچویشن ہو گئی تھی۔ کچھ سٹاف دوڑ کر ان دونوں کے پاس آیا۔

"کیا ہوا سر؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"جائیں پلیز پانی لے کر آئیں۔" یمان نے اسی لڑکی کو کہا تو وہ بھاگتی ہوئی پانی لینے گئی۔

"مس بختاور آر یو او کے؟" یمان نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔

"ہمم۔" اس نے مشکل سے سر اوپر نیچے ہاں میں ہلایا۔ یمان اسی کے ساتھ ذرا فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی پانی لے کر آئی تو یمان نے اس سے گلاس لے کر بختاور کے لبوں کے نزدیک کیا۔ اس نے ذرا چونک

کر پھر ذرا غصے سے یمان کو دیکھا۔اور پھر پانی کا گلاس اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔ یمان نے حیرانی سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔

"مس بختاور اگر آپ چاہیں تو آپ گھر جا سکتی ہیں۔" جب وہ پانی پی کر کسی حد تک نارمل ہو گئی تو یمان نے کہا۔اس نے یمان کی طرف دیکھا جہاں کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

"مجھے بہت کام ہے۔گھر جا کر اپنا وقت برباد نہیں کر سکتی۔"اس نے سختی سے کہہ کر ایک فائل یمان کے سامنے کی۔"یہ رہی آپ کی فائل جس کی وجہ سے آپ کے سارے ورکرز ہمارے ارد گرد اکٹھے ہو گئے ہیں۔" پہلے تو اس نے ناسمجھی سے بختاور کو دیکھا پھر گہری سنجیدگی سے سٹاف کو دیکھا۔وہ سارے گردنیں جھکائے اپنی اپنی سیٹ پہ واپس چلے گئے۔

"یہ فولڈر میرے کسی کام کا نہیں ہے۔ڈسٹ بن میں ڈال دیجیے گا۔"وہ کہہ کر جانے لگا پھر رک گیا۔"اگر آپ کو غلطیاں کرنے کا شوق ہے تو خود کو سزا کے لیے بھی تیار کر کے آیئے گا۔یہاں پر ایسے کمزور لوگوں کی جگہ نہیں ہے میرے پاس۔"کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔وہ منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اگر یہ فائل کسی کام کی نہیں تھی تو میرا اتنا ٹائم وہاں پر ضائع کیوں کروایا اور سزا الگ دی۔"اس نے غصے سے پہلے اس جانب دیکھا جس طرف وہ گیا تھا، پھر اس کے آفس کی طرف دیکھا۔پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور اٹھ کر یمان کے آفس میں چلی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ منہاج کے روم میں آیا تو روم میں اندھیرا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی اور چلتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آیا جہاں وہ اوندھا پڑا سو رہا تھا۔حماد کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھا جسے اس نے سائیڈ پر رکھا اور منہاج قریب جا کر اسے پکارا۔

"بھائی.... بھائی چائے۔" منہاج نے ذرا سا گردن کو سیدھا کر کے اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں نیند سے لبریز تھیں اور اس کے چہرے کا تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے شدید سر درد ہو رہا ہے۔بمشکل وہ اٹھ کر سیدھا ہوا۔

"تم چائے کیوں لے کر آئے ہو؟" وہ ذرا سا حیران ہوا۔

"مجھے لگا آپ کو اس کی ضرورت ہو گی۔" اس نے چائے کا کپ منہاج کی جانب بڑھایا۔اس نے مسکرا کر تھام لیا۔

"ہاں واقعی ہی دل تو بہت کر رہا تھا چائے پینے کا۔ بہت شکریہ۔" اس نے کپ واپس میز پر رکھ دیا۔ "لیکن پہلے مجھے سر درد کی دوا کا دو پھر چائے پیوں گا۔"

منہاج کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا واپس کچن میں آیا اور ایک کیبنٹ سے میڈیسن باکس نکالا اور اس میں سے سر درد کی دوا لی۔ پھر ایک جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیلا اور واپس منہاج کے روم میں آیا۔ میڈیسن منہاج کو دی۔ منہاج نے اس کے ہاتھ سے میڈیسن لی اور ایک گولی نکال کر منہ میں رکھی اور پھر پانی کے ساتھ نگل لی۔ حماد اس کے پاس بیڈ پر ٹانگیں نیچے کیے بیٹھا ہوا تھا۔ منہاج پیچھے ٹیک لگا کر بغور اسے دیکھنے لگا۔ حماد نے نا سمجھی سے اسے دیکھا اور پھر سوالیہ ابرو اچکائے۔ جواب نا پا کر وہ ذرا کنفیوز ہوا تو منہاج زیر لب مسکرا دیا۔

"کیا تم اب بھی ماریہ کو مما کی موت کا قصوروار سمجھتے ہو؟" اس اچانک سوال پر منہاج نے گڑبڑا کر منہاج کو دیکھا۔

"بتاؤ کیا تمہیں اب بھی یہی لگتا ہے؟"

"آپ نے اچانک سے یہ سوال کیوں پوچھا بھائی؟" اس نے بہت دھیرے سے پوچھا۔

"تمہارا اس کے ساتھ جو رویہ ہے وہ بالکل بھی بھائیوں جیسا نہیں لگتا مجھے۔ ایسے لگتا تم یہ سب اسے تکلیف پہنچانے کے لیے کرتے ہو۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا؟" وہ شاید ہرٹ ہوا تھا۔

"کیونکہ تم اسے مما کی موت کا زمہ دار سمجھتے ہو۔" منہاج نے بغور اسے دیکھا۔

"تھا۔ اب نہیں۔ پہلے مجھے لگتا تھا کہ اس کے اس دنیا میں آنے سے مما اس دنیا سے چلی گئی ہیں۔ لیکن جب مجھے احساس ہوا کہ زندگی اور

موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تب مجھے اس کے لیے تکلیف ہوئی تھی۔تب میں اپنے ضمیر کی عدالت میں خود کو مجرم سمجھتا رہا۔"اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"اور تمہیں اس بات کا احساس کب ہوا تھا؟"

"جس دن وہ یونیورسٹی سے کسی سیمون آفندی کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کا یوں غائب ہو جانا۔آپ جانتے ہیں وہ چند پل کتنے بھاری تھے مجھ پر۔تب مجھے احساس ہوا کہ میں اندر کہیں نا کہیں اپنی بہن سے محبت کرتا ہوں اور اس کی گمشدگی نے جیسے سانس لینے میں دشواری پیدا کر دی ہو۔"اسے پتا بھی نہیں چلا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"پھر بھی تم نے اسے ہرٹ کیا۔"

"بھائی میں نے وہ نوڈلز...."

"جس دن وہ لاپتا ہوئی تھی تم نے اسے کافی تکلیف دہ باتیں کہیں تھیں۔" منہاج نے اس کی بات کو درمیان میں کاٹا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھنے لگا۔

"آ.... آپ کیسے جانتے ہیں۔"

"شکر کرو بس میں جانتا ہوں۔ اگر ہاشم بھائی یا یاور میں سے کوئی جانتا ہوتا تو تمہارا کیا حال کرتے۔ سوچا ہے تم نے؟" وہ شرمندہ سا سر جھکا گیا۔

"میں اس بات کا دبا رہا تھا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اس لیے وہ سب کہا۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ منہاج تلخ سا مسکرایا۔

"یعنی تمہیں اس کی قدر ہو گئی ہے۔ محبت نظر آ گئی اپنے دل میں تمہیں اس کے لیے؟" مہناج کے پوچھنے پر اس کے ہاں میں سر ہلایا۔

"اگر تم اس سے محبت کرتے ہو تو پھر اسے ستاتے کیوں ہو؟"

"ہر بھائی اپنی بہن کو ایسے ہی ستاتا ہے بھائی۔ہاں میں مشکوک اس لیے ہوں کہ بچپن سے ہی میرے اور اس کے تعلقات اچھے نہیں رہے۔میرا مقصد اسے تکلیف پہنچانا ہوتا تھا۔میں بس چاہتا تھا کہ کسی طریقے سے وہ یہاں سے چلی جائے اور میری ماں واپس آجائے۔پھر جب تھوڑا بڑا ہوا تو احساس ہوا کہ مرے ہوئے لوگ کبھی واپس نہیں آسکتے۔پھر میرے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا مزید بڑھ گئی۔لیکن اب ضمیر کی عدالت میں خود کو مجرم ٹھہراتا ہوں بھائی۔"

"اگر اس سے محبت کرتے ہو تو اسے ہرٹ کیوں کیا۔جانتے ہو اسے نوڈلز کے ضائع ہونے کا دکھ نہیں تھا۔اسے تمہارے ایسے رویے کا دکھ تھا۔اگر تم اسے بہنوں کی طرح چاہنے لگو تو ہماری بہن ان بہنوں میں سے ہے جو اپنے بھائیوں کے لیے جان بھی دے سکتی ہے چاہے کتنی بھی ڈرپوک کیوں نا ہو۔"وہ زخمی سا مسکرایا۔

"میرا مقصد اسے تکلیف دینا نہیں تھا اس لیے یہاں سے جا کر اس کے لیے نوڈلز بناؤں گا اور پھر اس کے روم میں اسے دے کر آؤں گا اور سوری بھی بول دوں گا۔" حماد کی بات پر وہ پورے دل سے مسکرایا۔

"لیکن ایک دفعہ بچپن میں اس نے تمہیں نوڈلز نہیں دیئے تھے تو تم نے گرادیئے۔ اور سوری بھی نہیں بولا۔ الٹا اسے ایک کمرے میں بند کر دیا اور ہم سب کتنا پریشان ہوئے تھے۔ بوا کے بیٹے نے ڈھونڈا تھا پھر اسے۔" پرانی ایک یاد پر وہ دکھی سا مسکرایا۔

"بوا کا بیٹا۔" حماد کے ذہن کے پردوں میں چند پرانے منظر تازہ ہوئے۔ بوا کے بیٹے کے ساتھ اس کی کچی پکی سی دوستی تھی۔ وہ اس گھر سے کیوں گیا، وہ اس بات سے انجان تھا۔ اسے انجان رکھا گیا تھا۔

"پتا نہیں وہ کیوں فرقان ہاؤس کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔" وہ زیر لب بولا۔ منہاج کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس گھر کے

درو دیوار بھی اس شخص کو بھول گئے تھے۔اس پندرہ سال کے بچے کو اب کوئی بھی یاد نہیں کرتا تھا۔ غلطی سے بھی کوئی اس کا نام نہیں لیتا تھا۔آج ناجانے وہ کیسے یاد آگیا۔ہاں واقعی ہی...... کبھی کبھار حال کا کوئی قصہ انسان کو پل میں ماضی کی سیر کروا دیتا ہے۔چاہے وہ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نا ہو۔ہاں جس رات وہ اس گھر سے گیا تھا، حماد اس رات سو رہا تھا۔وہ سوتا ہی رہ گیا جب اس کا وہ دوست اس سے بچھڑ گیا۔منہاج نے زور سے اپنی آنکھیں بند کر کے انہیں کھولا۔

"تمہیں پتا ہے مما کو بہت خواہش تھی کہ ان کی ایک بیٹی ہو۔مجھے بس اس بات کا دکھ رہے گا کہ مما کی یہ خواہش پورے ہوتے ہی وہ اس دنیا سے چلی گئیں۔اگر وہ ہوتی تو کبھی اپنی اکلوتی بیٹی کو ذرا سی تکلیف بھی نا ہونے دیتیں۔بہت محبت اور نازوں سے پالتی۔"

منہاج نے حماد کی توجہ ہٹانے کے لیے ٹاپک بدلا تھا لیکن ماں کے زکر

پر دونوں بھائیوں کی آنکھوں سے آنسوں نکل آئے لیکن دونوں نے انہیں صاف کرنے کی زحمت نہیں کی۔ان کا ماضی ہر لحاظ سے تکلیف دہ تھا۔کوئی بھی ایسی یاد نہیں تھی کہ وہ خوش ہو جاتے۔ان کا ماضی تکلیفوں سے بھرا پڑا تھا۔ کبھی ماں بچھڑ جاتی ہے تو کبھی باپ اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ایک دکھ یہ کہ ماں اپنی بیٹی کی خوشی نہیں منا سکی تو دوسری یہ کہ ان کا چھوٹا بھائی ان کی اکلوتی بہن سے نفرت کرتا تھا۔ کبھی ماں کی موت کو قبول نا کرتے ہوئے منہاج لاپتا ہو جاتا ہے۔

دونوں بہن بھائیوں کا دوست جس کے ساتھ وہ سب اٹیچڈ تھے وہ خاموشی سے اس حویلی سے چلا گیا۔ہاشم کا دل ٹوٹا تو وہ سب بھی ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ تکلیفیں ہی تکلیفیں تھیں۔ناجانے ابھی مستقبل میں کس نے کونسی تکلیف دیکھنی تھی۔

"اب بھی تو اتنے لاڈوں سے پالا ہے سب بھائیوں نے اسے۔" حماد نے کہا۔

"لیکن مجھے لگتا ہم اس کی پرورش اس طرح نہیں کر سکے جس طرح ماں کرتی۔ کیونکہ ماں کو بہتر پتا ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کو کس طرح پالنا ہے۔ بہت یاد آتی ہے ماں کی۔" آخری جملے پر وہ مسکرا بھی نا سکا۔ حماد نے اسے دیکھا اور زور سے اسے گلے لگا لیا۔

"مجھے بھی ماں بہت یاد آتی ہے بھائی۔ مجھے ماں بہت یاد آتی ہیں۔ دونوں کو کتنی جلدی تھی ہمیں چھوڑ کر جانے کی۔ کوئی ایک تو ہمارے پاس رک جاتا۔" وہ بالکل بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ منہاج اپنی پشت پر اس کے آنسوؤں کی تپش محسوس کر سکتا تھا۔

"چلو بہت وقت ضائع کر دیا میرا۔ اب ہٹو پیچھے۔" منہاج نے اسے خود سے علیحدہ کیا تو اس نے مسکراتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔

"جاؤ اب جا کر اس کے لیے نوڈلز بناؤ اور مجھے سونے دو۔"

"میں اتنے پیار سے آپ کے لیے چائے بنا کر لایا تھا وہ تو آپ نے پی نہیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے منہاج کو گھورا۔

"ہاں تو تمہیں کس نے کہا تھا ایموشنل ڈرامہ کرنے کو، تمہاری وجہ سے ہو گئی ٹھنڈی۔" منہاج کا انداز بالکل نخریلی لڑکی کی طرح تھا۔ حماد کا اپنی ہنسی پر کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا یعنی مشن کامیاب رہا۔ منہاج نے اسے دیکھا اور پھر تشکر آمیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ افسردہ چہرہ اب کھلکھلاہٹ میں بدل چکا تھا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ آپ کچھ دیر سو جائیں۔" حماد نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا چائے کا کپ اٹھایا اور جانے لگا۔

"جاتے ہوئے لائٹ آف کر جانا۔"

"اوکے۔" وہ لائٹ آف کر کے باہر نکل گیا لیکن منہاج دوبارہ سو نہیں سکا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں ایک ساتھ لفٹ سے باہر نکلے تھے۔ان کے قدموں کا رخ یمان کے آفس کی طرف تھا۔

"نیکسٹ ویک اینڈ تمہاری اٹلی کی فلائٹ ہے۔وہاں جو میٹنگ ہے اس میں تم نے پریزنٹیشن دینی ہے۔تم اس کے لیے تیار ہو نا؟" وہ ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہے تھے اور تیزی سے آفس کی طرف جا رہے تھے جب ہاشم نے کہا۔

"جی بھائی میں بالکل تیار ہوں اور اس کے لیے پروجیکٹ پر کام بھی شروع کر دیا ہے میں نے۔"

"گڈ! تمہیں وہاں کانفیڈنٹ رہنا ہے۔ وہاں کے مالکان کو بتانا ہے کہ کوریا کے کنسٹرکٹر اپنے کام میں کتنے ایماندار ہیں۔ ہمارے کنسٹرکٹر بہت محنتی ہیں۔ یہاں کے آرکیٹیکچر کس قدر محنت اور لگن سے کام کرتے ہیں۔ لوگ پیسا کمانے کے لیے محنت کرتے ہیں، پسینے بہاتے ہیں، چوٹیں بھی لگواتے ہیں لیکن اپنے کام میں بددیانتی نہیں کرتے۔ اگر کہیں کوئی مسلہ ہو تو وہ اسے اپنی عقل سے ٹھیک بھی کرتے ہیں۔ اور یہ تمام خصوصیات فرقان کنسٹرکشن کے ورکرز میں پائی جاتی ہیں۔" وہ دونوں آفس سے کچھ فاصلے پر رک گئے تھے جب ہاشم اسے کچھ ہدایات دے رہا تھا۔

"تم نے ان لوگوں پر یہ ثابت کرنا ہے تاکہ وہ بلڈنگ کے لیے ہمارے ورکرز کو چنے۔ ہمارے ساتھ پارٹنرشپ کریں یا نا کریں مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ ہماری

کمپنی کا نام خراب نا ہو۔ اس لیے ڈیئگو میں ہم لوگ جو نئی عمارت تعمیر کرنے جا رہے ہیں تم اس کا نقشہ انہیں دکھانا۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں وہ پسند آئے اور وہ پراجیکٹ ہمیں دے دیں بجائے دوسری کمپنیوں کو دینے کے۔"

"میں اس لحاظ سے پوری طرح تیار ہوں بھائی۔" وہ پھر سے چلنے لگے تھے۔

"یہ پراجیکٹ تمہاری پہلی اچیومینٹ ہو گی اس لیے کسی قسم کی کوئی غلطی نا کرنا۔"

"آپ بے فکر رہیں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔"

"ہمم... عمارت جتنی مضبوط ہوتی ہے اتنی ہی بہتر ہوتی ہے۔ اگر ذرا سی ٹھوکر پر عمارت خراب ہو جائے، اس کا ڈیزائن اور اندر کی تمام ایشیا ڈیمج ہو جائیں تو لعنت ہوتی ہے ایسے بنانے والوں پر۔ اس عمارت

کے اندر کئی زندگیاں سانسیں لے رہی ہوتی ہیں اور ہماری ایک غلطی وہ سانسیں چھین لیتی ہے۔" یمان کے ہینڈل گھماتے ہاتھ رکے۔

"بھائی زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا۔"

"اللہ نے احتیاط کا بھی کہا ہے۔اور کام کو ایمانداری سے کرنے کا بھی کہا ہے۔" ہاشم کی بات پر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر دروازہ کھول دیا۔

دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ لیکن اندر کا منظر دونوں کے قدموں کو وہیں روک گیا۔ گلاس ونڈو کے پاس وہ ہاتھ میں کچھ کاغذات لیے کھڑی تھی اور اس کے پاس ایک ڈسٹ بن تھا۔ جس میں آدھے سے زیادہ کاغذات جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ بختاور کے ہاتھ سست پڑے اور دل بہت زور سے دھڑکنے لگا۔ اس امید نہیں تھی کہ یمان اتنی جلدی واپس آجائے گا اور ساتھ میں کمپنی کے سی ای او بھی ہوں گے۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" ساری تمیز بالائے طاق رکھ کر یمان نے پوچھا۔ ماتھے پر بل پڑ گئے تھے جبکہ ہاشم ساری سیچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ البتہ یمان اس کے قریب آ گیا تھا۔

"سر آپ نے کہا تھا یہ فضول فائل ہے.... کسی کام کی نہیں ہے۔ ڈسٹ بن میں پھینک دو تو میں نے پھینک دی۔" یمان کو اس کی عقل پہ ذرا سا بھی افسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ بس اسے ستانے کے لیے یہ سب کر رہی ہے۔

"مس بختاور میں نے آپ کو یہ ڈسٹ بن میں ڈالنے کا کہا تھا جلانے کا نہیں۔" وہ غصے میں دبی دبی آواز میں چلایا۔

"سر یہ فضول تھے بعد میں بھی تو جلانے تھے نا تو میں نے پہلے ہی جلا دیئے۔" یمان نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"مس بختاور آپ جانتی ہیں آپ کی یہ حرکت ہم سب پر کتنی بھاری پڑ سکتی ہے۔" ہاشم آگے آیا اور یمان کے برابر کھڑا ہو گیا۔ "آپ جانتی ہیں کہ یہ پولیس کیس بھی بن سکتا ہے۔ آپ نے یہ سب کرنے سے پہلے سوچا کیوں نہیں۔" وہ بہت نرمی سے بات کر رہا تھا۔

"سوری سر.... وہ میں۔" اس نے بولنا چاہا لیکن یمان درمیان میں بول پڑا۔

"اس میں میرے ایک ضروری پراجیکٹ کی ڈیٹیل تھی اور یقیناً وہ بھی اسی آگ کی نظر ہو گئی ہو گی۔" یمان کے استفسار پر اس نے یمان کو دیکھا۔ "اگر یہ اتنی ہی غیر ضروری ہوتی تو میں خود اسے جلانے کا کہہ دیتا لیکن میں نے کیا کہا تھا؟.... یہی کہا تھا نا کہ ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔ پھر آپ نے یہ حرکت کیوں کی؟ آپ نے دونوں طرف

سے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے مس بختاور۔"وہ لڑکی یقیناً اس کے صبر کا امتحان تھی۔

"کیا اس میں اسی پروجیکٹ کی فائل تھی جو تم اٹلی میں پریزنٹیشن کے لیے بنا رہے تھے؟"اب ہاشم کا رخ یمان کی طرف تھا۔

"ہمم۔"یمان نے ہنکارا ابھرا۔

"تو پھر تم نے ڈسٹ بن میں پھینکنے کے لیے کیوں کہا؟"یمان سے کوئی جواب نا بن پڑا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"یہ دیں مجھے اور آپ جائیں باہر۔"بختاور سے فائل لے کر ہاشم نے اسے جانے کا کہا اور وہ چلی گئی۔

"دیکھ لوان میں ہو گی کہیں تمہاری وہ فائل اور ہاں جو کچھ یہاں ہوا ہے یاور کو نا بتانا۔بلاوجہ پریشان ہو جائے گا۔"ہاشم اب یمان سے مطمئن نظر نہیں آتا تھا۔اور اس کا قصور وار وہ بختاور کو ٹھہرا رہا تھا اسی

کی وجہ سے اس کے بھائی کا یقین اس پر سے اٹھا تھا اور اب یہ یقین اس پریزنٹیشن کی کامیابی تک واپس نہیں آسکتا تھا۔ اس لیے اس نے چپ چاپ وہ فائل دیکھنی شروع کردی۔ اور خوش قسمتی سے وہ جلنے سے بچ گئی تھی۔ فائل دیکھ کر یمان نے ایک گہری سانس لی۔

oooooooooooooooooooooo

وہ ٹرے ہاتھ میں لیے ماریہ کے روم میں آیا اور دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا۔ لیکن کوئی جواب نا پا کر وہ خود دروازہ کھول کر روم میں آگیا۔ وہ اس کی توقع کے عین مطابق بیڈ کی پائنتی کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اور سامنے ایک فوٹو فریم رکھا ہوا تھا۔ حماد دیکھ سکتا تھا کہ اس فریم میں اس کے ماما بابا کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ تصویر دیکھنے میں ایسی مگن تھی جیسے ارد گرد کی ساری دنیا ختم ہوگئی ہو اور بس تصویر اور وہ یہاں موجود ہے۔

حماد نے اسے متوجہ کرنے کے لیے گلا کھنکھارا لیکن جواب ندارد۔

اس نے ٹرے پاس پڑے ٹیبل پر رکھی اور خود اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اور فوٹو فریم اٹھا لیا۔ تبھی اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اس کے بائیں جانب بیٹھا تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

"مما سے میری شکایتیں لگا رہی تھیں؟" وہ تصویر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں میں مما سے تمہاری شکایتیں لگا رہی تھی۔" اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟" اس نے دلچسپی سے ماریہ کو دیکھا۔

"میں پوچھ رہی تھی کہ آپ میری پیدائش پر اس دنیا سے کیوں چلی گئیں۔" حماد کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا۔ "آپ کی موت کا زمہ دار سمجھتے ہوئے میرا بھائی ہر وقت مجھے ستانے میں لگا رہتا ہے۔ نت

نئے طریقے ڈھونڈتا ہے مجھے ہرٹ کرنے کے۔ کیوں چلی گئی مجھے اس سب تکلیفوں کے ساتھ چھوڑ کر۔" وہ بنا آواز کے رو رہی تھی۔

"تمہارے نوڈلز لینے سے تم ہرٹ ہوئی ہو کیا؟" وہ بالکل معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے حماد کو دیکھا اور پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"تم میرے لیے نوڈلز بنا کر لائے ہو۔ مطلب مجھے منانے آئے ہو۔ کیا میرا ہرٹ ہونا تمہارے لیے اہمیت رکھتا ہے؟"

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے کیا پتا تھا تم نوڈلز کے چھن جانے پر ایسے روتی ہو اور مما سے شکایتیں کرتی ہو۔"

"یقین کرو پہلی دفعہ شکایت کر رہی ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تم نے مجھ سے میرے نوڈلز چھینے۔ بلکہ اس لیے کہ تم بہن تو سمجھتے نہیں لیکن ہر وقت مجھے ستانے کے موڈ میں رہتے ہو۔ تم مجھے ہنستا ہوا کیوں نہیں دیکھ سکتے۔" اس نے شکوہ کناں آنکھوں سے حماد کو دیکھا۔

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی ہے۔ آئی ایم سوری۔" بچوں کی طرح منہ بنا کر اس نے اپنے کان پکڑ لیے۔

"تم نے اس دن کہا کہ میں خود غرض ہوں۔ کیا واقعی ہی میں خود غرض ہوں؟" حماد کی کانوں پر گرفت ڈھیلی ہوئی۔ ہاتھ پہلوؤں میں آن گرے۔

"وہ سب بس تمہیں تکلیف پہنچانے کے لیے کہا تھا۔" کمزور سے آواز میں اعتراف کیا۔ وہ زخمی سا مسکرائی۔ "میں چار سال کا تھا جب مما اس دنیا سے چلی گئیں۔ وہ مجھ سے اس وقت بچھڑیں جب مجھے ان کی سخت ضرورت تھی۔ اپنی ان محرمیوں کا بدلا کسی سے تو لینا تھا مجھے۔ تو میں نے تمہیں نشانے پر رکھ دیا۔" اس نے حماد کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ ماریہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"مما میری وجہ سے اس دنیا سے نہیں گئیں حماد۔"اس نے اپنا سر حماد کے کندھے پر رکھ دیا۔"ان کی اتنی ہی زندگی تھی اور وہ اپنے حصے کی زندگی جی کر چلی گئیں۔"بات کے درمیان وقفہ لیا پھر زخمی سا مسکرا دی۔

"اگر اس دنیا میں چند لوگوں کو مرنا ہوتا تو میں ضرور اللہ سے کہتی کہ اس نے موت کے لیے میری ماں کو ہی کیوں چنا۔اس نے میرے بابا کو ہم سے دور کیوں کیا۔لیکن موت تو سب کے لیے ہے اور ایک نا ایک دن ہمیں بھی اللہ کے پاس چلے جانا ہے۔موت کا وقت تو مقرر ہوتا ہے اور میری ماں کی موت کا وقت میری پیدائش سے جڑا تھا اور وہ میرے دنیا میں آتے ہی اس دنیا سے چلی گئیں۔میں نے تو انہیں نہیں مارا نا۔"

"ہاں جب سے اس بات کا احساس ہوا ہے بہت گلٹی فیل کرتا ہوں۔

لیکن ماریہ....." اس نے ماریہ کو دیکھا۔ اس نے بھی حماد کے

کندھے سے اپنا سر اٹھا لیا۔

"تم نے ماں کا وہ لمس محسوس نہیں کیا جو میں نے کیا ہے۔ میں تین سال ان کے ساتھ بیڈ پر سویا ہوں۔ ضد کر کر کے۔ میں علیحدہ نہیں سوتا تھا۔ وہ میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتی تھیں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے مجھے سلاتی تھیں۔ مجھے ان دو چیزوں کی عادت ہو گئی تھی۔ بچپن سے ہی مجھے قرآن پڑھنا اور سننا پسند ہے کیونکہ یہ مجھے میری ماں کی طرف سے ملا ہے۔ باقی سب بھائی چھ ماہ سے زیادہ ماں کے پاس نہیں سوئے اور میں تمہارے آنے تک ماں سے دور نہیں ہوا۔ لیکن پھر مما بیمار ہوئیں تو مجھے مجبوراً علیحدہ سونا پڑا۔ مجھے لگتا تھا کہ جب کوئی نیا بھائی یا بہن آجائے گا تو دونوں مما کے پاس سویا کریں

گے۔ میرے اندر یہ خواہش دن بدن بڑھتی گئی۔ میں بے چین رہتا تھا کہ کب ہمارے گھر کوئی نیا بے بی آئے گا۔ لیکن جب وہ وقت آیا تو مجھ سے میری ماں چھن گئی۔ وہ لمس چھن گیا۔ وہ خواہش ختم ہو گئی۔ دل مر گیا۔ جانے والے سے محبت بڑھی اور آنے والے سے نفرت ہو گئی۔ اگر یاور بھائی نا ہوتے تو شاید میں اب تک ایک قتل کر چکا ہوتا۔" چہرے پر بہت ساری تکلیف ابھری تھی۔

"پھر جب میں چھ سال کا ہوا تو ہمارے گھر بوا کا بیٹا آ گیا۔ میری اس کے ساتھ دوستی ہونے لگی لیکن وہ بھی تمہارے ساتھ کھیلتا تھا۔ اکثر میری شکایتیں یاور بھائی اور بابا کو لگاتا تھا۔ کبھی کبھار تو ہاشم بھائی کے پاس چلا جاتا تھا۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے میری اور اس کی دوستی کم ہونے لگی۔ وہ تمہاری طرف زیادہ اٹریکٹ کرتا تھا۔ لیکن کہیں نا کہیں اس کے لیے میرے دل میں محبت باقی رہ گئی تھی تبھی تو مجھے

آج تک اس کے جانے کا غم ہے۔" ماریہ نے چونک کر حماد کو دیکھا۔ یوں اچانک اس کا ذکر ماریہ کو وہ رات یاد کروا گیا تھا۔ وہ بات کو بھولی نہیں تھی لیکن اپنے اندر کہیں دفن کر دیا تھا۔ مگر آج حماد نے پرانے زخم چھیڑے تھے۔

"پتا نہیں وہ کیوں چلا گیا تھا۔" منہاج والا سوال اس نے یہاں بھی دہرایا۔ ماریہ پھر چونکی۔

"تمہیں نہیں پتا وہ کیوں گیا تھا؟"

"نہیں۔" وہ بولا پھر شاک سے ماریہ کو دیکھا۔

"تم جانتی ہو؟ تم جانتی ہو۔" خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب بھی دے دیا۔

"نہیں میں نہیں جانتی۔" وہ رخ موڑ گئی۔

"ہاں تم کیسے جانتی ہو گی۔ تم تو مجھ سے بھی چھوٹی تھی۔اگر میں سو رہا تھا تو تم کیسے جاگ سکتی تھی۔"اس ٹاپک پر ماریہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ مزید اس حوالے سے بات نہیں کر سکتی تھی۔

"لیکن میرا کسی بات میں کوئی قصور نہیں ہے۔میں نے ناماں کو تم سے چھینا اور نا تمہارے دوست کو تم سے دور کیا۔"اس نے بات کا رخ بدلنا چاہا۔

" جانتا ہوں۔ میں غلطی پر تھا۔ کیا تم اپنے بھائی کو معاف نہیں کر سکتی؟"

"اگر تم آئندہ مجھے اس طرح تکلیف دینے کے لیے نہیں ستاؤ گے تو میں ضرور تمہیں معاف کر دوں گی۔"ایک ادا سے اس کی جانب دیکھا۔

"لیکن بھائی بن کر تو ستا سکتا ہوں نا؟" چہرے پر مصنوعی معصومیت سجاتے ہوئے پوچھا۔

"یعنی ستانا ضروری ہے؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔

"وہ کیا ہے نا تمہیں ستائے بغیر مجھے سکون نہیں ملتا۔" ٹرے میں سے باؤل اٹھا کر ماریہ کے سامنے کیا جسے اس نے فوراً پکڑ لیا۔

"اب مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کس لحاظ سے ستا رہے ہو۔ مطلب بھائی بن کر یا دشمن بن کر۔" اس نے مزے سے نوڈلز کھاتے ہوئے کہا۔ تبھی حماد کا قہقہہ بلند ہوا۔

"میں بھائی کے روپ میں دشمن اور دشمن کے روپ میں بھائی بن کر ستاؤں گا لیکن تم آئندہ اس طرح روم میں رونے مت آجانا۔ بلکہ میرا مقابلہ کرنا۔ کیونکہ جب تم ایسے ہار مان کر روم میں آجاتی ہو تو

سارا مزا خراب ہو جاتا ہے۔" حماد نے منہ بسور کر کہا۔ اب ہنسنے کی باری ماریہ کی تھی۔

"یعنی تم کہنا چاہتے ہو کہ مجھے روم میں آنے کے بجائے وہ نوڈلز اٹھا کر تمہارے سر پر دے مارنے چاہیے تھے۔" وہ نوڈلز کھانے کے دوران ہنس رہی تھی۔

"ہاں کچھ بھی کر لیتی لیکن آئندہ یہ رونے والی شکل بنا کر روم میں مت آجانا ورنہ پھر سارا دن اندر لاک کر دوں گا۔" اس کی وارننگ پر ماریہ کی ہنسی کو بریک لگی۔

"ہاں بس یہی ظلم رہ گیا تھا کرنے کو۔" اس نے دانت پیسے۔

"شاید تم بھول رہی ہو ایک دفعہ بچپن میں بھی تمہیں روم میں بند کر چکا ہوں۔" حماد نے دانت دکھائے۔

"ہاں تم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی مجھے مارنے میں۔ لیکن اب اگر کچھ ایسا ویسا کیا تو پھر میں بتاؤں گی تمہیں۔" باتوں کے درمیان وہ سارے نوڈلز کھا چکی تھی۔

"ہاں دیکھوں گا کیا بتاتی ہو تم مجھے۔ آخری بار بنا کر لایا ہوں یہ نوڈلز۔ آئندہ میں تمہیں منانے کے لیے کچن کا رخ نہیں کروں گا۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھتا پیچھے ٹیک لگا گیا۔

"یعنی آئندہ بھی منانے کا ارادہ رکھتے ہو۔" وہ مزے سے بولی۔

"آئندہ ایسا سوچنا بھی مت۔" حماد نے دانت پیستے ہوئے کہا تبھی ماریہ کے فون پر رنگ ہونے لگی۔ اس کی موبائل اٹھا کر سامنے کیا۔ اسکرین پر لکھا آرہا تھا۔

"FARAH"

اس نے ایک لمبی سانس لے کر کال ریسیو کی۔

"اسلام علیکم۔"

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ کیا تم گھر پر ہو؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

"جی میں گھر پر ہی ہوں۔"

"کیا ہم آج کہیں باہر مل سکتے ہیں؟"

"آج؟"

"ہاں آج۔ بلکہ ابھی۔"

"کیا.... ابھی؟"

"جی۔"

"لیکن فرح.....۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔ میں تمہیں لوکیشن بھیج رہی ہوں پلیز آ جانا۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا اور ماریہ نے حماد کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کون تھا؟"

"میری یونی فیلو ہیں اور مجھے باہر ملنے کے لیے بلا رہی ہیں۔"

بات کے درمیان اس کے فون پر میسج ٹون بجی۔ اس نے موبائل دیکھا تو واٹس ایپ پر فرح کا میسج آیا تھا۔ اس نے لوکیشن بھیجی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"وہ مجھ سے باہر ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں تو جاؤ اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟"

"یار بھائی سے اجازت کون لے گا۔ ایسے تو میں منہ اٹھا کر باہر نہیں جا سکتی نا۔"

"چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور بھائی کو میں بتادوں گا۔ڈونٹ وری۔"حماد نے اس کی پریشانی کم کی۔وہ بھی مسکرادی اور فرح کو اپنے آنے کی اطلاع دے دی۔وہ پانچ منٹ میں ریڈی ہو کر باہر آئی تو حماد باہر ہی کھڑا تھا۔

"میں نے بھائی کو بتادیا ہے اس لیے تم بے فکر ہو کر آجاؤ۔"

"منہاج بھائی کو تو بتادیتے۔"

"وہ سو رہے ہیں۔آجاؤ تم۔"

حماد کہہ کر باہر نکل آیا۔وہ بھی اسے کے پیچھے ہی باہر آگئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں آمنے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔

ریستوران میں معمول کے مطابق رش تھا۔حماد اسے ریستوران چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اسے میسج پہ بتادیا تھا کہ اس کے کسی دوست کی

طبیعت خراب ہے تو وہ اس کی عیادت کے لیے جا رہا ہے۔ وہ واپسی پر اسے پک کر لے گا۔ وہ پچھلے پانچ منٹ سے ایسے ہی بیٹھی ہوئیں تھیں۔ تبھی فرح نے گلا کھنکھارا اور بات شروع کی۔

"کیسی ہو؟" ماریہ نے اسے دیکھا۔

"آپ کو اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں ہے فرح۔" وہ مسکرائی۔

"مجھے لگا تم ابھی تک ناراض ہو اس لیے....۔" فرح کی بات پر وہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ میری ساری ناراضگی گھر اکیلے رہ رہ کر ختم ہو چکی ہے۔ آپ بتائیں آپ نے مجھے اس طرح یوں اچانک یہاں کیوں بلایا؟"

"یاد ہے میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہیں کچھ ایسا بتاؤں گی کہ تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ تم بزدلی کی زندگی سے نکل آؤ گی۔"

"ہاں مجھے یاد ہے اور میں تب سے انتظار کر رہی ہوں کہ کب آپ مجھے کچھ دکھائیں گی یا بتائیں گی۔"

"تو پھر وہ وقت آچکا ہے۔"فرح نے اس کے سامنے ایک کتاب کی جس پر کورین زبان میں اس کا نام لکھا ہوا تھا جس کا اردو ترجمہ کچھ یوں تھا۔

"جنت کے پتے۔"

"جنت کے پتے؟ یہ کیا ہے؟"ماریہ نے ناسمجھی سے کتاب کو اور پھر فرح کو دیکھا۔

"یہ ایک ناول ہے اور پاکستان کی مشہور ترین مصنفہ کی ایک خوبصورت تحریر ہے۔"فرح کا انداز فخریہ تھا۔

"کورین زبان میں؟"اس نے دلچسپی سے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں! یہ اردو زبان میں تھا لیکن میں نے اسے تمہاری آسانی کے لیے کورین زبان میں بدل دیا اور اس کے لیے مجھے کافی وقت لگا۔"

"کیا اب یہ کورین زبان میں ہی شائع ہوا کرے گی؟" اس کے معصومانہ سوال پر فرح دل کھول کر مسکرائی۔ وہ صبر والی تھی۔ اگر کوئی بے صبرا ہوتا تو پاگل ہونے کے قریب ہوتا۔

"نہیں یہ بس میں نے تمہارے لئے کروایا ہے۔ یہ ہمیشہ ایسے شائع نہیں ہوگا۔" فرح کی بات پر اس نے اپنے ہونٹ گولائی میں سکیڑے۔

"تو آپ مجھے ایسے ہی بتا دیتیں کہ اس میں کیا ہے۔ تاکہ مجھے پڑھنے کی ضرورت نا پڑتی۔"

"بتانے کو تو میں تمہیں بتا دیتی لیکن تب تمہیں صرف کہانی کا پتہ چلتا۔ اس کے اصل مقصد کا نہیں۔ تمہیں پتا ہے ماریہ، جب ہم ایک

اچھا ناول پڑھتے ہیں تو ہم اس کے ایک ایک لفظ کو، ایک ایک جملے کو اپنے اندر اترتا محسوس کرتے ہیں اور پھر اگر ناول دین کے متعلق ہو تو ہماری زندگی سنور جاتی ہے۔ زیادہ تو نہیں لیکن کسی حد تک ہم گناہوں کی زندگی سے نکل جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو بولڈ ناول ہوتے ہیں وہ ہماری جنریشن کے دماغ خراب کرتے ہیں۔ انہیں گناہوں پر اکساتے ہیں۔ جب انہیں کہا جائے کہ یہ مت پڑھو۔ یہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ تو جانتی ہو اس ناول کے بلائنڈ فین کیا کہتے ہیں؟"

"کیا کہتے ہیں؟"

"یہ کوئی فحاش ناول تو نہیں ہے۔ میاں بیوی کا رومانس ہی تو دکھایا گیا ہے۔ وہ ایسے سپورٹ کرتے ہیں ایسی بولڈنس کو۔ حالانکہ میاں بیوی کا رومانٹک ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن جو چیز پرائیویٹ ہے وہ

آج کل کی جاہل رائٹرز سرعام دکھارہی ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا فتنہ ہے مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے کا۔"

"ایسے ناول ہمیں دین سے کیسے دور کرتے ہیں؟"

"دیکھو ماریہ! جب لوگ ناول پڑھتے ہیں تو ان کے ذہن میں ساتھ ساتھ وہ ایک فلم کی طرح چل رہے ہوتے ہیں۔ جو وہ پڑھ رہے ہوتے ہیں وہ منظر اس کے ذہن میں ابھرتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ یہ بلاوجہ کا رومانس پڑھیں گے تو ان کے ذہن صاف تصورات تو پیدا نہیں کریں گے نا۔ ناول ختم کر لینے کے بعد ہمارا دل کرتا ہے کہ ہم بھی ویسے ہی بن جائیں۔ تو اگر ناول بولڈ ہو گا تو خواہش بھی پھر ویسی ہی ہو گی۔ ویسا بننے کے چکر میں لوگ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ تعلیم میں ان کا دل نہیں لگتا۔ جو ناول موٹیویشن کے بجائے صرف میاں بیوی کے تعلقات دکھائے گا۔ تو جب لوگ اسے پڑھیں گے تو

ان پر کیا اثر پڑھے گا؟ ناول ہمیشہ وہی پڑھنا چاہیے جو ہمیں زندگی کو اچھے، خوبصورت اور پاک طریقے سے گزارنا سکھائے۔ بے شک ہمارے پاس سیدھے راستے کے لیے قرآن سب سے خوبصورت اور افضل کتاب ہے لیکن بعض اوقات لوگ اسے کھولتے نہیں ہیں۔ ناول لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن جب ناول میں دکھایا جاتا ہے کہ وہ لڑکی دین کے قریب تھی۔ قرآن کے بغیر اس کی زندگی اندھیر تھی۔ قرآن نے اسے مظبوط بنایا تو وہ ناول پڑھنے والے کا بھی دل کرے گا کہ وہ قرآن پڑھے۔ آخر دیکھے تو قرآن میں ایسا کیا ہے کہ ہمیں لوگوں کی سخت باتوں پر بھی صبر آجاتا ہے۔" وہ سانس لینے کے لیے رکی۔ ماریہ تو اس کی باتوں میں کھو ہی گئی تھی۔

"جیسے تمہیں کہا گیا تھا کہ پردے کا حکم قرآن میں آیا ہے۔ اسے خود پر تنگ مت کرو۔ اسے مصیبت مت سمجھو لیکن تم نہیں سمجھ رہی تو

اب تمہیں اس ناول کے ذریعے میں قرآن سے جوڑنا چاہتی ہوں۔"

کتاب اس کی جانب بڑھائی۔ماریہ نے کتاب کو نہیں دیکھا وہ بس فرح کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے.. اس ناول میں مصنفہ نے ایک بات بڑی خوبصورت کہی ہے کہ ہم لڑکیاں اتنی کمزور نہیں ہوتیں جتنا بننے کی کوشش کرتی ہیں۔اور اس وقت مجھے لگا کہ ہم واقعی ہی اتنے کمزور نہیں ہیں جتنی ہم بن جاتی ہیں۔اس ناول میں بہت سارے مین ٹاپک ہیں جنہیں ہائیلاٹ کیا گیا ہے لیکن ان میں سے ایک ٹاپک "پردہ" ہے جو یقیناً تمہاری رہنمائی کرے گا۔" وہ بہت دھیان سے فرح کو سن رہی تھی جو اتنے خوبصورت انداز میں اپنی بات کہہ رہی تھی۔ماریہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ صرف اس کی دوست ہی نہیں بلکہ ایک رہنما بھی ہے۔وہ اس کی زندگی میں آئی نہیں تھی بلکہ اسے بھیجا گیا تھا۔

"ایسا ہے تو میں ضرور پڑھوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کتاب کو تھام لیا گویا جنت کے پتے تھام لیے۔

"ویسے جنت کے پتے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ ہم اس دُنیا میں جنت کے پتے کیسے دیکھ سکتے ہیں؟"

"جب تم اس تحریر کو پڑھو گی تو تمہاری یہ بھی کنفیوژن دور ہو جائے گی۔ جنت کے پتے اصل میں ہیں کیا تمہیں وہ بھی پتا چل جائے گا۔"

فرح کی نظریں ماریہ سے ہوتی ہوئیں پیچھے داخلی دروازے پر گئیں جہاں سے وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ بلیک تھری پیس پہنے ہوئے، کوٹ ہاتھوں میں ڈالے اور وائٹ شرٹ کے کف پیچھے کو موڑے ہوئے، آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے ہوئے وہ رعب سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔

"تمہارا بھائی آگیا ہے۔" فرح نے اپنی نظریں یاور سے ہٹا کر ماریہ کو دیکھا جو اس کتاب کو دیکھنے میں مگن تھی۔ پھر اس نے پوری گردن

موڑ کر پیچھے دیکھا تو وہ حیران ہوئی۔اس نے گردن واپس موڑ کر موبائل دیکھا جہاں پر حماد کا میسج تھا۔

"میں لیٹ ہو جاؤں گا۔میں نے یاور بھائی کو کہا ہے۔وہ تمہیں پک کر لیں گے۔"

وہ یاور کو دیکھ کر مسکرائی۔وہ دونوں عبائے میں تھیں لیکن یاور اپنی بہن کو پہچانتا تھا اور اب بھی پہچان گیا تھا۔اس لیے اس کے قدموں کا رخ ان کے ٹیبل کی طرف تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے نو بج رہے تھے جب وہ اپنے روم میں بے چین سا ٹہل رہا تھا۔اس کا دوست بیمار تھا اور وہ اس کی عیادت کے لیے نہیں گیا تھا۔ لیکن سکون سے ایک پل بھی نہیں بیٹھا تھا۔ تبھی وہ دبے پاؤں اپنے روم سے نکل آیا۔پورا گھر خاموش تھا۔وہ اسی خاموشی میں قدم رکھتا

گھر سے باہر چلا آیا۔ اب اس کا رخ سرونٹ کوارٹرز کی طرف تھا۔ ایک کوارٹر کے پاس آکر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تبھی اندر سے ایک عورت باہر آئی۔ سامنے گیارہ سال کے اس بچے کو دیکھ کر وہ حیران ہوئیں۔

"حماد بیٹے آپ اس وقت یہاں؟ خیریت تو ہے نا؟" وہ جھجھک گیا۔

"وہ میں..... آپ کے بیٹے کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔ وہ کل سے بیمار ہے نا۔"

"ہاں کل بیمار تھا۔ لیکن اب قدرے بہتر ہے۔" مسکرا کر کہا۔

"کیا میں مل سکتا ہوں۔ جاگ رہا ہے نا وہ؟"

"ہاں جاگ رہا ہے۔ آ جاؤ اندر۔" وہ راستہ دیتی خود سائڈ پر ہو گئیں۔ حماد اندر چلا آیا۔ بوا لان میں چلی گئیں۔ وہ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔

"حماد... تم۔" اسے یقین ہی نہیں تھا آرہا کہ اس کا دوست آیا ہے۔

"ہاں تم بیمار تھے۔اس لئے آیا ہوں۔" وہ قدرے مسکرا کر بولا۔ بوا کا

بیٹا حیران تھا کہ اس کا ناراض دوست اس کی خیریت پوچھنے آیا ہے۔

"میں تو اب ٹھیک ہوں۔ کل زیادہ بیمار تھا۔ کل کیوں نہیں آئے؟"

"وہ.... مجھے کل پتا نہیں تھا۔" وہ لڑکا حیران ہوا۔

"تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟"

"نہیں...۔"

"ماریہ نے بھی؟" ماریہ کے ذکر پر حماد نے اسے دیکھا۔ نفی میں سر

ہلایا۔

"نہیں۔" اور وہ جانتا تھا کہ حماد جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اسے ماریہ

سے بدگمان کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم اب آ گئے ہو۔ کافی ہے۔" اس نے مسکرا کر "اب" پر زور دے کر کہا تھا۔ وہ پیارا نہیں تھا لیکن جب مسکراتا تھا تو بہت پیارا لگتا تھا۔

"ہاں میں کچھ دیر بیٹھ کر جاؤں گا۔"

"آج رات رک جاؤ۔" اس نے حماد کا ہاتھ تھاما۔ حماد نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ حماد سے تین سال بڑا تھا لیکن چہرے پر انتہا کی معصومیت تھی۔ اس وقت وہ آنکھوں میں آس لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں.... میں کیسے رک جاؤں۔"

"تم میرے دوست ہو۔ ایک دوست کو دوسرے دوست کی بات ماننی چاہیے نا۔" ابھی تک ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

"یمان بھائی غصہ کریں گے۔"

"وہ ہمیشہ غصہ کیوں کرتے ہیں؟" وہ یہ نہیں پوچھ سکا کہ یمان اس سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہے۔

"ان کو اینگر ایشو ہے۔" اس نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

حماد اسے دیکھے گیا۔ وہ ہنستے ہوئے پیارا لگتا تھا۔

"تم اس وقت یہاں؟" حماد جھٹکے سے اٹھا۔ چوکھٹ پر فرقان احمد کھڑے تھے۔

"بابا... وہ میں اس کی خیریت پوچھنے آیا تھا۔" ہاتھ باندھے سر جھکائے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اندر چلے آئے۔

"بڑی جلدی دوست کا خیال آگیا۔" اب کے وہ زیادہ شرمندہ ہوا تھا۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟" حماد کو کہہ کر وہ اس لڑکے کی جانب متوجہ ہو گئے تو حماد خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔

وہاں سے نکل کر وہ ماضی سے بھی نکل آیا تھا۔اس وقت وہ سمندر کنارے ایک بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔آنکھیں موندے وہ ماضی کو سوچ رہا تھا۔اسے یاد تھا کہ اس نے بوا کے بیٹے کو ماریہ سے بدگمان کرنا چاہا تھا لیکن وہ بدگمان نہیں ہوا تھا۔انفیکٹ وہ دوسرے دن پھر سے لان میں ایک ساتھ کھیل رہے تھے۔حماد کو اس وقت سخت غصہ آیا تھا۔ اس نے غصے سے ماریہ کی ڈول توڑ دی تھی۔وہ بہت روئی تھی اور اس کے آنسو حماد کو الگ ہی سکون دیتے تھے۔بابا نے حماد کو بہت ڈانٹا تھا۔ تب جا کر وہ چپ ہوئی تھی۔

ماضی کے قصے پر وہ زخمی سا مسکرایا۔

''کاش کہ میں اس وقت سمجھ پاتا کہ اس سب میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔تو شاید ہمارا وہ دوست یوں بچھڑتا نہیں۔''اس نے سوچا۔

"شاید وہ اسی لیے فرقان ہاؤس سے چلا گیا تھا کہ مجھے اس کی ماریہ کے ساتھ دوستی پسند نہیں تھی۔ "قرب سے آنکھیں بند کیں۔

"کاش کہ تم لوٹ آؤ ہایون۔ تاکہ میں تمہیں بتا سکوں کہ اب مجھے میری بہن بہت عزیز ہو گئی ہے۔ اب ہم تینوں پھر سے دوست بن سکتے ہیں۔ اب جیلس بھی نہیں ہوں گا۔ لیکن تم آتے ہی نہیں ہو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گال پر گرنے لگے۔

تیرے جانے کے بعد سمجھا ہوں

جانے والوں کو روکتے کیوں ہیں

ooooooooooooooooo

"اسلام علیکم۔"

دونوں کے قریب آکر اس نے سلام کیا جس کا جواب ان دونوں نے ایک ساتھ دیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"اگر آپ کی ملاقات اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہو تو چلیں؟" ایک نظر فرح کو دیکھ کر اس نے ماریہ کی طرف دیکھا۔

"آپ اتنا جلدی کیوں آ گئے بھائی۔ ابھی مشکل سے دو گھنٹے ہی تو ہوئے تھے۔" اس نے بیٹھے بیٹھے ہی استفسار کیا۔

"باقی کی ملاقات یونیورسٹی میں کر لینا۔ اب میں آ گیا ہوں نا تو اب چلو۔"

"اچھا چلیں۔" وہ منہ بسور کر اٹھی اور کتاب بھی ہاتھ میں پکڑ لی۔

"اوکے فرح! ہم نیکسٹ ویک اینڈ یونیورسٹی میں ملیں گے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور کتاب اٹھالی۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" اس سے پہلے کہ فرح کچھ کہتی یاور کی نظر ماریہ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب پر گئی۔

"بھائی یہ ناول ہے۔ "اس نے ذرا جھک کر بتایا۔

"اور تم نے یہ ناول کہاں سے لیا ہے؟"اس نے مشکوک نظروں سے فرح کو دیکھا۔

"فرح نے دیا ہے اور یہ بہت اچھا ناول ہے۔"

"آپ کیا میری بہن کو بگاڑنے کا رول ادا کر رہی ہیں؟"اس کے ڈریگن آنکھوں میں شدید غصہ تھا۔

"اس میں بگڑنے والی کیا بات ہے؟"فرح نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"یہ ناول... ایسی کتابیں آج تک میں نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو نہیں دیں اور آپ..... "اس نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا اور پھر ماریہ کے ہاتھ سے بک لے کر ٹیبل پر رکھ دی۔ "ایسی کتابوں

کی ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔" وہ حیرت سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ خود بھی تو ناول پڑھتے ہیں۔ پھر کیا مسلہ ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ رک گیا۔ ابرو اچکائے۔

"آپ کو کس نے کہا کہ میں ایسی کتابیں پڑھتا ہوں؟"

"ایسی کتابوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"یہ کتاب نا جانے اس میں کیا ہو گا اور آپ اسے میری بہن کو دے رہے ہیں۔"

"دیکھیں مسٹر یاور درانی یہ کوئی ایسی ویسی کتاب نہیں ہے۔" اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا۔ "یہ ایک اسلامک ناول ہے۔" انگلی نیچے کی۔" جسے پڑھنے کی آپ کی بہن کو اشد ضرورت ہے اور اس میں ایسا کچھ نہیں ہے جسے پڑھ کر آپ کے بہن بھائی بگڑ جائیں۔" وہ بہت

غصے سے مگر دھیمی آواز میں بول رہی تھی جبکہ ماریہ منہ کھولے کبھی فرح کو تو کبھی یاور کو دیکھ رہی تھی۔

"جو بھی ہے یہ کتاب ہمارے گھر نہیں جائے گی۔" فرح سمجھ گئی تھی کہ اسے مسلہ کتاب سے نہیں بلکہ کتاب دینے والے سے ہے لیکن وہ بھی اپنی دوستی کے ہاتھوں مجبور تھی ورنہ اس وقت اسے یاور پر بہت غصہ آرہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو ایک منٹ بھی وہاں نہیں رکتی۔

"یہ کتاب آپ کے گھر ضرور جائے گی اور اگر وہاں نا گئی تو میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گی (اس نے ماریہ کی طرف اشارہ کیا) اور وہاں جا کر تو یہ ضرور پڑھے گی۔ اگر وہاں بھی نہیں تو یونیورسٹی ہی سہی۔"

ضبط ختم ہو رہا تھا۔ یاور نے زور سے اپنا ہاتھ مٹھیوں کی صورت میں بند کیا۔ اس کی رگیں تن گئیں تھیں۔

"آپ کو ہماری پرسنل لائف میں گھسنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے جبڑے بھینچ کر کہا۔

"اگر آپ کو لگتا ہے کہ یہ بک آپ کی بہن کے لیے مناسب نہیں تو ایک دفعہ خود پڑھ کر تسلی کر لیجیے لیکن اسے پڑھنے سے نا روکیں۔" لہجہ التجائیہ تھا۔

"اپنے پاک ہونے کی گواہی تو وہ اپنے نام سے ہی دے دے گی لیکن پھر بھی آپ خود پڑھ لیجئے گا۔"

"آپ کو میری بہن کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہ مجھے بہت عزیز ہے بالکل میری چھوٹی بہن کی طرح اور مجھے لگتا ہے کہ مجھ پر آپ کی بہن کی فکر لازم کر دی گئی ہے۔" اب وہ دونوں ذرا ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ یاور نے ماریہ کی طرف دیکھنا چاہا لیکن وہاں نا ماریہ تھی اور نا ہی وہ کتاب۔ وہ نا جانے کب ان دونوں کی بحث سے

تنگ آکر وہاں سے چلی گئی ان دونوں کو پتا بھی نہیں چلا۔ان دونوں نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

"یہ کہاں گئی ہے۔"یہ جملہ ان دونوں نے ایک ساتھ ادا کیا اور پھر باہر کو لپکے۔باہر پارکنگ ایریا میں یاور کی گاڑی کھڑی تھی۔وہ دونوں گاڑی تک آئے تو اسے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے دیکھا۔دونوں نے ایک ساتھ لمبی سانس خارج کی۔

"آپ دونوں کی لڑائی ختم ہو گئی؟"اس نے فرنٹ سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے پوچھا۔وہ ان دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔وہ دونوں خفیف ہوئے۔یاور خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

"بالکل بچے لگ رہے تھے دونوں۔"کہتے ساتھ ہی وہ ہنسی۔

"لیکن اچھے لگ رہے تھے۔" یاور نے گردن موڑ کر تحیر سے اسے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ فرح بھی اپنے لیے ٹیکسی روک چکی تھی اور اب وہ اس میں بیٹھ رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

وقت کا پہیہ کبھی رکتا ہی نہیں۔ یہ تو چلتا جاتا ہے۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ دن رات میں اور رات دن میں بدلتے گئے۔ کتنے سورج طلوع ہونے ہو کر غروب ہو گئے۔ کتنے چاند نکلے اور چھپ گئے۔ جگمگ کرتے تارے نکلے، آسمان کو خوبصورتی بخشی اور پھر دن کی روشنی میں کہیں چھپ گئے۔ اور انہی گزرے ایام میں کئی کام تھے جو نبٹائے گئے۔

حماد اپنے امتحانات سے فارغ ہو چکا تھا اور اب ایک ہفتہ اس کا گھر پر گزرنے والا تھا۔ ماریہ کی یونیورسٹی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ وہ کتاب جو

فرح نے اسے دی تھی وہ ابھی تک یاور کے پاس تھی اور وہ وقت ملنے پر اسے پڑھ لیتا تھا۔ایک رات کھانے کے دوران یاور نے سب کو مومن اور علیزے کے بارے میں بتایا۔ان سب نے پہلے تو حیرت سے معصوم مومن کو دیکھا اور پھر کتنی دیر تک اسے خوب ستاتے رہے۔یاور بھی ان کی کسی نا کسی بات پر اپنے ڈمپل دکھاتا رہا تھا۔انہی گزرے ایام میں سے ایک یوم کو ہاشم درانی، مومن درانی اور یاور درانی علیزے کے گھر گئے تھے۔اسجد صاحب نے جمعرات کو انہیں اپنے گھر بلایا تھا اور وہ تینوں آفس سے سیدھے اسجد صاحب کے گھر گئے تھے۔

"مجھے دکھ ہوا سن کر کہ آپ کے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں اور دکھ سے زیادہ شرمندہ ہوں کہ مجھے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔"

ہر والدین کی طرح اسجد صاحب بھی ماں باپ کے بجائے ان تینوں

بھائیوں کے آنے پر ذرا چونکے تھے اس لیے شاید پوچھ لیا۔ جب یاور نے بتایا کہ ان کے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں تو وہ ذرا خفیف ہو گئے۔

"اس میں شرمندہ ہونے والی کوئی بات نہیں ہے انکل۔ آپ نے بالکل ٹھیک سوال پوچھا۔" ہاشم نے ان کی شرمندگی کم کرنی چاہی۔ علیزے اور فرح کچن میں تھے لیکن فرح کو دیکھ کر حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کہ یاور اور مومن دونوں بھائی ہیں لیکن بولی کچھ نہیں۔

"مما بابا کے بعد میں نے اور بھائی نے (ہاشم کی طرف اشارہ کیا) ماں باپ بن کر اپنے بہن بھائیوں کو پالا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہاشم بھائی نے ان سب کی پرورش میں ماں کا کردار ادا کیا اور میں نے باپ کا۔" اب یاور نے کہا تھا اور کہتے ہوئے وہ اپنی ہی بات پر ہنسا۔ اسجد صاحب کافی متاثر نظر آتے تھے۔

"لیکن بیٹا یہ جو آپ کے نام کے ساتھ درانی لگتا ہے۔ کیا آپ لوگ پاکستانی ہو؟" علینا بیگم کب سے جاننا چاہ رہی تھیں لیکن بول کچھ نہیں رہیں تھیں۔ لیکن بالآخر ہمت کر ہی لی۔ ان کی بات پر وہ تینوں بھائی مسکرائے۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ ایک دلچسپ سوال ہے جس کا جواب اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔" ہاشم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو وہ کیا ہے؟" وہ بھی متجسس ہوئیں۔

"ہمارے بابا نے بتایا تھا کہ یہاں.... کوریا میں دادا ابو کے ایک دوست تھے۔ جو پاکستان سے تھے۔ کافی اچھی دوستی تھی دونوں کی۔ دادا جان کے دوست کا نام فرقان احمد درانی تھا۔ ان کو وہ نام بہت اچھا لگتا تھا۔ جب بابا پیدا ہوئے تو انہوں نے بابا کا نام فرقان احمد درانی رکھ دیا۔ پاکستان میں یہ شاید کوئی پہچان ہو گی یا کاسٹ۔ ہم نہیں

جانتے لیکن یہاں یہ ہمارا پورا نام ہے۔ ہم سب بھائیوں کے نام کے ساتھ درانی ہی لگتا ہے۔ ہم اپنے بابا کے اس تیسرے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔" ہاشم نے کافی لمبی وضاحت دی تو اسجد صاحب کے لب اوو میں سکڑے جبکہ علینا بیگم تجسس سے ہنسی۔

"واقعی ہی دلچسپ ہے۔"

"مزے کی کہانی ہے۔" علیزے نے پاس کھڑی فرح کو کہا۔ وہ دونوں بھی کچن میں کھڑی سن رہیں تھیں۔

"جی بالکل۔" ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

فرح ایک دفعہ بھی باہر نہیں آئی تھی البتہ علیزے علینا بیگم کے ساتھ لوازمات کی ٹرالی لیے ایک دفعہ باہر آئی تھی۔ دونوں بھائیوں نے اس طرف نہیں دیکھا تھا لیکن مومن نے ایک نظر اسے ضرور دیکھا تھا۔ لیکن علیزے کے بابا کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ شرمندہ ہوا اور نظریں

جھکالیں جبکہ وہ زیر لب ہنس دیئے۔انہیں فرقان احمد درانی کے

فرزند بے حد پسند آئے تھے اور انہوں نے رشتے کے لیے ہاں بھی

کہہ دی تھی۔ان کے گھر سے وہ سیدھا آفس واپس آ گئے تھے۔

oooooooooooooooooo

وہ کاریڈور سے گزر رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی،

ایک رجسٹر تھا اور ہاتھ میں ایک پین۔فرح نے اسے بتایا تھا کہ آج

اس کی بہن کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں تو وہ یونیورسٹی نہیں آ سکے

گی۔اس لئے آج وہ اکیلی تھی۔وہ اپنے دھیان میں چلتی جا رہی تھی

جب اپنا نام پکارے جانے پر وہ رکی۔

"ایکسکیوز می.....ماریہ۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو سامنے جنگلوک کھڑا تھا۔کھلے لباس میں،

بالوں کی پونی بنائے،چشمہ جسے آنکھوں پر لگانے کے بجائے سر پر لگایا

گیا تھا۔ ایک کان میں بالی، گلے میں چین اور ہاتھوں میں مختلف بینڈز پہنے ہوئے تھے۔ بائیں جانب کندھے پر بیگ جھول رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ماریہ نے سختی سے لب بھینچے جیسے وہ اس سے بات کرنے میں دلچسپی نا رکھتی ہو۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اور آنکھوں میں غصہ لیے وہ پلٹ گئی۔

"پلیز ایک دفعہ میری بات سن لیں۔" اس کے کہنے کا انداز اس کے قدموں کو آگے بڑھنے سے روک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر ہی کھڑا تھا۔ ارد گرد چند ایک اسٹوڈنٹس تھے۔ وہاں زیادہ رش نہیں تھا۔

"کہو۔" ساری تمیز ایک طرف رکھتے اس نے کہا لیکن نظریں سیدھا مخالف نظروں سے ٹکرائی اور وہیں تک گئیں۔ وہ انہی ہیپنوٹائزڈ کر دینے والی نظروں سے بچتی تھی۔ اس نے فوراً پلکیں جھپکیں۔

"دیکھیں.....اس دن جو کچھ بھی ہوا....میں بہت شرمندہ ہوں۔" وہ بات کرنے آیا تھا لیکن کیا بات کرنے آیا تھا اس وہ وقت وہ بھول چکا تھا۔

"دیکھیں اس بات کو کافی ٹائم ہو چکا ہے اور میں اسے بھول چکی ہوں۔ آپ بھی بھول جائیں۔" اس نے بہت سادگی سے کہا۔

"مجھے.....کچھ اور کہنا ہے۔" اس نے تیزی سے کہا کہ کہیں وہ چلی ہی نا جائے۔

"آپ کو جو کہنا ہے ذرا جلدی کہیں، میرے پاس اتنا فضول وقت نہیں ہے کہ میں یہاں کھڑے ہو کر اسے ضائع کر دوں۔" پتھریلی نظروں سے اس نے جنگلوک کو دیکھا۔ اس نے ان آنکھوں میں اپنے لیے غصہ دیکھا تھا لیکن وہاں نفرت نہیں تھی۔ بیزاریت تھی لیکن نفرت نہیں تھی۔

"میں.... "اس نے کہنے کے لیے لب کھولے۔"میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔"اس نے خود کو کہتے سنا۔دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔اس نے ماریہ کو دیکھا۔جس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ سہم سا گیا۔وہ اس کے ہونٹوں کو تو ہلتا ہوا نہیں دیکھ سکا لیکن اس کی آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔نا جانے کیا۔۔۔۔؟

OOOOOOOOOOOOO

"انہوں نے اس رشتے کے لیے اپنی رضامندی دے دی ہے لیکن پھر بھی وہ ایک دفعہ اپنی تسلی کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں ظاہر ہے وہ خوش کیوں نہیں ہو گا۔اس کے تو دل کی مراد پوری ہوئی ہے۔"دوسری جانب سے شاید کسی نے مومن کا پوچھا تھا۔

"اچھا چلو آفس آکر بات ہوتی ہے۔"فون بند کر کے اس نے ڈرائنگ سیٹ پر بیٹھے مومن کو دیکھا جس کے چہرے پر دلکش

مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہاشم بھی اسے کسی نا کسی بات پر تنگ کر رہا تھا۔

"منہاج بھائی سے اتنا سا بھی انتظام نہیں ہوا کہ ہم آفس ہی آ جائیں۔" یاور نے کہا تو وہ دونوں ہنس دیئے۔

"یمان کا فون آیا تھا کیا؟ اس نے بتایا کہ وہ کہاں تک پہنچا ہے۔" آج آفس آنے سے پہلے وہ یمان کو سی آف کر کے آئے تھے۔ کیونکہ آج اس کی اٹلی کی فلائٹ تھی۔ تبھی ہاشم نے یاور سے پوچھا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں آئی۔ آفس جا کر میں خود کال کرتا ہوں۔"

ہاشم نے اثبات میں سر ہلا یا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ آفس پہنچ گئے تھے۔ وہ تینوں مین ہال سے گزر رہے تھے جب وہاں لگی ایل سی ڈی پر چلنے والی نیوز نے اس کے چلتے ہوئے قدم روک دیئے۔ وہاں کر نیوز اینکر انگلش میں بول رہی تھی۔

"آج دوپہر کو تین بجے اٹلی کی طرف پرواز کرنے والی فلائیٹ کریش ہو چکی ہے۔ کچھ لوگ موقع پر ہی دم توڑ گئے، کچھ کی تو باڈی نہیں ملی اور کچھ زخمی۔ زخمیوں کو ہسپتال منتقل کرنے کی تیاری کر دی گئی۔"

یاور نے کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھا وہاں چار بج رہے تھے۔ وہ لڑکھڑایا، مومن نے فوراً آگے بڑھ کر اسے پکڑا۔ اس نے خوفزدہ ہو کر مومن کو دیکھا، پھر ہاشم کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی بھی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ پیچھے لفٹ سے نکلنے والی وہ لڑکی وہیں لفٹ کے ساتھ کھڑی بے یقینی سے ایک سی ڈی کو دیکھ رہی تھی۔ آگ والے واقعے کے بعد یمان اور اس کے درمیان کام کی بات کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جو کچھ اس نے سنا اور دیکھا۔ ماضی کا منظر کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔

"خود کو سنبھالو یاور۔ ہمیں فوراً ائیر پورٹ جانا ہوگا۔" ہاشم نے اس کا ہاتھ مظبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ ایک لفٹ سے منہاج بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا۔ شاید وہ اور بختاور ایک ہی لفٹ سے باہر آئے تھے۔

"آ..... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی.... ہم..... ہمیں جانا چاہیے۔" وہ پسینے سے بھیگ رہا تھا۔

"تم دونوں آفس میں ہی رہنا۔ ہم ائیر پورٹ جا رہے ہیں۔" ہاشم ان دونوں کو کہتا یاور کو لے کر آفس سے باہر آگیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ ائیر پورٹ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے پہلے زخمیوں کو دیکھا وہاں کہیں بھی یمان نہیں تھا۔ جو لوگ مر چکے تھے وہ سب ایک قطار میں سفید چادر سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اس طرف جانے کے لئے بہت ساری ہمت چاہیئے تھی اور ان دونوں میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ ان کے گلے خشک ہو چکے تھے۔ اس قطار کی طرف جاتے

ہوئے ان کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اپنی سوچ کی نفی کرتے ہوئے وہ قطار کے قریب آ گئے۔ ایک میت کے پاس رک گئے۔ اس کا جسم سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس نیچے بیٹھ گیا۔ ہاشم پیچھے کھڑا تھا۔ اس کی چادر ہٹانے کے لئے یاور نے اپنا ہاتھ آگے کیا لیکن اسے لگا اس کے ہاتھ سے جان نکل چکی ہے۔ وہ اس چادر تک نہیں جا رہا تھا۔ ہمت سے نہیں مشکل، بے یقینی سے اس نے وہ چادر ہٹا دی۔ ہاشم کا دل ہاتھ بے اختیار اس کے دل پر گیا اور وہ اسے مسلنے لگا۔ یاور کی رہی سہی ساری ہمت ختم ہو چکی تھی۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

ooooooooooooooo

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ موسم معمول کے خلاف ٹھنڈا تھا۔ شام کے ساتھ ساتھ سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ آسمان پر بادل

گہرے ہوتے جارہے تھے۔اس سفید آسمان کے نیچے ایک ائیرپورٹ کا منظر تھا جہاں معمول کے خلاف زیادہ رش تھا۔ گاڑیوں کے ہارن، ایمبولینس اور لوگوں کا ہجوم اور ان کے رونے اور چیخ وپکار کی آوازیں ہر طرف پھیلی ہوئیں تھیں۔ایسے میں وہاں دوشناسا سے نفوس بھی موجود تھے جن میں سے ایک زمین پر بیٹھا اپنی رکی ہوئی سانس بحال کررہا تھا اور ایک کھڑے رہ اپنے دل کو مسل رہا تھا۔

"بھائی....یمان۔" یہ دو لفظ بمشکل اس نے سامنے پڑے بے جان اجنبی وجود کو دیکھ کر کہے اور اس کی آنکھوں سے کتنے موتی لڑیوں کی صورت میں گرے۔

"ہاں یہ یمان نہیں ہے۔یہ ہمارا ایمان نہیں ہے۔" ہاشم نے ذرا سا جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر مظبوطی سے اسے پکڑا۔ یاور کو اپنی گردن پر کچھ گرم سا محسوس ہوا۔اس نے گردن موڑ کر

ہاشم کی طرف دیکھا جو بنا آواز کے رو رہا تھا۔ یاور نے کندھے پر رکھا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ان سب کے چہرے دیکھنے کی ہِمت نہیں کر پا رہا۔ مجھ میں اب اور حوصلہ نہیں ہے۔" کہتے ساتھ ہی یاور ہاشم کے گلے لگ گیا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ وہ جتنا بھی مظبوط اور بہادر بن جاتا مگر تھا تو وہ چھوٹا ہی۔ اب ہاشم کو ہی اسے سنبھالنا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہاشم کچھ کہتا اس نے سامنے سے یمان کو آتے دیکھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہینڈ کیری تھا جسے وہ لاپرواہی سے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے کسی کو میسج کر رہا تھا۔ نا جانے وہ کس کونے سے نکل کر آیا تھا۔ ایک پل کو تو ہاشم کو لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ لیکن حقیقت سامنے تھی۔

"یمان۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں.... یمان! وہ ایسے ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتا نا بھائی۔ مجھے اسے بات پر یقین نہیں آ رہا۔ میں.... میں کیا کروں؟" یاور روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ جو سامنے سے چلتا ہوا آ رہا تھا سرسری نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تو اسے وہ دونوں نظر آ گئے۔ اس نے سکھ کا سانس لیا اور قدم ان کی جانب بڑھائے۔ یاور کی اس کی طرف پشت تھی جبکہ ہاشم کا رخ اسی کی طرف تھا۔

"بھائی۔" وہ ذرا چہک کر بولا۔ ہاشم نے یاور کو تیزی سے خود سے الگ کیا اور بھاگتا ہوا یمان کے قریب آیا۔ اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر ہاشم نے اسے زور سے گلے لگا لیا۔ ادھر یاور نے پہلے تو ہاشم کی اس حرکت پر نا سمجھی سے اسے دیکھا لیکن سامنے یمان کو دیکھ کر وہ کچھ پل بول بھی نا سکا۔ خوشی تھی کہ بیان سے باہر، الفاظ گم ہو چکے تھے۔ وہ بھی بھاری قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور ان دونوں کو

کچھ یوں گلے لگایا کہ اس کا ایک بازو یمان کی پشت پر اور دوسرا ہاشم کی پشت پر تھا۔

"کیا ہوا بھائی۔آپ دونوں رو کیوں رہے ہیں؟ جبکہ میں زندہ سلامت آپ دونوں کے سامنے ہوں۔" بھائیوں کی اس اچانک محبت پر وہ حیران ہوا تھا۔

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں اس سارے حادثے میں تم زندہ سلامت ہو مگر کیسے؟" ہاشم نے روتے ہوئے معصومیت سے کہا جبکہ ان دونوں نے جھٹکے سے ہاشم کو پیچھے کیا اور حیرانی سے گھورا۔

"میرا مطلب کہ تم....۔"

"ہم کسی جگہ پر بیٹھ کر بات کرتے ہیں پھر میں بتاتا ہوں کہ کیا ہوا اور کیا نہیں۔" یمان نے ہاشم کی بات کو درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا۔وہ پریشان لگتا تھا۔ان دونوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اس ہجوم سے

نکل آئے۔ یاور نے ایک نظر دکھ سے وہاں موجود بے جان لاشوں کو دیکھا۔ جہاں اسے اپنے بھائی کے زندہ سلامت ہونے کی خوشی تھی وہیں اسے موت کو پیارے ہو جانے والوں کا غم بھی تھا۔

لیکن ہاشم ایک نظر بھی اور انہیں نہیں دیکھ سکا۔ اس میں اتنی ہمّت بھی نہیں تھی۔ وہ بچھڑ جانے کی اذیت سے واقف تھا۔ اس لیے خاموشی سے جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ان تینوں کو ائیر پورٹ سے نکلے دس منٹ ہو چکے تھے۔ گاڑی آہستہ آہستہ ائیر پورٹ کی حدود سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ بہت احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا کیونکہ آج ہونے والے واقعے کی وجہ سے وہاں رش دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میڈیا پولیس اور باقی عام عوام ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ رش تھا کہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے ان تینوں

کوائیرپورٹ پر ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی جہاں بیٹھ کر آرام سے بات کی جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تینوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

ڈرائیونگ سیٹ پر یاور تھا۔ یاور کے ساتھ یمان تھا اور ہاشم ہمیشہ کی طرح پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

"اب تم بتاؤ کہ تم اتنی دیر سے کہاں تھے؟ ایک فون کال کر کے اپنی خیریت بتادیتے۔ نا جانے کیا کیا خیال آ کر چلے گئے، وسوسوں نے ڈرا دیا اور اس پر یقین کی مہر لگاتے ہوئے تو ہماری جان نکل رہی تھی۔" پہلے تو ہاشم نے آگے کو ہو کر پوچھا اور پھر آخری جملے پر پیچھے ہو کر بیٹھ گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ یاور نے بھی سوالیہ نظروں سے یمان کو دیکھا تبھی اس نے ایک لمبی سانس لی۔

"دراصل جب تم صبح ائیرپورٹ جا رہے تھے۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "تو راستے میں کافی زیادہ ٹریفک تھی، کوئی دو گھنٹے ہم اسی ٹریفک

میں پھنسے رہے۔ اللہ اللہ کر کے ٹریفک سے جان چھوٹی تو ائیر پورٹ کے قریب آ کر پیٹرول ختم ہو گیا۔ اس وقت نا گاڑی میں پیٹرول موجود تھا اور نا ہمیں ادھر ادھر ملا۔ اس وقت مجھے ڈرائیور پر بہت غصہ آیا لیکن غصہ نکالنے کا ٹائم نہیں تھا۔"

"اچھا تو غصہ نکالنے کے لیے بھی وقت چاہیے ہوتا ہے۔" یاور رائٹ ٹرن لے رہا تھا جب ہاشم نے دھیمے سے کہا پھر بھی وہ دونوں سن چکے تھے۔ مگر یمان نے اپنی بات جاری رکھی۔

"اس لیے مجھے جلدی میں ایک ٹیکسی لینی پڑی۔ میں آدھے گھنٹے میں ائیر پورٹ کے اندر موجود تھا۔ جب میں اندر جانے کے لئے تمام کاغذات نکالنے لگا تو مجھے پتا چلا کہ میرے پاس تو پاسپورٹ ہی نہیں ہے۔" ان دونوں نے شاک سے یمان کو دیکھا لیکن اس نے دونوں

میں سے کسی کو نہیں دیکھا کیونکہ وہ ان دونوں کے ری ایکشن جانتا تھا۔

"میں ویٹنگ ایریا میں جا کر بیٹھ گیا کیونکہ اب تین بجے والی فلائٹ میرے ہاتھ سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ میں وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس وقت کچھ سمجھ نہیں آیا کہ کیا کروں۔ تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں کر سکا۔ بس ہر آنے جانے والے کا منہ دیکھنے لگا۔ میں وہیں پیچھے کو ہو کر بیٹھ گیا۔ جب خود کو یقین دلا چکا کہ میری آج کی فلائٹ مس ہو چکی ہے تو میں نے موبائل دیکھا اور سوچا آپ کو کال کر کے بتا دوں۔ لیکن بد قسمتی سے اس کی بیٹری ڈیڈ ہو چکی تھی۔" یمان کی باتوں کے درمیان یاور گاڑی ایک سائڈ پر لگا چکا تھا کہ ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی لاپرواہی کا قصہ

سنناذرامشکل ہورہاتھایایوں کہہ لیں کہ اس کا کارنامہ سنتے ہوئے

ڈرائیو کرنا مشکل ہورہاتھا۔ وہ دونوں اس کا منہ دیکھ رہے تھے۔

"اٹھ کر باہر آیااور پھر ائیرپورٹ کی پارکنگ سے بھی باہر آگیا کہ

گاڑی ابھی تک وہیں ہو گی۔ لیکن حیرت کا نیا جھٹکا کہ ناوہاں گاڑی تھی

اور ناڈرائیور۔ آدھا گھنٹہ انتظار کیا لیکن کوئی ٹیکسی بھی نہیں ملی۔ میں

واپس اندر آیاتا کہ کوئی جگہ دیکھ کر موبائل چارجنگ پر لگادوں۔

ویٹنگ ایریامیں مجھے ایک جگہ مل ہی گئی جہاں میں موبائل چارجنگ پر

لگاسکوں لیکن وہاں مجھے خود ساتھ چارجنگ پر لگناپڑا۔ وہاں پر بیٹھنے

کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور مجھے مجبوراً کھڑا رہناپڑا۔ ابھی مشکل

سے بیس منٹ گزرے تھے اور ان بیس منٹ میں بارہ فیصد بیٹری

بڑھ گئی تھی کہ جب وہاں لگی ایک بڑی ایل سی ڈی پر یہ نیوز چلنے لگی

کہ تین بجے پرواز کرنے والی فلائٹ تباہ ہو گئی ہے۔ یقین کریں بھائی

میرا اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ مجھے اس بات کی ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی تھی کہ میں اس فلائیٹ میں نہیں تھا۔" اب اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور وہ دونوں بھی افسردہ ہو گئے تھے۔

"میں تو یہ سوچ کر کانپ گیا تھا کہ آج کون کس سے بچھڑ گیا ہو گا۔ کچھ سالوں کی جدائی عمر بھر کی جدائی میں بدل گئی ہو گی۔ کون اپنی فیملی سمیت اس دنیا سے چلا گیا۔ کون آج اپنے شوہر، بیٹے، باپ اور بھائی کو کھو چکا ہو گا۔ ان کی ذرا سی لاپرواہی نے کتنا نقصان کر دیا۔ موبائل کو چارجنگ سے اتار کر میں وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔" آنسوؤں اس کے رخسار کو بھگونے لگے۔

"اور کتنی دیر وہیں بیٹھا رہا۔ ہر طرف شور بڑھنے لگا۔ میں اندر سے باہر کا منظر دیکھ کر ڈر گیا اور وہیں کھڑا رہا۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد اس رش میں میں نے آپ دونوں کو دیکھا اور پھر وہاں مزید دیر کیے بغیر

میں باہر آگیا۔ لیکن باہر آنے تک آپ دونوں پھر سے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کو کال کرتا میری نظر پھر آپ دونوں کی طرف اٹھ گئی۔ مین خوش کیا ہوتا مجھے تو دیکھ کر حیرت ہوئی۔"

"کسی حیرت۔" ہاشم نے پوچھا

"بلکہ افسوس ہوا تھا۔" یمان نے تاسف سے سر ہلایا۔

"افسوس اس بات کا کہ آپ دونوں تب تک مجھے مرا ہوا سمجھ چکے تھے۔" یمان نے مصنوعی افسوس سے سر جھٹکا اور وہ دونوں ہنس دیئے۔

"سیچویشن بھی تو ایسی ہو گئی تھی۔" یاور نے کہا تو وہ دونوں ہنس دیئے۔ اب ماحول میں تھوڑی تبدیلی آگئی تھی۔ یاور نے گاڑی پھر سے اسٹارٹ کر دی اور اپنے مطلوبہ راستے پر گامزن ہو گئے۔

ان سے کئی میٹر کے فاصلے پر اپنے آفس میں بیٹھے جیو نگ نے اس نیوز کو دیکھا تھا۔اس کے کسی بندے نے اسے بتایا تھا کہ یمان کریش ہونے والی فلائٹ میں نہیں تھا تو وہ مسکرا دیا۔نا جانے اس کی مسکراہٹ میں کیا عجیب تھا۔

"میں چاہتا بھی نہیں یمان کہ تم مرو۔میں تمہیں اتنی آسان موت مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔" وہ بے رحم سا مسکرایا۔

ooooooooooooooooo

ہم کچھ دیر پیچھے چلتے ہیں جہاں ہم نے یونیورسٹی کے کاریڈور میں دو نفوس کو باتیں کرتے ہوئے چھوڑا تھا۔کاریڈور کے ایک طرف دروازے تھا جس کے اندر داخل ہو کر مین ہال نظر آتا تھا جبکہ دوسری طرف سے ایک وسیع میدان نظر آتا تھا۔جہاں قطار میں اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے اور پھولوں کے پودے بھی لگے

ہوئے تھے۔ رنگ برنگے پھولوں کے ارد گرد خوبصورت تتلیاں اس سارے منظر کو مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔ آسمان پر بادل گھرے ہو رہے تھے۔ اور سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا لیکن کاریڈور میں کھڑے ان دو لوگوں کو اس سرد موسم میں بھی گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔

"میں..." اس نے کہنے کے لیے لب کھولے۔ "میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ اس نے ماریہ کو دیکھا جو نا جانے کسی طرح سے دیکھ رہی تھی کہ وہ سہم گیا۔ وہ اس کے ہونٹوں کو تو ہلتا ہوا نہیں دیکھ سکا لیکن اس کی آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔

"آپ کچھ کہیں گی نہیں؟" جب وہ بہت دیر تک چپ رہی تو جنگکوک نے پوچھا۔

"مجھے کچھ کہنا تھا کیا؟" اس نے دونوں ابرو ایک ساتھ اچکا کر پوچھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا۔" ہوا کے جھونکے سے جنگلوک کے

ماتھے پر بکھرے بال اور ماریہ کا حجاب ایک ساتھ اڑے۔

"آپ نے سوال پوچھا ہی کب ہے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اگر میں آپ سے سوال پوچھوں تو گا تو کیا آپ جواب دیں گی؟"

"کیسا سوال؟" اس نے دائیں ابرو اچکائی۔

"کیا آپ بھی مجھ سے محبت کرتی ہیں؟" دل کی دھڑکنیں ترتیب میں

آچکی تھیں لیکن تیز ابھی بھی تھیں۔

"محبت کے بدلے میں محبت مانگ رہے ہیں؟"

"اگر آپ محبت کے بدلے میں محبت دے دیں تو اس میں برا ہی کیا

ہے؟"

"محبت میں سودے بازی نہیں کی جاتی۔"

"تو کیا میری یہ محبت ہمیشہ یک طرفہ ہی رہے گی؟" اس نے سہم کر تیزی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک سمجھا آپ نے۔ آپ کی یہ محبت ہمیشہ یک طرفہ ہی رہے گی۔" حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا۔

"کیا آپ کو کبھی بھی مجھ سے محبت نہیں ہو گی؟" خوبصورت موسم میں گھٹن پیدا ہونے لگی تھی۔

"نہیں۔" بہت ضبط سے اس نے انکار کیا۔ "اور اگر ہو بھی گئی تو ہمارے ملنے کا کوئی چانس نہیں ہو گا۔ اس لئے بہتر ہے آپ بھی اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو یہیں روک لیں۔ ہم دونوں دو الگ الگ مذہب کے لوگ ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا لیکن ہم اپنے راستے یہیں سے الگ کر سکتے ہیں۔" وہ بول رہی

تھی لیکن جنگکوک مذہب والی بات پر رک گیا تھا۔ یعنی سارا مسئلہ الگ الگ مذہب کا تھا۔

"کیا آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں؟" وہ بول رہی تھی لیکن جنگکوک کے سوال پر اس نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کو جواب دے چکی ہوں۔" اس نے ذرا سختی سے کہا۔

"کیا آپ مجھ سے محبت کرتی ہی؟" اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور وہ انہی مخمور آنکھوں میں اپنا اپنا کھو رہی تھی۔

"ہاں کرتی ہوں۔" بے اختیار اس کے ہونٹ ہلے اور اظہار محبت کر گئے۔ لیکن وہ لاعلم انہی آنکھوں کو دیکھتی رہی جبکہ جنگکوک کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ موسم اب پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گیا تھا۔ اس کی نظریں بے ساختہ اس کی آنکھوں سے

اس کے مسکراتے ہوئے لبوں پر آکر ٹھہریں۔اس کی معنی خیز مسکراہٹ پر اس نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔

"آپ آئندہ میرے راستے میں مت آیئے گا اور نا ہی مجھ سے بات کرنے کی کوشش کیجئے گا۔"خود کو نارمل رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"اپنا دیوانہ کر کے کہہ رہی ہیں کہ آپ سے دور رہوں۔میں خود تو آپ کے نزدیک نہیں آیا۔وہ آپ تھیں جو مجھے اپنے تک لائی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور وہ ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے تو مجھے ہر انسان سے، ہر چیز سے بیزار کر دیا ہے.....اپنے سوا۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔آپ بلاوجہ مجھے الزام دے رہے ہیں۔"اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو کیا آپ نے ہی کیا۔ مجھے لگتا تھا کہ مرد حسن کے دیوانے ہوتے ہیں، خاص طور پر کورین لڑکے۔ وہ خوب صورتی کے دیوانے ہوتے ہیں۔ جو لڑکیاں اپنی نمائش کرتی ہیں وہ ان مردوں کے دلوں کو لبھاتی ہیں۔ لیکن میں تو آپ کے حجاب کا دیوانہ ہو گیا۔ آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ عورت کا حسن تو اس کا پردہ ہوتا ہے۔ اگر یہی سچ ہے تو آپ بلاشبہ حسین ہیں۔ پلیز کبھی اس پردے کو خود سے جدا مت کیجئے گا۔ حسن برباد ہو جائے گا۔" الفاظ تھے یا مرہم ماریہ کو اپنے دل پہ لگے زخم مٹتے محسوس ہوئے۔ ذہن کے پردے پر ماضی کا ایک منظر لہرایا۔ اس وقت وہ خوبصورت حال تھا لیکن اب تکلیف دہ ماضی۔ وہاں بھی کسی نے اس کے پردے کو خوبصورت کہا تھا۔ اس وقت سے لے کر وہ اب تک حجاب کرتی آئی تھی ورنہ اس پر کسی بھائی نے پابندی نہیں لگائی تھی۔

دنیا اس کے پردے کو لے کر کیا کہہ رہی تھی وہ سب جیسے بھول گیا تھا لیکن وہ کیا کہہ رہا تھا وہ سب کچھ یاد ہو رہا تھا۔ وہ دو لوگ جو اس سے محبت کرتے تھے، محبت سے پہلے انہوں نے اس کے پردے کا احترام کیا تھا۔ اسے عزت دی تھی۔ بھلا محبت کبھی عزت سے بڑھ کر بھی ہوتی ہے؟

جنگکوک کی بات پر دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ پلکیں جھکائے اسے سن رہی تھی لیکن وہ تو ان جھکی ہوئی آنکھوں پر فدا ہو گیا تھا۔ کتنا مشکل ہو رہا تھا اس وقت خود پر کنٹرول کرنا لیکن وہ کر رہا تھا۔ اس کی خاموشی پر اس نے ذرا کو آنکھیں اٹھا کر دیکھا اور وہ وہ لمحہ تھا کہ جنگکوک نے خود کو ان آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وہ تو خود اپنا بھی نا رہا۔ جنگکوک کی دنیا بدل گئی تھی۔ وہ سارے کا سارا ان آنکھوں میں سما گیا تھا۔ وہ اس کے عشق میں جھگڑا جا چکا تھا جہاں سے

وہ اب کبھی نکل نہیں سکتا تھا۔ وہ ان آنکھوں میں قید ہو گیا تھا۔ اور اپنی آنکھوں کو اس کا پابند کر دیا تھا۔

دوسری جانب وہ تھی جو جنگکوک کو مسلسل خود کو دیکھتا پاکر کسی ٹرانس سے باہر آئی تھی۔

"میں جاؤں؟" اس کے استفسار پر جنگکوک گلا کھنکھارتا سیدھا ہوا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ اس لئے میں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔" لہجہ اچانک سرد ہو گیا تھا۔

"ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے آپ بنائیں ممکن۔ میں بھی تو دیکھوں کیسے کرتے ہیں آپ یہ۔" انداز چیلنج کرتا ہوا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنے سر کو خم دیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ ماریہ کے دل نے

بیٹ مس کی۔وہ کیوں اتنا ہینڈسم تھا۔کیوں اس کے معاملے میں دل بے اختیار تھا۔

"دیکھ لیجیے گا۔میں اسے ممکن بنادوں گا۔میری محبت آپ کو میرا بنا دے گی۔"

"دیکھتے ہیں۔"مشکل تھا جانا لیکن وہ کہہ کر رکی نہیں۔وہ چلی گئی تھی اور وہ وہیں کھڑا مسکراتا رہا۔

"دیکھ لیجئے گا۔"وہ زیر لب بڑبڑایا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ وہیں لفٹ کے پاس کھڑی کسی اچھی خبر کے آنے کا انتظار کر رہی تھی اور پھر اچھی خبر آگئی۔اس کے ساتھ کام کرنے والی لڑکی نے آکر اسے بتایا کہ ہمارے باس بالکل ٹھیک ہیں اور وہ خیر خیریت سے اپنے گھر واپس جارہے ہیں تو اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

"تمہیں کس نے بتایا یہ سب؟" وہ بے چین ہوئی۔

"یاور سر کا فون آیا تھا منہاج سر کے پاس تو انہوں نے بتایا ہے اور یہ بات آفس میں آگ کی طرح پھیلی ہے۔ سب اتنے خوش ہیں، ایک تمہیں ہی نہیں پتا۔" اپنی ساتھی کے کہنے پر بختاور نے اپنے ارد گرد دیکھا تو وہاں سب خوشی سے ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے۔ اس کے ہونٹ بے ساختہ مسکرائے۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ کیوں خوش ہو رہی ہے لیکن وہ اس وقت بے اختیار اس خوشی کو منا رہی تھی۔ اس نے اپنی ساتھی کو گلے لگایا تو وہ بھی لگ گئی۔ اس کے جذبات سے انجان وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ بختاور بھی عام ایمپلائی کی طرح اپنے باس کے زندہ بچ جانے پر خوش ہے۔ شام کو بننے والے بادل اب بارش بن کر زمین کو سیراب کر رہے تھے۔

لفٹ کی طرف جاتے ہوئے منہاج نے بختاور کو ایک نظر دیکھا تھا۔

oooooooooooooooooooo

وہ سب شام کے کھانے پر اکٹھے ہوئے تھے۔ حماد اور ماریہ یمان کے واپس آنے پر حیران ہوئے تھے تبھی ہاشم نے ان دونوں کو ساری کہانی سنائی۔ وہ دونوں خفا خفا سے یمان کو دیکھنے لگے کہ اتنی بڑی بات ان دونوں کو سب سے آخر پر پتا چل رہی ہے۔ کھانے کی میز پر ہلکی پھلکی نوک جھوک شروع ہو چکی تھی۔

oooooooooooooooooooo

رات بہت گہری اور کالی ہو گئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا اچھیل گیا تھا۔ شام کو ہونے والی ہلکی ہلکی بارش اب بہت تیز ہو چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے روم میں بیڈ کے بیچ و بیچ لیٹا ہوا تھا۔ باہر بجلی کے چمکنے اور بادل کے گرجنے کی آوازیں کسی ہارر موووی کا منظر پیش کر رہی تھیں لیکن وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ آج ماریہ سے ہونے والی ملاقات اس

کے دماغ میں کسی فلم کی طرح چل رہی تھی۔ پیچھے دھیمی آواز میں کوئی میوزک چل رہا تھا۔ وہ کسی خیال کے تحت تیزی سے اٹھا اور اپنے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا۔ وہاں پر ایک جامنی رنگ کی ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ اس نے وہ ڈائری اٹھائی اور وہیں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کورے کاغذ کے لیے وہ ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ کورا کاغذ نظر آتے ہی اس نے ٹیبل پر پڑا لاوارث پین اٹھایا اور اس کی نیلی روشنی سے ڈائری کے کورے کاغذ کو سجانے لگا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ میری زندگی میں کب، کیسے اور کیوں آئیں لیکن آپ جب سے آئی ہیں میں زندگی کو الگ طریقے سے سوچنے لگا ہوں۔" ایک جملہ لکھ کر وہ رک گیا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے ان احساسات کا اظہار کیسے کرے۔ قلم اس کے دل کی کیفیت لکھنے سے قاصر تھا۔

"کیا آپ واقعی ہی اتنی خوبصورت ہیں کہ دیکھنے والے کو اپنی آنکھوں

سے محبت ہو جائے۔"

وہ اب اٹھ کر شیشے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی آنکھوں میں

اسے دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار اس نے اپنی آنکھوں کو چھوا گویا وہاں

آنکھیں نہیں وہ موجود تھی۔ وہ کھڑکھڑکی کے پاس چلا آیا اور اسے

کھول دیا۔

"اپ میرے لیے بارش میں کی گئی دعا جیسی ہیں اور دعائیں کبھی رد

نہیں ہوتیں۔" بارش کا رخ اس کے کمرے کی طرف تھا اس لیے

بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر گرنے لگیں۔

"آپ میری قسمت کا چمکتا ہوا ستارہ ہیں۔"

کھڑکی کھلی چھوڑ کر وہاں قدم قدم چلتا پھر شیشے کے سامنے آ گیا۔

"آپ ان آنکھوں کا نور ہیں۔ جب تک آپ ان آنکھوں کے سامنے رہیں گی تو سب کچھ خوبصورت دکھائی دے گا اور دن آپ مجھے دکھائی نا دی تو مجھے خوبصورت تو کیا کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا۔"

وہ تصور میں۔ بھی اسے تم نہیں کہہ پایا تھا۔ ڈائری پر ایک ایک لفظ اتارتے ہوئے وہ کسی الگ دنیا کا باسی لگ رہا تھا۔ جیسے وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ وہ اس سے عشق کر بیٹھا تھا لیکن وہ اس بات سے انجان رہا۔ اندر آتی ٹھنڈ اس کے جسم میں سرایت کرنے لگی۔ اس نے جھڑ جھڑی لے کر کھڑکی بند کر دی۔ اب بارش کا راستہ رک گیا تھا اور وہ ٹپ ٹپ کرتی شیشے کی کھڑکی پر گرنے لگی۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس نیچے بیٹھ گیا اور بے دھیانی میں دھندلی کھڑکی پر اس کا نام لکھنے لگا۔ پہلے ماریہ، پھر ایم، پھر جے، پھر جنگکوک، پھر ماریہ جنگکوک۔

وہ قدم قدم چلتی بہت آرام سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ اسے چھونا چاہتا تھا لیکن وہ تصور میں بھی اسے اس کی اجازت کے بغیر چھو نہیں سکا۔

"تم خواب نہیں ہو، نا حسرت ہو، نا ہی کوئی خواہش۔ کاش.... کاش تو بالکل بھی نہیں۔ تم میری چاہت ہو، میری محبت ہو...

اور.... سب سے بڑھ کر تم ایک دوا ہو۔ جسے جنگکوک نے بڑی شدت مانگا ہے اور آج پھر میں تمہیں ہی مانگ رہا ہوں۔ تم جنگکوک آفندی کی دعاؤں میں آن بسی ہو۔"

وہ مسکرائی۔

"کیا تم میرے اس گھر کو اپنی قہقہوں سے سجاؤ گی؟" وہ بس مسکرا رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ کھڑکی کی جانب بڑھایا۔ وہاں اس نے ایک ساتھ "ایم جے" لکھا تھا۔ اس کے نیچے ایک لائن لکھی تھی۔

"مجھے دعاؤں میں مانگنا کبھی مت چھوڑنا۔" وہ سامنے بیٹھی مسکراتی رہی۔ وہ اب اسے نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ بارش میں کہیں گم ہوگئی تھی۔ جبکہ جنگلوک کچھ پل اس جملے کو دیکھتا رہا۔ یہ الہام تھا یا محبت کا اشارہ تھا۔ اس نے فوراً یہ لائن اپنی ڈائری میں لکھی اور اسے بند کر دیا۔ واپس بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔ یہ تو طے تھا کہ آج اسے نیند نہیں آنے والی تھی۔ اسے اب ناممکن کو ممکن بنانے کے بارے میں سوچنا تھا۔ اس نے سرسری گردن موڑ کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔ وہاں اب وہ جملہ نہیں تھا۔ وہ بے بس سا مسکرا دیا۔

"تو یہ میرا وہم تھا۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

دیوار پہ لگی گھڑی رات کے دس بجا رہی تھی لیکن بارش اپنے پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔ شیشے کی کھڑکی پر بارش کے قطرے تڑتڑ

کرتے گر رہے تھے اور وہ وہیں کھڑکی کے پاس نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کے عین سامنے وہ بیٹھا ہوا تھا اور شہادت کی انگلی سے کھڑکی پر اس کا نام لکھ رہا تھا۔ نام لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ رکے۔ اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

اس نے دیکھا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے حرکت کی ہے لیکن پھر رک گیا۔ اب وہ مسکرائی تھی۔ وہ جو تصور میں بھی بغیر کسی رشتے کے چھونا گناہ سمجھ رہا تھا پھر اس کی محبت پر شک کی گنجائش کہاں باقی رہتی تھی۔

اس نے کھڑکی کی جانب ہاتھ بڑھائے اور پھر اپنے نام کے ساتھ اس کا نام لکھ دیا۔

"ایم جے۔"

پھر نیچے ایک سطر لکھی۔ لیکن اس نے یہ حرکت ہوا میں کی تھی۔

کھڑکی بالکل صاف تھی۔ اس نے جنگلوک کی جانب دیکھا جو اس سطر

میں کھو گیا تھا۔ پھر اس نے فوراً ہی اس سطر کو اپنی ڈائری میں لکھا۔ وہ ہنس دی۔

اس نے دیکھا کہ وہ وہاں سے اٹھ گیا ہے اور قدم قدم چلتا ہوا بیڈ پر جا کر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے پلک جھپک کر دیکھا، اب وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ پر سوچ انداز میں مسکرا دی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اس طرف دیکھ رہا ہے لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ اس سے کئی زیادہ فاصلے کے باوجود بھی اس کی نظروں کو محسوس کر سکتی تھی۔

ان دونوں کو الہام ہو رہے تھے۔ محبت اپنے حصے کا کام کر چکی تھی۔ کچھ دیر وہ وہاں بیٹھی برستی بارش کو دیکھتی رہی لیکن پھر چائے کی طلب نے اسے وہاں سے اٹھا دیا۔ وہ اٹھی اور کھلے بالوں کو فولڈ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کیچن میں جاتے ہوئے اس کی نظروں نے یاور کے روم تک کا سفر کیا۔ چائے کا ارادہ ترک کر کے اس نے اپنے قدم اس کے روم کی طرف بڑھا دیئے۔ بال کھل کر پشت پر گر چکے تھے۔ وہ روم کے باہر رک گئی اور آہستہ سے دروازہ ناک کیا۔

وہ کھڑکی کے پاس رکھی ونگ چیئر پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، دستک پر چونک کر سر اٹھایا۔ وہ دروازے میں گردن اندر نکالے کھڑی تھی۔ وہ حیران ہوتے ہوئے مسکرا دیا۔

"آجاؤ۔" اس نے کتاب پاس پڑی چھوٹی سی گول میز پر رکھ دی۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں، سوئے نہیں؟" وہ قدم قدم چلتی ہوئی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

"نیند نہیں آرہی تھی۔" اس نے قدرے مسکرا کر کہا۔

"کیوں خیریت ؟آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ فکر مندی سے آگے کو ہوئی اور پھر وہیں بیٹھ گئی۔اس کے پاس، زمین پر۔ فکر مندی سے چہرہ اوپر اٹھائے وہ اپنے بھائی کو دیکھنے لگی۔

"ہاں بس ایسے ہی، تھکن سی ہو رہی تھی۔" وہ بات کو گول کر گیا۔

"ہمم۔" اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ وہ بہت اچھے سے جانتی تھی اپنے بھائی کو۔ وہ کبھی بھی اسے اپنی پریشانی نہیں بتائے گا۔

"تم بتاؤ کیوں جاگ رہی ہو ابھی تک ؟"

"نیند نہیں آرہی تھی۔ پھر چائے کی طلب ہوئی تو وہ بنانے آگئی۔" وہ گول میز کے ساتھ کمر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

"پھر... کہاں ہے چائے۔ بنائی نہیں ؟" وہ ٹیک لگائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ پہلے مسکرائی اور مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔ پھر آگے کو ہو کر یاور کے گھٹنے پر سر رکھ دیا۔ وہ اس کی اس حرکت پر مسکرادیا لیکن پھر تفکر سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا سب ٹھیک ہے نا؟ پریشان لگ رہی ہو۔" یاور نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

"بابا کا بھی جہاز کریش ہوا تھا۔" اس نے بہت دھیمے سے کہا لیکن یہ ایک جملہ دونوں کے لیے کتنا تکلیف دہ تھا۔ یاور نے سختی سے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کی۔

"اور ہم نے بابا کو کھو دیا۔" اپنی بات پر اس نے یاور کے وجود میں لرزش واضح نوٹ کی تھی۔

"لیکن یمان بالکل صحیح سلامت ہمارے پاس موجود ہے۔" اس نے قدرے مسکرا کر کہا۔ وہ اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپے کرب کو جانتی تھی۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے بھائی۔" وہ بات بدل گئی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو کمزور پڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے اس بھائی کو بھی نا جانے کب سے یہی بات ستا رہی تھی۔ جب اس نے یمان کے جہاز کے کریش ہو جانے کی خبر سنی تو اسے فرقان احمد یاد آ گئے تھے تبھی تو وہ خود کو سنبھال نہیں سکا۔

لوگوں کو لگتا ہے کہ جو ظاہر نہیں کرتے، انہیں تکلیف نہیں ہوتی لیکن سب سے زیادہ تکلیف انہیں ہی ہوتی ہے جو اپنی تکلیفوں کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔ وہ سارے غم، ساری پریشانیاں، ساری تکلیفیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور وہ ساری تکلیفیں اندر ہی اندر

اکٹھی ہوتی رہتی ہیں، کبھی کبھی ان تکلیفوں کے باعث گھٹن پیدا ہونے لگتی ہے، سانسیں رکتی ہوئیں محسوس ہوتی ہیں لیکن اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی کے سامنے نا روئے۔ کوئی اس کے آنسو نا دیکھ لے۔ جو لوگ اسے دیکھ کر جیتے ہیں اس کے کمزور پڑنے پر ان کا کیا حال ہو گا۔ پھر وہ اپنے اوپر سے انسان ہونے کا ٹیگ اتار کر روبوٹ کا ٹیگ لگا لیتے ہیں لیکن آج کے دور میں ایسے باہمت لوگ اس دنیا میں کم ہی پائے جاتے ہیں۔

"ہاں بولو۔" وہ بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"آپ غصہ تو نہیں کریں گے نا؟" اس کے اس طرح معصومیت سے پوچھنے پر یاور زیر لب مسکرایا۔

"نہیں کروں گا۔"

"ہماری یونیورسٹی میں ایک لڑکا ہے... وہ... وہ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" یاور کے چلتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ ماریہ نے اپنی آنکھیں زور سے بند کرلیں لیکن اس کے گھٹنے سے سر نہیں اٹھایا۔

"کیا تم اسے جانتی ہو؟" اب وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں اس کے بارے میں بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ غیر مسلم ہے۔" یاور نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا لیکن وہ سر اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ مجبوراً یاور کو خود کو نارمل رکھنا پڑا۔

"پھر تمہیں اس کے اپنی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کو وہیں روک دینا چاہیے، کیونکہ یہ ناممکن ہے۔" اس نے سختی سے کہا تو اس نے ہمت کر کے سر اٹھا کر یاور کو دیکھا۔

"وہ کہتا ہے ناممکن کچھ نہیں ہوا۔ وہ اس ناممکن کو ممکن بنادے گا۔" نا جانے کیوں اسے ایک پل کو لگا کہ وہ نہیں مانے گا اور یہی ایک پل موت جیسا لگا تھا۔۔۔۔۔جذباتی احساس۔۔۔۔۔

"یعنی اس کے لیے محبت کا پہلا امتحان شروع ہو چکا ہے۔" یاور نے کچھ سمجھتے ہوئے کہا۔

"لیکن......وہ مجھے کبھی بھی پہلی کوشش میں حاصل نہیں کر سکتا۔" اس نے حیرانی سے اپنی بہن کو دیکھا۔ کیا وہ یہ جانتی ہے۔ اگر جانتی ہے تو اسے کھو دینے کے خیال نے اس کے چہرے کے رنگ کیوں چھین لیے تھے۔

"یہ بات تم اسے بھی بتادو پھر۔" یاور نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا ہاں وہ تمہاری بک مجھے تمہیں دینی تھی جو تمہاری فرینڈ نے تمہیں دی تھی۔" وہ اپنی چیئر سے اٹھ کر بک شیلف کی طرف بڑھ گیا۔ پھر وہاں سے جنت کے پتے اٹھا لایا اور اس کے سامنے کی جسے اس نے پکڑ لیا۔

"اچھی کتاب ہے۔ تمہارے لیے کافی مفید ثابت ہو گی۔ چوائس اچھی ہے تمہاری دوست کی۔" اس نے بنا ہچکچائے کہا جبکہ وہ مسکرا کر کتاب کو دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں اسے پڑھ لوں گی لیکن ابھی بہت نیند آ رہی ہے اس لیے سوؤں گی۔"

"اور چائے؟" یاور نے اسے جیسے یاد دلایا۔

"نہیں اب میرا موڈ نہیں ہے۔" اس نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا تو اس نے مسکرا کر محبت سے اپنی بہن کو دیکھا۔ کتنی عزیز

تھی وہ ان سب کو۔ اس کی ایک مسکراہٹ میں اس کے بھائیوں کی جان بستی تھی۔ لیکن اب وہ محبت کے راستے پر آرہی تھی اور محبت میں تکلیف نا ہو، آزمائشیں نا ہوں ایسا تو ناممکن تھا۔ یاور کے دل میں ایک نئی پریشانی جنم لینے لگی۔

"ٹھیک ہے پھر تم سو جانا۔ اسے کل پڑھ لینا۔" اس نے کتاب کی طرف اشارہ کیا۔

"ہمم اوکے۔ شب بخیر۔" وہ جانے کے لئے پلٹی۔

"سنو۔" اس کی پکار پر وہ رکی۔

"جی۔"

"نام کیا ہے اس لڑکے کا؟" وہ اٹکی پھر فوراً بولی۔

"جنگلوک آفندی۔" کہہ کر وہ روم سے باہر نکل آئی جبکہ وہ ایک انچ بھی ہل نہیں سکا۔ وہ اس نام کو کیسے بھول سکتا تھا۔

وہ گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھا۔

وہ سیمون آفندی کو نہیں بھول سکتا تھا۔اس شخص کو اس نے کبھی حقیقت میں نہیں دیکھا تھا لیکن اس کا نام بہت دفعہ سنا تھا اور جنگلوک...اسی کا تو بیٹا تھا۔

وہ مزید پریشان ہو گیا تھا۔

oooooooooooooooooo

"کیا بات ہے آج بہت مسکرایا جا رہا۔" وہ دونوں سونے کی تیاری کر رہیں تھیں جب فرح نے علیزے کو کہا جو بیڈ پر لیٹ کر روم کی چھت کو دیکھ رہی تھی اور مسکرا بھی رہی تھی۔

"بات ہی اتنی خوشی کی ہے میں کیا کروں۔ میرا تو دل کر رہا ہے خوشی سے جھوموں میں بس۔" اس نے تیزی سے سیدھے ہو کر فرح کو زور سے گلے سے لگا لیا۔

"اچھا بتاؤ تو کیا بات ہے جو تمہارا جھومنے کا دل کر رہا ہے؟" فرح کو اس کی خوشی کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے میں نے ایک اردو ناول پڑھا ہے۔ یارم۔ اور اس ناول نے مجھے بہت رلایا اور بہت ہنسایا ہے۔ زندگی سے بھرپور ناول تھا وہ فرح۔ اتنا خوبصورت کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔" وہ دونوں کتابیں پڑھنے کی شوقین بہنیں۔ ایک سنا رہی تھی اور دوسری سن رہی تھی۔

"یارم کے اختتام میں وہ دونوں مل گئے۔ عالیان اور امرحہ۔ اور مجھے..... ان دونوں سے زیادہ مجھے خوشی ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھیں خوشی سے بھر آئیں۔ "تمہیں پتا ہے وہ لڑکا اتنا اچھا تھا، وہ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا اور وہ کرتا بھی تھا۔ ہائے کہاں ملتے ہیں ایسے شہزادے لڑکے۔" علیزے نے آہ بھری تو فرح نے اسے گھوری سے نوازا۔

"اتنا اچھا لڑکا تمہیں مل تو رہا ہے اور کیا چاہئے؟"

"وہ کتنا شہزادہ ہے یہ تو اس سے ملنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔" علیزے نے ایک ادا سے آگے آئے بالوں کو پیچھے کیا۔

"مجھے تم ایک بات بتاؤ۔ تم اس شادی سے خوش بھی ہو کہ نہیں؟" فرح نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"آمم... اچھا لڑکا ہے۔" اس نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بہت بد تمیز ہو تم میسنی لڑکی۔ دل ہی دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں اور میرے سامنے انجان بن رہی ہو۔" فرح نے اس کے بازو پہ چٹکی کاٹی جس سے اس کی دبی دبی چینخ نکلی۔

"فرح کی بچی۔" چٹکی کاٹتے ہی وہ بیڈ سے نیچے اتر گئی تھی تبھی علیزے اس کے پیچھے لپکی۔ پہلے تو وہ دونوں روم میں بھاگتی رہیں پھر روم سے باہر آگئی۔ لاؤنج میں رکھے صوفوں کے ارد گرد بھاگنے لگیں۔ فرح

آگے آگے اور علیزے پیچھے پیچھے۔فرح بھاگتی ہوئی ماں بابا کے روم کی طرف لپکی، علیزے بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔اندر سے آتی آوازوں نے ان دونوں کے قدم ادھر ہی روک دیئے۔وہ دونوں ادھر ہی کھڑے ہوئے باتیں سننے لگیں۔

"آپ نے اچھے سے چھان بین کروالی ہے نا؟ کسی فیملی ہے وہ؟"علینا نے اپنے شوہر سے پوچھا جو لیپ ٹاپ پر مصروف نظر آرہے تھے۔

"اچھی فیملی ہے۔اچھے لوگ ہیں۔"اسجد صاحب نے سرسری بتایا پھر کسی خیال کے تحت لیپ ٹاپ بند کر کے علینا بیگم کی طرف متوجہ ہوئے۔

"وہ لوگ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے ہیں۔چھ بھائی ہیں اور ایک بہن۔میں سوچ رہا تھا کہ۔۔۔۔۔۔"

"کہ؟"

"کہ ہم فرح کے لیے ان کے بڑے بھائی کا ہاتھ مانگ لیں۔" انہوں نے بہت آہستگی سے کہا تو علینا بیگم نے چونک کر دیکھا۔ "دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں ایک ساتھ رہیں گی۔"

"کیا وہ مان جائیں گے، مطلب انہوں نے بھی تو کچھ سوچا ہو گا نا۔" علینا بیگم نے تفکر سے پوچھا۔

"بات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اگر کچھ اور سوچا ہو گا تو ہم ان کے فیصلے کا ہی احترام کریں گے۔" اسجد صاحب نے کہا تو وہ "ہمم" کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

"ویسے کس بھائی کے لیے بات کریں گے آپ کیونکہ مومن کے تو دو ہی بڑے بھائی ہیں۔" وہ اصل سوال کی طرف آئیں۔

"ہاشم درانی۔"علیزے نے شرارتی مسکراہٹ سے فرح کو دیکھا جبکہ اس کے چہرے سے سایہ سا گزرا۔وہ بھاری دل کے ساتھ روم میں واپس آگئی۔علیزے بھی اسی کے پیچھے روم میں آگئی۔

"پتا نہیں امی اور بابا جان کو میری شادی کا اچانک کیوں خیال آگیا۔" وہ بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

"شکر کرو تمہیں ہاشم درانی مل رہا ہے۔ہاشم کاردار نہیں۔ورنہ ساری زندگی سر پکڑ کر روتی۔"وہ جو پریشانی سی بیٹھی تھی،نا سمجھی سے علیزے کو دیکھا۔

"یہ ہاشم کاردار کون ہے؟"

"لو کر لو بات۔تم ہاشم کاردار کو بھول گئیں۔وہی جس نے اپنی محبت کو آبزیدان میں قتل کیا تھا۔"فرح نے سخت بیزاریت سے اسے دیکھا۔

"یار وہ نمل ناول والا ولن۔ وہ ناول جسے ہم دونوں نے پاکستان میں ہی پڑھا تھا۔"

"ہاں جانتی ہوں میں۔" کہہ کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔

"تو پھر۔۔۔۔"

"سونا ہے مجھے۔" علیزے بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن فرح منہ سر لپیٹ کر لیٹ گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

صبح آہستہ آہستہ روئے زمین پر اتر رہی تھی۔ سورج کی سنہری کرنیں ہر سو پھیل رہیں تھیں۔ کل ہونے والی بارش اب ختم ہو چکی تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ لان میں بھی دھوپ چمک رہی تھی۔ کھڑکی کے سامنے پردے ہونے کی وجہ سے دھوپ کا راستہ رک گیا تھا۔ کھڑکی کے اس پار رکھے بیڈ پر کوئی پیچ و پیچ اوندھا پڑا ہوا تھا۔ کمرے میں

نیم اندھیرا تھا۔ دفعتاً پاس رکھے موبائل پر رنگ ہونے لگی۔ کچھ دیر تو وہ ایسے ہی بے حس و حرکت پڑا رہا لیکن فون کرنے والا بھی کوئی ڈھیٹ تھا۔ تنگ آکر اس نے موبائل کی تلاش میں ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ موبائل ہاتھ میں آنے کے بجائے زمین پر جا گرا۔

"کیا مصیبت ہے یار۔ اتنی صبح صبح بھی ان لوگوں کو سکون نہیں آتا۔" موبائل گرنے کے باوجود بجتا جا رہا تھا۔ جنگکوک نے تنگ آکر سرہانے کو سائڈ پہ پھینکا اور آگے کو ہو کر موبائل اٹھانے لگا۔ اس کے سارے بال اس کے ماتھے پر آگرے اور ان کی نوکیں اس کی آنکھوں میں چبھنے لگیں۔ موبائل اٹھا کر اس نے سامنت کھلاتے کیا تو اسکرین پر چمکتا ہوا نام دیکھ کر اس کی نیند جیسے فرار ہوئی۔

"تسبیحہ۔" اس نے زیرلب یہ نام لیا کہ کوئی سن نا لے۔ کافی ماہ بعد اس نے جنگکوک کے ساتھ رابطہ کیا تھا۔ ان نے فوراً فون کان کے ساتھ لگایا۔

"تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ جب تک میں نا کہوں مجھے کال مت کیا کرو۔ اگر کوئی دیکھ لیتا تو......" اس کے چہرے پر خفگی کا تاثر ابھرا۔ لیکن اگلے ہی پل ختم ہوا۔

"کیا آج ملنا ضروری ہے؟"

"ابھی؟"

"اچھا ٹھیک ہے میں آرہا ہوں۔" فون سائڈ پر رکھ کر وہ فوراً اٹھا۔ بیڈ سے اتر کر وہ واشروم کی جانب بڑھ گیا۔

"ٹائم دیکھو تم کیا ہو رہا اور تم اب یونیورسٹی جا رہے ہو؟" کچھ دیر بعد وہ یونیورسٹی کے حلیے میں باہر آیا تو سارہ آفندی نے خفگی سے کہا۔

"سوری مما..... آپ اٹھا دیتیں نا۔" وہ مسکرا کر کہتا اس کے پاس چلا آیا۔

"تمہارے بابا بھی خفا سے آفس گئے ہیں۔ انہیں تمہارا لاپرواہ ہونا بالکل بھی پسند نہیں ہے جنگلوک۔"

"آپ دونوں کو میں آ کر منالوں گا ابھی میں نکل رہا ہوں۔" ماں کے ماتھے پر پیار کرتا ہوا وہ تیزی سے جانے لگا۔ وہ رک نہیں سکتا تھا۔ وہ جب بھی تسبیحہ سے ملتا تھا اسے لگتا تھا کہ وہ اپنی ماں کو دھوکہ دے رہا ہے۔

"ناشتہ تو کر لیتے۔"

"میں یونیورسٹی میں ہی کر لوں گا۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ پیچھے وہ آہ بھر کر رہ گئیں۔"

ooooooooooooooooooooooooooooooooooo

وہ اپنے روم میں بیٹھی اسکول کا کام کر رہی تھی۔ وہ آٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ پونی ٹیل بنائے عام سے لباس میں وہ کافی مصروف دکھائی دیتی تھی۔ جب کوئی دروازہ ناک کر کے اندر آیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ دروازے پر حماد کھڑا تھا۔

"میڈی تم۔ خیریت؟" اس نے کلاک کی طرف دیکھا جو شام کے چھ بجا رہی تھی۔ پھر حماد کی طرف دیکھا جو مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چادر تھی۔

"وہ میں.... تمہیں کچھ دینے آیا ہوں۔" وہ جبراً مسکرایا تھا لیکن آٹھ سال کی ماریہ اس کی ہنسی کو سمجھ نہیں سکی۔

"کیا؟" وہ اپنا کام چھوڑ کر مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"یہ.... مما کی آخری نشانی۔" اس نے ایک بڑی سی چادر اس کی جانب بڑھائی۔ اس کا رنگ سفید تھا۔ ماریہ نے ایک نظر چادر کو دیکھا پھر حماد کو۔

"تمہیں کیسے پتا کہ یہ ان کی ہے؟" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"جب مما کی طبیعت خراب ہوئی تھی انہوں نے یہی چادر لی ہوئی تھی۔ میں چادر پکڑ کر رو رہا تھا کہ مجھے بھی ساتھ جانا ہے۔ نا بابا مجھے لے کر جا رہے تھے، نا میں چادر چھوڑ رہا تھا۔" حماد کے دل میں کئی ٹیسیں اٹھیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ماریہ کا قتل ہی کر دے۔ لیکن ابھی اسے صبر کرنا تھا۔ وہ ماں کو کھو چکا تھا دوست کو نہیں کھو سکتا تھا۔

"مما کی طبیعت بگڑ رہی تھی تو بابا نے جلدی میں وہ چادر وہیں پھینکی اور ہاشم بھائی کو دوسری چادر لانے کا کہا اور خود گاڑی میں بیٹھ کر چلے

گئے۔ میں روتا رہا لیکن میری ایک نا سنی۔ جب تک مما گھر نہیں آ گئیں میں اس چادر کو پکڑ کر روتا رہا۔ ایک پل کے لیے بھی اس کو خود سے جدا نہیں کیا۔" بات کرتے ہوئے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

ماریہ کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں آ چکے تھے۔

"پھر جب مما گھر آئیں تو تم نے کیا کیا؟" حماد نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں مارنے کی کوشش کی تھی۔" اس نے نا سمجھی سے حماد کو دیکھا۔

"تم پیدا ہو کر گھر آئیں تھیں لیکن میری ماں مر کر۔ وہ ایمبولینس میں گھر آئیں تھیں۔" وہ رو رہا تھا اور بھائی کو روتا دیکھ کر اس کا دل کٹ رہا تھا۔ وہ جتنا مرضی اس سے نفرت کرے لیکن وہ اس سے نفرت نہیں

کر پاتی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر حماد کو گلے سے لگایا تو وہ اور زور سے رونے لگا۔

"مجھے معاف کردو میڈی۔ میں نے مما کو تم سے چھین لیا۔ وہ میری وجہ سے۔۔۔۔" وہ اس سے الگ ہوا۔ آنکھوں میں خفگی تھی۔

"ہاں یہ سچ ہے۔ تم نے ہی مما کو چھینا ہے۔ لیکن پھر بھی دیکھو میں تمہارے پاس آیا ہوں ان کی نشانی لے کر۔ تم جانتی ہو ہماری ماں پردہ کرتی تھیں جبکہ تم ایسے ہی باہر گھومتی رہتی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ماں کے نقش قدم پر چلو۔" اس نے چادر اسے دی تو ماریہ نے فوراً اسے تھام لیا۔ پھر شیشے کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔ چادر کو اچھے سے اپنے سر پر لیا۔ چادر اس کے قد سے کچھ زیادہ ہی بڑی تھی پھر بھی وہ اسے سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اس سفید چادر کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ حماد کی بہن اتنی خوبصورت لگ رہی

تھی کہ حماد اس سے نفرت کے باوجود کتنی دیر تک اسے دیکھے گیا۔ وہ بالکل گل رعنا کی کاپی تھی۔ کم خوبصورت مگر پرکشش۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" وہ اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

"بالکل مما کی طرح۔" اس نے بے اختیار کہا تو ماریہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فوراً سنبھلا۔

"جاؤ اپنے دوست کو بھی دکھا کر آؤ۔ شاید اسے بھی یہ پسند آجائے۔" حماد نے کہا تو وہ سر ہلاتی باہر آگئی۔ اسے حماد پر یقین نہیں تھا، اسے ہایون پر یقین تھا۔ اسی لیے وہ چپ چاپ باہر آگئی جبکہ حماد وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"وہ غیر مسلم ہے ماریہ۔ وہ کبھی بھی تمہیں حجاب میں پسند نہیں کرے گا۔ وہ تمہارا مذاق اڑائے گا اور پھر وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔ مجھے

میرا دوست واپس مل جائے گا۔ تم دونوں دور ہو جاؤ گے۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے بولا پھر کچھ سوچتے ہوئے باہر آ گیا۔

ادھر وہ پودوں کو پانی لگاتے ہایون کے بالکل پیچھے کھڑی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" ہایون نے مڑ کر دیکھا تو جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ سفید چادر میں اس کی براؤن آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی لال بھی تھیں۔ کیونکہ وہ حماد کے ساتھ روئی تھی۔ ہایون نے اس کے چہرے سے سفید چادر کو ذرا سا پیچھے کیا۔

"بالکل جنت سے آئی حور کی طرح لگ رہی ہو۔" وہ نروس ہوئی۔

"تم ہمیشہ اپنے اوپر ایک ایسی ہی چادر لیا کرو۔ یہ تمہیں زیادہ خوبصورت بناتی ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا جبکہ فاصلے پر کھڑے حماد کو ماریہ سے مزید نفرت ہوئی۔ اس نے کچھ اور سوچا تھا اور یہاں کچھ اور ہو گیا تھا۔

"مطلب؟" اس نے پوچھا۔

"تم ہمیشہ پردہ کیا کرو۔ میں چاہتا ہوں تم جب بھی باہر جاؤ اپنے چہرے کو اس بڑی چادر کے ساتھ ڈھک لیا کرو۔" اس نے کہا تو ماریہ نے فوراً سر ہلایا۔ وہ ہایون کی باتوں کو سوچتی نہیں تھی بس مانتی تھی۔

"اگر تمہیں یہ اچھا لگا ہے تو میں آئندہ یہی کیا کروں گی۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ ایک مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ ہایون کی نظروں نے اسے دور تک دیکھا۔ پھر اس نے اس کے پیچھے جاتے حماد کو۔ پھر تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ان دو بہن بھائی کے درمیان حد سے زیادہ نہیں آسکتا تھا۔

"معاف کرنا میں تمہیں مما کی آخری نشانی نہیں دے سکتا۔" وہ اس کے پیچھے ہی روم میں آیا تھا۔ اس نے رک کر حماد کو دیکھا۔ پھر آرام سے چادر اسے دے دی۔

"میں یاور بھائی سے نئی منگوا لوں گی۔" ضد وہ بھی کر سکتی تھی لیکن کوئی فائدہ نہیں تھا ہونا۔ بس خواہ مخواہ گھر کا ماحول خراب ہوتا۔ جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

حماد نے ایک سخت نظر اسے دیکھا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ وہ دکھ سے مسکراتی وہیں بیٹھ گئی۔

لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ اب سے پردہ ضرور کرے گی۔ لیکن وہ رات فرقان ہاؤس میں قیامت کی رات تھی۔ اسی رات فرقان ہاؤس میں فرقان احمد درانی کا جنازہ آیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

آج آٹھ بجے ہاشم کی ایک بہت اہم میٹنگ تھی اس لیے وہ صبح سویرے ہی نکل گیا تھا۔ یاور اور باقی سب ابھی تک ناشتہ ہی کر رہے تھے۔

آفس گھر سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھا لیکن ہاشم احتیاطاً سات بجے نکل گیا تھا۔ اسے گھر سے نکلے ہوئے پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ گاڑی ایک شفاف روڈ پر چل رہی تھی۔ ارد گرد اکادکا گاڑیاں اور بھی تھیں۔ وہ بہت احتیاط سے اور اطمینان سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اچانک اس کا پاؤں بریک پر گیا اور گاڑی رک گئی۔ سامنے سے ایک لڑکی سڑک کے کنارے پر تیز رفتار سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ وہ سانس لینا بھول چکا تھا۔ وہ اس چہرے کو پہچانتا تھا۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا اس چہرے کو۔ اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ ہر چیز جامد ہو گئی تھی۔ سب کچھ رک گیا تھا۔ بس وہ بھاگ رہی تھی لیکن وہ کیوں بھاگ رہی تھی۔ اس سوچ نے اسے کسی ٹرانس سے باہر نکالا۔ اس کی نظریں اس بھاگتے ہوئے وجود سے ہوتی ہوئیں پیچھے گئیں جہاں دو لڑکے بھاگ رہے تھے۔ یقیناً وہ اس لڑکی کا تعاقب کر

رہے تھے اور وہ ان سے بچنے کے لیے لیے سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک شناسا سا درد جاگا۔ اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ چکا تھا لیکن دل کہہ رہا تھا اس کی مدد کرو۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ گاڑی سے کیسے باہر آیا، کیسے اس نے سڑک پار کی۔ گاڑی سے اس لڑکی تک کا راستہ سیکنڈز میں کیسے طے کیا۔

اس نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا، بس اس کی کہنی پکڑ کر اسے گاڑی تک لایا، فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور اسے اندر دھکیلا۔ خود ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں لڑکے کہاں گئے، ارد گرد کیا ہو رہا ہے وہ دونوں ہر چیز سے بے خبر ہو چکے تھے۔ وہ بس ہاشم کو دیکھے جا رہی تھی لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور زن سے آگے لے گیا۔

وہ ابھی تک ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو موبائل پر کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔ نمبر ملا کر فون کان کے ساتھ لگایا تو دوسری جانب سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"میں ہاشم درانی بات کر رہا ہوں۔"

"جی سر کہیے۔" دوسری جانب پولیس والا تھا۔

"آپ کے علاقے میں کچھ لڑکے ایک لڑکی کو ہراساں کر رہے تھے لیکن کسی نے بھی اس کی مدد نہیں کی۔ کیا تم سب پی کر سوئے تھے۔" آواز گرج دار تھی۔ وہ لڑکی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے لیے پولیس والوں پر چلا رہا تھا۔ کیا ہاشم ابھی تک اس سے.......

"معاف کیجئے گا سر......."

"اپنی بکواس بند کرو اور ان لڑکوں کو پکڑو۔" غصے سے کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ غصہ نہیں کرتا تھا لیکن جب کرتا تھا تو اس کی یہی حالت ہوتی تھی۔

ایک تو غصہ تھا اور دوسرا اس کا یوں چار سال بعد اچانک کہیں سے آ جانا۔ ضبط سے اس کی گردن کی رگیں تن گئیں تھیں۔ وہ پولیس والوں پر چلا کر خاموش ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ واضح تھی۔ لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا اس لیے اس نے اپنی نظروں کا رخ پھیر لیا۔

وہ آج بھی اس کے لیے معنی رکھتی تھی یا وہ غلط فہمی کا شکار تھی۔ شاید اس نے ایک اجنبی لڑکی سمجھ کر مدد کی ہو گی۔ شاید اس نے ترس کھایا ہو۔

لڑکی نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد گاڑی ایک اپارٹمنٹ کے سامنے رکی۔ وہ یقیناً وقفے وقفے سے اسے اپنے گھر کا راستہ بتاتی رہی تھی جسے وہ بڑے ضبط سے سنتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے ہاشم کو دیکھا لیکن وہ سامنے ہی دیکھتا رہا۔ یعنی اس کی نفرت اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ ایک نظر افسوس کی بھی اس پہ نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہ خاموشی سے نیچے اتر گئی۔ اس نے اتر کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہا لیکن اس کے اترتے ہی ہاشم گاڑی کو ہوا کے ساتھ اڑا لے گیا۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ تھکے ماندے قدموں سے اپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔ ایک ایک قدم من بھر کا ہو گیا تھا۔ وہ تقریباً خود کو گھسیٹتی ہوئی لفٹ تک لائی۔ لفٹ سے اپنے روم تک کا سفر اس نے کتنی مشکل سے طے کیا تھا یہ تو وہی جانتی تھی۔ بیڈ پر وہ گرنے کے

سے انداز میں بیٹھ گئی۔ ہوا آنے کے سارے راستے بند ہو گئے تھے۔
وہ رونا چاہ رہی تھی لیکن سانس نہیں آ رہا تھا۔اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔اس نے اپنے بیگ سے فون نکالا جسے وہ اپنے ساتھ لے کر اپارٹمنٹ سے باہر گئی تھی۔فون نکال کر اس نے مطلوبہ نمبر پر کال ملائی۔

oooooooooooooooooo

وہ آفیس پہنچا تو یاور وہاں پہلے سے موجود تھا لیکن وہ اس کو نظر انداز کرتا ہوا میٹنگ روم کی طرف چلا گیا۔وہ جو ریسپشن گرل سے بات کر رہا تھا ہاشم کو آتا دیکھ کر وہ کچھ چونکا۔وہ سات بجے گھر سے نکلا تھا لیکن ساڑھے آٹھ آفس پہنچا تھا۔یاور نے کتنی دفعہ اسے فون کیا لیکن اس نے نہیں اٹھایا۔پھر وہ ریسپشنسٹ کے پاس چلا آیا اس سے ہاشم کے متلعق پوچھنے۔ابھی وہ وہیں کھڑا تھا جب اس نے ہاشم کو آتے

دیکھا۔ وہ صبح والے ہاشم سے کافی مختلف تھا۔ جب وہ صبح گھر سے نکلا تھا تو کافی فریش تھا لیکن اب اسے وہ صدیوں کا تھکا ہوا لگا تھا۔ یاور اس کے پیچھے جانے لگا لیکن وہ اسے اگنور کرتا ہوا میٹنگ روم میں چلا گیا جہاں سب اس کا ویٹ کر رہے تھے۔ یاور نے اس کی طرف بڑھتے قدموں کو وہیں روک لیا۔ لیکن وہ کافی ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر میٹنگ روم کا بند دروازہ دیکھا اور پھر اپنے آفس روم کی طرف چلا آیا جہاں یمان اس کا ویٹ کر رہا تھا۔

"تم کب آئے؟" یمان کو دیکھ کر وہ حیران ہوتا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہی کوئی پانچ منٹ پہلے۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا جو کہ یاور کو ناگوار گزرا۔ یمان سمجھتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔

"مجھے آپ سے اپنے پروجیکٹ کے بارے میں بات کرنی تھی اس لیے آیا ہوں۔"

"تم یہ پروجیکٹ کینسل کر دو۔" یاور کے کہنے پر یمان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں یہ پروجیکٹ کینسل کیوں کروں بھائی۔ میری مہینوں کی محنت کو میں ایسے ضائع نہیں کر سکتا۔" یمان کو حقیقتاً برا لگا تھا۔

"تم جانتے ہو نا کہ ابھی کل کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ ہمیں اٹلی میں کوئی پروجیکٹ نہیں چاہیے۔ ہم اپنے ملک کے اندر ہی کچھ کر لیں گے۔" اس کا انداز حتمی تھا۔

"ہرگز نہیں بھائی۔ آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے اور نا ہی میں ایسا ہونے دوں گا۔ انفیکٹ میں اگلے ہفتے کی فلائٹ سے اٹلی جا رہا ہوں۔ ان لوگوں نے میرے لیے میٹنگ ری ارینج کی ہے۔" یمان کا

یہ انداز گفتگو یاور کو پسند نہیں آیا تھا لیکن یمان ایسا ہی تھا۔اپنی منانے والا۔ وہ اپنے سارے بھائیوں سے مختلف تھا۔ وہ ان کی طرح زیادہ مذہبی بھی نہیں تھا۔ فجر کی نماز کے علاوہ وہ باقی کی نمازیں کم ہی پڑھتا تھا۔امریکہ میں اس کی سرگرمیاں کچھ خوشگوار نہیں رہیں تھیں۔ یاور سے چھپ کر وہ اکثر دوستوں کے ساتھ پارٹیز میں چلا جاتا تھا۔ اگر یاور کو پتا چل جاتا تو وہ اسے ڈانٹتا تھا اور نیکسٹ ٹائم کے لیے تنبیہہ کر دیتا تھا لیکن یمان "میں اپنی زندگی انجوائے کرنا چاہتا ہوں بھائی۔ اس طرح قید ہو کر اپنی زندگی نہیں گزار سکتا۔" یہ کہہ کر پھر چلا جاتا۔ یاور اس کی طرف سے اکثر پریشان رہتا تھا۔اور یاور کے لیے دکھ کی بات یہ تھی کہ اتنا بڑا حادثہ بھی اسے بدل نہیں سکا اور وہ بیٹھا ضد کر رہا تھا۔

"جب تمہیں اپنی ہی من مانی کرنی تھی تو میرے پاس کیوں آئے ہو؟" وہ پہلے ہی ہاشم کی وجہ سے پریشان تھا اور سب یمان کے ساتھ بحث اسے مزید پریشان کر رہی تھی۔ اسے اپنے سر میں درد محسوس ہونے لگا تھا۔

"میں تو اپنی خوشی آپ کے ساتھ شئیر کرنے آیا تھا لیکن آپ میری خوشی میں خوش نہیں ہیں شاید۔" یمان نے کافی سنجیدگی سے کہا جبکہ یاور کو دل میں درد محسوس ہوا۔ لیکن خود کو نارمل رکھا۔

"میں کوئی تمہارا دشمن تو نہیں ہوں۔ مجھے تمہاری پرواہ ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ اور نا ہی فی الحال مجھ میں اپنے کسی کو کھونے کا حوصلہ ہے۔ آفٹر آل میں بھی انسان ہوں۔" وہ بڑے نارمل انداز میں کہہ رہا تھا لیکن اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو یمان کو شرمندہ کر گیا۔ وہ خاموش سا یاور کو دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے اگر تم جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔" وہ کہہ کر وہاں سے اٹھا اور باہر چلا گیا۔ اسے روم میں گھٹن ہونے لگی تھی۔

تازہ ہوا لینے کے لیے وہ پارکنگ ایریا کی طرف چلا آیا جہاں بہت سارے درخت اور پودے لگے ہوئے تھے۔ وہ کچھ دیر گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

باہر سورج کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی لیکن ریسٹورنٹ کے اندر یہ روشنی جانے سے قاصر تھی۔ ایک تین منزلہ عمارت بڑے بڑے اور گھنے درختوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ اوپن پارکنگ ایریا میں بہت ساری گاڑیاں کھڑی تھیں۔ پارکنگ ایریا سے کچھ فاصلے پر ایک داخلی دروازہ دکھائی دیتا تھا جہاں دو گارڈ کھڑے تھے۔ ہر چیز پر وہ عقاب کی طرح نظر رکھے ہوئے تھے۔ داخلی دروازہ عبور کرنے پر

ایک بہت بڑا ہال نظر آتا تھا۔ ہال میں بہت سارے ٹیبلز موجود تھے جن کے ارد گرد کرسیاں تھیں۔ اور کرسیوں پر لوگ بیٹھے ہوئے اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ یہ پورشن کافی حد تک منور تھا۔ جگ مگ کرتی روشنی ریسٹورنٹ کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہی تھی۔

ریسٹورنٹ کی ایک دیوار کے ساتھ گول طرز کی سیڑھیاں لگی ہوئیں تھیں۔ وہاں سے اوپر جاؤ تو ایک اور ہال نظر آتا ہے۔ جہاں سائیڈز کی دونوں دیواروں کے ساتھ ایک قطار میں صوفے رکھے ہوئے تھے۔ اس ہال میں مختلف کلرز کی لائٹس لگی ہوئی تھیں۔ ایک رنگ کی بتی جل کر بجھتی تو دوسرے رنگ کی کل اٹھتی۔ اور کبھی کبھی ساری ایک ساتھ جلنے لگتی۔ ہال کی یہ نیلی، پیلی، لال، ہری بتی وہاں موجود لوگوں کے چہروں پر پڑھ رہی تھی۔ جس اس کے چہرے کچھ پل کے لیے چمک جاتے۔ وہاں ایک صوفے پر دو جانے پہچانے نفوس آمنے

سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک میز تھی۔ جس پر پاستہ اور ایک کولڈ ڈرنک رکھی گئی تھی۔ لیکن ان دونوں کا کھانے کی طرف دھیان نہیں تھا۔

"تم اتنی صبح صبح باہر کرنے کیا گئی تھیں؟" جنگکوک کا انداز بہت سرد تھا۔

"کچن کا کچھ سامان لینے گئی تھی۔ مجھے ناشتہ کرنا تھا اور ناشتے کے لیے گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔" لڑکی کے کہنے پر جنگکوک نے ایک لمبی سانس لی۔

"تم جانتی ہو نا کہ تمہارے لیے اکیلے باہر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ تم مجھے فون کر لیتیں۔" وہ تفکر سے بولا۔

"میں نے سوچا کہ صبح صبح تمہیں ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں ہوگا۔اور اگر کر بھی لیتی تو شاید تمہارے بجائے تمہاری مدد اٹھا لیتی پھر کیا جواب دیتے تم۔" سارہ آفندی کے ذکر پر تسبیحہ نے ایک کڑوا گھونٹ نگلا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔"

"ہاں ویسے بھی جس مذہب سے تمہارا تعلق ہے وہاں پر یہ اتنا بڑا مسلہ ہو بھی نہیں سکتا۔" وہ ہمیشہ جنگلوک کو کسی نا کسی بات پر طنز کرتی تھی جو کہ اسے اکثر ناگوار گزرتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ یہ بھی بھول جاتی تھی کہ وہی اس کا محافظ ہے۔اور وہی اس کا سچ جانتا ہے۔

"مذہب کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سخت ناگواری سے کہا پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

"مجھے یہ بتاؤ جس نے تمہاری مدد کی تھی کیا تم اسے پہچانتی ہو؟" تسبیحہ کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا۔

"نہیں میں اسے نہیں پہچانتی۔" اس نے تیزی سے کہا تاکہ الفاظ کہیں حلق میں نا اٹک جائیں۔ کتنا مشکل تھا اسے پہچاننے سے انکار کرنا۔

"شاید کوئی فرشتہ صفت انسان تھا جس نے میری مدد کی اور مجھے گھر تک چھوڑ گیا۔" ہاں سچ میں وہ ایک فرشتہ صفت انسان ہی تھا جو اپنے ساتھ بے وفائی کرنے والی لڑکی کی بھی مدد کر گیا۔

"دھیان رکھنا.... آجکل فرشتہ صفت انسان ہی درندے نکلتے ہیں۔ کیا پتا وہی تمہارا اصل دشمن ہو۔" جنگکوک نے اسے الرٹ کرنا چاہا۔

"وہ درندہ نہیں ہے۔" تسبیحہ کا انداز کچھ ایسا تھا کہ جنگکوک نے اسے چونک کر شک کی نگاہ سے دیکھا۔

"ہو سکتا ہے وہ تمہارے گھر تک پہنچنے کے لیے تمہاری مدد کر گیا ہو۔

میرے خیال سے پھر سے فلیٹ بدلنے کا وقت آ گیا ہے۔" جنگکوک نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا جیسے کچھ کھوج رہا ہو۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے ناگواری سے جنگکوک کو دیکھا جیسے وہ اس کے خلاف بات کرنے والوں کو دیکھتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ مجرم کی نگاہ سے۔۔۔۔۔۔۔ ایک فرشتہ صفت انسان کے بارے میں غلط بات کرنے والا اس کی نگاہ میں مجرم ہی تھا۔

"کیا تم اسے جانتی ہو؟" وہ اسے مشکوک لگ رہی تھی۔

"میں..... میں اسے..... کیسے جانتی ہوں گی۔" اب انکار مشکل تھا۔

"تو تم اسے جانتی ہو۔" اس کی اس طرح یقین سے کہنے پر اس نے گڑبڑا کر جنگکوک کو دیکھا۔

"تم کیسے اتنے یقین سے کہہ سکتے ہو۔ کیا پھر سے تمھاری مما نے تو میرے پیچھے نہیں لگایا کسی کو؟"

"تم ہمیشہ میری مما کو اس سب میں کیسے لے آتی ہو۔ میں تمہاری اتنی مدد کر رہا ہوں اور تم میری ہی ماں پر شک کرتی رہتی ہو۔ میری عظیم ماں پر۔" جنگکوک کو اچھا خاصا غصہ آ چکا تھا۔

"شک نہیں کرتی۔ مجھے پورا یقین ہے۔ یہ سب کچھ انہی کی وجہ سے تو ہو رہا ہے۔" وہ بنا ڈرے کہہ رہی تھی۔

"شٹ اپ.... جسٹ شٹ اپ۔" جنگکوک نے غصے سے ٹیبل پر مکا مارا۔ ارد گرد بیٹھے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جنگکوک نے

ایک لمبی سانس لی اور پھر سب کو سوری کہتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم پچھلے ایک سال سے مر گئی ہو۔" اس نے نا سمجھی سے جنگکوک کو دیکھا۔ "میں جانتا ہوں کہ میری ماں بے قصور ہے اور بہت جلد تم ثبوت بھی دیکھو گی۔ لیکن تمہاری سیکورٹی کے لیے سب کو یہی بتایا ہے میں نے کہ تمہاری ایک ایکسیڈنٹ میں موت ہو گئی تھی۔ اور وہ جو صبح تمہارے تعاقب میں تھے اگر وہ خریدے ہوئے ہوتے تو وہ گھر تک تمہارا پیچھا کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے تمہیں شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"جس نے صبح میری مدد کی تھی اس نے پولیس کو انفارم....."

"پولیس کو انفارم اس نے گاڑی میں بیٹھ کر کیا ہو گا۔ لیکن وہ اس سے پہلے ہی وہاں سے فرار ہو گئے تھے۔ یہی بتایا ہے نا تم مجھے۔ تو سمجھو وہ

بس سڑک چھاپ لوگ تھے۔ یونہی لڑکیوں کو تنگ کرتے ہوں گے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ "

"ہمم۔ "اس نے مزید بحث کرنے سے گریز کیا۔

"اب تم بتاؤ وہ کون تھا؟"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ فی الحال تم بھی کوئی بات مت کرو۔"

"ویسے تم اتنی بہادر بنتی پھرتی ہو لیکن ان دو ٹکے کے غنڈوں سے ڈر گئی؟ "اس نے طنز نہیں کیا تھا۔

"اگر میں ان کا مقابلہ کرنے لگتی تو وہاں جو کیمرے لگے ہوتے ہیں وہ مجھے پھر سے زندہ کر دیتے۔ ایک طرح سے تمہارا بھلا ہی ہوا ہے۔"

وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"تم میری بات دھیان سے سنو۔آئندہ باہر کہیں بھی آنے جانے سے اختیاط کرو۔کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے کال کیا کرو۔جب میں نے تمہاری ذمہ داری لی کے تو پوری ایمانداری سے نبھاؤں گا۔اس لیے بہتر ہے تم اپنی بے وقوفی سے مسئلے کھڑے کرنے سے باز رہو۔"

"لیکن تم نے ہی منع کیا ہے کہ میں تمہیں کال نا کروں۔"تسبیحہ نے اسے یاد دلایا۔

"تم مجھے میسج بھی تو کر سکتی ہو نا۔میسج پر کوئی اتنا دھیان نہیں دیتا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں آئندہ ایسا ہی کروں گی اور پھر تم جہاں بھی ہوئے تمہیں سارے کام چھوڑ کر آنا ہو گا۔"اس کے کہنے پر جنگلوک نے دائیں ابرو اچکائی۔

"مجھے تمہارے ساتھ ایسی بھی کوئی دلی وابستگی نہیں کہ تمہاری ایک آواز پر دوڑا چلا آؤں۔ مجھے جب وقت ملے گا تب آؤں گا۔" وہ بھی جنگکوک تھا۔

"اچھا تم مجھے اب گھر چھوڑ دو۔ مجھے مزید تمہارے ساتھ نہیں بیٹھنا۔"

"ہاں مجھے تو جیسے بہت شوق ہو رہا ہے تمہارے ساتھ بیٹھنے کا۔"

جنگکوک نے کہہ کر میز سے گاڑی کی چابی، وائلٹ اور اپنا موبائل ایک ساتھ اٹھائے اور وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ بھی اپنا ماسک اوپر کرتی ہوئی نیچے رکھا بیگ اٹھا کر جنگکوک کے پیچھے ہو لی۔

oooooooooooooooo

آج اس کے انگلش کے پروفیسر نہیں تھے آئے اس لیے وہ صبح ہی صبح لائبریری چلا آیا تھا۔ اسے ہمیشہ کتابیں پڑھنے کا شوق یہاں لے آتا

تھا۔اس کے سامنے انگلش میں لکھی گئی خوبصورت نظموں والی کتاب پڑی ہوئی تھی جسے وہ بڑی دلچسپی سے پڑھ رہا تھا۔وہ پڑھتے ہوئے اتنا ہینڈسم لگ رہا تھا کہ پاس سے گزرتی لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈ کے بجائے اسے دیکھتے ہوئے گزر رہی تھیں۔وہ پڑھنے میں مصروف تھا جب اسے اپنے قریب ایک نسوانی خوشبو محسوس ہوئی۔اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا تو اس کے بالکل ساتھ والی کرسی پر عنایہ بیٹھی ہوئی تھی۔اسے دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔نا جانے کیوں ایک پل کو عنایہ کو لگا وہ دل سے نہیں مسکرایا۔لیکن اس نے عنایہ کے معاملے میں دل سے سوچا ہی کب تھا۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہو۔"حجاب میں اس کی شکوہ کناں آنکھیں واضح تھیں۔

"اور تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے؟"اس نے کتاب بند کر دی۔

"میں تمہیں باہر ڈھونڈ رہی تھی اور تم لائبریری میں چھپ کر بیٹھے ہو۔"

"میں بھی تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ تم مجھے نہیں ملی اس لیے یہاں آ گیا۔"

پتا نہیں وہ جھوٹ بول رہا تھا یا سچ لیکن اس نے یقین کر لیا۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کیا پڑھ رہے تھے؟" اس نے وہ بک اٹھا کر سامنے کی۔

"ویسے تم نے تو کہا تھا کہ تم یہ ایک ہفتہ گھر گزارو گے تو یونیورسٹی کیسے آ گئے؟" اسے کتاب میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تو واپس رکھ دی۔

"میں گھر پر بور ہو رہا تھا اس لیے ایک دن کی چھٹی کے بعد ہی یونیورسٹی چلا آیا۔ لیکن مجھے لگ رہا ہے ہمارے ٹیچرز ضرور ایک ہفتے

کی چھٹی پر ہیں کیونکہ مجھے اتنے خاص ٹیچرز نظر نہیں آرہے۔"اس

نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"ہمم۔"اس نے ہنکارا ابھرا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یونی آیا ہوا یوں۔ کیونکہ ہماری تو جب سے

میں آیا ہوں کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"عریش نے بتایا تھا۔"اس نے بے دھیانی میں کہا تھا جبکہ عریش

کے نام پر حماد خاموش ہو گیا۔ پھر کتاب کھول کر سامنے کر لی۔

"تم ہر وقت کتابیں پڑھتے پڑھتے بور نہیں ہوتے کیا؟"حماد کو کو

دوبارہ کتاب اٹھاتے دیکھ کر اس نے بیزاری سے پوچھا۔

"تم کتابوں سے نفرت کرتے کرتے بور نہیں ہوتی کیا؟"اس نے

بھی اسی انداز میں پوچھا۔

"تم جانتے ہو مجھے شروع سے ہی ان کتابوں سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میں تو بس اپنی سوتیلی ماں کے ظلم سے بچنے کے لیے یہاں آتی ہوں۔" اس نے حماد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اس کی بات مانی تھی لیکن وہ خود کو مکمل طور پر بدلنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

"تمہیں وہاں سے نکلنے کے لیے کوئی پکا کام کرنا چاہیے۔"

"جیسے کہ؟" اس نے نا سمجھی سے حماد کو دیکھا۔۔

"صبح نو بجے تم یونی آتی ہو۔ پھر شام کو پانچ بجے گھر واپس چلی جاتی ہو۔ کیا فائدہ اس وقتی آزادی کا۔ تمہیں چاہیے کہ تم محنت سے پڑھو، پھر کوئی اچھی سی جاب ڈھونڈو اور پھر الگ گھر لے کر رہو۔ تاکہ تم مکمل طور پر اس سے دور رہو۔" اس نے چہرے کے زاویے کو بگاڑ کر اسے دیکھا جیسے اسے حماد کی باتوں میں کوئی دلچسپی نا ہو۔

"ویسے کوریا میں تشدد کرنے والوں کے لیے سزا کا بندوست ہے۔ تم پولیس میں ان کے خلاف رپورٹ کیوں نہیں لکھوا دیتی؟" حماد کی آخری بات پر اس کی دھڑکن پل بھر کو تھمی تھی۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔ جو بھی ہو وہ میرے بابا ہیں۔ ہر اولاد کو اپنے ماں باپ سے اتنی محبت ضرور ہوتی ہے کہ ان کے بڑے بڑے گناہ پر پردہ ڈال لے۔"

"میں تمہاری بات سے اتفاق نہیں کرتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ دونوں بہت دھیرے سے بات کر رہے تھے کہ کوئی دوسرا نا سن لے۔

"سارے ظلم کرنے والے انسان ایک جیسے ہی ہوتے ہیں اور ان کے لیے سزا بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ تمہیں اپنے لیے اسٹینڈ لینا

چاہیے۔" وہ کچھ دیر خاموشی سے ٹیبل پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر حماد کی جانب متوجہ ہوئی۔

"جب تم میرے ہو چکے ہو تو یہ ظلم بھی وقتی رہ گیا ہے۔ مجھے میرے لیے اسٹینڈ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بہت جلد ایک ہو جائیں گے اور پھر ہمیشہ کے لیے میں وہ گھر چھوڑ دوں گی۔" وہ بہت اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ جبکہ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"اتنے خاموش کیوں ہو؟ کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"ہاں ضرور دوں گا ساتھ۔" اس نے مسکرا کر عنایہ کی طرف دیکھا۔ عنایہ نے اس کی دلکش مسکراہٹ کو اپنی آنکھوں میں بھر لیا۔ لیکن اندر ہی اندر اسے سعد کا خیال پریشان کر رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○

کچھ دیر پہلے ہی وہ یاور کے آفس سے آیا تھا۔ وہ کافی افسردہ لگ رہا تھا۔ یاور کا آخری جملہ ابھی تک سماعت میں گونج رہا تھا۔ وہ اکثر ایسے ہی بدتمیزی کر جاتا تھا اور پھر بعد میں خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاتا تھا۔ جانے انجانے میں وہ اپنے اس بھائی کو تکلیف پہنچا کر آیا تھا جس نے ہمیشہ سب بہن بھائیوں کے لیے ایک باپ کا کردار ادا کیا تھا۔ وہ کرب سے آنکھیں بند کیے کرسی کے ساتھ سر ٹکائے بیٹھا سوچوں میں گم تھا جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجائیں۔" وہ دستک پر بھی سیدھا نہیں ہوا۔ ایسے ہی سر ٹکائے بیٹھا رہا۔ وہ جھجھکتے ہوئے دروازے سے اندر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹرے تھا جس میں کافی کا مگ تھا۔ اسے دیکھتے ہی یمان کے ماتھے پر لکیریں بننے لگیں۔ پھر آنکھوں میں ناگواری لیے سیدھا ہوا۔

"اسلام علیکم سر۔" اس نے خشک ہوتے گلے کے ساتھ سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" ایسے ہی ناگواری سے اس نے پھر سے پیچھے ٹیک لگا لی۔

"سر آپ کی کافی۔" اس نے ٹرے وہاں رکھنا چاہا لیکن یمان کی سرد آواز نے اس کے ہاتھ وہیں جما دیئے۔

"اسے یہاں سے لے جایئے۔" وہ یمان کے چہرے پر کوفت محسوس کر سکتی تھی۔

"سوری سر! لیکن میں پورے آٹھ بجے آئی تھی کافی لے کر لیکن آپ۔۔۔۔"

"میں نے کہا یہ یہاں سے لے جائیں۔" لہجہ پہلے سے زیادہ سرد تھا۔ وہ کیسے بھول سکتا تھا اسی کی وجہ سے تو ہاشم اس سے خفا ہوا تھا۔

اور ادھر اسے خود پر غصہ آنے لگا تھا۔ وہ جو سوچ کر آئی تھی کہ کافی کے بہانے اس کا حال پوچھ لے گی اب اسے ایسی سوچ پر غصہ آرہا

تھا۔("لعنت ہو میرے ایسا سوچنے پر") دل میں کہتی واپس جانے لگی۔

"سنئے۔" یمان کی آواز پر وہ جاتے جاتے رکی، پھر مڑ کر اسے دیکھا۔

"جی۔" ("اب سوری بولنا ہوگا اس لیے روک رہا ہے۔ لیکن میں بھی نخرے دکھاؤں گی لیکن معاف نہیں کروں گی۔") اس نے دل میں سوچا لیکن اپنی سوچ کو اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں اس لیے جو بھی اندر آنا چاہے اسے کہیے گا میں کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

("لعنت ہو میری سوچ پر۔")

"اور اگر ضروری کام ہو تو انتظار کر لیں لیکن مجھے ڈسٹرب نہیں کریں۔"

(بدمزاج انسان) "جی سر۔"

"اگر کوئی اندر آیا تو اس کی ذمہ داری آپ پہ ہو گی۔" اسے تنبیہہ کر کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

("بد تمیز، اکڑو۔ ذرا لحاظ نہیں اسے۔ کیسے نکال رہا مجھے۔ اشارہ تو ایسے کر رہا ہے جیسے مجھے راستہ نہیں آتا باہر کا یا میں اندھی ہوں۔")

"جائیے پلیز۔" اس نے ذرا اونچی آواز میں کہا تو وہ فوراً باہر کو لپکی۔

ایک لمبی سانس خارج کر کے اس نے پیچھے ٹیک لگالی۔

"اسے لگ رہا ہو گا کہ میں اس سے معافی مانگوں گا۔ ایک دفعہ چھوڑ کر سو دفعہ لعنت بھیجو اپنی سوچ پر مس بختاور۔" اس نے آنکھیں موندھ لی۔

یمان کوئی نجومی نہیں تھا لیکن وہ بختاور کو جانتا تھا۔ بختاور کو لگا تھا کہ اگر وہ کوئی تاثر نہیں دے گی تو یمان کو پتا نہیں چلے گا۔ لیکن وہ غلط

تھی۔ وہ جو پہلے دن سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کرتا آیا تھا کیا وہ اس کی آنکھوں میں چھپے غصے کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ایک استہزایہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"یار حال ہی تو پوچھنے گئی تھی۔ ایسے بی ہیو کر رہا تھا جیسے پرپوز کرنے گئی تھی۔" ادھر اس نے روم سے باہر آتے ہی اپنی رکی ہوئی سانس کو بحال کرتے ہوئے اپنا غصہ نکالا۔

"پرپوز؟.... اللہ اللہ۔ پاگل واگل تو نہیں ہو گئی میں۔" اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے ابھی یہ کیا کہا ہے۔

"بدتمیز، بدمزاج آدمی۔" غصے سے پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

جیسے تیسے کر کے دو گھنٹے بعد میٹنگ اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔ میٹنگ ختم ہوتے ہی وہ روم سے باہر نکل آیا۔ وہ جانتا تھا اسے اب کیا کرنا

ہے۔ وہ کہیں بھی رہے بغیر سیدھا بلڈنگ سے باہر آیا۔ پارکنگ ایریا میں پہنچ کر اس نے گاڑی کی چابی کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن چابی اس کے ہاتھ میں نہیں آئی۔

"یا میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" چابی نا ملنے کی صورت میں وہ واپس آفس کی طرف جانے لگا۔

"آپ کی گاڑی کی چابی یہ رہی۔" ہاشم کے بڑھتے ہوئے قدم یاور کی آواز پر رک گئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ چابی ہاتھ میں لیے مسکرا رہا تھا۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملی؟" اس نے قدم یاور کی طرف بڑھا دیئے۔

"آج آپ اپنی چابی کار میں چھوڑ گئے تھے۔ میں باہر آیا تو آپ کی گاڑی بھی قطار سے الگ کھڑی تھی۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" یاور نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔اور یہ چابی دو مجھے۔میں گھر جاؤں گا۔"

"اگر آپ ٹھیک ہیں تو گھر کیوں جا رہے ہیں؟"

"طبیعت ٹھیک ہے بس سر میں تھوڑا درد ہے۔مجھے لگ رہا ہے کہ میں کام نہیں کر پاؤں گا۔اس لیے گھر جانا چاہتا ہوں۔"اس نے چابی کے لیے ہاتھ آگے کیا۔

"ٹھیک ہے پھر گاڑی اختیاط سے چلایئے گا۔"فکر مندی سے کہہ کر اس نے چابی ہاشم کی جانب بڑھادی۔اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے چابی لی اور گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔جب تک ہاشم وہاں سے چلا نہیں گیا یاور وہیں رکا رہا۔اس کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد وہ آفس چلا آیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک ابھی تک یونیورسٹی نہیں آیا تھا۔ چینگ من، لیو اور باقی کے چار دوست اس کا ویٹ کر رہے تھے۔ آج پھر شاید کوئی پارٹی رکھی تھی ان لوگوں نے۔ لیکن جنگکوک ابھی تک نہیں آیا تھا۔

گراؤنڈ میں رکھے بینچوں میں سے ایک پر فرح اور ماریہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھی ہوئیں تھیں۔ چینگ من بار بار ماریہ کو دیکھ رہی تھی۔ ایک دو بار نظریں ملنے پر ماریہ نے اپنا رخ فرح کی جانب موڑ لیا لیکن وہ ایسے ہی کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ جنگکوک نے اسے پرپوز کیا ہے یہ بات چینگ من کو نہیں پتا تھی، انفیکٹ یونیورسٹی میں کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

"تمہیں پتا ہے میری بہن کی شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے۔" وہ دونوں ساتھ بیٹھی ہوئیں تھیں لیکن ماریہ اس سے انجان اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔ فرح کے سوال پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کس سے ہو رہی ہے؟" اسے جیسے جاننے میں دلچسپی نہیں تھی۔

"فرقان کنسٹرکشن کے سی ای او کے چھوٹے بھائی سے۔" اس نے حیرت سے فرح کو دیکھا۔

"کیا کہا آپ نے؟" اب اسے دلچسپی ہوئی تھی۔

"وہی جو تم نے سنا۔" اپنے ازلی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کس سے؟"

"مومن درانی سے۔"

"اووو و..... تو اس کا مطلب ہے کہ ہماری دوستی رشتے داری میں بدل رہی ہے؟" اس کی آواز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ کتنی خوش ہے۔

"ویسے میں اس اتفاق پر حیران تھی کہ جس دن میرے گھر والے بھائی کے لیے لڑکی دیکھنے جا رہے تھے، اسی دن آپ کی بہن کو بھی

دیکھنے کچھ لوگ آرہے تھے۔ مزید یہ کہ وہ لوگ پاکستانی ہیں پھر بھی میرا دھیان اس طرف نہیں گیا۔" فرح نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے آپ کی بہن ملنا ہے جو میری بھابھی بننے جارہی ہے۔" اس کی فرمائش پر وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

"آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟" اس نے فرح کو گھوری سے نوازا۔

"میری بہن یعنی تمہاری ہونے والی بھابھی تم لوگوں کے آفس میں ہی کام کرتی ہے۔" اس انکشاف پر ماریہ کو ذرا حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ پہلے سے ہی یہ بات جانتی تھی۔

"ہاں میں ایک دو دفعہ بھائی کے ساتھ گئی ہوں لیکن میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے منہ بسور کر کہا۔ فرح نے مسکراتے ہوئے موبائل نکالا اور پھر فوٹو البم کھولا۔ فیملی فولڈر اوپن کر کے اس نے اپنی اور علیزے کی ایک ساتھ بنائی گئی تصاویر سامنے کیں۔

اس تصویر میں وہ دونوں مسکرا رہی تھیں۔ وہ دونوں خوبصورت تھیں لیکن ان کی کوئی بھی چیز آپس میں میچ نہیں کرتی تھی۔

"ان دونوں میں سے وہ کون ہیں؟" اس نے کبھی فرح کو بغیر حجاب کے نہیں دیکھا تھا تو اسے پہچاننے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"یہ وائٹ اسٹالر میں۔" فرح نے ایک لڑکی کی جانب اشارہ کیا جو لائٹ پنک کرتا پاجامہ میں ملبوس تھی۔ چہرے پر دوپٹا نارمل انداز میں لیا ہوا تھا۔ یہ تصویر گھر ہی کی تھی۔ ماریہ کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"ماشاللہ یہ کتنی پیاری ہیں۔" ماریہ اسے دیکھے گئی۔ کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد اس نے ساتھ کھڑی بلیک دوپٹے اور بلیک ہی ڈریس میں ملبوس لڑکی کو دیکھا۔ اس کالے دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ بہت چمک رہا تھا۔ اک نور سا تھا اس کے چہرے پر۔

"یہ.... یقیناً آپ ہیں؟" وہ تصویر کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"بالکل ٹھیک پہچانا ہے تم نے۔ یہ میں ہوں۔"

"آپ کتنی پیاری ہیں فرح۔ آپ نے کبھی مجھے اپنا چہرہ کیوں نہیں دکھایا۔" وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"کبھی ایسا موقع ہی نہیں ملا۔ اور ویسے بھی میں کیسے بتا سکتی تھی تمہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیوں نہیں بتا سکتی تھیں؟" اب اس نے چہرہ اٹھایا۔

"بھلا میں تمہیں یہ کہہ کر اپنا چہرہ دکھاتی کہ دیکھو میں کتنی پیاری ہوں۔ کتنا عجیب لگتا نا۔" فرح کی بات پر وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

ہنستے ہنستے اس کی نظریں مین گیٹ پر گئیں۔ وہاں جنگکوک کی کار اندر داخل ہو رہی تھی۔ ماریہ کا دھیان بابھی اور فرح سے ہٹ گیا تھا وہ

بس اس گاڑی کو دیکھ رہی تھی جو اب پارکنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" وہ جو جنگکوک کو گاڑی سے باہر نکلتا ہوا دیکھ رہی تھی فرح کے سوال پر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں پوچھیں۔"

"تمہیں محبت ہو گئی ہے اس سے؟" اس نے بہت آرام سے کہا تھا۔

بے اختیار ماریہ نے جنگکوک کی طرف دیکھا تبھی دل نے ایک بیٹ مس کی۔ آج اس کے بال بندھے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ آج اس کے بال پہلے کی نسبت چھوٹے تھے اور بہت خوبصورتی سے پیچھے کو کیے ہوئے تھے۔ ایک کان میں بالی اور گردن میں چین کے علاوہ آج کچھ بھی ایکسٹرا نے نہیں تھا۔ نیلے رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ نیلی جینز پہنے ہوئے تھا۔ عادتاً بائیں جانب کندھے پر بیگ جھول رہا تھا۔

کیوں وہ اتنا خوبصورت تھا۔ کیوں اسے دیکھ کر دل بے قابو ہونے لگتا تھا۔ کیوں جب بھی وہ سامنے آتا تو دل کرتا تھا بس اسے دیکھتے جاؤ۔ کیوں اس کے سامنے سب کچھ ختم ہو جاتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کے درمیان کھڑا باتیں کر رہا تھا لیکن کیا وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تھا؟ اسے وہ سب نظر نہیں آرہے تھے۔ اسے بس وہی نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے کی چمک آنکھوں کو خوبصورتی بخش رہی تھی۔ اس کے ہونٹ آہستگی سے ہل رہے تھے۔ سب کچھ سلو موشن میں جا رہا تھا۔ وہ مسکرایا تھا، پھر اس کی آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔ یقیناً وہ کوئی ساحر تھا جو اسے سحر زدہ کر رہا تھا۔

"میں جنگکوک سے محبت کرنے لگی ہوں۔" اس کے ہونٹ بہت آہستگی سے ہلے تھے۔ جسے وہ بتا رہی تھی وہ تو بہت پہلے ہی اس کی آنکھوں سے اس کے دل کی بات سمجھ چکی تھی۔

"وہ مجھے میری روح کا حصہ لگنے لگا ہے۔وہ جب مسکراتا ہے تو لگتا ہے سارے غم مٹنے لگے ہیں۔وہ جب بولتا ہے تو اتنا دلکش لگتا ہے دل کرتا ہے بس دیکھتے جاؤ۔"

"وہ نامحرم ہے۔ایک نامحرم کی اتنی تعریفیں اچھی لڑکیوں کے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔" اگر سامنے علیزے ہوتی تو وہ "اچھی لڑکیوں" پر فرح کو پورے ترکی کی سیر کروا دیتی۔عائشے گل کی ایک ایک بات پھر سے دوہرا دیتی۔لیکن سامنے ماریہ تھی۔جو ناولوں کی دنیا سے بہت دور تھی۔فرح کی بات پر اس نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"میں بے بس ہوں۔میں واقعی ہی اسے چاہنے لگی ہوں۔

"لیکن......" وہ ہوش میں آچکی تھی اور اب حقیقت نظر آرہی تھی۔ فرح اسے کسی طلسم سے باہر لے آئی تھی۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا۔

"لیکن...؟" اس نے بہت آہستگی سے پوچھا۔

"لیکن وہ میرا نہیں ہے۔" دل ٹوٹ گیا تھا۔ نہیں نہیں.... جنگکوک نے نہیں توڑا تھا۔ اس نے اپنے دل کو خود ہی توڑ دیا تھا۔ ایک ایسے انسان کی چاہت کرنا جو قسمت کا حصہ نا ہو، انتہائی بیوقوفانہ بات تھی۔

فرح نے اس کے ہاتھ کو پیار سے اپنے ہاتھ میں لیا۔

"انسان کو کبھی بھی ایک نامحرم سے محبت نہیں ہوتی۔ یہ ایک اٹریکشن ہوتی ہے جسے ہم محبت کا نام دے دیتے ہیں۔ کم از کم آج کے دور کی محبت کو محبت کہنا یقیناً محبت کی توہین ہو گی۔" اس نے تاسف سے فرح کو دیکھا۔ کیا وہ اس کی محبت کو اٹریکشن کہہ رہی تھی۔

"تمہیں جب بھی محبت ہو گی تو صرف اس سے ہو گی جو تمہارے نکاح میں ہو گا۔"

"لوگ کہتے ہیں ہم اپنی نمازوں میں اور دعاؤں میں نامحرم کو مانگ کر اپنی عبادت کو ضائع کرتے ہیں۔ کیا میں دعا میں ایک نامحرم کا محرم بن جانا نہیں مانگ سکتی کیا؟"

"کامن سینس کی بات ہوتی ہے ماریہ۔ اب ہم دعاؤں میں کسی محرم کو تو نہیں مانگ سکتے نا۔ شادی تو نامحرم رشتے سے ہی ہوتی ہے۔ یہ نامحرم سے محرم تک کا سفر ہوتا ہے۔ اگر تم کسی نامحرم کا محرم بن جانا مانگتی ہو تو یقیناً تمہاری وہ دعا قبول ہو گی اگر تمہاری محبت میں صداقت ہو گی۔ ورنہ تو واقعی ہی عبادت کا ضیاع ہے۔ دنیا میں صرف ایک ہی نامحرم ہمارا محرم بنتا ہے۔ اگر تمہاری محبت سچی ہوئی تو....."

"جنگکوک نے مجھے پرپوز کیا ہے۔" وہ مزید اپنی محبت کی توہین نہیں چاہتی تھی۔ نصیحت اپنی جگہ لیکن اس کی محبت جھوٹی نہیں تھی۔ پہلی دفعہ اس کے دل میں ایسا احساس جاگا تھا۔ ورنہ یونی میں اور بھی لڑکے تھے۔ کبھی ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ ماریہ کی بات کر فرح کو ایک لمحے کے لیے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"یعنی محبت یک طرفہ نہیں ہے؟" اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"تم نے اس سے پوچھا کہ وہ تمہارے لیے کیا کر سکتا ہے؟"

"میں نے اسے انکار کر دیا تھا۔" اب کے وہ بولی تو لہجے میں دکھ تھا۔

"انکار کیوں کیا؟"

"محبت میں آزمائشیں بہت سخت ہوتی ہیں۔ ہنستے ہوئے چہروں کو ویران کر جاتی ہیں۔" اسے بے ساختہ چار سال پرانا ہاشم یاد آیا۔

"محبت آزمائش مانگتی ہے۔امتحان چاہتی ہے۔امتحان چاہے یعقوب کا ہو یا حسین علیہ السلام کا۔محبت کی اپنی ڈیمانڈ ہوتی ہے۔اس میں جدائی کا دکھ بھی اٹھانا ہوتا ہے،گھر بار بھی لوٹانا ہوتا ہے۔محبت کر لینے کے بعد ہمیں صبر کرنا ہوتا ہے نا کہ واویلا۔لیکن مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ میں کوئی بھی دکھ اٹھاؤں۔زندگی پہلے ہی ہمارے ساتھ بہت ظلم کر چکی ہے۔اور صبر ....وہ تو بہت ہی کم ہے مجھ میں۔"

فرح اسے حیرت سے تک رہی تھی۔وہ اسے جتنا نادان سمجھتی تھی اتنی وہ تھی نہیں۔

"آپ جانتی ہیں کتنا مشکل تھا انکار کرنا۔لیکن میں نے کر دیا۔چاہنے کے باوجود انکار ایک بہت مشکل فیصلہ ہوتا ہے فرح۔جب آپ کے پاس ہاں کرنے کے تمام اختیارات ہوں۔ہاں کہہ دینا بہت آسان ہو۔اس وقت انکار آپ کی اذیت کو بڑھا دیتا ہے۔میرے اندر کی

اذیت بڑھ چکی ہے۔ واپسی کا راستہ نہیں ہے کوئی لیکن مزید آگے نہیں جانا مجھے۔ لیکن..... میں آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی ہوں۔"

"تمہیں خود کو روک لینا چاہیے۔"

"اس نے کہا تھا کہ وہ ناممکن ہو ممکن بنا دے گا۔"

"یعنی وہ اپنی محبت کے لیے ہر حد پار کر جانا چاہتا ہے؟" وہ دھیمے سے ہنسی۔

"محبت آزمائشوں کا سمندر ہوتا ہے ماریہ۔ کچھ لوگ درمیان میں ڈوب جاتے ہیں اور کچھ اسے پار کر کے اپنی محبت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور کچھ اتنے بدنصیب ہوتے ہیں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو حاصل نہیں کر پاتے۔" اس نے سہم کر فرح کو دیکھا۔ اسے پھر سے ہاشم یاد آیا تھا۔

"ہر کسی کو انتظار کے بعد یوسف نہیں مل جاتا۔ ہر کسی کی آنکھوں کا نور اسے واپس نہیں مل جاتا۔ ہر کوئی اذیتوں کے پہاڑ اٹھا کر محبت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر کوئی نیزے پر قرآن نہیں پڑھ سکتا۔" فرح باہمت تھی لیکن ماریہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ نکلا تھا۔

"ہر کسی میں ہمت نہیں ہوتی اپنی محبت کو حاصل کرنے کی۔ غیر مسلم اور مسلم لو اسٹوری میں زیادہ تر جدائی ہی مقدر ہوتی ہے۔

لیکن مجھے لگتا ہے وہ تمہیں حاصل کر لے گا۔ میں نے سنا ہے کورین اپنی محبت میں بڑے سچے ہوتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر ماریہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جبراً مسکرا دی۔

"لیکن اس محبت میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی کوئی بہت قیمتی چیز کھونی پڑے گی۔" ماریہ نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

"کچھ نہیں۔ میری کلاس کا وقت ہو رہا ہے۔ ہم پھر بات کریں گے۔" وہ کہتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔ جاتے جاتے وہ ایک امید بندھا گئی تھی۔ لیکن قیمتی چیز۔

ہاں اس نے چیز کہا تھا انسان نہیں۔ وہ خود ہی سوچ کر خود ہی پر سکون ہو گئی تھی۔ اک پر سکون سی نظر جنگکوک کے چہرے پر ڈالی۔ بظاہر تو باتوں میں مصروف نظر آتا تھا لیکن اس کی موجودگی سے وہ انجان نہیں تھا۔ بس دوستوں کے درمیان کھڑے ہو کر اسے دیکھنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

وہ ایسے ہی ٹیک لگائے آنکھیں مونده گئی۔

OOOOOO/OOOOOOOOOOO

وہ آفس سے سیدھا گھر آیا تھا۔ گھر آتے ہی وہ بنا کسی سے بات کیے اپنے روم کی جانب چلا گیا۔ چیون سا اس کے پیچھے آئیں تھیں لیکن وہ

اس نے ان سے بھی کوئی بات نہیں کی۔ وہ وہیں کھڑی پریشان ہونے لگیں۔

ادھر وہ روم میں آیا اور اندر سے دروازہ لاک کر کے وہ کچھ دیر دروازے کے ساتھ ماتھا ٹکائے کھڑا رہا۔ اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تو کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر دی۔ شوز اتار کر ایک طرف رکھ دیئے۔ پھر واش روم کی طرف چلا گیا۔ شاور فل کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ مزید کھڑا نا رہا گیا تو وہیں نیچے بیٹھ گیا۔ بالکل کسی چھوٹے بچے کی طرح چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ رو رہا تھا۔

"کیوں آئی تم میرے سامنے۔۔۔۔۔ آخر اتنے سالوں بعد تم میرے سامنے کیوں آئی۔ کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی ایسی تکلیف رہ گئی تھی جو۔۔۔۔۔۔۔ جو تم مجھے دے نہیں سکی۔" رونے کے باعث اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ دل میں درد شدت اختیار کر گیا تھا۔

"کیوں۔۔۔۔۔۔۔کیوں ہوا میرے ساتھ یہ۔۔۔۔۔۔۔۔آخر کیا بگاڑا ہے میں نے کسی کا۔" زور سے چینختے ہوئے اس نے سفید فرش پر مکا مارا جس سے اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا لیکن اسے ان زخموں کی پرواہ نہیں تھی۔ چوٹ اس کے دل پر لگی تھی۔

"کتنی مشکل سے میں نے خود کو سنبھالا تھا۔ لیکن تم نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم نے مجھے پھر سے توڑ دیا۔۔۔۔۔۔۔آج بھی۔۔۔۔آج بھی تم مجھے غمگیں کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔" اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس کا سارا ڈریس گیلا ہو گیا تھا۔ بال ماتھے سے چپک گئے تھے۔ آنکھیں، ناک اور کان مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکے تھے۔

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ ٹھنڈے پانی کے باوجود اس کا جسم تپ رہا تھا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ اس کے ملتے ہوئے لب بھی کانپ رہے تھے۔ اس کا پورا وجود شعلوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔

"لیکن۔۔۔۔میں تمہیں کبھی۔۔۔۔ کبھی معاف نہیں کروں گا۔ یاد رکھنا تم۔۔۔۔ تم بے وفا ہو۔ بے وفا ہو تم۔" وہ غم و غصے کی حالت میں زمین پر زور زور سے مکے مارتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے خون رسنے لگا تھا۔

پھر اچانک وہ رک گیا اور اپنا زخمی ہاتھ دیکھا۔ تندرست ہاتھ سے زخمی ہاتھ کو چھوا اور کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"تم نے بے وفائی کر کے جو تکلیف مجھے دی ہے یہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ جو گھاؤ میرے دل پر تم نے لگایا ہے۔۔۔۔ وہ کبھی نہیں بھر سکتا۔ اس کا اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔" وہ بے بسی کی انتہا پر

تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا بول رہا ہے لیکن اس وقت اس کی حالت قابل رحم تھی۔ اگر کوئی بھی اسے اس وقت دیکھ لیتا تو اس پر ترس کھائے بغیر نا رہتا۔

وہ ہاشم تھا۔ جو پچھلے چار سال سے سب کے درمیان رہ رہا تھا۔ با ہمت۔ لیکن یہ کون تھا۔ اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب وہ اسے چھوڑ کر گئی تھی تب وہ اتنا نہیں تڑپا ہو گا جتنا وہ آج تڑپ رہا تھا۔ اور وہ ہاشم نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور قدم قدم چلتا ہوا باتھ ٹب کی طرف آیا۔ اس میں پانی پہلے سے موجود تھا۔ وہ اس وقت کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے قاصر تھا۔ خاموشی سے باتھ ٹب کے اندر چلا گیا اور لیٹنے کے انداز میں خود کو مکمل طور پر باتھ ٹب میں ڈبو دیا۔ یہاں تک کہ اسے سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ سارے دوست اس وقت کیفے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر پہلے ہی ان کا لیکچر اپنے اختتام کو پہنچا تھا۔

وہ بھی کیفے میں بیٹھی فرح کا انتظار کر رہی تھی لیکن وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ ان لوگوں سے انجان تھی۔ ان کی ٹیبل اس کی ٹیبل سے بہت دور تھی۔

"ویسے آج کے پلان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" چینگ من نے جنگکوک سے معافی مانگ لی تھی، ان کی ناراضگی ختم ہو چکی تھی۔ لیکن جنگکوک کے دل میں ایک خلا ضرور آ گئی تھی چینگ من کے لیے۔

"کیا پلان ہے تم لوگوں کا آج کا؟" منہ میں فرائز رکھتے ہوئے جنگکوک نے پوچھا۔

"آج ہم لوگ بئیر اور باربی کیو پارٹی کر رہے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی ہمارے ساتھ شرکت کرو۔"لیو نے اس کے علم میں بات پہنچائی۔

"مزید یہ کہ وہاں آج کپل ڈانس بھی ہو گا۔" چینگ نے کہا۔

"پورک باربی کیو؟" کپل والی بات کو اگنور کرتے ہوئے جنگکوک نے ایکسائٹڈ ہو کر پوچھا۔

"ہاں پورک باربی کیو۔"ایک دوست نے بتایا۔

"آہ! میرا فیورٹ باربی کیو ہو اور میں نا آؤں۔ایسا نہیں ہو سکتا۔اس لئے میں ضرور آؤں گا۔"

ادھر وہ سارے خوش گپیوں میں مصروف تھے اور ادھر وہ فرح کا ویٹ کر رہی تھی کہ اس کے موبائل پر رنگ ہونے لگی۔اس نے نام دیکھے بغیر فون کان کے ساتھ لگالیا۔

"ماریہ مجھے ایمر جنسی میں گھر جانا پڑ رہا ہے۔ میری ماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اس لیے تم پلیز میرا انتظار مت کرنا۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

"ہیل.... ہیلو۔" اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا تو ایک سانس خارج کی۔

"بتایا بھی نہیں مجھے اور فون کاٹ دیا۔ خیر۔ اللہ خیر کرے۔" پریشانی سے کہتی وہاں سے اٹھ گئی۔ بیگ اٹھاتے ہوئے اس کی نظر جنگکوک پر پڑی۔

"کیا یہ یہاں تھا۔ یہ کب سے یہاں پر ہے۔" سوچتے ہوئے بے اختیار اس نے جنگکوک کی طرف دیکھا، وہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ یعنی وہ اس کی موجودگی سے باخبر تھا۔ بنا کچھ سوچے سمجھے وہ اس کی ٹیبل کی طرف چلی گئی جہاں وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔

"جنگکوک۔"

اس کے پکارنے پر سب نے اس کی طرف دیکھا۔چینگ من کے تیور بدلے۔جنگکوک اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"جی۔"

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" جہاں جنگکوک حیران ہوا تھا وہیں وہ سب بھی اس کی طرف دیکھ کر حیران ہوئے۔جنگکوک کے غصے کی بنا پر وہ "اووووووووہ" بھی نہیں کر سکے تھے۔اگر جنگکوک کی محبت کوئی غیر مسلم لڑکی ہوتی تو شاید بات اور ہوتی۔

"ہاں ضرور۔۔۔۔آیئے پلیز۔" وہ گروپ سے الگ ہو کر دوسری طرف چلے گئے۔وہ اس سے چند قدم آگے تھی اور وہ چند قدم پیچھے۔مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا رہا۔ایسے جیسے اس کا محافظ ہو۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"سر میری ماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔مجھے گھر جانا ہے۔" بنا اجازت لیے وہ بہت جلدی میں مومن کے آفس روم میں آئی تھی۔

اسے اس طرح پریشان دیکھ کر وہ گھبرا کر اپنی کرسی سے اٹھا۔

"کیا ہوا ہے انہیں اور آپ رو کیوں رہی ہیں؟"علیزے سے زیادہ تو وہ گھبرا گیا تھا۔رشتہ طے ہو جانے کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔

"مجھے نہیں پتا کیا ہوا ہے، مجھے بس گھر سے کال آئی ہے اور مجھے فوراً جانا ہے۔پلیز مجھے جانے دیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔لیکن آپ جائیں گی کیسے؟"وہ فکر مندی سے اس کے قریب چلا آیا۔

"میں ٹیکسی سے جاؤں گی۔"

"اس طرح تو بہت وقت لگ جائے گا۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔" اس نے ذرا ہچکچا کر کہا۔

"نہیں میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔ آپ کو تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کہتے ساتھ ہی وہ باہر نکل گئی۔ مومن نے اس کے پیچھے جانا چاہا لیکن داخلی دروازے سے منہاج کو اندر آتا دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"کیا ہوا سب ٹھیک ہے نا۔ وہ رو کیوں رہی تھیں؟" منہاج نے اندر آتے ہی مومن سے پوچھا۔

"وہ اس کی مدر کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اچانک۔ اس لیے رو رہی ہے۔"

"اووووو! کیا زیادہ خراب ہے؟" منہاج پریشان ہوا۔

"پتا نہیں۔"

"تمہیں پوچھنا چاہیے تھا۔"

"وہ ذرا جلدی میں تھی اس لیے اس نے بتایا نہیں۔ میں نے کہا تھا میں چھوڑ دیتا ہوں لیکن وہ نہیں مانی۔"

"ہمممم۔۔۔ چلو مل جائے گی انہیں ٹیکسی۔ تم فکر نہیں کرو۔" منہاج کہتے ساتھ ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا۔ آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟" منہاج کو یوں بیٹھا دیکھ کر مومن نے پوچھا۔

"کچھ نہیں یار۔ عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے کچھ اچھا نہیں ہو رہا۔ جیسے کچھ برا ہونے والا ہے۔ بار بار ذہن میں ہاشم بھائی کا خیال آ رہا ہے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے پیچھے تھکے ہوئے انداز میں ٹیک لگا لی۔

"سچ بتاؤں تو مجھے بھی بہت بے چینی ہو رہی ہے اور ذہن کچھ اچھے الارم نہیں دے رہا۔ دل گھبرا رہا ہے بس۔" وہ بھی منہاج کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یاور بتا رہا تھا کہ ہاشم بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں اور وہ گھر چلے گئے ہیں۔ شاید اس لیے ایسا ہو رہا ہے۔" منہاج نے کہا۔

"اچھا مجھے اس بارے میں نہیں معلوم تھا۔ یاور کو ان کے پیچھے جانا چاہیے تھا۔" مومن نے کہا۔

"میں بھائی کو فون کر لیتا ہوں۔ تم جاؤ دیکھو علیزے کو ٹیکسی ملی یا نہیں۔ اگر نہیں ملی تو انہیں گھر چھوڑ کر آنا۔ منہ اٹھا کر واپس نا آ جانا۔" منہاج نے اسے تنبیہہ کی تو مومن نے اسے مصنوعی گھوری سے نوازا۔ اور پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔

وہ ابھی تک سڑک کے کنارے کھڑی ٹیکسی کا ویٹ کر رہی تھی۔ وہ اسی کے پاس چلا آیا۔

"آئین میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔" اسے کہہ کر پارکنگ ایریا کی طرف چلا آیا اور وہاں سے اپنی گاڑی نکالی۔ علیزے کے عین سامنے آ کر روکی۔

"آجائیں۔" پہلے تو وہ تھوڑی ہچکچائی اور پھر ادھر ادھر دیکھتی گاڑی کی پیچھے والی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ مومن نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کا ڈرائیور تو نہیں ہوں جو آپ پیچھے بیٹھ گئی ہیں۔ پلیز آگے آکر بیٹھیں۔" وہ گردن موڑے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ مجھے چھوڑ رہے ہیں یا نہیں؟" اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا تو مومن نے لب بھینچ لیے۔ اور پھر گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ علیزے نے

ذرا سی نظر اٹھا کر شیشے میں اسے دیکھا۔اپنے سختی سے کہے گئے جملے پر وہ شرمندہ سی ہوئی۔

"لگتا ہے ناول پڑھ پڑھ کر میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا سوچ رہا ہو گا میرے بارے میں۔" اس نے دل میں سوچا اور خود کو کوسنے لگی۔اسے سچ میں بہت برا لگ رہا تھا۔

"وہ۔۔۔۔مجھے پیچھے ڈر لگ رہا ہے۔ کیا میں آگے آسکتی ہوں۔" وہ آفس ایریا سے کافی آگے آچکے تھے جب اس نے کہنے کی ہمت کر لی۔ مومن نے گاڑی روک دی۔ چہرے پر مسکراہٹ ابھری لیکن کہا کچھ نہیں۔

("اف کیا سوچ رہا ہو گا کہ گاڑی میں پیچھے بیٹھنے سے ڈر لگ رہا ہے مجھے اور وہ بھی دن کے بارہ بجے۔")

نیچے اترتے ہوئے اس نے ایک بار پھر خود کو کوسا۔اس کے بیٹھتے ہی اس نے پھر سے گاڑی اسٹارٹ کرلی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اس وقت اپنے آفس روم میں ادھر ادھر بے چینی سے چکر لگا رہا تھا۔دو تین دفعہ ہاشم کو فون بھی کیا تھا لیکن اس نے نہیں اٹھایا۔اور اس وجہ سے وہ زیادہ پریشان تھا۔بوا کو فون کیا تو انہوں نے صرف یہ بتایا کہ وہ جب سے گھر آئے ہیں اپنے روم میں ہیں۔پہلے تو وہ پریشان ادھر ادھر گھومتا رہا پھر باہر چلا آیا۔اسے منہاج لفٹ سے باہر آتا ہوا نظر آیا۔وہ اسی کی طرف چلا آیا۔

"بھائی میں گھر جارہا ہوں۔آپ آفس کو دیکھ لیجیئے گا۔"پریشانی اس کے چہرے پر عیاں تھیں۔

"کیا ہوا۔۔۔سب ٹھیک ہے؟ ہاشم بھائی ٹھیک ہیں نا؟" منہاج نے زور سے اس کا بازو پکڑا۔

"پتا نہیں۔ وہ میرا فون نہیں اٹھا رہے اور بوا کہہ رہی ہیں کہ وہ جب گھر سے گھر گئے ہیں اپنے روم میں ہیں۔ مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

"کیا کچھ ہوا ہے یاور؟" منہاج نے سانس روکے پوچھا۔

"نہیں پتا۔ لیکن صبح جب وہ آفس آئے تھے تو مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ وہ واپس بھی جلد ہی چلے گئے۔ اس لیے میں گھر جا رہا ہوں۔" کہتے ساتھ ہی اس نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

"اگر کوئی مسلہ ہوا تو مجھے فون کر دینا اور اگر سب کچھ ٹھیک ہوا تو بھی بتا دینا۔" منہاج نے پیچھے سے آواز لگاتے ہوئے کہا۔ وہ پریشانی کے عالم میں منہ پر ہاتھ پھیرتا ریسیپشن کی طرف چلا گیا۔

ادھر وہ گاڑی کو ہواؤں میں اڑاتا ہوا لے کر جا رہا تھا۔ماریہ کی یونیورسٹی آفس کے راستے میں آتی تھی۔اس لیے یونیورسٹی کے نزدیک آکر اس نے گاڑی سلو کر دی۔یونیورسٹی کے سامنے اکثر بہت رش ہوتا تھا۔وہ اس رش میں اپنا راستہ بناتی ہوئی جا رہی تھی۔اس رش میں ٹیکسی تک پہنچنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے وہ یہاں رک کر وقت برباد نہیں کر سکتی تھی۔اسے بس جلد از جلد گھر پہنچنا تھا۔وہ آج وقت سے پہلے جا رہی تھی اس لیے وہ یونیورسٹی بس کے بجائے ٹیکسی لینے کی کوشش کر رہی تھی۔رش سے باہر آکر وہ سڑک کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔دور سے اسے گاڑی آتی دکھائی دی۔اس نے ہاتھ کے اشارے سے گاڑی کو روکنا چاہا لیکن گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔اسے شدید غصہ آیا لیکن اگلے ہی پل وہ ٹھٹھکی۔

گاڑی رک گئی تھی اور اب وہ پیچھے آ رہی تھی۔ اس نے گاڑی بالکل اس کے سامنے روکی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔ یاور کو دیکھ کر ایک پل کے لیے اسے خود پر غصہ آیا۔ اتنی بڑی گاڑی اسے کہاں سے ٹیکسی لگی تھی۔

"کیا آپ ماریہ کی دوست ہیں؟" اپنی پریشانی پر وہ قابو پا چکا تھا۔

"جی۔" ایک لفظی جواب۔

"یقیناً آپ کو گھر جانا ہے اور کوئی ٹیکسی نہیں ملی۔"

"جی۔ ایسا ہی ہے۔" وہ خفیف ہو رہی تھی اپنی حرکت پر۔

"آئیں میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔" یاور کے کہنے پر اس نے حیرانی سے اسے دیکھا لیکن ماں کا خیال آتے ہی وہ خاموشی سے پیچھے آ کر بیٹھ گئی۔ ایک پل کو وہ ساکت ہوا۔ اسے یقیناً برا لگا تھا۔ لیکن کہا کچھ

نہیں۔خاموشی سے گاڑی آگے لے گیا۔وہ سامنے دیکھ کر گاڑی چلا رہا تھا۔

فرح نے سامنے لگے شیشے میں دیکھا جہاں اس کی ڈریگن آنکھیں نظر آرہی تھیں لیکن آج وہاں غصہ نہیں تھا۔پریشانی تھی،ڈر تھا،خوف تھا۔اسے اپنی بیٹ مس ہوتی محسوس ہوئی۔بے اختیار ہی اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور باہر دیکھنے لگی۔لیکن وہ زیادہ دیر تک باہر نہیں دیکھ سکی۔وہ بار بار اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی لیکن یاور نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

"آپ اتنی جلدی گھر کیوں جا رہی ہیں؟"وہ کب سے یہ بات ہضم نہیں کر پارہا تھا کہ اس کی بہن ابھی تک یونیورسٹی میں ہے اور اس کی فرینڈ گھر جا رہی ہے۔

"جی۔۔۔وہ دراصل میری مدر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔اس لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے۔"آج وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر نہیں بول رہی تھی۔آج وہ نروس ہو رہی تھی۔

"اووو....اللہ انہیں صحت دے۔"اس نے دل میں آمین کہا لیکن اسے یہ نہیں پوچھ سکی کہ وہ کیوں پریشان ہے۔اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس نے پوچھ لیا تو وہ ضرور سمجھ جائے گا کہ اس کے ذہن میں اس وقت کیا جنگ چھڑی ہوئی ہے۔اس کی ڈریگن آنکھیں اس کے دل کا راز جان جائیں گی۔وہ راز جو وہ خود سے بھی چھپائے بیٹھی ہے۔ان کا سارا راستہ ہی خاموشی میں کٹ گیا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

وہ دونوں کیفے میں گلاس وال کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ گلاس وال کے اس پار بہت خوبصورت مناظر تھے۔لیکن یہ سارے

مناظر یونیورسٹی کی حدود میں تھے۔نیلے پانی کا مصنوعی سمندر تھا اور اس کے اوپر پرندے چہک رہے تھے۔ سورج کی کرنیں پانی کو خوبصورتی بخش رہی تھیں۔

"کہیے کیا کہنا تھا آپ کو؟" اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو رہا تھا اس سے لیکن فی الحال سنجیدگی کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔

"میں نے اپنے بھائی کو بتایا ہے کہ آپ نے مجھے پرپوز کیا ہے۔" جنگکوک نے حیرانی سے اسے دیکھا لیکن دیکھنے والے کو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ضرور ہنسی آتی۔

"اچھا پھر۔۔۔" خود کو نارمل کیا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کا موبائل بجنے لگا۔موبائل نکال کر سامنے کیا تو حماد کا نام لکھا آرہا تھا۔

"انہیں آپ کی محبت کر اعتراض نہیں ہے لیکن۔۔۔" وہ خاموش ہوگئی تو جنگکوک نے سمجھتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلایا۔

"آپ کے بھائی کا یہ دوسرا اعتراض بھی میں ختم کر دوں گا۔"

"وہ کیسے؟" اس نے مسلسل بجتے موبائل کو فی الوقت نظر انداز کر رکھا تھا۔

"میں۔۔۔۔ اسلام قبول کر لوں گا۔" وہ ساکت ہوئی۔ چند لمحے سانس روکے وہ اسے دیکھے گئی۔ سکتہ ٹوٹا تو اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ استہزایہ مسکراہٹ۔

"لیکن آپ مجھے کبھی بھی پہلی کوشش میں حاصل نہیں کر سکتے۔" نفی میں سر ہلاتی وہ وہاں سے چلی گئی۔ وہ وہیں پر کھڑا اس کے جملے کو معنی دینے لگا لیکن اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ اس نے ایسا کیوں کہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہاسپٹل کے پارکنگ ایریا میں وہ دونوں میزبان ایک ساتھ گاڑی سے باہر آئے اور ایک ساتھ اندر جانے لگے تبھی علیزے نے رک کر اسے دیکھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں آنٹی کی عیادت کے لیے جا رہا ہوں۔"

"نہیں آپ جائیں۔ اچھا نہیں لگتا اس طرح سے......"

"برا ابھی نہیں لگ رہا۔" مومن نے اسی کے انداز میں کہا۔ ایک بات تو طے تھی کہ وہ عیادت کیے بغیر جانے والا نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ آگے کو چل دی، مومن اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں ابھی اندر ہی گئے تھے جب پیچھے پیچھے یاور کی گاڑی وہاں آ کر رکی۔ اسے شکریہ کہتی وہ گاڑی سے نیچے اتر آئی۔ اس کے اترتے ہی وہ

گاڑی کو تیزی سے وہاں سے لے گیا۔ وہ بس اسے جاتے ہوئے ہی دیکھ سکی تھی۔ وہ چلا گیا تو وہ بھی ہسپتال کی جانب بڑھ گئی۔

"بابا کیا ہوا اماں کو؟" اندر آتے ہی علیزے اسجد صاحب کی طرف لپکی جو کاریڈور میں ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کچھ نہیں بیٹا بس ذرا سا بی پی ہائی ہو گیا تھا۔"

"ذرا سا بی پی؟" فرح بھی وہیں آ گئی تھی۔

"ہاں لیکن تم دونوں کو کس نے بتایا ہے؟" وہ ذرا سے حیران ہوئے تھے۔

"مجھے تو ساتھ والی آنٹی نے بتایا تھا کہ ماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ انہیں ایمر جنسی میں ہسپتال لے کر جایا گیا ہے۔ میری تو ٹانگوں سے جان ہی نکل گئی تھی۔" علیزے نے کہا۔

"مجھے بھی انہوں نے بالکل ایسے ہی بتایا ہے۔" فرح نے ذرا دھیمی آواز میں کہا تھا۔

"اف! یہ عورتوں کا چھوٹی بات کو بڑا کر کے بتانا شاید ہر ملک میں ایسے ہی پایا جاتا ہے۔" اس سارے میں مومن فی الحال نظر انداز ہو گیا تھا۔

"خیر ڈاکٹر نے کہا ہے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔" دونوں بیٹیوں کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ پھر ان کی نظریں مومن پر گئیں تو وہ ٹھٹھکے۔

"اسلام علیکم انکل۔" اسجد صاحب کو خود کو دیکھتا پا کر مومن آگے ہو کر ذرا سا جھک گیا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ انہوں نے بہت خوشی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"معاف کرنا بیٹا۔ میں نے دھیان ہی نہیں دیا کہ تم بھی آئے ہو۔" وہ

ذرا سے خفیف ہوئے تھے۔

"کوئی بات نہیں انکل۔ سیچویشن ہی ایسی ہے۔" وہ اپنی چمکتی

مسکراہٹ کے ساتھ مسکرایا۔

"مجھے اچھا لگا بیٹا کہ تم آئے ہو۔" وہ جو ڈری ہوئی تھی کہ نا جانے بابا

کیا کہیں گے ایک پل کو حیران ہوئی لیکن اندر ہی اندر مطمئن ہو گئی۔

"آئندہ کوئی بھی مسئلہ ہو تو آپ مجھے بلا جھجھک فون کر کے بتایا کریں

گے۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کو اکیلے پریشان ہونے کی ضرورت

نہیں ہے۔" وہ کتنا اچھا تھا۔ علیزے تو بس اسے دیکھتی ہی جا رہی

تھی۔

"جب تک میرے اندر یہ ساری پریشانیاں اٹھانے کی ہمت ہے میں

کم از کم تمہیں تنگ نہیں کرنے والا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں تنگ ہونے والی کیا بات ہے۔ آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔" علیزے اسے دیکھتے ہوئے ماضی کے وہ لمحے یاد کرنے لگی جب جب اس کی مومن سے آفس میں ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دو دفعہ تو سخت والی ڈانٹ بھی پڑی تھی۔ لیکن وہ اپنے ورکرز کے ساتھ ایسے ہی نرمی سے پیش آتا تھا۔ ڈانٹ بس کبھی کبھی کسی کسی کا مقدر بنتی تھی۔ اور مومن کی وہ ڈانٹ علیزے کے مقدر میں دو دفعہ آئی تھی۔

" بالکل۔ تم میرے بیٹے جیسے ہی تو ہو۔" وہ ذرا سا جھک کر مسکرایا۔

" بابا کیا ہم ماں سے مل سکتے ہیں۔" فرح نے پوچھا۔

"ہاں مل سکتے ہیں۔ ایک منٹ میں ڈاکٹر سے پوچھتا ہوں۔" وہ فاصلے پر کھڑے ڈاکٹر کے پاس گئے۔

"اگر آپ یونہی مسلسل مجھے دیکھتی رہیں تو ممکن ہے میں دو دن آفس نا آؤں۔" وہ جو اسے دیکھنے میں مگن تھی ایک دم سے اچھلی۔ مومن کو دیکھا جو اسے دیکھ کر زیر لب مسکرا رہا تھا۔ فرح کے کانوں تک بھی مومن کی آواز گئی تھی۔ وہ اپنی مسکراہٹ روکے اسجد صاحب کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" وہ بنا ہچکچائے بولی۔

"مطلب یہ کہ آپ کے یوں مسلسل مجھے دیکھتے رہنے سے نظر لگ جانے کے چانسز ہیں۔" اس نے آنکھیں گھما کر مومن کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اسجد صاحب واپس آ چکے تھے۔

"ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ وہ ابھی سو رہی ہیں تو بالکل بھی نہیں مل سکتے۔ اور جب وہ سو کر اٹھے گی تو ہم اسے گھر لے جائیں گے۔" بابا نے اپنی دونوں بیٹیوں کو پیار سے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ بھی پاس

کھڑا مسکراتا رہا۔اس بات سے بے خبر کے ان کے گھر میں پھر سے کوئی قیامت ٹوٹنے والی ہے یا ٹوٹ چکی ہے۔

ooooooooooooooooooooooooo

"ہاں بولو کیوں فون کر رہے تھے ؟" کیفے سے باہر آتے ہی اس نے حماد کو کال بیک کی۔

"تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں ؟"

"وہ۔۔۔۔میری کلاس ہو رہی تھی۔"

"اچھا۔۔۔میں گھر جا رہا تھا۔اگر تم نے جانا ہے تو لینے آ جاؤں۔"

"ہاں آ جاؤ۔ویسے بھی دل بہت گھبرا رہا ہے۔"

"مجھے بھی عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی اس لیے جا رہا تھا۔"

دو تین باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

oooooooooooooo

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔

"بوا.... "وہ میڈ کو آواز لگاتا ہوا ہاشم کے روم کی طرف بھاگا جو کہ اوپر تھا۔ بوا اس کی پیچھے ہی روم کی طرف بھاگیں۔ یاور نے دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ لاکڈ تھا۔

"جائیں پلیز میرے روم سے دوسری چابی لے کر آئیں۔ "وہ یاور کے حکم کی تعمیل کرتی ہوئی فوراً اس کے روم کی جانب بھاگی۔ یاور نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"ہاشم بھائی دروازہ کھولیں۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ "اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"بھائی کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں؟"

"آپ کہاں رہ گئیں ہیں جلدی آئیں؟ "اس نے سختی سے اور گھبرائے ہوئے انداز میں بوا کو آواز لگائی۔ وہ فوراً بھاگتی ہوئی آئیں اور

چابی اسے پکڑا دی۔ وہ بڑھتی ہوئی عمر کے وجہ سے بھاگتے ہوئے تھک گئی تھیں اس لیے اب ہانپ رہی تھی لیکن یاور کا اس طرف دھیان ہی نہیں تھا۔ بس ایک ہی خیال ذہن پر ہتھوڑے کی مانِند برس رہا تھا کہیں ہاشم بھائی کو کچھ ہو تو نہیں گیا۔

بوا سمجھنے سے قاصر تھیں کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا اور کیوں ہو رہا تھا۔ انہیں بس وہی کرنا تھا جو یاور اسے کرنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آیا لیکن ہاشم وہاں نہیں تھا۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

"کیا آپ نے ہاشم بھائی کو گھر آتے ہوئے دیکھا تھا؟" دروازہ اندر سے بند تھا اور یقیناً وہ روم میں ہی تھا۔ وہ پھر بھی بوا سے پوچھ رہا تھا۔

"جی میں نے خود دیکھا تھا۔ ہاشم سر جب سے آئے ہیں روم سے باہر نہیں نکلے۔ میں نے بتایا تھا آپ کو۔" بوا بتا رہیں تھیں لیکن وہ بیڈ پر

رکھے اس کے آفس کوٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں سے نظریں ہوتی ہوئیں بیڈ کے پاس نیچے رکھے اس کے جوتوں پر گئی۔ ذہن نے ایک الارم دیا۔ وہ تیزی سے واشروم کی طرف گیا۔ شاور کھلا ہوا تھا، پانی تیز دھار کی طرح نیچے گر رہا تھا اور ہاشم کے ہاتھ سے بہنے والے خون کو ساتھ بہا لے گیا تھا۔

"پلیز یہ شاور بند کریں۔" یاور کے کہنے پر بوا نے آگے بڑھ کر شاور بند کر دیا۔ اس سے تو ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ بمشکل قدم سے قدم ملاتا ہوا باتھ ٹب کی جانب گیا۔ سانس روکے وہ ٹب کے بالکل قریب آ گیا اور اسے وہاں ہاشم کا دایاں ہاتھ نظر آیا۔ لیکن رکا ہوا سانس بحال نہیں ہوا جب تک اس نے پورے ہاشم کو نہیں دیکھ لیا۔ وہ ذرا آگے ہوا تو اسے وہ سارا نظر آ گیا۔

وہ پانی میں مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔اس کے ہاتھ پیر سفید ہو چکے تھے۔ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔

یاور کا جسم لمحے بھر کو بے جان ہوا۔

"بھائی۔"اس کے ہونٹ کپکپائے۔آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔اسے چار سال پرانا ہاشم یاد آیا۔اس نے بوا کی مدد سے ہاشم کو ٹب سے باہر نکالا اور مشکل سے اس کے بے جان وجود کو بیڈروم تک لایا۔وہاں نیچے لٹا کر اس کے پیٹ کو زور زور سے دبانے لگا۔نا ہی اسے سانس آرہا تھا اور نا ہی وہ حرکت کر رہا تھا۔

"پلیز جلدی سے ایمبولینس کا کال کریں۔" اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔خود اس سے فون تک نہیں پکڑا جا رہا تھا۔اسے لگ رہا تھا جیسے پورا آسمان اس پر آن گرا ہے۔ وہ آگ کے دریا میں تنہا رہ گیا ہے۔

اس کا وجود شعلوں کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا فون بوا کو دیا۔ بوا نے فوراً کال ملائی۔

"ہیلو۔۔۔۔ایمبولینس پلیز۔۔۔۔۔۔" اس کو ایڈریس دیتی وہ بھی ہاشم کے پاس نیچے بیٹھ گئی تھی۔

"بھائی پلیز آنکھیں کھولیں۔ مجھے بتائیں ایسا کیوں کیا آپ نے۔ پلیز بھائی پلیز۔" اس کے بے بسی دیکھ کر بوا کو اس پر ترس آیا۔ وہ ساٹھ سالہ خاتون کئی سالوں سے یہاں پر کام کر رہی تھی۔ اس گھر کے بہت سارے راز اس کے دل میں مقید تھے۔ اس گھر کے ہر فرد سے وہ بے لوث محبت کرتی تھیں باوجود اس کے کہ فرقان ہاؤس میں ان کے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا۔

فرقان احمد کی اولاد انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھی۔ شاید اس سے بھی کئی زیادہ۔ لیکن ہاشم سے انہیں کچھ زیادہ ہی محبت تھی اور اب

اسے اس حالت میں دیکھ کر وہ پہلے ہی پریشان تھیں لیکن اب یاور کی بے بسی نے انہیں رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ ابھی بھی ہاشم کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا جب حماد اور ماریہ ایک ساتھ ہی روم میں داخل ہوئے۔ اندر کی صورتحال ان دونوں کے رنگ اڑا لے گئی تھی۔ یہ سب کیا ہوا اور کیوں ہوا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے۔ وہ بس یہی جانتے تھے کہ ان کا بڑا بھائی اس وقت زمین پر بے جان پڑا ہوا ہے۔

"بھائی۔۔۔۔" حماد تقریباً بھاگتا ہوا اس وجود کے پاس آیا۔ جبکہ ماریہ وہیں کھڑی اس سارے منظر کو دھندلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ مظبوطی سے دروازے کو تھام رکھا تھا۔

"ہا۔۔۔۔ہاشم ب۔۔۔۔بھائی۔" وہ دروازے کے پاس نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں ہاسپٹل کے کاریڈور میں بے چینی سے ادھر ادھر بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

وہ پریر روم میں جائے نماز پر بیٹھی اللہ سے اپنے بھائی کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

"یا اللہ ہمیں کسی آزمائش میں نا ڈالنا۔"

یاور کاریڈور میں رکھے ہوئے بینچ پر بیٹھنے کے بجائے نیچے ہاسپٹل کی سرد زمین پر بیٹھ گیا اور گھٹنے پر سر رکھ کر بے آواز رونے لگا۔ حماد بھی اسی کے ساتھ نیچے بیٹھ گیا۔ اس کی سسکیاں کاریڈور کی خاموشی میں خللل پیدا کر رہی تھیں۔ یاور اپنی آواز دبا گیا تھا لیکن حماد یہ نہیں کر

سکا۔ وہ رو رہا تھا۔ تبھی ایک طرف سے منہاج، مومن اور یمان دوڑتے ہوئے ان دونوں کی طرف آئے۔ ان کو دیکھ کر حماد اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا لیکن یاور بے بس سا وہیں بیٹھا رہا۔

"یہ سب کیسے ہوا حماد؟" منہاج نے حماد کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا جبکہ یمان زمین پر یاور کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنے مضبوط بھائی کو یوں ٹوٹتا بکھرتا دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ حماد کچھ بھی کہے بغیر منہاج کے گلے لگ گیا اور رونے لگا۔

"یا اللہ پلیز میرے بھائی کو ہمیں واپس لوٹا دے نا۔ ہم اس کے بغیر کیسے رہیں گے۔ اسے ہم سے دور مت لے کر جائیے گا یا اللہ۔ یا اللہ پلیز میری دعائیں سن لیں نا۔"

"کیا ہوا ہے بھائی کو بتاؤ تو سہی۔" مومن بھی یاور کے پاس نیچے بیٹھ گیا۔

"مجھے نہیں پتا کیا ہوا ہے اور کیوں ہوا ہے۔ پلیز مجھ سے۔۔۔۔۔ مجھ سے اس وقت کچھ مت پوچھیں۔ میں کچھ بھی بتانے کی کنڈیشن میں نہیں ہوں۔" اس نے بے بسی سے کہا تو مومن نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ سارے بھائی رو رہے تھے لیکن وہ رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے یمان وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا وہ اس وقت کہاں ہو گی۔ قدم قدم چلتا ہوا وہ پریر روم کی طرف چلا آیا۔ وہ باقاعدہ کوئی پریر روم نہیں تھا لیکن اکثریت یہاں اپنی عزیز مریض کے تنہا بیٹھ کر روتی اور دعائیں مانگتی تھی۔ اس وجہ سے وہ روم پریر روم کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ وہ زمین پر دو زانوں ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ چہرے مکمل کور تھا۔ ہاتھ دعا کی صورت اٹھے ہوئے تھے۔

"ممابابا آپ دیکھ رہے ہیں ناہم سب تکلیف میں ہیں۔آپ تو اللہ کے پاس ہیں۔اس سے کہیں ناکہ وہ آپ کے بیٹے اور ہمارے بھائی کو ہمارے پاس رہنے دیں۔" وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی دعائیں اس کے کانوں تک کا سفر کر رہیں تھیں۔آنسو اس کے رخسار پر پھسلتے ہوئے جا رہے تھے۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ دونوں کو بھی ہماری یاد آتی ہو گی۔ لیکن مما۔۔۔۔۔اگر آپ نے ہاشم بھائی کو اپنے پاس بلانا ہے تو پھر ہم سب کو بھی انہی کے ساتھ بلالیں۔ ہم۔۔۔ہم نہیں رہ سکتے ان کے بغیر۔" وہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ ظلم نہیں ہونے دینا مما پلیز۔۔۔۔۔پلیز مما۔آپ کی اولاد تکلیف میں ہے اور یہ تکلیف برداشت نہیں ہو رہی۔ مما۔۔۔ مما

میرا۔۔۔۔میرا دل پھٹ رہا ہے۔" کہتے ساتھ وہ زار و قطار رونے لگی۔بے ساختہ یمان نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"کچھ نہیں ہو گا ہاشم بھائی کو۔تم دیکھ لینا۔وہ۔۔۔۔وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ہم۔۔۔۔۔ہم سب پھر سے پہلے کی طرح رہیں گے۔"

وہ خود بھی بچوں کی طرح رو رہا تھا۔اندر کہیں امید کی کرن ابھی بھی باقی تھی۔جبکہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ان کے زندہ رہنے کے اڑتالیس فیصد چانسز ہیں۔یعنی مرنے کے زیادہ تھے۔

ہاشم کے نام کے ساتھ موت کا نام سن کر ہی ان تینوں کی یہ حالت ہوئی تھی۔تبھی تو ان تینوں نے بعد میں آنے والے تینوں کو نہیں بتایا تھا۔تکلیف بیان سے باہر تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں باہر آ گئے۔ منہاج دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ مومن وہیں زمین پر یاور کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور حماد بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے آکر بینچ پر بیٹھ گئی جبکہ یمان منہاج کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تبھی آپریشن تھیٹر سے ایک ڈاکٹر باہر آیا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر وہ سب اپنی اپنی نشست سے اٹھ گئے اور ڈاکٹر کی جانب گئے۔

"بھائی۔۔۔۔ بھائی ٹھیک ہے نا میرا؟" ڈاکٹر کو خود کو دیکھتا پا کر یاور نے پوچھا۔ دل اندر ہی اندر ڈر رہا تھا۔ ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ ڈاکٹر ایسے ہی خاموشی سے اسے دیکھے گیا اور پھر تاسف سے دائیں بائیں سر ہلا یا۔

"سوری ٹو سے......" ڈاکٹر کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب وہ کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا پیچھے ہوا۔

"پلیز اسفند بھائی۔۔۔۔۔ایسا کچھ مت کہیے گا جو میں سن کر سہہ نا پاؤں۔" ماریہ نے بھی حماد کے بازو کو زور سے پکڑا ہوا تھا لیکن اب وہاں سختی آگئی تھی۔ وہ سارے آنکھوں میں بے یقینی لیے ڈاکٹر اسفند یار کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔" زمین کو دیکھتے ہوئے وہ بڑ بڑائی۔ سب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"پلیز ڈاکٹر کہہ دیجئے یہ جھوٹ ہے۔ ہمارے بھائی کو کچھ نہیں ہوا۔" حماد نے منت بھرے لہجے میں ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑا۔ ڈاکٹر نے پہلے تاسف سے اسے دیکھا اور پھر اسی تاسف سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"ہاں میں کہتا ہوں یہ جھوٹ ہے۔" ڈاکٹر کے چہرے پر مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کر وہ سارے پل بھر کو اپنی اپنی حرکت پر رک گئے تھے۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ بھائی ٹھیک ہیں؟" وہ جو سب سے پیچھے چلا گیا تھا اب سب سے آگے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"بالکل۔۔۔۔اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔" ڈاکٹر نے بہت اپنائیت سے یاور کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"انفیکٹ ہم انہیں روم میں شفٹ کر رہے ہیں۔"

"کیا ہم بھائی سے مل سکتے ہیں؟" مومن نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ابھی اجازت نہیں ہے۔ جتنی لاپرواہی تم لوگوں نے دکھائی ہے اس کی توقع نہیں تھی مجھے۔ میرا تو دل کر رہا ہے کہ اسے تم لوگوں کے ساتھ واپس جانے ہی نا دوں۔" ڈاکٹر اسفندیار نے سخت ناگواری سے منہاج، مومن اور یاور کو دیکھا تھا۔ وہی تو بڑے تھے۔ انہیں تو ہاشم کو سنبھالنا تھا۔ اور وہی اس کے معاملے میں لاپرواہ ہو گئے۔ وہ تینوں شرمندگی سے سر جھکا گئے۔

"اور براہ مہربانی ہاسپٹل سے اب رش کم کر دیں۔ ہم کل صبح انہیں ڈسچارج کر دیں گے۔" ڈاکٹر نے طنز کیا تھا یا ان سب کو ایسا لگا تھا لیکن وہ خفیف ہو گئے۔

"تم میرے ساتھ آؤ۔ کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" ڈاکٹر نے یاور کو کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ اس نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر ڈاکٹر کے آفس چلا گیا۔

"بیٹھیے۔" ڈاکٹر اسفندیار نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ڈاکٹر کی بات پر عمل کرتے ہوئے وہ وہیں بیٹھ گیا۔

اسفندیار پاکستانی شہری تھا۔ اس کا تعلق کراچی سے تھا۔ بچپن سے ہی اسے کوریا بہت پسند تھا اور اس کے گھر والے اس کی پسند پر حیران ہوتے تھے۔ کہاں لوگ یورپین ممالک کے لیے مرے جا رہے ہیں اور کہاں ان کا بیٹا ایشین ملک جانے کے لئے بے تاب ہے۔ وہ دس

سال کا تھا جب وہ اپنی فیملی کے ساتھ کوریا آیا تھا۔ اس کی ساری زندگی وہیں گزری تھی اور وہیں وہ ڈاکٹر کے عہدے پر فائز ہوا۔ ڈاکٹر بننے کے بعد وہ پاکستان واپس آ گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے ملک کے لوگوں کی خدمت کرے۔ اس نے ایک ایسے علاقے میں ہسپتال بنایا جہاں دور دور تک کوئی جدید سہولیات موجود نہیں تھیں۔ جہاں لوگ تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں۔ اگر ہاسپٹل جانا ہوتا تو کئی کلومیٹر دور ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی مریض دم توڑ دیتا۔ لیکن ڈاکٹر اسفندیار نے کئی لوگوں کی زندگیاں بچائی تھیں۔ اب وہ علاقہ تو ویران نہیں رہا تھا لیکن ڈاکٹر اسفندیار کا سفر ختم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کوریا میں بھی کئی بڑے بڑے ڈاکٹرز کے ساتھ کام کیا تھا۔ وہ ایک ماہ پہلے ہی کوریا آیا تھا۔

وہ تینتیس سالہ خوبصورت نوجوان تھا اور ہاشم کے ساتھ اس کی کافی اچھی دوستی بھی تھی۔ وہ دونوں کالج فیلو ہوا کرتے تھے اور دونوں ہی ڈاکٹر بننا چاہتے تھے۔ لیکن گھر کا بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے ہاشم کو اپنے مرحوم باپ کا بزنس سنبھالنا پڑا۔ اسفندیار میڈیکل میں ایڈمیشن لیا اور ہاشم نے بزنس کی کتابیں اٹھالیں۔ اس لیے اس کے ڈاکٹر بننے کا خواب پورا نا ہو سکا لیکن وہ اس کے لیے افسردہ نہیں تھا۔ چار سال پہلے جن دنوں اسے اپنی وائف کی ایکٹیویٹیز مشکوک لگ رہی تھیں تو اس نے ہی ڈاکٹر اسفند کو پاکستان سے بلایا تھا تاکہ اسے اپنی پریشانی بتا سکے۔ اس وقت جب وہ اپنی وائف کو بے ہوشی کی حالت میں ہاسپٹل لایا تھا تب وہ اسے اسفندیار کے حوالے کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔ اسفند اپنے پیشے کے ساتھ بہت ایماندار تھا اور ہاشم کے راز اس کے دل میں مقید تھے۔ وہ ہاشم کی کنڈیشن سے بخوبی واقف تھا۔

ہاشم ایک زندہ دل انسان تھا۔ پھر اس کی ماں مر گئی۔ اس کا دل مر گیا۔ خود کو سنبھالا تو باپ مر گیا۔ وہ پھر سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ لڑکی اس کی زندگی میں آئی تو وہ پھر سے جینے لگا۔ پھر لڑکی نے اسے ایسا زخم لگایا جو کوئی بھی انسان بھر نہیں سکا تھا۔ وہ سارے چار سال سے ایک روبوٹ کے ساتھ رہتے آ رہے تھے یاور کو آج اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔

اگر اسے لگتا تھا کہ اس کا بھائی اپنی ایکس وائف کو بھول کر زندگی میں آگے بڑھ گیا تھا تو وہ غلط تھا۔ ہاشم آج بھی وہیں کھڑا تھا۔ اسی درد کو جی رہا تھا۔ وقت نے اس کے زخموں کو نہیں بھرا تھا۔ بس اوپر چادر ڈال دی تھی کہ وہ زخم کسی کو نظر نا آئیں۔ لیکن وہ زخم آج بھی ہاشم کی رخ کو چھلنی کیے ہوئے تھے۔ وہ آج بھی ماضی میں جی رہا تھا۔ وہ اگر بڑا بھائی تھا تو وہ انسان بھی تھا۔

وہ سب کے سامنے بھول جاتا تھا کہ وہ انسان ہے لیکن تنہائی میں خود کو بتاتا تھا کہ وہ روبوٹ نہیں ہے۔

"کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ ایسا کیا ہوا جو اس نے یہ حرکت کی ہے؟"

ڈاکٹر اسفند کا لہجہ برف سے بھی زیادہ سرد تھا۔

"میں نہیں جانتا بھائی نے یہ سب کیوں کیا ہے جب تک وہ خود نہیں بتا دیتے۔"

"جب میں نے کہا تھا کہ اس کو کسی بھی سیچویشن میں اکیلا نہیں چھوڑنا تو کیوں اسے اکیلا چھوڑا۔"

"مجھے لگا تھا کہ وہ اب نارمل ہو چکے ہیں اور دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔"

"کیا صبح ایک بار بھی تمہیں ایسا نہیں لگا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

"جب وہ صبح گھر سے نکلے تھے تو بالکل ٹھیک تھے لیکن آفس آئے تو وہ صبح والے ہاشم سے کافی مختلف لگ رہے تھے۔ گھر سے وہ جلدی نکلے تھے لیکن آفس لیٹ پہنچے تھے۔

"کیا مطلب اس بات کا کہ وہ گھر سے آفس آنے تک مختلف لگنے لگا تھا۔ کیا وہ خود ڈرائیو کر کے آیا تھا؟"

"جی۔۔۔۔ان چار سالوں میں بھائی پہلی دفعہ خود ڈرائیو کر کے آفس آئے تھے۔"

"کیا وہ اکیلا تھا؟" ڈاکٹر اسفند یار انگلیاں باہم پھنسائے اسے اپنی سخت نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھے۔

"جی وہ اکیلے تھے۔" وہ پریشان اور شرمندہ سا نظریں جھکائے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

"او گاڈ۔" اس نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی سانس خارج کی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ گھر سے آفس کے درمیان میں ہوا ہے اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کیا ہوا ہے۔"

"مجھے لگا تھا کہ سب ٹھیک ہو گیا ہے لیکن آج بھی کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔" وہ افسردہ سا کہہ رہا تھا۔

"جانتے بھی ہو یہ پولیس کیس ہے۔ ہاشم نے خود کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پولیس اس کا بیان لینا چاہتی ہے۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ پولیس کو کچھ بتائیں گے۔"

"اگر اس نے نہیں بتایا تو پولیس اپنے طریقے آزمائے گی لیکن ہاشم کو دوبارہ تنگ نہیں کرے گی۔"

"کیا پولیس اس بات کو یہیں نہیں چھوڑ سکتی؟"

"اگر تم چاہتے ہو کہ پولیس اس معاملے میں انوالو نا ہو تو میں ان سے بات کر لوں گا۔ تم فکر نہیں کرو۔" وہ اپنے ازلی نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ یاور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن تمہیں اب اس کا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسے بالکل بھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔ جب آہستہ آہستہ یہ دن گزر جائیں گے تو وہ پھر پہلے جیسا ہو جائے گا۔ لیکن ابھی یہ سب کچھ تازہ ہے۔ اور ہاں تمہیں یہ بھی جاننا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔"

"اگر میں بھائی سے پوچھوں گا تو کہیں پھر سے وہ اس کنڈیشن کو نا پہنچ جائیں۔"

"اس سے پوچھنا ضروری ہے اور اگر وہ اپنے دل کی بات باہر نہیں نکالے گا تو وہ ڈپریشن میں جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر کی بات کو سمجھتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ علینا بیگم ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر واپس آ گئیں تھیں اور اب وہ اپنے روم میں آرام کر رہیں تھیں۔ وہ دونوں وہیں بیٹھی ہوئیں تھیں لیکن ان کے سونے کے بعد وہ دونوں بھی اپنے روم میں چلی آئیں۔

"ایک بات پوچھوں تم سے علیزے؟" وہ بیڈ پر ہاتھ میں ایک ڈائری لیے بیٹھی تھی جب اس نے علیزے کو مخاطب کیا جو سونے کے لیے آنکھیں بند کر چکی تھی۔

"ہاں پوچھو۔" اس نے آنکھیں کھولے بغیر ہی سست آواز میں کہا۔

"کیا تم مومن سے محبت کرتی ہو؟" فرح کے اچانک سوال پر اس نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"تم رات کے بارہ بجے مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"پتا نہیں۔" علیزے کے سوال کو اگنور کر کے اس نے اپنی ڈائری کھولی۔

"نہیں۔۔۔۔ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"جب تم محبت نہیں کرتی تو پھر اس سے شادی کیوں کر رہی ہو؟"

اس نے دوبارہ ڈائری بند کر دی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیونکہ میں اس کی محبت کا احترام کرتی ہوں۔"

"تو تم اس کی محبت کے احترام میں اپنا دل مار دو گی؟"

"جب میں کسی سے محبت ہی نہیں کرتی تو میرا دل کیوں مرنے لے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ رخ فرح کی جانب تھا۔ فرح نے رشک سے اپنی بہن کو دیکھا۔ وہ زندگی کی تمام تر رونقوں سے بھرپور تھی۔

"تمہارا دل نہیں کرتا کہ تمہاری شادی اس انسان سے ہو جس سے تم محبت کرو؟" علیزے نے ایک پل کے لیے اسے غور سے دیکھا۔ اسے وہ کافی الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"نہیں۔ میرا ایسا کچھ بھی دل نہیں کرتا۔"

"کیوں نہیں کرتا۔ جبکہ اس کا حق ہے تمہیں۔"

"حق تو ہے لیکن میں اس حق کا استعمال حق حلال سے کروں گی۔"

اپنی بات پہ وہ خود کی ہنسی تھی۔ فرح نے اسے گھورا تو وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"تمہیں پتا ہے فرح۔ جب کوئی انسان آپ سے محبت کرتا ہے اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی چاہت کا احترام کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ انسان بہت سچا ہوتا ہے۔ کسی کو چاہنا ایک خوبصورت احساس ہے لیکن کسی کی چاہت بننا۔۔۔۔ وہ کچھ الگ سا ہے۔ وہ

محبت کے ہر احساس سے اوپر کی چیز ہے۔ میرے پاس اس کو بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں لیکن میں ذاتی تجربے سے کہوں گی کہ اس کے دل میں میرے لئے موجود چاہت مجھے اس کی طرف کھینچتی ہے۔"

اس کے ہر انداز سے خوشی جھلک رہی تھی اور اپنی بہن کو اس طرح خوش اور پر سکون دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ کتنی خوش قسمت ہے اس کی بہن کہ اس وقت جس کشمکش میں وہ تھی۔ اس کی بہن اس سے محفوظ تھی۔ اس کی بہن کسی کی چاہت تھی اور وہ کسی کو چاہنے لگی تھی۔

ڈائری پہ لکھتے ہوئے اس کے ہاتھ اچانک رکے۔ اس نے اپنے لکھے ہوئے جملے پر غور کیا۔

"کیا وہ اس کی چاہت بن گیا تھا۔ کیا وہ اُس سے محبت کرنے لگی ہے۔" اس کے اندر ایک جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر ڈائری بند کر دی۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہیں تھیں۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سنجیدہ سا چہرہ ابھرا تو اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" اس نے دل میں سوچا۔

"ویسے تم نے مجھ سے یہ کیوں پوچھا۔ کیا تم کسی سے محبت کرنے لگی ہو؟" وہ اور بھی پتا نہیں کیا کیا بول رہی تھی جبکہ فرح لفظ "محبت" پر اٹک گئی۔

اسے اس انسان سے محبت تو نہیں ہو سکتی۔ اس کے ماتھے پر ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔ اس نے گھبرا کر کروٹ بدل لی کہ کہیں علیزے اس کی یہ حالت نا دیکھ لے۔

"بتاؤنا کیوں پوچھ رہی تھی؟"علیزے نے اس کا کمبل کھینچا۔

"بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔"فرح نے کمبل کو زور سے پکڑ لیا۔وہ منہ بناتی ہوئی واپس لیٹ گئی۔

"بہت بدتمیز ہو تم۔۔۔۔میری نیند اڑا کر خود سونے جا رہی ہو۔" علیزے نے اس کی پشت کو گھورا جبکہ وہ دھیما سا ہنس دی۔

"جو انسان آپ کو چاہتا ہے وہ آپ کی ہر چاہت پوری کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔"اس کی پشت پر پھر سے علیزے کی آواز ابھری۔

"اس لیے کہتی ہوں ناول کم پڑھا کرو۔کتنی افسانوی باتیں کرنے لگی ہو تم۔"وہ پھر سے ہنسنے لگی۔

"بندر کیا جانے ادرک کا سواد۔"اس نے منہ بنایا لیکن فرح کی طرف سے کوئی جواب نا پا کر آنکھیں بند کر لیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے بارہ بجے وہ باربی کیو پارٹی سے گھر واپس لوٹا تھا۔گھر میں داخل ہوا تو ذرا کو ٹھہر گیا۔لاؤنج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔نشے میں ہونے کی وجہ سے اس نے مشکل سے اپنی آنکھیں کھول کر اپنے روم کا راستہ ڈھونڈا۔پھر لڑکھڑاتا، گرتا پڑتا اپنے روم میں آیا۔روم میں آتے ہی وہ بیڈ پر دھڑام سے گرا۔اسے اپنا سر گھول گھول گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

روم میں اسے ہر طرف وہی نظر آرہی تھی۔

اس نے بہت کوشش کی سونے کی لیکن وہ کامیاب نا ہو سکا۔اس کا دل بھاری ہو رہا تھا۔جیسے کوئی وزنی چیز اس پر رکھ دی گئی ہو۔

اور زندگی میں اسے ایسا پہلی دفعہ محسوس ہوا تھا۔

بمشکل بیڈ سے اتر کر وہ واشروم میں چلا گیا اور شاور کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہو گیا۔دونوں ہاتھ دیوار پر رکھے وہ خود کو گرنے سے بچا رہا

تھا۔ وقت گزرتا گیا اور آہستہ آہستہ سارا نشہ اترنے لگا۔ جیسے ہی اسے تھوڑا سکون محسوس ہوا۔ شاور بند کر کے واپس آیا۔ الماری سے نائٹ ڈریس نکال کر چینج کرنے کے لیے واپس واشروم میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد تولیے سے بال رگڑتا ہوا واشروم سے باہر آیا۔ بیڈ پر جانے کے بجائے وہ اسٹڈی ٹیبل کی کی طرف چلا آیا۔ دل کا بوجھ ویسا ہی تھا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اپنی ڈائری اٹھا کر اس میں کچھ لکھنے لگا۔ شاید دل کا بوجھ کم کرنے کو۔ شاید اپنے احساسات کو کسی کے ساتھ شیئر کرنے کو۔

"جب آج آپ نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا تو...... کچھ لمحوں کے لیے مجھے... کچھ اور سنائی نہیں دیا۔ نا جانے کیوں..... میرا دل کیا کہ آپ بار بار اپنی زبان سے میرا نام لیں۔"

ایک دلکش سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی۔ دل کا بوجھ کم ہونے لگا۔

اس کے گیلے بال ماتھے سے چپک گئے تھے شائد وہ انہیں اچھی طرح خشک نہیں کر سکا تھا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں اور ان کے نیچے گہرے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ دلکش سا لگتا تھا۔ ہونٹ کے نیچے کالا تل اسے مزید خوبصورت بنا دیتا تھا۔ اس کے حسن کو کسی کی تعریف کی ضرورت نہیں تھی۔ تھوڑی پر بالکل نا ہونے کے برابر بال تھے۔ عموماً گورین لوگوں کو داڑھی مونچھ اچھی نہیں لگتی لیکن جنگکوک کے چہرے پر وہ سوٹ کر رہے تھے۔ لیکن وہ کلین شیو کرواتا رہتا تھا اس لیے وہ دور سے دیکھنے پر نظر نہیں آتے تھے۔

"ناجانے کب میں آپ کو اپنے پاس بٹھا کر دیکھوں گا۔" وہ کرسی کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر گیا۔اس کے دائیں گال پر ایک نشان تھا۔شائد بچپن میں کبھی چھوٹ لگی ہو جس کی وجہ سے نشان پڑ گیا ہو۔اور مستقل ٹھہر گیا ہو۔

"کب آپ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لوں گا اور آپ کے لمس کو محسوس کروں گا۔"

اسے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھیں نم ہوئی ہیں۔ لیکن وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔

"میں آپ سے پاک محبت کرنا چاہتا ہوں۔آپ کو اپنے دل میں سب سے اونچے مقام پر رکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ دل پر رکھا۔

"یہ آنکھیں آپ کی امانت ہیں۔اب تو کسی اور کو دیکھنا بھی گناہ لگتا ہے۔"اس نے آنکھ میں آئی نمی کو بائیں ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا۔

چہرے پر دلکش مسکراہٹ لیے وہ ڈائری پر خوبصورتی سے اپنے جذبات لکھ رہا تھا۔

"آپ کے لیے جو ایک کٹھن فیصلہ میں نے لیا ہے میں جانتا ہوں مجھے کتنی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن......۔"

اس کی مسکراہٹ ایک دم سمٹ گئی جیسے وہ خوفزدہ ہوا تھا۔صفحے کو ادھورا چھوڑ کر وہ وہاں سے اٹھ گیا۔دل پھر سے بوجھل ہونے لگا تھا۔

"کیا اپنا مذہب چھوڑنا اتنا مشکل ہوتا ہے؟"اس نے خود سے سوال کیا۔

"مشکل ہوتا ہے..... ناممکن تو نہیں۔" خود کو جواب دے کر وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا گو کہ مزید سوچنا نہیں چاہتا۔

"لیکن آپ مجھے کبھی بھی پہلی کوشش میں حاصل نہیں کر سکیں گے۔" اس کی سماعت میں ایک جملہ گھونجا۔"

"انہوں نے ایسا کیوں کہا..... کیا میرے لیے اپنی محبت کو حاصل کرنا اتنا مشکل ہے۔ کیا بہت سخت امتحانوں سے گزرنا ہو گا۔" شاید ابھی وہ واقعی ہی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا اور نا ہی سمجھ سکتا تھا۔

لیکن ایک خیال اس کا سانس روک گیا۔

"کیا میں انہیں پا کر کھو دوں گا۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

دوسرا دن شروع ہو گیا تھا۔ اور اسی دن صبح دس بجے ہاشم ڈسچارج ہو کر گھر واپس آ گیا تھا۔ یاور ہی اسے ہاسپٹل سے گھر واپس لایا تھا اور اس وقت وہ اسی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حماد اور ماریہ یونیورسٹی نہیں گئے تھے اس لیے وہ دونوں بھی اسی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب آفس جا چکے تھے لیکن باری باری یاور کو فون کر کے ہاشم کی خیریت دریافت کرتے رہے۔ وہ لاکھ پریشان حال سہی لیکن انہیں پریشانی سے بچانے کے لیے وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم دونوں نکمے یونیورسٹی کیوں نہیں گئے آج؟" ہاشم نے ساتھ بیٹھے حماد کی کمر پر چپت لگائی تو وہ آہ بھر کر رہ گیا۔ جبکہ ماریہ کا قہقہہ بلند ہوا۔

"اگر ہم دونوں یونیورسٹی چلے جاتے تو آپ یہاں بیٹھ کر مسکرا نہیں رہے ہوتے بلکہ یاور بھائی کے ساتھ بیٹھے بور ہو رہے ہوتے۔" حماد نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا تو یاور نے اسے گھوری سے نوازا۔

"اچھا تو میں بورنگ ہوں؟" یاور کے اس طرح دیکھنے پر وہ گلا کھنکھارتا سیدھا ہوا۔ وہ تینوں ہنس دیئے۔

"اچھا اب تم لوگ باہر جاؤ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنا سر پیچھے ٹکا دیا۔

"آپ ہمیں بھگا رہے ہیں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے۔" ماریہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو اس نے پل بھر کو اسے دیکھا۔

"ہاں بھگا رہا ہوں۔ لیکن تم دونوں ڈھیٹ ہڈی بن کر یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔" وہ پھر باز نہیں آیا تو یاور کو بمشکل اپنی ہنسی روکنی پڑی۔

"آہ! آپ کو پتا ہے۔ ہماری جان منہ کو آگئی تھی آپ کو ایسے دیکھ کر اور آپ ہم سے جان چھڑوا رہے ہیں۔" اس کی آنکھیں فوراً بھر آئیں تو ان تینوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ہاشم فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہاں آؤ۔" وہ ہاشم کے پاؤں والی سائیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بلانے پر فوراً اس کے قریب چلی آئی۔

"دکھاؤ کہاں ہے تمہاری جان۔" وہ شرارت سے اس کا چہرہ پکڑ دیکھنے لگا تو ان دونوں نے بمشکل خود کو ہنسنے سے روکا۔ کچھ اس طرح کہ یاور نے ہاتھ کا مکا بنا کر ہونٹوں پر رکھا جبکہ حماد اپنے ہونٹ سختی سے باہم ملائے۔ جبکہ وہ مزید خفا ہو گئی۔

"دیکھو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ زندہ سلامت ہوں تو تمہیں اس طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" مسکراہٹیں غائب ہو گئیں تھیں۔

وہ یہ تو نہیں جانتے تھے کہ ہاشم نے ایسا کیوں کیا ہے لیکن وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ ان کے بھائی نے جانے انجانے میں خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جس وجہ سے وہ سارے خوفزدہ ہو گئے تھے۔

"اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو یہ دیکھو، اتنے سارے بھائی تو ہیں تمہارے پاس۔ رونے والی کیا بات ہے اس میں۔" پل بھر کو ان تینوں کی سانس رکی تھی۔ آنسوؤں اس کی گالوں پر پھسلنے لگے۔

"آپ سب میرے بھائی ہیں۔ ایک درجن مالٹے نہیں ہیں کہ ایک خراب ہو گیا اور اسے پھینک دیا۔ اور پھر تکلیف بھی نا ہو۔" اس نے ناک کے ذریعے سانس اندر کھینچی جبکہ حماد اس کی مالٹوں والی بات پہ ہنس دیا تھا۔

"لیکن آپ کو کیا۔ آپ کو تو مرنے کا شوق ہے نا۔ ہماری پرواہ تھوڑی ہے آپ کو۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ہاشم نے یاور کی طرف دیکھا۔ وہ دکھ سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"اچھا زیادہ سیریس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے بھائی کو ریسٹ کرنے کے لیے کہا ہے تو ہم باہر چلتے ہیں۔"

حماد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ سے اتارنا چاہا تو اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور ہاشم کے گلے لگ گئی۔ ایک پل میں ہاشم کو اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہوا۔ اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔

"زندگی سے اتنے مایوس نا ہوں بھائی کہ کل کو آپ کا جینے کو دل کرے اور وہ آپ سے چھین لی جائے۔" وہ سب بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔ ہاشم سے الگ ہو کر وہ ذرا سا مسکرائی۔

"ہمارا نہیں تو اپنی پرواہ کرلیں۔اپنی نہیں تو پھر ہماری کرلیں۔خدا کا واسطہ ہے کسی ایک کے لیے ہی جی لیں۔یہ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ اگر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل گئی تو کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"کہاں سے سیکھتی ہو تم ایسی باتیں؟"ہاشم کے پوچھنے پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"یہ باتیں ہمیں زندگی سکھاتی ہے۔میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جو لوگ جینا نہیں چاہتے۔زندگی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔اور جو زندگی کو بھر طریقے سے جینا چاہتے ہیں۔موت انہیں ایک پل میں آلیتی ہے۔اگر آپ کو ہمارے لیے نہیں جینا تو مت جئیں لیکن اپنے لیے ضرور جئیں۔"مسکرا کر کہتی وہ روم سے باہر چلی گئی۔

"بہت سمجھدار ہو گئی ہے ہماری بہن۔"حماد نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں سے وہ ابھی گئی تھی۔

"تم بھی اب سمجھدار ہو جاؤ۔" ہاشم نے پھر ایک دفعہ اس کی کمر پر مکا مارا تو وہ کراہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

"مار مار کر میری کمر توڑ دینا آپ۔" اس کے منہ کے زاویے عجیب تھے۔

"ہاں تم تو ہماری نازک حسینہ ہو نا جس کی ایک ہی مکے سے کمر ٹوٹ جائے گی۔" ہاشم نے تمسخر اڑایا۔ حماد منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"اب تم بھی جاؤ۔ کچھ دیر آرام کر لو۔" حماد کے جانے کے بعد اس نے یاور سے کہا جو صوفے پر بیٹھا ان کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"میں کہیں نہیں جا رہا۔ آپ سو جائیں۔" وہ ویسے ہی بیٹھا رہا تو ہاشم نے اسے گھورا جس کا اس نے اثر نہیں لیا۔ مجبوراً ہاشم کو سونا پڑا۔

"اچھا چلو لائٹ آف کر دو۔" اس نے سخت کوفت سے کہا۔ وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا تھا لیکن یاور فی الوقت اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جانے والا تھا۔

ooooooooooooo

وہ ہاشم کے روم سے سیدھا اپنے روم میں آیا تبھی اس کے فون پر رنگ ہونے لگی۔ اس نے موبائل سامنے کیا تو اسکرین پر عنایہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اسے نا چاہتے ہوئے بھی فون اٹھانا پڑا۔

"ہیلو.... اسلام علیکم۔"

"تم آج یونیورسٹی کیوں نہیں آئے؟" اس نے سلام کا جواب دیئے بغیر سوال پوچھا۔

"بس ایسے ہی..... دل نہیں کر رہا تھا۔" وہ کافی اکتائے ہوئے انداز میں بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"ہمم..... کیا ہم باہر مل سکتے ہیں؟" عنایہ کے پوچھنے پر اس نے کان سے فون ہٹا کر دیکھا۔

"ابھی۔" اس نے دیوار وال کی طرف دیکھا جو دن کے گیارہ بجا رہی تھی۔

"ہاں ابھی۔ کیا کوئی مسلہ ہے؟"

"ارے نہیں نہیں۔ میں نے بس اس لیے پوچھا کہ تم یونیورسٹی ہو گی اس ٹائم۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں لوکیشن بھیج رہی ہوں وہاں آجانا۔" فون بند ہو گیا تھا۔ اس نے فون کو دیکھتے ہوئے سر کھجایا۔

"اف یار۔ میں سونا چاہ رہا تھا۔ اب جانا پڑے گا۔" وہ سست انداز میں بیڈ پر ٹانگیں نیچے کیے لیٹ گیا۔

ooooooooooooooooooooooo

"آج وہ نہیں ایک تو جنگکوک ہمیں بھی وقت نہیں دے رہا۔ شائد وہ اس سے محبت میں بہت آگے نکل گیا ہے۔"

یونیورسٹی میں معمول کے مطابق گہما گہمی تھی۔ جنگکوک ایک طرف بینچ پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک اور بینچ رکھا ہوا تھا جس پہ لیو اور چینگ من بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دو بینچوں کے درمیان کافی زیادہ فاصلہ تھا۔ جنگکوک کو دیکھتے ہوئے چینگ نے کہا تھا۔

"شائد نہیں.... یقیناً۔" لیو نے کہا تو اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"بہت مشکل ہوتا ہے اپنی محبت سے دستبردار ہو جانا۔ اور میں یہ مشکل کام کر رہی ہوں۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں کہہ رہی تھی تبھی لیو نے اس کی طرف دیکھا۔ چینگ کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ وہاں بس تکلیف تھی جسے وہی محسوس کر سکتا تھا۔ جو اسے تکلیف

میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک شخص جو اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ لیو تھا۔ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

"مجھے اچھا لگا یہ سن کر کہ تم اس کے راستے سے ہٹ رہی ہو۔ بجائے اس کے کہ اُس کی محبت کا روگ پال لیا جائے۔" اس نے مسکرا کر لیو کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ کو۔

"میں نے قسمت کے لکھے کو مان لیا ہے۔ اگر وہ میری قسمت میں ہوا تو کہیں بھی چلا جائے۔ آخر میں واپس میرے پاس لوٹ آئے گا اور اگر وہ میری قسمت کا حصہ نہیں ہے تو میرے ساتھ ہو کر بھی وہ میرا نہیں ہو گا۔"

کہتے ہوئے وہ جنگکوک کو ہی دیکھ رہی تھی جو وہاں سے اٹھ کر جا رہا تھا۔ لیو نے اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جبراً مسکرا دی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

"یہ ایک ریسٹورنٹ کا منظر تھا جہاں معمول کے مطابق کافی رش لگا ہوا تھا۔ ریسٹورنٹ کی دیواریں شیشے کی بنی ہوئیں تھیں۔ شیشے کی ان دیواروں سے باہر کا منظر بہت آرام سے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ بھی ریسٹورنٹ کا ہی حصہ تھا۔ وہاں بھی میزوں کے ارد گرد گولائی میں کرسیاں رکھی ہوئیں تھیں۔ ایک طرف نیلے پانی کا پول تھا۔ اور دوسری جانب پتھروں سے بنا راستہ۔ یہ راستہ ریسٹورنٹ کے مین گیٹ اور انٹرنس کو ملاتا تھا۔

عنایہ ریسٹورنٹ کے اندرونی حصے میں ایک میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ حماد کے آنے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ تبھی داخلی دروازے سے وہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر عنایہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے عبایہ پہنا ہوا تھا لیکن سامنے سے بٹن کھلے ہوئے تھے۔

دوپٹے کا حجاب کرنے کے بجائے اسے بہت ڈھیلے ڈھالے انداز میں لیا گیا تھا۔ چہرے پر ماسک لگا ہوا تھا۔

اس کے برعکس حماد بہت سادے سے لباس میں ملبوس تھا۔ گرین کلر کی شرٹ پہنے اور آنکھوں پر چشمہ لگائے وہ اسی کی طرف آرہا تھا۔ اس کے سلکی بال ماتھے پر گرے ہوئے تھے اور اس نے انہیں پیچھے کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں اور تم اب آرہے ہو۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا تو وہ مسکرا کر کرسی کھینچتا ہوا اس پر بیٹھ گیا۔

"نا سلام نا دعا۔ آتے ہی شکایتیں شروع۔" آنکھیں چھوٹی کیے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چشمے سے آنکھیں تو نظر نہیں آرہی تھیں لیکن اس کے ماتھے کے بل یہی بتا رہے تھے۔

"سلام دعا بعد میں لیکن انسان کو اتنے میز ہونے چاہیئے کہ ایک خوبصورت لڑکی کو اتنا انتظار کروانا اچھی بات نہیں ہے۔" اس نے اترا کر کہا تو وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر ہنس دیا۔

"اتنی خوداعتمادی کہاں سے آئی ہے تمہارے پاس؟"

"کہیں سے بھی نہیں آئی۔ یہ میرے ساتھ ہی پیدا ہوئی تھی۔" اس نے ایک ادا سے کہا تو وہ دونوں ہنس دیئے۔ کسی نے اس منظر نامے کو اپنے موبائل کی میموری میں بہت احتیاط سے سیو کیا تھا۔ ان کے ساتھ والی میز پر کوئی چہرہ چھپائے بیٹھا ہوا ان کی تصویریں لے رہا تھا لیکن وہ دونوں اس بات سے انجان اپنی ہی باتوں میں مصروف تھے۔

"اچھا یہ بتاؤ کیوں بلایا؟ کوئی کام تھا کیا۔"

"میرا جب دل چاہے گا میں تمہیں بلاؤں گی۔ یہ اختیار تم نے ہی مجھے دیا ہے۔" اس بار حماد نے بہت حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"ہاں تم بلا سکتی ہو۔" وہ بدقت مسکرایا۔اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کمفرٹیبل نہیں ہے۔وہ عنایہ کے ساتھ کبھی بھی کمفرٹ نہیں ہوتا تھا لیکن اس بات پر وہ دھیان نہیں دیتا تھا۔اس طرح ایک لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں اکیلے بیٹھنا شاید یہی وجہ تھی۔

وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"کیا کھاؤ گے ؟" اپنے خیالات کو جھٹک کر اس نے پوچھا۔

"تم کھلاؤ گی ؟"

"ظاہر ہے میں نے تمہیں بلایا ہے۔تم میرے مہمان بن کر آئے ہو تو میں ہی کھلاؤں گی نا۔" وہ سر نیچے کیے مسکرایا۔

"جو تم کھلاؤ گی وہی کھاؤں گا۔" اس نے پل بھر کے لیے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"آر یو شیور۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"ہاں شیور۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے دائیں جانب دیکھا جہاں وہ آدمی اپنا منہ چھپائے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک پل کے لیے اسے کچھ کھٹکا لیکن پھر اگنور کر گیا۔ تبھی ویٹر ہاتھ میں ایک ٹرے لیے آیا جس میں دو گلاس رکھے ہوئے تھے جن میں جوس تھا۔ جیسے ہی ویٹر ان دونوں کے ٹیبل کے قریب آیا تو اس کا پیر کہیں الجھا اور وہ گرتے گرتے بچا لیکن وہ دونوں گلاس گر چکے تھے۔ ایک زمین پر اور ایک حماد پر۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔ عنایہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف تقریباً بھاگتی ہوئی آئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

دوپہر کے بارہ بج رہے تھے اور یہ لنچ ٹائم تھا۔ کچھ ورکرز کیفے چلے گئے تھے اور جو گھر سے لنچ باکس لائے تھے وہ اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے کھا

رہے تھے۔ مطلب کہ وہ سب یاور کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا رہے تھے۔

"یہاں پر کیا ہو رہا ہے؟" منہاج سب سے لاسٹ پر لنچ کے لیے کیفے جا رہا تھا جب اس نے یاور کے آفس میں ورکرز کو اپنی اپنی نشست پر لنچ باکس کھولے کھانا کھاتے دیکھا۔ بے شک وہ ان کا اپنا آفس تھا لیکن اصول سب کے لیے ایک جیسے تھے۔ یہاں کے مالک بھی کیفے میں جا کر ہی کھانا کھاتے تھے۔

منہاج کی غیر متوقع آمد پر وہ سب شاکڈ ہوئے۔ پھر شرمندہ سے ہو کر اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

"سر وہ لنچ ٹائم ہے تو ہم لوگ بس وہی کر رہے تھے۔" ایک ورکر نے ذرا آگے ہو کر بہت آہستہ سی آواز میں کہا۔

"تو لنچ کیفے میں جا کر کرو نا۔ یہاں پر اس کی اجازت نہیں ہے۔" وہ دبا دبا سا غرایا۔ سب ایک دم ڈر گئے۔

"سر وہ کام بہت زیادہ تھا تو کیفے میں جا کر کھانا کھانے سے وقت ضائع ہوتا۔" اسی ورکر نے معصوم شکل بنا کر کہا تو منہاج اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"ہاں یہی بہانے ذرا اپنے باس یاور کے سامنے بنانا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تم لوگ یہاں کیسے لنچ کرتے ہو۔" یاور کے نام پر وہ سارے ایک قطار میں ہو کر کیفے کی جانب جانے لگے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اب جانے کی۔ ہڈ حرام کہیں کے۔ یہ ڈھیل صرف آج کے دن ہی ہے کیونکہ آج آپ لوگوں کا باس نہیں آیا۔" اجازت ملتے ہی ان سب کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔

"بہت شکریہ سر۔" ورکرز جھک کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

"مرو تم سب۔ کرو یہیں لنچ۔" وہ اکتائے ہوئے انداز میں وہاں سے چلا گیا۔

وہ سب خوشی سے اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے لنچ کرنے لگ گئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

بختاور بھی ابھی تک لنچ کے لیے نہیں گئی تھی۔اس کے ساتھ کام کرنے والی لڑکی نے اسے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا لیکن اس نے کام زیادہ ہونے کا بہانہ کر کے ٹال دیا۔آفس اب بالکل خالی تھا اور وہ وہاں پر اکیلی تھی۔وہ یمان سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا سرد لہجہ یاد آتے ہی وہ رک جاتی تھی۔وہ اپنی نشست پہ بیٹھی کام کر رہی تھی۔ لیکن اس کی نظریں بار بار یمان کے آفس کی جانب اٹھ جاتیں۔وہ اس کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ باہر آئے اور وہ اس سے بات کر لے۔

لیکن وہ باہر نہیں آیا۔ کچھ لمحے تو وہ وہیں بیٹھی سوچتی رہی لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ وہاں سے اٹھ گئی اور یمان کے آفس کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ نا جانے اسے دیکھ کر اس کا کیا ری ایکشن ہو گا۔ کیونکہ اب دونوں کے درمیان کام کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔

"مت آئی کم سن سر۔"

اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اجازت طلب کی لیکن جواب ندارد۔ اجازت نا ملنے پر اس نے خود ذرا سا دروازہ کھول کر دیکھا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا کہ جس کے لیے وہ لنچ کرنے نہیں گئی وہ تو اپنے آفس میں ہی نہیں ہے۔ وہ پلٹ گئی۔ جاتے جاتے وہ رکی۔ کسی خیال کے تحت اس کے آفس کا پورا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔

اس روم میں اُس شخص کی خوشبو تھی۔ بے اختیار اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے اور اسے احساس بھی نا ہوا۔ ٹیبل پر اس کی رسٹ واچ رکھی ہوئی تھی جسے اٹھا کر اس نے اپنے سامنے کیا۔ گھڑی کو دیکھتے ہوئے وہ وہیں اس کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تو وقت کا پابند انسان اپنی گھڑی یہیں چھوڑ گیا۔" اس نے گھڑی کو واپس اسی جگہ پر رکھ دیا جہاں سے اٹھائی تھی۔ خود پیچھے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کتنا وقت گزر گیا۔۔

دفعتاً وہ موبائل پر کسی سے بات کرتا ہوا آفس روم میں داخل ہوا لیکن دروازے پر ہی ٹھہر گیا۔ وہ کتنے آرام اور حق سے اس کی سربراہی

کرسی پر بیٹھی پر سکون سی سو رہی تھی۔ وہ اس کی ہمت پر حیران ہوئے بغیر نا رہ سکا۔ فون والا ہاتھ نیچے چلا گیا۔

وہ سوتے ہوئے بہت معصوم لگ رہی تھی اور خوبصورت تو وہ تھی ہی۔ بے اختیار یمان کے قدم اس کی جانب اٹھے۔ وہ قدم قدم چلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔ ایک ہاتھ ٹیبل پر اور دوسرا کرسی کی بیک پر رکھے وہ اسے قریب سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو وہ اپنی آنکھوں میں اتار رہا تھا۔ بختاور کو اپنے چہرے پر کچھ نرم گرم سا محسوس ہوا تبھی اس نے ایک جھٹکے سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کی گرم سانسیں اپنے چہرے پر محسوس ہوتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا لیکن وہ اسے دور جانے کا نہیں کہہ سکی۔ سارے الفاظ حلق میں اٹک گئے تھے۔

"کیا میں جان سکتا ہوں.... آپ میرے روم میں کیا کر رہیں تھیں؟" وہ ویسے ہی اس پر جھکا رہا۔ آنکھوں میں سرد پن اور چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ وہ تو اس کی قربت پر ایک لفظ بھی نا بول پائی۔

"کیا کرنی آئیں تھیں یہاں؟" وہ جانتا تھا کہ وہ نروس ہو رہی ہے۔ اور وہ اسے نروس ہی کرنا چاہتا تھا۔ بے اختیار اس کے لبوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ ابھری۔

"وہ.....میں.....میں.....وہ.....آپ سے.....۔" وہ بس اتنا ہی بول پائی تھی۔ اور پھر تیز رفتار گولی کی مانند کرسی سے اٹھ کر ایک سائڈ سے نکل کر آفس سے باہر کو بھاگی۔ اس کی نگاہوں کی تپش بختاور کا دل جھلا رہی تھی۔ اس کی وہ آنکھیں بہت کچھ جتاتی ہوئیں تھیں۔ اس لیے اس سے مزید وہاں رکا نہیں گیا۔ جبکہ وہ چہرے پر شریر مسکراہٹ لیے ایسے ہی جھکا رہا۔

"خود ہی چلی آتی ہے۔ مچھلی کی طرح جال میں پھنسنے۔" وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ باہر آیا۔

وہ روم سے تو جیسے تیسے باہر آگئی تھی لیکن اب اس کی ٹانگیں اسے ٹیبل تک جانے نہیں دے رہیں تھیں۔ وہ بری طرح کانپ رہیں تھیں۔ تقریباً ورکرز کھانا کھا کر واپس آچکے تھے۔ وہ ان سب کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی تھی اس لیے بمشکل قدم سے قدم ملاتی ہوئی اپنے ٹیبل کی طرف جانے لگی۔ یمان آفس کے دروازے کے پاس سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا اپنی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اپنے ٹیبل پر بیٹھتے ہی اس نے پاس پڑی پانی کی بوتل اٹھا کر لبوں سے لگائی۔ ساتھ ہی اس کی نظریں یمان پر گئیں اور وہ پل بھر کے لیے مجسمہ بن گئی۔

اس کی وہ مسکراہٹ بختاور کی آنکھوں کو چبھ رہی تھی۔ اسے یمان کی گرم سانسیں ابھی تک اپنے چہرے پر محسوس ہو رہیں تھیں۔ اس نے فوراً بوتل نیچے کی اور خود کو کام میں مصروف ظاہر کرنے لگی۔ اس نے پل بھر کو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ فوراً انجان بننے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ تبھی وہ اس کی ٹیبل کے قریب آیا اور دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آگے کو جھکا۔

"مس بختاور۔"

"جی سر۔" وہ فوراً اپنی نشست پر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی سیدھا ہو گیا۔ کچھ دیر تو خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر کندھے اچکا کر صرف اتنا ہی کہا۔

"کچھ نہیں۔" اور پھر چلا گیا۔ وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔

وہ ناہی خاموشی سے آیا تھا ناہی خاموشی سے گیا تھا۔ وہ بختاور کو وارننگ دے کر گیا تھا۔ پر وہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ کس بات کی وارننگ تھی یہ۔ وہ اس وقت صرف اتنا جانتی تھی کہ اس کا دل سینہ چیر کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

انسان کو زندگی میں برے وقت کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ ایک دھوکہ جو سر اُٹھائے آپ کا انتظار کر رہا ہے، اسے برداشت کرنے کا حوصلہ چاہیے۔

کچھ غلطیاں انسان کرنا نہیں چاہتا لیکن وہ پھر بھی اس سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ اگر انسان سے غلطی، خطا یا گناہ نا ہو تو پھر وہ انسان نہیں فرشتہ ہوتا ہے۔

انسان ہونے کے ناطے اگر آپ سے غلطیاں ہوتی ہیں تو باشعور انسان ہونے کے ناطے آپ کو ان غلطیوں کو سدھارنا بھی آنا چاہئے۔

انسان کو اگر لگتا ہے وہ سب کچھ حاصل کر لینے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم سے اوپر بھی ایک طاقت موجود ہے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ جو ہماری نیتوں سے واقف ہے۔ اگر تم اسے اپنا رازدار بنا کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے نکلو گے تو ضرور وہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے تمہیں کسی کی ضرورت نہیں تو تم کبھی بھی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ جب آپ اللہ کو ہی اپنے کام میں شامل

نہیں کرتے، اس کو بتائے بغیر ہی دنیا فتح کر لینا چاہتے ہو تو یہی دنیا آپ کو رسوا کر دے گی اور آپ منہ کے بل گرو گے۔ آپ کسی بھی محاذ پر ہوں، توکل اللہ پہ ہی کرنا چاہیئے۔

میں نے یہ سب کیوں لکھا ہے وہ بھی آپ کو پتا چل جائے گا۔

یہ ایک ریسٹورنٹ کا منظر تھا جہاں ایک ٹیبل پر وہ دونوں اپنا آرڈر دے کر باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ تبھی ایک ویٹر ہاتھ میں ٹرے لیے آیا جس میں دو گلاس رکھے ہوئے تھے جن میں جوس تھا۔ جیسے ہی وہ۔ ان دونوں کے ٹیبل کے قریب آیا تو اس کا پاؤں کہیں الجھا اور وہ گرتے گرتے بچا لیکن دونوں گلاس گر چکے تھے۔ ایک زمین پر اور دوسرا احماد کے اوپر۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔ عنایہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بھاگنے کے انداز میں آئی۔ اپنے ہاتھ سے اس کی شرٹ صاف کرنے لگی۔

ساتھ والے ٹیبل پر بیٹھے لڑکے نے بڑی مہارت سے اس منظر نامے کو قید کیا اور وہاں سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ باہر آکر اس نے اپنے چہرے سے رومال ہٹایا۔ اس کے چہرے پر کہیں کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ بلکہ غصہ تھا، نفرت تھی۔ اس کی آنکھیں برف سے بھی زیادہ سرد ہو چکی تھیں۔ کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد وہ دوبارہ ریسٹورنٹ کے اندر چلا آیا۔

"تم ٹھیک ہو نا حماد؟" اس نے حماد کا بازو پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟" اس نے بہت نرمی سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔

"کیا تم اندھے ہو؟ تمہیں نظر نہیں آتا؟" حماد سے توجہ ہٹا کر وہ ویٹر کی جانب مڑی۔ چہرے سے واضح تھا کہ وہ شدید غصے میں ہے۔ وہ بیچارہ سہم کر کھڑا ہو گیا۔ حماد نے حیرانی سے عنایہ کو دیکھا۔

"جب کام نہیں کرنا آتا تو یہاں کیوں آئے ہو؟ اور اب نظریں جھکا کر کیوں کھڑے ہو۔ معافی مانگو ان سے۔" وہ بہت سختی سے کہہ رہی تھی جبکہ حماد کو یہ سب کچھ بہت اوکورڈ لگ رہا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے معافی مانگنے کی۔ انسان ہے۔ غلطی ہو گئی۔ انسانوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کوئی بڑی بات نہیں۔ جاؤ تم اپنا کام کرو۔" عنایہ کو سخت نظروں سے گھورتے ہوئے اس نے ویٹر کو جانے کا اشارہ کیا۔

"جب تک یہ معافی نہیں مانگ لیتا یہ یہاں سے کہیں نہیں جا سکتا۔" حماد کی بات کا اثر لیے بغیر اس نے ویٹر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں چاہوں نا تو کھڑے کھڑے تمہیں یہاں سے نکلوا سکتی ہوں۔ معافی مانگو۔" بہت سارے لوگوں کا دھیان ان کی طرف تھا۔ ایک کونے سے مینجر بھی دوڑتا ہوا آیا۔

"مجھے معاف کر دیں سر۔" وہ شرمندہ ہونے سے زیادہ سہما ہوا لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا میم؟ سب ٹھیک ہے نا؟" مینجر نے گھبرائے ہوئے انداز میں عنایہ سے پوچھا۔

"جب آپ کے ورکرز کو کام نہیں کرنا آتا تو انہیں رکھا ہی کیوں ہوا ہے؟" وہ غصے میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ اسے حماد کے سامنے یہ سب نہیں کہنا تھا۔

"سوری میم! آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" مینجر شرمندہ ہوا۔

"آئندہ؟ میں آئندہ آپ کے ریسٹورنٹ میں آؤں گی ہی نہیں۔"

"آئندہ تم یہاں آنے کے قابل رہو گی بھی نہیں۔" ایک پل میں اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔

یہ آواز حماد کی نہیں تھی۔ اتنی سرد، بارعب اور ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا دینے والی صرف ایک ہی شخص کی ہو سکتی تھی۔

اس نے دائیں جانب گردن موڑ کر دیکھا تو وہ چہرے پر سنجیدگی لیے کھڑا تھا۔ حماد نے بھی پوری طرح گھوم کر اس جانب دیکھا جہاں وہاں کھڑا تھا۔

"س.... سعد۔" بمشکل اس کی آواز حلق سے باہر آئی تھی۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

"کون ہے یہ 'عنایہ ؟"عنایہ کے منہ سے اس کا نام سن کر حماد نے پوچھا۔

"میں..... میں نہیں جانتی۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ سعد نے سرخ شعلہ برساتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

ویٹر بھی اس کی حالت سے محظوظ ہوا تھا۔ سب کے سامنے جو انسلٹ اس کی ہوئی تھی اس کا بدلہ لیا جا رہا تھا۔ وہ کیسے خوش نا ہوتا۔ سیلف ریسپکٹ تو سب کی ہوتی ہے۔

"کون ہو تم؟" حماد نے ایک نظر عنایہ کو دیکھا پھر سعد کی جانب متوجہ ہوا۔

"اچھا تو تمہیں میرا نہیں پتا؟" وہ ابرو اچکائے حماد کی طرف متوجہ ہوا۔

"نہیں۔ میں آپ کو نہیں جانتا۔ نا ہی کبھی عنایہ نے آپ کے بارے میں بتایا ہے مجھے۔ شاید وہ واقعی ہی آپ کو نہیں جانتی۔" اس نے عنایہ کی طرف دیکھا جو میز پر ہاتھ رکھے خود کو بمشکل کھڑا رکھے ہوئے تھی۔ کیونکہ سب کچھ ختم ہونے جا رہا تھا اور وہ اس کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔

"اچھا تو میری منگیتر کے ساتھ ڈیٹ کر رہے ہو اور تمہیں اتنا ہی نہیں پتا کہ میں کون ہوں؟" اس نے اپنے قدم حماد کی جانب بڑھائے۔

"منگ.... منگیتر؟" اس نے پہلے سعد کو دیکھا اور پھر عنایہ کو۔ ایک لمحے کو وہ شاکڈ ہوا۔

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے عنایہ؟ اور تم چپ کیوں کھڑی ہو؟ کچھ بولو۔ ایک انجان لڑکا تمہیں اپنی منگیتر کہہ رہا ہے اور تم خاموش ہو۔"

"انجان میں نہیں تم ہو۔" اس نے سختی سے کہتے ہوئے حماد کا گریبان پکڑ لیا۔

"وہ کسی کی منگیتر ہو کر کسی انجان شخص کو ڈیٹ کر رہی ہے۔ اور تم اس سے پوچھ رہے ہو کہ میں اس کا کون ہوں۔ تم بتاؤ تم اس کے کیا لگتے ہو؟"

"میں..... میں..... ڈیٹ۔" حماد سے تو بولا بھی نہیں گیا۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں لڑکے۔ آج کے بعد اگر تم عنایہ کے ارد گرد نظر بھی آئے تو مجھ برا کوئی نہیں ہو گا۔ سمجھے تم۔" اس نے حماد کو پیچھے دھکا دیا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ نظریں اٹھا کر عنایہ کو دیکھا جو ابھی تک خاموش کھڑی تھی۔ وہاں ارد گرد لوگ اکھٹے ہو رہے تھے اور کچھ انہیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

وہ نیچے حماد کے پاس بیٹھ گیا۔ عنایہ سے نظریں ہٹا کر اس نے سعد کو دیکھا۔

"ہماری منگنی کو چودہ سال ہو چکے ہیں۔ وہ سات سال کی تھی جب وہ مجھے امانت کے طور پر سونپی گئی تھی۔ وہ انڈیا سے کوریا محض اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے آئی تھی۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ یہاں آکر مجھے چیٹ کرے گی۔ میں نے اپنی امانت میں خیانت نہیں ہونے دی لیکن اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔ جانتا تھا وہ مجھ

سے محبت نہیں کرتی لیکن میری وفادار تو رہتی۔" سعد کی آنکھوں میں انگارے دوڑ رہے تھے۔اس کی آنکھوں کی تپش حماد کے پورے وجود کو جلا رہی تھی۔اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی یوں بھی پکڑا جائے گا۔بے قصور ہو کر بھی قصوروار بن جائے گا۔ مجرم کی طرح نظریں جھکانی پڑ جائیں گی۔وہ کسی اور کی امانت کے ساتھ.......

"میں نے ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیا۔جب وہ میری نہیں ہوئی تو تمہاری کیا ہو گی۔" حماد نے عنایہ کو دیکھا۔سعد کی سرد آنکھوں میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔"اس کی سزا تو اسے ضرور ملے گی۔ لیکن مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔تم کیسے اس کے دھوکے میں آ گئے؟ کیسے اس نے تمہیں اپنے جال میں پھنسا لیا۔میں تو اس سے محبت کرتا تھا۔کیا تم بھی اس سے محبت کرتے تھے؟" اب کہ حماد نے سعد کی جانب دیکھا۔

جسم اور ہونٹ ساکت تھے بس گردن اور نظریں حرکت کر رہی تھیں۔

"سعد ہم........ ہم گھر چل کر بات کرتے ہیں۔" عنایہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ تبھی وہ سنجیدگی سے مسکرا دیا۔

"تم ایک وقت میں دو لڑکوں کو دھوکہ دے رہی تھیں۔ تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں تم سے گھر جا کر بات کروں گا۔"

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا۔ میں حماد سے محبت کرتی ہوں۔" ہمت کر کے اس نے کہہ ہی دیا۔ سعد نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔

"محبت۔" وہ اس کے برعکس آ کر کھڑا ہو گیا۔ حماد بھی کرسی پر ہاتھ رکھتے ہوئے بمشکل اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"دو دن نہیں ہوئے تمہیں اس یونیورسٹی میں اس کے ساتھ پڑھتے ہوئے اور تمہیں اس سے محبت ہو گئی۔"

"تین سال ہو گئے ہیں مجھے اس سے محبت کرتے ہوئے۔"

"اور مجھے چودہ سال..... "عنایہ نے لرزتی پلکوں سے سعد کو دیکھا۔

"اپنی تین سال کی محبت تمہیں یاد ہے لیکن چودہ سال سے جو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آیا۔ تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں اس لڑکے سے محبت ہو گئی ہے۔ لیکن عنایہ بی بی محبت اتنی واحیات نہیں ہوتی کہ انگوٹھی کسی اور کے نام کی پہنو اور محبت اور ڈیٹ کسی اور کو کرو۔"

"میں اس کے ساتھ ڈیٹ نہیں کر رہا تھا۔" حماد کو لفظ "ڈیٹ" سے اس وقت شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔ وہ تقریباً غراتے ہوئے بولا۔

"اچھا؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھا کر اچھا کو لمبا کر کے کہا۔ "تم لوگ کتنی دفعہ یہاں پر آ چکے ہو سب جانتا ہوں میں۔ ساری ڈیٹیل میرے پاس موجود ہے۔ میں چاہوں تو ایک پل میں تمہارے گھر تمہاری ڈیٹ کے سارے ثبوت بھیج دوں۔ کیسے ایک لڑکا کسی کی منگیتر کو ڈیٹ کر رہا ہے۔" چہرے پر ہنوز سنجیدگی تھی۔

"لیکن وہ کیا ہے نا کہ میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے سوائے ترس کھانے کے۔ کیسے تم ایک لڑکی کے ہاتھوں بے وقوف بنتے رہے۔"

"اس نے مجھے بیوقوف نہیں بنایا۔ اس نے مجھے سب سچ بتایا تھا کہ کیسے اس کی سوتیلی ماں اس پر ظلم کرتی تھی۔"

"اگر ظلم کرتی تھی تو میں نے ان کے ظلموں سے بچانے کے لیے اس کا ہاتھ تھاما تھا نا۔ پھر کیوں مجھ پر بھروسہ نہیں کیا۔" اب کے وہ ذرا سختی سے غرایا تھا۔

"اسے تم سے محبّت نہیں ہے۔ وہ بس ہمیشہ کے لیے کوریا میں رہنے کا ذریعہ چاہتی تھی اور تم اس مل گئے۔ لیکن یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے۔ اگر تم دونوں دوبارہ ملے تو پھر جو میں کروں گا وہ تم دونوں میں سے کسی نے سوچا نہیں ہوگا۔"

"اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور اس کے باوجود تم اس کے ساتھ گھومتے رہے۔"

"اس نے میری خاطر خود کو بدل لیا تھا۔ وہ حجاب کرنے لگی تھی۔"

"اوہ کم آن یار۔ تم اس کے ساتھ محض اس لئے تھے کہ یہ تمہاری خاطر برقعہ پہننے لگی تھی؟" حماد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر میں تمہیں بتادوں کہ ہر عبایا پہننے والی لڑکی نیک اور پارسا نہیں ہوتی۔ اگر یہ اتنی ہی وفادار ہوتی تو تمہیں دھوکہ نا دے رہی ہوتی۔ مجھے دھوکہ نا دے رہی ہوتی۔"

"لیکن اسلام اسے اجازت دیتا ہے کہ اسے جس مرد سے محبت ہو، وہ اس سے شادی کر سکتی ہے۔" اب کے وہ لاجواب ہوا تھا۔ جبکہ عنایہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ سب جاننے کے بعد بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"اسلام نے یہ حق صرف لڑکیوں کو نہیں دیا۔ لڑکوں کو بھی دیا ہے۔ اور تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے تو اس لیے اپنی ہمدردی اپنے پاس رکھو۔"

"کیا کہتی تھیں تم عنایہ۔" وہ عنایہ کی جانب متوجہ ہوا۔ "میرے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو۔ یہ حجاب تم نے صرف اس لیے پہنا کہ مجھے ایسی لڑکیاں پسند تھیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ حماد کے اس لہجے پر وہ بجھ سی گئی۔ "اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اپنے گھر والوں کو بتا چکی ہو کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ اس لیے..... اس لیے تو میں تم سے مل رہا تھا تم سے۔ لیکن.... لیکن تم نے تو کسی کو نہیں بتایا۔ اگر بتایا ہوتا تو آج یہ اس طرح تم پہ اپنا حق نا جتا رہا ہوتا۔" اس نے سعد کی طرف اشارہ کیا۔

"تم نے آج مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا۔ مجھے کریکٹر لیس بنا دیا۔ ایک ایسا انسان بنا دیا جو کسی اور کی منگیتر کو ڈیٹ کرتا ہے۔" اس نے وقفہ لیا اور دکھ سے عنایہ کو دیکھا۔

"تم غلط نہیں تھیں لیکن تم سے غلطی ہو گئی۔اور میں تمہیں تمہاری اس غلطی پر معاف تو کر سکتا ہوں لیکن دوبارہ تمہارا بھروسہ نہیں کر سکتا۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں تھیں لیکن وہ آنسوؤں کو باہر آنے سے روکے ہوئے تھا۔

"حماد ایسا نہیں ہے۔تم میری بات تو سن لو۔"

"میری تم سے ریکوئسٹ ہے کہ آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔"

وہ کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔اس نے پیچھے جانا چاہا لیکن سعد نے اس کا بازو پکڑ لیا۔سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔خوابوں کو محل ٹوٹ گیا تھا۔آسمان سر پر گرا تھا اور پیروں تلے زمین کھینچ لی گئی تھی۔امیدوں کے چراغ بجھ گئے تھے۔ ایک ظالم تیز آندھی نے سب کچھ برباد کر دیا تھا۔

وہ پھر بھی سعد کو منت بھرے انداز سے دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے رحم آجائے۔ شاید وہ اس کی تکلیف کو سمجھ جائے۔ لیکن وہ مشرقی مرد اپنے چہرے پر فاتح مسکراہٹ لیے اسے دیکھتا رہا۔ لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں وہی سرد پن تھا۔

عنایہ کا ہاتھ پکڑے وہ اسے گاڑی تک لایا اور فرنٹ سیٹ پر اسے دھکا دے کر بٹھایا۔ اس نے شیشے کے اندر سے ادھر ادھر حماد کو ڈھونڈا لیکن شاید وہ جا چکا تھا۔

اس کا دل بھی ڈوب گیا۔ آج ایک اور محبت ادھوری رہ گئی تھی۔ آج ایک اور دل ٹوٹ گیا تھا۔

"اس سب کے باوجود بھی مجھے تمہیں چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے تو اصل ظلم کس کے ساتھ ہوا۔ میرے ساتھ نا۔ تو پھر تم کیوں رو

رہی ہو۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے سعد نے کہا۔ وہ جواب دیئے بغیر باہر دیکھنے لگی۔ وہ بھی خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر گیا۔

جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں عنایہ کے لیے اچھائی کہاں چھپی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔ اس وقت اس کا دل ٹوٹا تھا اور اس بات پر خود کو تسلی نہیں دے سکتی تھی کہ اس سے بہتر لے کر اسے بہترین سے نوازا جائے گا۔ سعد اسے کہیں سے بھی بہترین نہیں لگتا تھا۔ اس وقت تو بالکل بھی نہیں۔

ooooooooooooooooooooooooooooo

جب وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل رہا تھا تو وہ کسی سے ٹکرایا تھا۔ جلدی میں اسے معذرت کرتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا لیکن نووارد اس چہرے کو ایک لمحے میں پہچان گیا تھا۔ وہ حماد کو کیسے بھول سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر زخمی تاثر ابھرا۔ ذہن میں کوئی بھولی بسری یاد تازہ ہوئی۔

لان میں حماد کے پیچھے بھاگتا ہوا وہ۔

دونوں کرکٹ کھیلتے ہوئے۔

حماد کو چوٹ لگی تھی اور اس نے اس کی مرہم پٹی کی تھی۔

وہ بیمار تھا اور حماد اسے دیکھنے آیا تھا۔

دونوں میں ناراضگی تھی تو حماد اسے دور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرایا تھا لیکن حماد نہیں۔

آخری لمحات جب وہ گھر سے جا رہا تھا تو اسے وہاں حماد کی کمی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

ہایون نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ خود کو نارمل کیا۔ ایک قدم پر وہ لڑکھڑایا لیکن پھر ریسٹورنٹ کی جانب بڑھ گیا۔

لیکن اس کا دوست پریشان تھا۔ کیوں۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ نا ہی اسے پرواہ تھی۔ کیونکہ اب وہ دوست نہیں تھے۔ یہ سب پرانی باتیں تھیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ گھر آتے ہی سیدھا اپنے روم کی طرف چلا گیا تھا۔ آج کا دن یقیناً اس کے لیے بہت بھاری تھا۔ وہ روم میں آتے ہی دھڑام سے بیڈ پر گرا۔ کچھ لمحے خاموشی سے سرکے۔ وہ خاموش نظروں سے چھت کو گھورتا رہا۔ پھر سارا منظر کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔

"کیون کیا تم نے میرے ساتھ ایسا..... کیوں عنایہ۔" اس نے غصے سے زور سے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں کیوں تمہیں ٹرسٹ کرنے لگا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم اس قابل نہیں ہو۔" وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بس سونا چاہتا تھا۔ لیکن نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ اسے دھوکہ دیا گیا تھا۔ محبت میں نہیں، اعتبار میں۔ بے شک وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا لیکن وہ اس پر یقین تو کرنے لگا تھا نا۔ اس نے کشن اٹھا کر چہرے کے آگے رکھ لیا۔ وہ کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کیوں تم نے مجھے کریکٹر لیس بنا دیا۔ کیا میں..... کیا میں دوسروں کی منگیتر کو ڈیٹ کرنے والا لڑکا ہوں۔" وہی کشن اٹھا کر اس نے دور پھینک دیا جو ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرا کر نیچے جا گرا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تمام چیزیں لڑکھڑائی تھیں لیکن گرنے سے بچ گئیں تھیں۔

"آئی ہیٹ یو عنایہ آئی ہیٹ یو۔" وہ دائیں کروٹ پر گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے لیٹ گیا۔ وہ آج کے منظر سے

خود کو غائب کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر ایسے ہی لیٹے رہنے کے بعد وہ پھر

اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اگر بھائیوں میں سے کسی کو پتا چل گیا تو وہ میرے بارے میں کیا

سوچیں گے..... یہی کہ..... ان کا بھائی ایک گرا ہوا انسان ہے۔ اوہ

خدایا۔" وہ زمین پر نیچے بیٹھ گیا۔ گھٹنوں کے ارد گرد بازو کا ہالہ بنایا اور

سر اوپر رکھ دیا۔ وہ مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہا تھا۔

جب انسان کے ساتھ کچھ برا ہو جاتا ہے تو وہ اوور تھینکر بن جاتا ہے

جیسے ابھی حماد بنا ہوا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

سعد اور عنایہ دونوں ایک ساتھ ہی گھر داخل ہوئے تھے۔ ایاز

صاحب عموماً اس وقت گھر پر نہیں ہوتے لیکن اس وقت وہ اور ان کی

بیگم دونوں لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے تاثرات کچھ اچھی

وائبز نہیں دے رہے تھے۔ ایاز صاحب کا اس وقت گھر ہونا اسے بری طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ سلام کرتی وہاں سے جانے لگی جب شہنیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"تم کہاں جارہی ہو۔ تمہارے بابا کو تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

عنایہ نے رک کر ایک نظر شہنیلا کو دیکھا اور پھر اپنے باپ کو جو چہرے پر غصہ لیے کھڑے تھے۔

"بابا کو بات کرنی ہوگی تو وہ خود روک لیں گے۔" اپنا ہاتھ چھڑواتی وہ وہاں سے جانے لگی جب شہنیلا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے زور سے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ عنایہ نے شعلہ برساتی نظروں سے شہنیلا کو دیکھا۔

"بے حیا لڑکی۔ اتنے دنوں سے باپ کی عزت کا جنازہ نکال رہی تھی اور اب تم کہہ رہی ہو کہ وہ تم سے بات کریں گے۔" وہ چہرے پر

ہاتھ رکھے کھڑی تھی جب وہ نفرت سے کہتی ٹیبل پر رکھے موبائل کی طرف جھکی۔

"یہ رہے تمہاری بے حیائی کے قصے۔"شہنیلا نے اس کی اور حماد کی کتنی تصویریں اسے دکھا ڈالیں۔ جنہیں وہ بے یقینی سے دیکھتی جا رہی تھی۔ایاز صاحب ایک طرف خاموش کھڑے تھے جبکہ سعد اس سے ذرا پیچھے کھڑا تھا۔

"باپ کی عزت کا جنازہ نکالتے ہوئے شرم نہیں آئی۔کتنے لاڈوں سے پالا تھا تمہیں انہوں نے۔ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی اور تم نے انتہائی ناجائز فائدہ اٹھالیا اور اتنا سا بھی خیال نہیں آیا۔"۔آج اس کی سوتیلی ماں کو موقع ملا تھا باپ کو بیٹی سے بدظن کرنے کا تو وہ دل کھول کر کر رہی تھی۔وہ وہ باتیں بھی کہہ رہی تھی جو عنایہ نے سوچیں بھی نہیں تھیں۔شہنیلا بول رہی تھی اور وہ بے یقینی سے

پیچھے کھڑے سعد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ نہیں کھڑا تھا بلکہ پیچھے کھڑا تھا۔ وہ اس ساری صورتحال سے انجان لگ رہا تھا جبکہ وہ تھا نہیں۔

"بابا۔" وہ ان دونوں کو اگنور کرتی ہوئی ایاز صاحب کی طرف گئی۔

"بابا میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے آپ کی عزت پر آنچ آئی ہو۔ پلیز بابا میرا یقین کریں۔"

"تمہارا آج سے یونیورسٹی جانا بند کر رہا ہوں میں۔ ایک دو دن میں ہم انڈیا واپس چلے جائیں گے اور وہاں تمہاری شادی کر کے میں اور تمہاری ماں واپس آجائیں گے۔ لیکن..... تم ہمیشہ وہیں رہو گی۔" وہ رخ موڑ گئے تھے۔

"بابا پلیز ایسا نا کریں۔ یہ ظلم مت کریں۔" اس نے تڑپ کر اپنے باپ کو دیکھا۔

"تمہارا باپ ہونے کی حیثیت سے تمہارے لیے یہ میرا آخری فیصلہ ہوگا۔اس کے بعد سے میرا تم سے ہر تعلق ختم۔ پھر سعد تمہیں جیسے بھی رکھے،اسے اپنی سزا سمجھنا اور خاموش رہنا۔" سنجیدگی سے کہتے وہ وہاں سے چلے گئے۔اس نے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی لیکن سعد کو ضرور دیکھا تھا۔ شہنیلا بھی اسے نفرت سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی۔

"تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا سعد؟ تم تو بڑا دعویٰ کرتے تھے محبت کا۔ کوئی بھی انسان اپنی محبت کو اس طرح رسوا نہیں کرتا جس طرح تم نے مجھے کیا۔" وہ بالکل اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"جب تم سے محبت کرتا تھا تب وہ سب کچھ کیا جو تم چاہتی تھیں۔اب میں تم سے سے نفرت کرتا ہوں اور اب میں وہ سب کچھ کروں گا جو

ایک انسان نفرت میں کرتا ہے۔"اس کا لہجہ سرد تھا اور انداز میں بیگانگی۔

"تم کوریا واپس آنا چاہتی تھیں اور تمہارے بابا اور پھوپھو جان دونوں ہی رضامند نہیں تھے۔لیکن انہیں کس نے منایا تھا۔"

"یہ ایک بہت چھوٹا کام تھا جو تم نے اپنی محبت ثابت کرنے کے لیے کیا۔اصل مزا تو تب آتا جب تم آج یہ تصویریں انہیں نا بھیجتے اور اپنی محبت کا بھرم رکھتے۔"

"میں نے کہا نا کہ میرے دل میں تمہارے لیے موجود محبت مر گئی ہے اور اسے تم نے مارا ہے۔اس لیے مجھ سے کوئی امید مت رکھو اور یہاں سے واپس جانے کی تیاری کرو۔"کہہ کر وہ جانے لگا۔

"اگر تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو پھر مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"اس کے سوال پر وہ رکا اور استہزایہ مسکراہٹ لیے واپس مڑا۔

"یہ تمہاری سزا ہے۔اب تم پل پل میری نفرت کا سامنا کرو گی۔جو اذیت تم نے مجھے دی ہے اس کا مزا تمہیں بھی چکھنا ہو گا مس عنایہ۔ جب میں نے کہا تھا کہ میں تمہیں اس جہنم سے نکال لوں گا تو پھر کیوں تم نے مجھے دھوکہ دیا۔اور صرف مجھے ہی نہیں تم نے اس لڑکے کو بھی دھوکہ دیا۔" حماد کے نام پر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔وہ نظریں جھکا گئی۔

"اب میں تمہیں مزید آزاد نہیں چھوڑوں گا۔جلد ہی تم جان جاؤ گی کہ ایک مشرقی لڑکے کو اپنی انا کس قدر عزیز ہوتی ہے۔تم نے میری غیرت کو للکار کر اچھا نہیں کیا۔سزا بھگتو گی......ضرور بھگتو گی۔" اس کی آنکھیں انگارے برسا رہیں تھیں۔عنایہ کو اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔اسے شہادت کی انگلی دکھاتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔

اسے اس سب سے خوف آنے لگا تھا۔وہ رونا چاہتی تھی لیکن آنسو اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

ooooooooooooooooooooooo

رات کے آٹھ بج رہے تھے اور فرقان ہاؤس کے افراد رات کے کھانے پر اکٹھے ہو چکے تھے۔رات ہونے تک حماد نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن وہ آج ذرا چپ چپ سا تھا۔ہاشم سربراہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی دائیں جانب ماریہ اور بائیں جانب حماد بیٹھا ہوا تھا۔ماریہ کے ساتھ والی کرسی پر یمان اور منہاج بیٹھے ہوئے تھے۔یمان کے مخالف مومن بیٹھا ہوا تھا اور منہاج کے مخالف یاور بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔کھانا مکمل خاموشی میں کھایا گیا تھا۔کھانا کھانے کے بعد حماد وہاں سے اٹھ کر جانے لگا جب ہاشم نے اسے روکا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"وہ مجھے نیند آرہی ہے آج، تو سونے جا رہا ہوں۔" وہ اپنے تاثرات چھپانے میں کامیاب رہا۔

"یہاں بیٹھو۔ مجھے تم سب کو کچھ بتانا ہے۔ پھر اس کے بعد چلے جانا تم۔" ہاشم کی بات پر سب نے اس کی طرف دیکھا۔ حماد بھی واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یقیناً تم سب جاننا چاہتے تھے کہ میں نے دوبارہ ایسا کیوں کیا، کیوں خود کو تکلیف پہنچائی۔" بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک تکلیف سی ابھری۔ وہ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں نے اسے چار سال بعد دیکھا تو میں خود پر کنٹرول نہیں کر سکا۔" وہ سب بری طرح چونکے۔ ان لوگوں نے وہ سنا تھا جس کے بارے میں انہوں نے ان دو دونوں میں نہیں سوچا تھا۔ وہاں پر مکمل سکوت تھا۔ وہ سب بس خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

"ہوا دراصل یہ کہ.........۔"

ہاشم نے سب کو کل صبح والا واقعہ اسے ے تک سنا دیا۔ وہ سب ایسے ہی اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھے رہے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو تم سب۔ کچھ کہنا نہیں تم لوگوں کو؟" ہاشم نے باری باری سب کو دیکھا لیکن وہ ٹس سے مس نا ہوئے۔

"جاؤ سو جاؤ۔ تمہیں تو نیند آرہی تھی نا۔" اس نے حماد کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔

"مت بولو تم لوگ کچھ بھی۔ میں جا رہا ہوں۔ بیٹھے رہو تم لوگ بت بن کر۔" کہتے ساتھ ہی وہ اٹھ کر جانے لگا۔ تبھی حماد اور ماریہ نے اس کے بازوؤں سے پکڑ کر اسے واپس بٹھایا۔

"وہ تو مر گئی تھی بھائی۔ پھر آپ نے اسے کہاں دیکھ لیا۔ یہی سنا تھا نا ہم نے ایک سال پہلے۔" یاور نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا دل اس بات کو ایک سال پہلے ہی رد کر چکا تھا۔ کل تو میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لیے مرا ہوا مت کہو اسے۔"

سب نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ آج بھی آپ کو اتنی عزیز ہے کہ آپ اس کے لیے مرنے چلے گئے اور ایک بار بھی ہمارے بارے میں نہیں سوچا۔" یمان نے تاسف سے کہا تو ہاشم خفیف سا ہوا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ وہ اچانک میرے سامنے آ گئی تو میں خود پر کنٹرول نہیں رکھ سکا۔"

"اور آپ یہ بھی بھول گئے کہ اس نے آپ کے ساتھ کیا کیا تھا۔" اب کی بار منہاج نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ نے اسے گھر تک چھوڑا۔ان لڑکوں سے اس کی جان بچائی۔ لیکن آپ کو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی ضرورت تھی۔"

مومن بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔

"اس گھر کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے آپ پر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور آپ کو اپنی ذمے داریاں خود سنبھالنی ہوں گی۔اس لیے وہ اگر دوبارہ نظر آئے تو آپ دوبارہ ایسا نہیں کریں گے۔" یاور نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا تم لوگ اتنے ایموشنل کیوں ہو رہے ہو۔ نہیں کرتا میں دوبارہ ایسا۔ تم لوگ بھی پریشان ہونا چھوڑ دو۔" ہاشم نے مصنوعی خفگی سے کہا تو سب نے پہلے ہاشم کو گھورا اور پھر ایک ساتھ ہنس دیئے۔

"تم بتاؤ تمہارے اٹلی والے پراجیکٹ کا کیا بنا؟" اب اس کا رخ یمان کی طرف تھا۔یاور اور یمان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اگلے ہفتے کی فلائٹ ہے میری اٹلی کی۔ان لوگوں نے میرے لیے میٹنگ ری ارینج کی ہے تو اگر ایسے میں میں نہیں گیا تو ہماری کمپنی کا بہت برا اثر پڑ سکتا ہے ان لوگوں پر۔اور لاکھوں وون کا نقصان الگ۔"بظاہر وہ ہاشم کے سوال کا جواب دے رہا تھا لیکن در حقیقت وہ یاور کو قائل کر رہا تھا۔اور یاور اس بات سے انجان نہیں تھا۔وہ زیر لب مسکرایا یوں کے کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ مسکرایا ہے۔پل میں ہی وہ مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"چلو اللہ تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرے۔اور یاد ہے نا جب تک تم اس پروجیکٹ کو جیت کر نہیں آتے۔میں تم سے ناراض ہوں۔"

ہاشم کی بات پر سب نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"ایسے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ ہم دونوں بھائیوں کی پرسنل بات ہے۔"ہاشم کی بات پر ان سب نے دائیں بائیں گردنیں ہلائیں

لیکن یمان ابھی بھی یاور کو دیکھ رہا تھا۔ تبھی یاور نے مسکرا کر اسے

آنکھ کے اشارے سے 'بیسٹ آف لک' کہا تو وہ مطمئن ہو گیا اور جواباً

مسکرا دیا۔ اور پھر اپنی کرسی سے اٹھ کر یاور کے پاس آیا۔ یاور بھی اپنی

کرسی سے اٹھا اور اسے گلے لگا لیا۔

"ایم سوری بھائی۔ مجھے آپ کے ساتھ اتنا روڈ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

" تمہیں وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری دعائیں

تمہارے ساتھ ہیں۔ خیر سے جاؤ اور خیر سے آؤ۔ اور کامیاب ہو کر

لوٹنا۔" یاور نے اس کی کمر کو تھپتھپایا اور پھر اسے خود سے علیحدہ کیا۔

اس نے یمان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا اور پیار سے اس کے

ماتھے پر بوسہ دیا تو وہ سب منہ کھولے ان دونوں کو دیکھے گئے۔

"رخصتی نہیں ہو رہی اس کی جو تم ساری رسمیں ادا کر رہے ہو۔"

منہاج نے کہا تو ان سب کے قہقہے بلند ہوئے۔ کتنے دنوں بعد اس گھر کی چار دیواری نے ان کی کھلکھلاہٹیں سنی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے منہاج بھائی آپ کو۔ ایک ہفتے بعد تو رخصت ہو رہے ہیں وہ۔ ہائے ہمارے یمان بھائی رخصت ہو کر دوسرے گھر چلے جائیں گے۔" حماد نے آہ بھری تو سب کو اپنی ہنسی پر کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا جبکہ یمان اسے گھورنے لگا۔

"اللہ تمہیں تمہارے گھر میں آباد رکھے۔ سدا سہاگن رہو تم۔" یمان کے ارادے بھانپتے ہوئے حماد اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاشم کی کرسی کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اس کی اس حرکت پر سب ہنس دیئے۔ یاور بھی مسکراتا ہوا واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ یمان حماد کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگا۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں رخصت کیسے ہوتے ہیں اور سدا سہاگن کیسے رہا جاتا ہے۔"

وہ دونوں کھانے کی میز کے ارد گرد دوڑنے لگے۔ پھر حماد نے یمان کو پورے ہال میں دوڑایا۔ پھر وہ دونوں صوفے کے ارد گرد بھاگتے ہوئے نظر آئے۔

"حماد کے بچے رک جاؤ۔" یمان کو بھاگ بھاگ کر سانس چڑھ گیا تھا۔

"حماد کی ابھی وائف نہیں آئی تو بچے کہاں سے آ گئے۔" مسکراتا ہوا وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ یمان بے دھیانی میں اس کے پیچھے بھاگتا رہا یہ منظر دیکھ کر وہ سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ جب یمان کو احساس ہوا کہ وہ اکیلا ہی بھاگ رہا ہے تو وہ بھی حماد کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔

"بہت کمینے ہو تم۔ تھکا دیا مجھے۔" یمان نے اس کو دبوچ لیا تو وہ منتیں کرنے لگا۔

"اف! آپ اتنے بڑے ہو کر بچوں جیسی حرکتیں کیسے کر لیتے ہو یا؟"

"جس طرح تم اس عمر میں میری ماں بن رہے ہو۔" یمان نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"کتنے ظالم ہیں آپ یار۔ چھوڑ بھی دیں۔ بچے کی جان لیں گے کیا؟"

"تم جیسے پانچ چھ بچے اور پیدا ہو جائیں نا اس دنیا میں تو پھر ہم جیسے بڑوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔" یمان نے اسے اپنے شکنجے سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"کتنی سخت گرفت ہے بھائی آپ کی۔ میرا جسم درد کرنے لگ گیا۔" حماد نے مصنوعی معصومیت سے منہ بنایا تو سب اسے دیکھنے لگے۔

دوپہر والا واقعہ فی الحال حماد کے ذہن سے محو ہو چکا تھا اس کسی کو بھی پتا نہیں چل سکتا تھا کہ آج ان کا بھائی کس اذیت سے گزرا ہے۔

"ہاں تم تو ہماری نازک حسینہ ہو نا۔ جسے ذرا سا پکڑ لینے سے اس کا انگ انگ دکھنے لگے گا۔"

یمان نے اس کا مذاق اُڑایا تو وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر رخ موڑ کر بیٹھ گیا۔ اور پھر وہ کتنی ہی دیر تک بیٹھا اسے ستاتا رہا اور وہ سارے ہنسی سے لوٹ پھوٹ ہوتے رہے۔

لاؤنج میں ایک دیوار پر بڑا سا فوٹو فریم لگا ہوا تھا جس میں فرقان احمد درانی اور گل رعنا کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اپنی اولاد کو اس طرح ہنستا مسکراتا دیکھ کر وہ دونوں بھی پر سکون نظر آ رہے تھے۔ ایک پل کے لیے لگا جیسے وہ دونوں مسکرا رہے ہوں۔ چیون سا ان سے ذرا فاصلے پر کھڑی مسکرا رہیں تھیں۔ ان سب سے نظریں ہٹا کر انہوں نے اس

تصویر کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ گل رعنا کی تصویر کی طرف نہیں دیکھتی تھیں۔ ماضی کا ایک گلٹ تھا ان کے اندر جو انہیں تصویر سے بھی شرمندہ کروا دیتا تھا۔ شرمندگی اور خوشی کے ملے جلے آنسو ان کے چہرے پر پھسلنے لگے۔

آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کا انہوں نے ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے دس بج رہے تھے جب سیمون آفندی کے گھر سب ڈنر کے لیے کھانے کی میز کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گھر زیادہ تر ڈنر اسی وقت کیا جاتا تھا۔ سیمون آفندی اور سارہ آفندی آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے جبکہ وہ خاموشی سے اپنی پلیٹ میں چمچ گھما رہا تھا۔

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے جنگکوک؟" سارہ کب سے اس کی اس حرکت کو دیکھ رہیں تھیں پھر بالآخر وہ بول ہی پڑیں۔ سارہ آفندی کے پوچھنے پر سیمون آفندی نے بھی جنگکوک کو دیکھا۔ ماں کے سوال پر اس نے سرسری نگاہ اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اصل بات کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

"اگر کچھ نہیں ہے تو پھر آرام سے کھانا کھاؤ۔ اس طرح پلیٹ میں چمچ کیوں گھما رہے ہو۔" جنگکوک نے چڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"مجھے آپ دونوں کو کچھ بتانا تھا۔" بالآخر اس نے ہمت کر ہی لی۔

"کیا کہنا تھا؟" وہ دونوں بھی اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"مما میں...... میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔" بات کے دوران اس نے دونوں کو باری باری دیکھا۔ وہ دونوں سکتے کی حالت میں

جنگکوک کو دیکھے گئے۔ جنگکوک نے بہت آرام سے ان دونوں کے سروں پر بم پھوڑا تھا۔

"اچھا مذاق ہے۔" سیمون آفندی ہولے سے ہنس دیئے۔ لیکن سارہ آفندی نہیں ہنسی۔ جو الارم ذہن نے بہت پہلے دے دیا تھا وہ سچ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ کیسے ہنس سکتی تھیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئیں۔

"ڈیڈ آئی ایم سیریس۔" سیمون آفندی نے اسے سکین کرتی آنکھوں سے دیکھا۔ وہاں شرارت کی جھلک تک نہیں تھی۔ وہ سنجیدہ تھا۔

"آر یو میڈ جنگکوک؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ ایسا خیال تمہیں آیا بھی کیسے۔" سیمون آفندی اپنی نشست پر غصے سے غراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"آپ اتنا غصہ کیوں کر رہے ہیں۔ میں نے کوئی اتنی بڑی بات نہیں کی۔" وہ جانتا تھا کہ یہ کتنی بڑی بات ہے پھر بھی ان کے سامنے ڈھٹائی سے کھڑا رہا۔

"دیکھو تم اسے۔ کیا بکواس کر رہا ہے یہ۔" اک نظر سارہ آفندی کو دیکھ کر وہ پھر جنگلوک کو دیکھنے لگے۔

"آج تم نے یہ بات کی ہے جنگلوک۔ اگر آج کے بعد ایسا خیال بھی تمہارے ذہن میں آیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" انہوں نے تنبیہہ کرتے ہوئے شہادت کی انگلی دکھائی تو وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"ڈیڈ آپ مجھے روک نہیں سکتے۔ یہ میرا حق ہے۔ میں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق رکھتا ہوں۔" اس کا لہجہ سرد پڑ گیا تھا۔ ان دونوں میاں بیوی نے صدمے سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر اسی حالت میں سارہ آفندی اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے قریب آئیں

اور زور سے ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے دکھ سے اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ وہ آنکھیں جو مسکرانے پر مسکراتی تھیں۔ آج اس کے دل کے ٹوٹ جانے پر رو پڑی تھیں۔

"اپنے ڈیڈ سے بات کرنے کی تمیز بالکل ہی بھول گئے ہو تم۔ کون ہے وہ جس کے لیے تم ساری حدیں بھول گئے ہو جنگکوک۔" غصے سے سارہ کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

اس نے حیرت سے اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ کیسے جان گئیں تھیں کہ وہ کس لیے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔

"مما وہ میری یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔" اب کہ وہ بولا تو آواز دھیمی اور لہجہ بجھا ہوا تھا۔

"یہ وہی لڑکی ہے نا جو اس دن ہمارے گھر آئی تھی؟"

"وہ خود نہیں آئی تھی۔آپ اسے لائی تھیں۔"

"جو بھی ہے جنگکوک۔ تمہیں اس سے دور رہنے کی ضرورت ہے۔ دور رہو گے تو یہ محبت کو بھوت بھی اتر جائے گا۔اور آئندہ اس طرح کی بکواس کی تو میں بہت سختی سے پیش آؤں گی۔"جنگکوک کو شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے درشتی سے کہا۔

"مما میں اس سے محبت کرتا ہوں۔جو اس سے دور رہنے سے بھی ختم نہیں ہو گی۔اور رہی بات اسلام قبول کرنے کی تو وہ میں کر ہی لوں گا۔اس کے لیے مجھے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"اس کا لہجہ اپنی ماں سے بھی زیادہ سخت تھا۔انہوں نے غصے سے لب بھینچے اور پھر ایک اور تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔وہ ایک اور تھپڑ کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوا۔

"شرم ساری بیچ کھائی ہے تم نے جنگکوک۔ ہماری ساری تربیت بھول گئے ہو۔ اور اس دو ٹکے کی لڑکی ....۔"

"وہ دو ٹکے کی لڑکی نہیں ہے مما۔ محبت کرتا ہوں میں اس سے۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، بے یقینی تھی، دکھ تھا۔

"اوقات کیا ہے اس لڑکی کی وہ اس گھر کی بہو بنے۔"

"اس کی اوقات یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور جنگکوک کی محبت ہے۔ اس کی اوقات یہ ہے کہ جنگکوک اس کے لیے دو تھپڑ کھا چکا ہے۔" سارہ آفندی چند لمحے کچھ بول ہی نہیں پائیں۔

"آئندہ اگر آپ نے اسے دو ٹکے کی کہا تو مما میں بتا رہا ہوں... اچھا نہیں ہو گا۔" سرد لہجے میں کہتا وہ وہاں سے چلا گیا۔ سارہ بیگم تلملا کر رہ گئیں۔

"میں بتا رہی ہوں آپ کو۔ تاریخ پھر سے اپنا آپ دہرائے گی۔ یہ لڑکا وہی کرنے جا رہا ہے جو کئی سال پہلے چاشیہ نے کیا تھا۔ کیسے وہ فرقان کی محبت میں تڑپ کر اس کے پیچھے گئی تھی اور یہ لڑکا اسی عورت کی بیٹی کا دیوانہ ہو گیا ہے۔" وہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ سیمون آفندی سکتے کے حالت میں ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔

"اگر اس نے کچھ ایسا ویسا کیا تو اس کی جان میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا لیکن اس کی بیٹی کو اس گھر کی بہو کبھی نہیں بننے دوں گا۔ تم سے جتنی جلدی ہو سکے اس سے ملو اور جنگکوک سے دور رہنے کا کہو۔ اگر تاریخ نے اپنا آپ دہرایا تو پھر اس کے ساتھ وہی ہو گا جو چاشیہ کے ساتھ ہوا تھا۔" وہ جنگکوک کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھ رہے تھے۔

سارہ نے دکھ سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

"آپ ہمارے ہی بیٹے کی جان کیوں لیں گے۔ قصور تو اس کا ہے جس نے ہمارے بیٹے کو اپنا اسیر بنا دیا ہے۔" ان کے لہجے میں ماریہ کے لیے نفرت تھی۔

"تمہارا بیٹا پانچ سال کا بچہ ہے نا جو کسی بھی لڑکی کا اسیر ہو جائے گا۔ بہتر ہو گا تم اسے سمجھا دو ورنہ میں کچھ ایسا کر جاؤں گا جس پر بعد میں تم پچھتاتی پھرو گی۔" وہ بھی سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ سارہ آفندی نے اپنا سر ٹیبل پر رکھ دیا اور بنا آواز کے رونے لگیں۔

"مجھے آپ سے مل کر اچھا لگا۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" ان کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرایا۔

"میں تمہیں کبھی بھولنے بھی نہیں دوں گی۔" ایک اور جملہ انہیں سنائی دیا۔

"اب وقت آگیا ہے تمہیں اپنا احسان یاد دلانے کا۔ تمہیں میرے بیٹے سے دور جانا ہوگا لڑکی۔" انہوں نے دل میں سوچا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ وہ رات بھر اپنے روم میں بیڈ کے پاس نیچے بیٹھی اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی رہی تھی۔ حماد کے چھن جانے کا غم کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا اتنا قصور نہیں تھا جتنی اسے سزا مل رہی تھی۔ وہ دنیا کے ساتھ لڑ جاتی اگر حماد اس کا ساتھ دیتا۔ لیکن حماد ہی اسے تنہا چھوڑ گیا تھا تو وہ کس کے بھروسے دنیا سے لڑتی۔

اپنے آنسوؤں پونچھتی وہ اٹھ کر واشروم کی جانب چلی گئی۔ پانچ منٹ گزر جانے کے بعد وہ باہر آئی تو اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا اور آدھے سے

زیادہ کپڑے بھیگ چکے تھے۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

واشروم سے باہر آکر اس نے بیڈ پر رکھا فون اٹھایا اور کسی کو کال ملانے لگی۔

"عریش تمہارا فون بج رہا ہے یار۔ اٹھالو اسے۔ میری نیند خراب کر رہا ہے۔" وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی تھی لیکن فون کی گھنٹی نے اس کی نیند میں خللل ڈال دیا۔ عریش کی طرف سے جواب نا پا کر بختاور نے اس کے اوپر سے کمبل کھینچ ڈالا۔

"کیا مسئلہ ہے یار سونے دو۔" اس نے کمبل واپس لینے کی کوشش کی جسے بختاور نے واپس کھینچ لیا۔

"تمہارا فون بج رہا ہے۔ پہلے وہ بند کر دو یا اٹھالو۔ پھر سو جانا۔" بختاور نے اکتائے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے کروٹ بدل لی۔ فون بھی بج بج کر بند ہو گیا تھا۔

"اس وقت کس کا فون ہو سکتا ہے۔" اس نے پریشانی کے عالم میں موبائل اٹھایا اور وقت دیکھا۔ تہجد کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے کال ہسٹری میں دیکھا تو عنایہ کی چار مسڈ کال آ چکی تھیں۔ اسے فکر لاحق ہوئی۔ کال بیک کرتے ہوئے اس کے دل نے ایک ہی بات کہی تھی۔

("یا اللہ سب ٹھیک ہو بس۔")

ایک ہی رنگ پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"تم کہاں تھی عریش۔ میں کب سے تمہیں فون کر رہی ہوں تم فون اٹھا کیوں نہیں رہی تھی؟"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ میں سو رہی تھی اس لئے نہیں اٹھا سکی۔ تم بتاؤ سب ٹھیک ہے نا۔ تم نے اس وقت کال کی۔" اسے تشویش ہوئی۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔میری زندگی میں اب کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا ہے عریش۔میں۔۔۔۔۔میں بہت پریشان ہوں۔میں ٹوٹ گئی ہوں۔" کہتے ساتھ ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا ہے۔مجھے بتاؤ۔تم رو کیوں رہی ہو؟" عریش کے پوچھنے پر اس نے کل ہونے والا سارا واقعہ اسے سنا دیا جسے سن کر وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"تم نے حماد سے بات کی؟"

"کیسے بات کروں یار۔وہ میری شکل نہیں دیکھنا چاہتا اور پھر ہم۔۔۔۔۔ایک دو دن میں انڈیا واپس جا رہے ہیں۔اور ان دو دنوں میں میرا گھر سے نکلنا بند کر دیا گیا ہے۔مجھے۔۔۔۔مجھے بہت گھٹن ہو رہی ہے۔چھن جانے کا غم مجھے مار ڈالے گا عریش۔میں کیا کروں؟" اس کی آواز سے ہی اس کی بے بسی چھلک رہی تھی۔

"اگر تم کہو تو میں بات کروں اس سے؟" وہ اپنی دوست کو اداس نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس نے تو مجھ سے کبھی محبت کی ہی نہیں تو بات کرنے کا کیا فائدہ۔یک طرفہ محبت کا روگ انسان کو بہت ساری خوشیوں سے محروم کر دیتا ہے عریش۔میں اس کے بغیر زندگی کو ادھورا لکھوں گی۔" وہ بالکل بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ اس کی زندگی میں دو ہی لوگ اہم تھے۔اس کی ماں اور حماد۔اور قسمت کا ستم دیکھئے دونوں ہی اس کے پاس نا رہے۔

"کیا صبح تم میرے گھر آسکتی ہو۔میں رونا چاہتی ہوں۔تمہارے گلے لگ کر۔میرے پاس کوئی نہیں ہے عریش جس کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہا سکوں۔" جانے اس کے لفظوں میں ایسا کیا تھا کہ عریش کو اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہوا۔

"میں آجاؤں گی صبح۔ابھی نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ پھر تمہارے لیے دعا کروں گی۔" وہ زخمی سا مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر صبح ملاقات ہوتی ہے۔"

فون بند ہو جانے کے بعد وہ کتنی دیر تک وہاں بیٹھی رہی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ واشروم میں کپڑے چینج کرنے چلی گئی۔ جب باہر آئی تو اس نے وضو کیا ہوا تھا۔ماں کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد اس نے پہلی دفعہ نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تھا۔جب ماں چھوڑ کر گئی تھی تو اس نے نماز چھوڑ دی تھی اور جب حماد چھوڑ کر گیا تو وہ اللہ کے حضور پیش ہونے چلی آئی۔ پھر کس کا غم اس کے لیے نجات کا باعث بنا۔ مصلہ بچھا کر اس پر نیت باندھے کھڑی ہو گئی۔

اسے ساری نماز یاد تھی بس اتنے سالوں بعد پڑھنے کی وجہ سے اس کی زبان سے لفظ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔

نماز مکمل کر کے وہ وہیں مصلے پر لیٹ گئی۔ آج ایک بار پھر وہ ماضی کی یادوں میں کھو گئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

(ماضی)

ثمن اور ایاز صاحب کی شادی ان کی فیملی کی مرضی سے اور ایاز صاحب کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ وہ اپنی کسی کالج فرینڈ کو پسند کرتے تھے۔ گھر والوں نے زبردستی ثمن کے ساتھ شادی کروا کر ایاز صاحب کو ہر چیز سے بددل کر دیا۔ اسی بات کا بدلہ لینے کے لیے وہ شادی کے ایک ہفتے بعد ثمن کو ان کے خاندان سے دور کو ریا لے آئے۔ وہ ہر وقت اپنے شوہر کو خوش کرنے کے کی جستجو میں لگی رہتیں اور ہر وقت ان کا دل جیتنے کی کوشش کرتی رہتیں۔ بالآخر شادی کے دو سال بعد وہ اپنے شوہر کا دل جیتنے کے میں کامیاب ہو گئی

تھیں۔ان کے درمیان ساری دوریاں ختم ہونے لگی تھیں۔ان کی قربتوں کے ایک سال بعد انہیں امید سے ہونے کی خوشی ملی۔اس خبر نے ایاز صاحب کے دل میں ثمن کے لیے مزید محبت پیدا کردی تھی۔وہ ثمن کا بہت خیال رکھنے لگے تھے۔

کئی دفعہ ثمن نے انہیں انڈیا چلنے کا کہا لیکن وہ ایک یہی بات نہیں مانتے تھے۔پھر وقت گزرتا گیا اور ان کے گھر اللہ نے ایک پیاری سی رحمت بھیجی۔اپنی اولاد کو روبرو دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور انہوں نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگالیا۔ان دونوں نے اپنے بیٹی کا نام عنایہ رکھا۔

وقت گزرتا گیا اور چھوٹی سی عنایہ بڑی ہوگئی۔وہ تین سال کی تھی جب اسے اسکول میں داخل کروادیا اور وہاں اس کی دوستی عریش سے ہوئی تھی۔یوں وہ پکی سہیلیاں بن گئیں۔

عنایہ کی پانچویں سالگرہ تھی جس دن ثمن نے آخری کوشش کی اپنے شوہر کو منانے کی کہ وہ انڈیا واپس چلیں۔اور اس دفعہ بالآخر وہ مان ہی گئے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں ان کا انڈیا جانا ہوا۔

شادی کے نو سال بعد وہ واپس آئیں تھیں اور اپنے ماں باپ سے ملنے کے لیے بہت بے تاب تھیں۔ لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ وہ انڈیا تو واپس آ گئیں لیکن اپنے پیاروں سے نا مل سکیں۔ائیر پورٹ سے واپسی پر ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ثمن ایاز موقع پر ہی دم توڑ گئیں۔ جبکہ ایاز صاحب اور عنایہ کو محض چوٹیں آئیں تھیں۔ عنایہ دو دن ہاسپٹل ایڈمٹ بھی رہی تھی۔ یہ وقت کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

ثمن کی موت کے بعد وہ کوریا نہیں گئے اور نا ہی اپنی بیٹی کو ایک پل کے لیے بھی خود سے الگ کیا۔ ثمن کی وفات کے بعد ایاز کے گھر والے انہیں دوسری شادی کے لیے فورس کرنے لگے۔پہلے تو وہ

مانے نہیں لیکن پھر جب مانے تو اس شرط پر کہ وہ اپنی پسند سے شادی کریں گے۔ مجبوراً سب کو ماننا پڑا اور اس طرح ثمن کی وفات کے ایک سال بعد ان کی شادی ہو گئی۔ عنایہ کا ایڈمشن انڈیا میں ہی کسی اسکول میں ہو گیا تھا تو اس طرح اس کی تعلیم ضائع نہیں ہوئی۔ لیکن وہ ایک ذہین طلباء سے ایورج طلباء بن گئی تھی۔

شادی کے شروع میں تو سب کچھ ٹھیک رہا لیکن آہستہ آہستہ شہنیلا اپنے سوتیلے پن پر اتر آئیں۔ وہ ایاز کی بچپن کی دوست تھیں اور محبت بھی جبکہ ثمن ان کی چچازاد تھیں۔ جب ایاز صاحب گھر نا ہوتے تو وہ عنایہ کے ساتھ بہت ظلم کرتی۔ اسے مارتی پیٹتی۔

ایک دفعہ کسی بات پر اس نے عنایہ کو غصے میں دھکا دیا تو وہ گر گئی۔ اس کا سر پاس رکھی میز کے کونے سے ٹکرایا تو وہاں سے خون کا فوارا بہہ گیا۔ پہلے تو وہ گھبرا گئیں لیکن پھر فوراً سے اپنے شوہر کو فون کیا۔

اور انہیں بتایا کہ عنایہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے۔ایاز صاحب محبت میں اتنے اندھے تھے کہ یہ نہیں پوچھا کہ سیڑھیوں سے گری ہے تو صرف ماتھے پر ہی کیسے چوٹ آئی۔

ڈاکٹر نے اس بات کی تفتیش کرنی چاہی لیکن پیسہ دیکھ کر وہ بھی بک گئی۔ تین دن بعد عنایہ گھر آئی۔اس نے باپ کو بتانے کی کوشش کی لیکن شہنیلا کی دھمکیوں نے اسے چپ کروا دیا۔

اس واقعے کو دو ماہ گزر گئے تھے۔ لیکن شہنیلا کے ظلم ختم نہیں ہوئے تھے۔ایک دن عنایہ نے ان ظلموں سے تنگ آکر بھاگ جانے کا فیصلہ کیا اور وہ بھاگ بھی گئی۔تب وہ سات سال کی تھی۔ شہنیلا جو اس کے ہر قدم پر نظر رکھتی تھی۔چپکے سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور اس کے جاتے ہی کوئی بہانہ بنا کر اس کے روم میں چلی آئی۔

اس کی طرف سے ایک خط لکھ کر ایاز صاحب کے پاس چلی آئی۔

رائٹنگ بچوں کی طرح تھی۔

ان دنوں سعد جو کہ شہنیلا کا بھتیجا تھا وہ بھی آیا ہوا تھا۔ وہ دس سال کا لڑکا نا جانے کہاں سے اسے ڈھونڈ ہی لایا تھا۔ ایاز صاحب نے تو کچھ نہیں کہا لیکن شہنیلا نے اسے بہت مارا۔ اور وہ خاموشی سے مار کھاتی رہی۔ اس واقعے کے چند ماہ بعد ایاز صاحب کی مرضی سے عنایہ اور سعد کی منگنی ہو گئی۔ اور یہ منگنی اسی شرط پر ہوئی تھی کہ اسے کوریا جا کر پڑھنے دیا جائے گا۔ سعد نے بھی اسی شرط پر ہاں کی تھی کہ عنایہ اور وہ دونوں کوریا جا کر پڑھیں گے۔ مجبوراً سب کو ماننا پڑا۔

اور عنایہ نا اس وقت اور نا اب اس بات کو سمجھ پائی تھی کہ سعد نے کیوں اس کا ساتھ دیا تھا۔

منگنی کے بعد وہ سب کوریا آگئے تھے۔ یہاں اس کی ماں کی یادیں تھیں، خوشبو تھی۔ ایک بار پھر وہ دونوں باپ بیٹی ٹوٹ گئے تھے۔

باپ کو تو بیوی نے سنبھال لیا تھا لیکن عنایہ کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ سعد کو پسند نہیں کرتی تھی کہ وہ بھی شہنیلا کا بھتیجا ہے اور اس جیسا ہی ہو گا۔

لیکن سعد بچپن سے اس کا ساتھ دیتا آیا تھا۔ اس کی شخصیت بچپن سے ہی بارعب تھی۔ وہ محبت نہیں کرتی تھی لیکن ڈرتی ضرور تھی۔

اگر وہ سعد پر بھروسہ کرتی تو وہ اسے سنبھال لیتا لیکن اس نے سعد پر بھروسہ نہیں کیا۔ اور بھروسہ نا کرنے کی وجہ شہنیلا تھی۔

اسے لگا تھا حماد اسے ان سب سے دور لے جائے گا لیکن جس نے اس سے محبت ہی نہیں کی وہ اس کا ساتھ کیسے دیتا۔

آج عنایہ پر ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ سعد اس کو تب سے چاہتا ہے جب وہ پہلی دفعہ گھر چھوڑ کر گئی تھی ورنہ وہ انڈیا کیوں چھوڑتا جبکہ اسے اپنے وطن سے بے حد محبت تھی۔ وہ آرمی میں جانے کا خواب رکھتا تھا لیکن وہ عنایہ کے لیے سب چھوڑ کر دوسرے دیس آ گیا تھا۔

کیوں عنایہ اس کی محبت کو نا سمجھ سکی۔ آج اس کی بیوقوفیوں کی وجہ سے سعد بھی اس سے بدگمان ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی میں تین مرد تھے اور تینوں نے آج اسے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اپنی جنگ اکیلے لڑنے کے لیے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اندھیرے پر روشنی غالب آچکی تھی۔ سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ سارے میں پھیل رہیں تھی۔ کچھ لوگوں کی صبح بہت خوبصورت

ہوتی ہے اور کچھ لوگوں کی صبح بھی اداس ہی ہوتی ہے۔ جنگکوک ساری رات اسی کھڑکی کے پاس بیٹھا رہا تھا۔ ایک پل کے لیے بھی وہ سو نہیں سکا۔ رونے اور نیند کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ وہ گھر رہ کر ڈپریشن کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے جیسے تیسے کر کے وہ یونی کے لیے تیار ہوا اور کسی سے بھی بات کیے بغیر یونی کے لیے جانے لگا۔

"جنگکوک ناشتہ تو کر کے جاؤ بیٹا۔" سارہ آفندی نے بنا ناشتہ کیے جاتے دیکھا تو روک لیا۔

"دل نہیں چاہ رہا میرا۔" اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اگر ایسا ہے تو تم آج یونیورسٹی مت جاؤ۔" وہ اس کے قریب ہی چلی آئیں تھی۔

"بہت پرواہ ہے آپ کو میری جانتا ہوں۔اس لیے بہت شکریہ۔ ٹھیک ہوں میں اور اپنا خیال رکھ سکتا ہوں۔" سرد لہجے میں کہتا وہاں سے چلا گیا۔

"دو دن کی محبت نے کیا حال بنا دیا ہے میرے بیٹے کا۔دیکھ لوں گی میں اسے۔" کہتے ہوئے انہوں نے اپنا فون اٹھایا اور کسی نمبر پر کال ملانے لگی۔

"اگر ہم بے سکون ہیں تو سکون میں میں تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گی۔"کال ریسیو کر لی گئی تھی اور وہ اسے کچھ ہدایات دینے لگیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"آج اسجد صاحب آرہے تو میں، ہاشم بھائی اور مومن بھائی گھر ہی رہیں گے۔"ناشتے کی ٹیبل پر یاور نے سب کو بتایا۔

"کیوں خیریت وہ کیوں آرہے ہیں؟" ہاشم نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے پوچھا۔

"کہہ رہے تھے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"مومن کا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ اس کے ہونے والے سسر ہے ، ہاشم بھائی کا بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس گھر کے بڑے بیٹے ہیں۔ یہ تم کس خوشی میں رک رہے ہو؟" منہاج نے ابرو اچکائے تو ناشتے کی ٹیبل پر ان سب کی دبی دبی ہنسی گونجی۔ جبکہ یاور نے اکتاہٹ والے انداز میں آنکھیں گھمائیں۔

"ٹھیک ہے آپ رک جائیں میں چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں بھئی یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ یہ تم ہی دیکھو، میں آفس دیکھ لوں گا۔" منہاج کی میزبانی کرتے ہوئے ہمشیہ جان جاتی تھی۔ وہ تعلقات بنانے میں بہت برا تھا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ کر اسے سمجھ نہیں آتا تھا کیا بات کروں۔ وہ بس خاموشی سے بیٹھا رہتا۔ منہاج کی بات پر ان سب کے قہقہے بلند ہوئے۔

"ان سب کو دیکھو کیسے ہنس رہے ہیں جیسے میں کوئی لطیفہ سنا رہا ہوں۔" منہاج نے ان سب پر نظر کرم کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تمہارے فائنل ٹرم کب ہے۔ بلکہ تم دونوں کے؟" یاور نے پہلے حماد کی طرف دیکھا پھر ماریہ اور حماد دونوں سے پوچھا۔

"میری تو ایک دو دن میں ڈیٹ شیٹ آجائے گی اس کا مجھے نہیں پتا۔" حماد نے کہا۔

"میری بھی ایک دو دن میں آجائے گی۔"

"تو پھر تم دونوں اپنی پڑھائی پر بھی تھوڑی توجہ دے لو بجائے کھی کھی کرنے کے۔" منہاج کو ان کو باتیں سنانے کا موقع مل گیا تھا۔

"ہم تو اتنا پیار ہنستے ہیں۔" ماریہ نے کہا تو منہاج نے اسے چڑانے کے لیے بلیوں جیسا منہ بنایا۔ وہاں پر ایک بار پھر سب کے قہقہے بلند ہوئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"فرح بیٹے۔" اسجد صاحب کے گھر بھی سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تبھی انہوں نے فرح کو مخاطب کیا۔

"جی بابا جان۔" اس نے نہایت شفقت اور احترام سے جواب دیا۔

"بیٹے مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی، ناشتہ کرنے کے بعد میرے روم میں آجانا۔"

"جی باباجان۔ میں آجاؤں گی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ ناشتے کر لینے کے بعد اسجد صاحب اپنے روم میں چلے گئے۔

"باباجان کو کیا بات کرنی ہے مجھ سے؟" وہ جانتی تھی وہ کیا بات کرنا چاہتے ہیں پھر بھی علینا بیگم سے پوچھ رہی تھی۔

"تم جا رہی ہو نا اپنے باباجان کے روم میں تو پتا چل جائے گا، انہیں کیا بات کرنی ہے تم سے۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اٹھ کر ان کے روم میں چلی گئی۔ روم میں آ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔

"میں آجاؤں باباجان۔"

"آجاؤ بیٹے۔" وہ سائیڈ ٹیبل کے دراز سے کچھ نکال رہے تھے لیکن پھر اس کے آنے پر بند کر دیا۔

"جی باباجان۔ آپ نے بلایا تھا۔"

"ہاں یہاں بیٹھو بیٹے مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔"

"کہیں۔میں سن رہی ہوں۔"

"میں نے اور آپ کی امی نے آپ کے لیے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ ؟"اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"شادی کا فیصلہ...... لڑکا بہت اچھا ہے بیٹا۔"بظاہر وہ خاموشی سے سر ہلا رہی تھی لیکن اندر کی دنیا ادھر کی ادھر ہو رہی تھی۔

"کیا میں جان سکتی ہوں بابا جان وہ کون ہے ؟"اس نے بہت تحمل سے کہا۔اسجد صاحب نے ایک لمبی سانس اندر کھینچ کر خارج کی۔

"مومن درانی کا بڑا بھائی ہاشم درانی۔"یہ قیامت بھی اس کے دل پہ گزرنی تھی اور اسے چپ چاپ اس قیامت کو سہنا تھا۔

"آپ میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ اچھا ہی ہو گا۔آپ جس کو بھی میرے لیے پسند کریں گے مجھے قبول ہے۔"وہ ایک بہادر لڑکی تھی،دو دن دل میں آنے والی فیلنگز کو وہ اتنا سر پر سوار نہیں کرنا

چاہتی تھی لیکن اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ "مجھے پتا تھا میری بیٹی انکار نہیں کرے گی۔ جیتی رہو۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"میں اور آپ کی امی آج ان کے گھر جا رہے ہیں آپ کے اور ہاشم کے رشتے کی بات کرنے۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نا ہو تو۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو گا بابا جان۔ جب آپ نے فیصلہ کر لیا ہے تو اب جائیں یا بعد میں......۔"

"ہاں ویسے بھی میں نے وہاں فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دے دی ہے تو اگر نہیں گئے تو وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

اپنے بابا کی بات پر اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ وہ بھی مسکرا رہے تھے۔ اس نے اپنے بابا کی مسکراہٹ اپنی آنکھوں میں بھر لی اور ان

کے سینے سے لگ گئی۔ وہ اس بارے میں مزید بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"اللہ تم دونوں بہنوں کے نصیب اچھے کرے بیٹا۔"

"آمین۔" وہ وہی سوچنا چاہتی تھی جو اس کے بابا نے کہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○

آج وہ یونیورسٹی آئی تو یہاں کا ماحول کافی عجیب تھا۔ فرح نے اسے صبح ہی بتادیا تھا کہ وہ آج یونی نہیں آئے گی تو آج وہ اکیلی تھی۔ لیکن یونیورسٹی کا ہر اسٹوڈنٹ مڑ مڑ کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی نروس ہو رہی تھی لیکن خاموشی سے ان تیر اور طنز برساتی نظروں کو برداشت کرتی رہی۔ وہ لیکچر لے کر ایک کوریڈور میں لگے ڈیسک پر بیٹھی تھی اور باہر کے نظاروں میں مگن تھی۔ صبح نکلنے والا سورج اب بادلوں

کے ساتھ لکا چھپی کھیل رہا تھا۔ ہوا میں بھی آہستہ آہستہ تیزی آ رہی تھی۔

"تم کیا جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتی ہو لڑکی؟" ایک لڑکی اس کے عین سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سلیولیس ڈریس پہنا ہوا تھا۔ نیچے گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک بھی کپڑا غائب تھا۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ چاہنے کے باوجود بھی اسے اگنور نہیں کر سکی۔

"میرا مطلب تم بہت اچھی طرح سے سمجھ گئی ہو۔ اس لیے زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔" اس لڑکی نے ماریہ کو دھکا دیا تو وہ ڈیسک پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے اور تم کس بارے میں بات کر رہی ہو؟" اسے بری طرح غصہ آیا تھا۔

"یہ جو تم جنگکوک کی دلہن بننے کے خواب دیکھ رہی ہو نا انہیں اپنے دل سے نکال دو۔ ورنہ پھر تمہارے ساتھ وہ ہو گا جو تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا۔" اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا جبکہ وہ ساری سچویشن کا مطلب اب سمجھی تھی۔ یعنی جنگکوک کی محبت بننا بھی کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔ اسے جنگکوک پر شدید غصہ آرہا تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو اور جاؤ یہاں سے۔ نا تو میں تمہیں جانتی ہوں اور نا تمہارے اس جنگکوک کو۔" اس نے نفرت سے کہہ کر چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔

"گڈ گرل۔ ویسے بھی جنگکوک کی قسمت اتنی خراب نہیں ہے کہ تم جیسی جاہل سے شادی کرے۔" وہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی جبکہ ماریہ کو رونا آرہا تھا۔

"یہ جو تم نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے نا اس کالے لباس میں یہ کریکٹر لیس لوگوں کی نشانی ہوتی ہے۔ یہ بڑی بڑی چادریں لینا پتا اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ جہالت۔ یہ جاہل لوگ ایسے اپنے منہ چھپاتے ہیں۔" اسے دکھ ہو رہا تھا، کیسے وہ لڑکی اس کے پردے کو جہالت کا نام دے رہی تھی۔

"یہ باتیں جو تم کر رہی ہو اگر میں نے ان پر صبر کر لیا تو کیا میرے صبر کا بوجھ اٹھا سکو گی تم؟" فرح کی صحبت کا کچھ تو اثر ہوا تھا اس پہ۔ وہ لڑکی استہزایہ ہنسی۔

"چلو ٹھیک ہے میں جاہل ہوں لیکن تم تو غریب ہو۔ تمہیں تو پورا جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑے بھی نہیں ملے۔" اس نے اس لڑکی کو بری طرح چوٹ کروائی تھی وہ تلملا کر رہ گئی۔

"جانتی ہو یہ لوگ تمہیں مڑ مڑ کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟" وہ لڑکی بھی ہار ماننے والی نہیں تھی۔ ماریہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ ان لوگوں نے سن رکھا ہے کہ تم جنگکوک کے ساتھ کسی تعلق میں ہو اور رات کو اکثر اس کے ساتھ پائی گئی ہو۔" یہ ایسی بات تھی جو اس کے لیے سہنا مشکل تھا۔ تبھی اس نے تھپڑ کے لیے ہاتھ اٹھایا جسے اس لڑکی نے روک لیا۔

"آہاں! کیا ہو گیا ہے۔ یہ اتنی بڑی غلطی تم غلطی سے بھی مت کرنا۔ ویسے تم یہ نہیں پوچھو گی کہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچائی کس نے۔" اس لڑکی نے ابرو اچکائے تبھی اس کی نظر جنگوک کی طرف اٹھی جو اپنے دھیان میں اسی طرف چلتا آ رہا تھا۔ ماریہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اپنے دائیں طرف دیکھا تو ایک پل کو اسے لگا جیسے اس کا سانس رک گیا ہو۔ اس لڑکی نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"آخری دفعہ کہہ رہی ہوں جنگکوک سے دور رہنا۔" کہتے ساتھ ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔ وہ جنگکوک کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی تھی۔

لیکن ماریہ اس کو کہاں سن رہی تھی، اس پر تو جیسے قیامت گزر رہی تھی۔ وہ بنا کچھ سوچے جنگکوک کے قریب گئی اور اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

" گھٹیا انسان تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بارے میں اتنی جھوٹی بات پھیلانے کی۔"

"کیا ہوا ہے آپ اس طرح کیوں کر رہی ہیں؟ اور میں نے کونسی بات پھیلائی ہے؟" اس نے نا سمجھی سے ماریہ کو دیکھا لیکن اپنا گریبان نہیں چھڑایا۔ وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا۔

" بڑا محبت کرتے تھے تم، یہ تھی تمہاری محبت۔ میری عزت کرنا تو دور کی بات، تم میرے بارے میں ان لوگوں سے یہ بکواس

کرتے پھر رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ ڈیٹ پر جاتی ہوں، راتیں گزارتی ہوں۔ وہ بول رہی تھی لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی باتیں جنگکوک کو کتنی تکلیف دے رہیں تھی۔ وہاں اسٹوڈنٹس کا رش لگ گیا تھا۔

"آپ کو یقینا کسی نے میرے بارے میں غلط بات..۔" اس کا آدھا جملہ منہ میں ہی رہ گیا جب ماریہ نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔

اور یہ تھپڑ اس کے چہرے پر نہیں دل پر پڑا تھا۔

"خبردار! خبردار جو آج کے بعد مجھے اپنی شکل بھی دکھائی تو۔ نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔ نفرت۔" وہ خود بھی رو رہی تھی اور جنگکوک کو بھی رلا رہی

تھی۔ ایک غلط فہمی نے اسے اتنا بدگمان کر دیا تھا۔

وہ چہرے پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنسو اس کے چہرے پر پھسلنے لگے۔

"تم پاگل ہو گئی ہو، وہ محبت کرتا ہے تم سے اور تم اسی پر الزام لگا رہی ہو۔" اسی بھیڑ میں سے نکل کر چینگ من اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

"بھاڑ میں جائے ایسی محبت اور ایسی محبت کرنے والا۔" وہ رکے بغیر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ گھر وہ ابھی جا نہیں سکتی تھی۔ اس لیے اس نے اپنے قدم پریر روم کی جانب بڑھا دیئے۔ جنگکوک نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔

"تم ایسی لڑکی سے محبت کرتے ہو جو سب کے سامنے تمہیں تھپڑ مار کر چلی گئی۔ کیا اب بھی اس سے محبت کرو گے؟" وہ جنگکوک کی طرف مڑی۔

"انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے آنے سے پہلے وہ کسی لڑکی کے ساتھ باتیں کر رہیں تھیں۔" بظاہر وہ چینگ سے مخاطب تھا لیکن درحقیقت وہ کسی گہری سوچ کا شکار ہو رہا تھا۔

"تم اب بھی اس کی حمایت کر رہے ہو جنگکوک۔" وہ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ اس کا رخ پارکنگ ایریا کی طرف تھا۔ وہاں سے اپنی گاڑی نکال کر وہ یونیورسٹی کا گیٹ پار کر گیا۔ اسے پتا تھا کہ اسے اب کہاں جانا ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

عریش پچھلے ایک گھنٹے سے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور وہ تب سے رو رہی تھی۔ وہ اس کے کہنے پر یہاں چلی تو آئی تھی لیکن اب اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ عنایہ عریش کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

"تمہارے آنے سے حوصلہ ملا ہے۔ ورنہ تو اپنے سارے انجان لگنے لگے ہیں۔ ایک تم ہی ہو جسے میری پرواہ ہے۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں سمجھتا مجھے۔" وہ بے بس سی بول رہی تھی۔

"تم فکر نہیں کرو عنایہ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ عریش اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔

"اسی پہ تو بھروسہ ہے تبھی خود کو سنبھال پائی ہوں۔ لیکن عریش میں اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ میرا دل اس کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"میں انکل سے بات کروں گی۔ شاید وہ مان جائیں۔" وہ بہت نرمی سے بات کر رہی تھی۔

"وہ صرف ماما کی بات مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کی نہیں سنتے۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"سعد سے بات کرو شاید وہ مان جائے۔"

"سعد کی محبت نفرت میں بدل چکی ہے۔اب وہ میرا ساتھ نہیں دے گا۔شاید میں نے اسے پہچاننے میں غلطی کر دی۔اب احساس ہوتا ہے کہ وہ بالکل بھی ماما کی طرح نہیں ہے۔وہ بہت اچھا انسان ہے۔"

"معافی مانگ لو اس سے۔ عریش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"معافی تو مانگ لوں گی لیکن وہ مجھے معاف کرے گا بھی یا نہیں، میں نہیں جانتی۔لیکن اسے مجھے سمجھنا چاہیے تھا،مجھے برباد کرنے میں اس کا بھی اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا میرا اپنا تھا۔"

"مجھے خوشی ہوئی یہ دیکھ کر کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔"اس نے عنایہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔وہ بھی جواباً پھیکا سا مسکرا دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اسجد صاحب اور علینا بیگم کا فرقان ہاؤس میں بہت اچھے سے استقبال کیا گیا تھا۔چائے وغیرہ پی لینے کے بعد وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ہاشم اور ریاور ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ مومن ان کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔اور اسجد صاحب اور علینا ان دونوں صوفوں کے درمیان رکھے ہوئے صوفے پر براجمان تھے۔

"بیٹا! آج ہم یہاں ایک خاص مقصد سے آئے ہیں۔مجھے امید ہے کہ ہم مایوس نہیں ہوں گے۔" اسجد صاحب نے شروعات کی۔

"جی جی۔آپ کہیے آپ کو جو کہنا ہے۔آپ کو یہاں بالکل بھی مایوسی نہیں ہو گی۔" ہاشم نے بہت احترام سے کہا۔وہ اس گھر کا بڑا بیٹا ہونے کا فرض نبھا رہا تھا۔

"میں نے جب آپ لوگوں کے بارے میں چھان بین کروائی تو مجھے ہر طرف سے آپ کی تعریفیں ہی سننے کو ملی اور میں بہت متاثر ہوا۔"

وہ اصل بات کہنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہو رہے تھے۔ان تینوں نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

"دراصل میں.....۔"وہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔علینا بھی ہچکچا رہی تھیں لیکن وہ بول نہیں رہیں تھیں۔"انکل آپ کو جو بھی بات کرنی ہے آپ بلا جھجک کہہ سکتے ہیں۔"مومن نے کہا۔

"میرے گھر اللہ نے دو رحمتیں بھیجی ہیں جن میں سے ایک اس گھر کی زینت بن کر آجائے گی اور مجھے یقین ہے کہ اس گھر میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"آپ فکر نہیں کریں۔میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ علیزے کو میری طرف سے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔آپ کی فکر جائز ہے۔میں پھر بھی یہی کہوں گا پلیز آپ پریشان نا ہوں۔"

"نہیں۔میں اپنی بیٹی آپ کو سونپ کر بالکل بھی فکر مند نہیں ہوں۔"انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"دراصل میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بڑی بیٹی کے معاملے میں بھی بے فکر ہو جاؤں۔"ان کی بات پر ان تینوں نے نا سمجھی سے اسجد صاحب کو دیکھا۔

"مجھے اپنی بڑی بیٹی کے لیے آپ بہت پرفیکٹ لگے ہیں اس لیے میں اس کا نام ہاشم بیٹے کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں۔"انہوں نے ہاشم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ان دونوں نے بھی ہاشم کی طرف دیکھا جس کے تاثرات بدل چکے تھے۔

"ایکسکیوز می! مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔ میں آتا ہوں کچھ دیر میں۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا جبکہ اسجد صاحب اور علینا کو اس کا اس طرح جانا ناگوار گزرا تھا۔ یاور اور مومن شرمندہ سے ہوئے ان کے سامنے۔

"شاید ہماری ہی غلطی ہے۔ ہمیں اپنے آنے کا مقصد بتا کر آنا چاہیے تھا۔" علینا نے بات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ وہ دراصل...... مومن تم مہمانوں کو دیکھو، میں بھائی کو دیکھتا ہوں۔" کچھ تو وہ شرمندہ سا بول نہیں سکا۔ اور پھر اسے مہمانوں کے ساتھ ساتھ ہاشم کی بھی فکر تھی۔ وہ بھی وہاں سے معذرت کر کے اٹھ گیا۔ اب مومن کو ہی معاملہ سنبھالنا تھا۔

"دراصل بات یہ ہے انکل کہ ہاشم بھائی کی شادی ہو چکی تھی لیکن کچھ ایشوز کی وجہ سے ان کی یہ شادی زیادہ عرصے تک چل نہیں سکی۔ اور وہ ابھی تک اس فیز سے باہر نہیں آ سکے۔اس لیے انہوں نے ابھی تک دوسری شادی نہیں کی اور نا ہی سوچا ہے۔"مومن کے بتانے پر ان دونوں کے ہونٹ اوہ میں سکڑے۔انہیں دکھ کے ساتھ ساتھ شرمندگی ہوئی تھی۔

"پلیز آپ بھائی کی اس حرکت کو نظرانداز کر دیجئے گا۔وہ بہت حساس طبیعت کے ہیں۔انہیں یہاں سے جانا بھی برا لگا ہو گا لیکن وہ فی الحال کسی صورت بھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

"میں شرمندہ ہوں بیٹا۔اسے کہنا ہمیں معاف کر دے۔"اسجد صاحب نے کہا۔

"نہیں انکل آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس صورتحال تھوڑی سی سنگین ہو گئی ہے۔ جس میں نا آپ کا قصور ہے اور نا ہی ہمارا۔" وہ بہت معاملہ فہمی سے بات کر رہا تھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"انکل مجھے آپ سے عنایہ کو یونیورسٹی لے کر جانے کی اجازت چاہیے تھی۔" وہ سارے اس وقت لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایاز صاحب تو اس کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔ مجبوراً انہیں عریش کی وجہ سے یہاں بیٹھنا پڑا تھا۔

"سوری بیٹا! لیکن عنایہ اب یونیورسٹی نہیں جا سکتی۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

"اس سے غلطی ہوئی ہے۔ کیا آپ اسے معاف نہیں کر سکتے آپ؟"

وہ اس کی حمایتی بن کر سامنے بیٹھی تھی۔

"میں اسے معاف تو کر سکتا ہوں لیکن یونیورسٹی جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"کیوں نہیں دے سکتے؟" اس نے بہت احترام سے پوچھا۔

"کیونکہ اب یہ سعد کی امانت ہے۔ اگر وہ اجازت دے دے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"سعد کے ساتھ اس کا نکاح نہیں ہوا جو اس کی امانت بن جائے۔ یہ آپ کی بیٹی ہے۔ اس پر ابھی آپ کا ہی حق لیے۔ آپ کو ہی اس کے لیے فیصلہ کرنا ہے۔" اس کی آواز میں تلخی آ گئی تھی۔

"دیکھو بیٹا یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ اس لیے تم اس میں مداخلت مت کرو۔" شہنیلا کو اس کا عنایہ کی حمایت کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"جی آنٹی میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں کہ یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے تو آپ سعد کو کیوں حق دے رہے ہیں کہ وہ اس کے بارے میں فیصلے کرے۔"

"اگر اسے ہماری پرواہ ہوتی تو وہ سب نا کرتی۔"

ایاز صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

"آپ کو اس کی پرواہ تھی؟ آپ کی بیٹی آپ کی نظروں کے سامنے ہی تو تھی کیوں خیال نہیں رکھا اس کا۔ کیوں اسے غیروں کے حوالے کر دیا۔"

"وہ کوئی غیر نہیں بھتیجا ہے میرا۔" لفظ غیر شہنیلا کے دل پر لگا تھا۔

"آپ کا بھتیجا تھا، ان کا نہیں۔" اس نے عنایہ کے بابا کی طرف اشارہ کیا۔

"ایک بار سوچیئے گا ضرور انکل کہ آپ کی بیٹی آپ سے ساری امیدیں توڑ کر کیوں دوسروں سے جوڑ بیٹھی۔ کیوں وہ اتنی بری بن گئی کہ اسے مجرم قرار دیا گیا۔ اگر سعد کی محبت اتنی سچی تھی تو اسے اس لڑکے سے ملنے سے روکتا نا کہ چوری چھپے اس کی تصویریں بنا کر آپ لوگوں تک پہنچاتا۔"

اس کے پیچھے فاصلے پر وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ ایک لڑکی کیسے منٹوں میں اسے آئنیہ دکھا گئی تھی۔ وہ سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

"آپ نے اپنی بیٹی کو آزادی تو دی لیکن اعتبار نہیں دیا۔ مان نہیں دیا۔ ثمن آنٹی کو کتنی اذیت ہوئی ہو گی آپ کے اس رویے پر۔ اس کا بھی اندازہ نہیں ہو گا آپ کو۔" ثمن کے نام پر ایاز صاحب نے تڑپ کر

عریش کو دیکھا جبکہ عنایہ نے ایاز صاحب کو۔ ثمن کے ذکر سے شہنیلا کے تاثرات بدلے تھے لیکن خاموش رہی۔

"ابھی تو میں جا رہی ہوں، لیکن آپ ایک بار ضرور سوچیے گا کہ آج جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں سب سے زیادہ قصور کس کا ہے۔" کہہ کر وہ جانے کے لیے پلٹی پھر عنایہ کو دیکھ کر رک گئی۔

"میں یونیورسٹی میں تمہارا انتظار کروں گی۔" مسکرا کر کہتی وہ وہاں سے جانے لگی لیکن دہلیز پر سعد کو دیکھ کر رک گئی۔

'جب محبت کو ثابت کرنے کا وقت آیا تو آپ پیچھے ہٹ گئے اور یہ ثابت کر دیا کہ آپ کو اس سے محبت نہیں تھی، بس آپ کو مہان بننا تھا۔" تلخی سے کہتی وہ وہاں سے چلی گئی۔ آج اس نے کسی کا لحاظ نہیں کیا تھا۔ وہ وہاں سے ہل بھی نہیں سکا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ پر منجمد ہو گئے تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دروازے پر دستک دیے بغیر پریشان سا اندر داخل ہوا تو ہاشم کو سامنے کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ وہ کھڑکی کے پاس رکھی ونگ چیئر پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں باہر کے منظر پر تھیں لیکن دماغ کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو موسم خراب ہو رہا تھا اب بارش میں تبدیل ہو گیا تھا۔ خراب موسم کی وجہ سے دن کے دو بجے بھی شام جیسا منظر تھا۔

"بھائی آپ ٹھیک ہیں؟" وہ پریشانی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا اس پر جھکا۔ ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس کی آواز کافی تھی بتانے کے لیے کہ وہ کتنا ٹھیک ہے۔

"مجھے بالکل بھی آئیڈیا نہیں تھا کہ وہ کیوں......"

"مجھے بہت برا لگ رہا ہے۔ مجھے اس طرح سے اٹھ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔" ہاشم نے یاور کی بات کو درمیان میں کاٹ دیا۔

"لیکن یہ میرے بس میں نہیں تھا۔ تم ان سے میری طرف سے معافی مانگ لینا مجھ میں ہمت نہیں ہے ان کا سامنا کرنے کی۔" وہ پھر سے باہر کے مناظر دیکھنے لگ گیا۔ یاور سیدھا ہوا اور اسے کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"میں نے مومن سے کہا ہے۔ وہ دیکھ لے گا اور یقیناً آپ کے وہاں سے اٹھ کر چلے آنے کی وجہ بھی بتا دی ہو گی اس نے۔" یاور نے شانے اچکائے۔

"اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، کیا سوچیں گے وہ میرے بارے میں۔"

''آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ آپ کے بارے میں جو بھی سوچیں۔''

''کتنے مان سے آئے تھے وہ لوگ۔اور ہم نے انہیں مایوس کر دیا۔'' وہ اپنی حساسیت کے ہاتھوں مجبور ہو رہا تھا۔

''اب کیا کر سکتے ہیں۔جو ہمارے بس میں نہیں ہے اس کے لیے پریشان ہونے سے کیا ہو سکتا ہے۔''

''میں کچھ سوچ رہا تھا۔''ہاشم نے اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیا۔

''کیا؟''یاور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر تم ان کی بیٹی کا ہاتھ تھام لو تو........''

''ایسا سوچیے گا بھی مت۔''یاور اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔

"آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو۔ شادی تو ویسے بھی تمہیں کرنی ہے۔ اب گھر بیٹھے بٹھائے اگر اچھی لڑکی مل رہی ہے تو کیا برائی ہے۔" وہ وہیں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"بھائی ایسا ناممکن ہے۔ میں کیسے ایک ایسی لڑکی سے شادی کر لوں جسے میں جانتا نہیں۔"

"ہم علیزے کو تو جانتے ہیں۔ کتنی اچھی ہے وہ۔ یقیناً اس کی بہن بھی بالکل اسی کی طرح ہو گی۔"

"آپ مجھے ایسی دلیلوں سے قائل نہیں کر سکتے۔ میں جا رہا ہوں۔" اس نے قدم دروازے کی جانب بڑھا دیئے۔

"کیا تم کسی اور کو پسند کرتے ہو؟" اس کے قدم کسی زنجیر نے جکڑ لیے۔ دو چمکتے ستارے اس کی آنکھوں کے سامنے آئے۔ خود کو نارمل رکھتے ہوئے وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

"آپ کو لگتا ہے میں کسی سے محبت کر سکتا ہوں؟"اس نے ہاشم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں تم انسان نہیں ہو جو تم محبت نہیں کر سکتے۔"ہاشم اٹھ کر اسی کے پاس چلا آیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"وہ سست پڑ گیا۔

"بس پھر ٹھیک ہے۔ہم کل جائیں گے اور ان سے تمہارے لیے ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگیں گے۔اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔"وہ ختمی انداز میں کہتا واپس کرسی کی طرف چلا گیا۔اس کی آنکھوں نے وہ دو چمکتے ستارے بجھتے دیکھے۔اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل بھی بجھ گیا تھا۔وہ جتنا بھی بااختیار بن جاتا لیکن ہاشم سے بڑا نہیں ہو سکتا تھا۔وہ چپ چاپ اس کے روم سے باہر چلا آیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"کیا ہوا تم اتنی اداس کیوں بیٹھی ہو؟" وہ صوفے پر پیر اوپر چڑھائے کھوئی کھوئی سی بیٹھی تھی جب علیزے نے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم بتاؤ تم آفس کیوں نہیں گئی؟" وہ سست انداز میں بول رہی تھی۔

"بس میرا دل نہیں کیا تو نہیں گئی۔" علیزے نے شان بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"تمہاری بات پکی ہوئی ہے، شادی نہیں ہوئی ابھی فرقان کنسٹرکشن کے وارث سے جو تم دل کی سننے لگ گئی ہو۔" وہ سنجیدگی سے کہتی وہاں سے اٹھ آئی۔ علیزے کو اس کا اس طرح اٹھنا بہت برا لگا تھا لیکن پھر خاموشی سے پاس رکھا ناول اٹھا لیا اور پڑھنے لگ گئی۔

"علیزے۔" وہاں کافی دیر خاموشی چھائی رہی جسے فرح کی آواز نے توڑا۔

"ہمم بولو۔" وہ ناول میں مصروف سی بولی۔

"کیا تم نے کوئی ایسا ناول پڑھا ہے جس میں ہیروئن کی شادی ہیرو کے بجائے اس کے بڑے بھائی سے ہو جائے۔" فرح کی بات پر اس نے کتاب سے نظریں ہٹا کر مشکوک نظروں سے فرح کو دیکھا۔ وہ سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے سارے آنسوؤں اس کی کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے۔

"اس کا کیا مطلب ہوا فرح۔" وہ اس کے پاس چلی آئی۔ "کچھ نہیں۔ مجھے نیند آرہی ہے، کچھ دیر آرام کروں گی۔" کہہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔

"ہاں پڑھا تھا میں نے ایک ناول جس میں ایسا ہوا تھا۔ اور پھر جانتی ہو کیا ہوا۔"

"کیا ہوا؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہیرو دوسرے ملک چلا گیا۔ گیارہ سال بعد اسے اپنے بڑے بھائی کی موت کا پتا چلا تو وہ گیارہ سال بعد پاکستان واپس گیا تھا۔ وہاں جا کر اسے پتا چلا یہ ایک کار ایکسیڈنٹ تھا جس میں اس کی ہیروئن تو بچ گئی لیکن بھائی چلا گیا۔"

"پھر کیا ہوا۔" فرح متجسس سی سن رہی تھی۔

"پھر کیا ہونا تھا۔ ہیرو اپنے مرحوم بھائی کی ساری جائیداد اس کے بیوی بچوں کے حوالے کر کے پھر بیرون ملک چلا گیا۔"

"اس کے بچے بھی تھے؟" فرح کو حیرت ہوئی۔

"یار گیارہ سال ہو گئے تھے ان کی شادی کو۔ بچے کیسے نہیں ہوتے؟"

علیزے نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

"ہمم۔ دکھ ہوا سن کر۔" وہ پھر سے واپس لیٹ گئی۔

"آگے نہیں پوچھو گی کیا ہوا تھا؟"

"آگے بھی کچھ ہوا تھا؟"

"آگے ہی تو سب کچھ ہے۔ تم جانتی ہو بھائی کی وفات کے پانچ سال بعد وہ پھر واپس آگیا تھا۔"

"اب کیوں واپس آیا وہ۔" فرح کو اس کا واپس آنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"اپنی ہیروئن کو اپنا بنانے آیا تھا۔"

"ایسے کیسے؟ کیا وہ مان گئی تھی؟" فرح کو حیرت ہوئی۔

"وہ وہاں پر اکیلی تھی، اسے ایک سرپرست چاہیے تھا۔ اور پھر سرپرست دیکھو کون تھا۔ وہ جس سے وہ محبت کرتی تھی۔ انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی۔"

"پھر ان کی شادی ہو گئی؟"

"شدی بھی ہو گئی اور شادی کے ایک سال بعد بیٹا بھی پیدا ہو گیا۔ اور پھر وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔" وہ علیزے کے تاثرات کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ کہانی ختم ہوتے ہی اس نے علیزے کو گھورا۔

"ویسے تمہیں نا ایک رائٹر ہونا چاہیے۔ بہت اچھی کہانی بنا لیتی ہو تم۔" فرح نے دانت پیستے ہوئے کہا تو علیزے نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا میں نے خود سے بنائی ہے؟"

"تمہیں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں۔ اور یہ تو بالکل نہیں بتاؤں گی کہ مجھے کیسے پتا چلا۔ میں اس بات کو راز رکھوں گی تاکہ دوبارہ تم اگر مجھے کوئی کہانی سناؤ تو پکڑی جاؤ۔" فرح بڑے فخر سے کہہ رہی تھی۔

"ماننا پڑے گا ویسے۔ کہانی اچھی بنا لیتی ہوں میں۔" اپنی کہانی پہ وہ خود ہی ہنس پڑی تھی اور فرح کو بھی ہنسا دیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ پریئر روم سے باہر آئی تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو چند ایک سٹوڈنٹ نظر آئے جو بارش کو بھرپور انجوائے کر رہے تھے۔ اس کی نظروں نے اسے تلاشنا چاہا لیکن وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ خاموشی سے مین گیٹ کی طرف چل دی۔ آج اس نے کوئی لیکچر نہیں لیا اور نا ہی لینے کا ارادہ تھا۔
وہ باہر آئی تو اپنی گاڑی کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ تبھی اس کے بالکل عین سامنے ایک گاڑی آ کر رکی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا تو وہ اندر بیٹھے وجود کو دیکھ سکی۔ اس نے فوراً پہچان بھی لیا لیکن بولی کچھ نہیں۔

"اندر بیٹھو۔" وہ سارہ آفندی تھی۔ شان سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئیں۔ وہ خاموشی سے سائیڈ پر ہو گئی۔

"تمہیں سنائی نہیں دے رہا کیا؟" اب انہوں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاسکتی۔ آپ کو جو بات کرنی ہے یہیں بول دیں۔" وہ بن بتائے جا کر پہلے بھی یاور کی ناراضگی مول لے چکی تھی۔ وہ اب پھر سے وہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تو کیا یہاں بارش میں کھڑے ہو کر بات کروں۔ دیکھو تم سر سے پیر تک بھیگ گئی ہو لیکن میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" دفعتاً اس کی گاڑی بھی وہاں آگئی۔ جس میں سے ڈرائیور نکل کر باہر آیا۔

"میم آپ یہاں بارش میں کیوں بھیگ رہی ہیں، مجھے فون کر کے بلا لیتیں۔" وہ ڈرا ہوا بول رہا تھا۔

"نہیں آپ جائیں۔اور بھائی کو بتا دیجیے کا میں اپنی دوست کے گھر ہوں۔"ڈرائیور کو کہہ کر وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔سارہ آفندی مسکرا کر گاڑی زن سے آگے لے گئیں جبکہ ڈرائیور وہیں کھڑا دیکھتا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گاڑی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے آکر رکی۔جس میں سے وہ بہت غصے سے باہر نکلا تھا۔اور اسی غصے کے ساتھ دروازہ عبور کرتا اندر چلا گیا۔

"سیورینہ۔"وہ بہت زور سے چلایا تھا تبھی وہ ایک روم سے نکل کر باہر آئی۔

"ارے دیکھو تو کون آیا ہے۔تمہیں ایسی کیا چیز میرے تک کھینچ لائی ہے جنگکوک۔"وہ اک ادا سا جنگکوک کی طرف آرہی تھی۔

"اپنی بکواس بند کرو اور مجھے یہ بتاؤ تم نے ماریہ کو کیا کہا ہے۔ کیا بکواس کی ہے تم نے میرے خلاف؟" غصے سے اس کے کی رگیں واضح ہو رہی تھیں۔

"کون ماریہ۔ نا میں کسی ماریہ کو جانتی ہوں اور نا تم۔ یہاں پر بس میں ہوں اور تم ہو۔ اور کوئی نہیں۔" اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر وہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے غصے سے لب بھینچے اور پوری قوت سے اسے پیچھے دھکا دیا۔ وہ بری طرح صوفے پر گری۔

"دور رہو مجھ سے اور بتاؤ کس کے کہنے پر تم نے یہ بکواس کی ہے۔" وہ خاموش رہی تو جنگلوک کڑے تیوروں سے اس کی طرف بڑا۔ اسے ایک پل کے لیے جنگلوک سے خوف آیا۔ اس کی نظروں سے خوف آیا۔ وہ سمٹ کر صوفے پہ پیچھے ہوئی۔

"سارہ آنی نے۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور جنگلو ک جہاں تھا وہیں رک گیا۔ بالکل کسی مجسمے کی طرح۔

OOOOOOOOOOOOOOOOO

وہ نہیں جانتا تھا وہ گھر کیسے آیا، اپنے روم تک کیسے پہنچا اور اسے یہ گولیاں کہاں سے ملی۔ لیکن وہ بہت ساری مقدار میں اپنے ہاتھ میں سلیپنگ پلز لیے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ساون جھڑی لگی ہوئی تھی اور کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا بس ایک بے یقینی کی کیفیت تھی۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا۔ دماغ ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ سیورینہ کے الفاظ اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور ساری گولیاں ایک ساتھ ہی نگل گیا۔ گولیاں کھا

لینے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور پھر اس کا چہرہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

"کاش میں وہاں پہلے ہی آجاتا تو یہ سب نا ہونے دیتا۔ اب وہ نفرت کریں گی مجھ سے۔" کچھ ہی دیر میں اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے اٹھ کر باہر جانے کی کوشش کی اور بری طرح لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ پھر نا اس میں اٹھنے کی سکت رہی نا کچھ بولنے کی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ گہری نیند میں سو رہی تھی لیکن پھر ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس کا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ اتنے ٹھنڈے موسم میں بھی گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور گھٹا گھٹ پی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گاڑی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے آ کر رکی۔ اس گھر کی دیواریں کالے رنگ کی تھیں لیکن ان میں چمک تھی۔ اور کچھ ڈرا دینے والا منظر بھی تھا۔ اس نے گھر کا جائزہ لینے کے بعد سارہ آفندی کو دیکھا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں؟" سارہ آفندی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس کے سوال پر وہ ایک ابرو اٹھا کر مسکرائیں۔

"اندر چلو پھر بتاتی ہوں تمہیں یہاں کیوں لائی ہوں۔" کہتے ساتھ ہی وہ گاڑی سے نیچے اتر آئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی باہر آ گئی۔ گھر کے دروازے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔ اپنے بیگ سے چابی نکالتے ہوئے وہ آگے بڑھیں اور تالا کھولنے لگیں۔ ماریہ ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے یہاں خوف سا محسوس

ہوا۔ دور دور تک کوئی اور گھر نہیں تھا اور نا ہی کوئی بشر۔ اس کا گلا خشک ہونے لگا۔

"اندر آجاؤ۔" سارہ بیگم اندر جا چکی تھیں جبکہ وہ وہیں کھڑی کوئی انسان ڈھونڈ رہی تھی تاکہ وہ کہہ سکے کہ وہ کسی ویرانے میں نہیں آئی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اسے خود کو مظبوط کرنا پڑا۔ وہ بمشکل قدم اٹھاتی اندر چلی آئی۔ پیچھے سے انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ اس نے سہم کر پیچھے دیکھا تو وہ سینے پہ بازو رکھے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے سارہ آفندی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر گھر کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا۔ وہاں مختلف قسم کی پینٹنگز تھیں۔ خوبصورت، بہت خوبصورت، ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھی۔ وہ سب پر طائرانہ نظر ڈالتی ہوئی ایک دم ڈر گئی۔ وہ دو قدم پیچھے

ہوئی۔ سامنے دیوار پر ایک بہت بڑی مکڑی تھی۔ اسے لگا وہ مکڑی جیسے اسے ہی دیکھ رہی ہو۔

"کیا ہوا؟ مکڑی ہے کوئی بھوت تو نہیں جو تم اتنا ڈر رہی ہو۔" وہ اس کے برابر میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

"م...... مجھے یہاں گھٹن ہو رہی ہے۔ کیا ہم کہیں اور بات نہیں کر سکتے۔" اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ اسے خوف کی وجہ سے پسینہ آ رہا تھا۔

"مجھے جب بھی کسی سے کوئی بہت ضروری بات کرنی ہوتی ہے میں اسے یہی لاتی ہوں۔ تاکہ سب سے پہلے اس کے اندر کا خوف ختم ہو۔ تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" وہ بہت اپنائیت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"اچھا تم نے یہ نہیں پوچھا یہ پینٹنگ کس کی ہیں۔" انہوں نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا دیا اور اب ان کا رخ دیوار پر لگی پینٹنگز کی طرف تھا۔

"کس کی ہیں؟" اسے تجسس ہوا تھا اور شک بھی۔ وہ جانتی تھی وہ کس کا نام لیں گی۔ وہ اس سے خفا ہی صحیح لیکن اس کا پینٹنگز سے لگاؤ ماریہ کو بہت پسند آیا تھا۔

"گل رعنا کی۔" ایک پل کے لیے اس کا سانس رکا۔ اسے لگا تھا وہ جنگلوک کا نام لیں گی لیکن انہوں نے جس کا نام لیا تھا وہ اس کی ماں تھی۔ وہ اس کی ماں کو کیسے جانتی تھیں۔

"وہ کون ہے؟" اس نے خود کو یقین دلایا کہ ضروری نہیں کہ یہ نام صرف اس کی ماں کا ہی ہو۔

"تمہیں گل رعنا کا نہیں پتا۔ یعنی تمہیں اپنی ماں کا نہیں پتا۔" وہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے بے چینی سے پہلے سارہ کو دیکھا اور پھر دیوار پہ لگی پینٹنگز کو۔

"ماما۔" وہ تڑپ کر ایک پینٹنگ کے قریب آئی جس میں لڑکا لڑکی ایک سمندر کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی نے لڑکے کے کندھے پر سر رکھا ہوا تھا۔ پینٹنگ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ زخمی سا مسکرا رہی تھی۔ پھر کسی خیال کے تحت اس نے مڑ کر سارہ آفندی کو دیکھا۔

"پ میری ماما کو کیسے جانتی ہیں؟" اس کے سوال پر وہ استہزایہ مسکرائیں۔

"چلو وہاں آؤ۔ بیٹھتے ہیں اور پھر سب بتاتی ہوں۔" کہتے ساتھ ہی وہ وہاں رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اس نے ایک نظر ان پینٹنگز کو

دیکھا اور پھر ان کے سامنے رکھی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ ان دونوں کے درمیان ایک میز کا فاصلہ تھا۔

"تم نے پوچھا کہ میں تمہاری ماما کو کیسے جانتی ہوں۔ اب اگر تم نے یہ سوال پوچھا ہے تو اس کا جواب سننے کی بھی ہمت پیدا کر لو۔" ان کی بات سن کر ماریہ کا دل ایک پل کے لیے بہت زور سے دھڑکا تھا۔ ایسا کیا تھا جو وہ نہیں جانتی تھی۔ کیا اس کی ماں کا کوئی ماضی تھا۔

"میں اور تمہارے بابا ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ میں بہت پسند کرتی تھی اسے لیکن اس نے کبھی میری طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔ ہم اچھے دوست تھے لیکن اس سے بڑھ کر وہ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ میں اس کے لیے اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار تھی جیسے تمہارے لیے جنگکوک تیار بیٹھا ہے۔" جنگکوک کا نام وہ یہاں سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"خیر میں یہاں ہمارے ماضی کی بات کر رہی ہوں تو جنگکوک کے بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ پھر وقت گزرتا گیا اور فرقان بھی زندگی میں آگے بڑھ گیا اور میں اس کا انتظار کرتی رہی۔ سیمون یعنی جنگکوک کے ڈیڈ میری پھوپھو کے بیٹے تھے اور تمہاری ماں سیمون کی بہن تھی۔" یہ ایک ایسا راز تھا جس سے پردہ اٹھتے ہی بہت کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا لیکن وہ پھر بھی خاموشی سے سنتی رہی۔ اس بات نے اسے شاکڈ کر دیا تھا لیکن وہ مزید کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

"سیمون اور فرقان بزنس پارٹنر تھے۔ ایک دفعہ فرقان کا سیمون انڈسٹری میں جانا ہوا۔ چاشیہ بھی وہاں کام کرتی تھی۔" اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی ماں غیر مسلم تھی اور چاشیہ بھی وہی ہوں گی۔

"وہ فرقان کو پہلی نظر میں ہی بھا گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے چاشیہ کو بھی اپنی محبت میں گرفتار کر لیا۔ جب سیمون کی فیملی کو پتا چلا تو وہ کافی برہم ہوئے۔ یہ بات آہستہ آہستہ پوری فیملی میں پھیل گئی۔ جب مجھے پتا چلا تو بہت دکھ ہوا لیکن میں خاموش رہی۔ چاشیہ نے فرقان سے شادی کی ضد نہیں چھوڑی تو سب نے سیمون کو فرقان کے ساتھ دوستی ختم کرنے کو کہا۔ ان دونوں کی دوستی بھی ختم ہو گئی لیکن فرقان اور چاشیہ کی محبت ختم نہیں ہوئی۔ وہ اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر چلی گئی اور تم تو جانتی ہو کہ یہاں لو میرج کو امپورٹنس دی جاتی ہے۔ کسی نے اسے نہیں روکا لیکن اس کے ساتھ اپنے سارے تعلقات ختم کر لیے۔ ان سب میں اگر دل ٹوٹا تھا تو وہ میرا تھا۔ وہ چلی گئی تھی۔ اور اپنے پیچھے تمام کشتیاں جلا کر گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے اسلام قبول کیا اور پھر ان دونوں کا نکاح ہوا۔

فرقان کی یہ بات بہت اچھی تھی کہ وہ وفادار تھا۔ مجھے دکھ ہوا۔ لیکن جب اس کا دل میری طرف مائل ہی نہیں ہوا تو میں کیسے اس کے لیے رسک لیتی۔" وہ دیکھ سکتی تھی اس کے بابا کے نام پر سارہ آفندی کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔ لیکن وہ انہیں صاف نہیں کر سکی کیونکہ جو باتیں اسے پتا چلی تھیں وہ ان کی وجہ سے شاکڈ تھی۔

"جب تمہیں میں نے پہلی دفعہ دیکھا تو ایک پل میں پہچان گئی کہ تم چاشیہ کی بیٹی ہو۔ معمولی شکل وصورت والی۔ لیکن قسمت تم دونوں کی ایک جیسی ہی ہے۔ دونوں کو اتنا پیار کرنے والا انسان مل گیا۔"

اس نے سرسری سی نگاہ اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی اس عورت کو دیکھا جو کچھ عرصہ پہلے اس کے لیے انجان تھی اور اب اس کی قریبی رشتے دار نکل آئی تھی۔

"آپ یہ سب بتانے کے لیے مجھے یہاں لائی تھیں؟" اس ساری بات کے جواب میں اس کا یہ سوال پوچھنا سارہ کو بہت عجیب لگا تھا۔

"نہیں! تمہیں یہاں لانے کا مقصد کچھ اور تھا۔" وہ اصل بات کی طرف آئیں۔

"کیا چاہتی ہیں آپ مجھ سے؟"

"یہی کہ تم جنگگوک سے دور رہو۔"

"میں آلریڈی اس سے دور ہوں۔"

"پھر وہ تمہاری محبت میں اتنا دیوانہ کیسے ہو گیا کہ اپنا مذہب تک چھوڑنے کے لیے تیار ہے۔"

"اس نے میرے کردار کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ وہ چاہے اپنا مذہب بدلے یا آسمان سے تارے توڑے، مجھے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے سرد مہری سے کیا۔

"اس لڑکی نے یہ سب کچھ میرے کہنے پہ کیا تھا تاکہ تم جنگکوک سے دور رہو۔" سارہ کی بات پر اس نے شاکڈ ہو کر انہیں دیکھا۔

"تو کیا یہ بات بھی اس لڑکی نے آپ کے کہنے پر کہی تھی کہ میں آپ کے بیٹے کے ساتھ ڈیٹ پر جاتی ہوں؟"

"ہاں یہ سب کچھ بھی میں نے اسے کہنے کے لیے کہا تھا۔" اسے دکھ ہوا تھا۔

"اور الزام اپنے بیٹے پر لگوا دیا۔ کیسی ماں ہیں آپ۔" وہ جنگکوک کو تھپڑ مار کر آئی تھی محض ایک غلط فہمی کی وجہ سے اور اب یہ حقیقت کھلنے پر وہ پچھتا رہی تھی۔

"میں نے اس پر الزام نہیں لگایا۔ماں ہوں میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔"

"پھر آپ کچھ نہیں جانتی۔ آپ نہیں جانتیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا کیا ہے۔ آپ کو تو جتنی جلدی ہو سکے گھر جانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا بیٹا یہ دکھ برداشت نا کر سکے جو اسے اس کی ماں کی وجہ سے ملا ہے۔" سارہ نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟"

"ماں کی طرف سے ملنے والا دکھ واحد ایسا دکھ ہوتا ہے جسے اولاد برداشت نہیں کر پاتی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں دکھ تھا، پریشانی تھی، گلٹ تھا۔ وہ آنکھوں میں بے یقینی لیے ماریہ کو دیکھ رہی تھیں۔ اب وہاں سکوت تھا، ایک لمبا سکوت۔

سارہ آفندی نے اسے کتنا سچ بتایا تھا اور کتنا چھپایا تھا وہ نہیں جانتی تھی لیکن جو سچ اسے پتا چلا تھا اس نے اسے کافی دکھ دیا تھا۔

جنگکوک کوئی غیر نہیں اس کا کزن تھا۔اس کی آنکھوں نے پل بھر کے لیے وہ منظر دیکھا جب وہ جنگکوک کا گریبان پکڑے کھڑی تھی۔ پھر اسے تھپڑ مارا۔اور وہ آنکھوں میں بے یقینی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چلو چلتے ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکیں۔وہ بھی خاموشی سے اپنا نقاب ٹھیک کرتی ان کے پیچھے ہی چل دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تم میری ماں کا نام کیسے لے سکتی ہو؟ جھوٹ بول رہی ہو تم۔" وہ چلایا تھا۔

"میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے،اور نا ہی تمہاری مما ثبوت چھوڑتی ہیں۔ لیکن یہ سچ ہے وہ ماریہ کو تم سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔" وہ جنگکوک کے ری ایکشن سے ڈر رہی تھی لیکن اسے اپنا دامن بھی بچانا تھا۔

"وہ کیوں کریں گی ایسا۔ ماں ہے وہ میری دشمن نہیں ہے۔" اب اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کیا تمہاری ماں نے تمہیں کہا ہے کہ وہ تمہیں تمہاری چاہت دے دیں گی یا کوئی اور وعدہ؟ انہوں نے ماریہ کو ریجیکٹ کیا ہے نا تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے۔" وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا لب بھینچ گیا تھا۔

"انہوں نے مجھے کہا کہ میں اسے یہ ساری باتیں کہوں تا کہ وہ خود ہی تم سے دور ہو جائے اور انہیں کچھ کرنا بھی نا پڑے۔" وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا اپنے قدم پیچھے لے کر جا رہا تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہو تم...... تم جھوٹی ہو...۔" وہ قدم پیچھے لے کر جا رہا تھا۔

"اگر یہ جھوٹ ہوا تو میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لوں گا۔ سمجھی تم۔" وہ بہت تیزی سے اس کی طرف آیا اور اس کے کندھوں کو جھنجھوڑا۔

"بھلا میری کیا دشمنی ہے اس سے جو میں جھوٹ بولوں گی۔ کل تک تو میں اس لڑکی کو جانتی بھی نہیں تھی۔" وہ خاموش رہا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ سڑک پر بے مقصد ادھر ادھر گاڑی دوڑاتا رہا لیکن رات سے پہلے گھر نہیں گیا۔ جب وہ گھر آیا تو سارہ اسے سامنے ہی مل گئیں۔ وہ موبائل پر بار بار جنگلوک کو فون کر رہی تھیں۔ اب اسے سامنے دیکھ کر جیسے ان کی جان میں جان آئی لیکن اس کی حالت نے انہیں پریشان کیا۔ اس کا حلیہ بکھرا ہوا تھا۔

"جنگکوک یہ کیا حال بنایا ہوا ہے تم نے اپنا بیٹا۔ کہاں تھے تم؟" وہ پریشان سی اس کے قریب آئیں۔

"کیا سیورینہ نے یہ سب کچھ آپ کے کہنے پہ کیا ہے؟" سارہ کے سوال کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے الٹا سوال کیا۔

"کیا سب؟" وہ نظریں چرا گئیں۔

"آپ انجان بن رہی ہیں لیکن.... لیکن آپ کی یہ جھکی ہوئی نگاہیں ساری حقیقت واضح کر رہی ہیں ماما۔ کیوں کیا آپ نے یہ سب کچھ؟" وہ بے بس سا ان کے سامنے کمزور پڑ رہا تھا۔

"تمہاری بھلائی کے لیے کیا تھا۔" اسے لگا تھا کہ اس کی ماں انکار کر دے گی۔ لیکن وہ تو اقرار کر رہیں تھی۔ ان کے اس اقرار نے جنگکوک کو توڑ دیا تھا۔ وہ اپنی ماں سے دو قدم دور ہوا۔ کچھ بھی بولنے کی حالت میں وہ نہیں تھا۔

"جنگکوک میری بات سنو۔" سارہ آفندی نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ سنے بغیر ہی اپنے روم میں چلا گیا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ گھر کیسے آیا، اپنے روم تک کیسے پہنچا اور یہ گولیاں کہاں سے ملیں۔ وہ بہت ساری مقدار میں اپنے ہاتھ میں سلیپنگ پلز لیے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ساون جھڑی لگی ہوئی تھی اور کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا بس بے یقینی کی کیفیت تھی۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا۔ دماغ ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ سیورینہ کے الفاظ اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کی اور ساری گولیاں ایک ساتھ نگل گیا۔ پلز کھا لینے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور ماریہ کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

"کاش میں وہاں پہلے ہی آجاتا تو یہ سب نا ہونے دیتا، اب وہ نفرت کرے گی مجھ سے۔ کچھ ہی دیر میں اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے اٹھ کر باہر جانے کی کوشش کی اور بری طرح لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ پھر اس میں نا اٹھنے کی سکت رہی نا بولنے کی۔ آخری جملہ اس کے کانوں میں اس کا ماں کو گونجا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

"ویسے مجھے یقین نہیں آرہا کہ ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ مطلب ایسے لوگ تو وہ لگتے نہیں ہیں۔" علیزے ابھی بھی اسے سوچ سے باہر نہیں آرہی تھی کہ ان لوگوں نے اس کے والدین کو انکار کیا ہے اور یہ بات وہ کتنی دفعہ فرح کو کہہ چکی تھی۔

"تم نے سنا نا بابا کہہ رہے تھے وہ آلریڈی میرڈ تھا اور پھر اس کی طلاق ہو گئی تو اس لیے وہ ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہے۔" فرح اس کے سوال سے اکتا گئی تھی۔

"لیکن فرح.........۔"

"پلیز علیزے! کیا تم چپ کر جاؤ گی۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔

"تمہیں دکھ نہیں ہو رہا۔"

"مجھے کیوں دکھ ہو گا علیزے۔ انفیکٹ میں اسے جانتی نہیں تھی اور نا ہی میری کوئی دلی وابستگی تھی، اس لیے میں ایسا نہیں سوچ رہی۔"

"ان کی وجہ سے ہمارے والدین کی انسلٹ......۔"

"فار گاڈ سیک علیزے۔" فرح نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ذرا سی شرمندہ ہو گئی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی کتابیں پڑھتی ہو لیکن سوچ وہی سو کالڈ۔یو نو واٹ مجھ پر ایک حقیقت کھل چکی ہے۔یہ کتابیں جو ہیں نا یہ سب لوگوں کی سوچ نہیں بدل سکتیں۔یہ ساری باتیں کتابوں میں تو اچھی لگتی ہیں لیکن جب ہم لوگوں کو یہی کام حقیقت میں کرنا ہو تو ہم کبھی نہیں کرتے۔"فرح کی بات پہ وہ فوراً سرخ ہوگئی۔

"میں تمہارا احساس........۔"

"پلیز تم میرا احساس مت کرو۔"فرح نے جارحانہ انداز میں اس کی بات کاٹی۔علیزے بالکل رونے کے قریب ہوگئی تھی۔پہلے تو فرح لب بھینچے اسے دیکھتی رہی اور پھر دوسری سائڈ پر کروٹ لے کر لیٹ گئی۔علیزے نے بھی دوبارہ اسے کچھ نہیں کہا اور اس کی طرف پشت کر کے لیٹ گئی۔آج مشکل تھا کہ ان دونوں کو سکون کی نیند آ جائے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"سر۔ سر کیا ہوا آپ کو؟"

ملازم اسے کھانے کے لیے بلانے آیا تھا۔ اس نے دو تین دفعہ دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اندر سے کوئی جواب نا پا کر وہ سیدھا اندر آ گیا۔ اسے جنگکوک فرش پر اوندھے منہ گرا ہوا نظر آیا تو وہ اسی کے پاس نیچے زمین پر بیٹھ کر اس کا کندھا ہلانے لگا۔ جب وہ نہیں اٹھا تو وہ بھاگتا ہوا باہر آیا۔

"سر وہ چھوٹے صاحب کو کچھ ہو گیا ہے۔ وہ زمین پر گرے ہوئے ہیں اور کچھ بول نہیں رہے۔" سارہ آفندی اور سیمون آفندی حواس باختہ ہو کر اس کے روم کی طرف بھاگے۔

"جنگکوک اٹھو کیا ہوا تمہیں۔" سارہ اس کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئیں جبکہ سیمون نے فوری طور پر ایمبولینس کو کال کی۔ سارہ اس کا

سر گود میں لیے اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں اور ساتھ ساتھ رو بھی رہی تھیں۔

"ڈاکٹر کیا ہوا ہے میرے بیٹے کو، وہ ٹھیک تو ہے نا؟"

وہ دونوں کب سے ہاسپٹل کے کوریڈور میں بے چین ہو کر ادھر سے ادھر گھوم رہے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد ڈاکٹر باہر آیا تو وہ دونوں اس کی طرف لپکے۔

"آپ کے بیٹے نے سوسائیڈ اٹیمپٹ کی ہے اور یہ سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے۔"

ڈاکٹر کے کہنے پر وہ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"لیکن ہم نے آپ کے بیٹے کا معدہ صاف کر دیا ہے اور اب وہ خطرے سے باہر ہے۔" ان دونوں کے چہرے پر پر سکون سی مسکراہٹ آئی۔

"ہم اسے گھر کب تک لے کر جا سکتے ہیں؟" سیمون آفندی نے پوچھا۔

"پولیس کی انویسٹیگیشن کے بعد آپ جب چاہے لے جا سکتے ہیں۔"

"کیا پولیس کی انویسٹیگیشن ضروری ہے؟"

" بالکل ضروری ہے۔ یہ کوئی حادثہ تو تھا نہیں۔ جان بوجھ کر خود کو مارنے کی کوشش تھی۔ اس لیے آپ لوگ انتظار کریں۔" ڈاکٹر کہہ کر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

سیمون آفندی نے پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"یہی دن رہ گیا تھا دیکھنے کو۔ نکمی اولاد اب ہمیں پولیس کے ہاتھوں ذلیل کروائے گی۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ بہت پر سکون ہو کر سو رہی تھی جب اسے اپنے چہرے پر نرم سا لمس محسوس ہوا۔ ایک ایسا لمس جسے وہ جانتی نہیں تھی لیکن پھر بھی شناسا سا لگا۔ اس نے ہڑبڑا کر اپنی آنکھیں کھولیں تو دھنگ رہ گئی۔

"ماما۔" گل رعنا بالکل اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ سفید کپڑے پہنے اور سر کو مکمل طور پر کور کیا ہوا تھا۔ ان کا چہرہ روشن تھا، چاند سے بھی زیادہ روشن۔ اس نے آج تک اتنا منور چہرہ کسی کا نہیں دیکھا تھا جتنا وہ اپنی ماں کا دیکھ رہی تھی۔ وہ بے یقینی کی کیفیت میں بس انہیں دیکھتی جا رہی تھی۔

"تم اتنی اداس کیوں ہو میری جان۔" گل رعنا نے بائیں ہاتھ سے اسکا دایاں ہاتھ پکڑا اور دایاں ہاتھ اس کے چہرے پر نرمی سے رکھا۔

"ماما آپ کہاں چلی گئی ہیں مجھے چھوڑ کر مجھے بہت یاد آتی ہے آپ کی۔ میں کبھی آپ کی موجودگی سے واقف نہیں رہی لیکن آپ کی غیر موجودگی مجھے چبھتی ہے۔" اب وہ رو رہی تھی۔ گل رعنا نے مسکرا کر اسے اپنے سینے کے ساتھ لگایا۔ ان کے وجود سے اٹھنے والی خوشبو اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔

آج سے پہلے اس نے کہیں بھی ایسی خوشبو محسوس نہیں کی تھی جو اس کی ماں کے وجود سے آ رہی تھی۔ اس کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔

"کیا آپ جنت سے آئی ہیں ماما؟" وہ پوچھے بغیر رہ نا سکی تو ماں مسکرا دیں۔

"ہاں میں وہیں سے آئی ہوں مجھے پتا چلا کہ میری بیٹی اداس ہے تو میں

چلی آئی۔" ان کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ اسے اپنے سارے زخم

بھرتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"کیا جنتیوں کے پاس سے اتنی اچھی خوشبو آتی ہے؟" وہ بس ان کا

چہرہ تکے جا رہی تھی۔

" بالکل۔ جنتیوں کے پاس سے ایسی ہی خوشبو آتی ہے۔"

"مجھے بھی یہ خوشبو چاہیے ماما۔ مجھے بھی اپنے ساتھ جنت میں لے

جائیں۔" اس نے ماں کے ہاتھ پر دباؤ ڈالا۔

"اس خوشبو کے لیے جنت میں جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ خوشبو

تمہیں دنیا میں بھی مل سکتی ہے۔" اس نے استعجاب سے اپنی ماں کو

دیکھا۔

"وہ کیسے؟"

"خود کو برائی سے محفوظ رکھ کر۔ بے حیائی سے بچ کر۔ حیا کی چادر اوڑھ کر۔ تم اس خوشبو کو پا سکتی ہے بیٹا۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ وہ کتنی دیر تک خاموش ہی رہی۔

"میری بیٹی رو کیوں رہی ہے؟ جبکہ آپ کی ماما تو بہت بہادر ہیں۔" انہوں نے خاموشی کو توڑا۔

"میں آپ کی طرح بہادر نہیں ہوں ماما۔ میں ہار رہی ہوں۔ یہ دنیا مجھے ہرا رہی ہے۔ بہت کمزور ہے آپ کی بیٹی۔"

"میری بیٹی کمزور نہیں ہے، بہت بہادر ہے اور اس دنیا کا سامنا بھی اسی بہادری سے کرنا ہے تمہیں۔" ماں نے اسے خود سے علیحدہ کیا اور پھر اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔ ان کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ وہ اسی مسکراہٹ میں کھو گئی تھی۔

"وہ جو تمہاری زندگی میں آیا ہے نا، اسے کھونا نہیں۔ وہ کیا ہے یہ تمہیں وقت آنے پر پتا چل جائے گا۔ لیکن اسے کھونا نہیں۔ جب وہ تمہارے لئے ہاتھ بڑھانے تو اسے تھام لینا۔ لیکن اسے کھونا نہیں۔ اسے کھونا نہیں۔ اسے کھونا نہیں۔" وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اور وہ ایک لفظ بھی بول نہیں پائی۔

"ماما پھر سے تو چھوڑ کر نا جائیں۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اتنے ٹھنڈے موسم میں بھی گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور گھٹا گھٹ پی گئی۔ وہ ابھی تک اپنے کمرے میں اس وجود کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر، ہاتھوں پر ابھی تک وہ نرم سا لمس تھا۔ ایک پل کے لیے اسے محسوس ہوا وہ کانپ رہی ہے۔ وہ سونا چاہتی تھی لیکن اس سے سویا نہیں گیا۔ اس

نے وقت دیکھا تو تہجد کا وقت ہو رہا تھا۔اس کے ذہن میں مسلسل اپنی ماں کے آخری الفاظ گونج رہے تھے۔

"اسے کھونا نہیں۔"

"تو کیا یہ کوئی اشارہ ہے۔"

"کیا چاہتی ہیں آپ مجھ سے۔"

"یہی کہ تم جنگلوک سے دور رہو۔"اسے اپنے اور سارہ کے درمیان ہونے والے چند جملے یاد آئے۔

"اسے کھونا نہیں۔"اس کی ماں جاتے ہوئے بھی اسے یہی کہہ رہی تھی۔وہ ان سوچوں کو جھٹکتے ہوئے واشروم میں چلی گئی۔چینج وغیرہ کر کے اس نے نماز پڑھی۔

وہ جائے نماز سے اٹھنے پہلے یہ طے کر چکی تھی کہ اسے اپنی ماں کی بات ماننی ہے۔کیسے بھی حالات ہو جائیں۔اب اسے بہت مظبوط رہنا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دوسرے دن یونی گئی تو اسے جنگکوک کہیں نظر نہیں آیا۔ لیکن لیو اور چینگ من نظر آ گئے۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی ان کے پاس چلی آئی۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر

حیران ہوئے بغیر نا رہ سکے۔

"مجھے جنگکوک سے بات کرنی تھی وہ کہاں ہے؟"

"تم نے تو اسے اپنی زندگی سے نکال دیا ہے اب کیوں پوچھ رہی ہو اس کا؟" چینگ من نے سرد مہری سے اسے کل والا واقعہ یاد دلانے کی کوشش کی جسے وہ خود ہی نہیں بھلا سکی تھی۔

"جنگکوک نے اپنی جان لینے کی کوشش کی ہے اور اس وجہ سے وہ ہاسپٹل میں ہے۔" لیو نے چینگ کو پیچھے کر کے اسے بتایا۔ وہ لیو کی بات پر شاکڈ ہوئی۔

"اب کیسا ہے وہ؟" اسے خود نہیں پتا تھا کہ اس نے ان دونوں سے یہ کیوں پوچھا۔

"اب وہ ٹھیک ہے لیکن پولیس کی انویسٹیگیشن کے بغیر وہ گھر نہیں آسکتا۔" لیو نے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی آئی۔

اسے رونا آرہا تھا لیکن وہ روئی نہیں کیونکہ وہ بہادر تھی۔ ایسا اس کی ماں نے اسے کہا تھا اور اس کی ماں نے پہلی بار اسے کچھ کہا تھا وہ کیسے انکار کرتی۔ وہ جانتی تھی یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ اس کی ماں سچ میں اس کے پاس آئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنے آفس میں بیٹھا فائلوں کے ساتھ الجھا ہوا تھا جب ہاشم دروازہ ناک کر کے اس کے روم میں چلا آیا۔

"بھائی آپ۔ کوئی کام تھا۔" وہ اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔

"ہاں بہت ضروری کام تھا۔" ہاشم نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ یاور بھی نا سمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"کیسا کام؟"

"ویسے تو میں گھر کی باتیں آفس میں کرنا پسند نہیں کرتا لیکن یہ بہت ضروری ہے۔" وہ جیسے تمہید باندھ رہا تھا۔ آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں، میں سمجھا نہیں۔" ہاشم کو لگا وہ انجان بن رہا ہے اور یہی سچ تھا۔

"اس رشتے کے بارے میں۔"

"میں آپ کو انکار کر چکا ہوں۔"

"مجھے تمہارا اقرار چاہیے۔" ہاشم بضد تھا۔

"آپ کو قربانی کے لیے میں ہی ملا ہوں؟" یاور کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔

"میں انہیں فون کر دیتا ہوں کہ ہم کل کسی خاص مقصد سے آرہے ہیں۔" ہاشم نے حتمی انداز میں کہا تو وہ تلملا کر رہ گیا۔

"جب آپ نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"تمہیں بتانے آیا تھا کہ کل ہم جا رہے ہیں۔" ہاشم نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ یاور اسے دیکھ کر رہ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"اپنی نہیں تو اپنے باپ کی عزت کا خیال کر لیا کرو۔" کچھ دیر پہلے ہی پولیس وہاں سے گئی تھی۔ سیمون آفندی کا تو جنگلوک کو دیکھ دیکھ کر پارہ ہائی ہو رہا تھا جبکہ سارہ آفندی خاموشی سے اس کے پاس بیٹھی ہوئیں تھیں۔

"اگر آپ لوگ میرے لیے یہ نہیں کر سکتے تو میں دوبارہ ایسا کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔" جنگکوک کے لاپرواہی سے کہنے پر سیمون تقفندی کا پارہ مزید ہائی ہوا۔

"سن رہی ہو تم اس کی باتیں۔ موت کے منہ سے واپس آکر بھی اسے ہماری پرواہ نہیں ہے۔ بس اس لڑکی کی پرواہ ہے۔" وہ غصے سے کبھی اپنی بیوی کو دیکھتے تو کبھی جنگکوک کو جو بڑی ڈھٹائی سے بیٹھا ہوا تھا۔

"اس لڑکی کے لیے اپنے ماں باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے یہ۔"

"آپ کیوں شرم سے ڈوبیں گے ڈیڈ۔"

"میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔" جنگکوک نے بمشکل اپنی ہنسی کو روکا تھا۔

"دیکھو تم اسے۔ ماں باپ کو سولی پر چڑھا کر خود دانت نکال رہا۔ ایسے جیسے اس کی شرم ختم ہو گئی ہو۔" سارہ آفندی ان دونوں باپ بیٹے کے بیچ خاموش سامع بن کر بیٹھی ہوئیں تھیں۔

"پلیز مما! ڈیڈ کو سمجھائیں۔ آخر مسلہ کیا ہے۔ اسلام ہی تو قبول کرنا ہے۔ میں کونسا کسی کا قتل کر رہا ہوں۔" اب اس نے ملتجی ہو کر سارہ کے دونوں ہاتھ پکڑے۔ جبکہ وہ حیران سی جنگکوک کو دیکھے گئیں۔ کہاں وہ ان سے ناراض تھا اور کہاں اب ان کی منت کر رہا ہے۔

"صرف اسلام قبول کرنا ہے؟" وہ غش کھا کر رہ گئے تھے۔

"تم جانتے بھی ہو یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اپنوں کی نفرت مول لینی پڑے گی ہمیں۔ جو سوشل سرکل ہمارا ہے وہاں کسی کو منہ دکھانے

کے قابل نہیں رہیں گے ہم۔اور تمہارے لیے یہ چھوٹی سی بات ہے۔"

"لوگوں کی پرواہ ہے لیکن اپنے بیٹے کی نہیں ہے۔اس کی خوشیاں جائیں بھاڑ میں۔"اسے برا لگا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر..... آپ اپنی ساکھ بچائیے اور میں اپنی محبت۔اسلام تو میں قبول کر ہی لوں گا لیکن میری شادی کے لیے بات آپ دونوں کو ہی کرنی ہوگی۔"وہ اس کی دھمکی پر ہل کر رہ گئے تھے۔

"تو تم نے سوچ لیا ہے کہ باپ کا نام ڈبونا ہے۔"

"ڈیڈ آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔میں دیکھ لوں گا سب کو۔ لیکن.... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"وہ بے بس سا ہوا۔

"دو دن کی محبت نے تمہارا یہ حال کر دیا ہے۔بعد میں پتا نہیں کیا ہوگا۔"سیمون آفندی جیسے اس کے سامنے ہتھیار ڈال رہے تھے۔

"میں بس اسلام قبول کروں گا۔اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کروں گا۔" وہ معصومیت سے کہہ رہا تھا جبکہ ان دونوں نے شاکڈ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو کیا تم اسے دھوکہ دو گے؟" سیمون آفندی کو جیسے اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ایک پل کے لیے جنگکوک کے پیٹ میں گرہیں لگی تھیں۔

"ڈیڈ۔"

وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"ٹھیک ہے۔جو مرضی کرو تم۔لیکن وہ لڑکی شادی کے بعد ہمارے ساتھ نہیں رہے گی۔" جنگکوک کے آنسوؤں نے ان کا دل پل میں موم کیا تھا۔جنگکوک نے پہلے بے یقین اور پھر تشکر آمیز نظروں سے

ی کو دیکھا۔آخر کب تک وہ پتھر بنے رہتے۔kiسیمون آفند 99

باپ تھے۔پگھلنا تو تھا ہی۔

"آپ اسے اس لڑکی کے ساتھ شادی کے لیے اجازت دے رہے

ہیں؟"سارہ آفندی اپنے شوہر کی بات سے متفق نہیں تھیں۔

"ہاں اور اب مزید اس ٹاپک پر کوئی بحث نہیں ہو گی۔"انہوں نے

ہاتھ اٹھا کر کچھ بھی بولنے سے منع کر دیا جبکہ وہ تلملا کر رہ گئیں

تھیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"مجھے لگتا ہے وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے۔"

عنایہ کو یونیورسٹی آنے کی اجازت مل گئی تھی۔اور یہ بھی سعد ہی کی

رضامندی سے ممکن ہوا تھا۔ابھی ان دونوں کا دونوں کا فری پیریڈ

چل رہا تھا۔آدھ گھنٹے بعد انکا آخری لیکچر شروع ہونا تھا۔اس لیے وہ

دونوں ابھی کیفے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔دونوں کے چہرے نقاب سے ڈھکے ہوئے تھے۔حماد بھی اپنے دوستوں کے ساتھ اسی کیفے میں آیا تھا۔عنایہ پر نظر پڑتے ہی اس نے نظریں چرالیں۔اسے دکھ ہوا تھا۔ لیکن اب وہ حقیقت دیکھ رہی تھی اور حقیقت میں وہ اس کا نہیں تھا۔ اپنے سامنے والی ٹیبل پر اس کا وقفے وقفے سے سب سے نظریں چرا کر عریش کو دیکھنا عنایہ نے بہت اچھے سے محسوس کیا تھا۔یہ دوسری چیز تھی جس سے اسے تکلیف ہوئی تھی۔لیکن وہ دو لوگ اسے بہت عزیز تھے۔وہ مسکرادی۔عریش اس سے باتیں کررہی تھی اور وہ خاموشی سے سر جھکائے سن رہی تھی پھر جب اس نے سر اٹھایا تو اسے عریش کو دیکھتے پایا تبھی اس نے عریش سے کہا۔

"کون انٹرسٹڈ ہے؟؟...اور کس میں؟" عریش کو اپنی باتوں کے جواب میں اس غیر متوقع جملے نے چونکایا۔

"حماد۔"

"کون؟" اسے لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"اگر کبھی وہ تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے تو تھام لینا۔" اس نے عریش کے سوال کو اگنور کیا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو۔ ایک ایسا لڑکا جس نے تمہیں ہرٹ کیا ہے، میں اس کا ہاتھ تھام لوں۔ ایسا ناممکن ہے۔" وہ پہلے گڑ بڑائی۔ پھر سنبھلی اور پھر اس نے جواب دیا۔

"اور ویسے بھی تمہارے ذہن میں یہ بات کہاں سے آ گئی کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے؟"

"بس آ گئی نا۔ اور مجھے کبھی برا نہیں لگے گا۔ تم دونوں مجھے بہت عزیز ہو۔ جب تم دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔" وہ

بول رہی تھی جبکہ عریش اس کے اندر کچھ تلاش کر رہی تھی لیکن وہ وہاں کچھ بھی تلاش نہیں کر سکی۔

"فی الحال میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اور تم بھی نہیں کرو۔" اس نے عنایہ کی بات میں دلچسپی نا لیتے ہوئے اسے منع کیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ آخری لیکچر بھی ختم ہو گیا تھا۔ وہ گھر واپس جانے کے لیے باہر آ گئی تھی۔ وہاں سعد کی گاڑی دیکھ کر وہ پل بھر کے لیے رکی پھر خاموشی سے چلتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک نظر بھی اسے نہیں دیکھا تھا بس خاموشی سے سامنے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"کچھ کھاؤ گی۔" وہ بات کرنا چاہتا تھا لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہاں سے شروع کرے۔ لیکن خاموشی بڑھتی ہی جا رہی تھی جسے

سعد نے ہی توڑا۔ "نہیں۔" ایک لفظی جواب۔ وہ صاف انکار پر پھر خاموش ہو گیا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" وہ پھر خود کو کچھ دیر بعد بولنے کے قابل کر سکا۔

"مجھے ایسا کوئی حق نہیں ہے۔"

"تمہیں ہی تو حق ہے۔" بے اختیار اس نے کہا اور یہ پہلا لمحہ تھا جب عنایہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا تم اس سے معافی مانگو گے؟"

"کس سے؟" اپنی بات کے جواب میں اسے یہ سوال عجیب لگا تھا۔

"حماد سے۔"

"کیوں۔" اسے پھر عجیب لگا تھا۔

"کیونکہ تم نے اس کی کردار کشی کی ہے۔ جبکہ وہ ایسا انسان نہیں ہے۔"اس کا حماد کے حوالے سے اس طرح صفائی دینا اسے برا لگا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔

"تو تم معافی نہیں مانگو گے؟"اس کا سوال پھر وہی تھا۔

"مانگ لوں گا۔"اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔اگر حماد سے معافی مانگ لینے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا تو وہ ایسا کرنے کے لیے تیار تھا۔

"لیکن اس کے بعد کیا تم مجھے معاف کرو گی؟"وہ جانتا تھا کہ اس سارے میں صرف اسی کا قصور نہیں تھا، لیکن زیادہ قصور اسی کا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں۔"اسے معاف کرنے کا مطلب اس سے شادی ہی تھا اس لیے اس نے بغیر ادھر ادھر کی بات کیے سیدھی بات کی تھی۔

وہ مسکرا دیا۔ یعنی ان کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو سکتا تھا لیکن اس میں ابھی وقت لگنا تھا۔ ان کا سارا راستہ خاموشی میں گزر گیا۔

OOOOOOOOOOOOOOOO

"بھائی ہم جا تو رہے ہیں ان کے گھر لیکن کیا گارنٹی ہے کہ وہ مان جائیں گے ؟" یاور تیار ہو کر ہاشم کے روم میں چلا آیا تھا اور اب بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا اور ساتھ ہی جب اسے اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

"انکار کرنے کی کوئی وجہ ہوتی ہے اور مجھے نہیں لگتا ان کے پاس کوئی ٹھوس وجہ ہو گی۔" وہ شیشے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی ٹائی لگا رہا تھا۔

"آپ کہتے ہیں تو مان لیتا ہوں لیکن میں ابھی بھی مطمئن نہیں ہوں۔"

"اچھا اب تم چپ کر کے جاؤ اور گاڑی نکالو، میں دو منٹ میں آ رہا ہوں۔" ہاشم نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔ پہلے تو وہ چپ چاپ اسے

دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ ہاشم رات کے کھانے پر ہی سب کو بتا چکا تھا کہ وہ آج اسجد صاحب کے گھر جائیں گے اور اپنے جانے کے مقصد سے بھی سب کو آگاہ کر دیا تھا۔

اسجد صاحب کو بھی فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ آج وہاں آئیں گے اور اس بات نے علیزے کو حیران کر دیا تھا۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا جب انکار کر ہی دیا تھا تو اب کیوں آ رہے ہیں۔" فرح اور وہ دونوں کچن میں مہمانوں کے لیے کچھ بنانے میں لگی ہوئی تھیں جب علیزے نے اس سے کہا۔

"جب آئیں گے تو پتا چل جائے گا کہ کس مقصد سے آ رہے ہیں اس لیے تم زیادہ مت سوچو اور کام کرو۔ پھر تمہیں آفس کے لیے بھی جانا ہے۔"

"میں نے تو سوچا تھا آج آفس جا کر سر سے بات کروں گی اور صاف صاف کہہ دوں گی کہ آپ لوگوں نے میرے ماما بابا کو انکار کیا ہے تو اس وجہ سے ہماری شادی بھی نہیں ہو سکتی۔"فرح نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا۔

"لیکن آج ان لوگوں نے آنے کا کہا ہے تو دیکھتے ہیں کیا کہتے ہیں۔"

علیزے نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"تم پاگل ہو گئی ہو۔ان لوگوں نے کسی وجہ سے انکار کیا تھا اور تم فضول میں جا کر انکار کر دیتی۔"

فرح نے اسے ڈپٹا۔

"ہمارے پاس بھی ٹھوس وجہ ہے انکار کی۔"علیزے نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو میں بابا کو بتادوں گی۔" فرح نے اسے ڈرانے کے لئے کہا لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اس وقت وہ سارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یاور اور ہاشم ایک صوفے پر اور علینا اور اسجد دوسرے صوفے پر ان کے بالکل سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر مختلف قسم کے لوازمات پڑے ہوئے تھے جنہیں ابھی علینا بیگم ہی لے کر آئیں تھیں۔

"میں بہت شرمندہ ہوں انکل کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی لیکن میں.... مجبور ہوں۔" ہاشم کو سمجھ نہیں آرہا تھا کس طرح معذورت کرے۔

"ہر انسان اپنی زندگی میں مجبور ہوتا ہے اس لیے آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا۔ ہر انکار کے پیچھے کوئی وجہ ہوتی ہے

اور ویسے بھی ہم اس انکار کے لیے خود کو تیار کر کے ہی گئے تھے۔"

اسجد صاحب نے ہاشم کی شرمندگی کو کم کرنا چاہا۔ ہاشم نے خود کو تھوڑا ریلیکس کیا اور خود کو اصل بات کہنے کے لیے تیار کرنا چاہا۔

"بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے مجھے سمجھا اور اس وجہ سے مومن اور علیزے کے رشتے......"

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ اس وجہ سے مجھے اپنی دوسری بیٹی کا رشتہ ختم کرنا پڑتا۔" اسجد صاحب نے اس کی بات کو درمیان میں کاٹ کر اسے مزید آرام دہ کیا۔ یاور ایک طرف خاموشی سے لب کاٹتے ہوئے ساری گفتگو کو سن رہا تھا۔

"میں بس یہ چاہتا تھا کہ میری دونوں بیٹیاں ایک گھر میں جائیں لیکن یہ تو قسمت کے کھیل ہوتے ہیں بیٹا۔ ہمارے چاہنے نا چاہنے سے کیا

ہوتا ہے۔ جہاں اس کی قسمت ہو گی۔ اس کی بھی شادی ہو جائے گی۔" ان کے لہجے میں کہیں سرد مہری نہیں تھی۔

"میں یہاں آپ کی چاہت کا مان ہی رکھنے آیا ہوں۔" ہاشم نے بہت تیزی سے کہا۔ ایک پل کے لیے وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر منجمد ہو تھے۔ روم کی کھڑکی کے اس پار ایک لمحے کے لیے فرح کو بھی اپنی دھڑکن رکتی محسوس ہوئی۔

"میں سمجھا نہیں۔" اسجد صاحب خود کو کچھ دیر بعد بولنے کے قابل کر سکے۔

"دراصل میں چاہتا ہوں کہ..... ایکچوئلی۔" اس کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"میں یاور کے لیے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔" کھڑکی کی اوٹ میں کھڑے اس کی دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھیں۔ وہاں

پھر ایک لمبا سکوت تھا۔ ایسے لگ رہا تھا قیامت تک کوئی نہیں بولے گا۔ پہلی دفعہ اسے خاموشی اتنی بری لگی تھی۔

"اگر آپ یہ سب کچھ اس لیے کر رہے ہیں تاکہ آپ اپنی شرمندگی کم کر سکیں تو.....۔"

"یہ سب شرمندگی کم کرنے کے لیے نہیں ہے۔" ہاشم نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ وہاں پھر خاموشی تھی جسے ہاشم نے ہی توڑا۔

"دراصل مجھے بھی اپنے بھائیوں کے لیے ایسے ہی شریف گھروں کی لڑکیاں چاہیے اور.... اور یہ چیز مجھے آپ کے گھر میں نظر آئی ہے۔"

وہ انہیں کنوینس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا آپ نے اپنے بھائی سے پوچھا ہے کہ انہیں یہ رشتہ قبول بھی ہے یا نہیں۔"

اسجد صاحب کب سے یاور کی عدم توجہی کو نوٹ کر رہے تھے۔ ان کے کہنے پر یاور نے گڑ بڑا کر انہیں دیکھا۔ اس جواب کے لیے فرح بھی بے چین ہوئی تھی۔

"نہیں.... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے..... انفیکٹ بھائی میری مرضی سے ہی یہاں آئے ہیں۔" اس نے بات کو سمیٹنا چاہا۔

اسجد صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس بارے میں میں ایک دفعہ اپنی بیٹی سے پوچھنا چاہوں گا کہ اگر اسے کوئی اعتراض نہیں تو پھر مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

"جی جی ضرور....... آپ ان سے پوچھ لیں۔ اور جو ان کا فیصلہ ہو گا وہی ہمارا فیصلہ ہو گا۔" ہاشم نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جائیں علینا! آپ فرح سے ایک دفعہ بات کر لیں۔" ان دونوں نے چونکتے ہوئے اسجد صاحب کو دیکھا۔ وہ یہ سب کچھ اتنی جلدی ایکسپیکٹ نہیں کر رہے تھے۔ "میں چاہتا ہوں جتنی جلدی یہ معاملہ طے ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے۔" وہ شائد ان دونوں کی حیرانی کو بھانپ گئے تھے۔

"جی۔" علینا بیگم کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں۔ پیچھے سے یاور کے دل نے شدت سے دعا کی تھی کہ وہ انکار کر دے۔

وہ جو کھڑکی کے پاس کھڑی تھی فوراً جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور ایک کتاب کھول کر ورق گردانی کرنے لگی۔ ماں کے آنے پر کتاب کو ایک طرف رکھ دیا۔

"بیٹا! وہ لوگ تمہارے بابا سے تمہارا ہاتھ مانگنے آئے ہیں، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" انہوں نے روم میں آتے ہی بغیر کسی تمہید کے اس سے پوچھا۔

"جو آپ لوگوں کو مناسب لگے امی۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے بابا تمہاری مرضی جاننا چاہتے ہیں۔ اس لیے جو تمہارا فیصلہ ہوگا وہی ان کا ہوگا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" محبت خود چل کر اس کے دروازے پر آئی تھی۔ وہ خالی ہاتھ کیسے لوٹا دیتی۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ جیتی رہو۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے اس کا ماتھا چومتے ہوئے وہ روم سے باہر آ گئیں۔ فرح کو شک ہوا جیسے اس کی ماں بھی چاہتی تھیں یہ رشتہ ہو جائے۔ اس نے مسکرا

کر اپنا آنچل لہرایا اور پھر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں چت لیٹ گئی۔

علیزے آفس جا چکی تھی۔اگر وہ وہاں ہوتی تو اس کے دل کا حال سمجھنے میں ذرا دیر نا لگاتی۔

"اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"انہوں نے بیٹھتے ہی کہا تو جہاں ہاشم تشکر سے مسکرایا تھا، وہیں یاور بے چین ہوا تھا۔گھر سے نکلتے وقت سے لے کر اب تک وہ اس رشتے سے انکار کی دعائیں کرتا رہا تھا۔اب جب اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تھی تو اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔وہ جبراً مسکرا رہا تھا۔

"آپ چاہیں تو ایک دفعہ میری بیٹی سے مل کر اپنی مشکل حل کر سکتے ہیں۔"اسجد صاحب یاور کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔کہیں نا کہیں انہیں شک تھا کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔

ان کے اچانک کہنے پر وہ بری طرح گڑ بڑا یا۔اس نے بے چینی سے پہلو بدلا جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

"نہیں.....وہ....۔"وہ بری طرح نروس ہو رہا تھا۔ہاشم بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ لوگ بس تاریخ دے دیں نکاح کی۔میں نکاح سے پہلے ملنا مناسب نہیں سمجھ رہا۔"وہ بات کو سنبھالنا چاہ رہا تھا لیکن اسے ایک پل کے لیے لگا جیسے وہ معاملہ خراب کر رہا۔ہاشم اس کی غیر ہوتی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔اس نے یاور کا یہ روپ پہلی دفعہ دیکھا تھا، گھبرایا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔مہینے کی آخری تاریخیں میرے خیال سے مناسب رہیں گی۔"اسجد صاحب نے کہا تو ان تینوں نے شاکڈ ہو کر انہیں دیکھا۔

"میرے خیال سے یہ کچھ زیادہ ہی جلدی ہے۔" یاور نے گڑ بڑا کر کہا تو سب اسے دیکھنے لگے۔

"جیسے آپ لوگوں کو مناسب لگے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"اگر آپ کو اس شادی سے کوئی اعتراض ہے تو آپ.....۔"

"اعتراض شادی سے نہیں....... جلدی شادی سے ہے۔" ایک بار پھر یاور نے کہا۔ اب کے ہاشم نے اسے سخت نظروں سے دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"تو اس ماہ کی آخری تاریخ کو نکاح فائنل کر دیتے ہیں۔ کچھ فرائض جتنی جلدی ادا ہو جائیں اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔" ہاشم نے بات کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹیاں اب آپ کی امانت ہیں جب چاہیں آپ لے جا سکتے ہیں۔" اسجد صاحب نے کہا۔ ان کی آواز سے اداس چھلکی تھی۔

"لیکن شادی سے پہلے میں چاہتی ہوں ایک چھوٹی سی رسم ہو جاتی......"

"منگنی ضروری نہیں ہے۔ نکاح ضروری ہے جو کہ اس مہینے کی آخری تاریخوں میں ہو رہا ہے۔" اسجد صاحب نے علینا کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

"انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ ہمیں منگنی جیسی رسم پہ اتنی فضول خرچی کرنی چاہیے۔" یاور کی صاف گوئی پر وہ سب ایک بار پھر اسے دیکھنے پر مجبور ہوئے۔

اور پھر ڈرائنگ روم میں قہقے بلند ہوئے جس نے یاور کو ریلیکس کیا۔

ooooooooooooooooooo

وقت پر لگا کر اڑا تھا۔ ان گزرے ہوئے ایام میں ایک دفعہ بھی جنگکوک اور ماریہ کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی لیکن اس نے لیو کے

ذریعے اسے ایک خط بھیجا تھا جس نے جنگکوک کو اس سے ملنے سے روکے رکھا تھا۔ جب لیو نے اسے خط دیا تو وہ بہت حیران ہوا تھا لیکن خط کھولنے پر جیسے اسے ایک حوصلہ سا ملا تھا۔ ایگزام ختم ہوتے ہی پہلا سمسٹر بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس دوران اس نے فرح کا دیا ہوا ناول بھی پڑھ لیا تھا جس نے اسے مظبوط رہنے کا حوصلہ دیا تھا۔

یمان کو گئے بھی پانچ دن ہو گئے تھے اور دو دن بعد اس کی واپسی تھی۔ فرقان ہاؤس میں شادی کی تیاریاں زور و شور پر تھیں۔ پندرہ دن بعد شادی تھی۔

اس عرصے میں جنگکوک نے اس خط کو کتنی بار کھولا اور کتنی بار پڑھا اب تو وہ گنتی بھی بھول گیا تھا۔ وہ جب بھی اس خط کو پڑھتا، ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا۔ وہ ابھی بھی اپنے روم میں اسی خط کو کھولے بیٹھا تھا جس کے الفاظ کچھ یوں

تھے:۔

"میں نے آپ پر یقین نہیں کیا اور آپ کے ساتھ برا رویہ اختیار کیا لیکن میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ اس لیے آپ سے معافی مانگ رہی ہوں۔" یہ الفاظ اس نے صرف ایک بار پڑھے تھے اور پھر بلیک مار کر سے انہیں چھپا دیا تھا۔ وہ اپنی محبت کو اس طرح جھکا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے وہ الفاظ ہمیشہ کے لیے مٹا دیئے تھے، کاغذ سے بھی اور یادداشت سے بھی۔

"میں چاہتی ہوں اب ہم جب بھی ملیں محرم بن کر ملیں اور میں پورے حق سے سب کے سامنے آپ کا ہاتھ پکڑ کر چل سکوں۔ اور اسی حق سے آپ سے اظہار محبت کروں۔"

یہ وہ الفاظ تھے جنہیں وہ ہر روز دیکھتا تھا، پڑھتا تھا اور پر سکون ہو جاتا تھا۔ اس کے لیے یہ خط ایک مرہم تھا جسے وہ جتنی بار بھی کھولتا چوم

کر آنکھوں سے لگا لیتا۔اس نے بھی ایک خط لکھا تھا لیکن وہ اسے دے نہیں سکا۔جب اس نے ملنے سے روکا تھا تو وہ خط کے ذریعے بھی ملاقات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ ایک ہفتہ جو بختاور کا آفس میں یمان کے بغیر گزرا تھا بہت ہی بے سکون اور بے چین گزرا تھا اور اسی عرصے میں اس پر عیاں ہوا کہ وہ یمان سے محبت کرنے لگی ہے۔یہ اظہار اس نے خود سے کیا تھا جس نے اسے بے سکونی سے سکون عطا کیا تھا۔یہ سکون کب تک برقرار رہنے والا تھا اس کا اسے علم نہیں تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

عنایہ کے کہنے پر سعد نے حماد سے معافی مانگ لی تھی اور اس معافی کے بعد ان کے راستے الگ ہو گئے تھے۔وہ اسی ریسٹورنٹ میں ملے

تھے جہاں ان کا جھگڑا ہوا تھا۔ لیکن اس دفعہ عنایہ اس ملاقات کا حصہ نہیں تھی۔

"میں نے جو کچھ بھی کیا میں اس پر شرمندہ ہوں لیکن مجھے لگتا ہے آپ کو بھی اتنا ہی شرمندہ ہونا چاہیے جتنا میں ہوں۔" سعد اپنا ازلی سنجیدہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا۔

"میں آپ کی منگیتر کو ڈیٹ نہیں کر رہا تھا تو میں شرمندہ کیوں ہوں گا۔ آپ نے اپنی طرف سے میرے کردار پر انگلی اٹھائی ہے۔ آپ نے مجھے اپنی نظروں میں غلط بنایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ایسا ہوں بھی۔" حماد کے لہجے میں صرف سرد مہری تھی۔

"میں پہلے بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن....۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"عنایہ اتنی بے مول نہیں تھی کہ تم اس کے ساتھ وقت گزاری کرتے۔"

"وہ میری خاطر بدلنا چاہتی تھی خود کو۔ اگر وہ خود کو میرے لیے بدلنے کے لیے تیار تھی تو میں کیسے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ نا تھامتا۔"

"یہ قصہ اب ہمارا ماضی رہے گا۔ میں اسی امید پر معافی مانگنے آیا ہوں کہ اب ہمارے راستے کبھی نہیں ٹکرائیں گے۔ جو آپ سے ہوا، جو عنایہ سے ہوا۔ مجھے لگتا ہے اس سے زیادہ برا مجھ سے ہوا ہے۔ اس لیے آئی ایم سوری۔" وہ اب اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں بھی نہیں چاہتا کہ ہمارے راستے بھی ٹکرائیں۔ کیونکہ ہم تینوں فی الحال ایک دوسرے سے نظریں ملانے کے قابل نہیں ہیں۔ ہم جب بھی سامنے آئیں گے سوائے شرمندگی کے کچھ نہیں ہو گا۔"

حماد کے کہنے پر وہ خاموش ہو گیا۔

"اوکے میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ سعد وہیں کھڑا رہا۔ اسے لگا تھا کہ اب اگر وہ حماد سے ملے گا تو ان

دونوں کو جھگڑا ہو جائے گا لیکن اس نے ایسا کوئی موقع نہیں دیا تھا۔ وہ مزید شرمندہ سا وہیں بیٹھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یمان اٹلی سے واپس آ گیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی ایک دوست بھی آئی تھی جو اکثر اس کے ساتھ پائی جاتی تھی۔ وہ امریکہ میں ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے اور ان کے سبجیکٹ بھی ایک جیسے تھے۔ یونیورسٹی میں یاور کے ساتھ بھی لیونا کی ہائے ہیلو رہی تھی اس سے آگے وہ کسی کو بڑھنے نہیں دیتا تھا۔ وہ سارے بھائی جانتے تھے کہ یمان کتنا لبرل ہے اس لیے انہیں اعتراض کے باوجود چپ رہنا پڑتا تھا ورنہ یاور کو اس کا ہر وقت ایک لڑکی کے ساتھ گھومنا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ ابھی بھی وہ اسی کے ساتھ اپنے آفس روم میں بیٹھا ہوا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم ان۔" اجازت ملنے پر وہ اندر آئی۔ اس لڑکی کا وہاں ہونا غیر متوقع نہیں تھا۔

"سر آپ نے بلایا تھا۔" یاور کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھنا کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن یہاں بات صرف جیمین کی نہیں رہی تھی۔ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی اور اس وقت اس لڑکی کا وہاں ہونا اس کا دل جلا رہا تھا لیکن وہ خاموشی سے دو قدم آگے بڑھ آئی۔

"ہم دونوں لنچ کے لیے جا رہے ہیں تو یہ ایک فائل ہے جو آپ کو میرے آنے تک تیار کرنی ہے۔" اس کے آتے ہی یمان اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ناسمجھی سے یمان کو دیکھا۔

"فائل تو آلریڈی تیار ہے سر۔"

"جی بالکل یہ فائل آپ نے ہی بنائی ہے اور اس میں بہت ساری غلطیاں ہیں جو میری نظر میں آئی ہیں۔" یمان کے کہنے پر وہ شرمندہ

سی ہوئی۔اس کی وجہ وہ غلطیاں نہیں بلکہ وہ لڑکی تھی جو بہت دلچسپی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"مس بختاور' یہ آپ کی پہلی اور آخری غلطی ہے۔دوسری دفعہ موقع نہیں سزادی جائے گی۔"اس نے دائیں ابرواچکا کر اسے وارننگ دی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"کیا آپ اب مجھے راستہ دیں گی؟"کتنے ہی پل خاموشی سے گزرے تھے اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔یمان کے کہنے پر وہ چونک کر ایک سائڈ پر ہوئی۔دفعتاً اس کی نظریں لیونا پر گئی تو وہیں ٹھہر گئیں۔وہ دلچسپی کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔بلاشبہ وہ ایک خوبصورت اور پر کشش لڑکی تھی اور یہ مسکراہٹ اسے مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔خوبصورت تو وہ بھی تھی لیکن ناجانے کیوں اس وقت وہ احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھی۔

"چلیں؟" یمان اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ وہ یمان کا ہاتھ پکڑنے والی تھی جب کسی چیز کے گرنے نے ان کی توجہ اپنی جانب کی۔ وہاں زمین پر ایک شیشے کا گلاس کئی ٹکڑوں میں بکھرا پڑا تھا۔

"سوری سر۔ غلطی سے ٹوٹ گیا۔" کہتے ساتھ ہی وہ زمین پر وہ ٹکڑے اٹھانے کے لیے بیٹھ گئی۔

"مس بختاور آپ رہنے دیں۔ میں کسی اور کو کہہ دیتا ہوں وہ صفائی کر دیں گے۔" وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا جبکہ بختاور کو اس کا یہ لہجہ بھی چبھا تھا۔ اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

"آپ نے کہا تھا دوسری دفعہ غلطی ہونے پر سزا دیں گے۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بیک وقت مسکرائے تھے۔

"وہ سزا آپ کو اس فائل میں غلطی کرنے پر ملے گی اور مجھے امید ہے کہ آپ جان بوجھ کر ہمارے لیے کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں کریں گی۔"

اس نے حیرانی سے یمان کو دیکھا۔تو کیا وہ جان گیا تھا کہ یہ سب کچھ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔اف اتنی بھی کیا تذلیل۔

"اور اس غلطی کی سزا آپ کو خود مل گئی ہے۔"اب اس کا اشارہ اس کے پاؤں کے انگوٹھے کی طرف تھا جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔اس سے پہلے اسے نہیں پتا تھا کہ اس کا پاؤں زخمی ہوا ہے۔وہ ایک بار پھر بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔

"او مائی گاڈ!اسے تو چوٹ آئی ہے۔میرے خیال سے تمہیں اسے فرسٹ ایڈ دینا چاہیے۔"لیونا بھی اس کا زخم دیکھ چکی تھی۔انسانی ہمدردی کے باعث وہ اس کی طرف گئی۔

"میں کسی کو کہہ دیتا ہوں وہ دے دے گا، ابھی ہمیں دیر ہو رہی ہے چلتے ہیں۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ "پلیز اپنا خیال رکھیے گا۔" لیونا بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔ وہ رونا چاہتی تھی لیکن یہاں اتنے سارے کیمروں کی نظروں میں آنے کے خدشے نے اسے رونے سے روک رکھا تھا۔ وہ وہاں سے چلی گئی اور اب اس کے قدم واشروم کی جانب تھے۔

ooooooooooooooooooooooooo

فرقان ہاؤس میں آج ہر طرف چہل پہل تھی۔ آج نکاح کا دن تھا جو عصر کی نماز کے بعد ہونا تھا اور ابھی وہ سب تیار ہو رہے تھے۔ مومن اور یاور تھری پیس میں ملبوس کسی سلطنت کے شہزادے لگ رہے تھے جبکہ باقی سارے بھائی ٹو پیس پہنے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ سارے شہزادے ہی تھے۔ ماریہ نے ہاف سفید رنگ کی پیروں تک

آتی فراک پہن رکھی تھی اور خود کو حجاب میں کور کیا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں سرخ رنگ کے گجرے تھے اور مہندی کا چھوٹا سا ڈیزائن۔ علینا نے اپنی بیٹیوں کی شادی کی ساری شاپنگ پاکستان سے کی تھی اور فرح نے ماریہ کے لیے بھی پاکستان سے ہی شاپنگ کی تھی۔ فرح کو مہندی لگانے میں مہارت حاصل تھی اور اس نے ہی ماریہ کو مہندی بھی لگائی تھی۔ ان کے گھر مہندی کا ایک چھوٹا سا فنکشن ہوا تھا جس میں فرح نے اسے بھی انوائیٹ کیا تھا اور مہندی والے دن ہی وہ مہندی لگوا کر آئی تھی۔ مہندی اس نے پہلی دفعہ لگوائی تھی لیکن اسے بہت پسند آئی تھی۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو دیکھ کر بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سارے نکل گئے تھے۔ شادی کی تقریب کا انتظام گھر کے ساتھ ایک پارک میں ہوا تھا اور اس پارک میں صرف لڑکے

تھے۔ تمام لڑکیاں گھر میں ہی تھیں۔ جو حجاب کرتی تھیں اگر انہیں باہر آنا ہوتا تو چہرہ چھپا لیتی اور جو حجاب کے بغیر تھی وہ ایسے ہی باہر آکر باراتیوں کو دیکھ رہیں تھی۔ باراتیوں کے ساتھ لیونا بھی تھی۔ چونکہ یہ شادی دو مسلم گھرانوں کی تھی تو اس نے اسی لحاظ سے ڈریسنگ کی تھی۔

"بارات آگئی ہے۔" ایک لڑکی کہتے ہوئے روم میں آئی جہاں وہ دونوں دلہنیں بنی بیٹھی تھیں۔ سرخ لباس میں ملبوس وہ آسمان سے اتری پریاں لگ رہیں تھیں۔ انہوں نے دوپٹے حجاب کی صورت میں لیے ہوئے تھے۔ ایک ایک ہاتھ میں گجرے اور دوسرے ہاتھ میں چوڑیاں تھیں۔ بارات کا سن کر ہی ان دونوں کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں تھی۔ وہ دونوں اٹھ کر اس کھڑکی کی طرف چلی آئیں جہاں سے بارات نظر آرہی تھی۔ علیزے کی نظریں مومن پر اور فرح کی

یاور پر آ کر رکی تھیں۔ایسے لگ رہا تھا شہزادے اپنی شہزادیوں کو لینے آئیں ہیں۔ان سب چہروں پر آج مسکراہٹیں تھیں، رونقیں تھیں۔

آج کا دن بلاشبہ خوبصورت تھا۔

"ارے ماشاءاللہ۔" وہ باراتیوں کے ساتھ آئی تھی لیکن وہاں جانے کے بجائے وہ فرح کے پاس چلی آئی تھی۔وہ اسے دیکھنے کے لیے بے چین تھی اور اب اسے دیکھتے ہی اس کے منہ سے یہی لفظ نکلا تھا۔ماریہ کو دیکھ کر فرح کے چہرے پر بھی مسکان آئی تھی۔

"ایسے لگ رہا جیسے چاند آسمان سے زمین پر اتر آیا ہے۔" وہ فرح کے ہاتھ پکڑ کر اسے دیکھنے میں مگن ہو گئی تھی۔

"میری ہی نظریں آپ سے نہیں ہٹ رہیں تو بھائی کا کیا ہو گا۔" ماریہ کی بات پر فرح سرخ ہو گئی تھی جسے سب نے انجوائے کیا۔

"ارے میری بھابھی جان شرماتی بھی ہیں یہ مجھے آج پتا چلا۔" ماریہ اسے مزید تنگ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی اور سب ہنس رہے تھے۔ وہ علیزے کو بھی کسی نا کسی بات پر چھیڑ رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

موسم خوبصورت تھا اور اسی خوبصورت موسم نے آج کے دن کو مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔ وہ دونوں بھائی کسی شہزادے کی سی آن سے بیٹھے ہوئے تھے اور باقی سب آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھے۔

نکاح کا وقت آ گیا تھا۔ ایسا وقت جس میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر وہ کسی اور کی ہونے جا رہیں تھیں۔ یہی وہ وقت تھا جب وہ آنسوؤں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہیں تھیں تا کہ ان کے اس طرح رونے پر ان کے والدین کمزور نا پڑیں۔

"علیزے بنت اسجد علی آپ کو مومن درانی ولد فرقان احمد درانی کے ساتھ باعوض حق مہر پچاس لاکھ روپے سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں قبول ہے۔" وہ بیڈ پر چہرے پر گھونگھٹ گرائے بیٹھی تھی اور مولوی صاحب اس کے پاس ایک صوفے پر اس کی رضامندی لینے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔

"قبول ہے۔" اس نے بہت مدھم آواز میں کہا اور سب کے چہروں پر تشکرانہ مسکراہٹیں ابھریں۔

"یا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"جی قبول ہے۔"

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"جی قبول ہے۔" آخری دفعہ کہہ دینے پر وہ کسی اور کی ہو گئی تھی۔

اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ آج اگر ملن کا

سماں تھا تو جدائی کی بھی گھڑی تھی۔ فرح نے اسے اپنے ساتھ لگا کر مبارکباد دی۔

"فرح بنت اسجد علی آپ کو یاور درانی ولد فرقان احمد درانی کے ساتھ باعوض حق مہر پچاس لاکھ سکہ رائجولوقت یہ نکاح قبول ہے؟" یاور کے نام پر اس کی آنکھوں کی سرد مہری اسے یاد آئی پھر اسے وہ یاور یاد آیا جو پریشان تھا۔ جس کی آنکھوں میں ڈر تھا۔ کسی اپنے کو کھو دینے کا ڈر۔

"قبول ہے۔"

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"جی! قبول ہے۔"

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔"

خود کو ایک انجان آدمی کو سونپ دینا آسان نہیں ہوتا اور ہر لڑکی اس

مرحلے سے گزرتی ہے۔ وہ خوش تھی کہ اسے اس کی محبت مل گئی تھی

جو نا ممکن لگتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی لیکن

ماں باپ سے بچھڑ جانے کا دکھ الگ تھا۔ اب باری باری دونوں سے

سائن کروائے گئے تھے۔ اسجد اور علینا دونوں اپنی بیٹیوں کو باری

باری ملے لیکن نا وہ خود روئے نا انہیں رونے دیا۔ لیکن دل کو قرار

نہیں آ رہا تھا۔ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو یوں کسی اجنبی کے حوالے کر

دینا ماں باپ کے لیے آسان نہیں ہوتا۔

اب مولوی صاحب باہر آ گئے تھے۔ اب ان دونوں کا نکاح پڑھوانا

تھا۔ دس پندرہ منٹ کے اندر ان کا نکاح بھی پڑھوا دیا گیا تھا اور اب

انہیں ہر طرف سے مبارکباد مل رہی تھی۔ مومن تو پورے دل سے

خوش تھا لیکن یاور خوش نہیں تھا لیکن مسکرا مسکرا کر مبارکباد لے رہا تھا۔

اس پر مہندی والی رات ہی راز کھلا تھا کہ جس لڑکی سے اس کی شادی ہو رہی تھی وہ اس کی بہن کی دوست تھی۔ پہلے تو وہ شدید شاکڈ ہوا لیکن اس کا دل مطمئن تھا۔ اس بات پر وہ مسکرا دیا۔ اس خیال نے اسے خوش تو کیا تھا لیکن اب وہ یہ سوچ کر پریشان تھا کہ جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے شاید وہ اس شادی سے خوش نا ہو، وہ شاید اسے پسند ہی نا کرتی ہو۔ کیونکہ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔

"آپ کو بہت مبارک ہو بھائی۔" حماد نے اسے سوچوں کے سمندر سے نکالا تھا۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دیا۔ کچھ ہی دیر میں رخصتی بھی ہونے والی تھی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

نئے گھر میں ان کا استقبال بہت اچھے طریقے سے کیا گیا تھا۔ کچھ دیر وہ سب بہن بھائی لاونج میں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے اور پھر مومن اور یاور کو ان کے روم میں چھوڑ کر سب اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔ رات کے بارہ بج رہے تھے جب یاور اپنے روم میں آیا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کے دل کی دھڑکنیں ادھر سے ادھر ہو گئیں تھیں۔ وہ دلہن کے لباس میں بیڈ پر بیٹھی اسی کا انتظار کر رہی تھی اور اب جب وہ آ گیا تھا تو دل قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"اسلام علیکم۔" یاور نے اس کے پاس جگہ بناتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم اسلام۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"سوری وہ مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔ سب بیٹھے ہوئے تھے تو......۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے یاور کی بات کو درمیان میں کاٹا۔ وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اور پھ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بلا کی حسین تھی۔ یہ راز اس پر آج کھلا تھا۔ کتنے لمحے گزر گئے جب اسے اپنی حرکت کا احساس ہوا۔ وہ گلا کھنکارتا ہوا اپنی جیب ٹٹولنے لگا۔ پھر وہ کنفیوز سا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا۔

"آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟" وہ کب سے اس کی حرکتوں کو نوٹ کر رہی تھی پھر بالآخر پوچھ لیا۔

"وہ....میں.....میں نے آپ کے لیے رونمائی کا تحفہ لیا تھا۔" وہ خفیف سا ہو گیا۔ فرح کے لبوں کو مسکان نے

چھوا۔اس کی مسکراہٹ نے پھر اس کا دھیان بٹایا۔

اس کا چہرہ سرخ پڑھ گیا لیکن وہ اپنی نظریں ہٹا نہیں سکا۔نا جانے کیوں اس کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر اسے چھو لے لیکن وہ یہ نہیں کر سکا۔اپنے خیال کو جھٹکتے ہوئے وہ سائیڈ ٹیبل کی جانب گیا اور دراز کھول کر اس کے اندر دیکھا تو اسے وہاں ایک مخملی ڈبیہ نظر آئی۔

"اوہ! میں یہاں رکھ کر بھول گیا تھا۔"

"اٹس اوکے۔"

"میں جانتا ہوں ہماری شادی جن حالات میں ہوئی ہے اس کے لیے نا آپ تیار تھیں نا میں۔" وہ وہیں کھڑا کھڑا اسے کہنے لگا۔"اس لیے آپ اس رشتے کو سمجھنے کے لیے جتنا وقت لینا چاہتی ہیں لے سکتی ہیں۔میری طرف سے آپ پر کوئی دباؤ نہیں ہو گا۔"

ایک پل کے لیے فرح کے جی میں آیا کہ وہ بول دے یہ شادی اس کی رضامندی سے ہوئی ہے لیکن وہ بول نہیں سکی بس خاموشی سے سنتی رہی۔

"یہ میری طرف سے آپ کے لیے رونمائی کا ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔
میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو یہ پسند
آئے گا۔" اس نے گفٹ اس کی طرف بڑھایا۔ کچھ لمحے وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اس امید پر کہ وہ کچھ اور کہے گا۔ اس کی تعریف وغیرہ لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے واشروم چلا گیا۔ اس کا دل ڈوب گیا تھا۔

وہ اس مخملی ڈبیہ کو ہاتھ میں لیے دیکھے جا رہی تھی لیکن اس نے اسے کھول کر نہیں دیکھا۔ بیس منٹ بعد وہ باہر آیا تو وہ ایسے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ تولیے سے بال خشک کرتے اس کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے۔

"آپ تھک گئی ہوں گی۔ نیند بھی آ رہی ہو گی۔ آپ چینج کر لیں۔"

وہ وہیں پر کھڑا اسے کہہ رہا تھا۔

"آپ کے کپڑے اس الماری میں ہیں۔" اس نے الماری کی طرف اشارہ کیا تو اس نے سر ہلا دیا۔ ڈبیہ کو بیڈ پر چھوڑ کر وہ الماری سے کپڑے لے کر واش روم میں چلی گئی۔ تیس منٹ بعد باہر آئی تو دیکھا وہ تو صوفے پر سو رہا تھا۔ اس نے کمبل بھی نہیں لیا تھا۔ موسم سرد نہیں تھا لیکن اے سی کی وجہ سے وہ کانپ رہا تھا۔

"آپ یہاں کیوں سو رہے ہیں؟" فرح نے اس کا کندھا ہلکا سا ہلایا۔ اس نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔

"تاکہ آپ کمفرٹیبل ہو کر سو سکیں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں کمفرٹیبل ہوں۔ آپ وہاں سو سکتے ہیں۔"

"آپ یہ ہمدردی میں کہہ رہی ہیں میں جانتا ہوں۔ لیکن آپ کو میرے ساتھ ایسی کوئی بھی ہمدردی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے نارمل انداز میں کہا تھا لیکن فرح کو برا لگا تھا۔ کچھ دیر تو وہ اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ کر بیڈ پر آ گئی۔ یاور نے اٹھ کر لائٹ آف کی اور پھر سائڈ لیمپ آف کر کے پھر صوفے پر آ کر لیٹ گیا۔ اب کمرے میں ہر طرف اندھیرا تھا۔ فرح نے ذرا رخ موڑ کر دیکھا تو وہ کروٹ لے کر سو گیا تھا۔

"کاش میں آپ کو بتا سکتی کہ آپ ساتھ مل جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا میرے لیے۔" وہ زخمی سا مسکرا دی۔ آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔

ooooooooooooooooooooooooooooo

کمرے میں ہر طرف پھولوں کی مہک تھی۔ مدھم سی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ بالکل اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی قربت پر علیزے کی دھڑکنوں نے شور مچایا ہوا تھا لیکن زبان کو اس نے خاموش رکھا ہوا تھا۔ علیزے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں اس کے چہرے پر۔

"آپ جانتی ہیں آپ کتنی خوبصورت ہیں؟" اس کی بات پر علیزے سرخ پڑ گئی۔

"آپ کی یہ گہری سرمئی آنکھیں مجھے دیوانہ کر رہی ہیں۔" وہ اس کے آنچل میں منہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ پر سرخ رنگ بہت جچتا ہے۔" علیزے نے کسمسا کر تھوڑا سا دور ہونا چاہا۔ وہ بھی مسکراتا ہوا اس سے دور ہوا۔

"آپ اتنی پیاری لگ رہی ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری ہی نظر نا لگ جائے۔" وہ اظہار محبت سننے کے لیے بے چین ہو رہی تھی لیکن وہ ہر بات کہہ رہا تھا لیکن محبت کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔

"میں.... میں چینج کرنا چاہتی ہوں۔" اس کی دبی دبی سی آواز نکلی تو مومن کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس نے بہت پیار سے جھک کر اس کے کندھے کو چوما اور پھر پیچھے ہو کر لیٹ گیا جبکہ اس کی اس حرکت پر اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے کھولیں اور بے ساختہ دل پر ہاتھ رکھا۔ اسے لگا تھا جیسے اس کا دل سینہ چیر کر باہر آجائے گا۔ اس سے پہلے وہ پھر کوئی ایسی ویسی حرکت کرتا وہ بہت تیزی سے بیڈ سے اٹھی اور واشروم میں گھس گئی۔ آدھے گھنٹے بعد واپس آئی تو وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔

"آپ کو سو جانا چاہیے تھا۔" وہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گئی تھی۔

"ابھی میں نے آپ کو رونمائی کا تحفہ نہیں دیا تو سو کیسے جاتا؟" وہ چل کر اس کے قریب آیا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ بالکل اس کے قریب آ گیا تھا۔ بہت آرام سے اس کے کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب موڑا۔ اس نے نا سمجھی سے شیشے میں اپنے پیچھے کھڑے مومن کو دیکھا۔ مومن نے بے ساختہ اسکے بالوں میں اپنا چہرے چھپانے کی کوشش کی اور پھر ایک لمبی سانس لے کر پیچھے ہوا۔

"ایک بات تو بتائیں۔"

"کیا بات؟"

"آپ شیمپو کونسا یوز کرتی ہیں؟" اس کے بے تکے سوال پر اس نے گھوم کر مومن کو دیکھا۔

"نہیں... مطلب..... آپ کے بالوں سے اتنی پیاری خوشبو آرہی ہے تو اس لیے پوچھ لیا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے خفیف سا ہوا تو وہ مسکرا دی۔

"میری رونمائی کا تحفہ کہاں ہے؟" وہ خاموش سا اسے دیکھنے میں مصروف تھا جب علیزے نے پوچھا۔ وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ پھر سے اس کا رخ شیشے کی طرف موڑ گیا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا پینڈنٹ نکالا اور اسے پہنانے لگا۔ پھر اس کے بال ایک سائڈ پر کر کے اسے بند کرنے لگا۔ اس نے پینڈٹ بند کرتے کرتے ذرا سی نگاہ اٹھا کر علیزے کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ نگاہوں کے ملاپ پر گڑ بڑا گئی جبکہ وہ مسکرا دیا۔

"یہ آپ کی گردن میں بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔" اس نے علیزے کا رخ اپنی جانب موڑا۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اس

میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے۔

"کچھ کہیں گی نہیں آپ؟" وہ اس کی خاموشی سے جھنجھلایا تھا۔

"تحفے کے لیے شکریہ۔" اس کے سوال کے جواب میں علیزے نے کہا تو مومن کو نا چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

"میرے خیال سے آپ تھک گئی تو اب ہمیں سونا چاہیے۔" مومن نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بیڈ کی جانب لے آیا۔ رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کی طرف تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

صبح کے نو بج رہے تھے جب فرح کی آنکھ کھلی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھی تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنے بال سیٹ کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کو بہت اچھی نیند آئی ہو گی۔" یاور نے مسکرا کر کہا۔

"سوری! میری آنکھ نہیں کھلی۔ آپ مجھے اٹھا دیتے۔"

"آپ اتنی پر سکون ہو کر سو رہی تھیں تو اس لیے میں نے نہیں جگایا۔ اب آپ اٹھ گئی ہیں تو چینج کر لیں پھر باہر جا کر ایک ساتھ ناشتہ کرتے ہیں۔" یاور کے کہنے پر اسے یاد آیا کہ ناشتہ تو اس کے ماں باپ کے گھر سے آنا تھا۔

"دراصل ہمارے پاکستان میں ایک رسم ہے۔" اس نے ذرا جھجھکتے ہوئے کہا۔

"کیسی رسم؟" وہ اب خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کر رہا تھا۔

"شادی کے دوسرے دن ناشتہ لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے آتا ہے۔"

"ہاں تو ہم نیچے جا کر ناشتہ کر تو رہے ہیں۔"

"نہیں مطلب.......ماں باپ کے گھر سے۔"

"تو ایسے کہیں نا کہ ماں باپ کے گھر سے۔ یہ لڑکی کا گھر کیا ہوتا ہے۔ آپ کا گھر اب یہ ہے۔" وہ تیز روانی میں کہتا گیا تو فرح نے ایک پل اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"اور وہاں سے ناشتہ کیوں آئے گا؟ جبکہ گھر میں ناشتہ بنا ہوا ہے؟"

اب وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"یہ ایک رسم......۔"

"میں ایسی کسی فضول رسم کو نہیں مانتا۔ آپ انہیں منع کر دیں، کسی بھی ایسے تکلف میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری ان سے شام کو ریسپیشن میں ملاقات ہو گی لیکن وہ ابھی ایسی کوئی رسم نبھانے یہاں نہیں آئیں گے۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہتا وہاں سے جانے لگا۔

"آپ کو میرے ماں باپ کا یہاں آنا اچھا نہیں لگ رہا؟" یقیناً فرح کو برا لگا تھا اس لیے اس نے کہا جبکہ اس کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ ایڑھیوں کے بل گھوما۔

"آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟" یاور کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"آپ انہیں یہاں آنے سے منع کر رہے ہیں۔"

"Correction please"

"میں نے انہیں یہاں آنے سے منع نہیں کیا، بس اس رسم کے لیے یہاں آنے سے منع کیا ہے۔" اس نے ناگواری سے کہا تو فرح کو ایک پل کے لیے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔ یاور کی آنکھوں میں ایک دم سرد مہری اتر آئی تھی۔

"نہیں میرا وہ مطلب......"

"آپ کا جو بھی مطلب ہو لیکن آئندہ اپنے تک رکھیے گا مجھے اس قسم کی جذباتی باتیں پسند نہیں ہیں۔" وہ کہتا ہوا اٹھ کر وہاں سے چلا گیا اس بات کا احساس کیے بغیر کہ اس نے کتنا سخت رویہ اپنا لیا تھا۔ فرح کی آنکھیں بھر آئیں تھیں لیکن اس نے رونا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وہ اتنی کمزور نہیں تھی۔

"کھڑوس آدمی۔" وہ بس یہی کہہ سکتی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ شیشے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی جب وہ نوک کر کے اندر آیا۔ اس نے ٹھہر کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے وہ اپنا چہرہ پھولوں کے پیچھے چھپائے اندر آرہا تھا۔

"یہ میری وائف کے لیے۔"

وہ اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے پھول لیے اور انہیں سائڈ پر رکھا اور پھر جھک کر اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

"مجھے آپ قدموں میں بیٹھے اچھے نہیں لگتے۔"علیزے نے اتنے پیار سے کہا تھا کہ مومن کا جی اس کے صدقے جانے کو چاہا۔

میں تو اپنی خوبصورت بیوی کی خدمت میں پھول حاضر کر رہا تھا۔"

اس نے علیزے کے ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب کیا۔

"تو پھول تو کھڑے ہو کر بھی دیئے جا سکتے تھے۔اس کے لیے قدموں میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"اس نے پیار بھری خفگی سے کہا۔

"جو آپ کا حکم۔"اس کی نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہیں تھی۔وہ نروس ہو رہی تھی۔مومن نے بہت پیار سے اسے اپنے

ساتھ لگایا۔ وہ ان لمحوں کو جینا چاہتا تھا۔ ایک دم سے اس کی زندگی
اتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔ اسے خود ہر رشک آ رہا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

"تم کہاں جا رہے ہو؟" ہاشم نے یمان کو باہر جاتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

"لیونا کے ساتھ لنچ تھا تو بس وہیں جا رہا ہوں۔" اس نے موبائل پر ٹائم دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ہاشم کے تاثرات بدلے۔

"ریسیپشن ہے آج اور یہاں سو کام ہیں تو میرے خیال سے تمہیں گھر پر ہونا چاہیے۔"

"ریسیپشن رات کو ہے بھائی اور میں بس ایک گھنٹے تک آ جاؤں گا۔" اس نے ہاشم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بے فکر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہارا اس لڑکی کے ساتھ بے جا گھومنا بالکل بھی پسند نہیں ہے۔" ہاشم کے انداز میں تنبیہہ تھی۔

"وہ میری دوست ہے بھائی اور مجھے اچھی لگتی ہے۔"

"تم جانتے ہو نا لڑکا اور لڑکی دوست نہیں ہوتے۔"

"میں اس وقت لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ بیزاریت سے کہتا جانے لگا۔

"پسند کرتے ہو اسے؟" ہاشم کے سوال پر وہ رکا اور پھر ایڑھیوں کے بل گھوم کر اسے دیکھا۔

"کم آن برو۔ میرا ٹیسٹ اتنا بھی خراب نہیں ہے۔" اس کے جواب پر ہاشم کے اعصاب تن گئے۔

"تو کیا ٹائم پاس کر رہے ہو اس کے ساتھ؟"

"نا تو میں اسے پسند کرتا ہوں اور نا ہی ٹائم پاس کر رہا ہوں۔وہ کوریا گھومنے آئی ہے اور میں اسے وقت دے رہا ہوں بس۔تا کہ وہ یہاں اچھا وقت گزار کر جائے۔"اس نے قدرے ناگواری سے کہا تھا جیسے اسے ہاشم کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"ٹھیک ہے جاؤ تم اور جلدی آ جانا۔"ہاشم نے اس کے بدلتے موڈ کو دیکھ لیا تھا اس لیے اسے خاموش ہونا پڑا۔وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

آج اتوار کی چھٹی تھی تو وہ آفس نہیں گئی تھی۔وہ اور عریش دونوں گروسری کرنے چلی آئی تھیں۔جب مارکیٹ میں گھومتے گھومتے تھک گئیں تو قریبی ریسٹورنٹ میں کچھ کھانے کے لیے چلی آئیں۔وہ آرڈر دے کر بیٹھی ہوئی تھیں جب بختاور کی نظریں اپنے سامنے

والے ٹیبل پر گئی۔ وہاں یمان اور لیونا بیٹھے ہوئے تھے اور یقیناً کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

اس کا دل جل کر راکھ ہوا تھا۔

"چلو گھر چلتے ہیں۔" نا جانے اسے کیا ہوا ایک دم سے اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں ؟ ابھی تو ہمارا آرڈر بھی نہیں آیا۔" عریش بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔

"کینسل کر دو۔"

"تمہیں اچانک سے کیا ہو گیا ہے ؟" عریش کو اس کے اچانک بدلتے رویے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ویٹر۔" اس نے ویٹر کو آواز دی جو یمان نے بھی سنی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے بلیک کلر کا لانگ کوٹ پہن رکھا تھا اور

بال جوڑے میں قید تھے اور چہرے پر اداسی تھی جو آنکھوں سے بھی چھلک رہی تھی۔اس وقت وہ وہی لگ رہی تھی جس سے وہ اس کی طرف اٹریکٹ ہوتا تھا۔

"یس میم۔"

"ہمارا آرڈر کینسل کر دیں۔ہمیں ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے۔"

"اوکے میم۔"ویٹر کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"ہوا کیا ہے تمہارا اچانک موڈ کیوں آف ہو گیا۔"عریش پوچھ رہی تھی جبکہ وہ یمان کو دیکھ رہی تھی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

عریش نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔اس کے دیکھتے ہی یمان نظریں چرا گیا۔بختاور نے بھی اپنا رخ بدلا لیکن عریش کو کچھ شک سا گزرا تھا۔اس نے بختاور کا ہاتھ پکڑا اور خاموشی سے اسے وہاں سے لے گئی اور وہ اس کے ساتھ چلتی گئی بغیر رکے۔یمان نے اسے

محض جاتے ہوئے ہی دیکھ سکا۔ایک دم سے سب کچھ ویران ہو گیا تھا۔

"گھر میں ریسپشن ہے میرے بھائی کا اور مجھے دیر ہو رہی ہے۔"وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ گیا۔

"ہاں لیکن ابھی اس میں وقت ہے۔"لیونا وہیں بیٹھے بیٹھے اسے کہنے لگی۔

"شادی والا ماحول ہے تو سو کام ہو سکتے ہیں اس لیے میرے خیال سے ہمیں جانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے جیسے تم کہو۔"وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آرڈر کینسل کروا دو پھر۔"

"ہاں میں کروا دیتا ہوں۔" وہ جلدی جلدی سارے کام نبٹا کر باہر آیا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ دنیا ایک دم سے خالی ہو گئی تھی۔ یمان کو بلاوجہ ہی غصہ آنے لگا

تھا لیکن خاموشی سے گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ریسپیشن اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا۔ مومن اور علیزے کسی نا کسی بات پر مسکرا رہے تھے لیکن فرح خاموش بیٹھی ہوئی تھی جسے یاور نے ہی نوٹ کیا تھا۔ اسے اپنا صبح والا رویہ بھی یاد تھا جس سے وہ بری طرح شرمندہ ہوا تھا۔ ناشتہ لانے سے اس نے منع کر دیا تھا لیکن ولیمے کے بعد میکے جانے والی رسم سے وہ انکار نا کر سکا۔ وہاں جا کر ان کے درمیان نارمل سی گفتگو رہی تھی لیکن دوسرے دن گھر واپس آ کر یاور نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ دونوں اس وقت اپنے روم میں تھے۔ وہ صوفے پر بیٹھا بات کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ رہا تھا دفعتاً اس کی نظر اس پر پڑی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی جیولری اتار رہی تھی لیکن جھمکے پر آ کر اٹک گئی تھی۔ وہ نہیں اتر رہا تھا۔ کچھ دیر تو وہ اسے دیکھتا رہا لیکن پھر اٹھ کر اس کی پاس چلا آیا اور اس کی اجازت کے بغیر ہی وہ اس کا جھمکا اتارنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔

"شکریہ۔" یاور نے جھمکا اتار کر اس کے ہاتھ میں دیا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"ناراض ہونے کی وجہ؟"

"وہ.... میں نے آپ کے ساتھ سختی سے بات کی تو.....۔""بہت جلدی خیال آگیا آپ کو۔"اس نے طنز نہیں کیا تھا لیکن یاور کو ایسا ہی لگا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" یاور نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

اٹس او کے۔"وہ بھی مسکرا دی۔

"میں آئندہ کوشش کروں گا کہ ایسے بات نا کروں۔"

"آپ کی بیوی بہت بہادر ہے۔ وہ ایسی باتوں کو دل پہ نہیں لگاتی اور نا بات بات پر روتی ہے۔"

"آئی نو۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خاموش سی اسے دیکھنے لگی اور پھر نگاہیں جھکا لیں۔

"آپ بہت پیاری ہیں۔"اس نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا لیکن دیکھ نہیں پائی اور نظریں جھکا گئی۔ وہ الفاظ جو وہ شادی کی

رات سننا چاہتی تھی آج سننے کو ملے تھے لیکن وہ بلش کر گئی۔وہ مشرقی لڑکی تھی۔اس کا شرمانا بنتا تھا۔

یاور کو اس کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم مذہب بدل رہے ہو؟"وہ سب ڈنر ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے جب سیمون آفندی کو کال آگئی تو وہ سننے کے لیے باہر چلے گئے۔ان کی غیر موجودگی میں سارہ نے جنگکوک سے پوچھا۔

"جب ایک بار یہ بات ختم ہو گئی ہے تو آپ کیوں یہ پوچھ رہی ہیں؟" جنگکوک نے بہت احترام سے انہیں جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا۔

"اس میں ایسا کیا ہے جنگکوک جو تم پاگل ہو رہے ہو اس کے لیے؟"

"پتا نہیں۔"

"وہ تو خوبصورت بھی نہیں ہے کہ بندا کہے کہ تم اسے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے پسند کرتے ہو۔"

"آپ کی نظر میں خوبصورتی کیا ہے ماما؟" اسے اپنی ماں کی زبان سے ماریہ کے لیے یہ الفاظ اچھے نہیں لگے تھے۔

"وہ جو اس کے پاس نہیں ہے۔"

"اس کے پاس کیا نہیں ہے؟"

"تم فضول بحث کر رہے ہو میرے ساتھ۔"

"میں آپ کی بات کا جواب دے رہا ہوں۔"

"اس لڑکی کے لیے تم ماں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔"

"بیٹھا ہوا ہوں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی۔"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔" اس نے قدرے سنجیدگی سے ماں کو دیکھا۔

"وائٹ رنگت، کھلے بال، میک اپ، جینز، یہ سب خوبصورتی ہے آپ کی نظر میں؟ یا وہ جو مردوں کے دل بہلانے کے لیے عورتیں اپنی ادائیں دکھاتی ہیں وہ خوبصورتی ہے؟"

"تم بات کو کہاں سے کہاں لے کر جا رہے ہو؟"

"جسٹ آپ کو بتا رہا ہوں ماما۔ خوبصورتی ان چیزوں سے نہیں ملتی۔ میرے لیے ہر وہ انسان خوبصورت ہے جو مکمل ہے اور وہ مکمل ہیں۔"

"تم اپنی ماں کے سامنے اس لڑکی کی حمایت کر رہے ہو۔" سارہ آفندی کو اس کی ماریہ کے لیے بے انتہا محبت پسند نہیں تھی۔

"اگر آپ کو ایسا لگتا ہے تو ایسا ہی ہو گا۔ میں ان کے معاملے میں اتنا ہی پوزیسیسو ہوں۔ کوئی ان کے بارے میں غلط بات کرے گا تو میں ان کی حمایت کروں گا۔" وہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا جبکہ وہ لب کاٹ کر رہ گئیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

حماد کا لاسٹ سمسٹر شروع ہو چکا تھا اور یقیناً یہ سمسٹر بہت مصروف جانے والا تھا تو اس کے ڈپارٹمنٹ کے سارے اسٹوڈنٹ جہاں بھی بیٹھتے کتابیں ان کے ہاتھ میں ہوتی یا وہ گروپس کی شکل میں بیٹھ کر ڈسکشن کرتے۔ ان کے فائنل پروجیکٹس بھی شروع ہونے والے تھے۔ ابھی بھی وہ وہ کوریڈور سے گزر رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ میں کتاب تھی جبھی اس کی نظریں گراؤنڈ میں پڑے ایک بینچ پر گئیں

جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ پہلے تو وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اسی کے پاس چلا آیا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" وہ گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔ اس نے سر سری سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہم نہیں آپ۔ آپ کو بات کرنی ہے نا۔" اس کی آواز مدھم لیکن انداز سنجیدہ تھا۔

"جی۔" وہ نروس سا ہوا۔

"کہیے میں سن رہی ہوں۔" وہ اپنی نشست پر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہم کہیں اور جا کر بات کر سکتے ہیں۔" اسے اتنے لوگوں میں بات کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔

"شیور۔" وہ دونوں کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں آج زیادہ رش نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کہاں سے بات شروع کرے۔

"بولیے۔" مجبوراً عریش کو کہنا پڑا۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" وہ نہیں جانتا تھا وہ کیا کہنے آیا تھا اور اس نے کہا کہہ دیا۔ وہ اس کے سوال پر بری طرح شاکڈ ہوئی تھی۔ وہاں پر خاموشی چھا گئی تھی۔

"یہ بات کرنی تھی آپ کو؟" اس کی آنکھوں میں سرد مہری تھی۔

"کیا یہ معمولی بات ہے؟"

"بہت ہی چھوٹی اور چیپ بات ہے۔"

"میں محبت کرتا ہوں آپ سے تو شادی کے لیے پرپوز چھوٹی بات نہیں ہے۔ اور چیپ تو بالکل بھی نہیں۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ آپ نے میری دوست......"

"میں یہاں عنایہ کی بات کرنے کے لیے نہیں آیا۔" اس نے عریش کی بات کو درمیان میں کاٹا۔

"ہمارے راستے الگ ہو چکے ہیں اور ہمارے درمیان یہی طے ہوا تھا کہ ہم اپنے اپنے راستے چل کر اپنی منزل حاصل کریں گے۔ جو کچھ ہوا وہ ایک برا وقت تھا جو آکر چلا گیا ہے۔ اگر آپ اس وجہ سے مجھے انکار کریں گی تو یہ ایک بہت فضول وجہ ہو گی لیکن اگر کوئی اور وجہ ہے تو آپ مجھے وہ بتائیں۔" اس نے اس کے انکار کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔ وہ حماد سے محبت کرتی تھی لیکن حماد کو اس سے کب محبت ہوئی وہ نہیں جانتی تھی لیکن اس کی محبت میں اسے صداقت نظر آئی تھی مگر وہ اسے ہاں بھی کہنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"آپ کچھ بولیں گی بھی یا نہیں ؟" حماد کو اس کی خاموشی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

"آپ کو کتنا وقت درکار ہے ؟"

"اب یہ تو مجھے نہیں پتا۔"

"جتنا وقت لینا ہے لے لیں لیکن انکار مت کیجئے گا۔"

"اگر ہاں ہی کرنی ہے تو میں ابھی کہہ دیتی ہوں۔ہاں مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے۔" یقیناً اس نے طنز ہی کیا تھا جس سے وہ شرمندہ سا ہوا۔

"مجھ سے شادی کرنے کے لیے آپ کو میرے گھر آنا ہو گا۔" وہ کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی لیکن اس کی نظریں اسی پر آکر رک گئیں تھیں۔ وہ باہر جا رہی تھی اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں

بے یقینی تھی لیکن وہ خوش بھی تھا۔وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی رضا مندی ظاہر کر گئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس میں اس وقت سب ڈنر ٹیبل پر اکٹھے ہوئے تھے۔وہ سب نظریں جھکائے کھانا کھانے میں مصروف تھے اور ان کا یہ احترام ان کی بھابیوں کے لیے تھا جو چہروں کو پردے میں چھپائے بیٹھی ہوئیں تھیں۔ان کا نقاب ایسا نہیں تھا کہ گھر سے باہر جاتے وقت منہ چھپالیا اور گھر آتے ہی اتار دیا۔اور گھر میں موجود نامحرم انہیں دیکھیں۔نہیں! اس ٹیبل پر ان کے شوہروں کے علاوہ باقی سب ان کے لیے نامحرم تھے۔انہیں الگ سے کھانا کھانا پسند نہیں تھا اس لیے وہ چادر میں اپنے چہرے چھپا کر کھانا کھانے بیٹھیں تھیں۔وہ سب ان

سے متاثر ہوئے تھے۔ یمان جیسا لبرل انسان بھی ان کے سامنے احترام سے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم لوگوں کا آگے کا کیا پلان ہے؟" سب نے ہاشم کے سوال پر چونک کر اسے دیکھا۔

"پلان...... مطلب؟" یاور نے ناسمجھی سے پوچھا۔ "بھئی تم لوگوں کی شادی ہوئی ہے۔ کہیں گھومنے پھرنے نہیں جاؤ گے؟"

"آف کورس جائیں گی بھائی۔" مومن نے پرجوش ہو کر کہا۔

"لیکن جانا ضروری ہے کیا؟" باقی سب خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

"ہاں ضروری ہے اور میں نے تم لوگوں کی ٹکٹ بھی کروا دی ہے تو تم چاروں ایک دو روز میں جا رہے ہو۔" ہاشم نے اپنا کارنامہ بتایا تو وہ دونوں حیران ہوئے بغیر رہ نہیں سکے۔

"اتنی جلدی اس کی کیا ضرورت تھی بھائی۔۔۔۔۔"

"مسٹر اینڈ مسز مومن درانی آپ دونوں ایک مہینے کے لیے ترکی جارہے ہیں اور مسٹر اینڈ مسز یاور درانی پیرس۔اور یہ میرا آخر فیصلہ ہے۔" وہ اس گھر کا بڑا بیٹا تھا اور آخری فیصلہ ہمیشہ اسے ہی کرنا ہوتا تھا۔

"واہ... مجھے ترکی بہت پسند ہے۔" علیزے نے پرجوش ہو کر کہا تو ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

"کیا واقعی ہی آپ کو ترکی پسند ہے؟" مومن نے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

"کیا آپ کو نہیں لگتا کہ ایک مہینہ بہت زیادہ ہے۔" یاور کو ابھی بھی اعتراض تھا۔

"نہیں!...مجھے لگتا ہے یہ ایک مہینہ بھی بہت کم ہے۔" ہاشم نے کہا تو وہاں سب کی دبی دبی سی ہنسی نکلی۔

"آئی ایم ناٹ جوکنگ برو۔"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔" وہ بھی سنجیدہ ہوا تھا۔

"مجھے بھی لگتا ہے کہ ایک مہینہ بہت زیادہ ہے۔" فرح نے بھی یاور کی سائڈ لیتے ہوئے کہا تو ان دونوں نے اسے دیکھا۔

اسے رومینٹک شوہر کی خواہش کبھی نہیں رہی تھی لیکن اتنا پریکٹیکل شوہر بھی وہ نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اب جب مل گیا تھا تو اسے اس کا ہی ساتھ دینا تھا۔

"یعنی تم لوگ میرے تحفے کو رد کر رہے ہو؟" ہاشم یکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"آپ ایموشنل بلیک میل کر رہے ہیں مجھے۔"

"تو تم ہو جاؤ نا ایموشنل بلیک میل۔" ہاشم نے کہا تو اس نے بیزاری سے آنکھیں گھمائی۔

"او کے..... لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"کوئی شرط میں نہیں مانوں گا۔"

"میں بھی تو آپ کی بات مان رہا ہوں۔"

"تو اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ہاشم نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگا۔

" چلیں جائیں نا بغیر کسی شرط کے بھائی۔ آخر مسلہ کیا ہے۔" ماریہ کو بھی یاور کا انکار پسند نہیں آیا تھا۔

"جب میری شادی ہو گی نا تو پورا ایک سال کسی ملک میں گھومتا رہوں گا اپنی بیوی کے ساتھ لیکن لڑکیوں والے نخرے نہیں کروں گا۔"

منہاج نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے کہا تو یاور نے اسے کھا

جانے والی نظروں سے دیکھا۔اسے لڑکیوں کے ساتھ تشبیہ بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ وہاں جا کر گھومیں گے؟" یاور نے کہا تو اس نے ابرو اچکائے۔

"آپ وہاں بھی اپنی نیندیں ہی پوری کریں گے۔" اب اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تو منہاج کا قہقہ بے اختیار تھا۔

"کم از کم تمہاری طرح انکار نہیں کروں گا۔"

"اور میں تمہیں ایک سال کی چھٹی دوں گا بھی نہیں۔" اب کے ہاشم درمیان میں بولا تو وہ سب ہنسنے لگے۔

"ٹھیک ہے چلا جاتا ہوں۔" بالآخر اسے ہار ماننی پڑی۔

"گڈ بوائے۔" ہاشم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پراجیکٹ کا کیا بنا؟" اب اس کا سوال یمان سے تھا۔

"مجھے وہ پراجیکٹ مل گیا ہے۔"اس نے بتایا تو ہاشم فخر سے مسکرایا۔

"مجھے تم پر فخر ہے۔"

"اب ناراض تو نہیں ہیں؟"

"نہیں.... میں نا تم سے پہلے ناراض تھا اور نا اب ناراض ہوں۔"

ہاشم نے کہا تو یمان نے تشکرانہ نظروں سے یمان کو دیکھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"کیا تم سو رہی ہو؟"رات کے دس بجے حماد ماریہ کے روم کا دروازہ ناک کر کے اندر آیا۔

"نہیں تو۔"وہ اپنے سامنے کتابیں بکھیرے بیٹھی ہوئی تھی۔

"تو سو جاؤ کس نے روکا ہے۔"وہ شرارت سے کہتا ہوا اندر آیا۔

"تم یہ کہنے آئے تھے مجھے؟"اس نے بیزاری سے حماد کو دیکھا۔

"ارے نہیں تو۔میں تو احساس کر رہا تھا تمہارا۔"

اس نے نظریں واپس کتابوں پر جمالی۔

"اتنا زیادہ کام ہے۔ سونا بہت مشکل ہے۔" اس نے قدرے بیزاری سے کیا۔

"بھائی تمہیں اتنی دیر تک جاگنے بھی نہیں دیں گے۔"

"اب ان کی شادی ہوگئی ہے تو اب وہ اس طرح ہمارے روم کے چکر نہیں کاٹ سکتے۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"شادی ان کی ہوئی ہے۔ ہماری نہیں۔ جو وہ ہمارے روم میں نہیں آ سکتے۔" حماد نے اس کی عقل پر افسوس کیا۔

"شادی کے بعد انسان کی یاداشت کمزور ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم فی الحال ناممکن سمجھو۔" اس نے وضاحت دی۔ حماد نے پھر سے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

"ان کی یاداشت کا تو پتا نہیں لیکن تمہاری یاداشت ضرور چلی گئی ہے۔"

"ہیں ؟ایسا کیا کہہ دیا میں نے ؟"اس نے پھر سے کتابوں سے سر اٹھا کر حماد کو دیکھا۔

"شاید تم بھول رہی ہو یہ ڈیوٹی اب ہاشم بھائی پوری کر رہے ہیں۔" حماد نے اسے یاد کروایا۔

"ہاشم بھائی سے ڈر نہیں لگتا مجھے۔"وہ کتابوں کو سائڈ پر رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔حماد نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"ابھی جا کر بتاؤں کیا بھائی کو؟"اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔

"چپ کر کے یہیں بیٹھے رہو ورنہ ماروں گی میں۔"اس نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو وہ بے اختیار قہقہ لگا گیا۔

"ابھی تو کوئی کہہ رہا تھا مجھے ڈر نہیں لگتا۔"وہ اسے ستا رہا تھا۔

"بدتمیز......" اس نے کتاب اٹھا کر اس کے کندھے پر ماری تو وہ فوراً پیچھے ہٹا۔

"ظالم لڑکی۔"

"وہ تو میں ہوں تم یہ بتاؤ تمہیں آدھی رات کو کونسی چیز میرے روم میں لے آئی ہے۔"

"چائے کی طلب ہو رہی تھی۔" اس نے معصومیت سے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"کہتی ہوں بھائی سے کہ تمہاری بھی شادی کروادیں تاکہ تمہیں آدھی رات کو کوئی چائے بنانے والی مل جائے۔"

"مل تو گئی ہے بس ہاں باقی ہے۔" اس نے آہ بھری تو وہ شاکڈ سی اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اسے خود کو دیکھتا پا کر وہ جھنجھلایا۔

"کیا سچ میں کوئی ہے؟"

"ہے تو لیکن بھائی سے بات کرتے ہوئے ڈر لگ رہا اور اب تو وہ ایک ماہ کے لیے پیرس جا رہے ہیں تو بالکل بھی ابھی یہ بات نہیں کر سکتا۔" اس نے بچوں کی طرح منہ بنایا۔

"تو ہاشم بھائی تو یہیں ہیں۔ان سے کر لو بات۔" اس نے مشورہ دیا۔

"ویسے تم کبھی کبھی عقل والے مشورے دیتی ہو۔" حماد نے اسے سراہتے ہوئے کہا جبکہ اس نے اسے اچھی خاصی گھوری سے نوازا۔

"تم سے زیادہ عقل ہے مجھ میں۔" اس نے منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے کہا تو حماد کی ہنسی نکل گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ دکھنے میں کیسی ہے میری بھابھی

" وہ پرجوش ہوئی۔

"میں نے اسے نہیں دیکھا... وہ پردہ کرتی ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" وہ جواباً مسکرا دیا.

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تمہیں یہاں کونسی چیز کھینچ لائی ہے؟"

"میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا واقعی ہی؟" اس نے پوچھا تو جنگلوک نے جواباً سر ہلا دیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے کون ہے وہ جس کے لیے تم اتنا بڑا قدم اٹھانے جا رہے ہو۔" جنگلوک نے ایک نظر تسبیحہ کو دیکھا اور پھر ایک طائرانہ نظر اس کے اپارٹمنٹ پر دہرائی۔ وہ آج یونیورسٹی جانے کے بجائے تسبیحہ کے اپارٹمنٹ میں آگیا تھا کیونکہ وہ مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہے کوئی۔ کوئی بہت خاص۔" اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی لیکن اس کے خیال نے اسے مسکرانے پر مجبور کیا تھا۔

"تو تم کب کر رہے ہو اسلام قبول؟" وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اسے نہیں بتائے گا۔

"ابھی۔"

"ابھی؟"

"ہاں ابھی۔" وہاں پھر سے سنجیدگی آگئی تھی۔

"ابھی کیسے کرو گے؟"

"تمہیں تو وہ کلمات آتے ہوں گے جنہیں پڑھ کر مسلمان ہوا جاتا ہے۔"

"ہاں آتے ہیں لیکن میں تمہیں نہیں پڑھا سکتی۔"

"آخر مسلہ کیا ہے؟" جنگکوک کو اس کا انکار پسند نہیں آیا تھا۔

"میرے اپارٹمنٹ کے سامنے ایک مسلم فیملی رہتی ہے اور وہ ہے بھی پاکستانی۔ تم ان کے پاس جاؤ وہ تمہیں بہتر گائڈ کریں گے۔"

"پہلی بار تم سے کوئی کام پڑا تھا مجھے۔ احسان فراموش لڑکی۔" وہ غصے سے کہتا وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ لب کاٹتی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"یہی ہے وہ گھر جہاں دو بزرگ رہتے ہیں۔ میاں بیوی ہیں۔ شاید ان کی اولاد انہیں ساتھ رکھنے پر راضی نہیں تھی اس لیے یہاں پر چھوڑ گئے۔ ہفتے میں ایک بار کوئی انہیں راشن دے جاتا ہے اور کئی بار تو مہینے میں ایک دفعہ۔" وہ اسے بتا رہی تھی جبکہ وہ سنجیدگی سے سن رہا تھا۔

"روزانہ صبح اور رات کو ان کے گھر سے قرآن پڑھنے کی آواز آتی ہے۔ میں یہاں اپنے دروازے کے پاس بیٹھ کر سنتی ہوں۔"

"تم ان کے پاس چلی جایا کرو۔ وہاں بیٹھ کر سن لیا کرو۔"

"نہیں مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو سامنا کر سکوں۔ میرے گناہ اتنے ہیں کہ میں کسی پاک وجود کا سامنا رکھنے کی ہمت نہیں رکھتی۔"

"کیا مطلب ؟"اس نے ناسمجھی سے تسبیحہ کو دیکھا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ تمہیں پھر کبھی بتاؤں گی۔ابھی تم جاؤ۔" اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

جنگکوک نے اسے بہت غور سے دیکھا پھر نظریں پھیر گیا۔

"ان لوگوں کا کیا ری ایکشن ہو گا۔میں بہت کنفیوز ہو رہا ہوں۔"

"تم بس کہنا کہ تمہیں عطااللہ صاحب سے ملنا ہے۔وہ تمہیں نہیں روکیں گے۔"

"کیا پہلے بھی اس طرح کوئی ان کے پاس گیا ہے ؟"

"ہاں اکثر لوگ اپنی پریشانیاں لے کر ان کے پاس آتے رہتے ہیں۔ وہ لوگوں کی پریشانیاں کس طرح دور کرتے ہیں یہ تو میں نہیں جانتی لیکن تم جب جاؤ گے تو تمہیں پتا چل جائے گا۔"جنگکوک نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔پھر کچھ سوچتے ہوئے اس دروازے کی جانب بڑھا۔

اس نے مڑ کر تسبیحہ کو دیکھا اور پھر دروازے کی طرف دیکھا۔ اس نے دستک کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اسے لگا جیسے وہ ہاتھ نہیں اٹھا پائے گا۔ وہ جس بات کو اتنا معمولی سمجھ رہا تھا وہ اتنی بھی معمولی نہیں تھی۔ اس کا سانس حلق میں اٹک گیا تھا۔ اسے اپنے کندھے پر کچھ محسوس ہوا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

"یہاں تک آ گئے ہو تو آگے بھی ہمت کر لو۔" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ جنگکوک نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ہمت کر کے دستک دی۔ تین سیکنڈ میں دروازہ کھل گیا تھا۔ سامنے ایک بزرگ آدمی کھڑے تھے۔ سفید شلوار قمیض، سر پر ٹوپی، سفید رنگت اور سفید داڑھی، ہاتھ میں تسبیح پکڑے چہرہ کسی قسم کی حیرت سے عاری تھا

لیکن چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جنگکوک کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گا۔

"اندر آجاؤ بیٹا۔" ان کے پاس اس طرح بہت سے نوجوان آچکے تھے اس لیے انہوں نے بغیر سوال جواب کے اسے اندر آنے کا کہا تو وہ خاموشی سے ان کے پیچھے چلا آیا۔ اس کے اندر چلے جانے کے بعد وہ بھی واپس اپنے اپارٹمنٹ میں چلی گئی تھی۔ جنگکوک نے اندر قدم رکھے تو ایک عجیب سا سکون اسے محسوس ہوا۔ اندر موتیے کی مدھم سی خوشبو تھی۔ وہ اس

خوشبو میں سکون سے سانس لے پا رہا تھا۔ لیکن کچھ تھا یہاں جو اس کے دل کو بھاری کر رہا تھا۔ نا جانے کیوں اس کا دل کیا کہ زور زور سے روئے۔ اندر جتنا غبار ہے وہ سارا باہر نکل جائے۔ لیکن فی الحال وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکا۔

"یہاں بیٹھ جاؤ بیٹا۔" وہاں چھوٹے سے ہال میں دو صوفے رکھے ہوئے تھے جن میں سے ایک پر وہ بیٹھ گیا۔ "کیا لوگے؟" انہوں نے بہت شفقت سے پوچھا تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ ان کے چہرے پر سکون تھا۔ ایسا سکون جس کی تلاش میں وہ بے چین ہو رہا تھا۔

"آپ کو کسی تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بمشکل بول پایا تو وہ مسکرا دیئے۔

"اس میں تکلف کیسا؟ تم ہمارے گھر میں مہمان بن کر آئے ہو تو تمہاری خاطر تواضع ہمارا فرض ہے۔" وہ کچھ بول نہیں سکا۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے اور دس منٹ بعد باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھا۔ جس میں

چائے کے ساتھ بسکٹ تھے۔ وہ کانپتے ہاتھوں کے ساتھ لا رہے تھے تبھی جنگکوک فوراً اٹھ کر ان کی جانب بڑھا اور ان کے ہاتھ سے وہ ٹرے پکڑ لی۔

"آپ نے خوامخواہ اتنا تکلف کیا۔"

"اب تکلف کر لیا ہے تو تم اس تکلف کی لاج رکھ لو۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔ جب وہ چائے پی کر فارغ ہو گیا تو وہ وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔

"آ جاؤ۔" ان کے کہتے ہی وہ بھی ان کے پیچھے چل دیا۔ اس کی نظریں اس عورت کو ڈھونڈ رہیں تھی جس کا ذکر تسبیحہ نے کیا تھا لیکن وہ اسے کہیں نظر نہیں آئیں۔

وہ ایک روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ وہاں سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ کمرے میں موتیے

اور گلاب کی بھینی سی مہک تھی۔ وہاں پر ایک تختہ تھا لیکن وہ بزرگ وہاں نہیں بیٹھے بلکہ وہ زمین پر بیٹھے تھے۔ جنگلوک بھی ان کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ ایسی کونسی پریشانی تمہیں یہاں تک کھینچ لائی ہے؟" ان کے سوال پر اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ اس سارے عرصے میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

"میں....... میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے جواب پر عطااللہ صاحب کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم اسلام قبول کرنا چاہتے ہو۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ کس چیز نے تمہارا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا؟" ان کے سوال پر اس نے خاموشی سے انہیں دیکھا پھر کچھ بولنے کے قابل ہوا۔

"میں ایک مسلم لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔"اس کے جواب پر وہ واقعی ہی حیران ہوئے تھے۔ایسا مسئلہ کوئی پہلی دفعہ ان کے پاس لایا تھا۔

"تو تم صرف ایک لڑکی کے لیے اپنا مذہب بدل رہے ہو؟""جی۔" وہ خفیف سا ہوا۔

"یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے لیکن تم اسے لے کر میرے پاس آئے ہو تو میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ تمہیں محض ایک لڑکی کے لیے اپنا مذہب چھوڑنا چاہیے۔"اس نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔

"تمہیں پورے دل سے ،اللہ کے لیے اسلام کے دائرے میں آنا چاہیے لیکن تم دنیاوی چیز کے لیے اپنا مذہب چھوڑ رہے ہو۔جبکہ تم

یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ دنیاوی چیز کب تک تمہارے پاس رہے گی۔"جنگلوک خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تم ایک بار پھر سوچ لو، کہیں ایسا نا ہو کہ تم اس کے لیے اپنا مذہب بدلو اور وہ پھر بھی تمہیں نا ملے۔"ایک پل کے لیے اس کا سانس رکا تھا۔

"اللہ تو مل جائے گا نا۔"

عطااللہ صاحب چونکے تھے۔

"وہ چاہتی ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ تبھی وہ مجھ سے شادی کرے گی۔"پہلا جملہ بے اختیار تھا لیکن اب کہ وہ مشکل سے بول پایا تھا۔

"صرف کلمہ پڑھ کر نام کا مسلمان ہونے سے بہتر ہے بندہ اپنے مذہب پر ہی رہے۔" وہ سنگدل نہیں تھے لیکن وہ لگی لپٹی کے قائل بھی نہیں تھے۔ وہ وہی کہہ رہے تھے جو سچ تھا۔

"میں فی الحال یہ سب کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ بس آپ مجھے وہ کلمات پڑھا دیں جس سے انسان مسلمان ہو جاتا ہے۔"

"کیا تم خود کو مکمل طور پر اس کے لیے بدل لو گے؟" یہ وہ سوال تھا جو وہ چاہتا تھا کہ اس سے نا پوچھا جائے۔ لیکن اب پوچھا جا چکا تھا۔

"کوشش کروں گا۔"

"اگر اسے دھوکہ دینا چاہتے ہو تو اپنے لیے مشکلات کا سامان کر رہے ہو۔" اس کے پیٹ میں گرہیں لگیں۔

"میں یہ سب دیکھ لوں گا۔ آپ بس مجھے مسلمان بنا دیں۔" جنگکوک نے حتمی انداز میں کہا تو وہ سرد آہ بھر کر رہ گئے۔

"تم نے کہا کہ اگر وہ نا ملی تو اللہ تو مل ہی جائے گا۔اس بات کا کیا مطلب سمجھوں میں۔"

جنگکوک چند لمحے سوچ میں پڑ گیا۔

"وہ اللہ کے بہت قریب ہے۔اس لیے مجھے لگتا ہے کہ جو چیز اس کے لیے اہم ہے یا جو چیز اس کے قریب ہے مجھے بھی اس کی اہمیت جاننی چاہیے اور اس کی قدر کرنی چاہیے۔اس سے مل کر نا سہی اس سے بچھڑ کر ہی سہی۔شاید کبھی میں وہ بن ہی جاؤں جو وہ چاہتی ہے۔یا جو اس کا خدا چاہتا ہے۔

وہ جنگکوک کی باتوں سے استعجاب میں آئے تھے۔کچھ تھا اس لڑکے میں جس کی وجہ سے انہوں ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا۔

"مسلمان تو میں تمہیں بنا دوں گا لیکن مؤمن تمہیں خود بننا ہے۔"

اس نے پھر نا سمجھی سے انہیں دیکھا تو وہ مسکرا دیئے۔وہ غیر مسلم تھا۔

وہ مسلمان اور مومن کے فرق کو نہیں جانتا تھا اور وہ فی الحال اسے بتا نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ صرف مسلمان بننا چاہتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ پیکنگ کر رہی تھی جب وہ روم میں داخل ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اسے تھکا ہوا لگا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" فرح نے اس کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ آپ کیسی ہیں؟" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس نے بتایا۔ وہ اب شوز اتار رہا تھا۔

"گڈ۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" اس نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

"میں چینج کر کے آتا ہوں پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے واشروم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔"

"میرے کپڑے؟ یاور نے کہا تو وہ الماری کی طرف چلی گئی جہاں استری شدہ کپڑے ہینگ کیے ہوئے تھے۔ کپڑے لا کر اسے دیئے جنہیں اس نے مسکراتے ہوئے تھام لیا اور پھر واشروم کی جانب چلا گیا۔ دس منٹ بعد وہ باہر آیا۔ تولیے سے اپنے بال رگڑتے ہوئے وہ بہت دلکش لگ رہا تھا۔ وہ کنکھیوں سے اسے دیکھتی اپنا کام کر رہی تھی۔

"کیا بات کرنی تھی آپ کو؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"وہ... دراصل۔" وہ بھی کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہم ایک مہینے کے لیے جا رہے ہے تو ایسے میں میری پڑھائی کا بہت حرج ہو جائے گا۔" اس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا تو اس نے مسکرا کر ٹاول ایک سائڈ پر رکھا۔

"آپ کو لگتا ہے میں پڑھائی کے معاملے میں بخشنے والا لڑکا ہوں؟"

فرح نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"میں ہاشم بھائی سے آلریڈی اس حوالے سے بات کر چکا ہوں تو اب ہم ایک مہینہ نہیں بلکہ پندرہ دن رکے گے۔" یاور نے اس کی پریشانی کم کی تو اس نے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔

"شکریہ۔" اس نے مسکرا کر کہا تو یاور نے سر کو خم دے کر اس کا شکریہ قبول کیا۔

"اب مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ آج بہت تھکا دینے والا دن تھا۔" یاور نے چہرے پر تھکن لاتے ہوئے کہا تو وہ پریشان ہوئی۔

"کھانا تیار ہے۔لگا دیا ہوگا انہوں نے۔نیچے چلتے ہیں۔"

"انہوں نے؟" یاور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔"میڈ نے......"اس نے خفیف سا ہو کر کہا تو وہ شرارت سے مسکرا دیا۔

"یہاں سب انہیں بوا کہتے ہیں۔" یاور نے اس کی تصیح کی تو وہ مزید شرمندہ ہوئی۔یاور نے اس بات کو نوٹ کیا تھا۔بہت پیار سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اوپر کی۔

"کوئی بات نہیں۔"اس کی تسلی پر وہ تشکرانہ مسکرائی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"یہ جب سے آیا ہے ایسے ہی بے سدھ بستر پر پڑا ہوا تھا اور اب اتنا تیز بخار ہو گیا اسے۔مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا ایسا کیا ہو گیا کہ اسے اچانک سے اتنا بخار ہو گیا۔"سارہ آفندی کب سے اس کے پاس بیٹھی ہوئی

تھیں۔ سیمون آفندی بھی آفس سے گھر واپس آکر سیدھا اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

"تم نے ڈاکٹر کو کیوں نہیں بلایا؟" وہ اب اس کے پاس بیٹھ کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ رہے تھے۔ وہ بخار میں جلس رہا تھا۔

"ڈاکٹر کو فون کیا ہے لیکن ابھی تک نہیں آئے۔"

"کیا پورے شہر میں ایک ہی ڈاکٹر تھا جسے بلانے کے بعد تم اتنے اطمینان سے بیٹھ گئی ہو۔" سیمون آفندی نے سختی سے کہتے ہوئے اپنا فون نکالا اور نمبر ملانے لگے۔

"میرا بیٹا اتنی تکلیف میں ہے۔ کسی کو پرواہ ہی نہیں یہاں۔" جنگلوک کی حالت ایسی تھی کہ وہ بھی گھبرا گئے تھے۔ بخار کی وجہ سے اس پر بے ہوشی طاری تھی لیکن بے ہوشی میں بھی وہ کپکپا رہا تھا۔ اور بار بار ڈر جاتا۔ سیمون آفندی کا اپنی جوان اولاد کو اس حالت میں دیکھ کر

شدید ری ایکشن جائز تھا۔اسی وجہ سے سارہ خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"تم خود اسے کیوں نہیں لے گئی ہاسپٹل؟"رنگ جا رہی تھی لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا تو انہوں نے سارہ سے پوچھا۔

"اس کی ایسی کنڈیشن نہیں ہے کہ میں اسے تنہا ہاسپٹل لے کر جاتی۔"سارہ بتا رہی تھیں تبھی دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔

وہ ڈاکٹر کو صورتحال سے آگاہ کر کے انہیں فوراً آنے کا کہہ رہے تھے۔ڈاکٹر کے آنے تک وہ وہیں بیٹھے رہے۔

ڈاکٹر اس کا چیک اپ کر رہا تھا۔وہ دونوں خاموشی سے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔پھر ڈاکٹر سیمون آفندی کی جانب متوجہ ہوئے۔

"انہیں کسی چیز کا اسٹریس ہے جس کے باعث ان کی ایسی کنڈیشن ہو گئی ہے۔ کوئی ایسی بات جس کی تاب نالاتے ہوئے وہ ہوش و حواس کی دنیا سے لاتعلق ہو گئے ہیں۔"

"ایسا کونسا اسٹریس ہو سکتا اسے کہ اس کا یہ حال ہو گیا۔" سیمون سے پہلے سارہ بول اٹھیں۔

"یہ تو میں نہیں جانتا لیکن میں نے یہ کچھ میڈیسنز لکھ دی ہیں۔ آپ منگوا لیجیے گا۔" ڈاکٹر نے کہا تو وہ دونوں اثبات میں سر ہلا گئے۔ انہیں یہ سوال اب جنگلوک سے ہی پوچھنا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"پیکنگ ہو گئی؟" وہ دونوں کھانا کھانے کے بعد ایک ساتھ ہی روم میں آئے تھے جب مومن نے پوچھا۔

''ہاں! آدھی ہو گئی تھی اور آدھی رہ گئی۔''علیزے نے مسکرا کر کہا۔ وہ تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

''اب تم بیٹھو اور باقی کی پیکنگ میں کرتا ہوں۔''اسے بیڈ پر بٹھا کر وہ خود پیکنگ کرنے لگا۔

''آپ کیسے کریں گے۔میں کر دیتی ہوں۔''وہ اٹھ کر اس کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی۔

''تم نے جتنی کرنی تھی کر لی اب میری باری۔اور ویسے بھی یہ میرے لیے مشکل نہیں ہے۔میں اکثر کام کے سلسلے میں دوسرے ممالک جاتا رہتا ہوں۔''اس نے مسکرا کر اسے پھر بیڈ پر بٹھایا اور واپس پلٹا۔لیکن بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوا۔ تبھی اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کا دوپٹا اس کی گھڑی میں اٹک گیا تھا۔

"ایسے لگ رہا تم مجھے خود سے ایک پل بھی دور نہیں کرنا چاہتیں۔" وہ شرارت سے مسکراتا ہوا پیچھے مڑا۔ وہ ایک پل میں سرخ ہوئی تھی۔ وہ اس کے شرمانے سے محظوظ ہوا تھا۔ پھر ذرا سا جھک کر اس کا دوپٹا اپنی گھڑی سے نکالنے لگا۔ علیزے کی نظریں اس کے ہاتھ پر گئیں تو ٹھہر گئیں۔ اس کے ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔ اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ کو چھوا تو وہ حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں پسند آئے میرے ہاتھ؟" وہ مسکراتا ہوا وہیں بیٹھ گیا۔

"آپ مجھے سارے کے سارے پسند ہیں تو ہاتھ کیوں پسند نہیں ہوں گے۔" اس نے کہتے ہوئے نرمی سے اس کے ہاتھوں کو چوما تو وہ مزید شاکڈ ہوا۔ اسے اپنی حرکت کا اندازہ ہوا تو بری طرح شرمندہ ہوئی اور گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ پلکیں جھکا گئی۔ مومن کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما اور پھر بہت

پیار سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ واقعی ہی ناولوں کی ہیر و جیسا تھا۔اسے لگنے لگا تھا کہ وہ خوابوں کی دنیا میں آکر رہنے لگی ہے۔ وہ دونوں آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ تشکر سے علیزے کی آنکھیں نم ہونے لگی۔اس نے کچھ نہیں پوچھا تھا بس خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور وہ اس کی آغوش میں آکر پر سکون ہو گئی

تھی۔ مومن اس کی کمفرٹیبل زون بنتا جا رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

صبح وہ اٹھا تو کروٹ لیتے ہوئے چونک گیا۔اس کے دائیں جانب سیمون آفندی بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی نظریں اسی پر ٹکی ہوئیں تھی۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ یہاں؟... آفس نہیں گئے آج؟" اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" انہوں نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا تو وہ چونک گیا۔

"کیا مطلب؟"

"ایسا کونسا صدمہ تھا تمہیں جو تمہاری یہ کنڈیشن ہو گئی؟ جانتے بھی ہو ہم دونوں کتنے پریشان ہو گئے تھے۔ میں ساری رات یہاں تمہارے پاس بیٹھا رہا۔ تمہاری ماں بار بار تمہارے کمرے کے چکر لگاتی رہی۔ لیکن تم تو جیسے ہماری پرواہ کو بھلا بیٹھے ہو۔" وہ سنجیدگی سے کہتے اسے شرمندہ کر گئے تھے۔

"بولو ایسا کونسا صدمہ لگ گیا ہے تمہیں؟"

"ڈیڈ.... دراصل میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" انہیں لگا جیسے کسی نے آسمان ان کے سر پر گرا دیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

"پتا نہیں مجھے کیا ہوا لیکن وہ کلمات پڑھتے ہوئے مجھے اپنا دل بھاری سا محسوس ہوا۔ پتا نہیں میں کیسے گھر آیا اور یہ سب کیا ہوا مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ بتا رہا تھا جبکہ وہ اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی طرف سے جواب نا پا کر اس نے سرسری نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

"کیا ہوا ڈیڈ؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"جنگکوک... تم نے.... تم نے اسلام قبول کر لیا؟" انہیں جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

"آپ نے ہی تو اجازت دی تھی ڈیڈ.... میں نے آپ کی اجازت کے بغیر تو نہیں کیا۔"

"تم نے دوسری دفعہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور اتنا بڑا قدم اٹھالیا۔"

"میرے خیال سے ایک دفعہ کا بتانا کافی تھا۔اور آپ ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہے ہیں جیسے پتا نہیں میں نے کیا کر دیا۔"

وہ اس کی ہٹ دھرمی پر افسوس سے اسے دیکھتے وہاں سے اٹھ گئے اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے قدم پیچھے لے جانے لگے۔وہ بس خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔وہ جانے کے لیے مڑے تو دروازے پر ہی سارہ کو دیکھا۔وہ یقیناً ان کی گفتگو سن چکی تھی۔ان کے اندر کہیں خوف پیدا ہونے لگا تھا جو ان کے چہرے سے بھی واضح تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

مومن اور یاور صبح چار بجے جا چکے تھے اور باقی سب پھر اپنی روزمرہ کی زندگی میں واپس لوٹ آئے تھے۔ہاشم بھی آفس کے لیے نکل چکا

تھااوراب وہ روڈپر تھا سڑک پر زیادہ رش نہیں تھا لیکن کافی گاڑیاں آجارہی تھیں۔وہ بہت احتیاط سے جارہا تھا۔یاور کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ اکیلے ہی چلا آیا تھا۔دفعتاً اس کے پیر بریک پر گئے اور ایک دم گاڑی رک گئی۔کوئی ہاتھ لہرا کراسے روک رہا تھااور وہ اسے ایک سیکنڈ سے پہلے پہچان گیا تھا۔اس سے پہلے وہ بکھرتا۔اس نے خود کو سنبھالا اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔وہ خود ہی اس کے قریب چلی آئی۔

"مجھے تم سے بات کرنی تھی اس لیے یہ سب کرنا پڑا۔آئی ایم سوری۔"وہ شرمندہ سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔وہ کچھ پل تو خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"اوکے۔" کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ نا جانے کیوں وہ اسے انکار نہیں کر سکا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اور وہ گاڑی زن سے آگے لے گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"اب کیا ہو گا؟ وہ لڑکا تو اسلام قبول کر کے آ گیا۔" وہ دونوں اپنے روم میں پریشان سے بیٹھے ہوئے تھے جب سارہ نے سیمون سے کہا۔

"اب اس کے نتیجے میں ہمیں اس لڑکی کا ہاتھ مانگنا ہو گا جس کے لیے اس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے سے بولے۔

"میں کیسے اس لڑکی کو اس گھر کی بہو بنا سکتی ہوں؟ مجھے وہ اپنے بیٹے کے لیے پسند نہیں ہے۔"

"تمہیں وہ اس لیے نہیں پسند کیونکہ وہ چاشیہ کی بیٹی ہے۔" انہوں نے انجانے میں سارہ آفندی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو وہ سلگ

اٹھیں لیکن خاموش رہیں۔"میں ملوں گا اس سے۔جو بھی تھا وہ

میری بہن کی اولاد ہے اور بہن کی اولاد تو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز

ہوتی ہے۔ایک گلٹ سا تھا میرے اندر کہ میں نے اپنی بہن سے

تعلقات صرف اس لیے ختم کیے کہ وہ

ایک مسلمان سے شادی کرنے جارہی تھی اور وہ مسلمان شخص میرا

دوست بھی تھا۔جب ماں بابا نے چاشیہ سے ہر رشتہ توڑا تو میں سمجھا

کہ اپنی اولاد سے رشتہ توڑنا،اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جانا بہت

آسان ہوتا ہے لیکن اب جب بات اپنے بیٹے سے دور ہونے کی آئی

ہے تو لگ رہا ہے جیسے کوئی جسم سے روح کھینچ کر لے جارہا۔میں اولاد

سے دوری کا غم اٹھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا اس لیے میں اپنے بیٹے کو

اس کی خوشی دے دوں گا چاہے یہ دنیا میرے خلاف کیوں نا ہو

جائے۔"

وہ بول رہے تھے اور وہ بس خاموشی سے سن رہی تھیں۔ان کے دل میں چاشیہ اور اس کی اولاد کے لیے نفرت میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

("پہلے ماں نے مجھ سے میری محبت چھین لی اور اب اس کی بیٹی مجھ سے میرا بیٹا چھیننا چاہتی ہے لیکن میں اپنا بیٹا اسے اتنی آسانی سے نہیں دوں گی۔")

سارہ نے دل میں سوچا اور پھر اپنے شوہر کی جانب متوجہ ہوئی۔

"تو برسوں بعد آپ کے دل میں بہن کی محبت جاگ ہی اٹھی۔"

"خونی رشتوں کے لیے محبت کبھی نہیں مرتی۔بس ان کے تکلیف دہ رویوں کی وجہ سے کہیں چھپ جاتی ہے۔کسی ایسی جگہ جہاں پہنچنے کے لیے ہمیں بہت لمبا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔"وہ اب خاموش ہو کر بیٹھ گئیں تھی۔

"ہم ان کے گھر جائیں گے اور ماریہ کا ہاتھ جنگکوک کے لیے مانگ لائیں گے۔" وہ بھی کہہ کر خاموش ہو گئے تھے جبکہ وہ ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"جب تم اس سے ملنے گئی تھیں تو تم نے اسے کیا کہا تھا؟" انہیں جیسے یاد آیا۔

"میں.......میں نے......میں نے اسے بس اتنا کہا تھا کہ وہ جنگکوک سے دور رہے، کیونکہ وہ دونوں الگ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں کا ایک ہو جانا ناممکن ہے۔" وہ ایک دم پوچھے جانے والے سوال پر گڑبڑا گئی تھیں جبکہ انہوں اثبات میں سر ہلا دیا۔

ooooooooooooooo

وہ اپنے ٹیبل پر بیٹھی سامنے رکھے کمپیوٹر پر تیز تیز انگلیاں چلا رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نظریں یمان کے آفس کی جانب اٹھیں۔ آج لیونا

نہیں آئی تھی اور اس کا نا آنا بھی اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ایک طرف وہ اس کے نا آنے کی دعا کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ اس کے نا آنے پر حیران تھی۔کچھ سوچتے ہوئے اس نے سر جھٹکا اور پھر اپنے کام میں لگ گئی۔یمان نے اسے کوئی فائل تیار کرنے کے لیے کہا تھا اور اس نے اس فائل میں ڈھیروں ڈھیر غلطیاں کی تھیں۔آخر وہ اسے کیا سزا دے سکتا تھا وہ جاننا چاہتی تھی۔

دفعتاً اس کے روم کا دروازہ کھلا۔بے اختیار اس کی نظریں اٹھیں۔وہ اسی کی طرف آ رہا تھا۔اس کے چہرے کے تاثرات بہت واضح تھے یقیناً وہ بہت غصے میں تھا۔سب ورکرز ڈر کر اپنی اپنی سیٹ پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور وہ اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں کو سنبھال رہی تھی۔اس نے آتے ہی فائل پھینکنے کے انداز میں اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی۔

"یہ کیا ہے مس بختاور؟"اس نے غصے سے دبی دبی آواز میں پوچھا۔

"کیا ہوا سر؟" وہ اپنی نشست پر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے آپ کو کس چیز کی فائل تیار کرنے کے لیے کہا تھا اور آپ نے یہ کیا بنایا ہے؟ ایک کے بعد ایک غلطی اس فائل میں موجود ہے۔ اور جو سب سے بڑی غلطی آپ نے کی ہے جانتی ہیں وہ کیا ہے؟" اب اس کی آواز بلند تھی۔

"کیا ہے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"حد ہے لاپرواہی کی۔ پوچھ بھی رہیں ہیں کہ وہ کیا ہے۔" اس نے غصے سے کہا اور پھر ایک سائڈ سے نکل کر اس کے ٹیبل کی طرف آیا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔

"چلو میرے ساتھ دکھاتا ہوں تمہیں۔" وہ آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی گئی۔ اپنے آفس روم کا دروازہ

کھول کر اسے اندر کھینچا ہوا لایا اور پھر اس کا بازو چھوڑ دیا۔اس کے سامنے لیپ ٹاپ کیا۔

"یہ رقم جو ہمیں واپس ملنی تھی۔آپ نے یہ شو کیا ہے کہ یہ رقم ہمیں انہیں دینی ہے جن سے ہمیں لینی تھی۔یعنی آپ نے سیدھا سیدھا بیس لاکھ کا نقصان کیا ہے۔" یہ وہ غلطی تھی جو اس نے جان بوجھ کر نہیں کی تھی اور اب وہ منہ پر ہاتھ رکھے اس ای میل کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی شرمندہ تھی کہ اس میں ساتھ کھڑے یمان کو دیکھنے تک کا حوصلہ نہیں تھا۔

"اور میں آپ کو یہ غلطی تو کبھی معاف نہیں کرنے والا۔یہ بھرپائی اب آپ اپنے پیسوں سے کریں گی۔" اس نے سرد مہری سے کہا تو اس نے بھیگی آنکھوں سے یمان کو دیکھا۔

"میں.... میں اتنے پیسے کہاں سے لاؤں گی؟ میرے پاس فی الحال ایک ساتھ دینے کے لیے اتنے پیسے نہیں ہیں۔" وہ یہ کہتے ہوئے شرمندگی کے آخری گڑھے میں پہنچ گئی تھی۔ وہ اس سے نظریں ملانے کے قابل تک نہیں رہی تھی۔

لیکن...... لیکن میں وعدہ کرتی ہوں یہ رقم آپ کو اپنی تنخواہ سے واپس کر دوں گی۔"

"آر یو شیور کہ آپ یہ کر پائیں گی؟" اس نے طنز کیا تھا یا نہیں لیکن بختاور کو مزید رونا آگیا۔

"جب تک آپ کا نقصان پورا نہیں ہو جاتا میں کوئی تنخواہ بھی نہیں لوں گی۔ لیکن پلیز مجھے جاب سے مت نکالئے گا۔" وہ اب منت کر رہی تھی۔ آفس میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ یمان کے لبوں کو استہزایہ مسکراہٹ نے چھوا۔

"نقصان میرا ہوا ہے تو سزا بھی میں ہی دوں گا۔" اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر یمان کو دیکھا۔ وہ چند لمحے اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ کچھ تھا کہ وہ بے چین ہوا۔ لیکن نظریں نہیں ہٹا پایا۔ بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا۔

"کیسی سزا؟" اس کی آواز پر وہ چونکا۔ پھر گلا کھنکارتا سیدھا ہوا۔ ہاتھ دل سے نیچے گیا لیکن وہ یہ نہیں جان پایا تھا کہ اس کا دل ہی ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

"آپ کو مجھ سے شادی کرنی ہو گی۔" اتنی غیر متوقع بات پر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

○○○○○○○○○○○

یہ ایک ریسٹورنٹ کا منظر تھا۔ ریسٹورنٹ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بس ہلکی ہلکی سی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ریسٹورنٹ کا تہہ خانہ تھا یا یوں کہہ لیں کہ یہ خفیہ جگہ تھی۔ یہاں پر زیادہ تر وہی لوگ آتے تھے جو اپنی کسی سے ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ بھی اپنی اور ہاشم کی ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتی تھی۔ وہ ابھی کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ باہر نکلتے وقت آنکھوں پر گلاسز اور چہرے پر ماسک لگا کر نکلتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ یہ دونوں چیزیں سائیڈ پر رکھے ہوئے بیٹھی تھی اور نظریں ٹیبل پر جمی ہوئی تھیں جبکہ وہ مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"پھر؟" اس ساری بات کے دوران وہ پہلی دفعہ بولا تھا۔

"پھر......" وہ جیسے سوچ میں پڑھ گئی۔

"پھر ان لوگوں نے ہماری شادی کی پہلی رات ہی میرے شوہر کا قتل کر دیا۔" وہ اب بھی چہرہ نیچے کیے ہی بیٹھی ہوئی تھی جبکہ ہاشم نے گہرا سانس لیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم...... تم مجھے یہ سب بتاؤ گی تو میں تم پر یقین کر لوں گا؟" اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور ہاشم کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں۔ بالکل برف کی طرح اور اتنی ہی بے رحم بھی۔ اس کے جسم سے کرنٹ سا گزرا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا اور تلخ سا مسکرا دی۔

"میں جانتی ہوں تم میرا یقین نہیں کرو گے۔ تم میرا یقین کر ہی نہیں سکتے۔ تم مجھ سے اتنے بد ظن ہو کہ......۔"

"آئی ہیٹ یو۔" اس نے اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کے اظہار نفرت پر وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اسی نفرت

کے قابل ہے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے سب لوگ نفرت ہی کر سکتے ہیں۔

"میں تمہیں ان لوگوں کی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ تمہیں میرا یقین کرنا ہے یا نہیں یا تمہارا فیصلہ ہے، میں بس تمہاری فیملی کو کسی بھی قسم کے نقصان ...."

"جتنا نقصان تم نے ہمیں پہنچایا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی اور نہیں پہنچا سکتا۔" ایک اور جملہ سرد مہری سے کہا گیا تھا۔ وہ لب بھینچے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی۔ اس نے ان چار سالوں میں ہاشم کے بارے میں ہی سوچا اور اسی سے محبت کی تھی لیکن وہ ان چار سالوں میں اس سے نفرت کرتا رہا تھا۔ اس بات کا اندازہ اسے آج ہی ہوا تھا۔

"تم نے جو بات کرنی تھی، وہ تم نے کرلی۔ میرا وقت برباد کرنے کا شکریہ۔ چلتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے اٹھ گیا۔اس کے اٹھنے پر وہ بے چین ہوئی۔ ملاقات ختم ہو رہی تھی اور وہ اتنا سا بھی حق نہیں رکھتی تھی کہ اسے روک سکے۔

"تم جا رہے ہو لیکن...... پلیز میری بات کا یقین کرنا۔ یہ سب کچھ ایک پلان کے تحت تھا اور ہمارے درمیان غلط فہمیاں......."

اس نے رک کر ہاشم کی طرف دیکھا جو سخت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔ کچھ تھا جو ہاشم کو نرم پڑنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کا۔" اب کے وہ بولا تو آواز سنجیدہ تھی لیکن سرد مہری کہیں نہیں تھی۔

"یہی تو دکھ کی بات ہے۔ میرے پاس ثبوت ہی نہیں ہے کہ میں کچھ بھی ثابت کر سکوں۔" اس نے تاسف سے کہا تو ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب میرے سامنے تب آنا جب ثبوت مل جائے۔ اس سے پہلے مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" وہاں یکدم پھر سے سرد مہری سی آگئی تھی۔ وہ کہہ کر رکا نہیں۔ لیکن وہ وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔ اب اسے ثبوت اکٹھا کرنے تھے لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"شا..... شادی؟" وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"کیوں کوئی ایشو ہے کیا؟" وہ ابرو اچکائے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

نہیں..... وہ دراصل۔"

"اوکے! اگر آپ کو ایشو ہے تو میں سزا بدل دیتا ہوں۔" اس کے یکدم بدلنے پر بختاور نے استعجاب سے اسے

"یکھا۔

"آپ جیونگ انڈسٹری میں جائیں گی اور اپنی غلطی تسلیم کریں گی اور جیونگ ہون سے رقم واپس لے کر لے کر آئیں گی۔" یمان نے کہتے ہوئے لاپرواہی سے شانے اچکائے جبکہ وہ شاکڈ سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں.... میں یہ کیسے کروں گی۔" اس نے گھبراہٹ کے مارے بہت سا تھوک نگلا۔

"جیسے سب کرتے ہیں....اور ویسے بھی یہ آپ کی سزا ہے تو آپ کو اپنی سزا کاٹنی ہے......خاموشی سے......یہ سوال کیے بغیر کہ......۔"وہ تھوڑا سا اس کے قریب ہوا۔"وہ سزا کس طرح پوری کرنی ہے......آپ میری...... مجرم ہیں....اس لیے آپ کو کوئی حق نہیں...... سوال جواب کرنے کا۔"وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہوا۔بختاور کو تو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کو مجھے سزا دینی ہے یا بدلہ لینا ہے۔"وہ اپنی پرانی ٹون میں بولی تو یمان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔"ویسے......۔"وہ پھر اس کے قریب ہوا۔

"آپ خوبصورت تو بہت ہیں لیکن......۔"اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا اسے نروس کر رہا تھا۔

"آپ کی زبان بہت لمبی ہے۔" یمان کے آخری جملے پر اس نے تپی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔مارے غصے کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"جائیں گی نا آپ....... مس... بختاور؟" اس کا انداز چیلنجنگ تھا۔بختاور کا دل تو کیا پاس پڑا لیپ ٹاپ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے لیکن.....ہائے بیچاری..... کسی نئی سزا کے لیے تیار نہیں ہو سکتی تھی۔

"جی.....میں ایسا ہی کروں گی۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ڈیٹس لائک آ گڈ گرل۔" وہ مسکراتا ہوا پیچھے ہوا۔

"کیا آپ مجھے ان کا ایڈریس دے سکتے ہیں؟" وہ جو اپنی کرسی پر بیٹھنے لگا تھا رک کر اسے دیکھا۔قریب تھا کہ وہ رو دیتی۔ضبط سے اس کی رگیں تن گئیں تھیں۔

"آف کورس مس بختاور! جب میں آپ کو وہاں بھیج رہا ہوں تو پوری معلومات کے ساتھ بھیجوں گا۔" اب وہ مسکرا کر بیٹھ گیا تھا اور وہ کھڑی تھی۔ بالکل ایسے جیسے عدالت میں مجرم کھڑے ہوتے ہیں۔ اس عدالت میں لوگوں کو ہجوم نہیں تھا۔ بس وہ تھا اور اس کی چبھتی ہوئی آنکھیں جو اس کے دل کو جلا رہیں تھیں۔ "آپ جا سکتی ہیں۔" بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ جانے کے لیے پلٹی۔

"بختاور۔" اپنے نام کے پکارے جانے پر ایک پل کو اس کا جسم ٹھنڈا پڑا اور ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پہلی دفعہ اس نے اسے صرف بختاور کہہ کر پکارا تھا۔ وہ پلٹ نہیں سکی لیکن قدم زنجیر ہو گئے تھے۔ وہ اٹھا اور قدم قدم چلتا اس تک آیا۔ اپنا چہرہ اس کے کان تک لے گیا۔ اس کی گرم سانسیں اسے جھلسانے لگی تھیں۔ اس کے جسم سے بجلیاں گزار رہیں تھی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"بیسٹ آف لک۔" وہ مسکرا کر کہتا پیچھے ہوا تو اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔ وہ نا جانے کیا سننے بیٹھی تھی اور وہ اسے بیسٹ وشز دے رہا تھا۔ اس کا دل کیا ایک تھپڑ تو اسے لگا ہی دے لیکن وہ اسے "شکریہ۔" کہتی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی اس کے چہرے کی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی تھی۔ وہاں ایک دم بہت ساری سنجیدگی آگئی تھی۔ اب وہ سامنے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا ہوا تھا۔ اسکرین میں اس کے آفس روم کے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ جیسے یکدم غائب ہو گئی تھی۔ اس نے ساری فوٹیج چیک کی لیکن وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور باہر آیا۔ سب ورکرز اپنی اپنی جگہ پر سیدھے ہوئے۔

یمان کے تاثرات ان سب کو ڈرانے کے لئے کافی تھی۔

"مس بختاور کہاں ہیں؟" اس نے اس کی ساتھی سے پوچھا جو اکثر اس کے ساتھ پائی جاتی تھی۔

"سر وہ واشروم میں گئی ہیں۔" اس نے بتایا تو یمان نے بے اختیار ایک لمبی سانس اندر بھینچ کر خارج کی۔

"سر کوئی کام تھا؟ مجھے بتادیں۔"

"نہیں۔" کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تم ٹھیک کہتی تھیں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" وہ دونوں اس وقت کھلے آسمان تلے زمین پر بیٹھی ہوئیں تھی جب عریش نے عنایہ کو بتایا۔اس کے حلق میں جیسے کانٹا چبھا۔

"مجھے پہلے ہی پتا تھا۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "ویسے تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے؟" اب وہ تجسس سے عریش کو دیکھ رہی تھی۔

"اس نے مجھے خود پرپوز کیا ہے.......کیفے میں۔" آخری بات پر اس نے منہ بسورا۔ اب وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے اسے شرارتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اور تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے وقت مانگا تھا۔"

"جواب ہاں میں دینا۔ اگر وہ پسند ہے تب بھی، نہیں پسند تب بھی۔ کیونکہ وہ لڑکا ہیرا ہے اور تم اسے کھودو گی تو پچھتاؤ گی۔" عریش نے ایک نظر اسے دیکھا۔ نقاب میں سے صرف اس کی آنکھیں نظر آرہیں تھی۔ مسکراتی ہوئیں۔ لیکن وہاں اور کچھ بھی تھا۔ وہ کرچیاں

تھی جو اپنی محبت کو کسی اور کے ساتھ دیکھ کر آنکھوں میں چبھ جاتی ہیں۔اور یہ کرچیاں عریش کے علاوہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض......۔"وہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

"مجھے کیوں اعتراض ہو گا؟اور تم یہ فضول باتیں سوچنا بند کرو۔اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچو۔میں تمہیں پہلے بھی کہہ رہی تھی اور اب بھی کہہ رہی ہوں۔اسے انکار نہیں کرنا ورنہ تم اسے کھو دو گی تو رو دو گی۔"اس کے انداز میں واضح تنبیہ تھی۔عریش نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"تم بتاؤ سعد کے ساتھ تمہارے تعلقات ٹھیک ہوئے؟"

"ہاں ہمارے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔"وہ ذرا سا مسکرائی تھی۔

"اور شہنیلا آنٹی۔وہ کیسی ہیں تمہارے ساتھ؟"

"وہ ویسی ہی ہیں۔ وہ کبھی نہیں بدل سکتیں۔ ان کی نظر میں میں کل بھی غلط تھی۔ آج بھی میں غلط ہوں۔ اب فرق صرف اتنا ہے کہ سعد میرا ساتھ دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے جتنی جلدی ہو سکے وہ مجھے میرے ان اپنوں سے دور لے جائے جو میری زندگی کو ایسے عجیب سے موڑ پر لے آئے ہیں۔" وہ دکھی سا مسکرا دی۔

عریش نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی ہی بہت بدل گئی تھی۔ وہ وقت سے زیادہ تیز بھاگنے والی لڑکی آج وقت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اب وہ جانتی تھی کہ سعد ہی اس کا مقدر ہے۔ سعد سے بچنے کے لیے اس نے حماد کا سہارہ لیا اور اسے پانے کے لیے اپنے آپ کو بدل دیا۔ وہ بدلی اس کے لیے تھی لیکن ٹھہر وہ اپنے دین کے لیے گئی تھی۔ وہ اپنی پرانی زندگی میں پلٹنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ ایک بھیانک زندگی

تھی جہاں سے وہ نکل آئی تھی۔اس سفر میں اس کا وجود تھک گیا تھا اور اب اسے کسی مظبوط سہارے کی ضرورت تھی جو کہ سعد کے علاوہ اسے کوئی نہیں دے سکتا تھا۔

"یہ ہمارا آخری سمسٹر ہے اور پھر ہم کبھی نہیں ملیں گے۔" اپنی ہی بات پہ عنایہ کا سانس رکا تھا۔ عریش کی آنکھیں بھی سرخ ہو گئیں تھی۔ بہت جلد زندگی کا یہ باب بند ہونے والا تھا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooo

موسم ایک دم ہی خراب ہو گیا تھا۔آسمان پر کالے بدل چھا گئے تھے اور دن کے تین بجے ہی شام کا سا منظر ہو گیا تھا۔ بارش کسی بھی وقت برسنے کو تیار تھی۔ایسے میں وہ بہت سپیڈ سے کوریڈور کی طرف بڑھ رہی تھی جب وہ کسی سے بہت بری طرح ٹکرائی۔

"آوچ۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ سر سہلاتے ہوئے اس نے اپنے سے ٹکرانے والے کو دیکھا تو ساکت رہ گئی۔ ارد گرد سب کچھ غائب ہو گیا تھا۔ وہ صرف سامنے کھڑے وجود کو دیکھ رہی تھی جو اسی کی طرح شاکڈ تھا۔

"جنگکوک۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ ذرا سا مسکرایا۔

"سوری۔"

وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آئی تھی۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔" اس سے پہلے وہ وہاں سے چلی جاتی وہ بہت تیزی سے بولا۔

"کیا؟" وہ اسے کہہ نہیں سکی کہ میں نے ملنے سے منع کیا تھا آپ کیوں مجھے روک رہے ہیں۔

"میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" اس نے بات کو لمبا کئے بغیر اصل بات بتائی تو وہ دھنگ سی اسے دیکھے گئی۔اس نے اسلام قبول کر لیا۔ مطلب واقعی ہی کر لیا۔

"کیا..... کیا سچ میں؟" وہ بمشکل بول پائی تھی۔جنگکوک نے اثبات میں سر ہلا یا۔

"کیا اب میں آپ کے گھر آ سکتا ہوں آپ کا ہاتھ مانگنے کے لیے؟ کیا آپ میری دلہن بنے گی؟" وہ یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں کھڑے ہو کر اسے پرپوز کر رہا تھا اور وہ حیرانگی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

("کیا آپ نے اسلام میرے لیے قبول کیا ہے؟") اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔جنگکوک نے سمجھتے ہوئے سر ہلا یا۔

"مسلمان مجھے بنا دیا گیا ہے۔ مومن میں خود ہو جاؤں گا۔" وہ مومن کے مفہوم سے ناواقف تھا۔اسے بس اتنا پتا تھا کہ مومن ہونا کوئی

بہت بڑی بات ہے۔اس لیے اسے قائل کرنے کے لیے اس نے فوراً سے بابا جی کا جملہ دہرا دیا۔وہ ہلکا سا مسکرائی اور مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔جنگلوک نے اسے پہلی دفعہ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔اگر ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں خوبصورت لگ سکتی ہیں تو وہ خود کیسی دکھتی ہو گی۔بے چینی بڑھ گئی تھی۔کہیں دور آسمان پر بادل گرجے اور ساتھ ہی بجلی چمکی۔

"آپ کو خود کو میرے لیے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔اگر آپ کو بدلنا ہی ہے تو اس کے لیے بدلیں جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔"اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں بدل جاؤں گا۔اس کے لیے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔"وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ کوئی بھی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے وہ اس سے خفا ہو جاتی۔وہ خاموشی سے اس کی ہر بات مان رہا

تھا۔ جنگکوک کی بات پر وہ مسکرائی۔ اسے وہیں مسکراتا ہوا چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ نا جانے کیوں اسے لگا تھا کہ جنگکوک کو اس کی بات پسند نہیں آئی۔

(کیا واقعی ہی اس کی ماں نے جنگکوک کی ہی خبر دی تھی یا وہ کوئی اور تھا۔ لیکن جنگکوک کے علاوہ اب تک کوئی دوسرا مرد اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا۔) وہ سوچوں میں گم تھی جب یکدم اسے اپنے اوپر پانی کے قطرے گرتے محسوس ہوئے۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بارش یکدم ہی بہت تیزی سے آسمان سے زمین تک کا سفر کرنے لگی تھی اور وہ چاہ کر بھی وہاں سے نہیں ہٹ سکی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے یہ بارش عام بارش نہیں۔ رحمت کی بارش ہے۔ اسے سکون سا ملنے لگا تھا۔ تبھی اسے محسوس ہوا بارش رک گئی ہے لیکن صرف وہاں جہاں وہ کھڑی تھی۔ اس نے پھر سر اوپر اٹھایا تو کوئی چھتری لے کر اسے

بھیگنے سے بچا رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ تھا۔ وہ جو اسے پروٹیکٹ کرنے آیا تھا۔ ارد گرد بھاگتے اسٹوڈنٹس، ٹیچرز کسی کا بھی ان کی جانب دھیان نہیں تھا۔ وہ خود کو اس بارش سے بچانے کے لیے سر پر پیپر رکھ کر بھاگ رہے تھے۔

"کیا آپ مجھے ہمیشہ ایسے ہی پروٹیکٹ کرنے آئیں گے؟" اس نے پوچھا تھا لیکن انداز ایسا تھا جیسے اس سے وعدہ لے رہی ہو اپنی حفاظت کا۔

"ہمیشہ آؤں گا۔" مسکراہٹ دونوں کے چہروں پر نہیں تھی۔

"لیکن مجھے بارش میں بھیگنا اچھا لگ رہا تھا۔"

"آپ بیمار بھی ہو سکتی ہیں۔" جنگکوک کے کہنے پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ نا جانے کیوں اسے اچھا لگا تھا جنگکوک کا اس کی پرواہ کرنا۔

"علاج کرنے کے لیے ڈاکٹر بھی ہوتے ہیں۔" وہ مزید اسے سننا چاہتی تھی۔

"بیمار ہونا ضروری ہے کیا؟" جنگکوک نے اسے چھتری تلے کیا ہوا تھا لیکن خود بھیگ رہا تھا. وہ اس سے فاصلہ بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ یہ احترام کی حد تھی۔

"مجھے لگتا ہے انسان کے لیے بیمار ہونا بہت ضروری ہے۔" لوگ بارش میں چھتری کے نیچے رومینٹک باتیں کرتے ہیں لیکن وہ دونوں بیماری نامہ لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔

"اور یہ کیوں ضروری ہے؟" جنگکوک متجسس ہوا تھا۔

"دیکھو! اگر انسان بیمار نہیں ہوگا، تکلیف میں نہیں ہوگا تو اسے تندرستی جیسی نعمت کا اندازہ کیسے ہوگا۔ وہ شکر گزار کیسے ہوگا۔ اس کا جس نے اسے بیماری سے نجات دی۔ تکلیف سے نجات دی۔ اگر وہ

بیمار نہیں ہو گا تو اسے لگے گا کہ وہ کوئی بہت نیک ہے تبھی اسے کوئی بیماری نہیں لگی۔ اللہ اس سے راضی ہے اس لیے وہ اسے تکلیف نہیں دیتا۔ لیکن......"

یہاں بولتے بولتے وہ رک گئی۔ اسے مسلسل بولنے کی وجہ سے سانس چڑھ گیا تھا۔

"لیکن......" اسے اس کی وضاحت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اسے گھنٹوں بھی سن سکتا تھا۔ ٹاپک کوئی بھی ہو۔

"لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تکلیف سے اپنے پیارے اور پسندیدہ بندوں کو ہی گزارتا ہے۔ وہ جانتا ہے وہی لوگ اس کے شکر گزار ہوں گے۔ ورنہ کچھ لوگ بیمار تو ہو جاتے ہیں۔ لیکن بیمار ہو جانے پر اپنی قسمت کو کوستے ہیں۔ پھر اللہ انہیں شفا تو دے دیتا ہے لیکن وہ شکر نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید وہ اللہ کے کوئی بہت نیک

بندے ہیں۔ تبھی اللہ نے انہیں بیماری سے بچا لیا ہے۔"۔ آخر پہ وہ خاموشی ہوئی تو وہ مسکرا دیا۔ لیکن اندر کہیں وہ اپنے ماضی میں تھا جہاں وہ، وہ لمحے ڈھونڈ رہا تھا جہاں اسے کبھی تکلیف ملی ہو۔ لیکن وہ ایسا کوئی لمحہ ڈھونڈ نہیں سکا۔ ماریہ نے بہت آرام سے اس کے ہاتھ سے چھتری لی اور دو قدم دور ہو گئی۔ وہ اب بھی اسے مہربان نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"امید کرتی ہوں آپ کو میری وضاحت کی سمجھ آگئی ہو گی۔" اس کے سوال پر جنگکوک نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور وہ وہیں بھیگتا رہا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

دن کا اختتام ہو چکا تھا۔ ہر طرف شام کا سماں تھا۔ بارش ابھی بھی ہلکی ہلکی ہو رہی تھی۔ آفندی فیملی ٹی وی ہال میں ٹی وی کے سامنے الگ

الگ صوفے پر براجمان تھے۔ وہ سب ساتھ ساتھ باتیں کر رہے تھے جب ایک خبر نے انہیں بری طرح چونکایا۔ وہاں پر سیورینہ کی تصویر نظر آ رہی تھی۔

"ایک ستائیس سال کی لڑکی کو اس کے اپارٹمنٹ میں گھس کر بہت بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ پولیس نے تفتیش شروع کر دی۔"

وہاں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ تینوں پھٹی پھٹی نظروں سے اسکرین پر اس کی تصویر دیکھ رہے تھے۔

"ی.... یہ سیورینہ کی بات کر رہے ہیں؟" سارہ نے بے یقین نظروں سے سیمون کو دیکھا۔

"کون ہے وہ درندہ جس نے یہ سب کیا ہے؟" جنگکوک بھی اتنا ہی بے یقین تھا۔

"ہمیں یہ سب سوچنے کے بجائے وہاں جانا ہوگا تاکہ صورتحال کا معلوم ہوسکے۔" سیمون کہتے ساتھ ہی اٹھے۔ وہ دونوں بھی سیمون آفندی کے پیچھے ہی اٹھ گئے تھے۔ سیمون ہاؤس سے دو گاڑیاں آگے پیچھے نکلی تھیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں گاڑیاں جس سپیڈ سے آئی تھیں۔ آدھے گھنٹے میں اپارٹمنٹ پہنچ گئیں تھیں۔ وہاں پر پولیس ہر طرف پھیلی ہوئی تھی لوگوں کو اندر جانے سے روکے ہوئے تھی۔ اندر تفتیش جاری تھی۔ وہ تینوں پولیس کی جانب تقریباً بھاگتے ہوئے آئے۔

"اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔" ایک پولیس اہلکار نے انہیں روکا۔

"ہم اندر کیوں نہیں جا سکتے؟" سیمون آفندی نے کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔

"اندر پولیس اپنا کام کر رہی ہے۔ ایسے میں کسی کو بھی اجازت نہیں ہے۔ آپ جو کوئی بھی ہیں پلیز باہر ہی انتظار کریں۔"

اس کی آواز مدھم لیکن لہجے میں سختی تھی۔

"جس کا قتل ہوا ہے وہ میری بھانجی ہے۔ آپ مجھے روک نہیں سکتے۔" سارہ نے اس سے بھی زیادہ سخت لہجے میں کہا تو پولیس والے نے ناگواری سے پہلے سارہ کو پھر سیمون کو دیکھا۔

"میں نے کہا آپ جو کوئی بھی ہیں۔ آپ کو باہر ہی رکنا ہوگا۔ کیا ایک بار کی بات سمجھ نہیں آتی۔" پولیس کے کہنے پر سیمون ان سے معذرت کرتے ہوئے سارہ کو وہاں سے لے جانے لگے۔ لیکن وہ جانے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں۔

"مجھے دیکھنا ہے اسے وہ... وہ میری مرحوم بہن کی بیٹی ہے،

وہ..... وہ کیسے اسے مار سکتے ہیں۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

لیکن سیمون پر ان کے آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بس ساتھ

کھینچتی ہوئی جا رہی تھی۔ جنگلوک بھی ان کے ساتھ تھا لیکن وہ کسی

گہری سوچ کا شکار لگتا تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" سیمون آفندی نے انہیں گاڑی میں بٹھایا تو

وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی۔

"ہم گھر جا رہے ہیں۔" بہت سنجیدگی سے کہا گیا۔

"میں گھر نہیں جا سکتی۔ میں کیسے.... کیسے اسے ایسے تنہا چھوڑ کر چلی

جاوں میں... مجھ سے تو برداشت ہی نہیں ہو رہا۔" روتے روتے ان

کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"سارہ ہم یہاں نہیں رک سکتے۔ پلیز ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ۔"

"سیمون۔" وہ ان پہ جھکے انہیں ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہے تھے جب ان کی بھیگی سے آواز ابھری۔

"ہمم۔"

"کیا سیورینہ... کیا وہ سچ میں... کیا واقعی ہی اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ کیا... کیا وہ واقعی ہی ہمارے درمیان نہیں رہی۔" وہ جیسے کنفرم کرنا چاہتی تھیں۔

"پتا نہیں۔ یہ تو ہمیں تفتیش کے بعد ہی پتا چلے گا۔"

"اگر وہ مر گئی ہے تو انہیں کہیے گا کہ اس کی تدفین کا حق ہمیں ہی دیں۔ اس کی میت کے ساتھ بے حرمتی نا کریں۔" وہ بولیں تو آواز میں کرب تھا۔ سیمون کو پل میں اپنا دل جلتا ہوا محسوس ہوا۔ انہوں نے سارہ کے سر پر ایک بوسہ دیا۔ حوصلہ دیتا ہوا بوسہ۔

"میں ایسا ہی کہوں گا۔" ان کی بھی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"جنگکوک اپنی ماں کو گھر لے جاؤ۔ میں یہ سارا معاملہ دیکھ کر ہی آؤں گا۔" اب وہ جنگکوک کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ سر ہلاتا ہوا گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی اب ان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

ooooooooooooooooo

وہ ٹی وی کے سامنے ہاتھوں میں ریموٹ لیے بالکل ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ پلک جھپکے بغیر وہ ٹی وی اسکرین پر نظریں ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں بہہ رہے تھے۔ ٹی وی پر بار بار سیورینہ کے قتل کی نیوز چل رہی تھی۔ دفعتاً صوفے پہ پڑا ہوا اس کا فون بجنے لگا جس نے اس کی توجہ ٹی وی سے ہٹا دی۔

اس نے موبائل اٹھا کر سامنے کیا۔ وہاں پر

لکھا آرہا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور فون ریسیو کیا۔

"ہیلو۔" وہ بولی تو اس کی آواز بہت بھاری تھی۔ آنسوؤں میں بھیگی ہوئی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" دوسری جانب فکر تھی۔

"وہ مر گئی ہے۔" وہ جانتی تھی اس نے یہ سوال کیوں پوچھا تھا۔ کیا تمہیں پتا چل گیا؟"

"وہ مجھ سے چار سال پہلے ہی بچھڑ گئی تھی۔ لیکن ایک امید تھی کہ وہ مجھے ایک دن ضرور مل جائے گی۔ اور آج یہ امید بھی ختم ہو گئی۔ آج وہ اس دنیا سے ہی چلی گئی۔" وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں مسلسل آنسوؤں کی برسات کر رہی تھیں۔

"تم ٹھیک ہو تسبیحہ؟"

"اس دنیا سے آج میرا ایک واحد رشتہ بھی چلا گیا جنگکوک۔ میری بہن مر گئی ہے۔ میں کیسے ٹھیک ہو سکتی ہوں؟" اس کا حلق زخمی ہو رہا تھا۔ اس کی ہچکیاں بندھنے لگی۔ وہاں خاموشی چھا گئی۔

"ہم بہت جلد قاتل کو ڈھونڈ لیں گے۔" ایک کمزور سی آواز ابھری۔

"قاتل کا مجھے نہیں پتا، لیکن قاتل کے مالک کا مجھے پتا ہے۔" وہ بولی تو لہجہ پر یقین تھا۔ جنگکوک کے ابرو اچھنے سے اکھٹے ہوئے۔

"کون ہے؟"

"تم کبھی میرا یقین نہیں کرو گے۔ اس لیے تمہیں اصل مجرم کو خود ڈھونڈنا ہو گا۔ تب تک جنگکوک... تب تک میں انصاف کا انتظار کروں گی۔ میری بہن کو انصاف تمہیں ہی دلانا ہو گا۔" اس کی بات پہ جنگکوک نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں کیسے ڈھونڈوں گا اسے؟ میرے پاس ذرا سا بھی سراغ نہیں ہے۔"

"ڈھونڈو گے تو تمہیں سراغ نہیں سیدھا مجرم ملے گا۔ تمہیں کسی ثبوت یا کسی سراغ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ مجرم تمہارے بہت قریب ہے۔ بس تمہیں تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے۔" اس کی بات پر جنگکوک نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر اس نے فون بند کر دیا۔

oooooooooooooooooooooooo

"تم کیا سوچ رہی ہو؟" وہ بیڈ پر چت لیٹے چھت کو گھور رہی تھی لیکن اس کا ذہن کہیں اور ہی الجھا ہوا تھا۔ عریش ابھی ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر آئی تھی۔ بختاور کو ایسے لیٹا دیکھ کر وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں۔" بختاور نے اسے سنا اور پھر اگنور کر دیا۔ "تو پھر اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟"

"ایک بات بتاؤ عریش۔ یہ امیر لوگ اتنے سنگدل کیوں ہوتے ہیں؟" بختاور کے سوال پر عریش نے اسے ناسمجھی سے دیکھا۔

"مطلب؟" اس کے پوچھنے پر بختاور بیزار ہوتی اٹھ بیٹھی۔

"ادھر آؤ تمہیں بتاتی ہوں۔" عریش نے متنجس ہو کر اسے دیکھا۔

پھر جوں جوں بختاور اسے اپنے اور یمان کے بارے میں بتانے لگی اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے۔ کہیں وہ حیرت سے منہ کھولے دیکھنے لگتی۔ کبھی افسوس سے، تو کسی بات پر اس کی ہنسی نکلتے نکلتے رک جاتی۔ لیکن آخری بات نے جیسے اسے پریشان کیا۔

"تو کیا تم وہ رقم واپس لینے جاؤ گی بختاور؟" اس نے پریشانی سے ابرو کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"تم کیا کہتی ہو۔ کیا مجھے جانا چاہیے؟" اس نے جیسے فیور مانگا۔

"نا جانے کی صورت میں تمہیں اس سے شادی کرنی ہو گی۔ کیا کر لو گی؟" عریش نے کہا تو وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوئی۔ پھر بولی۔

"وہ شادی محض سزا کے طور پر کرنا چاہتا ہے اور میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنا آپ کسی سزا کی بھینٹ چڑھا دوں۔ اس لیے میں جاؤں گی اور اس کی رقم لے کر آؤں گی۔ اسے دکھا دوں گی میں کمزور نہیں ہوں۔ وہ مجھے خرید نہیں سکتا۔" وہ جیسے ایک دم فیصلہ کر کے اٹھی تھی۔ بہادر تو وہ پہلے ہی تھی۔ آج وہ اٹل لگ رہی تھی۔ عریش نے اسے جاتے دیکھا تو اسے روک بیٹھی۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔" بختاور چونکتے ہوئے رکی اور پھر اس کی جانب مڑی۔

"کیا؟" ایک لفظی سوال۔

"یہاں آؤ۔" بیڈ پہ ایک جگہ ہاتھ رکھا۔ "بیٹھ کر کرنے والی بات ہے۔" بختاور نے باہر جانے کا ارادہ کینسل کیا اور اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"میں کوئی تمہید نہیں باندھوں گی۔" اس نے کہہ کر گہرا سانس لیا۔

"بہتر۔" بختاور جیسے اصل بات کے لیے متجسس تھی۔

"دراصل مجھے ایک لڑکے نے پرپوز کیا ہے، وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" اب شاکڈ ہونے کی باری بختاور کی تھی۔

"کیا واقعی ہی؟ کیا تم نے ماں بابا کو بتایا؟ کون ہے؟ کیسا ہے؟ مسلمان ہے؟" اس نے ایک ساتھ ہی سوال پوچھ ڈالے تو عریش نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"وہ مسلمان ہے۔ میں اس کی فیملی کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ اس کے بچپن میں اس کے والدین

اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ لیکن......وہ ایک اچھے کردار کا لڑکا ہے۔" آخری جملے پر اس نے سانس لیا۔

تبھی بختاور کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تم بھی پسند کرتی ہو اسے؟"

"محبت کرتی ہوں۔"

"پھر تو کوئی بات ہی نہیں۔ تم نے ماں بابا کو بتایا؟"

"مجھے جھجھک سی فیل ہو رہی تھی۔"

"اوہ کم آن عریش! تم جانتی ہو ناماں اور بابا کھلے ذہن کے لوگ ہیں۔ تمہیں ان کے سامنے اتنا جھجھکنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جیسے بیزار ہوئی۔

"کھلے ذہن کے لوگ ہیں۔ لیکن ہمارے ماں باپ ہیں۔ان کے سامنے جھجھکنا فطری ہے۔"

"میں بات کروں گی۔ تم فکر نہیں کرو۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن...۔"

"لیکن؟"

"لیکن اس سب سے پہلے میں خود اس سے ملوں گی اور یہ کنفرم کروں گی کہ واقعی ہی وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔" بختاور نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔اس بات کے لیے حماد کو منانا مشکل نہیں تھا۔اس لیے وہ مطمئن ہو گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ صبح کے تین بجے واپس آئے تھے۔ تھکے تھکے اور بوجھل قدموں سے اپنے روم کی جانب جانے لگے جب جنگکوک دروازہ کھول کر باہر آیا۔

"آپ آگئے ڈیڈ؟" وہ تیزی سے ان کی طرف گیا۔ جنگکوک کی آواز پر وہ سیڑھیوں کے پاس ہی رک گئے۔

"تم سوئے نہیں ابھی تک؟"

"ایسی سیچویشن میں کیسے نیند آسکتی ہے۔ مشکل سے ماما کو سلایا اور پھر ہی اپنے روم میں آیا تھا۔" اس نے کہا تھا۔ سیمون نے محض سر ہلایا۔

"آپ بتائیں کچھ پتا چلا؟ مطلب کس نے کیا ہے یہ سب کچھ؟ اور وہ اس کی میت......"

"اس کی میت صبح آجائے گی۔ اور قاتل پکڑا جا چکا ہے لیکن وہ مان نہیں رہا کہ یہ قتل اس نے کیا ہے۔ جبکہ فوٹیج میں وہ واضح نظر آرہا تھا۔"

"کیا وہ بغیر چہرہ چھپائے مارنے آیا تھا؟" جنگکوم نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں اس کا چہرہ واضح تھا لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ کافی پیچیدہ معاملہ ہے، پولیس اپنی انویسٹیگیشن کر رہی ہے۔ جلد ہی اصل بات سامنے آجائے گی۔"

"ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ ہمارا دھیان بھٹکانے کے لیے کیا جا رہا۔ کیا سچ میں وہ قاتل نا ہو اور جو قاتل ہو وہ کہیں بھاگ گیا ہو۔" وہ بری طرح الجھ رہا تھا۔

"اس کے علاوہ کسی کو وہاں آتے جاتے نہیں دیکھا گیا۔ پولیس پتا کروا ہی لے گی۔ تم ابھی سو جاؤ جا کر۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔ میں بھی بہت تھکا ہوا ہوں۔ ریسٹ کروں گا۔" سیمون آفندی اس کے کندھے تھپتھپاتے ہوئے زینے چڑھنے لگے۔ وہ بھی سر ہلاتا ہوا اپنے روم میں جانے لگا۔ لیکن ذہن ابھی تک الجھا ہوا تھا۔ تسبیحہ نے کہا تھا کہ اصل مجرم اس کے بہت نزدیک ہے لیکن اس کے نزدیک بہت سارے لوگ تھے۔ پھر وہ کس پر شک کرتا۔ اپنے روم میں آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کون ہو سکتا ہے اصل مجرم؟ اور مجھے اس کے خلاف ثبوت کیسے ملیں گے۔" وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا اور انہی سوچوں کو سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

دوسری جانب سیمون آفندی نے روم میں آکر دروازہ بند کیا اور ایک نظر پر سکون اور اطمینان سے سوئی اپنی بیوی کو دیکھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج ایک دفعہ پھر ان کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگی تھی۔ جہاں سارہ آفندی کو اندر جاتے اور ایک گھنٹے بعد واپس آتے دیکھا گیا تھا۔ ان کے وہاں سے جانے کے آدھے گھنٹے بعد ہی وہ انجان شخص سیورینہ کے اپارٹمنٹ میں گیا تھا۔

پولیس سارہ آفندی سے انویسٹیگیشن کرنا چاہتی تھی لیکن سیمون آفندی اس معاملے کو ختم کر کے آئے تھے۔ کیونکہ وہاں پرانی فوٹیج میں اکثر سارہ آفندی کو وہاں آتے جاتے دیکھا گیا تھا۔ کبھی تنہا تو کبھی سیورینہ کے ساتھ۔ ایک میں تو جنگلوک بھی نظر آیا تھا۔ وہ شدید غصے کے عالم میں اندر گیا تھا اور ٹوٹا بکھرا سا باہر جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ وہ سیورینہ کے رشتے دار تھے اس لیے پولیس نے زیادہ اصرار نہیں

کیا۔ لیکن سیمون آفندی الجھ سے گئے تھے۔ وہ خاموشی سے بیڈ پر آ کر لیٹ گئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

صبح سات بجے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسے اپنے دائیں بازو میں ایک ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوئی۔ وہ اسی کروٹ پر سو یا رہا تھا۔ بمشکل اٹھتے ہوئے کھڑکی تک آیا اور اسے کھول دیا۔ باہر کا منظر آج کچھ اچھا نہیں تھا۔ آج فضا سوگوار تھی۔ وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔ یہ موت انتہائی غیر متوقع تھی۔ موت تو غیر متوقع ہی ہوتی ہے۔ وہ چلتا ہوا الماری کی طرف آیا۔ کپڑے لیے اور چینج کرنے چلا گیا۔ دس منٹ بعد باہر آیا۔ اس کے بال بھیگے ہوئے تھے لیکن چہرے پر سوگواریت تھی۔ اس نے بال سیدھے کیے اور کوٹ پہنا۔ وہ ٹپیس پہنے باہر آیا

۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ کہیں نہیں تھی۔وہ چلتا ہوا اماں کے پاس آیا جو صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں

۔بلیک کلر کا لانگ کوٹ پہنے، سر پر کالے ہی رنگ کا چھوٹا سا اسٹالر لیے ہوئے وہ سوگوار سی بیٹھی ہوئیں تھیں۔آنکھوں سے آنسوں مسلسل بہہ رہے تھے۔وہ آکر ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔جنگکوک کو سامنے دیکھ کر وہ اپنا ضبط کھو بیٹھیں۔اسے گلے سے لگائے وہ زار و قطار رونے لگیں۔جنگکوک کی آنکھیں بھی فوراً سرخ ہوئیں اور آنسوؤں موتیوں کی صورت میں چہرے پر پھسلنے لگے۔وہ رو رہا تھا۔ ساری تلخیاں بھلا کر وہ اپنی کزن کی موت کا غم منا رہا تھا۔وہ کتنی ہی دیر تک ایک دوسرے کو گلے لگائے روتے رہے۔

پھر سارہ نے اسے خود سے علیحدہ کیا اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسوؤں پونچھے۔"تمہارے ڈیڈ باہر ہی ہیں۔ڈیڈ باڈی آرہی

ہے۔آدھا گھنٹہ ہی رکھنے کی اجازت ہے۔اس کے بعد وہ لے جائیں گے۔تدفین کے لیے۔" وہ آنسوؤں کے درمیان میں بولیں۔"مجھے ساری زندگی اس بات کا دکھ رہے گا کہ میں اپنی بہن کی آخری نشانی کی حفاظت نا کر سکی۔" جنگکوک کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"میں ڈیڈ کو دیکھتا ہوں۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔سارہ اسے دیکھتی رہیں، دیکھتی رہیں، جب تک وہ دروازے سے نکل نہیں گیا، وہ اسے دیکھتی رہیں۔اس کے جاتے ہی اس نے ایک سسکی لی اور ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

گاڑی ایک عمارت کے سامنے آکر رکی۔آج اس کا امتحان تھا۔ایک چیلنج جسے اس نے قبول کیا تھا۔اور اس چیلنج کو پورا کرنے کے لیے

اسے اس بلڈنگ کے اندر جانا تھا۔ بلڈنگ کا بیرونی حصہ کالے رنگ سے رنگا گیا تھا۔ دکھنے میں وہ کوئی بھوت بنگلہ لگتا تھا۔ وہ آفس کی گاڑی میں آئی تھی۔ ڈرائیور اس کے ساتھ تھا۔ اس نے شیشہ نیچے کر کے بلڈنگ کا جائزہ لیا اور پھر لمبی سانس اندر کھینچ کر خارج کی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا کر اس نے دروازہ کھولا اور باہر آگئی۔ موسم آج پھر ذرا ابھیگا بھیگا تھا۔ اس نے باہر آکر پھر ایک دفعہ بلڈنگ کا جائزہ لیا۔ پرپل کلر کا لانگ کوٹ پہنے ساتھ ہی پرپل کلر کے کوٹ شوز پہنے، کندھے پر بیگ ڈالے اور گردن میں مفلر پہنے وہ بہت ڈیسینٹ لگ رہی تھی۔ وہ پہلے نروس ہوئی تھی لیکن پھر ہمت کر کے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ اس بلڈنگ کی طرف بڑھی۔ اس نے نوٹس نہیں لیا، اس کی گاڑی کے پیچھے ایک بلیک چمکتی دمکتی پراڈو آکر رکی تھی۔ اس نے اس عمارت کے اندر قدم رکھا تو دھنگ رہ گئی۔ اندر کا منظر باہر کے منظر

سے بالکل مختلف تھا۔ سفید ٹائلوں سے آراستہ کی گئی بلڈنگ۔ ہر طرف سفید روشنیاں۔ ڈیسنٹ سے ورکر۔ چند پل وہ ان سب سے نظر نہیں ہٹا سکی۔

"ایکسکیوزمی میم!" ریسپشنیسٹ کی آواز نے اسے چونکایا۔ وہ خفیف سی ہوتی اس کے پاس چلی آئی۔

"آپ بختاور وجاہت ہیں۔" اس نے بہت ڈیسینٹ انداز میں پوچھا تھا۔ اس کے لہجے میں ایک مٹھاس سی تھی۔ کچھ دیر پہلے والی گھبراہٹ جیسے پل میں ختم ہوئی۔

"جی میں ہی ہوں۔" اس نے بھی اتنے ہی نرم لہجے میں بتایا۔

"سر آپ کا ہی ویٹ کر رہے ہیں۔ میں انہیں انفارم کر دیتی ہوں۔ پھر آپ ان سے مل لیجئے گا۔ لیکن ابھی آپ وہاں بیٹھ جائیں۔" اس نے ویٹنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن بختاور کو کچھ کھٹکا تھا۔ اس کا

شرینی لہجہ اور اس کی آنکھیں دونوں مختلف تھیں۔ ریسپشنیسٹ کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں۔ بالکل برف کے جیسی۔ بختاور کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ لیکن وہ اسی طرح مسکراتی ہوئی سر ہلاتی ویٹنگ روم میں آگئی۔ اور پھر کتنے ہی پل گزر گئے وہ اندازہ نہیں کر سکی۔ ایک گھنٹہ، دو گھنٹے اور پھر وہ ریسپشنیسٹ کے پاس آئی۔

"آپ کے باس میرا ویٹ کر رہے تھے اور میں دو گھنٹے سے ان کا ویٹ کر رہی ہوں۔ ابھی تک انہوں نے مجھے بلایا کیوں نہیں؟" اس کی آواز پریشان سی تھی۔ ریسپشنیسٹ نے اپنی ٹھنڈی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ پھر گھبرا گئی تھی۔

"آپ کو انفارم کر دیا گیا تھا۔ آپ کیوں نہیں گئیں؟" اس نے نا سمجھی سے ریسپیشن گرل کو دیکھا۔

"میں کب سے ویٹ کر رہی ہوں لیکن میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔" وہ نروس ہوئی۔

"آپ نے تو بہت غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے مس بختاور۔ میں سمجھتی تھی فرقان کنسٹرکشن کے ورکرز بہت ریسپانسبل ہیں۔ لیکن آپ کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ لوگ کتنے ایریسپانسبل ہیں۔" اس کی آواز بھی سرد تھی۔ وہ کچھ پل سوچ میں پڑھ گئی۔ کہاں غلطی ہوئی تھی۔ کیا واقعی ہی کوئی اس کے پاس آیا تھا۔ لیکن ایسا کوئی لمحہ اس کے ذہن میں نہیں آیا۔

"کیا آپ مجھے سی سی ٹی وی فوٹیج دکھا سکتی ہیں؟" وہ بھی بختاور تھی۔ اتنی آسانی سے ہار نہیں ماننے والی تھی۔ لیکن بختاور کی بات پر ریسپشنیسٹ کا رنگ سفید پڑا۔

"میں باس کو کال کرتی ہوں۔اگر انہیں آپ سے ملنا ہوا تو وہ آپ سے مل لیں گے۔ نہیں تو آپ جا سکتی ہیں۔" وہ جیسے ہار مانتے ہوئے بولی۔

ایسا بختاور کو لگا تھا۔ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

اور کیا واقعی ہی وہ جیتی تھی یہ تو اسے جیونگ انڈسٹری کے سی ای او سے مل کر ہی پتا چلے گا۔

"اوکے۔ویٹنگ۔"اس نے اسی مسکراہٹ سے کہا۔لڑکی نے فون اٹھایا اور کال ملانے لگی۔

"سر وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں.....جی.....جی جی.......جی ٹھیک۔ اوکے۔"فون بند ہوا تو اس نے بختاور کو دیکھا جو منتظر نظر آتی تھی۔

"آپ کو باس سے ملاقات کے لیے ان کے گھر جانا ہوگا۔"اس کا چہرہ بغیر کسی تاثر کے تھا۔

''گھر؟ لیکن میرے پاس تو ایڈریس نہیں ہے۔''اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔

''آپ کو کمپنی کا ڈرائیور لے کر جائے گا۔اور اب آپ بنا تاخیر کے جائیں۔ باس کا وقت بہت قیمتی ہے۔ وہ آپ کے لیے زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔''اس نے جواباً سر ہلایا اور باہر نکل آئی۔ ریسپشنٹیسٹ نے اسے بہت گہری نظروں سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے بختاور پہلی ہی نظر میں اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اسے ڈر تھا جیونگ اس کا اسیر ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے باس کو پسند کرتی تھی۔

وہ باہر آئی تو اس کے سامنے ایک گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اپنے ڈرائیور کے پاس آئی اور اسے ہدایات دیتی ہوئی دوسری گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ چند فاصلے پر کھڑی گاڑی کے اندر موجود شخصیت نے یہ سارا

منظر سخت ناگواری سے دیکھا تھا۔ بختاور کی گاڑی چلی تو اس کے پیچھے اس کا ڈرائیور بھی چل دیا۔ چند لمحے بعد وہ بلیک پراڈو بھی وہاں سے نکل گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ ابھی لائبریری سے چند بکس ایشو کروا کر باہر نکل رہا تھا جب اسے وہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ یقیناً وہ اسی کی طرف آرہی تھی تبھی وہ رک گیا۔ وہ بالکل اس کے سامنے آکر رکی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ جب کچھ دیر تک وہ نا بولی تو وہ نروس ہوا۔ اس نے گلا کھنکار کر اسے مخاطب کرنا چاہا تبھی عریش بے ساختہ مسکرادی۔

"آپ شرماتے بھی ہیں؟" وہ شرمندہ سا ہوا اور پھر خود ہی ہنس دیا۔

"اب آپ مجھے سب کے سامنے اس طرح دیکھیں گی تو میں خود کو روک تو نہیں سکتا نا شرمانے سے۔" اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے

حماد کو دیکھا۔ آج وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہی تھی وہ بہت معصوم اور دلربا سا لگ رہا تھا۔ اس نے بلیک کلر کے لانگ کوٹ کے ساتھ گلے میں مفلر پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں ایک دو بکس اور بائیں طرف کندھے پر بیگ جھول رہا تھا۔

"آپ نے میرے یہاں آنے کا مقصد نہیں پوچھا؟" اس کی نگاہیں حماد کے چہرے پر ہی اٹکی ہوئی تھیں۔ حماد نے دونوں ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"کس مقصد سے آئی ہیں؟" عریش نے نوٹ کیا کہ وہ بولتے ہوئے بہت پیارا لگتا تھا۔ صاف شفاف چہرہ اور خوبصورت سی پرسنلٹی۔ اگر عنایہ اسے پسند کرتی تھی تو اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ عریش نے سر جھٹکا اور پھر اسے دیکھا جو اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" حماد کی دھڑکنیں تیز ہوئیں۔ ناجانے وہ کیا جواب دینے جا رہی تھی۔

"جی.... میرا سوال آج بھی آپ سے یہی ہے۔" جو ہاتھ پہلو میں گرا ہوا تھا حماد نے زور سے اس کی مٹھی بنائی جیسے خود کو حوصلہ دے رہا ہو۔

"آج میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں؟" اس کی آنکھیں چمک رہیں تھیں۔

"کیسا سوال؟"

"کیا آپ مجھے یہ حق دیں گے کہ میں روز صبح اٹھ کر آپ کے لیے ناشتہ بنایا کروں؟" اس کے سوال پر حماد کی تیز دھڑکنیں جیسے تھم سی گئیں۔ لب بے اختیار ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ یعنی وہ اسے پرپوز کر رہی تھی اور اتنے مختلف طریقے سے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا

وہ اس کے پرپوز کرنے پر حیران ہو یا اس کے طریقے پر بے اختیار ہنستا چلا جائے۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تھیں۔ خوشی تھی کہ بیان سے باہر۔

"کب بھیجوں بھائی کو آپ کے گھر؟" وہ نم آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔

"آپ کو میرے گھر آنے سے پہلے ایک چھوٹے سے مشکل مرحلے سے گزرنا ہوگا۔"

"کیسا مرحلہ۔" وہ اس کے لیے ہر مشکل پار کر سکتا تھا تبھی اسے نے بغیر کسی گھبراہٹ کے پوچھا۔

"میری بہن آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ بات آگے بڑھنے سے پہلے ان کی تسلی ہو جائے کہ آپ اس کی بہن کے لیے پرفیکٹ....."

"کیا میں آپ کو پرفیکٹ لگتا ہوں؟" وہ اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے بول اٹھا۔ عریش نے رک کر اسے دیکھا۔

"آپ بہت پرفیکٹ ہیں۔" اس نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"کب ملنا ہے مجھے...... اپنی ہونے والی سالی سے۔" حماد نے شرارتی مسکراہٹ سے کہا تو عریش کا منہ کھل گیا۔ حماد اس کی آنکھوں سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ شرما گئی ہے لیکن اس نے ظاہر نا ہونے کی ناکام سی کوشش کی۔

"وہ سنڈے کو آپ سے ملے گی۔" آج فرائیڈے تھا اس کا مطلب پرسوں۔

"ٹھیک ہے آپ مجھے وقت اور ایڈریس بتا دیجیے گا میں آجاؤں گا۔"

عریش نے سر کو خم دیا۔ پھر وہاں خاموشی چھا گئی۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے......

"مجھے لائبریری جانا ہے۔" عریش نے اس سکوت کو توڑا تو وہ بے اختیار ایک سائیڈ پر ہوا۔

"شیور۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ سے نکل گئی اور وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ جانے کے لیے پلٹا تو کسی احساس کے تحت رک گیا۔

باہر ایک بینچ پر عنایہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ چہرے پر نقاب تھا اور آنکھوں میں حیا۔ حماد نے تاسف اسے دیکھا اور پھر دکھی سا مسکرا دیا۔ پھر سر جھٹکتا وہاں سے چلا گیا۔

عنایہ نے سر اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ آنکھوں میں ایک کرب سا اترا۔ وہ زخمی سا مسکرا دی۔

oooooooooooooooo

آدھا گھنٹہ پورا ہو چکا تھا۔ اب وہ سب میت کو لے جا رہے تھے۔ جنگکوک کی سارہ کی طرف پشت تھی۔ وہ جنگکوک کے کندھے پر چہرہ

رکھے رو رہیں تھیں۔ پھر اس نے جانے کے لیے قدم آگے بڑھایا تو وہ پیچھے ہو گئیں۔ سارہ بیگم نے سیورینہ کی فریم میں لگی ایک تصویر ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ جس میں وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں زندگی جینے کی امنگ تھی۔ لیکن ایک دم سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ وہ سب اب جنازہ اٹھائے چلتے جا رہے تھے۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک قبرستان میں موجود تھے۔ ایک کھودی گئی قبر میں سیمون اور جنگکوک تابوت اتار رہے تھے۔ فضا سوگوار تھی۔ ویسی ہی سوگواریت ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی تھی۔ سب چلے گئے تھے۔ بس وہی تینوں وہاں رہ گئے تھے۔

"ڈیڈ کچھ پتا چلا؟ یہ سب کس نے کیا؟" سارہ قبر کے پاس بیٹھی اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رو رہیں تھی۔ وہ دونوں باپ بیٹا پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔ گو کہ سارہ تک ان کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"پولیس اپنا کام کر رہی ہے۔" ان کی نظریں سارہ پر ٹکی ہوئیں تھیں۔

"پولیس نے کچھ تو بتایا ہو گا ڈیڈ۔ اگر کوئی اندر گیا تھا تو وہ باہر بھی تو آیا ہو گا۔" اس نے مشکوک نظروں سے سیمون کو دیکھا۔

"وہ جیسا اندر گیا تھا ویسا ہی باہر بھی آ گیا تھا۔"

"آپ مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہے؟" اب سیمون نے چونک کر اسے دیکھا۔

"گر تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے کچھ چھپا رہا ہوں تو جا کر پولیس سے خود بات کر لو۔ وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گی۔" انہوں نے بہت آرام سے کہا تھا۔

"اوکے۔" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ اب اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا جس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ قبر کھود کے سیورینہ کو باہر لے آئے۔

"ماما کو گھر لے جائیں۔ کہیں ان کی طبیعت ناخراب ہو جائے۔"

جنگکوک نے کہا تو سیمون نے سر ہلایا۔ پھر وہ سارہ کی جانب گئے اور انہیں کندھے سے پکڑ کر اٹھایا۔

"ہمیں اب گھر چلنا چاہیے۔" انہوں نے سیمون کو دیکھا۔ وہ وہیں زمین پر ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان کے بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگے۔ پھر انہیں اٹھا کر گاڑی تک لائے۔

"تم گھر نہیں آؤ گے؟" جنگکوک کو وہیں کھڑے دیکھ کر سیمون نے پوچھا۔

"نہیں میں کچھ دیر یہی رکوں گا۔" سیمون اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔ ان کے جانے کے پانچ منٹ بعد وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے سیورینہ کی قبر کو دیکھا تھا۔ چہرے پر ڈھیروں کرب لیے وہ وہاں سے چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گاڑی روڈ پر بہت سپیڈ سے جا رہی تھی۔ وہ سڑک پر بھاگتے ہوئے درختوں، عمارتوں کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً ہاتھ میں پکڑا اس کا موبائل بجا۔ اس نے سامنے کیا تو اسکرین پر Boss J.M Calling لکھا آرہا تھا۔

"یہ کیوں کال کر رہے ہیں؟" خود سے سوال کرتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی

"ہیلو۔"

"آپ چلی گئیں اور مجھے بتایا بھی نہیں۔"

دوسری طرف اس کی سنجیدہ سی آواز ابھری۔

"میں یہ کام جلد از جلد کرنا چاہتی تھی۔"

"آپ مجھے بتا دیتیں تو میں سیکوریٹی میں بھیجتا آپ کو۔"

"آفس کی گاڑی میں آئی ہوں میں۔" اسے یمان پر غصہ تھا لیکن اس سے بات کرتے ہوئے غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"کیا آپ آفس میں ہیں؟" اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"نہیں.....ابھی ہم راستے میں ہیں۔" وہ اصل بات کو چھپا گئی تھی۔

"ہم......اوکے.....ویسے اگر تم کہو تو میں چلوں تمہارے ساتھ؟" وہ پھر آپ سے تم پر آگیا تھا۔ اس کی آفر پر بختاور نے فون کان سے ہٹا کر سامنے کیا اور بے یقین ہو کر دیکھا۔ پھر فون کان کے ساتھ لگایا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" وہ جیسے ضبط سے بولی تھی۔

"مجھے فکر رہے گی۔" فون کے اس پار وہ بہت سنجیدہ تھا۔ بختاور کو لگا جیسے اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ لیکن لہجہ نارمل رکھتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمہاری نہیں مجھے ان کی فکر ہے جن کے ساتھ تم الجھو گی۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔ بختاور کے اعصاب تن گئے۔

"آفس آگیا ہے۔" اس نے بہت ضبط سے کہا۔

"اوکے۔ بیسٹ آف لک۔" بختاور کو لگا وہ اس کے کان کے پاس آکر اسے بیسٹ وشز دے رہا۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکا۔ ساتھ ہی گاڑی رک گئی۔

"کیا ہم پہنچ گئے؟" اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"یس میم۔" ڈرائیور نے کہا تو اس نے اس بلڈنگ کو دیکھا۔ سفید رنگ سے رنگی گئی یہ عمارت بہت نفیس لگ رہی تھی۔ اب اسے ہمت کرنا ہی تھی۔ گاڑی سے باہر آئی۔ دروازے تک گئی اور بیل بجائی۔ دروازہ کھلنے پر

ایک ادھیڑ عمر شخص سامنے آیا۔ یقیناً وہ چوکیدار تھا۔

"مجھے جیونگ ہون سے ملنا تھا۔" اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتا وہ فوراً بولی۔

"آپ بختاور بی بی ہیں؟" چوکیدار نے پوچھا۔

"جی میں بختاور ہوں۔" یعنی اس کے آنے کی خبر اس عمارت میں پھیل گئی تھی۔

"آپ اندر آجائیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے قدم اندر رکھا۔

سامنے ایک راہداری تھی اور اس کے ارد گرد پودے لگے ہوئے

تھے۔لان کو بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔وہ ستائشی نظروں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔پھر سامنے ایک دروازہ آیا۔اس نے جیسے ہی اس دروازے کو پار کیا۔اسے خوف سا محسوس ہوا۔گھر جیسا باہر سے تھا۔اندر سے ویسا بالکل بھی نہیں تھا۔اندر کا سارا پینٹ کالے رنگ کا تھا۔جگہ جگہ پر جانوروں کی تصویریں لگی ہوئیں تھیں۔کچھ خوفناک پینٹنگز تھیں۔اس نے خوفزدہ ہو کر چوکیدار کو دیکھا جو آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔اسے محسوس ہوا جیسے اس کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔اسے لگا وہ مزید چل نہیں سکے گی۔

"یہ ڈرائنگ روم ہیں۔آپ یہاں بیٹھیں۔میں سر کو بلاتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔وہ اب وہاں اکیلی تھی۔ڈرائنگ روم میں آئی تو خوف میں اضافہ ہوا۔وہاں رکھے گئے صوفے عام صوفوں

سے مختلف تھے۔ صوفوں کے ڈیزائن کو جانوروں کی طرز پر بنایا گیا تھا۔ ان میں سے شیر، ڈائنوسار اور بھی بہت سارے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ حقیقت میں زندہ ہیں اور پل کے پل میں وہ اس پر حملہ کر دیں گے۔ اس نے بیٹھنے کے لیے کچھ اور ڈھونڈا لیکن کچھ نہیں ملا۔ اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ وہ ہمت کر کے ایک صوفے پر آ بیٹھی۔ اس کا ڈیزائن بھیڑیے کا تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ وہ بھیڑیا ہی تھا۔ اس نے اب تک ایک ہی نتیجہ نکالا تھا۔ اس گھر کے مالک کو جانور بہت پسند ہیں۔ تبھی اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ جس سزا کو وہ بہت آسان سمجھ رہی تھی۔ ہر لمحے بعد وہ مشکل اور خوفناک ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھے تو بختاور نے رک کر پہلے اسے غور سے دیکھا۔ کہیں وہ اپنے جسم پر تو کچھ جانوروں جیسا پہن کر تو نہیں آیا۔

اس کے پیچھے پیچھے ایک ڈھلتی عمر کی عورت ٹرالی لیے اندر آئی جس میں مختلف قسم کے لوازمات تھے۔

"اب تم جاؤ۔" جیونگ ہون نے ملازمہ کو دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

"بیٹھیے مس بختاور۔" اسے اشارہ کرتے ہوئے خود بھی ایک صوفے (شیر) پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی سر ہلاتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"پلیز کچھ لیجیے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کی آنکھیں سرد تھیں۔

"جی.... میں لیتی ہوں۔" وہ بہت بے آرام ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل چائے کا کپ اٹھایا اور صرف ایک ہی گھونٹ لے سکی۔ اس کی نظریں بختاور پر ٹکی ہوئیں تھیں۔ چہرے پر مسکراہٹ برقرار تھی لیکن آنکھیں...... وہ کتنی خوفناک تھیں۔ وہ آنکھیں کسی بھیڑیے

کی آنکھیں تھیں۔اس نے بہت سارا تھوک نگلااور بمشکل مسکرا کر

کہا۔

"میرے خیال سے اب ہمیں.... کام کی بات کر لینی چاہیے۔"اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔"شیور..... کہیے میں سن رہاہوں۔"وہ اسی مسکراہٹ اور سرد آنکھوں کے ساتھ بول رہا

تھا۔

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں.....۔"وہ رکی پھر بولی۔"جو رقم جیونگ انڈسٹری نے فرقان کنسٹرکشن کو دینی تھی.وہ میی غلطی سے اب فرقان کنسٹرکشن نے جیونگ انڈسٹری کو دینی ہے۔"

"توکیاوہ رقم آپ ساتھ لائیں ہیں؟"اس کے سوال پر اس نے رکتی سانس کے ساتھ اسے دیکھا۔

"وہ رقم آپ نے ہمیں دینی ہے.....۔"

"لیکن ایسا تو کہیں نہیں لکھا تھا۔" اب کے سہی معنوں میں اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی۔

("جب وہ آفر کر رہا تھا تو قبول کر لیتی۔ خوامخواہ ہی انکار کر دیا۔") اس نے سوچا۔

"لیکن یہ غلطی.....۔"

"آپ کو ایک شرط پر رقم واپس مل سکتی ہے۔" وہ اب اٹھ کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ بختاور کا گلا خشک ہونے لگا۔ وہ احتیاطاً اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک سائڈ پہ ہو گئی۔

"کیسی شرط۔" اس نے مظبوط رہنے (دکھنے) کی کوشش کی۔

"آپ قبول کریں گی؟" وہ جیسے کنفرم کرنا چاہتا تھا۔ "مجھے رقم ہر صورت واپس لے کر جانی ہے۔ اس لیے میں ہر شرط پوری کروں

گی۔"وہ اس کے قریب آکر رکا۔اب وہاں سے بھاگ جانے کا راستہ نہیں تھا۔

"بی مائی گرل فرینڈ۔"بختاور کا بے انتہا حسن اس کے دل کو نرم نہیں کر سکا تھا لیکن پھر بھی اس نے یہ کہا تھا اور کیوں کہا تھا۔وہ جانتا تھا جبکہ اس کی بات پر بختاور نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔

"آئی ہیو آ بوائے فرینڈ۔"اس نے خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی۔تبھی اس کا قہقہہ بلند ہوا۔پھر وہ ہنستا ہی گیا یہاں تک کہ ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔بختاور کو اس سے مزید خوف آیا۔

"وہی..... جس نے تمہیں سزا کے طور پر میرے پاس بھیج دیا۔یہ جانتے ہوئے بھی میں خوبصورتی کا کتنا دیوانہ ہوں۔"

یہ جملہ ادا کرتے ہوئے اسے بہت دقت ہوئی تھی لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔یہ بے انتہا حسن اسے صرف زہر لگ رہا تھا۔سامنے کھڑی

خوبصورت لڑکی اس معمولی نین نقش والی لڑکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ خود پر ضبط کیے وہ بے اختیار قدم اس کی طرف بڑھانے لگا۔

بختاور کو جیونگ ہون سے گھن آنے لگی تھی لیکن خاموش رہی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں لیکن اس نے ضبط کے بند باندھنے کی کوشش کی۔

"وہ میرے باس ہیں۔" اس نے درشتی سے کہا تو جیونگ ہون نے ابرو اچکائے۔

"ٹھیک ہے۔ تم نہ بنو میری گرل فرینڈ۔ لیکن....." اس نے رک کر اس کے تاثرات دیکھے۔ وہ رکی ہوئی سانس کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک رات تو مجھے دے ہی سکتی ہو۔" اس نے کمینی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ لیکن اس کا دل......

جبکہ بختاور کا صبر جواب دے گیا تھا۔اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔وہ اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس سے پہلے وہ سنبھلتا بختاور نے ایک اور تھپڑ اس کے دوسرے گال پر مارا۔وہ آنکھوں میں حیرت اور غصہ لیے اسے دیکھتا رہا۔آنکھوں کے سامنے وہی کالی رات آئی تھی جس نے جیونگ کا سب کچھ اس سے چھین لیا تھا۔

"اگر تمہیں لگ رہا ہے کہ میں ایک کمزور لڑکی ہوں اور تم سے ڈر جاؤں گی تو یہ تمہاری سب سے بڑی غلط فہمی ہے۔میں تمہاری جان بھی لے لوں گی اگر تم نے یہ بکواس کی تو۔" وہ کہتی ہوئی وہاں سے جانے لگی لیکن اس نے آگے بڑھ کر اسے کہنی سے پکڑا اور دیوار کے ساتھ لگایا۔

"اور یہ تھپڑ مار کر تم اتنی آسانی سے یہاں سے چلی جاؤ گی تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہو گی۔" وہ دھاڑتے ہوئے بولا۔اور پھر اس کے بازو سے پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا وہاں سے لے جانے لگا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ تم گھٹیا آدمی۔"

جیونگ کے دل میں درد سا جگا تھا لفظ "گھٹیا آدمی" پر۔وہ اس الزام کو آج سچ بنانے جا رہا تھا۔

"گھٹیا پن تو تم اب دیکھو گی میرا۔" وہ اس کو گھسیٹتا ہوا آگے ہی آگے لے کر جا رہا تھا۔

"بچاؤ پلیز..... کوئی ہے...... میری مدد کرو۔" دور کھڑی ملازمہ بے بسی سے بس اسے دیکھتی رہ گئی۔دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز آئی تو وہ مزید سہم گئی۔

"گاڈ اس لڑکی کی حفاظت کرنا۔" اس نے دل میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

ooooooooooooooooooo

"جانتا ہوں تمہارا نقصان بہت بڑا ہے لیکن اب وہ واپس تو نہیں آسکتی نا۔" جنگکوک وہاں سے سیدھا تسبیحہ کے پاس آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس وقت میں کسی کی ضرورت ہو گی۔ وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ بے شک اس سے بڑی تھی لیکن تھی تو عورت ہی نا۔

"اس کی موت کا غم مجھے ہمیشہ رہے گا۔ میں اسے کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔ میری بے قصور بہن کو بیدردی سے مار دیا ظالموں نے۔" وہ بغیر آواز کے رو رہی تھی۔

"پولیس ڈھونڈ رہی ہے انہیں۔ جلد ان تک پہنچ جائے گی۔" جنگکوک کی بات پر وہ زخمی سا مسکرا دی۔

"پتا ہے مجھے سب سے زیادہ دکھ کس بات کا ہے؟"

"کس بات کا ہے؟"

"ہم دونوں بہنوں کو ان کی محبت نہیں مل سکی۔" جنگکوک خفیف سا

ہوا۔

"وہ تم سے پانچ سال بڑی تھی لیکن تمہارے لیے اس کی محبت سچی تھی۔" اس کے دل میں جنگکوک کے لیے نفرت نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ اس سے شکوہ بھی نہیں کر رہی تھی۔ وہ بس دل کی باتیں اسے بتا رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ محض اتنا ہی کہہ سکا۔ لیکن اب وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔ آج اس کے پاس الفاظ بھی نہیں تھے۔

"میں اس کے آخری لمحات میں اس کے ساتھ نہیں تھی۔ انتظار تو کیا ہو گا نا اس نے میرا۔"

"اسے بھی یہی پتا تھا کہ تم اب اس دنیا میں نہیں ہو۔" جنگکوک نے کہا تو تسبیحہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ اب درحقیقت سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"یعنی وہ مجھ سے ملنے کے لیے اس جہان کو چھوڑ گئی۔" دور خلا میں دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا جبکہ جنگکوک خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ اب وہاں خاموشی تھی۔ وہ مزید کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔

oooooooooooooooooooo

اس نے دروازہ زور سے بند کیا اور بختاور کو بیڈ پر پٹخا۔ اپنا کوٹ اتار کر ایک طرف پھینکا اور شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا اس کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ آنکھوں میں بے یقینی اور خوف لیے اسے دیکھتی رہی۔ ایک پل کو........بس ایک پل کو اس نے آنکھیں بند کر کے اللہ سے مدد طلب کی تھی۔

"یا اللہ پلیز........" الفاظ اس کے منہ سے نکلے اور آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ دوسری طرف وہ گاڑی کا دروازہ کھولتا تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ چوکیدار نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ اسے نظر انداز کرتا آگے بڑھتا گیا۔ چوکیدار اس کے پیچھے لپکا لیکن اس وقت وہ کسی کی نہیں سن رہا تھا۔

"اب تم میرا انتقام دیکھو گی۔" چہرے پر نفرت اور غصے کے تاثرات لیے وہ اس کی طرف بڑھا۔ اصل انتقام تو وہ یمان سے لینا چاہتا تھا تبھی نشانے پر اس نے بختاور کو رکھا تھا۔ جیونگ ہون کے حرکت پر وہ فوراً بیڈ کے دوسری سائڈ سے نیچے اتری اور کھڑکی کے ساتھ جا کر کھڑی ہو گئی۔

"اگر تم نے حد پار کی تو اس کا انجام بھی تمہیں بھگتنا ہو گا۔" وہ اپنی طرف سے اسے روکنے کے حربے استعمال کر رہی تھی۔ جیونگ کا

قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آرہا تھا۔ بختاور نے نظر دوڑا کر ادھر ادھر کچھ ڈھونڈا۔ تبھی اسے پاس رکھے ٹیبل پر گلدان نظر آیا۔ اس نے بنا دیر کیے وہ اٹھایا اور اپنی پوری قوت سے اسے دے مارا۔ وہ فوراً سے پہلے ہی سائڈ پہ ہوا۔ گلدان نیچے گر کر کئی حصوں میں ٹوٹ چکا تھا۔

"صاحب آپ کہاں جارہے ہیں؟" وہ ملازمہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"جیونگ ہون کا روم کونسا ہے؟" اس نے درشتی سے پوچھا۔ آنکھوں میں فکر، خوف، کھودینے کا احساس اور نا جانے کیا کیا تھا۔ ملازمہ نے ایک روم کی طرف اشارہ کیا تو وہ فوراً زینے پار کرتا اوپر کی طرف بڑھا۔ اسے یہ چند قدموں کا فاصلہ صدیوں کا فاصلہ لگ رہا تھا۔

گلدان سے نظریں ہٹا کر اس نے بختاور کو دیکھا اور پھر جاندار قہقہ لگایا۔

"مس بختاور! آج آپ کو مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" وہ پر یقین سا اس کی جانب بڑھا۔ اور پھر بڑھتا ہی گیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔ آج اسے سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے نزدیک آکر اسے بالوں سے پکڑا اور بیڈ پر پھینکا۔ اور خود اس پر جھکنے لگا۔ اندر کہیں دل نے ملامت کیا تھا۔ دل میں موجود اس ہستی نے بھی لعنت بھیجی تھی لیکن آج وہ اپنے ضمیر کو مار بیٹھا تھا۔ آج اسے بس انتقام لینا تھا اور یہ موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا تھا۔ وہ خود کو بچانے کے لیے آخری حد تک جا رہی تھی۔ لیکن خوف اس پر غالب آ رہا تھا۔

اس نے مدد کے لیے اللہ کو پکارا تھا اور۔۔۔۔

کسی نے پوری قوت سے دروازے کو لات مار کر کھولا۔ سب کچھ جامد ہو گیا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہوا۔ بختاور نے مڑ کر دیکھا۔ بے یقینی، تشکر کیا کیا نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔

"یمان۔" اور اس کی دعا رد نہیں ہوئی تھی۔ سن لی گئی تھی۔ اس کے لیے مدد بھیج دی گئی تھی۔ وہ آ گیا تھا۔ اسے ہی تو آنا تھا۔ ایک لفظ بمشکل کہہ کر وہ وہاں سے بھاگی اور اس کے پاس آ کر رکی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ وہ بے اختیار یمان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ وہ حیرت سے لب کھولے ہاتھ پہلوؤں میں گرائے بے یقین سا کھڑا تھا۔

"آپ...... آپ نے مجھ...... مجھے بچا لیا۔" اس نے کہا تو یمان نے کندھوں سے پکڑ کر اسے پیچھے کیا۔ اور پھر اسے آنکھوں سے تسلی دیتے ہوئے اسے اپنے پیچھے کیا۔

بختاور کو سامنے سے ہٹاتے ہی ساری نرمی غائب ہو گئی تھی۔ وہاں اب سرد مہری تھی، غصہ تھا، حقارت تھی، ضبط تھا۔ وہ اپنا ضبط کھوتے ہوئے اس کی طرف تیزی سے بڑھا اور گریبان سے پکڑ کر دیوار کے ساتھ لگایا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس پر گندی نظر ڈالنے کی۔" وہ کہتے ہوئے اندھا دھند اس پر مکوں کی برسات کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے ہونٹ سے اور دائیں آنکھ کے قریب سے خون رسنے لگا۔ تبھی اس نے یمان کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری قوت سے اسے خود سے دور کیا اور اپنا خون صاف کیا۔ بختاور پیچھے دروازے کے ساتھ سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

"میں اس کے گھر نہیں گیا۔ وہ خود میرے گھر آئی تھی۔" وہ کمینگی سے ہنستا ہوا بولا۔ یمان پھر اس کی جانب بڑھا اور اس کا گریبان پھر پکڑا۔

"اپنی بکواس بند رکھو تم۔ جب وہ آفس گئی تھی تو تم نے وہاں اس سے ملاقات کیوں نہیں کی؟ کیوں اسے گھر بلایا؟"

"جس کام کے لیے بلایا تھا وہ تو ادھورا رہ گیا نا۔" اب اس نے خود کو چھڑوانے کی کوشش نہیں کی۔

" گھٹیا آدمی۔ میں چاہوں تو ابھی کے ابھی تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔" وہ لفظوں کو بہت سختی سے ادا کر رہا تھا۔

وہ ہنسا۔

"میرے گھر آکر مجھ پر تشدد تم نے کیا ہے۔ زخمی میں ہوا ہوں۔ نا تمہیں اور نا اسے (آنکھوں سے بختاور کی طرف اشارہ کیا) معمولی سی

بھی خراش نہیں آئی تو کیا ثبوت ہے تمہارے پاس میرے

خلاف۔" یمان ڈھیلا پڑا

لیکن پھر اسے جھنجھوڑا۔

"اس دفعہ تمہیں میں چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن یاد رکھنا۔اگلی دفعہ تم

نے کسی بھی لڑکی کی عزت پہ بری نظر ڈالی تو رنگے ہاتھوں پکڑوں گا

اور پولیس کے حوالے کروں گا۔تب تمہارے پاس فرار کا کوئی راستہ

نہیں ہو گا۔" اسے جھٹکا دیتے ہوئے وہ جانے لگا۔

"ڈیل ڈن۔ لیکن اگلی دفعہ اس لڑکی کی جگہ تمہاری بہن ہو گی۔"

یمان کے قدم زنجیر ہوئے۔

"اور یاد رکھنا وہ تمہیں صحیح سلامت نہیں ملے گی۔میں اس کے

ساتھ......" وہ پیروں میں بندھی زنجیر توڑتا ہوا واپس مڑا۔

جیونگ کے الفاظ منہ میں رہ گئے تھے۔یمان نے اس کے منہ پر ایک

زوردار مکا مارا۔ جس سے وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔اب دونوں ہونٹوں سے خون بہنے لگا تھا۔ یمان نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے پیٹ میں مکے اور گھٹنوں سے مارنے لگا۔

"ہمت کیسے ہوئی تمہاری میری بہن کا نام اپنی گندی زبان سے لینے کی۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ اب چلا رہا تھا۔ اونچا اونچا بول رہا تھا۔ اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہوئے لگا تھا لیکن اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ قریب تھا کہ وہ واقعتاً اس کی جان لے لیتا، بختاور آگے بڑھی اور اس کا اٹھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ یہ کوشش تھی اسے روکنے کی۔ یمان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئیں تھیں اور سر نفی میں ہل رہا تھا۔ یمان نے ضبط سے لب بھینچے۔ اس کی بھیگی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔ رخ پھیر کر جیونگ کی طرف دیکھا۔ جو زمین پر بیٹھا اپنے زخم دیکھ رہا تھا۔

"اگر آئندہ میری بہن کا نام لیا تو یاد رکھنا تمہارے ساتھ وہ ہو گا کہ تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔" غصے سے کہا اور بختاور کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ اس کے ساتھ خاموشی سے کھینچتی جا رہی تھی۔ وہ محافظ بن کر آیا تھا۔ وہ واویلا نہیں کر سکتی تھی۔ ڈرائیور نے یمان کی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ یمان نے باہر آتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا

اور ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ بھی تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ اس نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور زن سے آگے لے گیا۔ وہ کچھ دیر تو ضبط کے گھونٹ بھرتی رہی پھر بمشکل بولی۔

"میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" یمان نے گردن موڑ کر سرد نظروں سے اسے دیکھا۔ یمان کے ایسے دیکھنے پہ وہ خاموش ہو گئی۔

"بہتر ہو گا کہ آپ فی الحال اپنی زبان بند رکھیں۔ کہیں ایسا نا ہو کہ میرا غصہ آپ پر نکل جائے۔" یمان کے سختی سے کہنے پر وہ لب بھینچ گئی۔ پھر ونڈو اسکرین سے باہر دیکھنے لگی۔ یمان نے بھی نظریں سامنے لگا دیں۔ سفر خاموشی سے کٹنے لگا۔ تبھی یمان کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ تسبیحہ کے اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا تھا اور لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے لفٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تبھی وہ لفٹ کھول کر باہر آیا۔ جنگکوک نے اسے نہیں دیکھا نا اس نے جنگکوک کو۔ دونوں بہت قریب سے گزر گئے۔ ایک اس سے مل کر آ رہا تھا اور دوسرا اس سے ملنے جا رہا تھا۔ جنگکوک لفٹ میں داخل ہو گیا تھا اور وہ اپارٹمنٹ کے دروازے کے سامنے آ کر رکا۔ بیل پر ہاتھ رکھا۔ اور بجا دی۔

ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ لیکن سامنے ہاشم درانی کو دیکھ کر وہ شاکڈ سی رہ گئی۔ حیرانی، بے یقینی کیا کچھ تھا اس کی ویران آنکھوں میں۔ وہ بول بھی نہیں سکی اور سامنے سے ہٹ گئی۔ ہاشم کا چہرہ سنجیدہ تھا اور وہاں دکھ بھی تھا۔ وہ خاموشی سے اندر آ گیا۔ اس نے پیچھے دروازہ بند کیا۔ وہ خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ یہ بھی نا پوچھ سکی کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

"پلیز! بیٹھو۔" اس نے چھوٹے سے لاؤنج میں رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے وہاں بیٹھ گیا۔

"میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔" وہ کہہ کر جانے لگی تبھی ہاشم بولا۔

"میں کچھ نہیں لوں گا۔ میں بس تم سے ملنے آیا تھا۔" ہاشم کے کہنے پر اس نے پھر سے بے یقینی سے اسے دیکھا لیکن خاموشی سے سر ہلاتی

ہوئی اس کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہاں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی جسے ہاشم نے توڑا۔

"میں نے آج نیوز دیکھی....... جہاں سے مجھے پتا چلا کہ سیورینہ کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" ہاشم نے کہا تو اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"لیکن...... تمہارا بہت بڑا نقصان ہوا ہے تو مجھے لگا کہ مجھے تمہارے اس دکھ میں تمہارے ساتھ ہونا چاہیے۔" وہ بے یقین ہی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ آئے گا۔ اور اب اگر آ گیا تھا تو ہر بات غیر متوقع تھی۔

"تمہارا بہت شکریہ کہ تم آئے۔ تمہارے آنے سے پہلے جنگکوک آیا تھا۔" تسبیحہ نے کہا تو ہاشم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ تسبیحہ سمجھ گئی تھی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"جنگکوک تمہارے ماموں کا بیٹا اور میری خالہ کا بیٹا۔" اس کے بتانے پر ہاشم نے محض "ہمم" کہہ کر سر ہلا دیا۔

"اس نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔" اب شاکڈ ہونے کی باری ہاشم کی تھی۔

"کیا واقعی ہی؟ مطلب اس کی فیملی نے اسے کچھ نہیں کہا؟ ماما کو تو ان لوگوں نے......" پھر ایک دم جیسے اسے بریک لگا اور وہ خاموش ہو گیا۔ وہ مسکرا دی۔

"جس لڑکی کے لیے اس نے اسلام قبول کیا ہے وہ شادی کے بعد ان دونوں کو الگ کر دیں گے۔ لیکن تعلقات وہ کبھی نہیں توڑیں گے۔

کیونکہ اب بات سارہ آفندی کے اپنے بیٹے کی ہے۔" ہاشم نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"اگر اپنی بہن کے کیس میں تمہیں میری ضرورت پڑے تو مجھے ضرور بتانا۔" کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

"تم جا رہے ہو؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ ہاشم نے ایک پل کو رک کر اسے دیکھا۔ پھر اوپر نیچے گردن ہلائی۔

"میں تعزیت کے لیے آیا تھا۔"

"بہت شکریہ تمہارا کہ تم آئے۔" وہ دونوں سنجیدگی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"مجھے اگر تمہاری ضرورت پڑی تو میں کیسے تم سے رابطہ کروں گی؟"

"موبائل دو۔ میں نمبر سیو کر دیتا ہوں۔" ہاشم نے کہا تو اس نے ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔ ہاشم نے نمبر سیو کر کے اسے دے دیا۔

"میں چلتا ہوں۔" کہہ کر وہ رکا نہیں لیکن وہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اندر بہت کچھ ٹوٹ جڑ رہا تھا۔ وہ وہیں صوفے پر بے دم سی بیٹھ گئی۔ دوسری جانب اس نے باہر آ کر ایک گہرا سانس لیا۔ ضبط کیے ہوئے آنسوؤں اب خود بخود باہر آ رہے تھے۔ وہ دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھے خود کو سہارہ دیئے کھڑا ہو گیا۔ ماضی سے جڑے لوگوں سے دوبارہ ملنا اگر آپ کو خوش کرتا ہے تو دکھی بھی کر دیتا ہے۔

ہاشم نے سانس لینے کی کوشش کی۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ سانس نہیں لے پا رہا۔اس نے تیزی سے اپنے قدم لفٹ کی جانب بڑھائے۔اس سے پہلے کہ وہ گرتا اسے یہاں سے نکلنا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOO

اس نے یمان کو دیکھا۔اس کی مسکراہٹ پر وہ تلملا کر رہ گئی۔

"آپ نے مجھے جان بوجھ کر وہاں بھیجا تھا نا۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کیسا آدمی ہے۔" بے اختیار یمان کا پیر بریک پر پڑا۔آنکھوں میں تحیر لیے اسے دیکھا۔اور پھر بولا۔

"میں نے تمہیں اس کے آفس میں بھیجا تھا۔"

"لیکن مجھے بتایا تو نہیں کہ وہ کیسا آدمی ہے۔"

"میں نے جب فون کیا تھا تو تم نے جھوٹ کیوں کہا کہ تم آفس جا رہی ہو۔ جبکہ تم اس کے گھر جا رہی تھیں۔" اب وہ خاموش رہی۔ غلطی تو کی تھی۔

"میں نے ساتھ جانے کی آفر بھی کی تھی۔" گاڑی ابھی تک وہیں رکی ہوئی تھی۔

"آپ نے کہا کہ آپ کو اس کی فکر ہو گی جس کے ساتھ میں الجھوں گی۔ بس میں نے غصے میں آکر منع کر دیا۔" یمان نے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"ویسے کیا آپ میرا پیچھا کر رہے تھے۔" وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہوا۔ یعنی وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی۔

"یہ ضروری تھا۔"

کچھ دیر بعد وہ بس اتنا ہی بول سکا۔ پھر وہ بھی خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اسے اعتراض نہیں تھا کہ اس نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

"میری دوسری آفر اب بھی موجود ہے۔" اس نے مسکراہٹ کو دباتے ہوئے کہا جبکہ اس نے نا سمجھی سے یمان کو دیکھا۔

"کسی آفر؟"

"شادی کرو گی مجھ سے؟" اس نے غش کھا کر یمان کو دیکھا۔

"بالکل بھی نہیں۔ میں آپ سے شادی نہیں کروں گی۔" اسے یقیناً برا لگا تھا۔ اگر محبت کرتا تھا تو سیدھا سیدھا کہے۔ یمان نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"تو کیا کسی اور سے شادی کر لو گی؟" قدرے توقف سے بولا۔

"ہاں۔" نا جانے کیوں پر اسے برا لگا تھا۔ مزید کوئی سوال کیے بغیر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اور پھر سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔

"کیا میں تمہیں اچھا نہیں لگتا؟" آواز کو ہموار رکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے چونک کر گردن یمان کی جانب گھومائی۔

"میری رائے میٹر نہیں کرتیں۔" سنجیدگی سے کہتی رخ پھیر گئی۔

"مجھے مستقبل میں یاد رکھو گی نا؟"

"ہرگز نہیں۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔

"کیا کہو گی اپنے بچوں سے کہ جس کو چاہا تھا وہ نہیں ملا۔" اس نے گڑبڑا کر یمان کو دیکھا جو سامنے سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کھونے کے بعد تم اپنی بیٹی کو محبت جیسے جذبے سے دور رکھو گی؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گیا تھا۔ بختاور کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"تو کیا تم اس شہزادے کا اپنے بچوں کے سامنے زکر تک نہیں کرو گی؟" ایک بار اس کا دل کیا گاڑی سے باہر چھلانگ لگادے۔

"آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔" ایک جھٹکے سے گاڑی رکی۔ اس نے شاکڈ ہو کر بختاور کو دیکھا جو مطمئن سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ یمان کی گردن میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے گلا کھنکار کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ لیکن اب کچھ نہیں بولا۔ بختاور پھیکا سا مسکرادی۔

"آخر کیوں اظہار نہیں کر دیتا وہ۔" سارا سفر خاموشی میں گزر گیا تھا۔ بختاور کو آفس کے سامنے اتار کر وہ پھر سے کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے کچھ نہیں پوچھا بس اترنے سے پہلے "شکریہ" کہہ دیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ تسبیحہ کے اپارٹمنٹ سے سیدھا ڈاکٹر اسفندیار کے ہاسپٹل گیا تھا۔ اسے ابھی تک سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ آکسیجن لگائے لیٹا رہا لیکن پھر ضد کر کے اتار دی۔ اسفند بھی اس کے پاس ہسپتال والے بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"تمہیں اس سے نہیں ملنا چاہیے تھا ہاشم۔"

"مجبوری تھی۔"

"تم نے حالت دیکھی ہے اپنی۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"اس سے ملنے کے بعد مرنے والے ہو جاتے ہو۔"

"اگر اس وقت میں اس کے پاس نا جاتا تو کبھی اس کا سامنا نا کر پاتا۔"

"لیکن....۔"

"ضمیر الگ ملامت کرتا۔"

"تمہیں اپنا بھی خیال رکھنا چاہیے ہاشم۔"

"ہم تیسری دفعہ ملے ہیں۔عادت ہو جائے گی۔"

"تیسری دفعہ؟"ڈاکٹر اسفند نے ابرو اچکائے۔"اور عادت سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تم اس سے آئندہ پھر ملنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

اب کے وہ ذرا سختی سے پوچھ رہے تھے۔

"اس کی بہن کی ڈیتھ ہوئی ہے۔اسے میری ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس لیے بس....۔"ڈاکٹر اسفند نے گہرا سانس لیا۔

"وہ تمہیں بے وقوف بنا رہی ہے۔اور تم بن رہے ہو۔"

"جانتے ہو دوسری ملاقات میں ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

اسفند کے پوچھنے پر ہاشم نے گہرا سانس لیتے ہوئے ساری بات اسے بتائی۔اسفندیار حیرت سے منہ کھولے ساری بات سنتے رہے اور آخر میں افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"اور تم نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا؟"

"میں نے اسے کہا تھا کہ ثبوت لائے کیونکہ اب میں اس پر مر کر بھی یقین نہیں کروں گا۔"

"ہاشم...اگر وہ سچی نکلی تو؟"

ہاشم کی دھڑکن پل بھر کو رکی تھی۔

"تو اس کے مجرم کو میں خود انجام تک پہنچاؤں گا۔"

"جانتے ہو نا کہ وہ کسے مجرم گردانتی ہے؟"اسفند نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"اگر اس عورت کی جگہ تسبیحہ کی مجرم اس کی سگی ماں بھی ہوتی نا تو میں اسے بھی سزا دلوانے سے گریز نہیں کرتا۔"

اسفند نے تعجب سے اسے دیکھا۔اس کی اب تک کی باتوں سے وہ یہی اندازہ لگا پایا تھا کہ وہ لڑکی آج بھی ہاشم کے دل پر راج کرتی ہے۔وہ ہاشم کو بلائے یا نا بلائے۔ہاشم ہمیشہ اس کی مدد کو پہنچ جائے گا۔

ڈاکٹر نے تاسف سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

سیورینہ کی موت کے دوسرے دن بعد وہ یونی چلا آیا تھا۔گھر کا ماحول گھٹن زدہ ہو رہا تھا سو اس نے یہی مناسب سمجھا۔آج دھوپ تھی لیکن زیادہ گرمی نہیں تھی۔ہوا بھی ٹھیک ٹھاک چل رہی تھی۔وہ ایک درخت تلے رکھے بینچ پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے بال ہوا کی وجہ سے اڑ رہے تھے۔کچھ دیر پہلے لیو اور چینگ من اس کے پاس

آئے تھے تاکہ اسے کیفے لے جاسکیں۔ لیکن اس نے منع کر دیا۔ پھر وہ مایوس سے ہو کر اٹھ گئے۔

وہ کاریڈور کے سامنے بنے پانچ زینے اترتی باہر کھلے میدان میں چلی آئی۔ اس کی کلاس ابھی ختم ہوئی تھی۔ وہ باہر آئی تاکہ تازہ ہوا لے سکے۔ لیکن اسے کہیں دور ماموں کا بیٹا تنہا اور پریشان بیٹھا نظر آیا۔ پہلے تو وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر قدم اس کی جانب بڑھا دیئے۔ خاموشی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ کسی احساس کے تحت جنگکوک نے گردن موڑ کر دیکھا تو چونک گیا، پھر مسکرا دیا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"کیا ہوا ہے؟ آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟" وہ حیران ہوئے بنا نہیں رہ سکا یعنی وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ پریشان ہے۔

"کتنا پریشان لگ رہا ہوں۔" حیرت پر قابو پاکر سامنے دیکھنے لگا۔

"میرے یہاں پر آپ خوش نہیں ہوئے اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھ کر اگنور کر دیا۔ "جنگکوک نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"اگنور؟" پھر تعجب سے پوچھا۔

" کبھی نہیں۔ میں آپ کو کبھی بھی اگنور نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا یہاں آنا میرے لیے حیرت کا باعث ہے کہ آپ خود چل کر میرے پاس آئیں۔"

"ہاں کیونکہ آپ پریشان ہیں اور اب مجھے بتائیں کیوں پریشان ہیں؟"

جنگکوک چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میری آنی کی بیٹی...... میری ماما کی بھانجی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

جنگکوک نے بمشکل کیا۔ اس کے لب اوہ میں سکڑے۔

"آئم سوری۔" اس نے دکھ سے جنگکوک کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"جانتی ہیں وہ کون ہے؟"

اس نے گردن نفی میں ہلائی۔

"نہیں میں نہیں جانتی۔میں کیسے جانتی ہوں گی۔"

"وہی جو اس دن آپ کے حجاب کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی۔"

ماریہ کا دماغ فوراً ڈیڑھ ماہ پیچھے گیا جب اس کے اور سیورینہ کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی۔کوئی خوشگوار ملاقات نہیں تھی کہ وہ دکھی ہو جاتی۔ لیکن اتنی جوان موت پر اسے دکھ ہوا تھا۔

"پلیز اسے معاف کر دیجئے گا۔"جنگکوک کے کہنے پر اس نے اسے دیکھا۔

"میں نے اسے معاف کیا۔"وہ اداسی سے مسکرائی۔

"بہت شکریہ۔"وہ بھی اسی طرح مسکرایا۔

"ویسے......انہیں ہوا کیا تھا۔ مطلب اچانک موت......"

"موت تو اچانک ہی ہوتی ہے۔" جنگکوک کے جواب پر اس کا دل سکڑ گیا۔ یعنی یہ زندگی جس کے پیچھے اتنا بھاگا جا رہا ہے وہ ایسے ختم ہو جاتی ہے۔

"اسے قتل کیا گیا ہے۔" وہ منہ کھولے جنگکوک کو دیکھنے لگی لیکن مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ یقیناً وہ ہرٹ ہو رہا تھا اور وہ اسے ہرٹ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے جنگکوک کے اداس چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجھی ہوئیں تھی۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑا۔ بے اختیار اس نے جنگکوک کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو اس نے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔ وہ جنگکوک کی حرکت پر شاکڈ سی اسے دیکھنے لگی۔

"پلیز یہ ظلم مت کریں میرے ساتھ۔ میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ مجھے اس طرح بغیر کسی رشتے کے چھوئیں۔" اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔ نا جانے کیوں ماریہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"نہیں....... میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" جنگکوک کو سمجھ نہیں آیا کہ کیسے بیان کرے۔

"پلیز آپ رونا تو بند کریں۔ یہ....... یہ ہرٹ کر رہے ہیں مجھے۔" اس نے انگلی سے اس کے آنسوؤں کی طرف اشارہ کیا۔

"تھینک یو جنگکوک! مجھ سے اتنی محبت کرنے کے لیے۔ میری اتنی عزت کرنے کے لیے۔ یہ آنسو خوشی سے خود بخود باہر نکل آئے۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔" بے اختیار اس نے سکون کا سانس لیا اور پھر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں ڈر گیا تھا۔"

"کیوں۔"

"آپ کے رونے سے۔"

"رونے سے کون ڈرتا ہے۔"

"رونے سے کوئی نہیں ڈرتا ماریہ۔ لیکن اپنے من پسند انسان کے آنسو بہت تکلیف دیتے ہیں۔ خاص طور پر اپنی پسندیدہ عورت کے۔"

جنگلوک کے منہ سے اپنا نام سن کر اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا لیکن اب وہ لفظ "پسندیدہ عورت" پر اٹکی تھی۔

کیا وہ اس کی پسندیدہ عورت تھی۔ اس کی من پسند عورت۔ اس کے دل کی واحد حقدار۔

"رونے سے چہرے پر نور بھی تو آتا ہے۔" وہ اسے مزید سننا چاہتی تھی۔

"میں زیادہ تو نہیں جانتا لیکن میں نے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان اللہ کے سامنے جائے نماز پر روتا ہے تو اس کا دل بھی نور سے بھر جاتا ہے اور چہرہ پر بھی نور آجاتا ہے۔"

اس نے استعجاب سے جنگلوک کو دیکھا تھا۔ کتنی دیر تک وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

"آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟"

"یہ اہم نہیں ہے کہ مجھے یہ بات کس نے بتائی۔ یہ اہم ہے کہ آپ فی الحال میرے سامنے مت روئیں۔ ابھی میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کے آنسو صاف نہیں کر سکتے۔ میرا کندھا فی الحال آپ کو نہیں مل سکتا۔ جب یہ سب نہیں ہو سکتا تو پھر میرا دل تڑپتا ہے۔ آنکھیں اس منظر کو دیکھ نہیں سکتیں۔ تو بہتر ہے کہ آپ جائے نماز پر

رولیں۔ لیکن فی الحال مجھے اس تکلیف سے بچالیں۔" آخر پر اس کا لہجہ منت بھرا تھا جبکہ وہ کتنی دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

اس نے اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کی۔ ہاں مگر سیورینہ کے حوالے سے چند ایک باتیں کیں تھیں اس نے۔ اس کی موت نے ماریہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

پھر کچھ دیر مزید وہاں بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ گئی۔ اس کے ذہن سے سیورینہ کی موت نہیں نکل رہی تھی۔ اس کے ہر انداز سے جنگلوک کے لیے محبت چھلک رہی تھی اس دن۔ اور آج وہ مٹی کے نیچے تھی۔ اتنی مختصر سی زندگی اور یہ نفرتیں۔ اس نے سر جھٹکا اور ان سوچوں کو پرے دھکیلا۔ لیکن آج..... کم از کم آج وہ سوچیں پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتیں تھیں۔

ооооооооооооооооооооооооооо

وقت ایک دفعہ پھر گزر گیا تھا بغیر رکے، بغیر مڑے۔ سب کچھ روٹین پر آگیا تھا۔ فرح اور یاور بھی واپس آ گئے تھے۔

بختاور کم سے کم یمان کے سامنے جاتی تھی۔ ہاشم اور منہاج تک یہ بات پہنچ چکی تھی کہ ان کی کمپنی کو بیس لاکھ کا نقصان ہوا ہے۔ اب انہیں ہی کچھ کرنا تھا۔

"میرے خیال سے ہمیں خود ہی جیونگ انڈسٹری میں جانا چاہیے تا کہ اسے بتا سکیں کہ ہم اس کے باپ سے بھی نہیں ڈرتے۔" میٹنگ روم میں یمان، ہاشم اور منہاج بیٹھے ہوئے تھے۔ تبھی منہاج نے کہا۔

"ہاں ہم نہیں ڈرتے لیکن منہاج بیس لاکھ اتنی بڑی رقم نہیں تھی۔ تو مجھے لگتا ہے ہمیں فی الحال رہنے دینا چاہیے۔ خوامخواہ کا تماشا ہو گا۔"

ہاشم نے قدرے اطمینان سے کہا تو منہاج اور یمان نے عجیب

نظروں سے اسے دیکھا۔

"بھلے ہی یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے بھائی لیکن ہمارا حق ہے۔ اگر ہم

اسے ایسے ہی چھوڑ دیں گے تو وہ سمجھے گا کہ ہم اس سے ڈر گئے اور پھر

آئندہ وہ ایسی غلطی پر پھیل ہی جائے گا۔" منہاج ہاشم سے اتفاق

نہیں رکھتا تھا۔

"کیا مطلب آئندہ؟" ہاشم نے بھی ویسی ہی نظروں سے اسے گھورا۔

"نہیں مطلب تم لوگ آئندہ بھی ایسی غلطی کا ارادہ رکھتے ہو؟" یمان

نے بے چینی سے پہلو بدلا جبکہ منہاج نے اسے گھورا۔

"یہ تو آپ اس سے پوچھیں نا جس کی اصل غلطی ہے۔ دھیان سے

کام نہیں کر سکتا تھا۔" یقیناً یمان نے ساری

بات اپنے اوپر لے لی تھی تبھی اس کی کلاس لگ گئی۔ تبھی ہاشم نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ چور نظروں سے ہاشم کو دیکھتا سر جھکا کر مسکراہٹ روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا بھائی؟ ایسے تو نا دیکھیں۔ انسان ہوں۔ ہو گئی غلطی۔ اب بچے کی جان لیں گے کیا؟" اس نے مصنوعی معصومیت سے کہا تو ہاشم نے نفی میں سر ہلایا اور بے ساختہ مسکرا دیا۔ جبکہ منہاج کا ری ایکشن کچھ ایسا تھا "میں یہاں آخر ہوں کس لیے؟"

"بہر حال جو بھی ہے فی الحال ہمیں اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہیے۔ اور نیکسٹ ٹائم کے لیے وارننگ دے رہا ہوں۔ ایسی کسی غلطی کی معافی نہیں ہو گی۔" ہاشم نے شہادت کی انگلی سے تنبیہہ کی تو وہ معصومیت سے پلکیں جھپکتے ہوئے سر اثبات میں ہلانے لگا۔

"اگر تمہیں اتنی ہی نیند آرہی ہے تو گھر چلو جاو۔"منہاج کو جمائی لیتا دیکھ کر ہاشم نے اسے گھورا تو وہ فوراً سیدھا ہوا۔

"نہیں چائے پیوں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔"اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا تو ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کا سماں تھا۔فرقان ہاؤس کے افراد تقریباً سونے کے لیے جا چکے تھے۔وہ دونوں بھی سونے کی تیاری کر رہے تھے۔یاور سرہانہ اٹھا کر صوفے کی طرف چلا آیا۔"آپ بیڈ پر سو جایا کریں۔قسم سے میں بالکل بھی ان کمفرٹیبل نہیں ہوتی۔"وہ جانتی تھی کہ وہ صوفے پر کتنی مشکل سے ایڈجسٹ ہوتا تھا۔

"میں بھی صوفے پر ان کمفرٹیبل فیل نہیں کرتا۔"اس نے قدرے طمانیت سے کہا۔

"جانتی ہوں آپ کتنے کمفر ٹیبل ہوتے ہیں۔"اس کے لہجے میں چھپا طنز واضح تھا۔وہ مسکرا دیا۔

"آپ میری فکر مت کریں اور سو جائیں۔اور پلیز سونے سے پہلے لائٹ آف کر دیجیئے گا۔"اس نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔وہ خاموش ہو گئی۔ برا بھی لگا تھا۔لیکن پھر اٹھ کر لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔یاور نے

ایک نظر اس پہ ڈالی اور پھر کروٹ بدل گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ سب رات کے کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔بختاور بار بار سب کو دیکھ رہی تھی۔ عریش بھی سر جھکائے کھانے میں مصروف تھی۔کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔اس نے کھنکھارا ابھرا۔ پھر بھی کوئی متوجہ نہیں ہوا۔

"بابا مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" اسے مجبوراً بولنا پڑا۔ سب اپنا اپنا کھانا روک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا بات؟" وہ پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نفیسہ بیگم بھی اسی کی جانب متوجہ تھیں۔ البتہ عریش اپنی پلیٹ پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی بختاور کو کیا بات کرنی ہے۔

"دراصل عریش کی یونی میں ایک لڑکا پڑھتا ہے اور وہ اسے پسند کرتا ہے تو....۔" دوٹوک بولتے ہوئے یہاں اسے بریک لگی تھی۔

"تو؟" انہوں نے ایک نظر عریش کو دیکھا اور پھر بختاور سے پوچھا۔

"تو وہ باقاعدہ گھر آکر ہاتھ مانگنا چاہتا ہے۔" بختاور مطمئن ہو کر بتا رہی تھی جبکہ عریش کی دھڑکنیں تیز ہوئیں۔

"کیسا لڑکا ہے وہ؟" وجاہت صاحب نے پوچھا۔

"میں مل چکی ہوں اس سے بابا۔اچھا لڑکا ہے۔ماں باپ نہیں ہیں لیکن وہ چھ بھائی اور ایک بہن ہے۔"اس نے اپنی طرف سے قائل کرنے کے لیے مختصر وضاحت کی۔

"ہمم۔"انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔"تمہاری کیا بات ہوئی اس سے؟"

"میری کیا بات ہوئی اس سے.....۔"اس نے جیسے سوچتے ہوئے اس ملاقات کو یاد کیا جو ایک دن پہلے حماد سے اس کی ہوئی تھی۔

ooooooooooooooooo

یہ منظر تھا ایک ریسٹورنٹ کا جہاں وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔حماد کی بات سنی جا چکی تھی اور اب وہاں خاموشی تھی۔

پھر بختاور ذرا سا آگے ہوئی۔"تو آپ کا کہنا ہے کہ آپ میری بہن کو پسند کرتے ہیں۔"

"محبت کرتا ہوں۔" اس نے صحیح کی۔

"ہاں وہی..... محبت کرتے ہیں۔" اس نے وقفہ دیا۔

"تو کیا گارنٹی ہے کہ آپ میری بہن کو شادی کے بعد خوش رکھیں گے اور ایسے ہی محبت کرتے رہیں گے؟" وہ عریش سے بہت مختلف تھی۔ خود اعتماد پر سکون۔ عریش نے عبایہ پہنا ہوا تھا جبکہ بختاور نے براؤن رنگ کا لانگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ بال جوڑے میں مقید تھے۔ حماد نے سفید رنگ کی بٹنوں والی شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ سفید ہی رنگ کی پینٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوبصورت اور اٹریکٹیو لگ رہا تھا جو کہ وہ ہے۔

"گارنٹی دینا ضروری ہے کیا؟" ایک پل کے لیے وہ حماد کے انداز پہ خاموش ہوئی۔ وہ اس انداز کو پہچانتی تھی۔ پھر سر جھٹکا۔ بھلا اس کا یہاں کیا ذکر۔ حماد اسے جانتا بھی نہیں ہوگا۔

"بہت ضروری ہے۔" وہ بضد تھی۔

"اور اگر میں گارنٹی دینے کے بعد بدل گیا تو؟" وہ واقعی ہی اسے لاجواب کر رہا تھا۔

"کیا آپ کو عریش سے شادی نہیں کرنی؟" وہ بھی بختاور تھی۔

"تو کیا عریش سے شادی، گارنٹی شرط ہے؟" اس کی آنکھیں سرد ہونے لگی تھیں۔ یہ آنکھیں.... یہ سرد آنکھیں کسی سے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ وہ بار بار ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ وہ یہاں نا ہو کر بھی یہاں تھا۔ بختاور نے خود کو کمپوز کیا۔

"کیا آپ کو نہیں لگتا مجھے اپنی بہن کی حفاظت....."

"اگر مجھے مکرنا ہوا تو میں گارنٹی دے کر بھی مکر جاؤں گا اور اگر نا مکرنا ہوا تو اس شرط کے بغیر بھی نہیں مکروں گا۔ آپ کی بہن کی حفاظت

میری زمہ داری ہے۔"پہلے وہ حیران ہوئی لیکن پھر تھوڑی مطمئن

ہوئی اور پھر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"میں ماں بابا سے بات کروں گی اور تم بھی بات کر لینا اپنے بھائیوں

سے۔"حماد نے سر کو خم دیا۔

"ظاہر ہے۔"

وجاہت صاحب پلیٹ پر سر جھکائے اس کی بات سن رہے تھے۔بات

ہونے پر انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ کرے گا اپنے گھر بات؟"انہوں نے تفکر

سے پوچھا۔

"بالکل کرے گا بات۔کیوں نہیں کرے گا۔"وہ بہت طمانیت سے

بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اگر وہ اچھا لڑکا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انہوں نے مسکرا کر شانے اچکائے۔ دونوں بہنوں نے آپس میں مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا۔ نفیسہ بیگم بھی مطمئن سی ہو کر کھانے میں مصروف ہو گئیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شاید ابھی آفس سے آیا تھا لیکن اس کا چینج کرنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اپنے زخمی ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ زخم تو ختم ہو گیا تھا لیکن نشان ابھی بھی تھے۔ جن دنوں اس کا زخم واضح تھا ان دنوں وہ اپنا دایاں ہاتھ پینٹ کی جیب میں رکھتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ ہوا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی بھنک بھی پڑے۔

لیکن اسے یاد تھی۔۔۔۔ وہ اک نظر۔۔۔۔ جو گاڑی میں جیونگ ہون کے گھر سے واپسی پر بختاور نے اس کے ہاتھ پر ڈالی تھی۔ اس نے

یہ بھی دیکھا تھا کہ اس نے ہاتھ بڑھایا تھا.......اس کا ہاتھ پکڑنے کے لیے۔۔۔۔وہ شاید پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ کو زیادہ درد تو نہیں ہو رہا۔۔۔۔۔۔۔۔پھر نا جانے کیوں اس نے خود کو روک لیا اور۔۔۔۔۔۔۔اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگ گئی۔یمان نے دو دفعہ آنکھیں بند کر کے کھولیں۔پھر چھت کو دیکھنے لگ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس میں سب رات کے کھانے پر جمع تھے۔نا جانے کیوں لیکن یاور یہاں پر ان کمفرٹیبل سا فیل کر رہا تھا۔اس نے ایک نظر اٹھا کر فرح کو دیکھا۔اس نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے ایک نظر ہاشم کو دیکھا جو پلیٹ پر سر جھکائے گہری سوچ کا شکار لگتا تھا اور پھر گردن پھیر کر یاور کی طرف دیکھا۔جو اس کے دیکھتے ساتھ ہی رخ پھیر گیا اور اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیکن اسے کچھ برا لگا تھا۔ وہ اک نظر جو اس نے ہاشم کو دیکھا وہ یاور کی نظروں میں چبھ گئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ شک کر رہا تھا لیکن اس کے تاثرات بہت سخت ہو گئے تھے۔ اس نے وہاں سے اٹھ جانا چاہا۔

"کھانا تو پورا کھا کر جاؤ۔" ہاشم نے اس کی پلیٹ کی طرف دیکھا جہاں سے آدھا کھانا کھایا گیا تھا۔ پھر اسے روکا۔

"کھا چکا جتنا کھانا تھا۔" اس نے چہرے کی ناگواری چھپاتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم سب ایک ساتھ اٹھتے ہیں تو تم پہلے کیوں......"

"آج کام بہت زیادہ تھا اور میں تھک گیا ہوں۔ آپ لوگ کھائیں مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ رکے بغیر چلا گیا لیکن فرح کے ذہن نے کوئی الارم دیا تھا۔ کچھ غلط ہونے کا احساس۔ وہ بھی بمشکل مسکراتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔ ہاشم لب بھینچے ان دونوں کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

حماد جو آج بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا آج پھر رہ گیا۔ وہ بدمزہ ہوا۔

باقی سب اپنے اپنے کھانے میں مصروف رہے۔

وہ یاور کے پیچھے پیچھے روم میں آئی تو وہ بیڈ کے بیچ و بیچ ٹانگیں نیچے کیے چت لیٹا ہوا تھا۔ وہ ننھے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"کیا ہوا؟..... آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ اس طرح کھانے سے اٹھ کر کیوں چلے آئے؟" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ خاموش رہا۔

"آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے؟" وہ ویسے ہی کھڑی رہی۔

"آپ کھانا کھا کر آتیں۔ آپ کیوں میرے پیچھے چلی آئیں؟" اس کا لہجہ یخ تھا۔ فرح کی کمر میں سنسنی خیز لہر دوڑی۔ اس کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔

"آپ کا موڈ آف ہے؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ تبھی وہ ضبط کرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ فرح کا ہاتھ نرمی سے پکڑا اور اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"میرا موڈ آف نہیں ہے۔ میں بس تھوڑا سا تھک گیا ہوں۔ آپ پریشان نا ہوں۔" وہ خود پر ضبط کرتا ہوا اسے کہہ رہا تھا۔ اس نے خاموشی سے یاور کے کندھے پر سر رکھ دیا اور آنکھیں موندھ لیں۔

"میں ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا آپ میری کسی بات پر غصہ ہیں۔" وہ اس کی حرکت پر حیران ہوا اور پھر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور نا ہی مجھ سے ڈرنے کی۔" یاور نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ پھر خود پہ بے تحاشا غصہ آیا۔ کیا سوچ رہا تھا وہ بھی۔ رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام پر پہنچ گئی

تھی۔ پھر کتنے ہی دن اس رات کی طرح اپنے اختتام کو پہنچے تھے۔

وقت تھوڑا مزید آگے بڑھ گیا تھا۔

مومن اور علیزے کا ہنی مون بھی ختم ہو چکا تھا اور اب وہ واپس آ گئے تھے۔ وہ سب بہت خوش تھے کیونکہ وہ سب پھر سے اکٹھے ہو گئے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے روم میں موجود تھے۔

علیزے الماری میں کپڑے رکھ رہی تھی اور وہ بیڈ پر لیٹا موبائل چلا رہا تھا۔ وہ کپڑے رکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔ اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ موبائل پر مصروف رہا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔" اس نے توجہ نا پا کر خود ہی بات کا آغاز کیا۔

"ہمم بولو.....۔" وہ مصروف سا بولا۔

"ہمیں واپس آئے تین دن ہو گئے ہیں۔ آپ آفس چلے جاتے ہیں۔ فرح اور ماریہ یونی چلی جاتی ہیں اور میں گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں۔"

"تو۔" وہ شاید موبائل پر ای میلز دیکھ رہا تھا۔

"تو میں چاہتی ہوں کہ میں آفس واپس جانا شروع کر دوں۔" اس نے کہا لیکن مومن کی طرف سے جواب نہیں آیا۔

"آپ کا یہ کام مجھ سے زیادہ ضروری ہے کیا؟" اس نے قدرے خفا ہو کر کہا تو مومن نے پہلی دفعہ اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"بالکل بھی نہیں. تم زیادہ اہم ہو۔" اس نے کہا تو علیزے نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"تبھی کوئی جواب نہیں دے رہے مجھے۔"

"وہ ایک ضروری ای میل چیک کر رہا تھا۔"

"ہاں تو وہ زیادہ ضروری ہوئی نا. میری باتوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔"

"تم اہم ہو، لیکن کام ضروری ہے۔" اس نے بڑے آرام سے کہا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔ وہ ناول ہیروز کی طرح گول مول بھی تھا۔

"اچھا! اب باتیں بنانا چھوڑیں اور میری بات کا جواب دیں۔"

"کونسی بات؟" اس نے اپنی مسکراہٹ کو دبایا۔

"یہی کہ میں گھر پر اکیلے بور ہو جاتی ہوں تو میں دوبارہ سے آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے گردن اکڑا کر کہا جیسے وہ بہت آرام سے مان جائے گا۔

اور وہ مان گیا تھا۔ "ٹھیک ہے تم کل سے آ جانا۔"

وہ حیران سی منہ کھولے اسے دیکھے گئی اور پھر مطمئن سی مسکرا دی۔

"لیکن......۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ علیزے کی مسکراہٹ سمٹی۔ "وہاں ہم میاں بیوی نہیں ہوں گے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں۔ کام کی جگہ پر سارے رشتے ہمیں پس پشت ڈالنے ہوتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب میں کام کرلوں۔"

"ہاں کرلیں۔" کہتے ہوئے وہ لیٹ گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ سونے کے لیے لیٹ رہی تھی دفعتاً اس کے موبائل پر گھنٹی بجی۔ موبائل سامنے کیا تو حماد کا میسج جگمگا رہا تھا۔ اس نے چیٹ کھولی۔

"س نے ہاں کر دی ہے۔اب بس ہاشم بھائی سے بات کرنی ہے۔میں بہت نروس ہو رہا ہوں۔" میسج دیکھ کر ماریہ کی چہرے پر ایک شریر سی مسکراہٹ ابھری۔

"میں بات کروں؟" فٹ سے ریپلائے بھیجا۔

"نہیں! میں خود کروں گا۔" حماد کے دوٹوک منع کرنے پر وہ خاصی بدمزہ ہوئی۔

"اوکے۔" اس نے کہتے ساتھ ہی میسج فارورڈ کیا اور اس گھر کے چھ کمروں میں ایک ساتھ میسج ٹون بجی۔ حماد کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ یمان جو ابھی موبائل رکھ کر لیٹا ہی تھا۔ گھنٹی پر اس نے موبائل اٹھایا اور پھر حیران سا رہ گیا۔

ہاشم لیپ ٹاپ پر مصروف تھا، جب اس نے موبائل پر گھنٹی سنی۔ میسج دیکھ کر پہلے تو وہ شاکڈ ہوا اور پھر چہرے کو ایک شریر مسکراہٹ نے چھوا۔

یاور اور فرح کوئی بات کر رہے تھے جب اس نے چونک کر موبائل دیکھا۔ اس کا ری ایکشن "واٹ" جیسا تھا۔

مومن جو پہلے سے ہی موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ سامنے فیملی گروپ کا نام دیکھ کر چونکا اور پھر میسج دیکھا۔ چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ آئی۔

اور منہاج....... سرہانے کے نیچے رکھے موبائل کی وائبریشن نے اس کی نیند میں خلل ڈال دیا۔ وہ خاصہ بدمزہ ہوتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"کیا مصیبت ہے یار۔ رات کو بھی یہ لوگ سونے نہیں دیتے۔"

موبائل سامنے کیا اور چیٹ کھولی تو سامنے چمکتے الفاظ نے جیسے اس کی نیند منٹوں میں اڑائی۔

وہ سب اگلے پانچ منٹ میں لاؤنج میں موجود تھے۔ سب حماد کے ارد گرد کھڑے اسے گھور رہے تھے اور وہ درمیان میں بیچارہ سا بنا بیٹھا تھا۔ اس نے ایک دو دفعہ نظر اٹھا کر ماریہ کو گھورا تو وہ انجان بن کر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ یا ورا سے آنکھوں سے اشارہ کرتا کہ "اسے کیوں گھور رہے ہو، کارنامہ تو تمہارا ہے۔"

"اب مسٹر حماد درانی صاحب ہمیں بتانا پسند کریں گے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟" یمان نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے قدرے مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا تو حماد نے سرسری نگاہ اٹھا کر سب کو دیکھا۔ دل

میں وہ سوچ چکا تھا وہ ماریہ کو چھوڑے گا نہیں۔اور یہ بات وہ بھی جانتی تھی۔

"مجھے وہ اچھی لگتی ہے۔"اس نے آنکھیں بند کر کے تیزی سے کہا۔

"دیکھو تو ذرا۔ڈائیریکٹ ہم سے اپنی پسند کا اظہار کر رہا ہے۔"

منہاج ایک ہاتھ سینے پہ باندھے اور دوسرا منہ کے آگے رکھے حیران سا بولا۔

"او بھئی تمہیں یہ نہیں پوچھا کہ وہ تمہیں کیسی لگتی ہے۔یہ پوچھا ہے کہ ماجرہ کیا ہے۔"وہ ذرا سا آگے آیا۔حماد کسمسایا۔مدد طلب نظروں سے ہاشم کو دیکھا جو حماد کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"وہ.....دراصل وہ.....میری یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔"اس نے کہنا شروع کیا۔

"ہم ایک ہی کلاس میں پڑھتے ہیں۔ میں...... میں آج شام کو بات کرنے ہی والا تھا لیکن......۔"

"لیکن؟" سب نے ایک ساتھ ہی پوچھا۔

"میں کر نہیں پایا۔" اس کے کندھے مزید ڈھیلے پڑ گئے۔

"اسی لیے میں نے تمہاری مشکل آسان کر دی۔" ماریہ پرجوش سی آگے آئی تبھی حماد نے شعلہ برساتی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ آرام سے پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"ہمارا حماد اتنا بڑا ہو گیا اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا۔"

یاور اس کے پاس بیٹھا اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اتنا بھی بڑا نہیں ہوا۔ میں نے بس محبت کی ہے۔ باقی سارے فیصلے آپ کو ہی کرنے ہیں۔"

"کب جانا ہے ان کے گھر۔"اب سب پیچھے ہو کر صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"جب آپ کہیں۔میں انہیں بتادوں گا۔"وہ اپنے ہونٹ باہم ملائے اپنی مسکراہٹ کو روک رہا تھا جسے سب نے نوٹ کیا۔

میسنے کو دیکھو تو ذرا کیسے ہنس رہا۔پیٹ میں گدگدی ہو رہی ہو گی نا۔"

منہاج نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ گیا۔ہال میں قہقہہ گونجا۔

"تمہارا کام کیسا جا رہا ہے؟لگا یا چکر دوبارہ گاؤں کا؟"ہاشم اب منہاج کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں پرسوں گیا تھا۔اب پھر جاؤں گا کچھ دنوں بعد۔"

"ہمم صحیح۔کام کیسا جا رہا؟"

"بہت اچھا جا رہا ہے۔بہت مطمئن ہوں میں اپنے اس کام سے۔اور دل کو بہت سکون ملتا غریبوں کی مدد کر کے اور ان کے ساتھ وقت گزار کے۔" وہ پر سکون سا کہتا پیچھے ٹیک لگا گیا۔

"اہم اہم .... منہاج بھائی! میں سوچ رہا تھا کہ ....۔" یمان کھنکارتے ہوئے آگے ہوا اور پھر منہاج کو مخاطب کیا۔

"کہ ؟"

"آپ بھی گاؤں میں اپنے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ لیں۔ورنہ آپ کی شادی کی عمر ڈھل جائے گی۔" اس نے قدرے آرام سے کہا جبکہ منہاج اسے گھور کر رہ گیا۔اور باقی سب دبی دبی سی ہنسی ہنس دیئے۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تم نے اپنے لیے کوئی دیکھ رکھی ہے۔"

یمان کی ہنسی کو بریک لگا۔

"ایسی کوئی ملی نہیں۔" اس نے پھیکے انداز میں کہا۔

"ڈھونڈو مل جائے گی۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے تم نے ڈھونڈ رکھی ہے بس بتانا نہیں چاہتے۔" منہاج کا انداز اس سے سب کچھ اگلوا لینے والا والا تھا۔

"مجھے ابھی نہیں ڈھونڈنی۔ میں ابھی اپنی زندگی انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہاں تو مجھے بھی اپنی نیند بہت عزیز ہے۔ ایک تو بندہ رات کو تھکا ہوا گھر آتا اور پھر آتے ہی بیوی کی باتیں سنے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔ میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔" منہاج نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔ ہال میں ایک دفعہ پھر قہقہہ گونجا تھا۔

علیزے نے منہاج کو گھورا۔

"اتنی بھی بری نہیں ہوتی بیویاں۔" منہاج نے خفیف ہو کر اسے دیکھا جبکہ باقی سب ہنسی سے لوٹ پھوٹ ہوئے۔

"نہیں میرا مطلب وہ نہیں تھا۔" وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"ویسے اگر آپ کو آپکی ہی طرح کی سست بیوی مل گئی تو کیا کریں گے آپ؟" ماریہ نے دائیں ابرو اچکایا۔ "اچھا ہے دونوں نیندیں پوری کریں گے۔" منہاج نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔

دفعتاً یاور نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔

"اف! بارہ بج چکے ہیں اور فرقان ہاؤس کے افراد گیارہ بجے سو چکے ہوتے ہیں۔"

"کبھی کبھی لیٹ نائٹ تک جاگ لینا چاہیے۔ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔" ہاشم نے کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر کتنی ہی دیر تک وہ سب وہاں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

سیورینہ کی ڈیتھ کو دو ماہ ہو چکے تھے لیکن ابھی تک اصل قاتل نہیں پکڑا گیا تھا۔ وہ اپنے روم میں سر ہاتھوں میں دیئے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے ماں بابا کے روم میں گیا تھا لیکن اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم وہیں روک دیئے تھے۔

"پولیس نے پوسٹ مارٹم کیا تھا۔ کیا کچھ پتا چلا نہیں؟" سیمون آفندی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے جبکہ سارہ ان کے کندھے پر سر رکھے افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہمم۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ دیکھی تھی میں نے۔ اس میں گلا دبا کر مارا گیا ہے۔" سارہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

"لیکن ہاتھوں سے نہیں کسی رسی سے۔ اس کا گلا کسی رسی سے دبایا گیا ہے۔ مگر اس سے پہلے اس پر تشدد کیا گیا تھا۔ جب رسی اس کے گلے

میں ڈالی گئی تو اس نے خود کو بچانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ بچا نہیں سکی..... خود کو۔" وہ بس اتنا ہی سن پایا تھا۔ سارہ کچھ کہہ رہیں تھی لیکن وہ دروازے سے ہٹ گیا۔ اور اپنے روم میں چلا آیا۔ اور تب سے ایسے بیٹھا ہوا تھا۔

"وہ جلد ہی قاتل کو ڈھونڈ لے گا۔" اس نے سوچا۔

"وہ اب مزید آزاد نہیں گھوم سکتا۔" اس کے لب پھڑپھڑائے۔

("لیکن اگر وہ۔۔۔ وہ ہوا جس پر میرا شک ہے تو۔۔۔۔۔") دل میں سوچتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ اس سے آگے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

ooooooooooooooooooooo

آج آسمان بالکل صاف تھا۔ باہر دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ گرمیوں کی جھلستی دھوپ۔ ہوا بھی کہیں نہیں تھی۔ کھڑکی سے دھوپ چھن

چھن کرتی اندر آرہی تھی اور وہ اپنے روم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تیار ہورہی تھی۔ وہ خوبصورت تھی۔ اسے کسی میک اپ کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اسے میک اپ پسند تھا اور وہ بہت شوق سے کرتی تھی۔ ابھی بھی وہ آنکھوں میں پرپل شیڈ کا مسکارہ لگا رہی تھی۔ آج اس نے مشرقی لباس پہنا ہوا تھا۔ اسے مشرقی لباس بہت پسند تھا۔

بلیک اور پرپل شیڈ کی شلوار قمیض پہنے اور دوپٹا بائیں کندھے پر گرایا ہوا تھا۔

"جلدی کرو بیٹا! تم نے اتنی دیر لگادی ہے تیار ہونے میں۔" نفیسہ بیگم اسے آوازیں لگاتے ہوئے روم میں آئیں۔

"بس میں نکل ہی رہی تھی ماں۔" اس نے دوسری آنکھ میں مسکارہ لگایا اور وہیں ڈریسنگ کے سامنے رکھا۔ اور بیڈ پر رکھا بیگ اٹھایا۔

"یہ پہلی دفعہ ہوا ہے جو تم آفس لیٹ جا رہی ہو۔ آج پکا تم ڈانٹ کھاؤ گی۔" نفیسہ بیگم خفا سی ہوئیں تو وہ مسکراتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"آج مجھے ڈانٹ نہیں پڑے گی۔" بختاور نے گردن کڑا کر کہا تو انہوں نے ناسمجھی سے دیکھا۔

"آج میں آفس نہیں جا رہی۔"

ماں نے اچھنبے سے ابرو اچکائے۔ "تو پھر کہاں جا رہی ہو؟"

"آفس کے کام سے دوسرے شہر جا رہی ہوں۔ آپ دعا کیجیے گا کہ کام ہو جائے۔" مسکرا کر انہیں گلے لگایا اور جواب سنے بغیر نکل گئی۔ ماں مسکرا دیں۔ اور دل میں اسے دعا دیتی روم میں اندر چلی آئی۔ اب بکھرا روم انہیں ہی سمیٹنا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

آدھے گھنٹے میں وہ ایک شناسا عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ گاڑی اس نے آفس سے منگوائی تھی۔ وہ گاڑی سے باہر آئی اور ایک تلخ نظر عمارت پر ڈالی۔ پھر اپنی اونچی ہیل سے ٹک ٹک کرتی عمارت کی طرف بڑھ گئی۔ عین جس وقت وہ داخلی دروازے سے داخل ہوئی، اسی وقت ریسپشنسٹ نیچے جھکی۔ شاید کچھ گر گیا تھا جو اسے اٹھانا تھا۔ بختاور اس کے پاس سے خاموشی سے گزر گئی۔ ریسپیشن گرل کسی احساس کے تحت سیدھی ہوئی اور پھر ایک پل کے لیے ساکت ہوئی۔

دوسرے پل وہ بختاور کے پیچھے لپکی تھی۔

"میم۔ میم آپ کہاں جا رہی ہیں۔" وہ چلتی گئی۔

"آپ ایسے باس کے آفس نہیں جا سکتیں۔" وہ ایک آفس کے سامنے آکر رکی۔ مڑ کر لڑکی کو دیکھا اور مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ وہ جو اپنی کرسی پر بیٹھا کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ اپنی جگہ پر

ساکت ہوا۔ یہ اس کے لیے غیر متوقع تھا کہ وہ دوبارہ خود چل کر اس کے پاس آئی تھی۔ اس کی نظریں بختاور سے ہوتی ہوئیں پیچھے دروازے پر گئیں جہاں ریسیپشن گرل داخل ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی، جیونگ نے آنکھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کا کہا اور وہ سر ہلاتی ہوئی باہر چلی آئی۔ چہرے پر بختاور کو دیکھ کر ہی ناگواری آگئی تھی۔

"مس بختاور۔" اب حیرت کی جگہ مسکراہٹ تھی۔ "پلیز بیٹھیے۔" اس نے کہا تو وہ سر کو خم دیتی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھ گئی۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل میز کے درمیان میں رکھ دیا۔ وہ بھی تمکنت سے اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔

"کیا لیں گی آپ؟"

"کافی۔" اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں تپش۔

جیو نگ ہون نے انٹر کام اٹھایا اور آرڈر کیا۔ فون واپس رکھا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو بتایئے میں بختاور۔ آج کونسی چیز آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔"

دونوں کے چہروں پر سرد سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں تپش۔

"میں کافی پی لینے کے بعد بات کرنا پسند کروں گی۔" وہ اطمینان سے پیچھے ٹیک لگائے اسے سرد نظروں کے حصار میں لیے بیٹھی تھی۔

"شیور۔" اس نے سر کو خم دیا۔ وہ بھولی نہیں تھی جیو نگ سے پہلی ملاقات۔ اور وہ اسے بخشنے والی نہیں تھی۔ وہ اسے بتا دینا چاہتی تھی کہ اس نے بختاور کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ آج وہ ڈر بھی نہیں رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ آج وہ جس جگہ ہے یہاں وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"آپ کو کافی پسند ہے؟" وہ اس کی تپتی نظروں کی تاب نہیں لا پا رہا تھا۔ تبھی بولا۔

"پسند ہے لیکن میرے خیال سے جو انسان چائے یا کافی نہیں پیتا وہ اپنا کام اچھے طریقے سے نہیں کر سکتا۔ اس پر سستی طاری رہتی ہے جبکہ چائے اور کافی ذہن کو تروتازہ رکھتے ہیں۔" اس نے بہت پہلے یمان کی کہی ہوئی بات دہرائی۔ وہ داد دیتی نظروں سے مسکرایا تھا تبھی دروازہ ناک ہوا۔ اجازت ملنے پر ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ کافی رکھی اور چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

جیونگ کا کافی کا کپ آدھا پڑا ہوا تھا جبکہ بختاور کا کپ خالی۔

"بتایئے کس مقصد سے آنا ہوا؟" وہ جانتا تھا پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

"میں اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں۔ وہ جس پر آپ قبضہ کیے بیٹھے ہیں۔" اب مسکراہٹ غائب تھی۔ وہاں بس سختی تھی۔

"میں انکار کرتا ہوں اس بات سے کہ میں نے آپ کے پیسوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔" جیونگ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"تو پھر تم ابھی بختاور کو جانتے نہیں۔" وہ کہتے ہوئے آگے ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں آج وہ رقم ہر صورت یہاں سے لے کر جاؤں گی اور تم اپنے ہاتھوں سے دو گے مجھے۔" وہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

وہ مسکرایا اور پھر آگے ہوا۔

"کیا کر لیں گی آپ؟ یمان کو بلائیں گی یا تھپڑ ماریں گی؟"

"تھپڑ ماروں گی۔" وہ اطمینان سے کہتی پیچھے ہوئی۔ "لیکن اس تھپڑ کی گونج تم ساری زندگی یاد رکھو گے۔ اس کی جلن ساری زندگی اپنی

روح پر محسوس کرو گے۔اب تم مجھے رقم دو گے یا میں تمہاری حقیقت تمہارے آفس والوں کے سامنے بتادوں جن میں تم بہت فخر سے سر بلند کر کے چلتے ہو۔"

"کونسی حقیقت؟ یہ کہ میں نے تمہارے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی؟"بختاور مسکرائی اور وہ اس مسکراہٹ کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔

"بالکل ایسی حقیقت بتاؤں گی سب کو کہ تم لڑکیوں کو گھر بلا کر کیا کرتے ہو ان کے ساتھ۔ایک ایک بات کا اعتراف تم خود کرو گے، اپنی زبان سے اور دنیا سنے گی۔"وہ پرسکون سی اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کا قہقہہ بلند ہوا اتنا کے اس کی آواز باہر نا جا سکے۔

"اور تمہیں لگتا ہے یہ سب تم پر یقین کر لیں گے؟ تم ان کے باس کے خلاف جو بھی کہو گی وہ مان جائیں گے؟ نیور...... تم کبھی ایسا

نہیں کر سکتی اور نا مجھ سے جیت سکتی ہو۔ تم مجھے ابھی جانتی نہیں.....۔"

"تم مجھے نہیں جانتے۔" وہ درشتی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا۔

"میں کسی کو نہیں بتاؤں گی بلکہ۔ تم خود بتاؤ گے۔" پھر مسکرائی اور موبائل کے چند بٹن دبائے اور ایک آواز پورے روم میں گھونجنے لگی۔

وہ جیونگ ہون کی آواز تھی۔ان دونوں کی چند منٹ پہلے کی گئی گفتگو جس میں جیونگ ہوں کا اعتراف جرم تھا۔اس کا چہرہ سفید پڑھنے لگا۔ خون کا آخری قطرہ تک نچڑ گیا۔غصے اور تاسف سے مٹھیاں بھینچے وہ اسے دیکھے گیا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک زوردار قہقہ پورے آفس روم میں گونجا۔ بختاور کو اس چیز کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ وہ اٹھا اور اس کے

قریب آیا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے... یہ وائس ریکارڈ کر کے تم یہ ثابت کر دو گی کہ یہ میری وائس ہے؟ اف! تم لڑکیاں بھی کتنی بھولی ہوتی ہو۔" استہزائیہ مسکان لیے وہ اپنی جگہ پر آیا۔

"اس جگہ سی سی ٹی وی کیمروں میں میری اور تمہاری ملاقات لائیو جا رہی ہے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے۔" جیونگ کی مسکراہٹ سمٹی۔ بختاور کے چہرے پر سرد سی مسکراہٹ تھی۔

"اور میں ایڈیٹنگ میں بہت اچھی ہوں۔ ایڈیٹنگ میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ میں تمہاری وڈیوز کہیں سے بھی حاصل کر کے ان پہ یہ وائس لگاؤں گی اور سوشل میڈیا پر ڈال دوں گی۔" بظاہر سکون سے کہتے ہوئے اندر ہی اندر وہ ڈر رہی تھی۔ جیونگ نے ضبط سے لب بھینچے اور آگے ہوا۔

"بزدلوں کے آفس میں کام کرتی ہو تم۔ایک لڑکی کے کندھے

پر......"

"میری غلطی پر مجھے ہی یہاں آنا تھا۔اب تم وہ رقم دے رہے ہو یا

میں اپنی مہارت دکھاؤں؟"پرسکون مسکراہٹ، سلگتی ہوئی

آنکھیں۔

"میں ریپسٹ نہیں ہوں۔نا میں گھر میں لڑکیوں کو بلاتا ہوں۔یہ

بات غلط تھی تمہاری۔"

"ویل۔جو میرے ساتھ ہوا اس کے بعد تم میری نظر میں ایک گھٹیا

ترین آدمی ہو۔باقی تم کیا کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

میرا تعلق اس پیسے سے ہے جو اس وقت تمہارے پاس ہے۔پیسہ

دے دو۔اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔"وہ

پرسکون تھی جبکہ جیونگ کا سکون کہیں غارت ہو گیا تھا۔

"پھر میری ایک شرط ہے۔ تم یہ آڈیو ڈیلیٹ کرو اور میں تمہیں رقم دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے تم مت دو۔ میں چلتی ہوں اور پھر ہماری اگلی ملاقات جیل میں ہوگی۔" وہ پرس اٹھا کر اٹھنے لگی۔ جیونگ نے تنفر سے اسے دیکھا۔ اور پھر سامنے ڈائری سے ایک چیک اٹھایا۔ اس پر سائن کیے۔ رقم لکھی اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میرے اکاؤنٹ سے تم یہ رقم نکلوا لینا۔" بختاور نے وہ کاغذ تھاما اور فاتحانہ مسکراہٹ سے سر کو خم دیا۔ "اگر تم پہلے ہی مان جاتے تو ہم دونوں کا اتنا وقت ضائع نا ہوتا۔" مسکرا کر اٹھ گئی۔ وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"تم بھگتو گی۔"

"اور تم بھگت چکے۔" وہ اسی طرح فاتحانہ مسکراہٹ لیے، گردن کڑا کر باہر نکل گئی اور وہ جھلس کر رہ گیا۔

"پہلے تم نے مجھے میری ماں سے دور کیا یمان اور اب..... اب تم مجھے میری ہی نظروں میں گرانا چاہتے ہو۔ اب نہیں..... ہر بار میں نہیں یمان۔ کبھی نا کبھی تو تم اپنے کیے کی سزا بھگتو گے۔" اس نے دل میں سوچتے ہوئے آنکھیں موند لی۔

"میں ریپسٹ نہیں ہوں۔ مجھے یمان کو تکلیف میں دیکھنا تھا بس۔ پلیز ٹرسٹ می۔" وہ اس کو تصور میں لاتے ہوئے اپنی صفائی دے رہا تھا جبکہ وہ جیونگ سے منہ موڑ گئی تھی۔ وہ سخت غصے میں لگتی تھی۔ جیونگ کے دل میں درد سا اٹھا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنے دل کو تھاما۔

باہر ریسپیشن گرل نے اسے جاتے ہوئے دیکھا، چہرے پر ڈھیروں ناگواری آگئی۔ وہ داخلی دروازے سے نکل گئی۔

oooooooooooooooooooo

"میں حیران ہوں میں بختاور کہ آپ اکیلی اس کے آفس میں گئیں اور رقم بھی واپس لے آئیں۔ اور مجھے بتایا بھی نہیں۔" وہ ایک گھنٹے میں یمان کے آفس میں موجود تھی۔ رقم اسے دی تو وہ بے چین ہو گیا۔

"اگر وہ آپ کے ساتھ دوبارہ ایسا کرتا......"

"وہ آفس میں میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔" وہ اسی اطمینان سے بولی۔ یمان خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اور اندر ہی اندر اس کی بہادری کو داد دے رہا تھا۔

"آپ نے میرے سامنے دو سزائیں رکھی۔ یا رقم واپس لے آؤں یا آپ......" وہ رکی۔ یمان کو دیکھا۔ پھر بولی۔

"یا پھر میں آپ سے شادی کرلوں۔" پھر وقفہ دیا۔

"تو میرے نزدیک رقم واپس لانے والی سزا آسان تھی۔ کیونکہ یہ چند گھنٹوں کی بات تھی اور دوسری سزا....... وہ چند گھنٹوں کی نہیں بلکہ پوری عمر کی تھی اور میں....... ساری زندگی سزا بھگتنے کے حق میں نہیں ہوں۔" یمان سانس روکے اس کی بات سن رہا تھا۔

"میں امید کرتی ہوں اب میری سزا ختم ہوگئی ہوگی اور.......۔" وہ لب کاٹتے ہوئے رکی۔ یمان کو دیکھا۔ دیکھتی ہی رہی۔ وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ دور کہیں کوئی خوبصورت سی دھن بج رہی تھی۔ بختاور نے پلک جھپکی جیسے اپنے حواس میں واپس آئی۔ گلا کھنکار کر خود کو نارمل کیا۔

"میں چلتی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ کرسی سے اٹھی۔ یمان نے سر کو خم دیا اور خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھے گیا۔

("اتنا برا تو جیونگ ہون اس دن نہیں لگا تھا جتنا آج لگ رہا ہے۔")

سوچتے ہوئے اس نے لب بھینچے۔ نگاہیں ابھی بھی دروازے پر لگی ہوئیں تھی جہاں سے وہ ابھی ابھی گئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

سیمون آفندی کے گھر پر شام اتر رہی تھی۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سارہ موبائل پر کچھ ای میلز دیکھ رہیں تھیں۔ سیمون اخبار پڑھ رہے تھے۔ جنگکوک بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا اپنی کوئی کتاب ہاتھ میں پکڑے۔ اس کے سیکنڈ لاسٹ سمسٹر کے فائنل ٹرم شروع ہونے والے تھے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر کتاب ٹیبل پر رکھ دی۔

"ڈیڈ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" آگے کو ہوتے ہوئے اس نے سیمون آفندی کو مخاطب کیا۔ ان دونوں نے بیک وقت نظریں اٹھا کر جنگکوک کو دیکھا۔

"ہاں بولو۔" اخبار ایسے ہی ہاتھ میں پکڑے پکڑے انہوں نے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں اب آپ بنا دیر کیے ماریہ کے گھر جائیں ہماری شادی کے سلسلے میں۔" اس نے بغیر تمہید باندھے کہا۔ سارہ آفندی کے چہرے پر ناگواری اتری۔

"میری بھانجی کو ابھی اس دنیا سے گئے دو ہی ماہ ہوئے ہیں اور تمہیں اپنی شادی کی پڑ گئی ہے جنگکوک۔ کتنے خود غرض ہو تم۔" لفظ خود غرض پر جنگکوک نے دکھ سے سارہ کو دیکھا۔

"ماما میں محبت کرتا ہوں ان سے۔ شادی کرنا چاہتا ہوں

۔دو مہینے تک میں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی کیونکہ میں

آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔"

"جنگکوک تم.....۔"

"بس..۔"

سیمون نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو روک دیا۔

"ہم جائیں گے اور تمہارے لیے شادی کی بات بھی کریں گیں۔"

سارہ تلملا کر رہ گئیں۔

"اگر تم کہو تو کل ہی چلے جاتے ہیں۔"

"نہیں...... میرا مطلب میں نے ابھی انہیں نہیں بتایا۔میں ان سے

بات کرلوں تو پھر آپ چلے جائیے گا۔"

"شیور...... پھر کب تک بات کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تم۔" وہ بھی اس شادی سے خوش نہیں تھے لیکن بیٹے کی محبت ہر چیز پر غالب آگئی تھی۔

"میں کل ہی ان سے بات کروں گا۔"

"کن سے؟" سیمون نے اپنی مسکراہٹ روکی۔ وہ نروس ہوا۔

"آ...... ماریہ سے۔"

"ہاں ضرور۔" کہتے ہوئے وہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جنگلوک بھی اپنی بک اٹھائے وہاں سے اٹھ گیا۔ سارہ آفندی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہیں تھی۔ دل میں ابال سے اٹھ رہے تھے۔

("اس شادی سے دھیان ہٹانے کے لیے میں نے کیا کر دیا...... لیکن...... اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے...... میں نے اس معصوم لڑکی کی جان لے لی۔") آخری جملے پر ان کی گردن میں

گلٹی سی ابھری۔ آنکھیں سرخ ہوئیں۔ لیکن خود کو نارمل رکھتے

ہوئے موبائل کو دیکھنے لگ گئیں۔

("میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گی۔ اگر شادی ہو گئی تو بھی تم

دونوں کو ایک ساتھ نہیں رہنے دوں گی۔")

تلخی سے سوچتے ہوئے وہ مسکرائیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یہ منظر ہے ایک گاؤں کا جو اپنی خوبصورتی میں سب کو مات دیتا ہے۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت اور اونچے اونچے درخت اس خوبصورتی کو بڑھا رہے تھے۔ ان درختوں کی اوٹ سے سورج کی کرنیں ایک گھر تک جا رہیں تھیں۔ اس گھر میں لکڑی کی دو کرسیاں اور ایک تخت رکھا ہوا تھا۔ تخت پر ایک بزرگ خاتون بیٹھیں ہوئیں تھی اور کرسی پر دو نوجوان لڑکیاں۔ ایک لڑکی سفید شلوار قمیض اور گلابی دوپٹے میں

ملبوس تھی۔ ہلکا سا میک اپ، گھنگریالے بال آدھے کیچر میں مقید اور آدھے کھلے ہوئے، چہرے پر شرارتی مسکراہٹ لیے وہ بزرگ خاتون کی بات سن رہی تھی۔ دوسری لڑکی عام کورین ڈریس میں جو پیروں تک آتا تھا وہ پہنا ہوا تھا۔ سر پر رومال باندھے اور چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ بھی توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ دونوں خوبصورت تھیں لیکن وائٹ ڈریس والی کے سامنے اس کی خوبصورتی ماند پڑھنے لگتی تھی لیکن ان دونوں کو اس بات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

"پھر کیا تھا، میں نے بھی کہہ دیا اپنے رشتہ داروں کو کہ اب ساری زندگی شہر کا رخ نہیں کروں گی چاہے موت کیوں آنا جائے۔" کہتے ہوئے بزرگ عورت نے بات ختم کی تو وہ دونوں ہنسی اور ہنستی چلی گئی۔ وہ لڑکی چپ ہو گئی لیکن محمل ہنستی گئی یہاں تک کہ اس کی

آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ دوسری لڑکی وہاں سے اٹھی اور دو

منٹ بعد ہاتھ میں پانی کا گلاس

لیے باہر آئی۔

"پانی پی لیں۔" اس نے پانی کا گلاس اس کے سامنے کیا تو اس نے پکڑ لیا اور پانی پینے لگ گئی۔ پھر گلاس لبوں سے ہٹا کر سائڈ پر رکھا۔

"ویسے اتنی بھی کوئی ہنسنے والی بات نہیں تھی۔" سویون نے خفگی سے گھورا تو وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"لیکن مجھے بہت مزا آیا سن کر۔ پھر کیا آپ سچ میں دوبارہ شہر نہیں گئیں؟" سویون سے نگاہ ہٹا کر اس نے بزرگ خاتون کو دیکھا۔ جو اسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔ وہ یقیناً محمل کے آجانے سے بہت خوش تھیں۔ صرف دو ہفتے پہلے ان کی محمل سے اتفاقاً ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد یہ چھٹی دفعہ مل رہے تھے۔ اسے اس گھر میں آنا بہت

اچھا لگتا تھا۔ ایک اپنائیت سی تھی ان لوگوں میں۔ وہ یہاں آکر اپنا بہت سارا وقت گاؤں کے بچوں کے ساتھ گزارتی۔ ان کے ساتھ کھیلنا، باتیں کرنا، کھیتیوں میں جانا اور ٹیوب ویل پر نہانا۔ گاؤں کی زندگی نے اسے متاثر کر دیا تھا اور وہ بہت خوش تھی۔ بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد وہ اس گھر میں آجاتی تھی۔ اور پھر ان دادی پوتی کے پاس بیٹھی رہتی۔ دادی اماں کی ساری باتیں سنتی تھیں۔ شہر کے لوگ گاؤں میں آکر سکون محسوس کرتے ہیں کیونکہ گاؤں جیسی زندگی کہیں نہیں ملتی۔ اور گاؤں بھی ایسا جس کے ارد گرد سر سبز کھیت ہو۔

"نہیں ہم تو نہیں گئے لیکن وہ سب یہاں کبھی کبھار آجاتے تھے یہ دیکھنے کے ہماری زندگی کن مشکلات سے گزر رہی ہے۔ تاکہ وہ خوش

ہو سکتے۔ لیکن میرے بیٹے اور بہو نے کبھی انہیں خوش ہونے کا موقع ہی نہیں دیا۔ کیونکہ ہم ایک پر سکون زندگی گزار رہے تھے۔"

"الحمداللہ۔" محمل نے بنا آواز کے کہا۔

"ویسے آپ کیوں اتنا ہنس رہیں تھیں؟" سویون نے ایک دفعہ پھر اسے گھورا۔

"جب دادی جان نے بتایا کہ کیسے انہوں نے اپنے شوہر کی جی ایف کو بالوں سے پکڑ کر گھومایا تو میرے ذہن میں وہ کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ مجھ سے کنڑول نہیں ہوا۔" وہ شرمندہ سی بولی لیکن ایک دفعہ پھر ہنسنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

دادی جان نے بھی اس کی ہنسی میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

"تم ابھی مجھے جانتی نہیں ہو بیٹا۔ میں ایسے لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑتی جو میرے حق پر ڈاکا ڈالتے ہیں۔" وہ کہہ کر چپ ہو گئیں تھیں جبکہ محمل فخر سے انہیں دیکھے گئی۔

"چلیں اب ہم کھیتوں میں جا رہی ہیں اور آپ کچھ دیر آرام کریں۔ بہت بولتی ہیں آپ۔" سویون نے مصنوعی خفگی سے کہا تو وہ پھر سے ہنس دی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم دونوں جاؤ اور میں کچھ دیر آرام کر لوں۔ صبح کی اٹھی ہوئی ہوں۔" بزرگ خاتون نے کہا تو وہ دونوں خوشی خوشی باہر چلی گئیں۔ گاؤں کے لوگ صبح سویرے اٹھنے کے عادی تھی۔ صبح کی تازگی میں اپنے سارے کام نبٹا کر ہی وہ آرام کرتے تھے۔

اس گاؤں سے میلوں دور آفس کی لفٹ سے وہ باہر نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ایک ہاتھ میں موبائل پر کچھ ٹائپ کرتے ہوئے اور دوسرے میں لیپ ٹاپ پکڑا ہوا تھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" مومن اور علیزے آپس میں کوئی بات کرتے ہوئے جا رہے تھے تبھی مومن کی نظر منہاج پر پڑی جو داخلی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

سوال پر وہ رک گیا۔

"آج میں گاؤں جا رہا ہوں۔دو دن سے چکر نہیں لگا یا۔"

"ابھی رات کو آپ کہہ رہے تھے کہ کچھ دنوں بعد جاؤں گا اور اچانک.....۔"

"ہاں دراصل آفس میں کوئی خاص کام نہیں آج تو سوچا گاؤں چلا جاتا ہوں۔ پھر میٹنگز کا دورانیہ آجائے گا شاید نا جاسکوں۔" مومن نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے جائیں آپ۔" کہتے ہوئے جانے لگا۔

"واپسی کب تک ہو گی؟"

"ایک ڈیڑھ مہینے بعد۔" اس نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہیں کیا واقعی ہی؟" مومن شاکڈ ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ علیزے وہیں اپنی مسکراہٹ روکے کھڑی تھی۔

"حد کرتے ہو تم یار۔ پوچھ تو ایسے رہے جو جیسے میں سسرال جا رہا ہوں۔ آجاؤں گا شام تک۔"

مومن نے خفگی سے اسے گھورا۔

"تو پہلے ہی بتا دیتے کہ آپ سسرال نہیں جا رہے۔" منہاج نے اس کو زیادہ خفگی سے گھورا اور باہر نکل گیا۔ مومن نے مسکرا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر واپس علیزے کی طرف آ گیا۔

"آپ نے جان بوجھ کر پوچھا تھا نا واپسی کا؟" اس نے مشکوک نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

"ہاں۔ انہیں تنگ کرنے کا الگ ہی مزا ہے۔" وہ اسے مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔ وہ سن رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں کچھ دیر پہلے ماریہ کے ساتھ فرح بیٹھی ہوئی تھی لیکن جنگکوک کے "مجھے ماریہ سے بات کرنی ہے۔" کہنے پر وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اب وہ دونوں تنہا تھے اور درمیان میں کافی وقفہ رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں کب تک مام ڈیڈ کو بھیجوں آپ کے گھر؟"

"کس سلسلے میں؟" اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے اس نے پوچھا۔

جنگکوک نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور زیر لب خود بھی مسکرا دیا۔

"ہماری شادی کے سلسلے میں۔"

"میں بھائی سے بات کروں گی۔ پھر جب وہ کہیں آپ آ جائیے گا۔"

"اور کب تک آپ بات کریں گی اپنے بھائی سے؟"

"آج ہی کر لوں گی۔

"گڈ فار یو۔" اس نے چونک کر جنگکوک کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ایسے مت دیکھیں۔" جس طرح اس نے کہا تھا ماریہ کو منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی روکنی پڑی۔ وہ بھی سر جھٹکتے ہوئے ہنس پڑا۔

"آپ کو پتہ ہے فرح میری بھابھی ہیں۔"جنگکوک نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اگر آپ ان کے سامنے بھی بات کر لیتے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔"اب وہ سامنے دیکھ رہی تھی جبکہ جنگکوک اسے۔

"مجھے حیرت ہوئی سن کر کہ وہ آپ کی بھابھی ہیں۔مجھے واقعی ہی نہیں پتا تھا۔خیر! مبارک ہو۔"اس نے سر کے خم سے مبارکباد قبول کی۔

"لیکن میں پھر بھی ان کے سامنے ہم دونوں سے متعلق کوئی بات نہیں کروں گا۔"اس نے چونک کر جنگکوک کو دیکھا۔

"ہر انسان کی کچھ پرائیویسی ہوتی ہے اور میں چاہتا ہوں میری ہر پرائیویسی آپ اور میرے تک محدود رہے۔"(آپ اور میرے، ہمارے نہیں)اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"جیسا آپ کہیں۔" اس کی بولنے سے وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آفس کے داخلی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ آج لیٹ نہیں بہت زیادہ لیٹ ہو گئی تھی کل تو وجہ تھی لیٹ ہونے کی تو بچ گئی لیکن آج بغیر وجہ کے لیٹ ہو گئی۔

("مسٹر کھڑوس پتا نہیں کیا سزا دے گا۔")

پریشانی سے سوچتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔

منہاج آفس سے باہر نکلا تو نظریں ہاتھ میں پکڑے فون پر تھیں۔ وہ مسلسل کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ بہت تیزی سے چلتا ہوا جا رہا تھا جب سامنے سے آنے والے نازک وجود سے ٹکرا گیا۔ اس کا موبائل نیچے جا گرا۔ لیکن وہ اپنے موبائل کو نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ زمین پر بیٹھے

وجود کو دیکھ رہا تھا جو اس سے ٹکرا کر نیچے گر گیا تھا (گر گئی تھی)۔ وہ اپنا ماتھا سہلا رہی تھی۔

"آئی ایم سوری! آپ.....۔" اسے سمجھ نہیں آیا کیا بولے تو خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا۔ منہاج جب بھی بختاور کو دیکھتا تھا ارد گرد سب ختم ہو جاتا تھا۔ وہ سامنے ہوتی تھی تو سب کچھ پیچھے رہ جاتا تھا۔ کچھ دیر تو وہ اسے دیکھتا رہا۔ پیروں تک آتی گلابی رنگ کی فراک میں گلابی مگر ہلکا پھلکا میک اپ، گلابی لپ اسٹک، کانوں میں چھوٹے چھوٹے جھمکے اور گلے میں گلابی موتیوں سے بنا گلے کے ساتھ چپکا ہار پہن رکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ منہاج نے مشکل سے اپنا دھیان ہٹایا اور پھر اس کا بیگ اٹھا کر اسے دیا۔

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔ اور وہ اپنے آفس کے باس سے ٹکرانے پر بری طرح شرمندہ ہو رہی تھی۔

"نہیں سر میں ٹھیک ہوں۔ آ...... سوری۔ میں جلدی میں تھی۔" پھر نظریں زمین پر پڑے فون پر گئیں۔ جس کی اسکرین پر بہت ساری لائینیں بن چکی تھی۔ وہ جتنا شرمندہ ہوتی کم تھا۔

"آئی.... میری وجہ سے آپ کا فون ٹوٹ گیا۔"

("یہ بھی اپنے کھڑوس بھائی کی طرح کھڑے کھڑے سزا سنا دے گا۔ اف بختاور اف۔ کہاں پھنس گئی تو۔") وہ لب کاٹتے ہوئے پریشان سی سوچ رہی تھی کہ ابھی سزا......

"اٹس او کے۔" کہتے ہوئے اس نے جھک کر اپنا فون اٹھایا اور مسکرا کر کہا۔ وہ جو سزا کے لیے تیار بیٹھی تھی بخشے جانے پر بے یقین سی منہاج کو دیکھ رہی تھی۔

"میں چلتا ہوں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" مسکرا کر کہتا وہ وہاں سے چلا گیا اور وہ اسے جاتے ہوئے دیکھے گئی۔ ("کتنا فرق ہے دونوں بھائیوں میں لیکن...... لیکن دل اسی کھڑوس کے لیے کیوں دھڑکتا ہے۔")

وہ بے چین ہوئی تھی۔ پھر کچھ دیر رک اندر چلی گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ آج دیر سے آئی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ریسٹورنٹ مختلف روشنیوں سے مزین تھا۔ یہ وہی ریستوران تھا جہاں کچھ عرصہ پہلے جنگلوک اور تسبیحہ کی خفیہ ملاقات ہوئی تھی۔ آمنے سامنے دو صوفوں پر دو جانے پہچانے نقوش بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز تھا جس پر کافی کے دو گرما گرم مگ پڑے ہوئے تھے۔ بھاپ اڑاتے مگ۔

"تو کونسا کام آپ کو میرے تک لے آیا۔ آج.......اتنے عرصے بعد۔" وہ مسکرا کر کہتا آگے کو ہوا۔ کہنیاں میز پر رکھیں۔ وہ سارہ آفندی کی سرد آنکھوں میں اپنی تپش زدہ آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔ وہ ویسے ہی ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے سرد آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ اس نے بنا آستین کے بھورے رنگ کی گھٹنوں تک آتی فراک پہن رکھی تھی۔ اور باریک ہیل والے شوز۔ بال دونوں جانب سے آگے کیے ہوئے تھے۔ کانوں میں ٹاپس اور ہاتھوں میں چھوٹا سا بریسلٹ تھا۔ وہ خوبصورت تھیں...... لیکن اب زیادہ لگ رہی تھیں۔

"مسز آفندی! آپ نے مجھے میرے مصروف وقت سے بلایا ہے اور اب..... آپ خاموش ہیں۔ یوں میرا وقت ضائع کرنے کی وجہ؟" جیونگ ہون کی آواز میں اب ذرا ناگواری تھی۔ تبھی وہ آگے ہوئیں۔

"فرقان احمد درانی کو تو تم جانتے ہی ہوں گے نا؟"

"بہت اچھے سے جانتا ہوں...... لیکن آپ کیوں؟'اسے اچھنبھا

ہوا۔

"اس کی ایک بیٹی ہے۔"قریب رکھے بیگ میں سے ایک تصویر

نکالی۔

"اسے غائب کروانا ہے۔"تصویر اس کے سامنے رکھی۔اس نے

ایک نظر سارہ کو دیکھا اور پھر تصویر کو۔یونیورسٹی کے باہر وہ عبائے

میں اپنی گاڑی کی طرف جارہی تھی شائد۔پھر رک گئی۔شاید کسی نے

روکا تھا۔اس روکنے کے دروان ہی یہ تصویر لی گئی تھی۔

"تم اس لڑکی کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہو جیونگ لیکن فی الحال

تمہیں اس کی پہچان نہیں رہی تو اس لیے تمہیں یہ تصویر دکھا رہی

ہوں۔"ان کے لہجے میں یقین تھا۔

وہ مسکرایا۔

"جانتا تو میں بہت پہلے سے ہوں اس لڑکی کو۔ یہ واحد چہرہ ہے جو میں نہیں بھول سکتا۔اس نقاب کے پیچھے بھی میں بتا سکتا ہوں کہ وہ اس وقت کیسی دکھ رہی ہے۔اس کا ری ایکشن کیا ہے اور کیوں ہے۔

خیر !اس کے بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟"

("چلو ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔اپنا بدلہ بھی پورا ہو جائے گا اور.....۔")

"تمہارا بدلہ پورا ہو گا۔"جیونگ نے پہلے نا سمجھی سے اسے دیکھا اور پھر ناگواری سے پہلو بدلا۔

"مطلب؟"

"سنا ہے فرقان کنسٹرکشن کے سی ای او کے چھوٹے بھائی سے تمہاری کوئی ذاتی دشمنی ہے اور تم اسے...... تکلیف پہنچانا چاہتے ہو۔" کہتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ تاثرات بدل چکے تھے۔

"آپ کیسے...... جانتی ہیں؟"

"یہ سب چھوڑو۔ بولو کام کرو گے یا میں کسی اور کو کہہ دوں؟"

"کب کرنا ہے یہ؟"

"جتنی جلدی ہو سکے۔"

"ہو جائے گا۔" سارہ نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ اندر ہی اندر وہ خوش تھا۔ وہ یمان کو تکلیف دینا چاہتا تھا۔ اور اس کی ایک ہی کمزوری تھی اور وہ تھی اس کی بہن۔

"لیکن...... آپ کی اس کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟ آپ یہ سب کیوں کرنا چاہتی ہیں؟"

"مجھے یاد ہے آج سے تین سال پہلے تم نے اپنے ملازم کی بیٹی کو گھر بلایا تھا اور اس کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی تھی......وہ بہادر تھی۔اس نے خود کو بچالیا۔لیکن اس واقعے کے ثبوت آج بھی میرے پاس موجود ہیں۔ہاں تو وجہ پوچھ رہے تھے تم؟"جیونگ ہون نے ناگواری سے اسے دیکھا۔چہرے کا رنگ بھی سفید پڑ چکا تھا۔وہ جو بھی کرتا تھا ثوت نہیں چھوڑتا تھا۔پھر یہ کیسے......

"شاید آپ بھول رہی ہیں مس سارہ آفندی کہ یہ کام آپ نے مجھے اپنی ذاتی دشمنی کی وجہ سے سونپا تھا ورنہ میں لڑکیوں کی عزتوں کے ساتھ نہیں کھیلتا۔"

"تو یمان کی اسٹنٹ کے لیے تمہیں کس نے اکسایا تھا؟ یا وہاں بھی کسی نے تمہیں اپنی ذاتی دشمنی کے لیے استعمال کیا تھا؟"

"وہ میرا پرسنل میٹر ہے۔" سارہ خاموش رہیں۔ "لیکن اس لڑکی کے ساتھ آپ کو مسلہ تھا کوئی۔ وہ بہادر تھی اس لیے آپ اسے راستے سے ہٹانا چاہتی تھیں۔ اس لئے آپ سارا الزام مجھ پر نہیں ڈال سکتیں۔"

"کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

جیونگ نے اسے دیکھا۔ وہ واقعی ہی بے رحم عورت تھی۔

"میں تو کسی کو مار بھی دوں تب بھی کوئی مجھے پکڑ نہیں سکتا۔ اور تم کہہ رہے کہ وہ سب تم نے میرے کہنے پر کیا تھا تو ثبوت لاؤ کوئی جیونگ۔"

جیونگ نے پہلو بدلا۔

"میرے ٹکڑوں پر پلتے پلتے تم یہاں پہنچے ہو۔ یاد ہے نا کس کے حق پر ڈاکا ڈال کر تم آج جیونگ انڈسٹری کے باس ہو۔ تمہارا سارا ریکارڈ

میرے پاس موجود ہے۔اس لیے تم مجھ سے سوال نہیں کر سکتے۔ بس سر جھکا کر حکم ماننے کے پابند ہو۔ورنہ میں تمہیں دنیا بھر میں رسوا کر سکتی ہوں۔مجھے ذرا وقت نہیں لگے گا دنیا کو بتانے میں کہ تم اصل میں کون ہو۔کیا حقیقت ہے تمہاری۔تم کیا تھے اور میں نے تمہیں کیا بنا دیا۔اس لئے احسان فراموش مت بنو۔"

وہ تلخی سے اپنے لفظوں کو ادا کر رہیں تھی۔جیونگ خاموش رہا۔اسے فی الحال خاموش ہی رہنا تھا۔

"کام ہو جائے تو مجھے مت بتانا۔جب تک میں خود نا کہوں مجھ سے ملنے کی خواہش بھی مت کرنا۔" مسکرا کر کہتی اپنا بیگ اٹھا کر اٹھ گئیں۔وہ ماتھے پر بل لیے اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ہاتھ ہلاتی چلی گئیں۔اطمینان سے، گردن اکڑا کر۔وہ کلئیر تھیں۔

جیو نگ ہون کلئیر نہیں تھا۔ اب اسے سارہ آفندی کا حکم ماننا ہی تھا۔ وہ عزم کر کے اٹھا تھا۔ اس بات سے انجان کہ وہ یمان کی بہن کو اغواہ نہیں کر سکتا۔ فی الحال تو نہیں۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

سورج کی تپش ہر چیز کو جلا رہی تھی۔ اگست کے جاتے دن اپنا آپ دکھا رہے تھے۔ ایسے میں ایک گاڑی اپنے راستے پر گامزن تھی۔ گاؤں شہر سے تین گھنٹے کی مسافت پر تھا اور منہاج کو دو گھنٹے ہو چکے تھے نکلے ہوئے۔ اس کے یہ دو گھنٹے ایک ہی چہرے اور اس سے ہوئی گنتی کی ملاقاتوں کو سوچتے ہوئے گزرے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا لیکن وہ پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اگر آتے ہوئے وہ اس

سے نا ٹکراتی تو وہ شاید ابھی اس طرح سے نا سوچ رہا ہوتا۔ اسے یاد تھی وہ پہلی ملاقات جو اس کی بختاور کے ساتھ لفٹ میں ہوئی تھی۔

"چند ماہ پہلے"

اسے یاور کے آفس میں کچھ کام تھا تو وہ لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ابھی لفٹ نہیں آئی تھی تو وہ رک کر ویٹ کرنے لگا۔ دو منٹ بعد لفٹ کے دروازے کھلے تو سامنے ایک لڑکی ہاتھ میں فائل اور چہرے پر غصہ لیے ایک سائڈ پر کھڑی تھی۔ ایک نظر منہاج کو دیکھا اور پھر لفٹ کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ یمان کا آفس منہاج کے آفس سے اوپر والے حصے پر تھا۔ لفٹ ایک نہیں تھی لیکن سب سے پہلے یہی لفٹ منہاج کے سامنے رکی تھی۔ وہ عجلت میں تھا اس لیے

اس میں سوار ہو گیا۔وہ بھی انٹرویو دے کر آرہی تھی اور انٹرویو کے بعد اسے یمان پر شدید غصہ تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پتا نہیں کیا کر جائے۔وہ لفٹ میں انٹر ہوا اور لفٹ کے دروازے خود بخود بند ہو گئے۔اب دونوں کی منزل ایک ہی تھی۔ منہاج فون پر کسی کو ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ تبھی اس لڑکی کے ہاتھ سے فائل گری جسے منہاج نے اپنی جانب متوجہ کیا۔اس سے پہلے وہ جھک کر فائل اٹھاتی منہاج اس سے پہلے نیچے جھکا اور فائل اسے دے دی۔ایک سخت نظر اس نے منہاج پر ڈالی اور جھپٹنے کے انداز میں اس سے فائل لی اور رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ منہاج اس کی اس حرکت پر حیران سا اسے دیکھے گیا۔کچھ دیر تک تو وہ اس کا یوں دیکھنا برداشت کرتی رہی پھر سختی سے چہرہ گھما کر اسے دیکھا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ اب میں تمہارا شکریہ ادا کروں گی تو تم اس کی امید مجھ سے مت رکھو۔ کیونکہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم مجھے میری فائل اٹھا کر دو۔ یہ کام میں خود بھی کر سکتی تھی۔" اس کا انداز بہت روڈ سا تھا اور منہاج کو برا بھی لگا تھا۔ بھلا وہ آفس کا مالک تھا اور کوئی اتنی بدتمیزی کے ساتھ اس سے کیسے بات کر سکتا تھا۔ اوپر سے وہ یہ خوامخواہ کے اٹیٹیوڈ کا عادی بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ اسے کچھ کہہ نہیں سکا۔ اور اگر کہا بھی تو بس اتنا۔

"آئی ایم سوری- میرا وہ مطلب نہیں تھا جو......"

"تمہارا جو بھی مطلب ہے مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن تم اپنی یہ نظریں کسی اور جگہ پر جماؤ۔" غصے سے کہتی وہ پھر رخ پھیر گئی۔ لیکن وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ لب کاٹتے ہوئے وہ اس کے

خوبصورت نقوش میں کھو سا گیا تھا۔ اوپر سے اس کا یہ بااعتماد رویہ۔

منہاج کو اچھا لگ رہا تھا۔

وہ جامنی رنگ کے لباس میں ملبوس لڑکی کو بے اختیار دیکھ رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے سر جھٹکا تبھی اسے احساس ہوا وہ کتنی بری حرکت کر رہا تھا۔ اسے خود پر غصہ آیا تو اس نے ایک لمبی سانس خارج کی اور لفٹ کے رکنے کا انتظار کرنے لگا۔ لفٹ رکی اور سامنے کے دونوں دروازے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ منہاج کو دیکھے بغیر ہی وہ باہر نکل آئی اور تیز قدموں سے وہاں سے جانے لگی۔ منہاج بھی اس کے پیچھے ہی باہر آیا اور اب اس کا رخ یاور کے آفس کی طرف تھا۔ پھر اس نے کسی سوچ کے تحت رک کر باہر کی طرف جاتی لڑکی کو دیکھا۔

"منہاج سر، یاور سر آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔" ایک چھوٹے قد کی لڑکی نے اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سر ہلاتا ہوا آفس کی طرف چلا گیا۔ جب کہ لفظ "سر" پر بختاور کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ رکی۔ پھر مڑی لیکن تب تک منہاج جا چکا تھا۔

"یہ منہاج سر کون ہیں؟" اس نے ریسپیشن گرل سے پوچھا۔ اس نے سر اٹھا کر بختاور کو عجیب نظروں سے دیکھا جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا ہو۔

"منہاج سر یہاں پروجیکٹ ڈپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر ہیں۔ لیکن ان کا آفس اوپر ہے۔" اس نے شہادت کی انگلی سے اوپر کی جانب اشارہ کیا۔ جبکہ بختاور سر پیٹ کر رہ گئی۔ اس کا دن ہی برا تھا آج۔ سست قدموں سے وہ داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

وہ پہلی ملاقات اسے آج بھی ایسے ہی ہنسا دیتی تھی۔ بختاور کی بے خبری سے وہ لطف اندوز ہوا تھا۔ اور وہ اسے تب سے ہی اچھی لگنے لگی تھی۔ اس نے گاڑی روک دی۔ گاؤں کا راستہ سامنے ہی تھا۔ اور اب یہاں سے اسے پیدل ہی جانا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

علیزے مومن کے آفس میں اس کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ وہی کام کرتی تھی جو وہ شادی سے پہلے کرتی تھی اور یہ اس نے اپنی خوشی سے کیا تھا۔ وہ مومن کے گھر کی مالکن بن گئی تھی لیکن اب وہ آفس میں اپنا رعب نہیں جھاڑنا چاہتی تھی۔ وہ ایک ورکر تھی۔ اب بھی وہ کسی فائل کو لے کر مومن کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ تبھی اچانک اسے اپنی طبیعت خراب محسوس ہونے لگی لیکن وہ خاموشی سے کام کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد اسے متلی محسوس ہوئی لیکن اس نے

منہ کے آگے ہاتھ رکھ لیا۔ مومن کا دھیان سامنے رکھی فائل پر تھا اور وہ اسے کچھ بتا رہا تھا۔

"مجھے امید ہے مس علیزے کے اب آپ اس فائل کو دو دن کے اندر اندر مجھے تیار کر کے واپس کر دیں گی۔" کام ختم کر کے اس نے سر اٹھا کر علیزے کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر دلکش سی مسکراہٹ تھی۔

علیزے نے سر ہلایا۔

"شیور سر۔ آپ کو یہ فائل دو دن میں ریڈی ملے گی۔" مومن کی دیوانگی بھری نظریں اسے بلش کرنے پر مجبور کر گئیں۔ اور وہ مسکرائے بغیر نا رہ سکا۔

"اوکے میں چلتی ہوں۔ کچھ کام ادھورے چھوڑ کر آئی تھی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھنے لگی۔

"اف! ایک تو یہ کام کبھی مجھے سکون سے اپنی بیوی کا دیدار نہیں کرنے دیتے۔" وہ اس کے جانے کا سن کر بچوں کی طرح منہ بنا کر بولا۔ علیزے کو بے اختیار اس پر پیار آیا۔ لیکن پھر مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔

"سر یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اپنی ایمپلائی کے ساتھ کوئی ایسی باتیں کرتا ہے؟" اس نے مصنوعی خفگی سے مومن کو گھورا تو وہ حیران سا اسے دیکھے گیا اور پھر بے ساختہ ہی منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر ہنس دیا۔ اب کے وہ بھی ہنس دی۔ پھر جانے لگی تو اسے زور کا چکر آیا۔ اس نے ایک دم کرسی کو پکڑا۔ وہ جو ابھی تک محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تیزی سے وہ فکرمند ہوتا علیزے کے قریب آیا اور اس کا بازو پکڑا۔

"تم ٹھیک ہو علیزے؟ کیا ہوا ہے اچانک سے؟" وہ پریشان سا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں بس چکر سا آ گیا اور میرا دل بھی بہت خراب ہو رہا ہے اور مجھے رونا بھی آ رہا ہے۔" وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔ مومن نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ فکرمند سا اس کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔

باس اور ایمپلائی کا رشتہ پس پشت چلا گیا تھا۔ اور وہ اپنی بیوی کے قدموں میں بیٹھا اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" کہتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور کھڑا ہو گیا۔

"نہیں میں اب ٹھیک ہوں۔" لیکن وہ نہیں اٹھی۔

"پھر بھی ہم ڈاکٹر کے پاس جائیں گے۔آخر مجھے پتا تو چلے کہ ایسا کیا ہوا جو تم یوں رونے لگ گئیں۔" مومن فکر مند سا کہہ رہا تھا۔وہ اس کی محبوب بیوی تھی۔پریشان کیسے نا ہوتا۔

"لیکن....۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔اٹھو۔ہم بس جا رہے ہیں۔" پھر اس نے زیادہ احتجاج نہیں کیا اور خاموشی سے اس کے ساتھ اٹھ کر چل دی۔ وہ مومن کا ہاتھ پکڑے اس سے دو قدم پیچھے تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

سورج سوا نیزے پر تھا۔کہیں بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا ابھی نظر نہیں آرہا تھا۔ایسے میں سڑک پر ایک بی ایم ڈبلیو سست رفتار سے آگے ہی آگے بڑھ رہی تھی۔کار کا مالک کسی گہری سوچ میں لگتا تھا۔تبھی ایک جھٹکے سے اس کی گاڑی رکی اور ڈیش بورڈ پر اس کا سر ٹکرا گیا۔اس کے

ماتھے سے خون بھی سست رفتاری سے نکلنا شروع ہونے لگا۔ لیکن اس کا دھیان اپنے زخم کی طرف نہیں تھا بلکہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹکرانے والے وجود پر تھا۔ وہ بہت سپیڈ سے گاڑی سے باہر آیا تو دیکھا وہاں پر ایک نوجوان لڑکا اپنی ٹانگ پکڑ کر بیٹھا ہوا ہے۔ چند لوگ بھی ارد گرد جمع ہو گئے تھے اور ابھی اور لوگ بھی آرہے تھے۔ جنگکوک ان سب کو اگنور کرتا اور سامنے سے ہٹاتا اس زخمی نوجوان تک آیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ تمہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" جنگکوک اس کے کراہنے پر گھبرا گیا تھا۔ وہ اسی کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ نوجوان نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہا۔ وہ اس چہرے کو حفظ کر لینا چاہتا تھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ معاف کرنا میں نے دیکھا نہیں تھا کہ اس طرف سے گاڑی آرہی ہے ورنہ میں سائڈ پر ہو جاتا۔" وہ نوجوان اسے

گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن جنگکوک کا اس کے دیکھنے کی طرف دھیان نہیں تھا۔

"وہ تو شکر ہے تم بہت آہستہ سے گاڑی چلا رہے تھے ورنہ ابھی تک میں اوپر پہنچ جاتا۔"

"چلو میں تمہیں ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔" جنگکوک نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔ وہ بغیر چوں چراں کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے وہ گرتا جنگکوک نے اسے اپنے مظبوط بازو میں پکڑ لیا اور گاڑی تک لایا۔ زخمی نوجوان کو زندہ دیکھ کر ہجوم چھٹ گیا تھا۔ جنگکوک نے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ دونوں ہاسپٹل تھے۔ نوجوان کا چیک اپ ہو رہا تھا۔

"دیکھیں معمولی چوٹ ہے کوئی زیادہ بڑا نقصان نہیں ہوا۔ پھر بھی میں نے یہ کچھ میڈیسنز لکھ دی ہیں۔ آپ یہ لے آئیں۔"

"میں گھر کب تک جا سکتا ہوں ڈاکٹر؟" فی میل ڈاکٹر کو باہر جاتا دیکھ کر نوجوان نے فوراً اسے پوچھا۔ ڈاکٹر پلٹی اور مسکرا کر نوجوان کو دیکھا۔

"آپ چاہیں تو ابھی جا سکتے ہیں۔" مسکرا کر کہتی وہ باہر چلی گئی۔

نوجوان نے اپنا سر کھجایا اور پھر قریب کھڑے پریشان سے جنگکوک کو دیکھا۔

"تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ میں اب ٹھیک ہوں۔ زندہ بھی ہوں۔ غلطی بھی میری تھی۔ تو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔" نوجوان کے کہنے پر جنگکوک نے اسے دیکھا اور پھر مسکرا کر سر جھٹک دیا۔

"ویسے تمہیں بھی سر پر چوٹ آئی ہے۔ درد تو ہو رہا ہو گا نا؟" نوجوان نے فکر مندی سے کہا تو جنگکوک نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں زیادہ درد نہیں ہو رہا۔ ٹھیک ہوں میں بھی۔" کہتے ہوئے وہ پیچھے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے ؟" وہ باتونی تھا یا صرف اس وقت اتنی باتیں کر رہا تھا جنگکوک اندازہ نہیں لگا پایا۔ "میرا نام جنگکوک ہے۔" اب ان کے درمیان خاموشی تھی جسے اس لڑکے نے ہی توڑا۔

"تم مجھ سے میرا نام نہیں پوچھو گے ؟" لڑکے نے کہا تو جنگکوک نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مجھے پتا ہے تم نہیں پوچھو گے لیکن چلو میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔ میرا نام تیمور ہے۔ اور میں یونیورسٹی جا رہا تھا لیکن تمہاری گاڑی نے مجھے ہسپتال پہنچا دیا۔" تیمور نے منہ کے زاویے تھوڑے سے بگاڑے لیکن جنگکوک پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

("بدتمیز نا ہو تو۔")

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے اسے ڈسچارج کر دیا تھا۔ تو اب جنگکوک کو تیمور کو اس کی یونیورسٹی چھوڑنا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"ڈاکٹر کوئی گھبرانے والی بات تو نہیں؟" فی میل ڈاکٹر اور علیزے ایک ساتھ ہی روم سے باہر آئے تو مومن نے فکر مندی سے پوچھا۔

ڈاکٹر مسکراتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور علیزے بھی جھجھکتی اور شرماتی مومن کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"بالکل بھی کوئی گھبرانے والی بات نہیں ہے۔آپ کی مسز بالکل ٹھیک ہیں۔انفیکٹ ایک گڈ نیوز ہے۔" ڈاکٹر کی بات پر علیزے کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"کیسی نیوز۔" وہ جان گیا تھا لیکن انجان بنا رہا جب تک ڈاکٹر نے نہیں بتا دیا۔

"شی از ایکسپیکٹنگ۔"مومن نے گردن موڑ کر علیزے کو دیکھا جو سر نیچے کیے اپنی مسکراہٹ روک رہی تھی۔ نقاب میں بھی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ شرما رہی ہے۔

"کیا واقعی ہی۔ کیا میں بابا بننے والا ہوں۔"مومن کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔ ڈاکٹر اس کی حالت دیکھ کر محظوظ ہوئی۔

"بالکل آپ بابا بننے والے ہیں۔ اس لیے اب آپ کو اپنی مسز کا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے۔ ان کی ڈائٹ پر کمپرومائز نہیں کرنا۔"ڈاکٹر کے انداز میں نرم سی تنبیہہ تھی۔

"یہ بھلا کوئی کہنے کی بات ہے۔"اس نے مسکرا کر پھر سے علیزے کو دیکھا لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ جھجھکتی شرماتی مومن کے ہوش اڑا رہی تھی۔ لیکن وہ خود پر کنٹرول کیے رہا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنی گاڑی میں آ چکے تھے۔

"میں بہت بہت زیادہ خوش ہوں۔ یار مطلب باپ بننا اتنا خوبصورت احساس ہوتا ہے مجھے آج پتا چلا ہے۔" اس کی آنکھیں خوشی سے چھلکنے کو تھیں۔ علیزے نے بے اختیار اسے دیکھا۔ مومن نے بہت پیار سے اس کے ہاتھوں کو پکڑا اور ان پر اپنے لب رکھ دیئے۔

"بہت شکریہ مجھے مکمل کرنے کے لیے۔ میری زندگی کو اتنا خوبصورت موڑ دینے کے لیے۔ میں واقعی ہی اپنی خوشی کو لفظوں میں بیان نہیں کر پا رہا۔ لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں علیزے۔ تمہاری بدولت یہ نعمت میری زندگی میں آ رہی ہے۔" وہ بس اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ اگر کوئی اس وقت مومن سے پوچھتا کہ دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان کون ہے تو وہ بلا جھجھک اپنا نام لیتا۔

"میں ہوں وہ خوش نصیب انسان۔ آؤ مجھے دیکھو۔ میرا خدا مجھ پر مہربان ہوا ہے۔ سارے جہان کی خوشیاں اللہ نے میری جھولی میں ڈال دی ہیں۔" علیزے کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تو اس نے بے اختیار

رخ موڑ کر اسے صاف کیا۔ مومن نے بھی یہ نوٹ کیا تھا لیکن وہ جانتا تھا یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ اس نے بہت نرمی سے اس کا سر اپنے کندھے پر رکھا اور اس کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"آئی لو یو علیزے۔" گاڑی چلانے سے پہلے اس نے بہت محبت سے کہا تھا۔ مومن کے یوں اظہارِ محبت پر وہ کھلکھلا سی گئی تھی۔ لیکن چپ رہی۔ وہ اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ کوئی جواب نا پا کر وہ

مسکرادیا۔ وہ جانتا تھا وہ بول کر جواب نہیں دے گی۔ اس نے خاموشی سے گاڑی کو سڑک پر ڈال دیا۔

ooooooooooooooooooooo

شہر والوں کو وہیں چھوڑ کر ہم گاؤں چلتے ہیں۔ جہاں سرسبز کھیت سنہری دھوپ میں چمک رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ایسے میں کھیتوں کے درمیان بنی پگڈنڈی (راستہ) پر سے وہ اپنے دو گارڈز کے ہمراہ گاؤں کے اندرونی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان تین افراد سے چند قدم دور ایک کھیت کو ٹیوب ویل کے ذریعے سے پانی دیا جا رہا تھا۔ ٹیوب ویل کا ٹھنڈا پانی اس گرمی میں کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ ایسے میں وہ دو لڑکیاں بھی وہیں موجود تھیں۔ محمل ٹیوب ویل کے اندر اس ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس کے سارے کپڑے اور بال بھیگ چکے تھے۔ جبکہ سویون ایک

طرف بیٹھی اس سارے منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ محمل وقفے وقفے سے ہتھیلی میں پانی بھر کر اس پر پھینکتی اور پھر بچوں کی طرح خوش ہوتی۔ سویون نے ایک دو دفعہ منع کرنے کے بعد دوبارہ منع نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی محمل نہیں رکے گی۔ سو اب وہ اس کی حرکت پر مسکرا رہی تھی۔ محمل نے اب کے ایک عجیب حرکت کی تھی۔ اس نے پانی چلو میں بھر کر اوپر آسمان کی طرف اچھال دیا۔ پانی بارش کی طرح اس کے اوپر آ کر گرا۔ وہ کھلکھلا اٹھی۔ اس نے دوبارہ یہ حرکت کی۔ اور اپنی اس حرکت پر خود ہی خوش ہوتی رہی۔ سویون بھی اس کی بچوں جیسی حرکت پر مسکرا رہی تھی۔ محمل نے تیسری دفعہ پانی چلو میں بھرا اور آسمان کی طرف اچھال دیا۔ پانی کسی سلو موشن کی طرح اس کے اوپر گرنے لگا۔ جب اس نے پانی اوپر اچھالا تو اس کی نظریں ٹیوب ویل کے قریب آتے اس ڈیشنگ پرسنلٹی

والے بندے پر ٹھہر گئیں۔ منہاج نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔اسے یہ منظر بہت ناگوار گزرا تھا تبھی اگنور کرتا آگے بڑھ گیا۔ محمل کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔وہ تھوڑا دور ہوا تو وہ سویون کی جانب موڑی۔

"سنو! یہ خوبصورت لڑکا کون تھا؟"اس کے سوال پر سویون کے چہرے پر جاندار سی مسکراہٹ آئی۔

"کیا وہ خوبصورت لڑکا تمہیں اچھا لگا؟"اس نے شرارت سے پوچھا تو محمل نے اس کے بازو پر چپٹ لگائی۔

"شکل دیکھی تھی تم نے اس کی۔ کیسے دیکھ کر گیا ہے مجھے۔ جیسے دنیا کا سب سے برا نظارہ میں ہوں۔"اس نے برا سا منہ بنایا۔

"بتایا نہیں تم نے۔ کون ہیں موصوف؟"

"یہ شہر کے رہنے والے ہیں اور اکثر یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور ان کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔اور یہاں گاؤں میں اور بھی بہت ساری سہولیات انہی کی بدولت ہیں۔"

سویون نے مختصراً بتایا تو محمل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بہت اچھے۔موصوف کا نام کیا ہے؟" محمل منہاج کو دیکھ رہی تھی۔جو کسی گھر کے سامنے کھڑا شاید ان کا حال احوال دریافت کر رہا تھا۔

"منہاج احمد درانی." سویون کے بتانے پر وہ فوراً باہر آئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"مجھے بھی دیکھنا ہے یہ کیسے ان سب کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔چلو چلتے ہیں۔" وہ متجسس سی اسے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں بہت تجسس ہو رہا۔ چلو چلتے ہیں۔ تم بھی دیکھ لو وہ اپنا وقت کیسے غریبوں کو دیتا ہے۔ لیکن محمل.....۔"اس کے لیکن کہنے پر محمل نے سوالیہ دائیں ابرو چکایا۔

"تم اس وقت مکمل بھیگی ہوئی ہو۔ تمہارا سراپا بالکل بھی قابل قبول نہیں ہے۔ تم اسے پہلی نظر میں اچھی نہیں لگی۔ لیکن تمہیں دوسری نظر میں اسے اچھا لگنا چاہیے۔"سویون کے کہنے پر محمل نے ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالی۔ پھر سر اٹھا کر سویون کو دیکھا

"بس لباس بھیگا ہی تو ہے۔ باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔ یہ لباس ایسا نہیں ہے کہ بھیگنے کے بعد باڈی شو کرے۔ ایسے ہی ٹھیک ہے۔ میں لباس بدلنے میں وقت ضائع نہیں کر رہی۔ اور مجھے فرق نہیں پڑتا میں اسے اچھی لگوں یا بری۔"اس نے کندھے اچکاتے ہوئے سویون کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی لے گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"ایک منٹ ایک منٹ۔" یونیورسٹی کے سامنے جنگکوک نے گاڑی روکی اور پوری طرح سے گھوم کر تیمور کی طرف دیکھا۔

"ابھی تم نے کہا کہ تم مجھے جانتے ہو۔ اس بات کو میں نے مان لیا۔ لیکن اب تم کہہ رہے ہو میں تمہیں نہیں جانتا۔ ابھی تم نے مجھے بتایا ہے کہ تم کون ہو پھر میں تمہیں کیسے نہیں جانتا۔" جنگکوک حقیقتاً اس کی بات سن کر جھنجھلا گیا تھا۔ تیمور نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر مارا جیسے وہ کسی پاگل سے بات کر رہا ہو۔

"تمہیں ایک ایک بات کلیئر کر دی ہے میں نے۔ لیکن تم اپنی عقل کہاں پہنچ آئے ہو جو تمہیں سمجھ نہیں آئی۔ ایک منٹ..... کیا تم نے پوری توجہ سے میری بات سنی بھی ہے یا نہیں؟" تیمور نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"پوری بات سنی ہے۔ لیکن تم مجھے کھسکے ہوئے لگ رہے ہو۔"

"اگر پوری بات سنی ہے تو اب خود اس پر غور کرو۔ میرا سر مت کھاؤ۔ مجھے دیر ہو رہی میں جا رہا ہوں۔" کہتے ہوئے وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اترنے لگا۔ پھر رک گیا اور مڑ کر جنگکوک کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اب دوبارہ مجھ سے اس حوالے سے کوئی سوال نہیں پوچھنا۔ اب سے ہم صرف کام کی بات کیا کریں گے۔ سمجھ گئے نا؟" تیمور نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا تو جنگکوک نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ لیکن وہ اگنور کرتا ہوا اتر گیا۔ جنگکوک کے سارے شک ختم ہو گئے تھے۔ لیکن وہ اپنی شناخت کیوں چھپا رہا تھا اس چیز نے اسے الجھا دیا تھا۔

"اگر بتانا ہوا تو خود بتادے گا۔ جب مناسب سمجھے گا۔" جنگکوک نے سر جھٹکا اور گاڑی زن سے آگے لے گیا۔

ooooooooooooooo

"آپ مجھے گھر کیوں لے آئے؟" گاڑی کو گھر کے سامنے رکتا دیکھ کر علیزے نے پوچھا۔

"تاکہ اب میری مسز آرام کریں۔ اب آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" گاڑی کا دروازہ کھولتا وہ نیچے اتر گیا۔ علیزے بھی غصے سے دروازہ کھولتی تیزی سے نیچے آنے لگی جب مومن نے اس کا بازو پکڑ کر اسے گھورا۔

"آرام سے بیگم آرام سے۔ کیا ہو گیا ہے۔ آرام سے آؤ۔ ابھی سے لا پرواہی شروع کر دی۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اترنے میں مدد دی۔

"مومن میں گھر میں اکیلی بور ہو جاؤں گی۔ میں نہیں رہوں گی گھر پر اکیلے۔" اس نے ضدی انداز میں کہا۔

"ہم اس حوالے سے بعد میں بات کریں گے۔ ابھی اندر چلتے ہیں۔" وہ کنوینس اس انداز سے کرتا تھا کہ اگلے کو چپ ہونا ہی پڑتا تھا۔

("میسنا۔") وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ ایک گھر کے اندر بچوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں چاکلیٹس بانٹتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ساتھ ساتھ وہ بچوں کے سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔ دروازے کی جانب اس کی پشت تھی۔ کھلے دروازے سے وہ دونوں اندر داخل ہوئیں۔ اسے آتا دیکھ کر بچوں نے پر جوش سا نعرہ لگایا۔

"محمل آپی آ گئیں۔ محمل آپی آ گئیں۔" آدھے سے زیادہ بچے اٹھ کر اس کی طرف بھاگے۔ منہاج نے بھی رخ پھیر کر دیکھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں بنتی گئیں۔ چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ بچوں کے درمیان کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ دوپٹا اس نے اچھے سے اپنے ارد گرد پھیلا رکھا تھا۔ بھیگے بال دونوں طرف سے آگے کو گرے ہوئے تھے۔ چہرے پر شرارتی سی مسکراہٹ تھی لیکن منہاج کے سخت تاثرات سے وہ مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ تبھی اس کا دھیان ایک بچے کی طرف گیا جو کہہ رہا تھا۔

"محمل آپی آپ بھی ہمارے ساتھ آ کر بیٹھیں۔ دیکھیں مومن بھائی ہمارے لیے کھانے کی چیزیں لائیں ہیں شہر سے۔" اس نے پھر نظر اٹھا کر منہاج کو دیکھا جو ابھی تک اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ محمل اندر ہی

اندر اس کے تاثرات سے محظوظ ہوئی۔ اسے تپانے کے لیے وہ بچوں کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"منہاج بھائی محمل آپی کو بھی چاکلیٹ دیں نا۔" ایک بچہ منہاج کے بالکل پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ منہاج نے حیران ہو کر پہلے بچے کو دیکھا، پھر اجنبی نظروں سے لڑکی کو دیکھا۔ تبھی سویون ان کے قریب چلی آئی۔

"منہاج بھائی یہ میری دوست ہیں۔ محمل۔ شہر سے آئی ہیں۔ ابھی کچھ ہی ٹائم ہوا ہے ہمیں ملے لیکن یہ میری بہت اچھی دوست بن گئی ہیں۔" سویون کے بتانے پر محمل نے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ لیے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔ منہاج اسے دیکھ کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بول نہیں سکا۔

"اب تو تعارف ہو گیا ہے نا بھائی۔ چاکلیٹ دیں نا آپی کو بھی۔" بچہ بضد تھا۔ محمل نے بھی اس کے سامنے معصومیت سے ہاتھ پھیلا دیے۔

دیں نا میری چاکلیٹ۔" منہاج نے سختی سے لب بھینچے اور پھر ایک چاکلیٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھی۔ اس دوران اسے جبراً مسکرانا بھی پڑا۔ محمل خاصی محظوظ ہوئی تھی۔

شکریہ شہری بابو۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بند کیے۔ اگر وہ ایسے نا کرتی تو آؤٹ آف کنٹرول ہنسی کی گونج سارے سنتے۔

"کوئی بات نہیں۔ میں یہ بچوں کے لیے ہی لایا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ محمل کی مسکراہٹ تھمی۔

"میں آپ..... آپ کو..... کس اینگل سے چھوٹی بچی لگ رہی ہوں؟"

"ہر اینگل سے۔" منہاج اب سنبھل چکا تھا۔ محمل نے منہ بسورا۔ ان کی نوک جھوک پر سب ہنس رہے تھے ایک منہاج ہی تھا جس کو یہ سب بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اور وہ لڑکی..... وہ تو منہاج کو پہلی نظر میں ہی اچھی نہیں لگی تھی۔

"منہاج بھائی آپ کو یاد ہے لاسٹ ٹائم آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ لنچ ہمارے ساتھ کریں گے۔ اس لیے میں گھر جا رہی ہوں۔ کھانے کا اہتمام کرنے۔ تو اب انسانوں کی طرح آجایئے گا۔" سویون نے اسے یاد کروانے کے ساتھ ساتھ حکم بھی دیا اور معصوم سی تنبیہ بھی کی۔ منہاج نے مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔

تو پھر لنچ پہ ملاقات ہوتی ہے۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔" وہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی تو منہاج نے بیزاریت سے اسے دیکھا۔ وہ چلی گئی۔ جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔

پلٹ کر وہی دیکھا کرتے ہیں جنہیں یا تو امید ہوتی ہیں یا معاف کرنا ہوتا ہے۔ جن میں یہ دو چیزیں نہیں ہوتیں وہ پلٹ کر پیچھے رہ جانے والوں کو نہیں دیکھا کرتے۔ محمل کو امید تھی وہ اسے ہی دیکھ رہا ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ بچوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ نا جانے اسے کیوں برا لگا تھا۔ پھیکا سا مسکرا کر وہ گیٹ پار کر گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یونیورسٹی میں اس وقت کچھ اسٹوڈنٹس فری پیریڈ انجوائے کر رہے تھے اور کچھ اپنی اپنی کلاسز لے رہے تھے۔ اور کچھ کلاسز لے کر باہر آ رہے تھے۔ کلاسز لے کر باہر آنے والوں میں فرح اور جنگگوک بھی

تھے۔ فرح اپنے دھیان آگے جا رہی تھی جب کسی کے پکارنے پر رکی۔

"فرح۔ سنئیے۔" اس نے پلٹ کر دیکھا تو جنگلوک اس کے پاس آ رہا تھا۔

"جی؟"

"کیا ماریہ یونی نہیں آئیں؟ میں صبح سے ڈھونڈ رہا ہوں وہ مجھے ملی نہیں۔" فرح نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور پھر بولی۔

"آپ کیوں ڈھونڈ رہے تھے اسے؟"

"مجھے بات کرنی تھی ان سے۔" اس کے اتنے سیدھے سے جواب دینے پر وہ تلملا کر رہ گئی۔ بھئی سامنے ماریہ کی بھابھی تھی۔ احتیاط ہی کر لیتا۔ فرح نے سر جھٹکا۔

"اس نے کچھ دن پہلے لائبریری سے بک ایشو کروائی تھی۔ وہی واپس کرنے گئی ہے۔"

"شکریہ۔ شائد میں نے لائبریری میں ہی نہیں دیکھا" کہہ کر وہ جانے لگا۔

"وہ یونیورسٹی کی لائبریری میں نہیں ہے۔" وہ رکا اور پھر واپس اس کے پاس آیا۔

"پھر کہاں ہیں؟"

"میں تمہیں کیوں بتاؤں وہ کہاں ہے"

"مجھے ان سے بات کرنی ہے اس لیے۔"

"تو جب یونی آئے گی تب بات کر لینا۔" کہہ کر وہ چلی گئی۔ جنگلو ک منہ کھولے کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا۔ اگر کچھ کہا بھی تو بس یہ.....

"کھسکی ہوئی۔" کہہ کر وہ بھی پلٹ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

وہ کتاب واپس کرواکر جارہی تھی جب اسے اپنے پیچھے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔اس نے پلٹ کر دیکھا تو کچھ نظر نہیں آیا۔

وہ باہر چلی آئی۔اس کی ایک کتاب رہتی تھی ابھی پڑھنے کے لئے تو اسے ٹائم لگنا تھا۔اس لیے اس نے ڈرائیور کو بھیج دیا تھا۔اب فون کر رہی تھی تو موبائل سگنل نہیں پکڑ رہا تھا۔سوچا باہر جا کر کر لے گی لیکن اسے دوسری دفعہ محسوس ہوا کوئی اس کے پیچھے ہے۔اس نے پھر پلٹ کر دیکھا تو جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی۔سامنے ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔گرے تھری پیس اور ریڈ ٹائی۔یعنی ریڈ۔چہرے پر ایک اداس اور کمینی سی مسکراہٹ لیے۔چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"کیسی ہو تم ماریہ۔بہت دیر بعد دیکھ رہا ہوں تمہیں۔"

"سوری لیکن میں نے پہچانا نہیں۔" وہ آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھ رہی تھی تبھی وہ مسکرایا۔

"حیرت کی بات ہے........میں تمہیں نقاب میں بھی پہچان گیا اور تم مجھے نہیں پہچان سکیں۔" اندر کہیں کچھ چھن سے ٹوٹا تھا۔

"چلو یہ بھی اچھی بات ہے۔ تمہارا مجھے پہچاننا ضروری بھی نہیں ہے۔" اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا۔کچھ اداس سا، کچھ گراہوا سا، بہت سارے احساسات ایک ساتھ تھے۔

"تمہیں مجھ سے کیا چاہیے۔کیوں روکا ہوا ہے مجھے؟" وہ غیر محسوس انداز میں ایک قدم پیچھے لے گئی۔

"میرا نام جیو نگ ہون ہے۔اور میں.... تمہیں.....اغواہ کرنے آیا ہوں۔"ماریہ نے آنکھوں میں ڈھیروں بے یقینی لیے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"تم...... تم مجھے کیوں اغوا کرنا چاہتے ہو جبکہ میں تمہیں جانتی بھی نہیں۔"اس نے ایک قدم پھر پیچھے لیا۔ جیو نگ ہون کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تم مجھ سے دور کیوں جارہی ہو۔ کیا پھر سے مجھے تمہاری دوری برداشت کرنی ہوگی۔"اس نے دو قدم ماریہ کی طرف بڑھائے۔

"ک.... کون ہو تم؟ کیوں اغوا کرنا چاہتے ہو؟"اس کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

"تمہارے بھائیوں کی طرف بہت پرانا حساب نکلتا ہے میرا۔ میں کچھ بھی کرلوں۔ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن تم.... تم ایک واحد

کمزوری ہوان کی۔ تم میں جان بستی ہے تمہارے بھائیوں کی۔ تو کیوں نا ان کی جان لے لوں۔" کمینگی سے کہتا وہ اس کے قریب ہوا تو اس نے تیزی سے قدم پیچھے لیے اور ایک دم سے مڑ کر بھاگتے ہوئے داخلی دروازے تک گئی۔ جیو نگ ہون وہیں ٹھہر گیا۔ نا جانے کیوں اسے اپنے دل میں درد اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ بھاگ جائے۔ اسے ڈر تھا کہ یمان سے نفرت کے چکر میں کہیں وہ ایک لڑکی کی عزت کو نقصان نا پہچادے اور لڑکی بھی وہ جو اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ دو منٹ تک وہیں رکا رہا۔ لیکن نہیں۔ وہ۔ یمان سے بدلے کا یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا تھا۔ پھر سے نفرت حاوی ہونے لگی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

وہ باہر آئی تو موسم بہت خراب ہو چکا تھا۔ اچانک ہی آسمان پر بادل بنے اور پھر ایک دم تیزی سے بارش ہونے لگی۔ خراب موسم کی وجہ

سے اندھیرا سا چھا گیا تھا ہر طرف۔ اس نے بارش کی پرواہ کیے بغیر بھاگنا شروع کر دیا۔ جیونگ ہون وہیں کھڑا مسکراتا رہا۔ اسے لگا تھا کہ وہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ وہ اس کے پیچھے باہر آیا۔ باہر آ کر اس نے دیکھا وہ وہاں نہیں تھی۔

"سوری ماریہ میں ایسا چاہتا تو نہیں تھا۔ لیکن میری مجبوری ہے۔ میرے اوپر برائی کا ٹیگ لگا ہے اور یہ دنیا اب میری برائیاں دیکھے گی۔" کہتے ہوئے وہ اپنی کار کی جانب بڑھا۔

ادھر وہ وہ سڑک پر اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔ اسے اتنی ہوش نہیں تھی کہ ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ جائے۔ وہ مکمل بھیگ چکی تھی۔ آسمان پر زور سے بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کی آوازیں آ رہیں تھیں۔ اس نے ذرا مڑ کر دیکھا، گاڑی اس کے پیچھے ہی تھی۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس نے پھر سے بھاگنا شروع کیا۔

بارش کی وجہ سے جو لوگ باہر تھے وہ بھی بچاؤ کے لیے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے ایسے میں کسی کو کسی کا خیال نہیں تھا۔ بھاگتے بھاگتے اسے معلوم ہی نہیں ہوا اس کا جوتا اتر چکا تھا۔ حجاب ماتھے سے سرک چکا تھا۔ آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر التجا تھی۔ اسے بھاگتے بھاگتے سانس چڑھ گیا تھا۔ تبھی اس نے ایک آواز سنی جس نے اس کے قدم روک دیئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہاں دھواں تھا۔ دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں تھیں۔ وہ اتنی دور سے بھی دیکھ سکتی تھی ان میں سے ایک گاڑی جیونگ ہون کی تھی۔ اس نے بے یقینی سے دیکھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جان بچنے کا شکر ادا کرے یا رک کر دیکھے کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔ کچھ ہی دیر میں اسے احساس ہوا اس کے قدم پیچھے جا رہے ہیں۔ یعنی وہ وہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ

وہاں رک سکے۔اس نے بھاگنے سے پہلے جو آخری منظر دیکھا تھا وہ ایکسیڈنٹ والی جگہ پر لوگوں کا ہجوم تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

بارش نے سارے سول کو بھگو دیا تھا۔آفس کی دیواروں سے پانی قطروں کی صورت میں نیچے گر رہا تھا۔آفس کے اندر ایک اداسی کا سا سماں تھا۔وہ اپنے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔وہ اداس تھی۔اس نے اس موسم کو بھی اداس کر دیا تھا۔ایک نظر اٹھا کر اس نے یمان کے آفس روم کے بند دروازے کو دیکھا جہاں سے ابھی کچھ دیر پہلے لیونا اندر گئی تھی۔وہ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ چلی گئی ہے۔ وہ غلط تھی۔وہ پچھلے دو ماہ سے سول میں ہی تھی۔ان لوگوں کے درمیان،ان میں اٹھتی بیٹھتی۔یہی وجہ تھی کہ یمان نے آج اسے دیر سے آنے پر سزا نہیں دی تھی۔اور یہ بات اس سے برداشت نہیں ہو

رہی تھی۔ وہ اس کی سزاؤں کی عادی ہو گئی تھی۔ دل میں ایک درد سا جاگا تو اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"بختاور! آپ کو باس اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" کسی نے اسے پیغام دیا اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ہمت کر کے اٹھی۔ ایک پل تو اسے لگا وہ گر جائے گی لیکن اگلے ہی پل وہ ٹیبل کا کونا اپنی گرفت میں لے چکی تھی۔ دو تین لمبے لمبے سانس لے کر اس نے خود کو بحال کیا اور قدم اس کے آفس کی طرف لے گئی۔ ابھی وہ اس کے آفس سے چند قدم دور ہی تھی جب یمان کے آفس کا دروازہ کھلا۔ وہ وہیں ٹھہر گئی۔ لیونا اس کے بازو میں ہاتھ ڈالے کوئی بات کر رہی تھی جس کے جواب میں وہ دلکشی سے ہنس رہا

تھا۔پل بھر کو اس کے ہنسنے نے بختاور کے غم کو بھلا دیا لیکن اگلے ہی پل درد مزید بڑھا تو اس نے دیوار کو تھام لیا۔

"مس بختاور۔" اس کے پکارنے پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"میں نے آپ کو اپنے آفس میں بلایا تھا۔آپ آئیں کیوں نہیں؟" وہ اپنے آنسو کو ضبط کرتی اسے دیکھ رہی تھی۔

"بولئے۔"

"س..... سوری سر! میں آ ہی رہی تھی۔" کہتے ہوئے اس نے لیونا کو دیکھا جو کافی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو آئیں کیوں نہیں۔"

"کیونکہ.... آ... آپ دونوں باہر آ گئے تو میں یہیں رک گئی۔" ضبط ٹوٹ رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے بس آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ میری آج شام والی میٹنگ کینسل کر دیجیے گا۔اور ری شیڈول کر کے اسے کل مارننگ ٹائم پر کر دیں۔ میں لیونا کے ساتھ باہر جا رہا ہوں تو یقیناً دیر ہو جائے گی۔"

تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا وہ جانے لگا۔

"سر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"اس نے بے ساختہ ہی پوچھ لیا۔ یمان رکا، مڑا اور مڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ساحل سمندر پر۔ لیونا کو بارش میں ساحل سمندر پر جانا بہت پسند ہے۔"مسکرا کر کہتا وہ مڑ گیا۔ وہ جا رہا تھا۔ بختاور نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔اور پھر وہیں گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتی گئی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو پھر اس کی آنکھوں نے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ وہ وہیں زمین پر دائیں طرف کو گر گئی۔ بند آنکھوں سے آنسو

بہتے ہی جا رہے تھے۔اس کے کانوں نے بس آخری دفعہ اپنے ارد گرد شور سنا تھا۔ ہجوم کا شور۔

("بارش.......اداسی.......آنسو.......ساحل سمندر.......

بارش، ساحل سمندر، یمان، لیونا۔ وہ ان سب میں کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔")

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گاؤں کا موسم ویسا ہی تھا۔ڈھلتی ہوئی دھوپ، شام کا منظر، لمبے سائے۔ بارش کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ایسے میں ایک گھر میں خوب رونق میلا لگا ہوا تھا۔ ٹیبل کے ارد گرد چار کرسیاں اور کرسیوں پر بیٹھے افراد باتوں میں مگن نظر آتے تھے۔

"میں نے آپ کو کہا تھا لنچ پر آجایئے گا اور آپ اب شام کے چار بجے آ رہے ہیں۔" سویون خفاسی کہتی اسے کھانا نکال کر دینے لگی۔ محمل نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم جانتی تو ہو گاؤں میں مجھے کھانے کا وقت کم ہی ملتا ہے۔ اتنے لوگوں کے پاس جانا، ان کے ساتھ بیٹھنا، وقت گزارنا اور ان کے حال احوال دریافت کرنا۔ اس سب میں ہی واپسی کا ٹائم ہو جاتا ہے۔" منہاج کی وضاحت پر اس نے منہ کے زاویے بگاڑے تو وہ ہنس دیا۔ اس سب میں اس نے محمل کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا تھا۔ جس کو اس نے نوٹ کیا لیکن برا نہیں منایا۔

"تھوڑا سا وقت اس بڑھیا کے ساتھ بھی گزار لیا کرو آکر۔ آنکھیں تھک جاتی ہیں راہ تکتے تکتے۔ اور تم آتے ہو تھوڑے سے وقت کے لیے۔" دادی جان نے ذرا اداسی اسے کہا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"اگر میں ساری زندگی لے کر بھی آپ کے پاس آجاؤں تب بھی آپ کے احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ اس لیے جیسے چل رہا ہے چلنے دیں نا۔" وہ بھی اب ذرا سنجیدہ ہوا تھا۔ محمل نے چونک کر ان تینوں کو دیکھا۔

("بھلا ایسا کونسا احسان دادی جان نے کیا تھا۔ وہ کن احسانوں کی بات کر رہا تھا۔")

"جب تم میری محبت اور شفقت کو احسان کا نام دیتے ہو تو میرا دل ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ پتا نہیں تم کیسے کر لیتے ہو وہ بات جو مجھے تکلیف پہنچاتی ہے۔" منہاج نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"میں مر نا جاؤں اگر آپ کو تکلیف دینے کے بارے میں سوچوں۔ آپ میری مشکل وقت کی ساتھی ہیں۔ آپ میری ماں ہیں اور کون

اولاد اپنی ماں کو تکلیف دینا چاہے گی۔" وہ پریشان ہی تو ہو گیا تھا۔

دادی جان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بس باتیں بنوالو۔ اچھا یہ بریانی تو لو۔ یہ تو تم نے چکھی ہی نہیں۔" وہ بات بدل گئیں تھی۔ کیونکہ ماں کے ذکر پر منہاج کے چہرے پر پھیلا کرب وہ دیکھ چکی تھیں۔ اس نے بھی مسکرا کر بریانی اپنی پلیٹ میں نکالی اور کھانے لگا۔

"کیسی بنی ہے؟" سویون کب سے اسے ہی دیکھ رہی تھی کہ ابھی تعریف کرتا ہے، لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے تو اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔

"تم نے بنائی ہے۔ بہت مزیدار ہے۔"

"محمل نے بنائی ہے۔" منہاج کو تو اچھو ہی لگ گیا۔

"ارے بیٹا پانی پیو۔ اور آرام سے کھاؤ۔" دادی جان پریشانی سے بولیں۔ منہاج نے پاس رکھا پانی پیا جبکہ مخمل اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تھوڑی مرچ زیادہ ہے۔ میں کم کھاتا ہوں۔" سویون جانتی تھی وہ پہلی ہی ملاقات میں مخمل کو اپنی ناپسندیدہ لسٹ میں شامل کر چکا ہے۔ وہ بھی اپنی مسکراہٹ روکتی کھانے میں مصروف ہو گئی۔ مخمل نے تپ کر اسے دیکھا لیکن اس نے سر نہیں اٹھایا۔

("اونہہ! بدتمیز نا ہو تو۔")

کچھ ہی دیر میں منہاج کی واپسی ہو گئی تھی۔ دادی جان کے دوبارہ جلدی آنے کی تاکید پر وہ مسکراتا ہوا سر ہلانے لگا۔ سویون بھی اس کے جانے پر افسردہ سی ہو گئی تھی۔ ایک وہ تھی جو مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی...... اپنے دل سے انجان...... دل اداس ہو رہا تھا

لیکن......اس نے توجہ نہیں دی۔اور پھر وہ چلا گیا۔ نظروں سے اوجھل ہوتا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ٹیکسی گھر کے مین گیٹ کے سامنے آکر رکی۔گاڑی سے اتر کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو چند پیسے دیئے اور اپنا سانس بحال کرتی گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

"بی بی جی آپ ٹیکسی پہ آئی ہیں؟ڈرائیور کہاں ہیں؟" گیٹ کیپر نے جو اسے بغیر ڈرائیور کے آتے دیکھا تو گھبرا کر اس سے پوچھنے لگا۔

"وہ......وہ یونیورسٹی میں ہے۔وہ بھابھی جان کو لے کر آئے گا۔" رک کر بس اتنا بتایا اور پھر سے جانے لگی۔

"اگر صاحب میں سے کسی کو پتا چلا تو......"

"اگر آپ کسی کو نہیں بتائیں گے تو کسی کو پتا نہیں چلے گا۔اب میں جاؤں؟"ماریہ نے اکتا کر گیٹ کیپر کو دیکھا تو وہ بیچارہ خاموش ہو گیا۔ وہ تاسف سے سر ہلاتی اندر چلی آئی۔اسے نے غور نہیں کیا۔ مومن کی کار باہر ہی کھڑی تھی۔ گیٹ کیپر نے جاتے ہوئے اس کے جوتے سے عاری پاؤں دیکھے تو اسے اچھنبا ہوا۔اندر آ کر وہ اپنے روم میں جانے کا ارادہ رکھتی تھی جب اس نے مومن کی آواز سنی۔

"یہ تم کیا بارش میں نہا کر آئی ہو جو اس طرح بھیگی ہوئی ہو؟"وہ اس وقت مومن کو وہاں ایکسپیکٹ نہیں کر رہی تھی۔اس نے گھبرا کر مومن کو دیکھا اور جبراً مسکرا دی۔

"ہاں.......آج موسم کافی خوبصورت تھا تو دل کیا بارش کو انجوائے کیا جائے۔"اس نے وہیں کھڑے کھڑے بتایا۔

"لیکن آپ اتنی جلدی گھر کیوں آ گئے؟خیریت؟"

"ہاں وہ علیزے کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اسے ہاسپٹل لے کر گیا اور پھر سیدھا گھر آ گیا۔"

"کیا ہوا بھابھی جان کو؟ زیادہ خراب ہے کیا طبیعت؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں اب وہ ٹھیک ہے لیکن..... تم ٹھیک نہیں ہو۔" اس نے اچھنبے سے مومن کو دیکھا۔

"اس لیے اب شرافت سے بتاؤ کیا ہوا ہے اور فرح کہاں ہیں؟"

"وہ یونیورسٹی میں ہیں۔ میری آج کوئی خاص کلاس نہیں تھی تو میں گھر آ گئی۔" اس نے مومن کو آرام دہ کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارا جوتا کہاں ہے؟ تمہارے پاؤں سے خون نکل رہا ہے۔"

مومن پریشان ہوتا اس کے پاس چلا آیا۔ اس نے حیرت سے اپنا پاؤں

دیکھا۔اس کا پہلے اس طرف دھیان کیوں نہیں گیا۔اب چھپانا بے کار تھا۔سو اس نے مؤمن کو ساری بات بتادی۔

وہ دونوں اس وقت ماریہ کے روم میں بیٹھے تھے۔مومن ہاتھ کی مٹھی بنائے اس کے پیر کو دیکھ رہا تھا جبکہ وہ سر جھکائے خود بھی کچھ سوچ رہی تھی۔

"تو کیا وہ جیونگ ہون ایکسیڈنٹ میں مر گیا؟"مومن نے پوچھا۔

چیون سا جو چائے کا ٹرے ان کے سامنے رکھ رہی تھی اس کے ہاتھ میں لرزش سی آئی اور چائے ٹرے میں گر گئی۔وہ دونوں ایک ساتھ اپنی جگہ سے اٹھے۔

"آپ کو کیا ہوا ہے؟اچانک سے بارہ کیوں بج گئے آپ کے چہرے پر؟"مومن کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"وہ.... سر میرے بیٹے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔وہ ہسپتال میں ہے تو میں بس جانا چاہ رہی تھی۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ ہایون کی طبیعت خراب ہے۔میں آپ کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیتا۔"مومن کی حساسیت۔جبکہ ہایون کے نام پر ماریہ کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔ایک اچھا وقت۔

"پتا ہی ابھی چلا ہے۔"ان کی آواز بہت دھیمی اور بجھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"اچھا آپ فکر نہیں کریں۔میں ڈرائیور کو کہتا ہوں کہ وہ آپ کو ہاسپٹل چھوڑ دے گا۔"

"وہ....اگر ایک دن کی چھٹی مل جاتی تو....."

"ٹھیک ہے آپ کل چھٹی کر لیں کوئی بات نہیں۔"مومن نے مسکرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بہت شکریہ آپ کا۔" انہوں نے جواباً پھیکا سا مسکرا کر سر کو خم دیا۔
وہ چلی گئیں تو مومن ماریہ کی جانب متوجہ ہوا۔
"تم بیٹھو میں تمہیں بینڈج کر دیتا ہوں۔"
"میں خود کر لوں گی۔ آپ بھابھی کو دیکھ لیں۔ ان کی طبیعت خراب تھی۔" اس کے کہنے پر مومن نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس سب میں تو علیزے اس کے ذہن سے نکل ہی گئی تھی۔ وہ یکدم جھنجھلایا۔
"تم یہاں بیٹھو۔ میں اسے دیکھ کر آتا ہوں۔ پھر آ کر تمہارے پاؤں کو دیکھتا ہوں۔" وہ کہتے ساتھ ہی تیزی سے باہر نکل گیا۔ سیدھا اپنے روم میں آیا۔ روم میں آتے ہی اس کی نظریں بیڈ تک گئیں۔ اس نے دیکھا وہ پر سکون ہو کر سو رہی تھیں۔ مومن کے لبوں پر بھی پر سکون سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ جتنی تیزی سے آیا تھا۔ اتنے ہی آرام سے

دروازہ بند کر کے واپس مڑ گیا۔ پھر ماریہ کے کمرے میں آیا تو دیکھا وہ

خود پٹی کر رہی تھی۔

"میں منع کر کے گیا تھا نا کہ خود نہیں کرنا۔" خفا ہوتے ہوئے اس

نے اس کے ہاتھ سے فرسٹ ایڈ باکس لے لیا۔

"بھابھی کیسی ہیں؟"

"سو رہی ہے۔" مومن مسکرایا اور اسے پٹی کرنے لگا۔ ماریہ نے

نوٹ کیا وہ کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے آج بہت مسکرایا جا رہا۔"

"بات تو ہے۔ لیکن ابھی نہیں بتاؤں گا۔ رات کے کھانے پر سب کو

ایک ساتھ بتاؤں گا۔"

"یعنی واقعی ہی کوئی بات ہے۔ آہ.... کب گزرے گا یہ وقت اور

مجھے وہ گڈ نیوز سننے.... ایک منٹ.... گڈ نیوز..... رائٹ؟

مطلب.....بھائی.....کیا آپ.....آپ بابا بننے والے ہیں؟" وہ اچھل ہی تو پڑی تھی۔ مومن بے یقینی سے منہ کھولے اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ اب بھی شاکڈ تھا۔

"وہ میں بعد میں بتاتی ہوں۔ پہلے بتائیں کیا واقعی ہی میں پھوپھو بننے والی ہوں؟" آج ہونے والا سارا واقعہ ذہن سے نکل چکا تھا۔ اگر کچھ یاد تھا تو وہ یہ کہ اس کا بھائی بابا بننے والا ہے۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔ میں بابا بننے والا ہوں اور تم پھوپھو۔" بولتے ہوئے کتنا سکون تھا اس کی آواز میں۔ اس کی خوشی کا بخوبی اس کی آواز سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے مومن کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"آپ کو بہت مبارک ہو بھائی۔" اس کی آنکھیں خوشی سے چھلکنے کو تھیں۔ مومن نے اس کے گرد بازو کا حصار مظبوط کیا۔

"میں بہت خوش ہوں ماریہ۔ میرے لیے یہ دنیا کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ میں اس کو اپنے بہن بھائیوں سے شیئر کیے بغیر ادھورا نہیں رکھنا چاہتا۔ اس لیے پرامس کرو یہ خبر تم مجھے ہی سب کو بتانے دو گی۔" مومن نے آخری جملہ اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل یہ آپ کی خوشی ہے۔ اس پر آپ کا زیادہ حق ہے۔ آپ خود سب کو بتائیے گا۔" دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس ایک اچھی خبر نے پرانے سارے غم بھلا دیئے تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہسپتال میں ہر سو دوائیوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ نرسیں اور ڈاکٹرز بھاگ کر اپنا کام کر رہے تھے۔ ہر طرف مریض نظر آرہے تھے۔ کسی کو اسٹریچر پر لایا جا رہا تھا اور کسی کو وہیل چیئر پر۔ کسی کو کوئی

دوسرا شخص سہارا دیئے لے جا رہا تھا۔ ایسے میں ہسپتال کے ایک روم میں بیڈ پر وہ لیٹی ہوئی تھی۔ پیلی رنگت اور پژمردہ سی۔ اس کی گردن دائیں طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے ایک الگ ہی جہان آباد تھا۔

روشنی..... تیز روشنی..... کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔ وہ ایک راستہ تھا جس کے ارد گرد گھنے لمبے درخت تھے۔ روشنی اب آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی اور وہ اس راستے پر اس کے ہمراہ چل رہی تھی۔ یمان۔ وہ یمان تھا۔ بختاور کا ہاتھ تھامے وہ آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ یمان کی کسی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنستی اور وہ رک کر اس کی ہنسی دیکھتا۔ بختاور نے پیروں تک آتی سرخ رنگ کی فراک پہنی رکھی تھی۔ کانوں میں جھمکے اس کے کندھے کو چھو رہے تھے۔ بالوں کو ایک رومال میں قید کیا ہوا تھا پھر بھی چند لٹیں اس کے چہرے کو چھو رہیں

تھیں۔ پیروں میں ہیل پہنے ہوئے تھی جس کی وجہ سے اس خراب راستے پر چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ تبھی یمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے برعکس یمان نے آدھے آستین کی سفید شرٹ پہن رکھی تھی اور اوپر نیلے رنگ کی بغیر بازوؤں والی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ گردن کے گرد نیلے ہی رنگ کا مفلر تھا۔ وہ کوئی شہزادہ لگ رہا تھا جس نے اپنی شہزادی کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" اس نے چلتے ہوئے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں پوچھو۔" یمان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟" اب کے اس نے بھی یمان کو دیکھا۔

"اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ وہ کوئی ڈھلان اترتے جارہے تھے۔

"پھر بھی کتنی؟ کیا کر سکتے ہو تم میرے لیے؟"

"تم کیا چاہتی ہو کیا کروں میں تمہارے لیے؟"

"تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟ اممم........" وہ رک کر تھوڑی تلے انگلی کر رکھے سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

"کیا تم میرے لیے ساحل سمندر پر ایک خوبصورت سا گھر بنا سکتے ہو؟" اس کی فرمائش پر یمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بس اتنی سی خواہش؟ یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"تو کیا تم کرو گے؟" اس کی آنکھیں چمکیں۔ اور کتنی عزیز تھی یمان کو یہ چمک۔

"ہاں بالکل۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نا آج سے ہی یہ کام شروع کر دیا جائے۔ کیا خیال ہے؟" وہ چلتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"خیال تو اچھا ہے۔" اس نے ایک ادا سے کہا تو یمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ چلتے چلتے وہ اپنے گھوڑے تک آ چکے تھے۔ گھوڑے کا رنگ سفید اور وہ چمکدار تھا۔ یمان نے بختاور کا ہاتھ چھوڑا اور پھر اس کی گھوڑے پر بیٹھنے میں مدد کی۔ خود گھوڑے کی باگ پکڑ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے کہ اچانک ہی یمان نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور خود پیچھے ہٹ گیا۔

"یمان۔"

بختاور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ شانے اچکاتا مڑ گیا۔ وہ جا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ چلا جاتا تھا۔ اور پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا تھا۔ چند آنسوؤں اس

کی آنکھوں سے گالوں پر پھسلے لیکن وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"پلیز مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ رک جاؤ۔" اس نے کہنا چاہا لیکن اس کی آواز خود بخود ہی پست ہو گئی۔

"تم ہمیشہ مجھے چھوڑ جاتے ہو۔ پھر مڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ تمہارے چلے جانے سے میرا کیا حال ہوتا ہے۔" اس نے گھوڑے کو دوڑانا چاہا لیکن وہ نہیں دوڑا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

روشنی ایک بار پھر تیز ہوئی۔ اتنی تیز کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔ اب وہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ منظر دھندلا ہوا تو اس کی پلکوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اسے اپنے چہرے پر کچھ گرم سا محسوس ہوا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آنسو اس کی کنپٹی سے ہوتے ہوئے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

نیند میں

بھی گرتے

ہیں آنکھوں

سے آنسوؤں

تم خواب

میں بھی میرا ہاتھ

چھوڑ دیتے ہو

اس نے ذرا سی نظریں اٹھائیں تو عریش کو اپنے قریب بیٹھا پایا۔ وہ سو رہی تھی۔

"مجھے کیا ہوا ہے عریش؟" عریش نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔ یعنی وہ جاگ رہی تھی۔

"تمہیں ہوش آگیا۔ او شکر ہے۔" اس نے بختاور کا ہاتھ تھاما۔

"کیا مجھے ہارٹ اٹیک ہوا تھا؟"

"نہیں! اللہ نا کرے۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔" عریش نے اسے ذرا سا گھورا۔

"پھر کیا ہوا ہے؟ میں ہسپتال میں کیوں ہوں؟"

"اس لیے کہ تم بے ہوش ہو گئیں تھی اور یہ..... اسٹریس کی وجہ سے ہوا ہے۔ مطلب انگزائٹی اٹیک۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب تم ٹھیک ہو۔" عریش نے اسے تسلی دی تو وہ خاموش ہو گئی۔ پھر یاد آنے پر پوچھا۔

"ماں بابا کہاں ہیں؟"

"رات ہو رہی تھی۔ اور تمہیں ایک رات یہیں رکنا تھا تو میں نے انہیں گھر بھیج دیا کیونکہ ڈاکٹرز نے یہاں رکنے سے منع کر دیا تھا۔ بابا تو جا ہی نہیں رہے تھے۔ بڑی مشکل سے بھیجا ہے۔"

"ہمم۔" وہ گردن سیدھی کر کے چھت کو دیکھنے لگی۔

"ماں نے کہا تھا جب تمہیں ہوش آئے تو انہیں بتادوں۔ یہاں سگنلز کا ایشو ہے۔ میں باہر جا کر کال کر کے انہیں بتا آؤں۔ پریشان ہو رہیں ہوں گے۔"

"ہاں بتادو انہیں۔ انہیں کہنا میں ٹھیک ہوں اب پریشان نا ہو۔" بختاور نے کہا تو عریش سر ہلاتی باہر چلی گئی۔ تبھی کوئی دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ آنے والے کو دیکھ کر چونکی۔ اور پھر کتنے ہی منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"مے آئی کم ان سر؟" منہاج اپنے آفس میں بیٹھا کافی پی رہا تھا جب اس نے آواز سنی۔

"یس کم ان۔" اجازت ملتے ہی وہ ذرا ہچکچاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ وہ اپنے کل والے رویے پر بہت شرمندہ تھی۔ خفیف سا مسکراتی وہ اس کے ٹیبل تک آئی۔ منہاج کے لبوں کو ہلکی سی مسکان نے چھوا۔

"کہیے مس! میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" وہ اپنی مسکراہٹ چھپائے اس سے پوچھ رہا تھا۔ بیٹھنے کے لیے اس نے کہا نا وہ بیٹھی۔

"دراصل میں...... سوری کہنے آئی تھی۔ وہ اس دن۔"

"کل.....۔" بختاور نے رک کر اسے دیکھا۔ "یقیناً آپ کل کی بات کر رہی ہیں۔" منہاج نے اسے یاد کروایا۔

"جی میں کل کی ہی بات کر رہی ہوں۔ مجھے یوں آپ کے ساتھ بد تمیزی نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

''کوئی بات نہیں مس! آپ نہیں جانتی تھیں۔اب جان گئیں ہیں تو معذرت کرنے آگئیں ہیں۔'' منہاج مسکرایا۔ ''تو کیا آپ نے مجھے معاف کردیا؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آف کورس معاف کردیا۔ویسے آپ یہاں کسی فرم پر جاب کر رہی ہیں؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''میں یمان سر کی اسسٹنٹ ہوں۔'' اس کے بتانے پر منہاج کے لب ''اووہ'' میں سکڑے۔واپسی کے سفر پر وہ ایک بار پھر ماضی کی ایک خوبصورت یاد یاد کرکے ہنس دیا۔اس بات سے بے خبر کہ یہ ہنسی وقتی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

شام اپارٹمنٹ کی دیواروں پر آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔وہ اپنے بیڈ پر چت لیٹی ہاتھ میں ایک تصویر لیے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ سیورینہ کی

تصویر تھی۔اس کا واحد مخلص رشتہ،اس کی بہن جس کو مرے دو ماہ ہو چکے تھے۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے وہ ماضی میں کہیں بہت پیچھے چلی گئی تھی۔

یہ ایک گھر کا منظر تھا جہاں مکڑی کے جالے ہر طرف لگے ہوئے تھے۔دیواروں پر مختلف پینٹنگز لگائی گئیں تھی۔ہال نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔وہاں پر دو کرسیاں رکھی ہوئیں تھی جن میں سے ایک پر سارہ آفندی تمکنت سے بیٹھی ہوئیں تھی اور دوسری پر ہان یورا(تسبیحہ کا مسلمان ہونے سے پہلے والا نام) بیٹھی ہوئی تھی۔ سارہ آفندی مسکرا رہیں تھیں جبکہ وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"آنی یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔مطلب کسی کی جھوٹی محبوبہ بننا۔اور میں کیسے اس لڑکے سے محبت کر سکتی ہوں جسے میں نے کبھی دیکھا نہیں۔جانتی تک نہیں۔"

"کیا مشکل ہے یورا؟ بس تمہیں اس کے ساتھ محبت محبت کھیلنا ہے۔

اور پھر جب وہ تمہاری محبت میں بہت آگے نکل جائے گا تو تمہیں

اسے چھوڑ دینا ہے۔ توڑ دینا ہے۔"

"اس کا تو دل ٹوٹ جائے گا آنی..... یہ بہت مشکل ہے۔" وہ اس کے

لیے کسی صورت تیار نہیں تھی۔

"دل ہی تو توڑنا ہے۔ دیکھو یورا میری جان۔ تم بہت معصوم ہو۔ تم

اس دنیا کو نہیں جانتی۔ تمہیں اس لڑکے کی حقیقت ابھی میں بتا دوں

تو تم اسے قتل کرنے نکل جاؤ۔ لیکن یہ سب ضروری نہیں ہے۔

ضروری صرف یہ ہے کہ تمہیں اسے برباد کرنا ہے۔ صلہ اس کے

کیے کا۔" یورا لب کاٹتے ہوئے کسی سوچ میں لگتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو تم؟ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"اس نے ایسا کیا کیا ہے آنی جو آپ اسے اتنی بھیانک سزا دینا چاہتی ہیں۔ پتا ہے نا محبت میں مرنے والے دوبارہ کبھی زندہ نہیں ہو پاتے۔" وہ اپنی حساسیت کے ہاتھوں مجبور تھی۔

"یورا اس نے جو کیا ہے میں تمہیں اس بارے میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم بتاؤ کیا تم اس کے دل میں اپنی محبت ڈال سکو گی؟" یورا نے سارہ دیکھا۔

"محبت میں بے وفائی کی معافی نہیں ہوتی آنی۔"

"تمہیں اس کی معافی کی ضرورت ہونی بھی نہیں چاہیے۔ سمجھی میری بات۔" وہ درشتی سے بولتی یورا کو خاموش کروا گئی تھیں۔

"بولو.... تم کرو گی یہ کام یا میں سیورینہ سے کہوں۔"

"نہیں آنی۔ وہ بہت چھوٹی ہے۔ ایسی باتیں نہیں سمجھتی۔"

"تو پھر تم بتاؤ۔ تیار ہو۔" یورا نے برا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔ ورنہ میرا دل بالکل بھی نہیں مان رہا۔" وہ واقعی ہی غیر مطمئن نظر آتی تھی۔

"گڈ گرل۔" سارہ آفندی فاتحانہ مسکرائیں۔

"اچھا مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"وہ میں تمہیں بتادوں گی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

ماضی دھند بن کر اڑا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"میں جانتی ہوں مس سارہ آفندی! تم نے ہی میری معصوم بہن کو قتل کیا ہے۔ پہلے تم نے مجھے ٹریپ کیا۔ مجھے ہاشم کی زندگی میں اپنے بدلے کے لیے بھیجا۔ پھر جب مجھے اس سے سچی محبت ہوگئی تو تم نے مجھ پر الزام لگا کر مجھے اس گھر سے اور ہاشم کی زندگی سے نکلوادیا۔ تم نے میری معصومیت کا بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ پھر جب اس سے دل نا بھرا تو میری بہن کو بھی اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ اپنا کام ہوا تو

تم نے اسے مار دیا۔ میں جانتی ہوں جس دن میں تمہارے سامنے آ گئی۔ تم مجھے بھی مار دو گی۔ لیکن...... جب تک تمہارے بیٹے کے سامنے تمہاری حقیقت نہیں کھول دیتی۔ تب تک میں تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔ میں معصوم تھی، لیکن اب میں تم سے زیادہ خطرناک ہو گئی ہوں کیونکہ.... میرے پاس....... اب.... کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا... کچھ بھی نہیں۔" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ چھت کو دیکھ رہی تھی۔ آنسوں اس کی کنپٹی سے ہوتے ہوئے اس کے بالوں میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے ان بہتے آنسوؤں کو نہیں روکا۔ وہ سارے آنسوؤں بہا لینا چاہتی تھی تا کہ وہ سارہ آفندی کے سامنے کمزور نا پڑے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس میں سب رات کے کھانے کی ٹیبل پر اکھٹے ہوئے تھے۔

منہاج کو تقریباً ایک گھنٹہ ہو گیا تھا آئے ہوئے۔ وہ سب کھانے میں مصروف تھے جبکہ یمان اپنی پلیٹ میں چمچ ہلاتا ہوا کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔

"تم بتا رہے تھے کہ چیون سا چھٹی پر گئی ہیں تو یہ کھانا کس نے بنایا ہے؟" ہاشم نے منہ میں بریانی کا چمچ رکھتے ہوئے پوچھا۔

بریانی دیکھ کر منہاج کو گاؤں والا منظر یاد آگیا تو اس نے کوفت سے بریانی سائڈ پہ کر دی۔

"ہاں وہ آفس شیف کو کہا تھا۔ پھر وہی بنا کر دے گیا تھا۔" چیون سا پہلی دفعہ چھٹی پر گئیں تھی تو ان کی غیر حاضری بہت عجیب لگ رہی تھی سب کو۔

"یمان۔" اپنے نام کے پکارے جانے پر یمان نے سر اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

"بختاور کی طبیعت کیسی ہے اب؟" اس سوال پر منہاج نے بھی چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

"ٹھیک ہیں اب وہ۔ کل ڈسچارج ہو کر گھر چلی جائیں گی۔" بتا کر وہ پھر خاموشی سے پلیٹ پر جھک گیا۔

"کیا ہوا تھا مس بختاور کو؟" منہاج نے لہجہ سر سری بناتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں بس وہ کام کی وجہ سے اسٹریس ہو گیا تھا انہیں تو بس.....۔" ہاشم نے نارمل انداز میں بتایا۔ باقی سب خاموشی سے کھانا کھاتے رہے البتہ منہاج کی بے چینی میں اضافہ سا ہوا۔

"آہم آہم۔"

مومن نے کھنکھار کر سب کو دیکھا۔اس کی توقع کے عین مطابق سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔علیزے جو اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے بھی چونک کر مومن کو دیکھا۔

"کیا بات ہے میں نوٹ کر رہا ہوں تم کچھ زیادہ ہی مسکرا رہے ہو۔اور آج تو صاحب زادے آفس سے بھی جلدی گھر آ گئے تھے۔"ہاشم نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کان کھجاتا سر جھکا گیا۔البتہ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"ایکچوئلی......میرے پاس ایک خبر ہے....آپ سب کو بتانے کے لیے۔"علیزے کا دل زور سے دھڑکا۔البتہ باقی سب کھانا چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

ماریہ بھی پر جوش سی مومن کو دیکھ رہی تھی۔کب وہ اپنی زبان سے الفاظ ادا کرے اور کب وہ دوبارہ شاکڈ ہونے کی ایکٹنگ کرے۔

مومن کے منع کرنے پر اس نے علیزے کو بھی مبارک نہیں دی تھی۔

"یار بتا بھی دے کیا بات ہے؟" منہاج بھی اپنی پریشانی بھول کر متوجہ تھا لیکن اب اس کی خاموشی سے اکتایا تھا۔ مومن نے سر کو خم دیا اور پھر مسکرایا۔

"میں...... بابا بننے والا ہوں۔" سب کے منہ حیرت سے کھلے۔ مومن نے سب کو دیکھا۔ فرح نے علیزے کو دیکھا جو کنکھیوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا سچ کہہ رہے ہو؟" ہاشم نے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

"ارے مبارک ہو میرے بھائی کو۔" ہاشم اپنی جگہ سے اٹھا تو مومن بھی اٹھ گیا۔ ہاشم نے سختی سے مومن کو اپنے ساتھ لگایا۔ فرح نے علیزے کا ہاتھ پکڑا اور دونوں ایک ساتھ کھڑی ہوئیں۔

"مجھے یقین نہیں آرہا میں خالہ بننے والی ہوں۔" کہتے ساتھ ہی اس نے علیزے کو زور سے اپنے ساتھ لگایا۔ماریہ بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر علیزے کے پاس چلی آئی۔

"آپ کو پتا ہے بھابھی۔مجھے پھوپھو بننے کا بہت شوق تھا۔مجھے پھوپھو بنانے کے لیے شکریہ۔"فرح پیچھے ہوئی تو اس نے علیزے کو اپنے ساتھ لگایا۔سب اپنی اپنی پریشانی بھول بھال کر مومن کے ارد گرد اکھٹے ہو گئے تھے۔ہاشم ہٹا تو یاور نے اسے زور سے گلے سے لگایا۔

"بھئی میرے تو دو رشتے ہیں بچے کے ساتھ۔"

"ہاں ہاں تم اس کے چاچو پلس خالو بھی ہو۔"سب کے لبوں پر مسکان اور آنکھوں میں نمی تھی۔

مجھے چاچو بنانے کے لیے شکریہ بھائی۔" یمان نے بھی اسے گلے لگاتے ہوئے مبارک دی تو ساتھ سے حماد نکلا اور ان دونوں کے گرد بازو حمائل کر لیے۔

"بھئی میں بھی تو چاچو بننے والا ہوں کوئی مجھے بھی مبارک دے دو۔" حماد نے کچھ اس ادا سے کہا تو سب کا قہقہہ بلند ہوا۔

"ہٹو سامنے سے۔ رش لگا دیا تم لوگوں نے۔ میں اس کا بڑا پاپا ہوں اور تم لوگ مجھے ہی راستہ نہیں دے رہے۔" منہاج نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر انہیں سائڈ پہ کیا اور خود مومن کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"ابھی کل ہی کی بات تھی تم چھوٹے سے تھے اور آج تم ابا جی بننے جا رہے ہو۔" منہاج بالکل کسی بڑی اماں کی طرح کہہ رہا تھا۔ ان سب کے لبوں سی مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

"تمہیں اباجی بننا مبارک ہو۔" مومن کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آئی۔

"آپ کو بھی مبارک ہو علیزے۔" ہاشم نے مسکرا کر اسے مبارک دی جسے اس نے سر کے خم سے قبول کیا۔ وہ سب ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل سے کچھ فاصلے پر ایک دیوار پر ٹنگی تصویر میں دو نقوش مسکراتے ہوئے اپنے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔ مومن نے ایک نظر تصویر کو دیکھا تو ادھر چلا آیا۔

"ماں، بابا۔" بات شروع کرنے سے پہلے ہی اس کے آنسوں نکل آئے۔

"میں بہت خوش ہوں مما۔ آپ دونوں کے بغیر یہ خوشی ادھوری ہے۔ آپ ہوتیں، بابا ہوتے تو یہ خوشی کتنی مکمل ہو جاتی۔ آج اس

خوشی کے موقع پر مجھے آپ دونوں بہت یاد آرہیے ہیں۔ کیا آج کا دن آپ دونوں آ نہیں سکتے۔ کہیں سے آجائیں نا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ سب بھی اس کے ساتھ آکر کھڑے ہو گئے۔ ہاشم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"جب آپ کو پہلی دفعہ یہ گڈ نیوز ملی ہو گی تو آپ دونوں بھی ایسے ہی خوش ہوئے ہونگے۔ کیوں اتنی جلدی چلے گئے آپ دونوں۔ کوئی ایک خوشی تو ہماری دیکھی ہوتی۔ کوئی ایک ......" اس سے زیادہ اس سے بولا نہیں گیا۔ وہ بچوں کی طرح رونے لگا تو ہاشم نے بھینچ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ سب رو رہے تھے۔ خوشی جتنی بھی بڑی ہو لیکن اتنی بڑی خوشی پہ ماں باپ کی کمی انسان کو رلا ہی دیتی ہے۔ حماد اور منہاج نے ایک دوسرے کو گلے سے لگایا تو وہ بھی بڑے بھائی کی

آغوش میں آکر بلک بلک کر رونے لگا۔ یمان نے ماریہ کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں ہمیشہ یہی تاثر رہا تھا جیسے اس کی ماں اس کی وجہ سے اس دنیا سے گئیں تھیں۔ یمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگا یا۔ کتنا چاہتے تھے اس کے بھائی اسے۔ وہ اس بات پر رب کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔ ابھی ان سب کو رونا تھا۔اور وہ رہے تھے۔

ان کے ماں باپ نا ان کے غموں میں ان کے ساتھ تھے اور نا ان کی خوشیوں میں ان کے درمیان تھے۔اور غم ہر غم سے بڑا تھا ان لوگوں کے لیے۔ لیکن بالآخر ان سب کو خود کو سنبھالنا تھا۔اور یہی حقیقت تھی۔

وہ سب ایک بار پھر کھانے کی ٹیبل پر واپس آچکے تھے۔ دل کا غبار نکل گیا تو وہ سب کافی ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔ کھانا ختم ہوا تو یاور نے حماد کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

"حماد! تم جس لڑکی کو پسند کرتے ہو اسے انفارم کر دینا۔ ہم تین ستمبر کو جائیں گے تمہارے لیے اس کا ہاتھ مانگنے۔"

"جی ٹھیک ہے بھائی۔ میں انہیں بتادوں گا۔" یاور نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سب بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور کچھ ہی دیر میں اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔

فرح اور یاور سونے کی تیاری میں تھے جب دروازے پر دستک ہوئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر یاور نے آجاؤ کہا تو آنے والے نے اندر قدم رکھا۔ وہ ماریہ تھی۔

"تم اس وقت؟ خیریت؟" وہ جھجکتے ہوئے ان کے قریب چلی آئی۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔" کہہ کر اس نے دونوں کو باری باری دیکھا۔ فرح سمجھتے ہوئے وہاں سے اٹھنے لگی۔

"میں باہر ہوں۔ جب تک تم دونوں بات کرلو۔"

"نہیں فرح! آپ بھی یہیں بیٹھیں۔" دونوں نے چونک کر اک دوسرے کو دیکھا۔

"میرے اس راز کی آپ پہلی ہمراز ہیں۔"

"کیا بات ہے بولو۔" فرح واپس بیٹھی تو یاور نے پوچھا۔

"بھائی! جنگلوک نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" اس نے رک کر دونوں کے تاثرات دیکھے لیکن وہاں خاموشی تھی۔ اسے اچھنبا ہو۔

"اس لیے وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے پیرنٹس کو ہمارے گھر بھیج دے اس رشتے کے لیے۔" یاور نے سن کر سر ہلایا۔

"میں ہاشم بھائی سے بات کروں گا پھر اگر انہیں اعتراض نا ہوا تو تم اسے آنے کے لیے کہہ دینا۔" یاور نے کہا تو اس کی آنکھیں چمکیں۔ یقیناوہ خوش ہوئی تھی۔ وہ سر ہلاتی اور ان کا شکریہ ادا کرتی باہر چلی آئی۔

"جنگکوک اچھا لڑکا ہے۔ماریہ سے محبت بھی کرتا ہے۔میرے خیال سے وہ غلط انتخاب نہیں ہو گا۔"ماریہ کے جانے کے بعد فرح نے کہا تو یاور نے اسے دیکھا۔

"میں بھائی سے بات کر کے ہی کچھ سوچوں گا۔"کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔وہ وہیں بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

سورج طلوع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا جب گاؤں میں لوگ اپنے اپنے کاموں کے لیے نکل چکے تھے۔ایسے

میں کھیتوں کے درمیان دو لڑکیاں چہل قدمی کرتی ہوئیں نظر آ رہیں تھیں۔ایک نے کورین کلچر کا لباس پہنا ہوا تھا۔جبکہ دوسری لڑکی نے انگوری رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔اور دوپٹا سامنے پھیلا رکھا تھا جس پر انگوری اور سنہرے رنگ کی لائنیں بنی ہوئیں تھیں۔

بالوں کی اونچی پونی کیے ہوئے وہ باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ البتہ چہرہ کسی بھی قسم کے میک اپ سے عاری تھا۔ وہ بغیر میک اپ کے بھی خوبصورت تھی۔ ترکش لڑکیوں کی طرح اس کا قد لمبا تھا جبکہ ساتھ والی اس کے کندھے تک مشکل سے پہنچ رہی تھی۔

"آپ تو آج چلی جائیں گی شہر واپس اور میں پھر سے بور ہوتی رہوں گی۔" سویون نے سامنے دیکھتے ہوئے افسردہ سا ہو کر کہا۔

"میں تو پورا ہفتہ بھی شہر میں ٹک کر نہیں بیٹھتی۔ دیکھنا دو دن میں دوبارہ تمہیں یہیں دِکھوں گی۔" اس نے اپنی ازلی مسکراہٹ سے کہا۔ شاید یہ مسکراہٹ اسے ورثے میں ملی تھی یا پھر مصنوئی تھی۔ سویون کبھی فیصلہ نہیں کر سکی۔

"پہلے آپ جب شہر جاتی تھیں تو آپ اپنے گھر جاتی تھیں۔ لیکن اب آپ شہر میں کسی اور کے لئے جا رہی ہیں۔ جب تک اسے ڈھونڈ نہیں

لیں گی۔ آپ واپس نہیں آئیں گی۔" وہ ویسی ہی سنجیدگی سے کہتی رہی جبکہ محمل کے قدم وہیں رک گئے۔ مسکراہٹ اب ہونٹوں سے غائب تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے 'سویون؟" وہ بولی تو آواز بالکل دھیمی تھی جیسے خود سے بات کر رہی ہو۔

"کیونکہ میں جانتی ہوں آپ کو منہاج بھائی سے پہلی نظر والا ون سائیڈڈ لو ہو گیا ہے۔" اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا لیکن مسکراہٹ میں چھپی افسردگی واضح تھی۔ محمل نے رک کر اسے دیکھا جو اس سے چند قدم آگے مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی اس تک آئی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ چھوڑو اس بات کو۔"

"چھوڑ دیا۔" پھر دونوں مسکرا دیں۔

"اچھا اگر اب اس کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو تم سے ایک بات پوچھوں؟" محمل نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے گردن موڑ کر محمل کو دیکھا۔

"پوچھیے۔"

"دادی جان نے اس پر کونسے احسان کیے ہیں۔ وہ کن احسانوں کا ذکر کر رہا تھا؟" اس نے دانستہ اس کا نام نہیں لیا۔ سویون نے رک کر اسے دیکھا۔

"کہیں بیٹھتے ہیں۔" وہ دونوں ایک گھاس سے بھری جگہ پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"منہاج بھائی دس سال کے تھے جب ان کی والدہ کی ڈیتھ ہو گئی۔ یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ جس وجہ سے ان کا ذہنی توازن متاثر ہوا۔ وہ اکثر شام کو گھر سے نکل جاتے تھے۔ اور رات گئے دیر

تک باہر رہتے اور پھر صبح کے قریب گھر جاتے۔" سویون نے کہنا شروع کیا۔

"ایک دن وہ تین دن تک گھر واپس نہیں گئے اور یہاں گاؤں میں چلے آئے۔تب میری عمر سات سال تھی۔ ہم سب بچے شام میں کھیتوں میں کھیلنے چلے آتے تھے۔ایک دن اسی طرح ہم کھلینے نکلے تو میں نے دیکھا،ایک بچہ گندم کی فصل میں بیٹھا گھٹنوں پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا۔میں ذرا قریب آئی تو مجھے پتا چلا وہ کچھ بول رہا ہے۔دھیان سے سننے سے معلوم ہوا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"وہ کیا کہہ رہا تھا؟" سویون کے چپ ہونے پر محمل نے پوچھا تو وہ ماضی کے سمندر میں غوطے کھاتی ہوئی اکیس سال پیچھے چلی گئی۔شام کے وقت پرندے اپنے گھروں کو جاتے ہیں لیکن وہ دس سال کا معصوم بچہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا اور ساتھ ساتھ کہہ رہا تھا۔

"کوئی مجھے میری ماں لادو۔ مجھے ان کے بغیر گھر سے خوف آتا ہے۔ ماں لادو۔ میرا گھر ویران ہے۔ کوئی ماں لادو۔" اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ خود بھی کانپ رہا تھا۔ تین دن سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا اور بھوک کا اسے احساس نہیں تھا۔ وہ سات سال کی چھوٹی سو یون چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔

"سنو! تم کیوں رو رہے ہو؟" منہاج نے سر نہیں اٹھایا البتہ خاموش ضرور ہو گیا تھا۔

"سنو تم یہاں سے باہر نکلو۔ کوئی زہریلا کیڑا وغیرہ کاٹ لے گا۔ مجھے ہاتھ دو۔" اس نے معصومیت سے کہتے ہوئے اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ لیکن اس نے نا ہی اسے دیکھا، نا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ سو یون نے خود اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔ اسے لگا اس نے کوئی دہکتا ہوا کوئلہ پکڑ لیا ہو۔

"تمہیں تو تیز بخار ہو رہا ہے۔ تم کیسے اپنے ساتھ اتنا ظلم کر سکتے ہو۔ دیکھو تم کانپ بھی رہے ہو۔ چلو میرے ساتھ گھر چلو۔" گھر کا سنتے ہی منہاج نے اسے خراساں نظروں سے دیکھا۔

"گھر نہ........ نہیں۔ گھر نہیں جاؤں گا۔ گھ... گھر قبرستان ہے.... ماں.... ماں نہیں ہے وہاں۔ میں.... میں یہیں رہوں گا۔"

سویون نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ ایک سال پہلے ہی تو اس نے اپنے ماں باپ کو کھو دیا تھا۔ وہ اس تکلیف سے کیسے انجان بن سکتی تھی۔ وہ وہیں اس کے پاس بیٹھ گئی۔

میری بھی ماں نہیں ہے۔" منہاج نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

"لیکن میں اسی گھر میں رہتی ہوں۔ کیونکہ میرے پاس ایک محبت کرنے والی دادی ہیں۔ تم میرے گھر چلو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بہت تیز بخار ہے تمہیں۔ جلس رہے ہو تم بخار میں۔" منہاج

نے اس کے چہرے پر کرب کھوجا اور وہ واضح تھا۔اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ وہ بنا کچھ بولے اٹھ گیا۔

سویون نے محمل کو دیکھا۔وہ رو رہی تھی۔آنسوں خود بخود اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔

"کیا پھر وہ تم لوگوں کے گھر چلا آیا؟"

"ہاں! وہ چار دن ہمارے ساتھ رہے تھے۔دو دن تو بخار کی وجہ سے وہ نیم بے ہوش رہے۔پھر دو دن تک وہ مکمل ٹھیک ہو گئے۔لیکن چہرے پر افسردگی اور پژمردگی ویسی ہی تھی۔دادی جان نے دن رات ایک کر دیئے تھے اس تیمارداری میں۔"

"پھر وہ واپس کیسے گیا؟" محمل کو عجیب سا تجسس ہو رہا تھا۔محمل کے پوچھنے پر ایک بار پھر سے سویون نے ماضی میں جھانکا۔

"تم گھر کیوں نہیں چلے جاتے بیٹا۔ اب تو تمہاری طبیعت بھی ٹھیک ہو گئی ہے۔" دادی جان نے بہت محبت اور اپنائیت سے کہا۔

"کیا دو دن میں ہی آپ مجھ سے اکتا گئیں؟" اس کا لہجہ روکھا سا تھا۔

دادی جان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"میں نہیں اکتائی۔ بس تمہارے گھر والوں کا خیال پریشان کر رہا ہے۔ وہ تمہیں ڈھونڈ رہیں ہوں گے۔ ایک بار گھر چلے جاؤ۔ پھر ان کے علم میں یہ بات ڈال کر کہ تم میرے پاس رہو گے کچھ دن تو آجانا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ گھر میں سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔" وہ کھویا کھویا سا تھا۔

"لیکن جس گھر میں ماں نہیں ہوتی وہ گھر بھلا گھر کیسے ہوا؟"

"اس گھر میں تمہارا باپ تو ہے نا۔ وہ بھی تو اس سانحے سے گزرا ہے۔" لفظ باپ پر منہاج نے دادی جان کو دیکھا۔ وہ ساکت ہو گیا تھا۔

ہاں! اس کا باپ بھی تو اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ تو پھر بیوی کے مرنے کے بعد ان کا کیا حال ہوا ہو گا۔ کیسے سنبھالا ہو گا انہوں نے خود کو۔ ماں کا غم الگ۔ میری فکر الگ۔

"تم مجھے اپنی ماں ہی سمجھو اور یہ تمہاری بہن۔" دادی جان نے پاس کھڑی سویون کی طرف اشارہ کیا تو اسے یاد آیا۔

ہاں اس کی ایک بہن بھی تو تھی۔ اس کی چھوٹی بہن جو محض سات دن کی ہے۔ کس نے خیال رکھا ہو گا اس کا۔ سب اپنے دکھ میں کیا اسے بھول گئے ہوں گے۔ اس کی حسیات آہستہ آہستہ جاگنے لگی تھیں۔

"بیٹا تم جب چاہو تم یہاں آ جانا۔ لیکن ابھی اپنے گھر والوں کی پریشانی دور کر دو۔"

"م.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" یہ اس کا ان کے گھر چوتھا دن تھا جب اس نے خود بول کر کہا تھا کہ اسے بھوک لگ رہی ہے۔ ورنہ تین دن تو مشکل سے ایک دو نوالہ خلق میں اتارتا تھا۔ دادی جان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ تب ان میں ہمت تھی کہ وہ اٹھ کر کچن میں جا کر کھانا بنا سکیں۔

"تم بھائی کے پاس بیٹھو، میں ذرا اس کے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔" کہہ کر وہ اٹھ گئیں۔ منہاج نے آج جی بھر کر کھانا کھایا تھا اور پھر سونے کے لیے اٹھ گیا۔ جاتے ہوئے بس اس نے یہ کہا.....

"میں کل صبح شہر واپس جا رہا ہوں۔" کہہ کر وہ چلا گیا۔ دادی جان نے مسکرا کر جاتے ہوئے اسے دیکھا۔ مخمل نے سویون کو دیکھا۔

"میں سوچ رہی ہوں جب وہ اپنے لوگوں میں واپس گیا ہوگا تو ان کے کیاری ایکشن ہوں گے۔سب نے سکھ کا سانس لیا ہوگا۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ماں کے دس سال بعد جب ان کے بابا کی ڈیتھ ہوئی تھی تب بھی وہ یہاں آ گئے تھے۔ایک رات رک کر گئے تھے۔دادی جان سے بہت محبت کرتے ہیں۔انہوں نے ایک بیٹا کھویا تو منہاج بھائی کی صورت میں انہیں ایک اور بیٹا مل گیا۔"سویون بتا رہی تھی جبکہ وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔افسردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

اسے اپنا قصہ ماضی یاد آگیا تھا۔یہاں سب کی اپنی اپنی کہانیاں ہیں۔یہاں سب کے اپنے اپنے دکھ ہیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

سول میں بھی دھوپ ویسی ہی تھی جیسی گاؤں میں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کبھی بارش ہوئی ہی نہیں۔ سورج کی شعاعیں شیشے کی اس دیوار نے خود پر روک رکھیں تھیں جس کے اس پار ہاشم اور منہاج آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں شیشے کا ایک ٹیبل رکھا ہوا تھا۔ ہاشم دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر تھوڑی تلے رکھے منہاج کو دیکھ رہا تھا جو فائل پر جھکا اسے پڑھ رہا تھا۔

"کب ہے میٹنگ؟" فائل پہ جھکے ہی اس نے پوچھا۔

"پانچ ستمبر کو۔"

"ہم ابھی ہمارے پاس پورے پانچ دن ہیں۔ تب تک ہم اس کی تیاری کر لیں گے۔" ہاشم اس کی بات سن کم اسے دیکھ زیادہ رہا تھا۔ کھوجتی ہوئی نظریں۔

"ہاں کافی وقت ہے ہمارے پاس۔" ہاشم نے کہا تو منہاج نے فائل اس کی جانب بڑھادی۔ جسے ہاشم نے پکڑ لیا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں ایسے؟ نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟" ہاشم کو مسلسل اپنی طرف دیکھتا پا کر منہاج نے پوچھا تو اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"پریشان لگ رہے ہو تم؟ سب ٹھیک ہے؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے مجھے کیا ہونا ہے؟"

"تو پھر تمہارا چہرہ اتنا اترا ہوا کیوں لگ رہا۔"

"شائد تھک گیا ہوں اس لیے۔ کل گاؤں گیا تھا تو......۔"

"پوری رات تھی اس تھکن کو اتارنے کے لئے۔" ہاشم نے اس کی بات کائی تو منہاج رک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا تو......

"مجھے لگتا ہے میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔" ہاشم نے پہلے نا سمجھی سے اسے دیکھا پھر فوراً سیدھا ہوا۔

"ایک منٹ.....ت.... تم..... منہاج تم..... تم کسی لڑکی کو پسند کرنے لگے ہو۔"

"ہاں کیوں میں نہیں کر سکتا؟" منہاج نے اسے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو یہ صرف آپ کی جاگیر نہیں ہے۔

"نہیں مطلب..... تمہیں دیکھ کر کبھی ایسا لگا نہیں کہ تم.....۔"

"ہاں کیونکہ میں اسے چھپ چھپ کر نہیں دیکھتا تھا۔" منہاج نے کہہ کر سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی اسکرین چمکادی۔

"کون ہے وہ؟ کیا میں جانتا ہوں اسے؟" منہاج نے اسکرین نیچے کر کے ہاشم کو دیکھا۔ ایک نا ایک دن تو یہ بات اس نے کسی نا کسی کو تو بتانی تھی تو ابھی بتادے۔ یہی سوچ کر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"مس بختاور۔ یمان کی پی اے۔" ہاشم کو شاک سا لگا۔

"واہ! اچھی چوائس ہے تمہاری۔ لیکن......" جین نے گلا کھنکارا۔

"لیکن؟"

"اگر... مس بختاور کا باس اسے پسند....."

"کم آن بھائی۔ وہ لیونا کو پسند کرتا ہے۔" منہاج نے ناگواری سے ہاشم کی بات کاٹی تو وہ خاموش ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا یمان لیونا کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن اگر وہ لیونا کو پسند نہیں کرتا تھا تو ضروری نہیں تھا کہ وہ بختاور کو پسند کرتا ہو۔ یہی سوچ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے وہ لیونا کو پسند کرتا ہو۔"

"ویسے کب تک ارادہ ہے تمہارا شادی کا؟"

"میں نے بختاور سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی کبھی۔"

"تو کب کرو گے۔ جلدی کر لو کہیں ایسا نا ہو کہ...."

"اف بھائی۔ کیوں ڈرا رہے ہیں؟" منہاج نے اکتا کر کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔ البتہ ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہری ہوئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنے بیڈ پر چت لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ آج صبح ہی ہاسپٹل سے گھر آئی تھی۔ ڈاکٹر نے دو دن ریسٹ کا کہا تھا تو وہ آج آفس نہیں گئی تھی۔ لیکن کل ہاسپٹل کے کمرے میں جو ملاقاتی آیا تھا وہ اسے زندگی بخش گیا تھا۔

"مسٹر یمان احمد درانی! تو میں نے بالآخر آپ کو ہرا دیا۔" اپنی بات پر وہ خود ہی ہنس دی تھی۔

ادھر حماد نے عریش کو اپنی فیملی کے آنے کا بتایا تو وہ خوش بھی تھی اور ایکسائیٹڈ بھی۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ دن کے اختتام کی طرف جا رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○

ہاسپٹل کے آفس کے باہر شام اتر رہی تھی اور اسی کے ساتھ ایک بار موسم پھر سے خراب ہو گیا تھا۔ جیو نگ ہون نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو اسے اپنا سر بھاری ہوتا محسوس ہوا۔ ایک چہرہ دھندلا سا اپنے دائیں طرف اسے نظر آیا۔ اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں تو وہ وجود اب واضح نظر آنے لگا تھا۔ جیو نگ ہون کے ساکت ہونٹ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

"م.......ماں۔" وہ کتنی دیر بعد اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا لیکن پہچان گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی، پھر حیرت، پھر دکھ اور پھر غصے نے جگہ لے لی۔

"کیوں آئیں ہیں آپ یہاں ؟ یہ دیکھنے میں زندہ ہوں یا مر گیا؟ اور پلیز ایسے ری ایکٹ مت کریں جیسے آپ کو میری بہت پرواہ ہے۔" اس

کے الفاظ چیون سا کو تکلیف دے رہے تھے۔ وہ رو دینے کو تھی جب جیونگ ہون کے آخری جملے نے ان کے آنسو روک دیئے۔

"ابھی ابھی تمہیں ہوش آیا ہے۔ تمہیں آرام کرنا چاہئے۔" جیونگ نے طنزیہ مسکراہٹ سے اپنی ماں کو دیکھا۔ اور ماضی کی کتنی تکلیف دہ یادیں اس کے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ سر میں شدید قسم کا درد اٹھا تھا۔ اس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"بہت آرام کیا ہے میں نے۔ اب سب کو بے آرام کرنے کا وقت آگیا ہے۔" چیون سا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"خیر! دیکھ لیا آپ نے میں زندہ ہوں۔ اب آپ جائیں پلیز۔ آپ کو دیکھ کر مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے رخ پھیر لیا تو چیون سا کے رکے آنسو تیزی سے ان کے گالوں پر بہنے لگے۔

"چوبیس سال کی تھی میں جب میرے ماں باپ نے میری شادی کر دی۔ گیارہ سال تک میں اولاد کے لیے ترسی۔ پینتیس سال کی عمر میں تم میری گود میں آئے۔ تم دو سال کے ہوئے تو تمہارے بابا کینسر کے مریض بن گئے اور تمہاری تیسری سالگرہ پر وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ اور پھر جب تم پندرہ سال کے ہوئے تو تم بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ دس سال سے میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔ دس سال کی اس جدائی نے مجھے بوڑھا کر دیا اور تم ایسے رخ پھیر رہے ہو جیسے تم مجھے جانتے نہیں۔ کیا تمہیں کبھی میری یاد نہیں آئی؟"

"جب میں آپ کو جانتا ہی نہیں تو یاد کیوں آئے گی۔" آواز دھیمی لیکن لہجہ کاٹ دار تھا جس نے چیون سا کے دل کے دو حصے کر دیئے تھے۔

"اتنے سنگدل کیوں بن رہے ہو؟ ماں ہوں میں تمہاری۔"

"توماں صاحبہ! آپ اس وقت کہاں تھی جب آپ کے مالک کا بیٹا بے رحمی سے مجھے مار رہا تھا۔اور آپ خاموشی سے ایک طرف کھڑی ہو کر یہ سارا منظر دیکھتی رہیں۔آگے نہیں آئیں۔آخر آتی کیوں۔ آپ تو بہت وفادار تھیں نا اپنے مالکوں کی۔آپ کو میری تکلیف کیونکر محسوس ہوتی۔" اس کا لہجہ اجنبی اور ٹوٹا ہوا تھا۔

"بہت بدگمان ہو گئے ہو تم مجھ سے۔"

"میں بدگمان ہوا ہوں ماں؟ میں؟" جیونگ نے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا پھر استہزایہ مسکرا دیا۔

"پہلے شک تھا مجھے لیکن اب یقین ہو گیا ہے۔ان لوگوں نے میری ماں کو مجھ سے چھین لیا ہے۔اگر ایسا نا ہوتا تو آپ ان دس سالوں میں ایک دفعہ تو میرے پاس آتیں۔"

"آئی تو ہوں۔تمہاری تکلیف نے تڑپایا مجھے تو میں چلی آئی۔"

"لیکن اب مجھے آپ کی ضرورت نہیں رہی۔" کہتے ہوئے اس کا لہجہ اجنبی ہو گیا تھا۔

"تم اتنے سنگدل کب سے ہو گئے 'ہایون؟"

"جیو نگ ہون۔" اس نے سختی سے تصحیح کی تو چیون سا کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں۔ وہ واقعی ہی ان کا بیٹا نہیں تھا۔ وہ کھو چکی تھیں اسے۔ اسی رات جس رات فرقان ہاؤس سے اسے نکال دیا گیا تھا۔ ہاں وہ ہایون نہیں تھا۔ وہ جیو نگ ہون تھا۔ وہ ایک ملازمہ کا بیٹا ہایون نہیں تھا۔ وہ بزنس مین جیو نگ ہوں تھا۔

چیون سا نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کئے۔

"وہ.......اچھے لوگ ہیں جیو نگ ہون۔ ان کی بہن کو کچھ مت کہنا۔" وہ استہزایہ ہنسا۔

"اچھے لوگ۔ان اچھے لوگوں کو اب اپنی اچھائی کی سزا تو بھگتنی ہو گی۔جیسے.....میں نے اپنی محبت کی سزا بھگتی ہے بالکل ویسے ہی وہ بھی بھگتیں گے۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"میرا کام تھا تمہیں نصیحت کرنا۔اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔مجھے مان ہے تم پر کہ تم ان کے ساتھ ظلم کی حد پار نہیں کرو گے۔" کہتے ہوئے انہوں نے جیونگ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا جسے اس نے جھٹک دیا۔چیون سا کا دل ایک دم سے مردہ ہو گیا تھا۔وہ مرے مرے قدموں سے باہر جانے لگی جب جیونگ ہون کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔

"مجھے بھی تو آپ پر مان تھا۔کیوں توڑا آپ نے وہ مان؟" وہ شکستگی سے بولا۔وہ رکیں لیکن مڑی نہیں۔آنسو کا ایک ریلا چیون سا کی آنکھوں میں آیا۔اس کی بات مکمل ہوتے ہی وہ باہر چلی گئیں۔

جیونگ نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ماضی کی تلخ یادیں دماغ کو چاٹنے لگیں تھیں۔ماضی ہمیشہ عذاب ہی کیوں بن کر سامنے آتا ہے۔ کبھی تو وہ کوئی اچھی یاد اپنے ساتھ لائے۔

"میں برا نہیں تھاماں مجھے برا بنایا گیا ہے۔میں معصوم پیدا ہوا تھا۔ میری معصومیت آپ کی سنگدلی نے چھین لی۔رحم کے لیے میں نے فرقان کے بیٹوں کی طرف نہیں دیکھا تھا۔آپ کی طرف دیکھا تھا۔ کیوں منہ موڑ لیا تب آپ نے۔کیوں انہیں نہیں روکا۔"آنسو اس کی کنپٹیوں میں جذب ہونے لگے تھے۔

"یمان......وہ تم ہی تھے نا جس نے مجھے میری ماں سے دور کیا۔ہر بار تم ہی ہوتے ہو۔ تمہیں حساب دینا ہو گا۔"یمان کے نام پر اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑکنے لگے۔کوئی بھی انسان اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ خوبیاں اور خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔اچھے لوگ سارے اچھے

نہیں ہوتے اور برے لوگ سارے برے نہیں ہوتے۔ جیونگ کا بھی ایک ماضی تھا جہاں وہ ایک اچھا انسان تھا۔

○○○○○○○○○○○○○

چیون سا واپس آ گئیں تھیں۔ گھر والوں نے اس کے بیٹے کی خیریت کا پوچھا اور اگر انہیں مالی امداد کی ضرورت ہے تو وہ بھی بتا دیں۔ اس سے زیادہ نا انہوں نے پوچھا اور نا چیون سا نے بتایا۔ یہ اس سے دوسرے دن کی بات ہے جب مومن آفس سے واپس آیا تو علیزے کو روتے ہوئے پایا۔ وہ گھبرا کر لیپ ٹاپ صوفے پر رکھ کر تیزی سے اس کے قریب چلا آیا۔

"علیزے کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟ رو کیوں رہی ہو؟" وہ گھٹنوں پر سر رکھے رو رہی تھی۔ مومن نے اس کا کندھا پکڑ کر اسے سیدھا کرنا چاہا لیکن وہ نہیں ہوئی۔

"یار کچھ بولو تو میں پریشان ہو رہا ہوں۔" وہ واقعی ہی ایک دم سے بہت پریشان ہو گیا تھا۔ علیزے نے سر اٹھا کر مومن کو دیکھا۔ آنکھیں سوجھی ہوئیں تھی اور ناک بھی سرخ ہو رہی تھی۔

"دیکھو کیسے بچوں کی طرح رو رہی ہو تم؟ کیا ہوا ہے؟" علیزے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نرمی اور تفکر سے پوچھا۔

"وہ مر گئی......۔"

"کون مر گئی؟"

اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"اس نے.... اس نے کہا تھا وہ مر جائے گی اور.... اور وہ مر گئی۔"

"علیزے تم کس کی بات کر رہی ہو؟" مومن نے سائڈ ٹیبل پر رکھی کتاب نہیں دیکھی تھی۔

"وہ......وہ میرے ناول کی ہیروئن ہے جو آجکل میں پڑھ رہی ہوں۔" اس نے گیلی سانس اندر کھینچی۔ جبکہ مومن منہ کھولے شاکڈ سا اسے دیکھے گیا۔ جیسے کہہ رہا ہو "سیریسلی۔"

"علیزے میں یہاں پریشان ہو گیا تھا اور تم...... تم محض اس لئے رو رہی ہو کہ.....او میرے خدایا.... شکر ہے کہ تم نے مجھے صبر کا حوصلہ دیا ہے۔" وہ شاک سے نکلا تو طمانیت سے مسکرایا۔ جبکہ علیزے اسے خفا سی گھور رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو......

"ہاں یہ آپ کے لیے چھوٹی بات ہو سکتی ہے میرے لیے نہیں۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی دروازے پر دستک ہوئی تو دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

"آجائیں۔" دروازے سے فرح اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھا جس میں دودھ کا گلاس تھا۔

"وہ میں علیزے کے لیے دودھ لے کر آئی تھی۔" وہ ہچکچاتی اندر آئی۔اس کے برعکس علیزے کا حلیہ مختلف تھا۔وہ ایک بڑی چادر میں چہرہ ڈھانپے اندر آئی تھی جبکہ علیزے کے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔اور دوپٹا سائڈ پر رکھا ہوا تھا۔

"تم رو رہی تھیں؟" وہ ابھی پوری طرح اندر بھی نہیں آئی تھی جب اس نے علیزے کی متورم آنکھوں کو دیکھا۔مومن مسکراتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا اور وہ مومن کی چھوڑی ہوئی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"اس نے کہا تھا وہ مر جائے گی اور وہ مر گئی۔" مومن نے کہا تو دونوں نے گردن موڑ کر مومن کو دیکھا جو علیزے کے دائیں اور فرح کے بائیں جانب کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔علیزے نے خفگی اور فرح نے نا

سمجھی سے اسے دیکھا۔اور پھر جب سمجھ آئی تو اس نے علیزے کو دیکھا

اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے ناول کو۔

"علیزے تم.... تم ناول پڑھ کر۔" پھر وہ خود ہی ہنس دی۔

"سوری لیکن یہ آپ کی وائف کی پرانی عادت ہے۔اس معاملے میں

بہت چھوٹا دل ہے اس کا۔" وہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"اب دودھ یاد سے پی لینا۔" کہہ کر وہ چلی گئی۔

مومن پھر سے اس کے قریب چلا آیا۔

"تو میری مسز....اتنے کمزور دل کی ہیں کہ وہ ایک ناول کے کردار

کی موت پر رو دیتی ہیں۔" وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے بولا۔وہ خفا آنکھوں سے مومن کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کیا پتا......ناول پڑھنے والی لڑکیاں جذباتی ہی ہوتی ہیں۔

اسے اپنی کہانی کے ہر کردار سے محبت ہوتی ہے۔اور کچھ کے ساتھ تو

جذباتی وابستگی ہونے لگتی ہے۔ پھر ان کے دکھ پر رونا تو آئے گا نا۔"

اس کے خفا سے نین نقش مومن کو اس وقت پاگل کر رہے تھے۔

اس نے علیزے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کے ہاتھ بہت گرم

تھے۔

"کیا تھوڑی سی جذباتی وابستگی اس غریب کے لیے بھی ہے

یا..... نہیں؟" اس نے مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میرا سب کچھ آپ ہی کے لیے تو ہے۔ میرے سارے جذبات،

احساسات، محبت اور.......۔"

اس نے رک کر مومن کی آنکھوں میں دیکھا تو خاموش ہو گئی۔ ان

میں کچھ مسحور کن تھا۔ اس میں مزید بولنے کی سکت رہی بھی نہیں

تھی جس دیوانگی سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور....۔"

"آ.....اور یہ کہ........مجھے یہ.......سائیڈ ٹیبل پر رکھا گلاس پکڑا دیں۔" وہ جانے کیا سننے بیٹھا تھا لیکن علیزے کے بات بدلنے پر وہ خاصہ بدمزہ ہوا، پھر مسکرا دیا۔ سائیڈ ٹیبل سے اسے گلاس پکڑا کر ناول بھی اٹھالیا۔ اور وہاں سے جانے لگا۔

"میرا ناول لے کر کہاں جا رہے ہیں؟"

"اسے لاکر میں رکھنے لگا ہوں تاکہ تم دوبارہ ان افسانوی کرداروں کے لیے یوں جان توڑ کر نا رو سکو۔"

"لیکن مجھے یہ پورا تو پڑھنے دیں۔" وہ شاکڈ تھی۔

"اب آپ ناول نہیں پڑھیں گی محترمہ۔"

"لو بھلا یہ کوئی بات ہوئی۔ یہ تو ایسے ہے جیسے آپ میرا دل نکال کر کہہ رہے ہیں۔ اس کے بغیر جیو۔" اس نے خفگی سے منہ بسورا تو وہ اس کی اعلی مثال پر ہنس دیا۔

"مجھے بھی کتابوں سے لگن ہے لیکن ایک حد تک۔ اس لیے میں آپ کے کتابوں سے لگاؤ کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن بندہ دن میں ایک دو گھنٹے پڑھتا ہے۔ یہ سارا دن....۔"

"ہاں تو میں کیا کروں۔ سارا دن گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں۔ یہی کروں گی نا۔ آپ بھی صرف دو دفعہ فون کرتے ہیں اور دس منٹ حال چال پوچھ کر فون بند۔" وہ روہانسی ہوئی تو مومن کو احساس ہوا۔ وہ واقعی ہی گھر میں تنہا ہوتی ہے۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ بولا۔

"کل سے تم آفس چلو گی میرے ساتھ۔"

"ہیں..... کیا واقعی ہی؟" وہ خوشی سے اچھل ہی تو پڑی تھی۔

"ہاں واقعی ہی۔" وہ بھی جواباً مسکرا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تم جانتے بھی ہو جنگلوک کون ہے؟"

وہ سب رات کا کھانا کھا چکے تو سونے کے لیے اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔ لیکن یاور روم میں جانے کے بجائے ہاشم کے روم میں چلا آیا تھا۔ وہ دونوں کھڑکی کے پاس رکھی ونگ چیئرز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اس نے ہاشم کو ماریہ اور جنگلوک کے بارے میں بتایا۔ پہلے تو وہ شاکڈ ہوا اور پھر ناگواری سے پوچھا۔

"جانتا ہوں۔ سارہ آفندی کا بیٹا ہے وہ۔ اور وہ ہماری ممانی ہیں۔" (بد قسمتی سے)

"وہ تسبیحہ کا کزن بھی ہے۔ ان کی فیملی میں کوئی بھی بھروسے کے لائق نہیں ہے۔" ہاشم نے ناگواری سے کہا۔

"وہ صرف تسبیحہ کا کزن یا سارہ آفندی کا بیٹا نہیں ہے بھائی۔ وہ ہمارے ماموں کا بیٹا بھی ہے۔ مما کا بھتیجا۔"

"جب ان لوگوں نے ماما کے اسلام قبول کرنے پر انہیں چھوڑ دیا تھا تو وہ کیوں ماریہ کو جنگکوک کی زندگی میں قبول کریں گی؟"

"جنگکوک اسلام قبول.......۔"

"تم مجھے یہ مت بتاؤ کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ ماریہ کو ہم ان لوگوں میں بھیجیں گے جنہوں نے ماں سے تعلقات توڑ دیئے اور پھر مڑ کر ان کی اولاد کی طرف بھی نہیں دیکھا۔"

"بھائی میں یہ سب نہیں سوچ رہا۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ ماریہ جنگکوک سے محبت کرتی ہے۔ سن رہے ہیں نا آپ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ وہ جنگکوک سے محبت کرتی ہے۔ اور میں اپنی بہن سے اس کی محبت چھین کر اس کا دل نہیں توڑ سکتا۔" یاور کا انداز قطعی تھا۔

"لیکن وہ ساری زندگی ان لوگوں کے ساتھ کیسے گزارے گی یاور؟ وہ اسے ٹارچر کریں گے۔"

"جنگکوک اس سے محبت کرتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری بہن کو ہرٹ نہیں کرے گا۔" لہجہ اتنا پر یقین تھا کہ ہاشم کو خاموش ہونا پڑا۔

"ٹھیک ہے بلالو ان لوگوں کو لیکن..... اگر ماریہ کو کوئی تکلیف پہنچی تو میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گا اور اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔" ہاشم نے تنبیہ کی تو اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

وہاں کچھ دیر تک خاموشی چھا گئی تھی۔ جسے ہاشم نے توڑا۔

"مجھے تمہیں..... کچھ بتانا تھا۔" اب ہاشم کا لہجہ ذرا نارمل تھا۔

"کیا؟"

"ہمارے منہاج کو..... محبت ہو گئی ہے۔" یاور واقعی ہی حیران ہوا تھا۔

"مجھے لڑکی کا نام جاننے میں دلچسپی نہیں ہے۔ پہلے میں اس بات کو ہضم کرنا چاہتا ہوں کہ منہاج بھائی کو محبت ہو گئی ہے۔" ہاشم اس کی بات سن کر ہنس دیا جبکہ وہ ابھی تک اس کی بات ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہو گئی ہضم.... اب بتائیں لڑکی کا نام کیا ہے؟"

"وہ چاہتا ہے کہ لڑکی کا نام سب کے سامنے خود بتائے۔ لیکن سب سے پہلے وہ اس لڑکی سے بات کرنا چاہتا ہے۔" یاور نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"اوکے میں چلتا ہوں۔ بہت نیند آرہی ہے۔" وہ جمائی لیتے ہوئے اٹھ گیا تو ہاشم نے اسے گڈ نائٹ کہتے ہوئے

دروازہ بند کر دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

آج عریش کو دیکھنے کے لیے وہ لوگ آرہے تھے لیکن بختاور کو چھٹی نہیں ملی تھی۔ پہلے سے ہی دو چھٹیاں کر لینے کے بعد وہ مزید چھٹی کر بھی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے وہ دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"اگر تمہیں کسی کی ضرورت ہوئی تو تم اپنی دوست عنایہ کو بلا لینا۔" عنایہ کے نام پر کمبل کی تہہ لگاتے عریش کے ہاتھ تھمے۔ پھر اگلے ہی پل وہ سنبھل کر بولی۔

"ضرورت ہوئی تو ضرور بلالوں گی لیکن تمہارے باس نے اچھا نہیں کیا۔ مطلب اب اگر ایک بہن کے اتنے بڑے دن پر دوسری بہن نہیں ہو گی تو خاک مزہ آئے گا۔" عریش نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"پہلے ہی دو چھٹیوں کے بعد جا رہی ہوں تو.......۔"

"تو وہ تو تم بیمار تھیں نا۔"

"اچھا ٹھیک ہے اب زیادہ موڈ نا آف کرو۔ بس تم جلدی سے کام وغیرہ سمیٹو اور پھر اچھے سے تیار ہونا۔"

"ہاں کھانا تو لوگ بنائیں گے نا جیسے۔"

"باہر سے منگوا لینا اور ویسے بھی ابھی وہ بس دیکھنے آرہے ہیں۔ جب دیکھنے آتے ہیں تب بس بیکری کی چیزوں سے خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ تب کوئی کسی کو کھانا کھلا کر نہیں بھیجتا۔" عریش اس کی بات پر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر تاسف سے سر ہلایا۔

"تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ پکا کسی پاکستانی لڑکی سے دوستی کر لی ہو گی تم نے۔ تبھی ایسے مشورے دے رہی ہو۔" بختاور اسے دیکھ کر زیر لب مسکرا دی۔

"ہاں ہے تو۔ آفس میں ہے پاکستانی لڑکی۔ ہماری طرح مڈل کلاس گھرانے سے تعلق ہے اس کا۔ میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتی ہے۔ بہت باتونی ہے۔ کچھ پوچھو نا پوچھو خود ہی بتاتی جاتی ہے سب کچھ۔"

وہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

" صحیح ہے بھئی۔ اب تم پاکستانی رسم و رواج اپناؤ گی۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔" عریش نے منہ کے زاویے بگاڑے۔

"کیوں کیا تمہیں پاکستان کے لوگ پسند نہیں ہیں؟" بختاور نے اسے گھورا۔

"کیوں بھئی۔ میں نے کیوں پاکستان کے لوگوں کو ناپسند کرنا ہے۔ خاص طور پر اس ملک کے لوگ جو میری بہن کو بہت پسند ہو۔ جس کا ڈریس، کلچر، کھانے وغیرہ میری بہن شوق سے اپنائے بیٹھی ہے۔"

بختاور نے فخر سے گردن اکڑا کر کہا تو عریش اسے دیکھ کر رہ گئی۔ جبکہ بختاور ہنس دی۔

عریش کو اصل غصہ اس کے آج کے دن آفس جانے پر تھا اس لیے وہ اس کی باتوں کے جواب میں مسکرانے سے گریز کر رہی تھی۔

oooooooooooooooo

پھر لمحے یونہی گزرتے گئے۔ دن کے بارہ بجے وہ سب ایک ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرقان ہاؤس سے فرح، یاور اور حماد ہی آئے تھے۔ ابھی وہ ہاتھ مانگنے آرہے تھے تو وہ نہیں چاہتے تھے کہ زیادہ لوگ جائیں۔ ایک صوفے پر حماد اور یاور بیٹھے ہوئے تھے ایک پر نفیسہ بیگم اور فرح بیٹھیں ہوئیں تھیں۔ ایک صوفے پر وجاہت صاحب ذرا رعب سے بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں نے جتنا آپ لوگوں کے بارے میں سنا ہے مجھے تو آپ لوگ اچھے لگے ہیں۔اس لیے میرے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" وہ یقیناً عریش کا ہاتھ مانگ چکے تھے جس کے جواب میں وجاہت صاحب نے کہا تھا۔حماد کی متلاشی نظریں اسے ڈھونڈ رہیں تھیں جو اپنے روم کی کھڑکی سے ڈرائنگ روم کا منظر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہاں سے صرف اسے نفیسہ بیگم اور فرح ہی نظر آ رہے تھے۔

"تو کیا پھر ہم ہاں ہی سمجھیں۔" یاور نے ذرا ہچکچا کر پوچھا۔

"ہاں! آج سے میری بیٹی میرے ہی پاس آپ لوگوں کی امانت ہے۔" وہاں پر مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم منگنی کے حوالے سے بھی آج ہی طے کر لیں۔" وجاہت صاحب نے کہا تو یاور نے حماد سے نظریں ہٹا کر

انہیں دیکھا۔ وہ منگنی والی رسم سے منع کرنا چاہتا تھا لیکن نہیں کر سکا۔

یہ ان کی خوشی تھی اور وہ کسی کی خوشی خراب نہیں کر سکتا تھا۔

"بالکل آپ کہیے ہم سن رہے ہیں۔" اس نے سر کو زرا سا خم دیا۔

"اس مہینے کی سترہ تاریخ کو میں چاہتا ہوں یہ منگنی ہو جائے اور اکتوبر کی درمیانی تاریخوں میں شادی رکھ لیتے ہیں۔ تب تک بچوں کے ایگزام بھی ہو جائیں گے۔" وہ تو بہت آگے کی سوچ بیٹھے تھے۔

"وجاہت صاحب یہ کچھ زیادہ ہی جلدی نہیں کر رہے آپ؟" نفیسہ نے خفگی سے دیکھا تو وہ مسکرا دیئے۔

"نفیسہ بیگم جب منگنی کر دینی ہے تو پھر اس کو اتنی دیر تک لٹکا کر رکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہ معاملات ایسے ہی طے ہوتے ہیں۔"

ابھی تو وہ مسکرا کر خاموش ہو گئیں۔ یاور نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ ان کی بات سے اتفاق کیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں یہ ملاقات ختم ہو گئی تھی۔ لیکن حماد کو عریش کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

"میری بیٹی کوئی بوجھ تو نہیں جو آپ یوں سر سے اتار کر پھینک رہے ہیں۔" مہمانوں کے جاتے ہی نفیسہ نے وجاہت صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا۔ عریش جو ڈرائنگ روم سے چیزیں وغیرہ اٹھانے آئی تھی، وہیں دروازے پر رک گئی۔

"میں نے کب کہا کہ میری بیٹی مجھ پر بوجھ ہے نفیسہ۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔" وہ تاسف سے سر ہلاتے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آپ کو ایک سال تو رک جانا چاہیے تھا نا۔ بختاور بڑی ہے۔ ہمیں پہلے اس کا سوچنا چاہیے نا کہ عریش کا" "شادی بڑے اور چھوٹے کو

دیکھ کر نہیں کی جاتی نفیسہ بیگم۔ یہ قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ جنہیں ہمیں سر جھکا کر قبول کرنا ہوتا ہے۔"

"لیکن اتنی جلدی شادی....."

"موت اور نکاح کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ ان دو چیزوں کو کوئی دعا، کوئی تعویذ نہیں روک سکتا۔ آپ جا کر عریش کو بتائیں اور منگنی کی تیاری کریں۔" وہ نہیں گئیں۔ وہیں بیٹھیں دکھ سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں۔

"آہ نفیسہ بیگم آہ! وہ لوگ اچھے لوگ ہیں۔ میں اس حق میں نہیں ہوں کہ منگنیاں سال دو سال تک رکھی جائیں۔ جب ہر چیز بہتر ہے تو ہم کیوں درمیان میں رکاوٹ بنیں۔ اگر میں آج کہتا ہوں کہ شادی تین سال بعد کریں گے تو شاید وہ اس پر خاموشی سے رضامندی دے دیں۔ لیکن..... میں ہر بات میں انہیں کیوں قربانی کا بکرا بناؤں۔

ہماری بیٹی کو ایک اچھا سسرال مل رہا ہے تو اسے خوشی اور اپنی دعاؤں سے رخصت کرو۔ اگر اچھا رشتہ مل گیا ہے تو کیا فرق پڑتا ہے کہ پہلے عریش کی ہو یا بختاور کی۔ تم اتنی ٹیپیکل کیوں بن رہی ہو۔" اب وہ خاموش ہوئے تو انہوں نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ قائل وہ ابھی بھی پوری طرح نہیں ہوئیں تھیں لیکن خاموش ہو گئیں تھیں۔

"اللہ بہتر کرے گا۔ حماد اچھا لڑکا ہے۔ عریش خوش رہے گی۔" انہوں نے اپنی بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ جبراً مسکرا دیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

موسم کے چال چلن پھر سے بدلنے لگے تھے۔ وہ دونوں نند بھابھی ایک بینچ پر بیٹھی ہوئیں تھیں۔ ماریہ دور دوستوں کے درمیان کھڑے جنگلوک کو دیکھ رہی تھی جبکہ فرح آسمان کو۔

"یہ سول میں ہر وقت بارش کیوں ہوتی رہتی ہے؟" اس نے آسمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ لیکن جواب نا آنے پر اس نے گردن موڑ کر ماریہ کو دیکھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں جنگکوک کو۔

"اٹریکٹیو ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پاس بیٹھی بھابھی کو نظر انداز کر دو۔" فرح کی بات پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فرح کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"کچھ کہہ رہیں تھیں آپ؟" کتنی معصومیت سے پوچھا تھا۔ فرح کچھ لمحے تو اسے دیکھتی رہی، پھر مسکرا کر سر جھٹکا۔

"ہاں میں کہہ رہی تھی کہ شاید آج پھر بارش ہونے والی ہے۔"

"ہاں موسم ایک دم سے خراب ہو گیا ہے۔" اس نے تائید کی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" ایک لڑکی نے وہاں بیٹھتے ہوئے کہا تو ماریہ نے پہلے اسے دیکھا اور پھر فرح کو۔

"میرے خیال سے آپ یہاں بیٹھ چکی ہیں۔" ماریہ کو اس کا انداز بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ لڑکی نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے دیکھتی رہی۔ ماریہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو...... اس کے اعصاب تن گئے۔ وہ جنگلوک کو دیکھ رہی تھی۔ نا جانے کیوں اسے اتنی جلن ہوئی تھی۔

"تم یہاں اس لڑکے کو دیکھنے کے لیے بیٹھی ہو؟" خود پر کنٹرول کرتے ہوئے اس نے اس لڑکی سے پوچھا۔

"اپنے کام سے کام رکھو مسلمان لڑکی۔" اس نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔ جو ماریہ کو بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے رخ پھیر کر بائیں جانب بیٹھی فرح کو دیکھا جو ابھی تک آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے غور نہیں کیا وہ مسکرا رہی تھی۔ یقیناً وہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔

"ہم دونوں یہاں تنہا بیٹھیں تھیں اور تم ہماری پرائیویسی ڈسٹرب کر رہی ہو۔" ماریہ کی پوری کوشش تھی کہ وہ اٹھ کر چلی جائے۔ لیکن وہ بھی کوئی ڈھیٹ تھی۔ قدرے ناگواری سے اس نے ماریہ کو دیکھا۔

"اوہو! تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تم اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو۔" کہہ کر وہ پھر جنگکوک کو دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ ماریہ اسے غصے میں کچھ کہتی اس نے نوٹ کیا فرح نے اپنا ہاتھ منہ تک لے جا کر واپس گود میں رکھ دیا ہے۔ یہ حرکت اس نے اپنی ہنسی روکنے کو کی تھی۔ ماریہ کو مزید غصہ آیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ لڑکی نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کی نظریں دور تک ماریہ کو دیکھتی رہیں۔ اس کا رخ جنگکوک کے گروپ کی طرف تھا۔

"تو تم آرہے ہو نا آج شام کلب میں؟" وہ شاید کسی پارٹی کی بات کر رہے تھے تبھی لیو نے اسے آنے کا پوچھا۔

"ہاں میں.....۔"اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اس نے بہت غصے سے ماریہ کو اپنی جانب آتے دیکھا۔اس کے بات اُدھوری روکنے پر سب دوستوں نے مڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف جنگکوک دیکھ رہا تھا۔

"جنگکوک کیا مجھے آپ کے پانچ منٹ مل سکتے ہیں؟"وہ اپنا غصہ کنٹرول کرنے کے باوجود بھی نہیں کر پائی تھی۔

"شیور.....۔"وہ تو پہلے ہی بات کرنے کے لیے بے تاب رہتا تھا سو بغیر کسی سوال کے وہ اس کے ساتھ ایک سائیڈ کو چل دیا۔لیکن اس کے انداز پہ ذرا چونکا ہوا بھی تھا۔ماریہ کا جنگکوک کو وہاں سے لے جانا چینگ من کو بری طرح چبھا تھا۔لیکن اب وہ خاموشی کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔جنگکوک کے ساتھ جاتے ہوئے ماریہ نے رک کر اس لڑکی کو ضرور دیکھا تھا۔وہ دور سے بھی دیکھ سکتی تھی کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔اس نے دو انگلیوں کا وی بنا کر ہاتھ بلند کیا۔

ماریہ کو عجیب حیرت ہوئی تھی جبکہ فرح بھی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی کہیے آپ کو مجھ سے کیا کہنا تھا؟" وہ جنگکوک کو وہاں سے لے تو آئی تھی لیکن اب سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کہے۔ تو خاموش رہی۔

جنگکوک کے پکارنے پر اس نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ لڑکی کون تھی؟"

"کون لڑکی؟" جنگکوک نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"وہ جو وکٹری کا نشان بنا رہی تھی۔"

"کون وکٹری کا نشان بنا رہی تھی؟"

"اوہو جنگکوک! وہ آپ کو دیکھ رہی تھی۔ کیوں دیکھ رہی تھی؟" اس کے انداز میں ابھی تک جلن تھی۔ قدرے اکتا کر پوچھا۔

"اب کوئی.... لڑکی مجھے دیکھ رہی ہے تو.....اس میں میرا..... کیا قصور ہے ؟"اندر ہی اندر وہ اس کی جلن کو انجوائے کر رہا تھا لیکن بظاہر وہ انجان بن رہا تھا۔

" بالکل ہے۔آپ کا ہی قصور ہے۔لڑکیوں کو اتنا فری کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔فضول میں اتنے دوست بنائے ہوئے ہیں آپ نے۔"وہ غصے سے رخ موڑے کہہ رہی تھی۔جنگکوک کی مسکراہٹ اس کے لبوں میں دبی ہوئی تھی۔اس کا جی چاہا ایک بار زور سے ہنس دے لیکن ابھی نہیں۔پہلے ہی آگ بھڑک رہی تھی۔وہ اس میں پٹرول نہیں ڈال سکتا تھا۔

"ایک بار شادی ہو لینے دیں۔پھر کوئی دیکھ کر دکھائے آپ کی طرف۔"وہ روانی میں بولتی چلی گئی جبکہ جنگکوک کو زبردست شاک لگا تھا۔اس نے اپنے بولے گئے جملے پر ذرا غور کیا تو کنکھیوں سے

جنگکوک کو دیکھا جو منہ کھولے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کا جی چاہا سامنے بنی دیوار میں سر دے مارے۔اس نے کمال ضبط سے آنکھیں میچ لیں اور ایک لمبا سانس لیا۔

"شیور۔آپ بالکل شادی کے بعد ان لڑکیوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیجیئے گا یا پھر.....ان کی آنکھیں نکال لیجیئے گا۔" وہ شاک سے نکل چکا تھا۔اب مسکراہٹ روکے اسے مشورہ دے رہا تھا۔کول لگ رہا تھا۔

"میں.....میں نکال بھی دوں گی۔میں آپ کے معاملے میں بہت پوزیسیو ہوں۔" ایک بار پھر اس نے اپنی غلطی پر سختی سے آنکھیں بند کی۔جنگکوک ہونٹوں کو باہم ملائے، مسکراہٹ روکے اسے دیکھ رہا تھا۔

"م.....میرا مطلب.....اوکے ٹھیک ہے۔" اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔"ہاں ٹھیک ہے بھئی...ہوتی ہے جیلسی...ہو رہی ہوں

میں جیلس۔اب کیا کروں؟"اس نے جیسے اعتراف کیا۔اب جنگکوک کی مسکراہٹ گہری بھی ہوئی اور ظاہر بھی۔وہ جو اس کی طرف سائڈ کیے کھڑی تھی، جنگکوک اس کے بالکل سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"آپ کو جیلس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میں صرف آپ کا ہوں اور آپ ہی کا رہوں گا۔"اس نے نگاہیں اٹھا کر جنگکوک کو دیکھا۔اور پھر دیکھے گئی۔

"ویسے...اگر کوئی لڑکی.... فرض کریں.... کوئی لڑکی مجھے پوری یونیورسٹی کے سامنے پرپوز کرے تو......"

"سات ستمبر کو اپنے والدین کو لے کر آجایئے گا ہمارے گھر۔"تلملا کر کہتی وہ وہاں سے جانے لگی جب جنگکوک نے بے اختیار اسے پکارا۔

"ماریہ...۔"انداز ایسا تھا کہ ماریہ کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ رک تو گئی لیکن مڑی نہیں۔ وہ چل کر اس کے قریب آیا لیکن فاصلہ برقرار تھا۔

"کیا واقعی ہی میں سات ستمبر کو آپ کے گھر آؤں؟"

"کیوں کیا یہ زیادہ جلدی ہے؟"اس نے تیورا کر پوچھا۔"یا پھر آپ کسی پرپوز کا انتظار کر رہے ہیں؟"دوسری بات پر جنگکوک نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔(شرارتی)

"نہیں۔ دراصل میں تو چار ستمبر یعنی کل آنے کا سوچ رہا تھا۔"

"ٹھیک ہے آپ فرح سے ان کا نمبر لے لیں۔ پھر وہ بھائی سے بات کر کے آپ کو آنے کا کہہ دیں گی۔"

"شیور۔ تو کیا ہے (آپ کی کھسکی ہوئی) بھابھی کا نمبر۔"جنگکوک کے کہنے پر اس نے اسے نمبر لکھوایا اور پھر وہاں سے چلی آئی۔ جنگکوک

وہیں کھڑا دیر تک یونہی مسکراتا رہا۔ ماریہ نے آکر فرح کو بتایا کہ وہ جنگلوک کو اس کا نمبر دے آئی ہے تو اس نے محض "ہوں" میں سر ہلا دیا۔

"وہ لڑکی چلی گئی کیا؟" وہ لڑکی اسے کہیں نظر نہیں آئی تو اس نے فرح سے پوچھ لیا۔ اس کے سوال پر فرح نے اپنی مسکراہٹ کو روکا۔ کیونکہ وہ ماریہ کو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ لڑکی اسی کے کہنے پر وہاں آئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ کتنی دیر سے بے چین سا اپنے آفس روم میں ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس بہانے سے بختاور کو اندر بلائے اور اس سے اس کی طبیعت کا پوچھے۔ وہ صبح کافی دینے آئی تو وہ کسی سے میٹنگ کے حوالے سے ضروری کال پہ تھا۔ تب وہ پوچھ نہیں سکا اور

دوبارہ کوئی بہانہ نہیں ملا۔اس سے مزید رہانا گیاتوخود ہی باہر آگیا۔

اب اس کارخ بختاور کی ٹیبل کی طرف تھا۔وہ اپنے کمپیوٹر پر جھکی تیزی سے ٹائپ کرتی جارہی تھی۔چہرے پر ڈھیروں اطمینان لیے وہ یمان کو حیران کرگئی تھی۔اس نے کسی کی آمد کے احساس سے سر اٹھا کر دیکھاتووہ اسی طرف آرہاتھا۔کام چھوڑ کر وہ اس کاانتظار کرنے لگی۔

آج سارے احساس، جذبات الگ تھے۔اس ملاقاتی نے بختاور کی زندگی بدل دی تھی۔وہ خوش تھی لیکن یمان کے سامنے مصنوعی سنجیدگی اختیار کیے بیٹھی رہی۔

وہ اس کے ٹیبل کے قریب آکر پاس سے گزر گیا۔بختاور نے شاکڈ ہو کر گردن موڑی۔وہ ایک ورکر کے پاس کھڑا کسی فائل پر سائن کر رہا تھا۔بختاور نے گردن سیدھی کرکے ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔

"اوہائے مس بختاور۔" وہ دوبارہ وہاں سے جانے لگا تو بختاور کے ٹیبل کے پاس رک گیا۔ یمان کے پکارنے پر وہ اپنی نشست پر کھڑی ہو گئی۔

"کیسی طبعیت ہے آپ کی؟" انداز مصنوعی حیرت لیے ہوئے تھا۔

"میں ٹھیک ہوں سر۔ بہت شکریہ۔" ہاتھ سامنے کو باندھے ذرا جھک کر شکریہ کہا۔ کورین لوگوں کا یہ انداز بہت خوبصورت ہے۔

"اچھا لگا سن کر کہ آپ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اچانک سے آپ کی طبیعت کو کیا ہوا تھا؟"

"اچانک تو نہیں ہوا تھا۔ بس آپ نے غور ہی نہیں کیا۔" اس نے دل میں سوچا۔

"آئی ڈونٹ نو سر۔" اس نے شانے اچکائے۔

"ٹھیک۔اوکے آپ کام کریں۔" کہہ کر وہ اپنے آفس کی طرف چلا گیا تو وہ بھی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔اب وہ پریشان نہیں تھی۔کوئی سکون سا اس کے دل میں اترا ہوا تھا۔

oooooooooooooo

رات نے ایک دفعہ پھر سول کو اپنی کالی چادر سے ڈھک دیا تھا۔دن کے وقت جو موسم خراب تھا۔اس کی وجہ سے ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ایسے میں ایک خوبصورت نفوس اپنے اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ تھی۔کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا لیکن ٹیبل پر لیمپ آن تھا۔اس کے سفید چہرے پر پڑتی روشنی اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔آج چاند آسمان پر نہیں تھا، لیکن جنگکوک کو دیکھ کر لگ رہا تھا زمین پر آگیا ہے۔

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ محبت کے اس سفر میں میں تنہا نہیں ہوں۔ آپ نے اس سفر میں میرا ہاتھ تھاما ہوا ہے۔ کس مان کے ساتھ، کس یقین کے ساتھ۔" لکھ کر اس نے کرسی کے پیچھے ٹیک لگا لی۔ پھر کسی احساس کے تحت اس نے سر کچھ ذرا سا موڑ کر بیڈ کی طرف دیکھا جہاں وہ بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ چہرے پر نقاب نہیں تھا لیکن حجاب کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں پیر

سامنے کو کیے پیچھے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے جنگکوک کو دیکھ رہی تھی۔ وہ حیران نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ رات کو اسے اپنے کمرے میں نظر آتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھو سے گئے تھے۔

"آپ کو اپنے کمرے میں اتنی دفعہ دیکھ چکا ہوں۔ سوچتا ہوں جس دن آپ واقعی ہی اس کمرے میں میری بن کر آجائیں گی تو کیا میں

اس لمحے پر یقین کر سکوں گا۔" وہ اٹھ کر جنگکوک کی طرف آ رہی تھی۔ قدم قدم اس کی طرف بڑھاتی رک گئی۔ پھر اپنا رخ کھڑکی کی طرف موڑ دیا اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ ہوا کے ساتھ بارش بھی اندر آئی۔ اس نے کھلکھلا کر جنگکوک کی طرف دیکھا۔ وہ بھی

مسکراتے ہوئے

اس کے قریب چلا آیا۔ اب ایک پٹ کے ساتھ وہ لگی کھڑی تھی اور دوسرے کے ساتھ جنگکوک۔

"پتا نہیں کب ہمارے درمیان یہ فاصلے ختم ہوں گے جنہیں میں خیالوں میں بھی عبور نہیں کر پاتا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ پتا نہیں ہمارے درمیان یہ فاصلے ختم ہوں گے بھی یا۔۔۔۔۔"

اپنے جملے پر جنگکوک نے جھرجھری سی لی۔اس نے جنگکوک کو بچوں کی طرح جھرجھری لیتے دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس دی۔اس کی ہنسی پورے روم میں گونج اٹھی تھی۔

"میں آپ کے ان خوبصورت قہقہوں کو حقیقت میں سننا چاہتا ہوں جو ہر وقت میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔"

پھر ماریہ نے اپنے بایاں ہاتھ باہر نکالا۔بارش کے پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے اس کے ہاتھ میں جمع ہونے لگے۔اسے دیکھ کر جنگکوک نے بھی اپنادایاں ہاتھ باہر نکالا۔وہ مسلسل مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔پھر وہ دونوں چلتے ہوئے قریب آئے لیکن ذرا سا فاصلہ ابھی بھی برقرار تھا۔ان دونوں کے ہاتھ دعا کی صورت میں اٹھے ہوئے تھے لیکن ہاتھوں کے درمیان میں بھی فاصلہ تھا۔

"آپ کی یہ معصومانہ ادائیں کسی دن میری جان لے لیں گی۔"

ماریہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آپ کے چہرے کی یہ مسکراہٹ ہر منظر دھندلا دیتی ہے۔"

وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پایا۔ باہر بارش میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

بارش ان کو مکمل طور پر بھگا رہی تھی۔

"یہ بارشیں آپ کے ہونے سے حسین ہیں۔"

ماریہ نے پانی سے بھرا ہاتھ جنگکوک کی طرف اچھال دیا۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اچھل کر پیچھے ہوا۔ وہ ہنستے ہوئے اپنے قدم پیچھے لے جا رہی تھی۔ جنگکوک نے پہلے اپنی بھیگی شرٹ کو دیکھا پھر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"کیا آپ آج رات رک نہیں سکتیں؟" کیسی منت تھی۔ کیسی آس تھی۔ ماریہ نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلا یا۔ جنگکوک سے اس کے جانے کا منظر نا دیکھا گیا تو اداس سا ہو کر بیڈ پر آ کر بیٹھ

گیا۔ پھر ذرا پیچھے ہو کر لیٹ گیا۔ بازو آنکھوں پر رکھ لیے۔ وہ بیڈ پر نیم دراز ہو کر لیٹ گیا۔ چند لمحے گزرے جب اسے محسوس ہوا کوئی اس کے ساتھ چپکے سے آ بیٹھا ہے۔ اس نے بازو ہٹا کر دیکھا تو وہ بیڈ کے دوسرے سرے پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔

"میں جانتا تھا آپ نہیں جائیں گی۔ آپ مجھے اداس کر کے کبھی نہیں جا سکتیں۔"

(بہت جلد وہ غلط ثابت ہونے والا تھا۔)

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس کے لوگ بھی اپنے اپنے روم میں جا چکے تھے۔ وہ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے یہ تو ایک روم کے دروازے سے گزر کر ہی پتا چلے گا۔ یہ یاور کا روم تھا جہاں وہ صوفے پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام

کر رہا تھا اور فرح بیڈ پر بیٹھی کتابوں میں الجھی پڑی تھی۔ بہت جلد امتحان ہونے والے تھے تو وہ اسی کی تیاری میں مگن تھی۔

"سنیں۔" اس نے آہستہ سے یاور کو پکارا۔

"ہوں۔" اس نے لیپ ٹاپ پر جھکے ہی جواب دیا۔

"یہ مجھے ایک چیز سمجھ نہیں آ رہی میتھ کی۔ کیا آپ مجھے سمجھا دیں گے؟" انداز ایسا تھا جیسے کوئی اسٹوڈنٹ اپنے استاد سے کسی سوال کا پوچھ رہا ہو جو اسے بار بار کرنے کے باوجود بھی سمجھ نا آیا ہو۔ یاور نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ آس بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ ڈمپل بھی نمایاں ہوئے۔ فرح کی کمزوری۔

"شیور۔" وہ لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ کر اٹھ کر اس کے پاس بیڈ پر چلا آیا۔

"بتائیے کیا سمجھ نہیں آ رہا؟" وہ اس کے ساتھ اس

طرح سے بیٹھا تھا کہ اس کا دایاں گھٹنا فرح کے بائیں گھٹنے سے ٹچ ہو رہا تھا۔ فرح نے مطلوبہ کتاب اس کے سامنے کی اور ایک سوال پر انگلی رکھی۔ یاور نے کتاب ہاتھ میں لے کر اس سوال کو دیکھا۔ کچھ دیر تو وہ اس پر غور کرتا رہا۔ کتاب ہاتھ میں پکڑے وہ کتنا ہینڈسم لگ رہا تھا یہ صرف فرح ہی جانتی تھی کیونکہ اس وقت اس کے دل نے ان گنت دھڑکنیں مس کی تھیں۔

"یہ تو بہت آسان ہے۔" یاور کی آواز پر وہ چونکی۔ نظریں اس کی سوال پر تھیں لیکن دل کہیں اور اٹک گیا تھا۔ وہ بار بار کنکھیوں سے یاور کو دیکھتی اور پھر نوٹ بک کو جہاں وہ سوال سمجھا رہا تھا۔

"لیں ہو گیا۔" اس نے نوٹ بک فرح کو دی۔ اس نے بمشکل اپنے احساسات کو قابو کیا۔

"شکریہ۔" اس نے بمشکل خود کو نارمل کیا۔ یاور نے کچھ پل اس کے بدلے ہوئے رنگ کو دیکھا اور زیر لب مسکرایا۔

"کیا آپ مجھے بتائیں گی کہ میں نے یہ کیسے حل کیا ہے؟" اس نے اپنے حل کیے گئے سوال پر انگلی رکھی۔ فرح نے گڑبڑا کر اسے دیکھا۔

"جی میں کرتی ہوں۔" فرح نے نوٹ بک اس کے ہاتھ سے لی۔ اور ایک نظر یاور کو دیکھا۔ جو بظاہر سنجیدہ لگ رہا تھا۔ یاور کی نظریں اسی پر تھیں جن کی وجہ سے وہ ٹھیک سے پین بھی نہیں پکڑ پا رہی تھی۔ سیچویشن بالکل ایسی تھی جیسے کمرہ امتحان میں کوئی ٹیچر آپ کے پاس آکر کھڑا ہو جائے اور آپ نروس ہو جائیں۔

"مجھے لگ رہا آپ کو صحیح سے سمجھ نہیں آئی۔" یاور نے کہا تو فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔ اسے دیکھ کر یاور نے مصنوعی تاسف سے سر ہلایا۔

"دھیان کہاں تھا آپ کا جب میں سمجھا رہا تھا؟" یاور نے نوٹ بک واپس لی۔

"آپ میں۔" اس نے محض سوچا۔

"دیکھیں فرح!"

"دیکھ رہی ہوں۔" اس نے دل نے میں کہا لیکن وہ یاور کو دیکھ حقیقت میں رہی تھی۔ نظروں کا حصار محسوس کر کے یاور نے فرح کو دیکھا۔ فرح نے گڑابڑا کر نوٹ بک کی طرف دیکھا۔

"مجھے نہیں دیکھنا۔ نوٹ بک کو دیکھنا ہے جس پر میں آپ کو سوال سمجھا رہا ہوں۔ اور اس وقت میں آپ کا شوہر نہیں، ٹیچر ہوں۔ سمجھیں آپ؟" اس نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو فرح نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ پھر اگلے پانچ منٹ تک اس نے یاور کی طرف نہیں

دیکھا۔ سوال سمجھا دینے کے بعد جب دوبارہ یاور نے اسے حل کرنے کو کہا تو اس نے دو منٹ میں کر کے یاور کو دکھا دیا۔

"آپ ذہین ہیں اگر دھیان سے کام کریں تو۔" وہ اس کے حل کیے گئے سوال کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا کر یاور کو دیکھے گئی۔

"بہت شکریہ۔"

"گیارہ ہونے میں پندرہ منٹ باقی ہیں۔ تب تک آپ جتنا پڑھ سکتی ہیں پڑھ لیں۔ پھر سونا بھی ہے۔ میں دیر تک جاگنے کے خلاف ہوں۔" کہہ کر وہ جانے لگا پھر کسی احساس کے تحت رک گیا۔ اور مڑ کر فرح کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اب اس نے نظریں نہیں چرائیں۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟"

"میرا کام ہو گیا ہے۔ میں اب سوؤں گی۔ یہ بس آخری سوال تھا۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن بات بدل دی۔

"شیور۔" مسکرا کر کہتا وہ اٹھ گیا۔ فرح چیزیں سمیٹ کر سونے کے لیے لیٹ گئی جبکہ وہ پھر سے لیپ ٹاپ ہاتھ میں لیے بیٹھ چکا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

منہاج کو آج کسی بزنس مین سے ملنا تھا۔ یہ ملاقات ایک ریسٹورنٹ میں رکھی گئی تھی۔ جہاں پر وہ تین لوگ بیٹھے کچھ ڈسکس کرنے میں مصروف تھے۔ یہ میٹنگ دو گھنٹے کی تھی۔ جب وہ جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو منہاج بھی ان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

ان دونوں نے منہاج سے ہاتھ ملایا اور پھر چلے گئے۔ منہاج وہیں بیٹھ گیا۔ اسے اگلی میٹنگ کے لیے پریزنٹیشن بنانی تھی جس کے لیے اسے

سکون اور تنہائی چاہیے تھی۔ اور ریسٹورنٹ کے اس حصے میں وہ تنہا بھی تھا اور پر سکون بھی۔

"واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز۔" اجنبی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ چہرہ بھی اجنبی تھا۔ وہ اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ منہاج بھی اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔

"سوری میں نے آپ کو پہنچانا نہیں۔" یقیناً لڑکی کو برا لگا تھا۔

"مجھے بہت دکھ ہوا یہ سن کر کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ بھلا میں کوئی بھولنے والی چیز ہوں۔" اس نے منہ پھلا کر کہا۔ منہاج کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا تو وہ خاصی بدمزہ ہوئی۔

"خیر میں مخمل ہوں۔"

"کون مخمل؟" وہ واقعی اسے بھول گیا تھا۔ وہ اسے یاد نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

"آپ اس دن گاؤں آئے تھے۔ ہماری وہیں ملاقات ہوئی تھی۔"

اب اس کی آواز بالکل آہستہ تھی۔

"اوہ.... تو آپ وہ ہیں۔ خیر! میں آپ کو بتا دوں، میرے لیے یہ پلیزینٹ نہیں، ایک فضول اتفاق ہے۔" برا لگا تھا پر وہ مسکرا دی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"شاید آپ کو اجازت لینا نہیں آتا۔"

"واٹ ایور۔ ویسے آپ یہاں پر کیا کر رہے تھے؟"

"بی بی میں اس شہر کا رہنے والا ہوں۔"

"اچھا لیکن میں نے ریسٹورنٹ کا پوچھا تھا۔" وہ زیر لب مسکرائی۔

منہاج نے اسے دیکھ کر لمبی سانس اندر کھینچی۔

"آپ کے علم میں ایک بات ڈال دوں۔ مجھے اجنبی لڑکیوں کے ساتھ فری ہونا پسند نہیں۔"

"لیکن ہم تو پہلے بھی مل چکے.....۔"

"آپ ایک فضول ملاقات کو اتنا سر پر سوار کیوں کر رہی ہیں۔ آپ کو بتا دوں وہ دن میرے لیے انتہائی برا دن ثابت ہوا تھا۔ تو بہتر ہو گا آپ مجھ سے دور رہیں۔" محمل کے چہرے کی جوت بجھ چکی تھی۔ وہ یہ سب ایکسپیکٹ نہیں کر رہی تھی۔

"آپ کو اجنبی لڑکیوں سے بات کرنا پسند نہیں ہے لیکن اس طرح ان کی انسلٹ کرنا آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے؟" اس نے سرد مہری سے پوچھا۔ ایک دم منہاج کو اپنے لہجے کا احساس ہوا تو وہ خفیف سا ہوا۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آپ کو برا لگا ہے تو سوری۔ لیکن.....۔"

"میں آپ کو ایک ہی شرط پر معاف کروں گی۔" اب لہجہ نارمل تھا۔

منہاج نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

"کیسی شرط؟"

"آپ کو میرے ساتھ لنچ کرنا ہو گا۔"

"دیکھئے محترمہ میرے پاس ان سب کاموں کے لیے فضول وقت نہیں ہے۔ میں یہاں پر اپنے کسی کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ اور آپ مجھے کہہ رہی ہیں کہ میں ایک اجنبی لڑکی کی انسلٹ کر رہا ہوں۔ آپ مجھے بتائیں ایک ایسی لڑکی جو بلاوجہ کسی غیر لڑکے کے ساتھ فری ہو رہی ہے۔ اس کے سر پر مسلط ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ مجھے اس کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے؟"

"میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔ اور جب میں آپ کو معاف نہیں کروں گی تو آپ کا یہ کام بھی خراب ہو جائے گا۔" دوسری بات کو اگنور کرتے ہوئے اس نے اطمینان سے پیچھے ٹیک لگ لی۔ حالانکہ

دوسری بات دل پر بہت زور کی لگی تھی۔ لیکن یہ بھی دل کا معاملہ تھا۔ منہاج نے کس ضبط سے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"بدعادے رہیں ہیں؟"

"جو مرضی سمجھ لیں۔" اس کا ارادہ یہاں سے جانے کا بالکل بھی نہیں تھا۔ منہاج کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر چبا کر بولا۔

"شیور۔ کیا کھائیں گی؟" اس نے مسکرا کر منہاج کو دیکھا اور پھر ذرا آگے ہوئی۔ اسے بتانے لگی کہ وہ کیا کھائے گی۔ کچھ ہی دیر میں کھانا ان کے سامنے تھا۔

"ویسے آپ کا ٹیسٹ اچھا ہے کھانے میں۔ مجھے بھی پاستہ بہت پسند ہے۔" کانٹے میں پاستے کے ٹکڑے پھنساتے ہوئے اس نے منہاج کو دیکھا۔

"میری ماں کو بہت پسند تھا۔ یہ عادت مجھے انہی سے ملی ہے۔" وہ انجانے میں کہہ کر کھانے میں مگن تھا جبکہ ماں کے ذکر پر محمل نے اسے دیکھا۔

"آپ کو کیوں پسند ہے پاستہ؟" اسے محسوس نہیں ہوا تھا کہ محمل نے اسے دیکھا ہے۔

"میرے بابا کو پسند نہیں ہے۔ جس دن گھر میں پاستہ بنتا ہے وہ ماں کو گھر سے باہر لے جا کر کھانا کھلاتے ہیں۔"

"اور آپ کو کیوں نہیں؟"

"کیونکہ میں گھر رک کر پاستہ کھاتی ہوں۔" اس نے کھاتے ہوئے بہت مزے سے بتایا۔

"تو آپ اپنے بابا کو تنگ کرنے کے لیے پاستہ بناتی ہیں۔"

"بالکل۔مجھے ان کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہیں تو میری کوشش ہوتی ہے کہ وہ باہر ہی چلے جائیں۔"منہاج کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"تم اپنے بابا کے ساتھ ایسا کیوں کرتی ہو؟"وہ انجانے میں ہی آپ سے تم پر آگیا تھا۔

"کیونکہ وہ میرے سگے بابا نہیں ہیں۔"منہاج کا کانٹے میں پاستہ پھنساتا ہاتھ رکا۔

"دراصل میں ترکی کی ہوں اور میرے یہ سوتیلے بابا ترکی میں کسی کام سے گئے تھے۔انہیں وہاں ماں سے محبت ہوئی اور شادی کر کے کوریا لے آئے۔میں نہیں آنا چاہتی تھی لیکن ماں مجھے زبردستی لے آئی۔"پہلی دفعہ منہاج کو اس کے لیے برا فیل ہوا تھا۔جبکہ وہ پر سکون سی پاستہ کھانے میں مصروف تھی۔

"سوری مجھے نہیں تھا پتا کہ آپ کے بابا کی ڈیتھ.....۔"

"میرے بابا زندہ ہیں۔" منہاج کو ایک اور دھچکا لگا تھا جبکہ وہ اب بھی کھانے میں مصروف تھی۔

"ماں نے بابا سے طلاق لے کر دوسری شادی کی تھی۔" وہ ایسے بتا رہی تھی جیسے کوئی بڑی بات نا ہو۔

"آئی ایم سوری.....۔"

"آپ کیوں سوری کر رہے ہیں؟ آپ کا کیا قصور۔ چھوڑیں ان باتوں کو۔ بتائیں ہم میٹھے میں کیا منگوائیں؟"

"آپ کے سگے بابا نے آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کی؟"

"کی تھی۔ لیکن ماں کی محبت کے سامنے مجبور ہو گئے۔"

"وہ کیسے؟"

"ماں نے اک نظر نم آنکھوں کے ساتھ بابا کو دیکھا تھا اور بابا وہیں ہار گئے۔"

"اتنی محبت کرتے تھے تو چھوڑا کیوں؟"

"بتایا تو ہے کہ چھوڑا نہیں تھا۔ ماما نے طلاق لی تھی۔" انداز بالکل عام سا تھا لیکن سامنے بیٹھا نفوس اندر کی توڑ پھوڑ سے انجان تھا۔

"اوووو۔ تمہارا ماضی کافی تکلیف دہ ہے۔" وہ واقعی ہی افسردہ ہوا تھا۔

"اس لیے کہہ رہی ہوں چھوڑیں یہ سب۔ اور بتائیں میٹھے میں کیا منگوائیں؟" منہاج نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر سر جھٹک دیا۔

"رس ملائی۔" اب مخمل کے ہاتھ تھمے تھے۔

"کیا ہوا؟" منہاج نے اس کی خاموشی نوٹ کی تھی۔

"میرے بابا بھی بہت شوق سے کھاتے تھے رس ملائی..... میرے اصلی بابا۔" وہ منہاج کی حیرت کو بھانپ کر مسکرا دی۔

"ہمارے گھر میں رس ملائی بہت شوق سے کھاتے ہیں سب۔" وہ ساری تلخیاں ایک طرف رکھے بہت آرام سے بات کر رہا تھا۔اور پھر وہ دونوں کتنی ہی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ منہاج کے لیے یہ ایک انسانی ہمدردی سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا جبکہ محمل کا دل چیخ چیخ کر اسے کچھ بتا رہا تھا لیکن وہ کان بند کیے بیٹھی رہی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک نے اپنے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ فرقان ہاؤس والوں نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔ یہ سن کر سارہ آفندی کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ انہوں نے جیونگ ہون کو کتنی دفعہ فون کیا تھا تا کہ وہ پوچھ سکیں ماریہ ابھی تک آزاد کیوں گھوم رہی ہے۔ لیکن اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

انہیں لگ رہا تھا وہ یہ جنگ ہار رہی ہیں۔ لیکن وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ کسی صورت جنگکوک اور ماریہ کو ایک نہیں ہونے دیں گی۔ یہ فیصلہ وہ کر چکی تھیں۔ وہ سب اس وقت ٹی وی لاونج میں بیٹھے ہوئے تھے جب سیمون آفندی نے کہا۔

"تمہارے لیے میں نے ایک اپارٹمنٹ دیکھ لیا ہے جہاں تم شادی کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ رہو گے۔" جنگکوک نے بھی خاموشی سے سر ہلا دیا۔ وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ماں کی وجہ سے ماریہ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ وہ محسوس کر سکتا تھا اپنی ماں کی ماریہ کے لیے شدید ناپسندیدگی۔

"لیکن شادی کے شروع کا ایک ہفتہ تم ہمارے ساتھ رہو گے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے آتے ہی الگ کر دیا جائے۔" وہ دونوں خاموشی

سے سن رہے تھے۔ بول بس سیمون آفندی رہے تھے جبکہ سارہ آفندی ذہن میں نے نئے منصوبے بنانے میں مصروف تھیں۔

ooooooooooooooo

یہ صبح ہے چھ ستمبر کی۔ جس دن جنگلوک کو اپنی فیملی کے ساتھ فرقان ہاؤس جانا تھا۔ فرقان ہاؤس کے اندر کا منظر کچھ یوں تھا کہ ملازمائیں بھاگ بھاگ کر کام کر رہیں تھیں۔ گھر کو خوب چمکایا گیا تھا۔ ایک دو دفعہ منہاج نے کہا بھی تھا کہ .....

"ابھی صرف دیکھنے آ رہے ہیں۔ کیوں گھر کا نقشہ بدلا جا رہا۔" لیکن یمان اور حماد نے اسے اپنے معاملے میں ٹانگ اڑانے سے منع کر دیا۔ وہ دونوں بھی گھر رک کر خوب صاف صفائی میں لگے ہوئے تھے۔ شام کے سات بجے ان لوگوں کی آمد ہوئی تھی۔ آج موسم صاف تھا لیکن ہوا ابھی بھی چل رہی تھی۔ گاڑی فرقان ہاؤس کے سامنے

رکی۔ گیٹ کیپر نے دروازہ کھولا تو وہ گاڑی اندر لے آئے اور ایک سائڈ پر روک دی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے جنگلو ک نکلا تھا۔ نیلے رنگ کا ڈنر سوٹ پہنے، چھوٹے بال جیل سے ایک طرف جمائے وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ وہ اکیس سالہ نوجوان تھا لیکن اپنی عمر سے تین چار سال بڑا لگتا تھا۔ لیکن ہینڈسم تھا۔ فرنٹ سیٹ سے سیمون آفندی بھی باہر آئے۔ انہوں نے سلور رنگ کا تھری پیس پہنا ہوا تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ سے سارہ آفندی باہر آئیں۔ انہوں نے سبز رنگ کی ریشمی ساڑھی پہنی ہوئی تھی جس کے بازو غائب تھے۔ ساڑھی کورین ڈریس نہیں ہے لیکن ساری آفندی ہمیشہ کی طرح الگ دکھنا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے آج انڈین ڈریس پہنا تھا۔ بال ایک طرف کو گرائے، ہونٹوں پر ڈارک ریڈ لپ اسٹک لگائے، پیروں میں سفید لیکن چمکدار ہیل پہنے وہ بہت نازک اور خوبصورت لگ رہی تھیں۔

چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھیں سرد تھیں۔انہوں نے گھر کا جائزہ لیا جس کا لان بہت بڑا تھا۔گھر تک جاتا راستہ ایسا تھا جیسے کوئی سڑک ہو۔ وہ گھر باہر سے بہت خوبصورت تھا۔ابھی وہ سب وہیں کھڑے تھے جب انہیں ریسیو کرنے ہاشم، یاور اور منہاج خود آئے تھے۔ مصنوعی مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے۔اگر کوئی دل سے خوش تھا وہ جنگلوک تھا جس نے آگے بڑھ کر ہاشم کے ساتھ ہاتھ ملایا اور پھر یاور اور منہاج کے ساتھ۔سارہ آفندی بہت گہری نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہی تھیں۔اس کے چہرے کی مسکراہٹ سے وہ کچھ بھی اخذ نا کر سکیں۔وہ تینوں اپنے مہمانوں کو لیے اس سڑک پر آ گئے۔ایک کمرے کی کھڑکی کے سامنے وہ کھڑی تھی۔اس کے بالکل پیچھے فرح کھڑی تھی۔

"ہینڈسم لگ رہا؟" اس نے ماریہ کو ستانے کے لیے کہا تو وہ جھینپ گئی۔ جنگکوک گھر کا ستائشی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے ہاشم کے پیچھے پیچھے اندر جارہا تھا جب اس کی نظریں ماریہ کے روم کی کھڑکی پر گئیں۔ جنگکوک کے ادھر دیکھتے ہی وہ اچھل کر پیچھے ہوئی۔

"یااللہ۔"

اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے فرح کو دیکھا۔ نیچے جنگکوک بھی مسکراہٹ چھپائے آگے بڑھ گیا۔

"کیا ہو" فرح نے پوچھا۔

"اس نے دیکھ لیا۔ ایک دم سے۔ اف۔" ماریہ نے آنکھیں بند کر کے لمبی سانس لے کر خارج کی۔ جبکہ فرح دل کھول کر ہنسی تھی۔

"تم لوگوں کے مہمان آگئے ہیں۔" علیزے نے اندر آکر بتایا تو فرح کو ہنستے ہوئے پایا۔ وہ ماریہ کے پاس چلی آئی۔

"جب تمہارے بھائی میرا ہاتھ مانگنے گئے تھے، اس بدتمیز نے مجھے بھی ایسے ہی تنگ کیا تھا۔"علیزے نے بتایا تو ماریہ نے اپنی مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں فرح کو گھوری سے نوازا۔

ادھر مہمان اس گھر میں داخل ہو گئے تھے جس کا لاؤنج بہت بڑا تھا۔ سامنے درمیان میں سیڑھیاں ٹیڑھے ڈیزائن کی تھیں۔ سیڑھیوں کے ایک طرف تین کمرے تھے۔ جن کے اوپر باقاعدہ نام لکھے ہوئے تھے۔ ماریہ، حماد، منہاج اور سیڑھیوں کے دوسری جانب ڈرائنگ روم تھا جہاں اس وقت مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب کے کمرے اوپر تھے۔

گھر کے اندر داخل ہوتے وقت سیمون آفندی کی نظروں نے سیڑھیوں کے ایک طرف ٹنگی اس فیملی فوٹو کو نہیں دیکھا تھا جس میں

ان کی بہن اور بچپن کا دوست بھی تھا۔ ہاں البتہ سارہ آفندی نے ضرور دیکھا تھا۔ غصے سے، نفرت سے، بے بسی سے۔

ڈرائنگ روم کے ساتھ اوپن ڈائنگ روم بھی تھا جس کے ساتھ ایک بڑا سا کچن تھا۔ ڈائنگ روم سے ہال کی وہ دیوار نظر آتی تھی جہاں وہ فیملی فوٹو لگا ہوا تھا جس میں ماریہ کی تصویر ایڈیٹ کر کے لگائی گئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں یمان، مومن اور حماد انہیں ریسیو کرنے کے لیے کھڑے تھے۔ جنگلوک تسبیحہ اور ہاشم کی شادی کا حصہ نہیں تھا، اس لیے وہ ان چہروں سے انجان تھا۔ وہ ماریہ کے اتنے بھائیوں کے درمیان ذرا سا نروس تھا۔ لیکن مسکرا کر سب سے ملتا رہا اور ان کے سوالات کے جواب دیتا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ملازمہ لوازمات رکھ کر چلی گئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اب خاموشی تھی۔ جنگلوک، سیمون آفندی اور سارہ آفندی ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مومن، منہاج اور حماد ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاشم سنگل صوفے پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ یاور اور یمان الگ الگ ونگ چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آج ان میں سے کوئی بھی آفس نہیں گیا تھا۔ یاور کی ڈانٹ بھی ان پر اثر نہیں کر سکی تھی۔

"فرقان احمد اور گل رعنا نے بہت اچھی تربیت کی ہے تم سب کی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔" سیمون آفندی نے کہا تو جنگلوک نے چونک کر انہیں دیکھا۔ جبکہ ہاشم اپنا غصہ دبائے مصنوعی مسکراہٹ سجائے بیٹھا ہوا تھا۔

"بہت شکریہ سر۔" یاور نے سر کے خم سے یہ تعریف وصول کی۔

سارہ آفندی تمکنت سے بیٹھی گال تلے درمیان کی دو انگلیاں رکھے سارا منظر دیکھ رہیں تھیں۔

"تم لوگ تو جانتے ہی ہوں گے کہ ہم لوگ یہاں ایک خاص مقصد سے آئے ہیں۔" سیمون آفندی نے کہا۔

" بالکل ہم جانتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے کہ آپ پہلی دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے ہیں۔ یقیناً آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔" یاور ہی مسکرا کر ہر بات کا جواب دے رہا تھا۔

"ماریہ اور جنگلوک ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ بھی ہیں...."

"انکل! وہ دونوں محبت کرتے ہیں۔" حماد نے تصحیح کی بالکل ویسے ہی جیسے اپنی دفعہ بختاور کے سامنے کی تھی۔

"بالکل.... وہ دونوں محبت کرتے ہیں۔ تو میں اسی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ لوگوں کے در پر چلا آیا ہوں۔ تو کیا مجھے اپنے بیٹے کے لیے آپ کی بہن کا ہاتھ مانگ لینا چاہیے۔ مجھے مایوسی تو نہیں ہو گی نا؟" کہنے کے بعد انہوں نے یاور اور ہاشم کو باری باری دیکھا۔

"اگر ہمیں انکار ہی کرنا ہوتا تو ہم فون پر بھی کر سکتے تھے۔ ہم گھر بلا کر کسی کو انسلٹ نہیں کرتے۔" اس وقت سیمون کو اپنی بہن کی تربیت پر بے تحاشا فخر محسوس ہوا تھا۔ ایک سارہ ہی تھیں جو قدرے ناخوش تھیں۔

"آپ کو اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ آپ کی بہن ایک غیر مسلم سے شادی کرنے جا رہی ہے۔" سارہ آفندی نے آخر اپنے دل کی بات پوچھ ہی لی تھی۔ سب نے چونک کر انہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ جنگلوک نے بھی۔ اسے اپنی ماں سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"آپ کی معلومات میں اضافہ کرتا جاؤں کہ جنگکوک نے اسلام قبول کر لیا ہے۔" اب کے یمان بولا تھا۔ لہجہ تھوڑا سا تلخ تھا۔ وہ ایسا ہی تھی۔ اسے کوئی نہیں بدل سکتا تھا۔

"لیکن ہم دونوں تو غیر مسلم ہے نا۔ شادی کر کے تو ہمارے ساتھ ہی رہے گی نا۔" وہ چبھتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔

"اس نے زندگی جنگکوک کے ساتھ گزارنی ہے۔ آپ کے ساتھ نہیں۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" منہاج پیچھے ٹیک لگائے اطمینان سے بولا تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن..... جیسا کہ آپ سب کا کہنا ہے کہ آپ لوگوں نے اپنی بہن کو محبت سے رکھا ہوا ہے تو کیسے..... کیسے آپ لوگوں کا دل کر رہا ہے اسے ایسی فیملی میں بھیجنے کا جو اسے ناپسند کرتی ہو۔" وہ بھی منہاج کی طرح پیچھے ٹیک لگائے اطمینان سے بولی تھی

جبکہ جنگلوک کا حلق تک خشک ہو گیا تھا۔ سیمون آفندی نے بھی انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہم اپنی بہن کی شادی اس شخص کے ساتھ کر رہے ہیں جو اس سے محبت کرتا ہے۔اس لیے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" یاور نے بدقت مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم بہن کی شادی کر رہے ہیں۔اس سے تعلقات ختم نہیں کر رہے جو پلٹ کر اس کی خبر بھی نا لیں گے۔ اگر ہماری بہن کو ذرا سی بھی تکلیف ہوئی آپ لوگوں کی وجہ سے تو اس کا خمیازہ بھگتیں گے آپ لوگ۔ ہم اپنی بہن کو نا اس کی خوشیوں میں اور نا ہی اس کے مشکل وقت میں تنہا چھوڑنے والے بھائی ہیں۔ ہم اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہمیں سکھایا گیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے اپنے بہن بھائیوں کو تنہا نہیں چھوڑنا محض اس دنیا کے لیے۔" نا جانے کیوں

ہاشم کا لہجہ کرخت ہو گیا تھا جبکہ سیمون آفندی کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ان کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھی۔بدقت انہوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

"ہم نے اپنی بہن کو بہت محبت سے رکھا ہے۔اس کی ذرا سی تکلیف بھی ہمیں برداشت نہیں۔میں اسی امید پر جنگلوک کو اس کا ہاتھ دوں گا اگر وہ مجھے اس بات کا یقین دے کہ میری بہن اس کی شریک حیات بن کر خوش رہے گی۔" ہاشم انسکیور تھا۔جو کچھ اس ملاقات میں تسبیحہ نے اسے بتایا تھا کچھ کچھ وہ ان باتوں پر بھی یقین کر رہا تھا۔

"آپ کی بہن میرے بیٹے کی پسند ہے۔میں اسے ناپسند نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔بالکل میرے بیٹے کی طرح۔" ان کی آواز میں زمانوں کا کرب تھا۔ہاشم نے دکھ سے انہیں دیکھا تھا۔

"آپ کی بہن میری زمہ داری ہو گی۔ میں اس کی حفاظت کر کے دکھانا چاہتا ہوں۔ باتوں پر مجھے یقین نہیں ہے۔ لیکن آپ کی تسلی کے لیے میں کہتا ہوں کہ ہاں میں اپنی زمہ داری بخوبی نبھاؤں گا۔" جنگلوک نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھک کر کہا تھا۔

"اس کی آنکھوں میں آنسو کی وجہ تم نہیں بنو گے۔" اب کے یمان نے کہا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔ میں انہیں کبھی بھی رونے نہیں دوں گا۔" وہ سب مطمئن نظر آتے تھے سوائے ہاشم کے۔

"آپ نے اسلام قبول کیا ہماری بہن کی محبت میں۔ مجھے امید ہے آپ دوبارہ اسے ہرٹ نہیں کریں گے اپنی سرگرمیوں سے۔" یہ جملہ حماد کی طرف سے آیا تھا۔ جنگلوک کی گردن میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کے چہرے کا رنگ یکدم بدلا لیکن پھر وہ سنبھلا۔

"شیور۔" وہ بمشکل مسکرایا۔

"گارنٹی دیتے ہو تم؟" اب کے مومن نے پوچھا تھا۔

"میں کوشش کروں گا بھائی۔"

"اللہ تمہیں تمہاری کوشش میں کامیاب کرے۔ لیکن اپنی کوشش کے چکر میں یہ نا بھول جانا کہ تمہارے پاس اک عدد بیوی بھی ہو گی۔ جس کی خوشیوں کی ذمہ داری تم اٹھا رہے ہو۔" منہاج نے نرم سی تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ سب اس پر واضح کر دینا چاہتے تھے کہ اس کے بھائیوں کے ہوتے ہوئے وہ اسے نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اپنی بہن کے لیے محبت دیکھ کر سیمون آفندی کو وہ منظر یاد آیا جب انہوں نے اپنی لاڈلی بہن سے منہ موڑ لیا تھا۔ ان کا دل اچانک ہی برا ہونے لگا تھا۔ جبکہ سادہ کو یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ تبھی جواب ان کی طرف سے آیا۔

"آپ لوگ تو ایسے اس سے گارنٹی مانگ رہے ہیں جیسے آپ لوگوں کو اپنی بہن کی چوائس پر یقین نہیں۔" چہرے پر مسکراہٹ، آنکھوں میں سرد مہری۔ ہاشم نے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔ بہن کا ذکر یوں غلط انداز میں.....

"بہن پر یقین تھا جبھی آپ یہاں پر ہیں۔" آخر کار ہاشم نے دل کی تھوڑی سی بھڑاس نکال ہی لی تھی۔ لیکن جنگکوک کو تناؤزدہ ماحول نے خوفزدہ کر دیا تھا۔

"ماریہ کے بھائی صرف اس بات پر اس کے خلاف نہیں ہو جائیں گے کہ اس نے ہمسفر کے طور پر ایک غیر مسلم کو پسند کیا تھا۔ بہنوں کو مان ہوتا ہے اپنے بھائیوں پر کہ ایسے وقت میں اور کوئی ساتھ دے نا دے لیکن اس کے بھائی ہمیشہ اس کے ساتھ کھڑے رہیں گے۔" بظاہر

ہاشم سارہ آفندی سے مخاطب تھا لیکن سناوہ سیمون کو رہا تھا۔ اور وہ سن بھی رہے تھے۔ اندر ہی اندر ان کا گلٹ بڑھتا جارہا تھا۔

"اور ہم اپنی بہن کے ساتھ کھڑے ہیں۔" سیمون آفندی نے اپنا سر جھکالیا تھا۔ آج ان کا دل اعتراف کررہا تھا کہ ہاں انہوں نے اپنی بہن کے ساتھ ظلم کردیا ہے۔ وہ چیخ چیخ کر یہ بات کہنا چاہتے تھے لیکن کنڑول کیے بیٹھے رہے۔ وہ سب کو زور سے گلے لگا کر بتانا چاہتے تھے کہ انہوں نے ظلم کیا ہے۔ وہ شرمندہ ہیں۔ معافی مانگنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ سب نہیں کرپائے۔ حالانکہ ان کے سامنے کوئی غیر نہیں بلکہ ان کی بہن کی اولاد تھی۔ ان کے بھانجے۔ ان کا خون۔ لیکن اس وقت وہ سب اجنبیوں والا رویہ اپنائے بیٹھے تھے۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔ یاور نے ماحول کے تناؤ کو محسوس کیا تو بول پڑا۔

"اس ماہ کی سترہ تاریخ کو حماد کی انگیجمنٹ طے کی گئی ہے۔ آپ لوگوں کو اگر اعتراض نا ہو تو اسی ڈیٹ پر ماریہ اور جنگلوک کی انگیجمنٹ بھی کر دی جائے؟"

"تو یعنی یہ رشتہ پکا ہو گیا ہے؟" سیمون آفندی نے پوچھا۔ یاور نے سر کو خم دے کر "بالکل" کہا۔

"تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"لیکن مجھے اعتراض ہے۔" سارہ کے درشتی سے کہنے پر سب نے ان کی طرف دیکھا۔

"اتنی جلدی منگنی کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی وہ دونوں پڑھ رہے ہیں۔ پھر جنگلوک سیٹل ہو گا۔ تب تک نا منگنی نا شادی کچھ بھی نہیں ہو گا۔ آخر ان دونوں کی عمر ہی کیا ہے ابھی۔"

"سارہ تم چپ رہو۔ میں بات کر رہا ہوں نا۔" وہ تلملا کر رہ گئیں۔

اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک تھیں۔

"منگنی کے بعد بھی پڑھائی ہوتی رہے گی۔"

"شادی کا پلان اکتوبر میں ہے۔" ہاشم کے بتانے پر سارہ نے سیمون کو دیکھا۔

"ہمیں منظور ہے۔" سیمون نے کہا تو سارہ نے بل کھا کر انہیں دیکھا۔ جنگلوک بھی اندر ہی اندر بہت خوش تھا۔ وہ یہ سب کچھ اتنی جلدی ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔

"تو رشتہ پکا ہونے پر منہ میٹھا ہونا چاہیے۔ میں ابھی کچھ میٹھا لے کر آتا ہوں۔" حماد پر جوش سا کہتا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔ دو منٹ میں وہ واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی

جس میں چاکلیٹ کیک کے چھوٹے چھوٹے پیس تھے۔ سب سے پہلے وہ جنگکوک کی طرف آیا اور ایک ٹکڑا اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

"مبارک ہو جیجہ جی." جنگکوک نے مسکرا کر وہ ٹکڑا اپنے منہ میں رکھا۔

"شکریہ سالے صاحب۔" جنگکوک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یمان بھی اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا اور کیک کا پیس اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔

"مت بھولئے گا جیجہ جی کہ آپ کے چھے سالے ہی۔ آپ نے ان کی لاڈلی بہن کو چنا ہے۔" یہ ایک تنبیہ بھی تھی اور یاد دہانی بھی جو یمان کی طرف سے تھے۔ جنگکوک نے ذرا سا جھک کر، سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی بات کا جواب دیا۔ یہ کرتے ہوئے وہ بہت پیارا لگتا تھا۔

جنگکوک ان کا کزن تھا یہ بات وہ سب جانتے تھے۔ایک جنگکوک ہی ان رشتوں سے انجان تھا۔ مہمان ابھی وہیں تھے جب حماد اور یمان کیک کی پلیٹ اٹھائے ماریہ کے روم میں چلے آئے۔احتیاطاً دروازہ نوک کیا۔

"آجاؤ۔" وہ دونوں اندر آئے تو ماریہ اور فرح سامنے کھڑی تھیں جبکہ علیزے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"لو بھئی اپنی شادی پکی ہونے کی مٹھائی کھاؤ۔" حماد نے آؤ دیکھا نا تاؤ سیدھا اس کے منہ میں کیک کا پیس ٹھونس دیا۔ماریہ کا سارا منہ بھر گیا تھا۔

"بدتمیز انسان.... انسانوں کی طرح نہیں کھلا سکتے تھے۔" منہ میں کیک ہونے کی وجہ سے وہ بمشکل بول پائی۔ جبکہ علیزے گڈ نیوز سن

کر بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ فرح نے بھی ایک پیس اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔

"میری نند کو مبارک ہو۔"

"یار آپ کی تو دوست ہوں۔ یہ نند کہنا بند کریں۔" وہ جھینپ گئی۔

"میری تو تم نند ہی ہو۔ تو میں تو یہی کہوں گی نا۔" علیزے کہتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ اس نے مسکرا کر سینے پر ہاتھ رکھے ذرا سا جھک کر سر کو خم دیا۔ تو علیزے مسکرا دی۔

"ویسے کیا تم خوش ہو نا اس رشتے سے؟" یمان ذرا سا آگے آیا۔ اس سے پہلے کہ ماریہ کچھ کہتی، حماد بول پڑا۔

"اف بھائی! وہ خوش کیوں نہیں ہو گی۔ اس کی پسند سے تو ہو رہا ہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

"میں بھائی کا فرض ادا کر رہا ہوں۔" یمان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"رہنے دیں آپ بھائی کا فرض۔ دیکھیں میسنی کیسے مسکرا رہی ہے۔"

حماد نے ماریہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے فوراً اپنی مسکراہٹ غائب کی۔

"خیر مناؤ اپنی۔ تمہاری بھی منگنی میرے ساتھ ہی ہو گی۔ ایک ہی دن ہم دونوں دلہا دلہن بنے گے۔"

"اب بس بھی کرو حماد۔ مجھے شرم آ رہی ہے۔ بھائی ہو کر تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

اس نے اپنا دوپٹا منہ کے سامنے رکھا اور شرمانے کی کوشش کرنے لگی۔ حماد حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھے گیا۔ جبکہ باقی سب کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"اووووو۔ اوور ایکٹنگ کی دکان۔ زیادہ ایکٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آئی بڑی شرم والی۔" حماد کے انداز پر وہ سب ہنس دیئے۔

"چلیں مانی بھائی ہم ذرا مہمانوں کو رخصت کر لیں۔اس کی خبر تو ہم بعد میں لیں گے نا۔"حماد کہہ کر یمان کا بازو پکڑے وہاں سے چلا گیا۔اب ان دونوں بہنوں کا ٹارگٹ ماریہ تھی۔اسے خوب ستایا جانے والا تھا۔ ○○○○○○○○○○○○○○○○○○

دس ستمبر کی رات بھی اپنے اندر دن بھر کی تھکن سمیٹے،لوگوں کے عیب چھپائے آہستہ آہستہ روئے زمین پر اتر رہی تھی۔وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ کیے بغیر وہ اپنی دھن میں آگے بڑھ گیا تھا۔اور ایک اور رات فرقان ہاؤس کی دیواروں پر اتر چکی تھی۔

ناجانے رات کا کونسا پہر تھا جب ایک دلخراش چیخ نے فرقان ہاؤس کے درودیوار ہلا دیئے۔تمام بتیاں ایک ساتھ جلی تھیں اور سب اپنے اپنے روم سے باہر آچکے تھے۔بولنے کی کسی میں فی الحال سکت نہیں

تھی۔ان کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے اور سانس بھی جیسے مشکل سے لے پارہے تھے۔یہ چیخ کی آواز کہاں سے آئی تھی۔کیا ہوا تھا۔ہال میں کون نہیں ہے۔کون مسنگ ہے۔وہ اب ادھر ادھر نظریں دوڑا رہے تھے۔

"ماریہ۔"

یمان نے کہا تو سب نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک ساتھ اس کے روم کی طرف بھاگے۔روم کا دروازہ کھولا تو اندر اندھیرا تھا۔یمان نے آگے بڑھ کر لائٹ جلائی تو روشنی میں انہیں سب کچھ صاف دکھائی دیا۔وہ بیڈ پر بکھری ہوئی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ساکت، جامد، آنکھیں کھلی ہوئیں اور ایک ہی جگہ پر جمی ہوئیں۔ہاشم بھاگ کر اس کے پاس آیا۔

"ماریہ.... کیا ہوا ہے؟ تم...... تم ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" ہاشم نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔ اس کے ہاتھ بالکل ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ ہاشم کے گرم ہاتھوں کی حرارت پر اس کی پلکیں لرزیں۔

"تم.... تم کچھ بول کیوں نہیں رہیں؟" بیڈ کی دوسری طرف سے مومن آیا تھا۔ باقی سب کمرے میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ آخر ہوا کیا تھا۔ حماد پیچھے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، سانس روکے کھڑا تھا۔ اس کی اپنی جان نکلی ہوئی تھی۔ خوفزدہ سا۔

"ب... بھائی۔" وہ بمشکل بول پائی تھی۔ آنسو اس کے چہرے پر پھسلنے لگے۔

"ہاں بولو میری جان کیا ہوا ہے؟" ہاشم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"ج..... جہاں آ.... آپ بیٹھے ہیں وہ.... وہاں س... س.... سانپ ہے۔" وہ بمشکل بول پائی تھی۔ ہاشم فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہاں پر ربڑ کا ایک بہت بڑا بھورے رنگ کا سانپ رکھا ہوا تھا بالکل اصلی جیسا۔ ہاشم نے اسے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"بھائی کیا کر رہے ہیں، وہ آپ کو کاٹ لے گا۔" ماریہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہاشم کے ہاتھ میں پکڑے سانپ کو دیکھا۔ اور ہاشم نے ماریہ کو۔

"ماری..... یہ سانپ نقلی ہے۔" ہاشم نے گویا اس کے سر پر دھماکہ کیا تھا۔ وہ سب حیرت سے منہ کھولے سانپ کو دیکھ رہے تھے۔

"ن...... نقلی ہے۔ مگر..... کون کر سکتا ہے.... ایسی شرارت..... بھائی....۔" کہہ کر اس نے دیوار کے ساتھ کھڑے حماد کو دیکھا جو اپنا سر کھجاتے ہوئے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ بظاہر

انجان بن رہا تھا۔ وہ تیر کی طرح بیڈ سے اٹھی اور گولی کی طرح حماد کے پاس پہنچی۔ جا کر اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

"تم نے کی ہے یہ حرکت.... تمہیں شرم نہیں آئی یہ کرتے ہوئے۔ اگر..... اگر میں خوف سے مر جاتی تو...؟ لیکن تمہیں کیا پرواہ..... تم تو یہی چاہتے تھے نا... یہی چاہتے تھے نا؟" آخر میں وہ بری طرح چلائی تھی۔ اس کی آواز ابھی بھی کانپ رہی تھی۔ سب ہکا بکا یہ سارا منظر نامہ دیکھ رہے تھے۔

"ماریہ میں.....۔" اس کی بات ابھی آدھی منہ میں ہی تھی جب اس نے چٹاخ کی آواز کے ساتھ حماد کو تھپڑ مارا۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ شکل نہیں دیکھنی ہے مجھے تمہاری۔ تم برے ہو۔ بہت برے ہو۔" وہ روتے ہوئے وہیں زمین پر بیٹھتی چلی

گئی۔ یمان نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا تھا۔ جبکہ یاور نے حماد کو دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

"تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا حماد۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو۔" ہاشم اس کے قریب آیا۔

"سوری بھائی۔ میں نے بس ایک شرارت کی تھی۔" وہ شرمندہ سا ہوا۔

"تمہاری یہ شرارت ہماری بہن کی جان بھی لے سکتی تھی۔ یہ سوچا تم نے؟" وہ بالکل بڑے بھائیوں کی طرح نرمی سے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ اس طرح سے ری ایکٹ کرے گی۔"

"تمہارے خیال میں اسے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے تھا۔" منہاج بھی غصے سے اس کی طرف آیا۔

"کیا خوشی خوشی سانپ ہاتھ میں پکڑ کر باہر آجاتی کہ بھائی یہ دیکھیں میں نے سانپ پکڑا ہوا ہے۔"

"اچھا بس کرو اب۔" ہاشم نے بازو سے پکڑ کر اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"دیکھو کیسے گال سرخ ہو گیا ہے۔ اب سوری بولو اور ختم کرو اس بات کو۔ بہت رات ہو گئی ہے۔" مومن کہتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔ فرح تو یاور کے ساتھ ہی باہر چلی گی تھی جبکہ علیزے وہیں کھڑی تھی۔ اس کے لیے نیچے بیٹھنا ذرا مشکل تھا۔

حماد ماریہ کے پاس زمین پر بیٹھ گیا جو یمان کے شانے پر سر رکھے رو رہی تھی۔

"معاف کر دو۔" لب کاٹتے ہوئے اس نے کہا تو ماریہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اگر تم نے اس بات کا بدلہ لیا ہے کہ میں نے تمہارا میسج فارورڈ کیا تھا تو تم نے بہت بری طرح بدلہ لیا ہے۔" کہتے ہوئے اس نے خفگی سے حماد کو دیکھا۔

"یار مجھے کیا پتا تھا تمہیں سامنے رکھا سانپ نظر نہیں آئے گا۔ سونے سے پہلے اگر تم دیکھ لیتی تو یہ نا ہوتا۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے بائیں گال پر ہاتھ رکھا۔

ماریہ نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

"کیا زیادہ زور سے لگا ہے؟" بالکل معصوم بچوں کی طرح پوچھ رہی تھی اور اسی معصومیت سے حماد نے سر ہلایا۔ باقی سب کے چہرے مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے۔

"تم اسی کے مستحق تھے۔" خفگی سے کہتے ہوئے اس نے حماد کا ہاتھ گال سے ہٹایا اور اس کے گرد بازو حمائل کیے۔

"میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی تھی لیکن تمہیں آئندہ پتا ہو گا کہ ایسی سنگین شرارت نہیں کرنی۔"

"یہ آخری شرارت ہے۔ پھر تم اس کے بعد اس گھر سے رخصت ہو کر چلی جاؤ گی۔" اس بات پر سب بھائیوں کے دل رک گئے تھے۔ خود کہنے والے کا دل بھی پل بھر کو رکا۔ اس نے زور سے ماریہ کو گلے لگا لیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" اب کے وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس خاموشی سے حماد کے گلے لگی روتی رہی۔

"اس دن تو میں رخصت ہو رہا تھا لیکن مجھے لگ رہا ہے آج ہمارا میڈی رخصت ہو کر سسرال جا رہا ہے۔" یمان نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے کہا تو وہ سب ہنس دیئے جبکہ حماد بری طرح جھینپ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں یاور کے روم میں بھی گئے تھے۔ وہ ناراض ہو کر گیا تھا۔ تو اب ماریہ کو ہی حماد کو معافی دلائی تھی۔ کچھ دیر تو یاور نے اس سے بات نہیں کی۔ لیکن پھر جلد ہی مان گیا۔ وہ سب زیادہ دیر تک ایک دوسرے سے ناراض نہیں رہ سکتے تھے۔ اس بات کا اندازہ آج سب کو ہو گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یہ منگنی سے دو دن پہلے کی بات ہے۔ منہاج کچھ ضروری چیزیں لینے مارکیٹ چلا آیا تھا۔ وہاں اسے اتفاق سے محمل مل گئی تھی۔ اب وہ اسے پہچاننے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ سو اب وہ دونوں مارکیٹ کے اندر بنے ریسٹورنٹ میں موجود تھے۔

"سویون نے کتنی دفعہ آپ کو فون کیا لیکن آپ نہیں اٹھا رہے تھے۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کو کہیں سے بھی ڈھونڈ کر آپ سے ملاقات کروں۔" وہ بہت سنجیدہ نظر آتی تھی۔

"خیریت تھی؟ ہمارے گھر میں ایک چھوٹا سا فنکشن ہے۔ میں مصروف تھا۔" اس کا انداز نارمل تھا۔

"دادی جان نے سویون کے لیے ایک لڑکا دیکھا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ اگر آپ ایک بار چھان بین کر دیں تو۔۔۔۔"

"وہ مجھے بتائے بغیر کیسے طے کر سکتی ہیں۔ بہنوں کی طرح ہے وہ میری۔" منہاج کو یقیناً برا لگا تھا۔

"سویون نے آپ کو کتنی دفعہ فون کیا۔ آپ نے نہیں اٹھایا۔ اب اس میں ان لوگوں کا کیا قصور؟" اس طرح بولتی ہوئی منہاج کو وہ دفاعی لگ رہی تھی۔

"ہمم......اوکے میں کر لوں گا رابطہ۔"

"آپ کے گھر کس کا ایونٹ ہے؟" محمل کی آواز میں ہچکچاہٹ تھی۔

منہاج نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا۔

'میرے بہن بھائی کی انگیجمنٹ کا۔" وہ بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔اس نے محسوس کیا تھا جیسے اس نے کب کی روکی ہوئی سانس بحال کی ہے۔

"مبارک ہو آپ کو تو پھر۔"اس نے مسکرا کر کہا جسے منہاج نے سر کے خم سے قبول کیا۔اور پھر ایک لمبی خاموشی ان دونوں کے درمیان آگئی۔

"مجھے...... سویون نے بتایا کہ......"منہاج نے جو موبائل میں مصروف تھا سر اٹھا کر محمل کو دیکھا۔

"جب آپ دس سال کے تھے آپ کی والدہ آپ کو.... چھوڑ کر....۔"اس نے دیکھا کہ زمانوں کا کرب سمٹ کر منہاج کے چہرے پر آیا تھا۔

"آئی ایم سوری! میں بس تعزیت کرنا چاہتی تھی۔"وہ منہاج کے تاثرات دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"بہت شکریہ.... لیکن میری ماں کے انتقال کے وقت میں تیرہ سال کا تھا۔ سویون کو ہمیشہ میری عمر بھول جاتی ہے۔"اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا۔ محمل نے بس اثبات میں گردن ہلادی۔اسے مزید کچھ نہیں پوچھنا تھا۔

"اگر آپ کی باتیں ختم ہو گئی ہوں تو میں جاؤں؟"اسی اجنبی لہجے میں کہتا وہ اٹھ گیا۔جب وہ خود جارہا تھا تو وہ کیسے روک سکتی تھی۔

"شیور...." وہ محض یہی بول سکی تھی کیونکہ وہ آگے کچھ بھی سننے کو نہیں رکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جو اس پر اک نظر رحم کی بھی نہیں ڈالتا تھا وہ اس کے معاملے میں دل کی کیسے سن سکتی تھی۔

oooooooooooooo

منگنی سے ایک دن پہلے عریش نے عنایہ کو اپنے خاص دن پر آنے کی دعوت دی تھی جسے اس نے کھلے دل سے قبول کیا تھا۔ عریش کی ہچکچاہٹ پر اس نے جواب میں بس یہ کہا تھا.......

"میں حماد کے لیے اپنے جذبات ختم کر چکی ہوں۔ اب میرا سب کچھ سعد کے لیے ہے۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس بات نے عریش کے دل سے ڈھیروں بوجھ اتار دیا تھا۔

دوپہر کو چیون سا نے ہسپتال فون کیا تو انہیں پتا چلا کہ جیو نگ ہون ایک روز پہلے گھر جا چکا تھا۔اس سے ملاقات کے لیے انہیں اس کے گھر جانا تھا۔

شاپنگ کے لیے محض ایک دن ضائع ہوا تھا۔اور پھر سب اپنے کاموں میں مصروف۔ان لوگوں کا وقت بہت قیمتی تھے۔وہ ایسی تقریبات کے لیے بھی مخصوص وقت رکھتے تھے۔ منگنی کا فنکشن بھی بس دو گھنٹے چلنا تھا۔یہ ایک گھنٹے کا ہوتا لیکن کھانے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا تو یہی وجہ تھی کہ فنکشن دو گھنٹے کا تھا۔

جنگلوک کی یہ رات آنکھوں میں کٹ رہی تھی۔وہ جو نا ممکن لگا تھا کبھی وہ ممکن ہونے جا رہا تھا۔وہ اس وقت ٹیرس پہ بیٹھا تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔خوشی نا قابل بیان تھی۔

"اف! کس نے یہ منگنی جیسا بیکار فنکشن ایجاد کر دیا ہے۔ سیدھا سیدھا شادی کا فنکشن ہونا چاہیے تھا بس۔" ناجانے کیوں وہ بے صبرا سا ہو رہا تھا۔ پھر اپنی بات پر وہ خود ہی ہنس دیا۔

منگنی تک سارہ نے جیونگ کو فون کیا تھا۔ وہ اس معاملے میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتیں تھیں۔ لیکن جیونگ کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ جیسے تیسے یہ دن بھی کٹ گیا۔

○○○○○○○○○○○○

17 ستمبر 2023

آج صبح اپنے ساتھ بہاریں لے کر آئی تھی۔ ہر طرف رونقیں تھیں۔ آج انگیجمنٹ سرمنی تھی جس کی اریجمنٹ فرقان ہاؤس کے لان میں کی گئی تھی۔ فکشن رات کے سات بجے کا تھا لیکن تیاریاں صبح ہی شروع ہو گئی تھیں۔

ان سب کاموں کو چھوڑ کر ہم اوپر اس روم میں چلتے ہیں جس کے داخلی دروازے کے اوپر "ہاشم احمد درانی" لکھا ہوا تھا۔ کمرے کے اندر ہاشم کھڑکی کے سامنے فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔

"میں نے بہت کوشش کی ہے کہ ہم سیورینہ کے قاتل کو ڈھونڈ لیں لیکن وہ کوئی بہت شاتر قسم کا انسان ہے۔ کوئی ثبوت تک نہیں چھوڑا۔" دوسری جانب تسبیحہ تھی۔

"جب قاتل درمیان میں ہو تو اسے باہر نہیں ڈھونڈا کرتے مسٹر ہاشم احمد دران۔ ہاں یہ الگ بات ہے آپ دونوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ہیں۔ آپ دونوں اصل قاتل کو سامنے دیکھ کر بھی ماننے سے انکاری ہیں۔"

"جس عورت کو تم قاتل کہہ رہی ہو۔ آج اس کے بیٹے کی انگیجمنٹ ہے میری بہن کے ساتھ۔ "تسبیحہ کے لیے یہ بہت حیرت اور غیر متوقع بات تھی سو وہ شاکڈ تھی۔

"تم.... تم اپنی بہن کو اس عورت کی بہو کیسے بنا سکتے ہو؟

جب..... جب اس نے ہمیں ایک ساتھ نہیں رہنے دیا تو وہ جنگکوک اور ماریہ کو کیسے......" وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔

"جنگکوک اس کی ذمہ داری لے رہا ہے۔ میری اور تمہاری شادی محبت سے زیادہ سازش کی شادی تھی۔ لیکن ان دونوں کی محبت کی شادی ہے۔ میں جنگکوک پر یقین کر رہا ہوں۔" وہ مطمئن سا بولا۔

"کیا اسے پتا ہے تم اس کی پھوپھو کے بیٹے ہو؟" اپنی شادی کے ذکر نے اسے کرب میں مبتلا کر دیا تھا لیکن پھر وہ سنبھل کر بولی۔

"یہ کام تم کر دینا۔ ابھی مجھے دوسرے کچھ کام نمٹانے ہیں۔ خدا حافظ۔" اس کی کوئی بات بھی سنے بغیر اس نے کال ڈراپ کر دی۔

ooooooooooo

اور یہ دن بھی آخر اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ رات اس خوبصورتی سے سجے لان پر اتر چکی تھی۔ ہر طرف روشنیاں تھیں، سجاوٹیں تھیں۔ سیمون فیملی کا استقبال بڑے اچھے طریقے سے کیا گیا تھا۔ بختاور کی فیملی بھی آ چکی تھی۔ بس وہ دونوں دلہنیں ابھی تک غائب تھیں۔ ان سب بھائیوں نے بلیک ٹو پیس پہنے ہوئے تھے سوائے حماد گگ۔ اس نے تھری پیس پہنا ہوا تھا۔ جنگکوک نے بھی بلیک کلر کا تھری پیس پہنا ہوا تھا۔ وہ سب تصویریں کھنچواتے اور ان لمحات کو کیمروں میں قید کرتے رہے۔ اس سارے فنکشن میں ایک بندہ مسنگ تھا۔

یمان احمد درانی۔

یہ ایک فیملی فکشن تھا اس لیے باہر کا کوئی بھی

نہیں تھا۔ فرح کے پیرنٹس خصوصی مہمان تھے۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں بھی آ گئیں تھیں۔ ماریہ کا ہاتھ فرح نے پکڑا

ہوا تھا جبکہ عریش کا بختاور نے۔ ماریہ نے گرے کلر کی پیروں تک

آتی سلک کی فراک پہن رکھی تھی۔ جس پر گولڈن کلر کا کام ہوا تھا۔

چہرے کو ایک گھونگھٹ کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ ہاتھوں پر موتیے کے

پھولوں کے گجرے پہنے ہوئے تھے۔ پاؤں میں ہیل پہنے وہ سہج سہج

کر چل رہی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو مہندی سے سجایا گیا تھا۔ وہ

کورین لڑکی آج اس لباس میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

جنگکوک کی نظریں اٹھیں اور پلک جھپکنا بھول گئیں۔ وہ نگاہیں جو

محبت میں اٹھتی تھیں اور احترام میں جھک جاتی تھیں۔ آج منجمد ہو

گئیں تھی۔ آج وہ کسی سحر میں جکڑی جا چکی تھیں۔

اس کے بر عکس عریش نے سنہری رنگ کی پیروں تک آتی فراک پہن رکھی تھی۔ جس پر بہت خوبصورتی سے کام ہوا تھا۔

ہاتھوں پر گیندے کے پھولوں کے گجرے اس کی سفید کلائیوں پر خوب بچ رہے تھے۔اس کے بھی چہرے پر گھونگھٹ تھا۔اسٹیج پر بیٹھے حماد کی نظریں وہیں لگ گئی تھیں جہاں سے چلتی ہوئی آرہی تھی۔

وہ دونوں لڑکے اس وقت ارد گرد کی دنیا سے بیگانے ہو چکے تھے۔

بختاور نے بلیک کلر کی میکسی پہنی ہوئی تھی اور خوبصورت بال ایک طرف کو کیے ہوئے تھے۔کانوں میں سفید جھمکے جھک کر اس کے شانے کو چھو رہے تھے۔پاؤں میں بلیک کلر کی ہیل پہنے ہوئے تھی۔ ہونٹوں پر ریڈ لپاسٹک کا ٹچ تھا۔وہ خوبصورت لڑکی قیامت برپا کر رہی

تھی۔ منہاج جو ہاشم سے کوئی بات کر رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس کی نظریں اٹھی تھیں اور پھر پلک جھپکنا بھول گئیں تھیں۔

فرح نے گہرے سبز رنگ کی میکسی پہنی ہوئی تھی اور سر پر حجاب تھا۔ میک اپ بہت لائٹ سا تھا۔ اور وہ بھی اس کے نقاب کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ یاور نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور اس کے پیرنٹس کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ کتنا مصروف تھا یہ بس وہی جانتا تھا جو کنکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ علیزے مومن کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا گیا تھا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا رخ اسٹیج کی طرف تھا۔ اس نے چہرہ نہیں چھپایا تھا لیکن سر پر حجاب لے رکھا تھا۔ اس کا شوہر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا سو کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پیاری تو وہ پہلے ہی تھی لیکن آج کل وہ کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی تھی۔ آسمانی رنگ

کے چمکتے کرتا پاجامہ پہنے وہ ہلکے پھلکے میک اپ میں بھی مومن کے ہوش اڑا رہی تھی۔

دلہنوں کو اسٹیج پر بٹھا دیا گیا تھا۔ سامنے بڑے صوفے پر دونوں لڑکیاں ایک ساتھ بیٹھی ہوئیں تھیں۔ جبکہ حماد اور عریش الگ الگ صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جنگکوک کا دھیان ہر چیز سے ہٹ گیا تھا۔ وہ بس ماریہ کو دیکھے جا رہا تھا جو اس کی نگاہوں کا حصار گھونگھٹ میں بھی محسوس کر سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ذرا سی لرزش ہوئی جسے جنگکوک نے دیکھا۔ وہ زیر لب مسکرا دیا۔ جیب سے موبائل نکال کر اس نے فرنٹ کیمرہ آن کیا اور اپنے ساتھ ماریہ کو بھی اس تصویر میں قید کرنے لگا۔

"تم میرے سامنے میری بہن کی تصویر نہیں بنا سکتے۔" حماد نے اسے مصنوعی رعب سے جھڑکا تو جنگکوک نے

فوراً کیمرہ نیچے کیا۔

"تم کیا ہر وقت میری جاسوسی کرتے رہتے ہو؟" جنگلوک نے بھی جوابی کارروائی کی تھی۔ وہ دونوں دلہنیں ہنس رہی تھی لیکن کسی کو نہیں پتا تھا۔ حماد نے جواباناک سے مکھی اڑائی۔

○○○○○○○○○○○○○○

ان سب روشنیوں، سجاوٹوں، رونقوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا ایک لڑکی کے شانے کو تھپتھپا کر ایک گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں ایک کھلی مخملی ڈبیا تھی جو وہ اس لڑکی کے سامنے کیے ہوئے تھا۔

لڑکی نے مڑ کر دیکھا تو وہ اپنی پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

"یمان سر۔" اس کے منہ سے محض یہی نکلا تھا۔

"کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ ایک گھٹنے پر جھکا بختاور کو پرپوز کر رہا تھا۔

انہی روشنیوں، سجاوٹوں اور رونقوں نے دیکھا۔ اسٹیج کے پاس کھڑے ایک اکتیس سال کے لڑکے کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ ہر روشنی ماند پڑ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف تھا۔ پھر سے کچھ کھو دینے خوف۔

وہ دونوں جب لان میں دونوں دلہنوں کو لیے اینٹر ہوئیں تو بختاور کی نظریں سامنے کھڑے منہاج پر گئیں۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ یہاں۔" ذہن میں سوچتے اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ اسے ہر طرف فرقان کنسٹرکشن کے مالک نظر آئے تو وہ بری طرح الجھ گئی۔ دلہنوں کو اسٹیج پر بٹھا کر وہ سب سے پہلے وہ نفیسہ بیگم کے پاس

آئی تھی جو وہاں کھڑی اپنی بیٹی کو یاسیت اور نم آنکھوں سے دیکھ رہیں تھیں۔

"یہ فرقان کنسٹرکشن کے مالک یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟ کیا وہ حماد کے کچھ لگتے ہیں؟" اس نے نفیسہ بیگم سے سرگوشی میں پوچھا۔ نفیسہ بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"یہ سب حماد کی خالہ کے بیٹے ہیں۔ چونکہ اس کے والدین نہیں ہیں اس دنیا میں تو وہی اس کی خوشی میں شامل ہونے آئیں ہیں۔" نفیسہ بیگم نے بھی اسی سرگوشی سے بتایا۔ بختاور کو یہ سن کر کافی حیرت ہوئی تھی۔ اب اس کے باس اس کے رشتہ دار بننے جا رہے تھے۔ لیکن وہاں ایک باس مسنگ تھا۔ اور وہ تھا یمان.....

جس کی تلاش میں بختاور نے پورے لان میں نظریں دوڑائیں لیکن وہ اسے کہیں نا ملا۔ ہوتا تو ملتا۔ وہ تو وہاں تھا ہی نہیں۔

"ہائے مس بختاور۔" اپنی پشت پر ایک شناسا سی آواز ابھری۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ منہاج تھا۔

"ہائے۔" وہ جبراً مسکرائی۔ اگر سب آئے تھے تو وہ کیوں نہیں آیا تھا۔

"آپ یہاں؟" وہ حیرت زدہ سا کھڑا تھا۔

"وہ..... عریش میری بہن ہے۔" ایک چھوٹے سے جملے نے منہاج کو ساری بات سمجھا دی تھی۔ تبھی اس کے لب "اوہ" میں سکڑے۔

"یعنی ہم ایک نئے رشتے میں بندھنے جا رہے ہیں۔" وہ بختاور کو دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ ٹھیک نہیں تھا۔

"جی۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"تو کیسی ہیں آپ؟" وہ بالکل ایسے پوچھ رہا تھا جیسے میزبان مہمانوں سے پوچھتے ہیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں۔" رسمی جملے۔

"آئی ایم آل سو گڈ۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا یاور کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اسے تصویروں کے لیے بلا رہا تھا جو ان سب کو اپنی بہن کے ساتھ لینی تھیں۔ وہ معذرت کرتا وہاں سے چلا گیا۔

بختاور نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اس نے ایک بار پھر سارے میں دیکھا۔ وہ نظر نہیں آیا۔ منگنی کی رسم میں ابھی وقت تھا۔ شاید آجائے۔ کچھ دیر بعد۔ وہ یونہی سوچتے سوچتے ہسپتال کی اس رات میں چلی گئی جس رات اس سے کوئی ملنے آیا تھا۔ وہ کون تھا۔ عریش کے جاتے ہی اندر آنے والے نے بختاور کو چونکا دیا۔ وہ لیونا تھی۔ ہاتھ

میں بکے پکڑے وہ مسکرا کر چلتی ہوئی اس تک آئی۔ اسے دیکھ کر بختاور کا خلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

"کیسی طبعیت ہے تمہاری؟" وہ اپنائیت بھری مسکراہٹ سے بولی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" بختاور نے نظروں کا رخ پھیر لیا۔ وہ جس کی وجہ سے ہسپتال میں تھی وہ کیسے اس سے ہنس کر بات کرتی۔ بختاور کے رخ پھیرنے پر بھی لیونا کی مسکراہٹ برقرار رہی۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔"

"پھر بھی یہاں چلی آئیں۔" اس نے رک کر بختاور کو دیکھا۔

"اس لیے تاکہ تمہارے دل میں اپنے لیے موجود نفرت ختم کر سکوں"

بختاور نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"اور تم ایسا کیوں کرو گی؟"

"کیونکہ تم ایک ایسی لڑکی ہو جو باتیں دل میں چھپا کر ہسپتال پہنچ گئی لیکن میں ایسی نہیں ہوں۔ میں نا خود پر ظلم کرتی ہوں اور نا دوسروں کو ظلم کا نشانہ بننے دیتی ہوں۔ اگر تمہیں یمان سے محبت تھی تو بولی کیوں نہیں۔ کیوں نہیں کہا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔ کیوں اس کا روگ پال لیا؟" لیونا بے حد سنجیدہ تھی۔ اس کے لہجے اور لفظوں کی وجہ سے بختاور کا دل بھر اگیا۔ دل کیا دھاڑیں مار مار کر روئے۔ لیکن ضبط کر گئی اور اس ضبط سے آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ بمشکل اٹھ کر بیٹھ گئی۔ لیونا نے اسے نہیں روکا۔ جانتی تھی وہ نہیں مانے گی۔

"کیونکہ میں نے اسے تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے۔ تم ہو نا اس سے محبت کرنے کے لیے۔ جاؤ اس سے اظہار کرو اور شادی کرو۔ تم

دونوں کا میچ بھی بنتا ہے۔میں کون ہوں۔ معمولی سی ورکر۔" نا جانے کیوں وہ احساس کمتری کا شکار ہو رہی تھی۔لیونا دکھی سے مسکرادی۔

"میں.... شادی شدہ ہوں۔" جملہ تھا یا بم۔بختاور نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا۔وہ ساکت ہو گئی تھی۔

"اس شادی سے میرے دو بچے ہیں۔بیٹا دو سال کا ہے اور بیٹی سات ماہ کی۔آج سے چار ماہ پہلے جب میری بیٹی تین ماہ کی تھی میرا شوہر ایک ایکسیڈنٹ میں مر گیا۔وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔اور اتنی محبت کرنے والا شوہر جب مر جائے تو عورت کو کہاں ہوش رہتا ہے۔ بس میری بھی کنڈیشن ایسی ہو گئی تھی۔بالکل جیسے کوئی نفسیاتی مریض ہو۔میرے تو سیشن بھی ہوتے رہے ہیں ایک ماہر نفسیات کے ساتھ۔" بختاور نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا.

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں، آپ یمان سر کی کلاس فیلو تھیں اور ان کے ساتھ امریکہ میں پڑھتی تھیں آپ۔ آپ کم سے کم چھبیس سال کی ہوں گی اور اس اتیج میں آپ کہہ رہی ہیں آپ کے دو بچے ہیں۔ امپوسیبل۔" بختاور نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایسا ہی ہے۔ ہم دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔ اچھے دوست بھی تھے۔ لیونارڈو بھی ہمارے گروپ کا تھا۔ ہم اک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ لیکن میرے ڈیڈ کو وہ پسند نہیں تھا۔ میں امریکن شہری تھی اور وہ اٹلی کا رہنے والا۔ میں نے پڑھائی کے دوران ہی لیونارڈو سے شادی کی اور جب ہماری پڑھائی کو ڈیڑھ سال رہ گیا ختم ہونے میں تو میں پریگنینٹ ہو گئی۔ میرے ماں باپ مجھ سے تعلق ختم کر چکے تھے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہم اٹلی چلے گئے۔ یمان کو وہاں جا کر سب کچھ معلوم ہوا تھا۔ وہ خفا کیا ہوتا۔ اس

نے میری کنڈیشن کا سنا تو وہ مجھے اپنے ساتھ یہاں لے آیا۔ میں اپنے بچوں سمیت یہاں کچھ عرصے کے لیے چلی آئی۔ سچ میں میں یہاں آ کر بہت بدل گئی ہوں۔ مجھ میں صبر آگیا ہے۔ لیکن تمہاری میرے لیے ناپسندیدگی مجھے دکھی کر دیتی ہے۔ بس میں چاہتی ہوں تم اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دو۔ میں اور یمان بس اچھے دوست تھے اور اچھے دوست رہیں گے۔" لیونا کی یہ تفصیل پر وہ کتنی دیر ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اب وہ کیا پوچھتی۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

"کبھی کسی کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہیے سر اٹھے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔" لیونا نے اس کی تھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔ بختاور پشیمان تھی۔ لیونا کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا تمہیں واقع ہی ساحل سمندر پسند ہے۔جب بارش ہوتی ہے تم وہاں جانا پسند کرتی ہو؟"اس نے بمشکل یہ آخری بات پوچھی تھی جہاں وہ لڑکی قہقہ لگا گئی۔

"مجھے ساحل سمندر پسند ہے لیکن بارش میں یمان کو پسند ہے۔مجھے بارش میں وہاں جانا اچھا نہیں لگتا۔میں اس کے ساتھ صرف ایک مقصد کے لیے گئی تھی اور وہ یہ تھا کہ وہ وہاں پر کوئی اچھی سی لوکیشن دیکھ رہا تھا جہاں تمہیں پرپوز کر سکے۔"

بختاور کو پھر جھٹکا سا لگا۔وہ حیران ہوتی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"خیر پرپوز تو اس نے تمہیں بہت دفعہ کیا لیکن تم سمجھی نہیں۔اور مجھے تمہیں دیکھ کر ہنسی آتی تھی کہ محبت تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھی ہے اور تم ہو کہ دھیان ہی نہیں دے رہی۔تمہارا

دھیان بس اس طرف تھا کہ کوئی لڑکی اس کے ساتھ گھوم رہی تھی۔"وہ ابھی تک ہنس رہی تھی۔

"ہمیں ابھی تک جگہ نہیں ملی تھیں کہ آپ محترمہ اس غلط فہمی کی وجہ سے ہسپتال پہنچ گئی۔تو میں نے تمہیں سب کچھ بتانے کا ارادہ کر لیا۔یمان نہیں جانتا کہ میں نے تمہیں سب کچھ بتادیا ہے۔تم بھی مت بتانا لیکن ایک بات یادرکھنا۔وہ تمہیں تم سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔بس ذرا کھڑوس ہے۔"آخری بات پر بختاور بھی مسکرائی تھی۔

"اگراب وہ پرپوز کرے تو انکار نا کر دینا۔جھٹ سے اس کا ہاتھ تھام لینا اس سے پہلے کہ وہ پھر سے ارادہ بدلے۔"اس کے انداز میں نرم سی تنبیہہ تھی۔بختاور نے دکھ سے اسے دیکھا۔وہ کتنی اچھی تھی اور وہ اسے کیا سمجھتی رہی۔لیونا نے اسے اپنی طرف دیکھتا پایا تو بول پڑی۔

"دیکھو اب یہ نا کہنا کہ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ مجھے معاف کر دیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ سو اس بات کو بھلا کر یمان کے پرپوز پر توجہ دو۔ خوش رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ پریشان کرنے والی باتوں کو پس پشت ڈال کر ان باتوں کو سوچو جو تمہیں خوش کرتی ہیں۔ اس لیے اب مسکراؤ۔ اب رونے کے دن چلے گئے بختاور اب بس مسز یمان بننے کی تیاری کرو۔"

آخری بات پر وہ جھینپ گئی تھی۔ پھر وہ دونوں ہنس دیں۔ اس مختلف سے وقت میں ان دونوں کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ ماضی کا یہ قصہ اس کے لبوں پر افسردہ سی مسکان بکھیر گیا۔ وہ ابھی اس سے باہر نہیں آئی تھی جب اسے اپنے کندھے پر کسی کے بھاری ہاتھ کے چھونے کا احساس ہوا۔ وہ چونکتے ہوئے مڑی اور ٹھہر سی گئی۔ وہ اس کے سامنے ایک گھٹنے کے بل ہاتھ میں انگوٹھی لیے بیٹھا تھا۔

"یمان سر....۔" وہ سحر زدہ سی آواز میں بولی۔

"ول یو میری می؟" وہ لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ لیے بولا۔ بختاور نے کسی طلسم سے نکل کر یمان کے پیچھے اپنی ماں کا دیکھا جو اسے آنکھ کے اشارے سے "ہاں" کہنے کا اشارہ دے رہی تھی۔ اس نے جھٹ سے یمان کے سامنے اپنا بایاں ہاتھ کیا کہ کہیں پھر سے اس کا ارادہ نا بدل جائے۔ وہ دلکش انداز میں مسکرایا۔ مسکرانے سے اس کی آنکھیں بھی چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ اس نے رنگ باہر نکالی اور اس کے خوبصورت ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے مطلوبہ انگلی میں پہنا دی۔ یمان کے پرپوز پر سب اس کی طرف متوجہ تھے۔ سو سب تالیاں بجانے لگے۔

"دیکھو بھئی جن کی آج منگنی تھی۔ وہ وہیں پر رہ گئے اور یہ دونوں بازی لے گئے۔" حماد نے منہ کے فنی زاویے بناتے کہا تھا وہ تینوں

ہنس دیئے۔ البتہ سارہ آفندی کو ان سب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ بیٹھیں مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے تھیں۔

جہاں وہ سب مسکرا کر اس خوبصورت منظر کو دیکھ رہے تھے، وہیں ایک شخص سٹیج کے پاس کھڑا بے یقینی اور خوف سے اس سارے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم جہاں یمان کے لیے خوش ہوا تھا وہیں منہاج کے تاثرات نے اسے افسردہ کر دیا۔ اس نے بہت غور سے منہاج کو دیکھا تو۔۔۔۔۔۔اس کا دل اچھل کر باہر آیا۔ وہ ٹھیک نہیں تھا۔۔۔۔۔وہ منہاج بھی نہیں لگ رہا تھا۔۔۔وہ منہاج تھا ہی نہیں۔ اس کے چہرے کی ہر خوشی ماند پڑھ چکی تھی۔ آنکھیں خوفزدہ تھیں۔ اپنے سامنے پھر سے کسی اپنے کو دور جاتا دیکھنا اب اس کی برداشت سے باہر تھا۔ منہاج نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ اسے کھلے آسمان تلے گھبراہٹ

سی ہونے لگی تھی۔ اس نے خود کو اس منظر سے ہٹا لینا چاہا جب اسے اپنے بازو پر کسی کی گرفت محسوس ہوئی۔ منہاج نے مڑ کر دیکھا۔

روکنے والا ہاشم تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ جن آنسو پر ضبط کئے ہوئے تھا۔ لگ رہا تھا ابھی بہہ جائیں گے۔

"م...... میں اپنے روم میں جا رہا ہوں۔" آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

"لیکن ابھی فنک......"

"پلیز بھائی..... مجھے مت روکیں۔ فی الحال میرے اندر حوصلہ نہیں ہے یہ سب دیکھنے کا۔ مجھے اس بات کو ہضم کر لینے دیں کہ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ سچ ہے۔" منہاج نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ ہاشم نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اس گھٹن سے بخوبی واقف تھا۔ محبت کھو جانے کا دکھ ہاشم سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ ہاشم کے چھوڑتے ہی منہاج

لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر کی طرف چلا گیا۔ ہاشم نے گہری سانس لیتے ہوئے خود کو نارمل کیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"میرے خیال سے اب ہمیں یہ رسم بھی ادا کر دینی چاہیے۔"

وجاہت صاحب نے سٹیج پہ بیٹھے ان چاروں کی طرف اشارہ کیا۔ یمان جو بختاور کو انگھوٹھی پہنا کر اسے دیکھنے میں مصروف تھا فوراً سیدھا ہوا۔ بختاور اس کے ایسے دیکھنے پر بلش کر گئی تھی۔ رسم کے لیے وہ سب اسٹیج کے ارد گرد کھڑے ہو گئے تھے۔

"منہاج بھائی کہاں ہیں؟" یاور نے ہاشم سے پوچھا۔

"وہ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا تو کہہ رہا تھا آرام کرے گا۔" وہ دونوں سرگوشی میں لگے ہوئے تھے۔

"دو منٹ تو رک جاتے۔ ماریہ کی رسم ہو جاتی تو چلے جاتے۔" مومن شاید ان کی سرگوشیاں سن رہا تھا تو درمیان میں بول پڑا۔

"اچھا اب تم دونوں چپ رہو۔ بچوں کو ان کی خوشی انجوائے کرنے دو۔ انہیں نہیں پتا۔ اگر پتا چلا تو انہیں برا لگے گا۔" ہاشم نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پہلے ماریہ نے جنگکوک کو انگوٹھی پہنائی۔ کچھ اس احتیاط سے کہ جنگکوک کے ہاتھ کو اس کا ہاتھ نا چھوئے۔ پھر جنگکوک نے بھی اسی طرح اسے انگوٹھی پہنائی تھی۔ اس منظر کی سارہ آفندی نے دو تصویریں اتاریں تھیں اور وہیں کھڑے کھڑے کسی کو سینڈ بھی کر دیں تھیں۔

اب حماد اور عریش ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنا رہے تھے۔ آج دو کے ساتھ ایک منگنی فری ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں کھانا بھی لگ گیا

تھا۔ دولہے دونوں اسٹیج سے نیچے اتر آئے تھے۔ اب ماریہ کے سامنے فرح اور عریش کے سامنے بختاور ٹیبل پر بیٹھیں انہیں کھانا کھلانے میں مصروف تھیں۔ ایسے میں ہاشم ایک ضروری کال کا کہتا وہاں سے چلا آیا۔ اور اب اس کا رخ گھر کی طرف تھا۔ اسے منہاج کے پاس پہنچنا تھا۔ جلد از جلد۔

oooooooooooo

ہاشم روم میں آیا تو منہاج کی حالت دیکھ کر اس کا دل کٹ گیا تھا۔ وہ بیڈ کے پاس نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک گھٹنا موڑے اور دوسرا بالکل سیدھا رکھے، دونوں ہاتھ پہلو میں گرائے وہ زمین کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ چہرے پر آنسو گرتے جا رہے تھے۔ اس کا کوٹ زمین پر اسکے پاس پڑا ہوا تھا۔ اس کے مڑے ہوئے گھٹنے پر ایک فوٹو فریم رکھا ہوا تھا۔ ہاشم اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا اس کے قریب آیا

تو تصویر میں فرقان احمد اور گل رعنا نظر آئے۔ مسکراتی ہوئی تصویر۔

ہاشم وہیں زمین پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"بس کر دو.... رونے سے وہ تمہیں مل تو نہیں جائے گی۔"

"میرے رونے سے کب..... مجھے کچھ ملا ہے؟" وہ بولا تو آواز مدھم لیکن لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ رونے کی وجہ سے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ وہ بہت کم روتا تھا۔ لیکن آج وہ رو رہا تھا۔ ہاشم کو اپنا دل کئی حصوں میں کٹتا محسوس ہوا۔ اس نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

"جانے دو اسے.... وہ کسی اور کی امانت ہے۔"

"میں پہلے کب کسی کو روک پایا ہوں۔" آنسو گرتے ہی جا رہے تھے۔

"منہاج.... تم خود کو سنبھالو۔ تمہیں دیکھ کر میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔" اس نے منہاج کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"سب مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ تیرہ سال کا تھا، ماں چلی گئی۔ اکیس سال کا تھا، بابا چلے گئے۔ اکتیس سال کا ہوا ہوں تو...... محبت چلی گئی۔ ہر چند سال بعد کوئی نا کوئی اپنا مجھے چھوڑ کر چلا جاتا ہے بھائی۔ اکتالیس سال کا ہو جاؤں گا تو.... تو تب کون جائے گا۔" نگاہیں ابھی تک زمین پر تھیں۔

"کیوں ان لوگوں کو رحم نہیں آتا۔ کیا مطلب میں انسان نہیں ہوں؟ کیا میں کوئی پتھر ہوں۔ جسے تکلیف نہیں ہوتی۔" کہتے کہتے وہ یک دم رونے لگ گیا تو ہاشم نے کھینچ کر اسے اپنے بازو میں بھینچ لیا۔

"صبر کرو میرے بھائی۔ یہ محبت اتنی ہی ظالم ہوتی ہے۔ تمہیں برداشت کرنا ہو گا۔"

"نہیں ہو رہا۔ مجھ سے.... برداشت ہی تو نہیں ہو رہا۔ اور دیکھیں.... قسمت کا ستم دیکھیں.... میرے مقابل کوئی غیر تو

نہیں.... میرا اپنا بھائی ہے۔ میں... میں کیسے اس سے لڑوں۔ کیسے کہوں کہ اس دفعہ تو مجھ سے میرا عزیز نا چھینے کوئی۔ نہیں ہو رہا.... دل پھٹ رہا بھائی۔" وہ بچوں کی تڑپ کر رو رہا تھا۔ ہاشم کی اپنی آنکھیں بھیگتی چلی جا رہیں تھیں۔ وہ اسے کیا دلاسہ دیتا۔

"کاش ماں ہوتی۔ میری ماں.... میری ماں زندہ ہوتی تو میں اس کی گود میں سر رکھتا اور.... اور اسے بتاتا میں کتنی تکلیف میں ہوں۔ بھائی...... میں اپنی بھائی سے کیسے کہوں۔ اس سے اس کی خوشی کیسے چھینوں۔ کیسے..... کیسے ہم دونوں کی محبت ایک ہی لڑکی ہو گئی۔ وہ یمان..... یمان سے محبت کرتی ہے۔ میں اسے اپنے بھائی سے چھین بھی نہیں سکتا۔" وہ سسک رہا تھا۔ ہاشم خاموش تھا۔ بولے تو آخر کیا بولے۔ کوئی تسلی، کوئی حوصلہ کچھ بھی تو نہیں تھا فی الحال اس کے پاس دینے کو۔

"نہیں آتا..... نہیں آتا رحم قسمت کو مجھ پر۔ اسے میرا نہیں ہونا تھا۔ وہ نہیں ہوئی۔ چھن گئی۔ کچھ دنوں تک وہ یہاں آجائے گی۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ یمان....." اس سے زیادہ اس سے بولا نہیں گیا۔ وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک اس کی گود میں سر رکھے سسکتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پلیز آپ مہمانوں کے پاس جائیں۔ وہ کیا سوچ رہے ہوں گے کہ ہم دونوں کہاں چلے گئے۔"

"تم ٹھیک ہو؟" ہاشم نے بے اختیار پوچھا۔ منہاج نے زکام زدہ سی سانس اندر کھینچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اچھا اب رونا نہیں ہے... میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا تمہیں دیکھنے۔" ہاشم نے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا اور مصنوعی سا مسکرا دیا۔ منہاج تو مسکرا بھی نا سکا۔ ہاشم اٹھ گیا۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ محبت کے معاملات میں یہ سب چلتا رہتا ہے۔" ہاشم کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ منہاج "یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے" پر ہی اٹک گیا تھا۔ وہ بمشکل ہمت کرتا اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے شیشے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ بے ساختہ اس کے لب ہلے......

میرے آنسو نہیں تھم رہے کہ وہ مجھ سے جدا ہو گیا اور تم کہہ رہے ہو

چھوڑو، اب ایسا بھی کیا ہو گیا

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک کسی کی کال سننے کے لئے دوسری طرف جانے لگا لیکن ماریہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھہر گیا۔ لمحے بھی ٹھہر گئے۔ وہ خوبصورت نہیں تھی۔ لیکن محبت کی نگاہیں کہہ رہی تھیں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں ہے۔ ہاں وہ خوبصورت تھی۔ وہی تو خوبصورت تھی۔ اور

آج اس حلیے میں وہ جنگکوک کے ہوش اڑا دینے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

پانی کا گلاس لبوں کو لگاتے ماریہ کے ہاتھ ساکت ہوئے۔ آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ وہ بھی تو شہزادہ ہی لگ رہا تھا۔ وہ تو خوبصورت بھی تھا۔ نگاہیں چار ہوئیں تھیں۔ ارد گرد کی ہر چیز غائب ہو گئی۔ پس منظر میں کوئی خوبصورت دھن بجنے لگی تھی۔ ماریہ کو اپنا دل تیز رفتار میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ نظریں ملائیں بھی نہیں جا رہیں تھیں اور چرائیں بھی نہیں جا رہیں تھیں۔

اس کے سامنے بیٹھی فرح نے ذرا گردن موڑ کر دیکھا تو وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا آگے بڑھ گیا اور یہ کرتے ہوئے وہ بہت اچھا لگا تھا۔ فرح نے لب دانتوں تلے دبائے جبکہ ماریہ نے خود کو سنبھالتے فرح کو دیکھا۔

"اچھا لگ رہا ہے نا؟" فرح نے اسے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ عریش اور بختاور نے بھی دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "ہاں بہت پیارا لگ رہا ہے۔" اس نے سحر زدہ آواز میں کہا تو ان تینوں نے بمشکل اپنی مسکراہٹوں کو روکا۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں دلہنوں کو کھانا کھلا کر اسٹیج سے اتر گئی تھیں۔ فرح اور بختاور ان دونوں کو گھر کے اندر ماریہ کے روم میں چھوڑ آئیں تھیں تاکہ وہ آرام سے کپڑے وغیرہ چینج کر لیں۔ اور اب خود مہمانوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

یمان اور بختاور پول کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یمان کے دونوں پاؤں پول میں تھے جبکہ بختاور اس کی جانب رخ کئے گھٹنوں کے ارد گرد ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہوئی تھی۔ اور فرصت سے اسے تک رہی تھی جب یمان کی کسی بات پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"لیکن ماں تو کہہ رہی تھیں کہ حماد آپ کا کزن ہے؟" یمان نے شرارت سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ میں نے انہیں ایسا کرنے کو کہا تھا۔ میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔" یمان کے اظہار محبت نے ساری ناراضگیاں ختم کر دی تھیں۔ تو وہ اب ناراض نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے سرپرائز اچھا لگا۔" وہ کہہ کر پھر سے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ یمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور آپ کو یہ کیسے پتا چلا کہ میں عریش کی بہن ہوں؟ مطلب یہ سرپرائز۔۔۔"

اسے اچانک یاد آیا تھا تو اس نے پوچھ لیا۔ یمان دل کھول کر مسکرایا تھا۔ بختاور نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔ شک کی نگاہ سے۔ تو وہ گردن پیچھے پھینک کر ہنستا چلا گیا۔

"آ.... آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟"اب کے وہ ذرا نروس ہوئی تھی۔

"آپ کو کیا لگا تھا مس بختاور۔ کہ اگر آپ میرے بھائی کو ملنے کے لیے بلائیں گی تو کیا وہ اکیلا جائے گا؟"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس دن حماد آپ سے ملنے ریسٹورنٹ گیا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ گیا تھا۔"اس انکشاف پر بختاور بری طرح شاکڈ ہوئی تھی۔

"لیکن.... لیکن میں نے وہاں آپ کو نہیں دیکھا تھا۔"

"تم دیکھتی بھی کیسے۔ میں تمہارے سامنے تو بیٹھا ہی نہیں تھا۔"

"تو پھر کہاں.... بیٹھے تھے؟"

"یہ اک راز ہے۔ راز رہنے دو۔"

"تاکہ آپ تیسری بار بھی میری جاسوسی کر سکیں۔" اس نے منہ کے زاویے بگاڑ کر کہا تھا۔

"تیسری دفعہ؟ دوسری دفعہ کب کی تھی میں نے؟" وہ چونکا۔

"جب میں حماد سے ملنے گئی تھی۔" یمان گردن نیچے کر کے دھیرے سے ہنسا۔ پھر چہرہ اوپر کیا۔

"اور پہلی بار کب؟"

"جب میں جیونگ ہون کے گھر گئی تھی۔" جیونگ کے نام پر ہی اندر تک کڑواہٹ گھل گئی تھی۔ ابھی تو وہ جیونگ کی حقیقت سے ناآشنا تھا۔ اگر اس وقت یمان کو جیونگ کی حقیقت کا پتا چل جاتا تو نا جانے کیا کر گزرتا۔

"وہ سب کچھ تمہاری سیفٹی کے لیے تھا۔" لہجہ تاثرات سے عاری تھا۔

"پہلے میری سیفٹی کا خیال نہیں آیا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی تھی۔ آنکھوں میں بھی شکوہ سا تھا۔

یمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنا دوسرا ہاتھ اس کے اوپر رکھا۔

"جب تم مجھے بتائے بغیر اس کے آفس میں گئی تھیں تب تمہیں میرا خیال نہیں آیا تھا؟"

"مطلب؟"

"اگر وہ تمہارے ساتھ کچھ کر جاتا تو تم نے نہیں سوچا ہوگا ناکہ میرا کیا ہوتا۔"

"کیا ہوتا؟ اور میں کیوں سوچتی یہ سب کچھ۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" وہ خفا سی ہوئی۔ یمان خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ جواب نا پا کر بختاور نے پھر اسے دیکھا۔

"اگر وہ میرے ساتھ کچھ برا کر جاتا تو کیا ہوتا؟"

"تو میں مر جاتا۔"

بختاور نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر اس کے لبوں کے سامنے رکھا لیکن درمیان میں فاصلہ تھا۔ اس کی اس حرکت پر یمان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ جبکہ وہ نروس سی ہو کر نظریں چرا گئی تھی۔

اس منظر نے ان لمحات کو مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔ وہ اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ پانی میں اس کے عکس کو۔

چاند اپنی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ وہ دونوں وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وقت گزرتا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہم کچھ وقت پیچھے چلتے ہیں جب جنگلوک اور ماریہ اک دوسرے کو رنگ پہنا رہے تھے۔ اسی لمحے سارہ آفندی نے ان دونوں کی تصویر اتاری اور اسے کسی کو سینڈ کیا۔ اس تصویر نے ایک کمرے میں مختصر

سے وقفے کے لیے روشنی پیدا کر دی تھی۔ جس میں ہمیں دیوارں پر مختلف جانوروں کی تصویریں اور پینٹنگز نظر آئیں تھیں۔ جانور ایسے تھے جیسے بالکل اصلی ہوں۔ صوفے بھی کسی خطرناک جانور کی شکل اختیار کیے ہوئے تھے۔ ایسے میں بیڈ پر ایک شخص بیڈ کے بیچ و بیچ چت لیٹا نظر آیا۔ بیڈ کی ٹیک ببر شیر کی طرح منہ کھولے ہوئے تھی۔

موبائل پر گھنٹی بجی۔ جیونگ نے ہاتھ بڑھا کر تھوڑا دور رکھا فون اٹھایا۔ اس کے سر پر ابھی تک پٹی لگی ہوئی تھی۔ وہ تکلیف میں نظر آتا تھا۔ تکلیف میں اضافہ تب ہوا جب اس نے واٹس ایپ کھولا اور وہ تصویر سامنے آئی۔ جس کا کیپشن یوں تھا۔

"اگر اب تم نے کچھ نا کیا تو وہ دن دور نہیں جب تم ماموں بن جاؤ گے۔" وہ کیپشن طنزیہ تھا لیکن جیونگ کا سانس رک گیا۔ وہ اس

گرے رنگ کے کپڑوں والی لڑکی میں کھو سا گیا تھا۔ موبائل کی اسکرین میں اسے ایک دس سال پرانا منظر نظر آیا۔

وہ فرقان ہاؤس میں موجود تھا اور ایک پلر سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔

وہ پندرہ سال کا دبلا پتلا اور سانولے رنگ کا لڑکا تھا۔ پلر کی اوٹ میں کھڑا وہ پول کے پاس اداس اور خاموش بیٹھی ایک آٹھ سال کی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی وائٹ رنگت کی مگر معمولی سے حسن کی مالک تھی۔ لیکن اس کی سوگواریت اسے حسین بنائے ہوئے تھی اور کچھ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں تھا۔

یہاں سے نظر نہیں آتا تھا لیکن چھت پر ریلنگ کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں اسی منظر کو دیکھ رہیں تھیں جسے وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کبھی بھی ماریہ اور ہایون کو ایک ساتھ نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور وہ دونوں ہمیشہ اکھٹے نظر آتے تھے۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ چاند نے ہر طرف روشنی پھیلا رکھی تھی۔ لیکن آج چاند بھی اداس تھا۔ کیونکہ آج فرقان ہاؤس میں فرقان احمد کو اس دنیا سے گئے دس دن ہو گئے تھے۔ وہ معصوم لڑکا کتنی دیر اس لڑکی کو دیکھے گیا۔ جب برداشت نا ہوا تو دبے قدموں سے چلتا لڑکی کے قریب چلا آیا اور آ کر پاس بیٹھ گیا۔ لڑکی نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا بھی نا سکی جبکہ ہایون ذرا سا مسکرایا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟ سوئیں کیوں نہیں؟"

"نیند نہیں آ رہی تھی۔" وہ پانی میں چاند کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ اداس ہیں؟" پتا نہیں کیوں اس نے یہ سوال پوچھا تھا۔

"ہمم..... بابا کی یاد آ رہی تھی۔"

"وہ تو اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

"جانتی ہوں۔" وہ زخمی سا مسکرائی۔

"تم جانتے ہو... بابا کو رات کے وقت پانی میں چاند کا عکس دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا۔ میں بس اس چیز کو محسوس کرنا چاہتی تھی جو بابا محسوس کرتے تھے۔"

"تو کیا محسوس ہوا آپ کو؟"

"سکون.... کھلی فضا میں چند لمحے تنہائی کے... سکون دے رہے تھے۔"

"کیا میں نے آپ کے سکون میں خلل پیدا کر دیا؟"

وہ ہایون کو دیکھ کر نم آنکھوں سے مسکرائی۔ چھت پر کھڑے حماد سے یہ منظر نہیں دیکھا جا رہا تھا۔ جس لڑکی نے پہلے اس سے اس کی ماں کو چھینا تھا۔ وہی لڑکی اب اس سے اس کے دوست کو چھین رہی تھی۔ وہ لب بھینچے خود پر ضبط کیے وہاں سے ہٹ گیا۔ وہاں سے ہٹنے کا پچھتاوا

حماد کو آج بھی تھا کیونکہ اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا اس نے سب کچھ بدل دیا تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس رات ایسا کیا ہوا تھا کہ ہایون فرقان ہاؤس چھوڑ کر کیوں چلا گیا لیکن اس کے بعد کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ حماد کے دل میں ماریہ کے لیے پہلے سے بھی زیادہ نفرت آگئی تھی کیونکہ اس رات وہ ماریہ کے ساتھ تھا۔

"تم کبھی میرے سکون میں خلل نہیں ڈالتے۔ تم میرے اچھے دوست ہو۔ تم ہمیشہ میری اداسیوں میں میرے ساتھ ہوتے ہو۔" ہایون نے بھی جواباً مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے..... اگر آپ غصہ نا کریں تو؟" وہ اب کے ذرا بے چین ہوا تھا۔

"تم کبھی ایسی بات کرتے ہی نہیں کہ میں تم پر غصہ کروں۔" اس نے سادگی سے مسکرا کر کہا۔

یمان جو ماریہ کو دیکھنے اس کے روم میں گیا تھا۔ اسے وہاں ناپا کر وہ باہر لان میں چلا آیا۔ وہاں سے وہ پول کی طرف چلا آیا۔ کیونکہ وہ پچھلے دو دن سے یہی بیٹھتی تھی۔ اسے ہایون کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر یمان کو بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ لیکن ماریہ اور وہ ہمیشہ ایسے ہی دوستوں کی طرح تھے۔ ماریہ دو سال کی تھی جب چیون سا اپنے نو سالہ بیٹے کو اس محل میں لائی تھی۔ حماد اور ہایون کے درمیان کافی اچھی دوستی بھی ہو گئی تھی۔ حماد اکثر اس کے ساتھ اپنی چیزیں شئیر کرتا تھا۔ ان کے درمیان دوریاں تب آنے لگیں جب ہایون حماد کی شکایتیں فرقان احمد یا یاور کو لگاتا تھا۔ کیونکہ وہ ماریہ کو بہت ستاتا تھا اور ہایون کو اس کا یوں چھوٹی بچی کو ستانا پسند نہیں تھا۔ پھر ماریہ آہستہ آہستہ بڑی ہوتی گئی اور ان دونوں میں دوستی بڑھتی گئی۔ اور آہستہ آہستہ وہ اور ماریہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ وہ اسے دوست سمجھتی تھی۔

اور اسے بھائی کہتی تھی۔ لیکن ہایون کے دل میں ماریہ کے لیے جذبے جاگنے لگے تھے تو اس نے اسے خود کو بھائی کہنے سے منع کر دیا۔ بہانہ "ہم دوست ہیں اور دوست ایک دوسرے کو آپی اور بھائی نہیں کہتے۔" شاید ماریہ نے یہیں سے سیکھا تھا تبھی وہ فرح کو بھی اس کے نام سے پکارتی تھی۔ ماریہ اور ہایون کی یہ دوستی یمان کو پسند نہیں تھی لیکن کیا کہہ کر روکتا۔ اس کی خود اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ دوستیاں تھی۔ یمان کو وہ لڑکا پہلے دن سے ہی پسند نہیں تھا۔ ابھی بھی ناگواری سے دیکھ کر وہ وہاں سے جانے لگا جب ہایون کے سوال نے اس کے قدم زنجیر کیے۔

"تم مجھ سے شادی کرو گی؟" سوال بہت سیدھا اور سنجیدگی سے پوچھا گیا تھا۔

"م.... میں... میں کیسے کر سکتی ہوں... شادی.... میں تو ابھی بہت چھوٹی ہوں۔" اسے غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ پزل سی ہو گئی تھی۔ اسے شادی کا اصل مطلب پتا نہیں تھا۔ وہ بس اتنا جانتی تھی یہ کوئی بڑوں کے کرنے والا کام ہے۔ لیکن اسے اپنے دوست کو انکار کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تم جب روتی ہو تو میں اداس ہو جاتا ہوں۔ میں بس تمہارے ان آنسوؤں کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔" ہایون نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آنسوؤں صاف کرنے کے لیے شادی کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو تم ویسے بھی کر سکتے ہو۔" انتہائی معصومیت سے کہا گیا تھا۔ یمان سے مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ غصے سے لال پیلا ہوتا تیز قدموں سے ان دونوں کی جانب بڑھا۔

"ہاں مگر شادی ایک پاکیزہ......

"بے غیرت انسان۔ تمہیں شرم نہیں آرہی۔ آدھی رات کو ایک معصوم لڑکی کے ساتھ تم یہ کیسی واحیات باتیں کر رہے ہو؟" یمان نے آگے بڑھتے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا تھا۔ ماریہ بھی فوراً گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"بھائی جیسا آپ سمجھ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں تو بس...."

اس سے پہلے ہایون کا جملہ مکمل ہوتا یمان نے اس کے منہ پر زور سے ایک مکا مارا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ یمان اس سے ایک سال چھوٹا تھا لیکن اس کا مالک تھا۔ اس لیے وہ یمان کو بھائی کہتا تھا۔

"یمان بھائی کیوں مار رہے ہیں آپ اسے؟ ایسا تو کچھ نہیں کیا اس نے میرے ساتھ۔" ماریہ نے تڑپ کر یمان کا بازو پکڑا۔ اس نے رک کر انگارہ ہوتی آنکھوں سے ماریہ کو دیکھا۔

"تم نہیں جانتی گڑیا۔ یہ غریب گھر کے لڑکے کتنے لوفر ہوتے ہیں۔

تم جیسی معصوم امیر لڑکیوں کو پھنسا کر مال لوٹتے ہیں اور پھر اپنی

جیبیں بھرتے بھاگ جاتے ہیں۔" یہ ہایون کے سچے جذبوں پر پہلا

وار تھا۔ جس پر اس نے دکھ سے یمان کو دیکھا۔

"حوس بھری ہوتی ہے ان کے اندر۔ جس کو پورا کرنے کے لیے یہ

کسی کو بھی نشانے پر رکھ لیتے ہیں۔" الفاظ تھے یا تیر۔ ہایون کا سینا تک

چھلنی ہو گیا تھا۔

("کیا اس انسان کے سینے میں دل نہیں تھا۔") اس کے دل میں

ہوک سی اٹھی تھی۔

"اگر یہ غریب ہوتا تو قابل قبول تھا لیکن یہ ہماری ملازمہ کا بیٹا ہے جو

تمہیں ورغلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لئے تم اندر جاؤ۔" اس

نے نرمی سے ماریہ کو کہا لیکن وہ وہاں سے ہلی تک نہیں۔

"میں نے کہا اندر جاؤ۔" وہ غرایا تو وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔ اور اندر بھاگ گئی۔ اس کے جاتے ہی یمان نے پھر سے ہایون کو گریبان سے پکڑا اور اسے اپنے قریب کیا۔

"بھائی م...... مجھے چھوڑ دیں پلیز مجھے درد ہو رہا۔" اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا لیکن یمان کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس پر جنون سوار تھا۔ ایک کوارٹر سے چیون سا نکل کر باہر آئیں۔ یمان کو یوں ہایون کا گریبان پکڑے دیکھ کر وہ فوراً اس طرف لپکی۔

"کیا ہوا بیٹا۔ تم نے ہایون کا گریبان کیوں پکڑا ہوا ہے۔" ماں تھی، دل کو کچھ ہوا تھا۔

"آپ کا یہ بے غیرت بیٹا میری بہن کو ورغلا رہا تھا۔ اس کے چھوٹے اور معصوم دماغ میں اپنی واحیاتی پھیلا رہا تھا۔" وہ دبا دبا غرایا اور ساتھ ہی ہایون کو اٹھا کر زمین پر پٹخا۔ وہ جا کر چیون سا کے قدموں میں گرا۔

ہایون نے تڑپ کر ماں کو دیکھا۔ وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھے دکھ سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہیں تھیں۔ وہ زمین پر اس کے پاس بیٹھیں۔

"تمہیں شرم نہیں آئی... وہ ہمارے مالک کی بیٹی ہے اور ہم ان کے ملازم ہیں۔ انہوں نے مشکل وقت میں ہمیں پناہ دی لیکن تم سارے احسان بھول گئے۔ احسان فراموش کہیں کا۔ اپنے مقام کا ہی خیال کر لیا ہوتا ہایون۔" آنکھوں میں آنسو لیے وہ اٹھ کر ایک طرف ہو گئی جبکہ ہایون نے دکھ سے اپنی ماں کو دیکھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ وہ بمشکل اٹھتا یمان کے مقابل آیا۔

"ب... بھائی... میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں ماریہ سے محبت....."

جملہ منہ میں ہی رہ گیا تھا جب یمان نے اس کے منہ پر مکا دے مارا۔ وہ پورے قد سے زمین پر گرا تھا۔ چیون سا نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔

"خبردار... خبردار جو میری بہن کا نام اپنی زبان سے لیا بھی تو تم نے۔ ایک چھوٹی لڑکی کے دماغ میں یہ کیسی خرافات ڈال رہے تھے تم۔" کہتے ہوئے یمان نے اس کے پیٹ میں زور سے لات ماری۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ جب یاور، ہاشم اور مومن اندر سے بھاگتے ہوئے آئے۔ ماریہ بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن ہایون کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا سوائے چیون سا کے۔ وہ ماں تھی۔ اس کی امید بھی ماں کے ساتھ جڑی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آج سارے مان، ساری امیدیں ختم ہونے والی تھی۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے خود کو کھو دینے والا تھا۔

"یمان تم کیا کر رہے ہو۔ پاگل ہو گئے ہو۔ وہ مر جائے گا۔" یاور دور سے ہی غراتا ہوا اس کے قریب آیا اور پکڑ کر دور کیا۔ مومن نے نیچے گرے ہایون کو اٹھایا۔ ہاشم نے درشتی سے یمان کو دیکھا اور ماریہ نے نفرت سے۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عقل کہاں بیچ آئے ہو؟" یاور نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"بھائی... بھائی یہ ہماری بہن کے ساتھ...." اس سے آگے وہ کچھ بولا ہی نہیں جس نے وہاں موجود ہر شخص کو غلط تاثرات دیئے تھے۔

"بھائی... ایسا کچھ نہیں کہا ہایون نے مجھے۔ وہ بس مجھے شادی کے لیے کہہ رہا تھا اور میں نے اسے منع کر دیا۔" ماریہ سے اپنے دوست کی یہ حالت دیکھی نہیں گئی تو وہ فوراً درمیان میں بولی۔ یمان نے سختی سے اسے دیکھا۔ اور باقی سب بھی شاکڈ تھے۔

"بھائی اسے فرقان ہاؤس سے نکال دیں۔ اگر یہ یہاں سے نا گیا تو یا تو میں قاتل بن جاؤں گا یا اس گھر سے کہیں چلا جاؤں گا۔" یمان غصے اور نفرت سے کہتا وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ وہ سب سکتے کی حالت میں تھے۔

"تم یہاں سے...... جانے کی تیاری کرو اور کوشش کرنا دوبارہ کبھی یہاں کا رخ نا کرنا۔" یاور آہستگی سے کہتا وہاں سے چلا گیا جبکہ ماریہ نے دکھ سے اپنے بھائی کو دیکھا۔ وہ آخری دوست تھا جو ماریہ نے دس سال پہلے بنایا تھا۔ بقول اس کے کہ دوست تو ملتے ہی بچھڑنے کے لیے ہیں۔ تو ہم کیوں دوست بنائیں۔ چیون سا نے آگے بڑھ کر اسے نہیں اٹھایا۔ ماریہ کو ہاشم اپنے ساتھ اندر لے گیا تھا۔ اس نے ہایون کے جانے کا منظر اپنے روم کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ آنسوؤں گر رہے تھے اور وہ انہیں صاف نہیں کر رہی تھی۔ گیٹ کے پاس رک اس

نے ایک نظر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں وہ روزانہ اسے دیکھتا تھا۔ آج وہ کھڑکی کے اس پار آخری بار دیکھ رہا تھا۔ ایک زخمی مسکراہٹ ماریہ کی جانب اچھال کر وہ وہاں سے جانے لگا جب اس کے قدم لمحے بھر کو کسی زنجیر نے جکڑ لیے۔ مڑ کر وہاں دیکھا۔ وہاں وہ نفی میں سر ہلاتی اسے جانے سے روک رہی تھی۔ ہایون کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبایا۔ یہاں اسے لگا تھا کہ اب وہ اس چہرے کو کبھی نہیں دیکھ پائے گا۔ دل پر پاؤں رکھ کر وہ گیٹ پار گیا۔ اور وہ کھڑکی کے پار روتی رہ گئی۔ اس رات کوئی سو تارہ گیا تھا اور کوئی روتا رہ گیا تھا۔

اور اس رات یہاں سب نے ہمیشہ کے لیے ہایون کو کھو دیا تھا۔

منظر غائب ہوا۔ وقت بدلا اور واپس اسی کمرے میں آگیا جہاں وہ بیڈ پر لیٹا ماریہ کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ ماضی کی یادوں نے اس پتھر ہوئے

دل کو پگھلا دیا تھا۔ آنسوؤں اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے بالوں میں جذب ہونے لگے۔

"تم نے مجھ سے میری محبت کو چھین لیا تھا یمان۔ تم ظالم تھے۔ تم نے مجھے بھی ظالم بنا دیا۔ اور اب تم میرا ظلم دیکھو گے۔ میں تم سے تمہاری بہن کو چھین لوں گا۔ تم نے کہا تھا کہ میں ایک گرا ہوا انسان ہوں۔ اب تم اس گرے ہوئے انسان کو دیکھو گے۔" کہتے ہوئے اس نے تصور کو ذرا غور سے دیکھا۔ ماریہ کے پیچھے یمان اور بختاور کھڑے تھے۔ ایک تلخ اور نفرت بھری مسکراہٹ جیونگ کے لبوں پر پھیل گئی۔

"تو تمہاری محبت تمہارے ساتھ کھڑی ہے۔ تو یمان صاحب بھی ایک غریب لڑکی جو اس کے آفس میں ایک ملازمہ ہے اس سے محبت کر بیٹھے ہیں۔ لیکن تمہارے لبوں کی یہ مسکراہٹ مجھے ہضم نہیں ہو

رہی۔ تمہیں بتادوں گا میں غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہی ہوتا ہے۔" تلخی سے کہتے اس نے فون اک سائڈ پر رکھ دیا اور آنکھیں سختی سے بند کر گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

عریش کپڑے چینج کر چکی تھی اور اب ماریہ کرنے گئی ہوئی تھی۔

عریش بیڈ پر موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے کچھ سوچتے ہوئے ایک نمبر ڈائل کیا۔دو رنگز کے بعد کال اٹھالی گئی تھی۔

"مبارک ہو تمہیں تمہاری زندگی کا یہ خوبصورت آغاز۔"فون کی دوسری طرف عنایہ چہک کے بولی تھی۔

"مجھے لگا تھا تم آؤ گی۔ لیکن تم نہیں آئی۔" وہ ناراضگی سے بولی۔عنایہ کچھ پل خاموش رہی.

"سعد نے منع کیا تھا۔"

"اب بھی شک کرتا ہے وہ؟"

"شک نہیں کرتا۔ بس اسے لگا کہ میں اس سب سے ہرٹ ہو جاؤں گی۔"

"تو تم نے اس کی غلط فہمی کیوں دور نہیں کی۔ جب مجھے کہتی ہو تو اسے کیوں نہیں کہا کہ تمہیں اس سب سے اب فرق نہیں پڑتا۔"

"فرق پڑتا ہے عریش۔" اس نے بہت دھیرے سے کہا تھا۔ عریش خاموش ہو گئی۔ ایک آنسو ٹوٹ کر بیڈ پر جا گرا۔

"جب میں نے کہا تھا کہ میں اسے انکار کر دوں گی، تب تم نے کیوں مجھے اس چیز سے روکا؟"

"اف عریش! فرق پڑنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم دونوں زندگی میں آگے بھی نا بڑھو۔ میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ تم دونوں ایک ساتھ ہمیشہ خوش رہو۔"

"بہت شکریہ۔" وہ زبردستی مسکرائی اور پھر ادھر ادھر کی کچھ باتیں کر کے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی تو عریش بیڈ سے اٹھ کر دروازے تک آئی

"کون؟" اندر سے ہی پوچھا۔

"اس بندہ ناچیز کو حماد درانی کہتے ہیں۔" مقابل کے جواب پر وہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

"سوری میں مصروف ہوں۔ دروازہ نہیں کھل سکتا۔" وہ اسے ستانے کے موڈ میں آگئی تھی۔

"اب آپ ظلم کر رہی ہیں اس غریب بندے پر۔"

"آپ یہاں کرنے کیا آئے ہیں؟"

"آپ کے در پر آئے ہیں۔ خواہش دیدار کی لے کر۔" اس نے کچھ شاعرانہ انداز میں کہا تو عریش نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"وہ تو آپ کو ابھی نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے انتظار کرنا ہو گا۔"

"کتنا انتظار؟" پوچھا گیا۔

"بہت زیادہ۔"

"قیامت تک؟"

"اگر میں کہوں ہاں تو؟" عجیب تجسس تھا۔

"تو لیں میں آپ کے در پر بیٹھ گیا۔ اب آپ چاہیں تو قیامت تک دروازہ نا کھولیں۔" حماد زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز پر عریش کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔ ڈریسنگ روم سے نکلتے ماریہ نے رک کر اسے دیکھا۔ باہر حماد نے اس کا قہقہہ سنا تو اسے ایک عجیب سکون کا احساس ہوا تھا۔ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ وہ اس کی ہنسی کی گونج اپنے گھر میں کبھی سنے گا۔

"حماد صاحب یہ میرا روم ہے اور آپ میرے در پر بیٹھے ہوئے

ہیں۔"قریب آتے ماریہ نے کہا تو وہ فوراً اٹھا۔

"ت... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"عریش دروازے کے پیچھے ہوئی تو

ماریہ نے دروازہ کھولا۔

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ یہ میرا روم ہے۔اور اس وقت مجھے ہی

یہاں ہونا چاہیے تھا۔"حماد نے سر کھجاتے اسے دیکھا تو ماریہ نے

عریش کو۔اور پھر اس کے لبوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اب بولیں کیا لینے آئے ہیں آپ؟"

"وہ میں....۔"وہ کہتے کہتے شاک سے رک گیا۔

"ایک منٹ.. یہ تم نے.....۔"اس نے گردن کو آگے پیچھے گھما کر

دیکھا اسے وہاں اپنے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا تھا۔"یہ آپ کس کو کہا

ہے تم نے؟"

اس نے کچھ الجھتے ہوئے پوچھا۔

"اف حماد! میں بھی سوچوں پتا نہیں کیا ہو گیا تمہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے اسے دیکھے گئی۔

"ہاں اب ٹھیک ہے۔ اب تم مجھے میری بہن لگی ہو۔" ماریہ نے آنکھیں گھما کر اسے دیکھا اور پھر چہرے پر امڈ آنے والی ہنسی کو روکا۔

"کیوں آئے ہو؟"

"بہن کے روم میں نہیں آسکتا کیا؟"

"اب تم بدل رہے ہو۔ کچھ دیر پہلے تم کچھ اور کہہ رہے تھے۔" اس نے گھور کو حماد کو دیکھا۔ عریش کے لیے بھی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ تینوں اپنی مستی میں لگے ہوئے تھے اس بات سے انجان کہ ایک کمرہ چھوڑ کر ساتھ والے کمرے کے اندر ایک شخص کتنا خالی اور بکھرا ہوا بیٹھا تھا۔

"وہ..... عریش کو ان کے گھر والے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

"تو کیا وہ یہاں رک جائے؟"ماریہ نے شرارت سے لب دبائے۔

"ان کی مرضی۔"وہ شانے اچکاتا سائڈ پہ ہوا۔

"چلو میں انہیں ان کی فیملی تک پہنچا آتی ہوں۔"ماریہ نے کہا تو حماد نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں لینے آیا ہوں نا... تو... تم آرام سے بیٹھو میری پیاری بہنا۔میں کچھ دیر میں آرہا ہوں یہاں۔"اس نے کچھ ہچکچا کر کہا تو ان دونوں لڑکیوں نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"جائیں جی.... کہیں آپ کے ایک ماہ بعد ہونے والے شوہر مجھے اس دنیا سے ہی نا اڑا دیں۔"ماریہ نے دروازے کے پیچھے کھڑی عریش کو کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔اپنے اوپر بڑی چادر

لے کر چہرے کو اچھے سے کور کرتی وہ باہر نکل آئی۔ حماد نے ماریہ کو زبان دکھائی تو وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر ہنستی چلی گئی۔

ماریہ کو چھوڑ کر وہ عریش کے پیچھے لپکا جو اس سے چند قدم آگے جا چکی تھی۔ اس نے تقریباً بھاگ کر اس کے قدم سے قدم ملایا۔ آہستگی سے اپنے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اس کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو پکڑا تو وہ رک گئی۔ مڑ کر حماد کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں کئی جذبے لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ عریش کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"آج آپ...... بہت.... پیاری لگ رہیں تھیں۔" انگلی کو ویسے ہی پکڑے وہ ذرا فاصلے پر کھڑا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ گیا۔ عریش کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔

"لیکن... آپ نے تو مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔ تو آپ کو کیسے پتا کہ... میں... پیاری لگ رہی تھی۔" اس کی بات پر حماد ہولے سے ہنسا۔

"اگر میں نے آپ کو نہیں دیکھا تو پھر کسی نے بھی نہیں دیکھا۔" بات ایسی نہیں تھی لیکن انداز ایسا تھا کہ عریش حیا سے اپنی پلکیں جھکا گئی۔

حماد تو اس کے انداز پر فدا ہی ہو گیا تھا۔

"آہم آہم آہم۔" وہ اس کی آنکھوں میں کھویا ہوا تھا جب کوئی کھنکھارتا ہوا ان کے قریب آیا۔ عریش کرنٹ کھا کر پلٹی اور حماد سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا؟" یمان اور بختاور ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تو بختاور نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ عریش اپنی مسکراہٹ چھپانے میں بمشکل کامیاب ہوئی تھی جبکہ حماد نے کافی بدمزہ ہو کر ان دونوں کو دیکھا۔

"بندہ دیکھ لیتا ہے کہ سامنے والا کوئی ضروری بات بھی کر رہا ہوتا ہے۔" حماد کی بات پر یمان نے اسے مصنوعی گھوری دی۔

"شرم تو نہیں آرہی نا تمہیں۔ بلانے بھیجا تھا اور یہاں کھڑے ہو کر رومینس شروع کر دیا۔"

"استغفر اللہ بھائی... ایک اچھے خاصے شریف آدمی کے لئے آپ یہ کیسا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔" حماد نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ تو ان دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"بہت شریف۔" یمان نے اس کی نقل اتاری۔

ماریہ روم کا دروازہ کھول کر باہر آئی تو سامنے ان چاروں کو دیکھا۔ اس نے ان چاروں کی جانب جانے کے لیے قدم بڑھائے تو یمان اور بختاور کو ایک ساتھ دیکھ کر رک گئی۔ ماضی کی ایک یاد نے سر اٹھایا۔ پھر منظر بدلا۔ تاریخ بدلی۔ اور وقت دس سال پیچھے چلا گیا۔ ہایون کے واقعے کے بعد کے دو دن ماریہ نے یمان سے بات نہیں کی تھی۔

بقول اس کے وہ سب سے برا بھائی ہے۔ یمان نے بھی دو دن اسے نہیں بلایا۔

ابھی بھی وہ اپنے روم میں بیڈ پر گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔ آہستگی سے دروازہ کھلا لیکن اس نے سر نہیں اٹھایا۔ سولہ سال کا وہ لڑکا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب چلا آیا اور چپکے سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ کچھ پل خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"کیا میری بہن ابھی تک مجھ سے ناراض ہے؟" آواز پر ماریہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ متورم تھیں۔ چہرہ بھی رونے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔

"آپ نے میرے دوست کو مارا اور گھر سے نکال دیا۔ میں آپ سے ناراض نہیں ہوں گی تو اور کیا ہوں گی۔" وہ خفگی سے کہتی چہرہ موڑ گئی۔ یمان کو دکھ ہوا تھا۔

"وہ اچھا لڑکا نہیں تھا۔"

"تو آپ نے کونسا اچھا کیا اس کے ساتھ۔ گھر سے نکالنا تھا۔ نکال دیتے۔ یوں بے رحمی سے مارنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"وہ تمہیں بہکا رہا تھا۔ غریب لوگوں کی یہی عادت مجھے نہیں پسند۔ ہمیشہ امیر لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے میں لگے رہتے ہیں۔"

"آپ بہت مغرور ہیں بھائی۔"

"اور تمہیں ایسا کیوں لگا؟" وہ نرمی سے مسکرایا۔

"کیونکہ آپ ہمیشہ امیر اور غریب کے فرق کو ڈسکس کرتے رہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو غریب لوگ پسند نہیں ہیں۔" ماریہ کی بات پر یمان چند لمحے خاموش رہا۔

"ایسا نہیں ہے گڑیا۔ غریب ہونا برا نہیں ہے لیکن.... بس مجھے وہ لڑکا شروع سے ہی پسند نہیں تھا۔"

"یوں کہیں نا کہ پسند اور ناپسند کا معاملہ ہے۔"

"ابھی تم اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتیں۔اگر تم اس قابل ہوتی کہ اپنے فیصلے خود کرو تو شاید میں اسے کچھ نہ کہتا۔" یمان نے شانے اچکائے۔

"اگر آپ کو کسی غریب لڑکی سے محبت ہو گئی تو؟" ماریہ نے ابروا چکائے۔

"اگر میں تب سمجھ بوجھ رکھتا ہوا تو وہی فیصلہ کروں گا جو میرے لیے بہتر ہو گا۔" وہ یمان سے مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

"اللہ کرے آپ کو کسی غریب لڑکی سے محبت ہو۔" اس نے منہ کا زاویہ بگاڑ کر کہا تو یمان کو بے ساختہ
ہنسی آگئی۔

"بد عا دے رہی ہو بھائی کو۔اگر لگ گئی تو؟"

"تو آپ کا علاج ہے۔"

"اچھاتواب اگر بدعادے دی ہے تو معاف بھی کر دو۔" یمان نے دونوں کان پکڑے تو اس نے خفگی سے یمان کو دیکھا۔

"دیکھو تم میری بہن ہو تو میں وہی کروں گا جو مجھے تمہارے لیے بہتر لگے گا۔"

"کر لیا بہتر؟ جائیں معاف کیا۔ کیا یاد کریں گے۔" ایک ادا سے کہتی وہ یمان کو پھر سے ہنسنے پر مجبور کر گئی تھی۔ اس کا بھائی ہنستے ہوئے کتنا اچھا لگتا تھا۔ وہ بے اختیار اس کی چھوٹی آنکھوں کو دیکھے گئی جو ہنسنے کی وجہ سے چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ آنکھوں میں دیکھتے دیکھتے منظر پھر سے بدل گیا اور وہ واپس حال میں لوٹ آئی جہاں اس کا بھائی ابھی بھی کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

"اللہ آپ کی ہنسی کو یونہی برقرار رکھے بھائی۔" بے اختیار اس نے دل میں دعا دی اور واپس اندر چلی گئی۔ وہ سب بھی وہاں سے چلے گئے کہ

اب انہیں مہمانوں کو الوداع کرنا تھا۔ ماریہ نے اپنے روم کی کھڑکی سے سب کو جاتے دیکھا۔ وہاں جنگلوک بھی تھا۔ وہ ہاشم کے ساتھ کھڑا کوئی بات کر رہا تھا۔ ہینڈ سم لگ رہا تھا۔ ماریہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ بے اختیار اسے اپنی پسند پر رشک سا آیا۔ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"ماموں کا ہینڈ سم بیٹا۔" مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں کہہ کر پردہ گرا لیا۔

("کیا تم اس کی خوبصورتی پر مر مٹی ہو۔ نہیں جانتی کیا کہ وہ غیر مسلم ہے۔") اندر کہیں اس سوال نے سر اٹھایا تھا۔ وہ بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے اس بات کو رد کر دیا تھا۔ لیکن اب اندر اک جنگ چھڑ گئی تھی۔ سکون کہاں آنا تھا اب۔

لیکن یہ طے تھا کہ وہ بہت جلد اس سوال کے جواب کو ڈھونڈ لے گی۔ آج کے اس اہم فکشن پر چیون سا نے خود کو اپنے کوارٹر میں بند رکھا تھا۔ بہانہ طبیعت خرابی تھی۔ لیکن در حقیقت وہ سارہ آفندی کی سامنے نہیں آنا چاہتی تھی۔ سارہ آفندی کا چہرہ انہیں ایک تکلیف دہ ماضی میں لے جاتا تھا۔ اور وہ ماضی یاد آتے ہی انہیں اپنا دھوکہ یاد آتا تھا جو وہ فرقان ہاؤس کو پچھلے اٹھارہ سالوں سے دے رہیں تھیں۔ وہ سارہ آفندی کے ایک ایسے راز سے واقف تھیں جس سے پردہ اٹھتے ہی نیا رشتہ جڑنے سے پہلے ختم ہو جاتا۔ اس رشتے کی وجہ سے ماریہ کے چہرے پر جو خوشی تھی وہ اس خوشی کے ختم ہونے کی وجہ نہیں بن سکتی تھیں۔ اور خاموش رہ کر انہیں لگ رہا تھا وہ ماریہ کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہیں۔ ایک اور موت۔ ایک اور بے گناہ کا خاموشی سے اس دنیا سے چلے جانا۔ وہ عجیب کشمکش میں پھنس گئیں تھیں۔

اپنے کوارٹر کی کھڑکی سے وہ بس دور کھڑی اس حسن کی ملکہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جو لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں سرد مہری لیے کھڑی تھیں۔ وہ بس لب بھینچ کر اپنی بے بسی پر ماتم کرتی رہیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○

سب مہمانوں کو رخصت کر کے جب ہاشم منہاج کے روم میں آیا تو اسے زمین پر سوتے ہوئے پایا۔ کیا بے بسی تھی، کیا درد تھا اس کے چہرے پر۔ ہاشم نے جھرجھری لے کر اسے دیکھا۔ پتا نہیں وہ کس مشکل سے سویا تھا۔ ہاشم نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ بس ایک کمبل اس کے اوپر اوڑھ کر خاموشی سے باہر نکل آیا۔ رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ اس کی آنکھ موبائل پر اذان کی آواز سے کھلی تھی۔ وہاں آس پاس کوئی مسجد نہیں تھی۔ اذان ان کے موبائل پر ہی ہوتی تھی یا ہال میں لگے الارم پر۔ جو سارے گھر میں

پانچ وقت گونجتی تھی۔ اگر کوئی گھر ہوتا تب بھی اور نہیں ہوتا تب بھی۔

ساری رات زمین پر ایک ہی کروٹ پر سونے کی وجہ سے منہاج کا جسم اکڑ گیا تھا۔ اسے اپنے سر میں ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوئی۔

"آہ۔" درد سے وہ دانتوں تلے لب دیا گیا۔ بمشکل اٹھ کر وہ واشروم تک گیا اور پھر شاور لے باہر آیا۔ وہ وضو بھی کر کے آیا تھا۔ اس لیے اب مصلہ بچھائے نیت کی غرض سے کھڑا ہو گیا۔ رکوع جانے سے پہلے اس کے آنسو چہرے پر موتیوں کی صورت پھسلتے ہوئے مصلے پر گرنے لگے۔ سلام پھیر کر اس نے آیتہ الکرسی پڑھی اور پھر دعا کے لیے اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

"یااللہ..... بس یہی بول کر اس نے اپنے لب بھینچ لیے۔ اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"یا اللہ مجھے صبر دینا۔" چہرہ ہاتھوں میں دیئے وہ شدت سے رو دیا۔
"وہ میرے بھائی کی امانت ہے یا اللہ۔ میری نظروں کو پاک رکھنا۔
مجھے امانت میں خیانت کرنے والا نا بنانا۔ یا اللہ مجھے گنہگار نا بنانا۔ مجھے
بس صبر دے دے۔" یہ کہتے ہوئے وہ سجدے میں جا گرا۔ مصلے پہ
بہایا ایک ایک آنسو بہت قیمتی تھا۔ یہ آنسو اس کی تقدیر لکھتے گئے اور وہ
اس بات سے بے خبر روتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد اٹھا۔ آنسو صاف کئے۔
مصلہ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ اور خود روم سے باہر نکل آیا۔ وہ جانتا
تھا سب اس وقت جاگ رہے ہوں گے۔ لیکن سب اپنے اپنے روم
میں تھے تو ہال میں خاموشی تھی۔ وہ اسی خاموشی سے باہر چلا آیا۔
جانے سے پہلے اس نے ہاشم کو میسج کر دیا تھا۔ ہاشم نے ساتھ چلنے کو کہا
تو

اس نے منع کر دیا۔ وہ فی الوقت تنہا رہنا چاہتا تھا سو ہاشم نے اصرار نہیں کیا۔

ہر سو صبح کی جامنی روشنی پھیل رہی تھی لیکن ابھی بھی تقریباً اندھیرا ہی تھا۔ وہ پیدل ہی روڈ پر چل رہا تھا۔ کھویا کھویا سا، ٹوٹا بکھرا وہ لڑکا شہر خموشاں کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ کتنی دیر تک وہ قبرستان کے باہر ان ویران قبروں کو دیکھتا رہا۔ جہاں نا جانے کتنے لوگ دفن تھے۔ نہیں نہیں یہاں لوگ نہیں..... ارمان دفن تھے، کسی کی محبت، کسی کے خواب، کسی کا شوہر، کسی کی بیوی، کسی کی اولاد، کسی کا باپ، کسی کی ماں......

"ماں۔" اس کے لبوں نے بے آواز حرکت کی۔ اور پھر وہ شہر خموشاں میں داخل ہو گیا۔ اور دو قبروں کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ قبروں پر لگی تختی پر دو نام سفید روشنائی سے لکھے گئے تھے۔

گل رعنا زوجہ فرقان احمد

تاریخ پیدائش: 12 دسمبر 1968

تاریخ وفات: 8 اکتوبر 2006

فرقان احمد ولد داؤد احمد

تاریخ پیدائش: 7 مئی 1965

تاریخ وفات: 23 جولائی 2014

اس نے وہاں کھڑے ہو کر پہلے فاتحہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی۔ دعا کرتے ہی وہ گرنے کے انداز میں گل رعنا کی قبر کے قریب بیٹھ گیا۔ مٹی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کے آنسو گل رعنا کی قبر کی سوکھی مٹی پر

گر رہے تھے۔ جس پر کہیں کہیں سبز گھاس بھی اگا ہوا تھا۔ آنسو قبر کے اوپر گر رہے تھے لیکن منہاج کو یقین تھا اندر اس کی ماں تڑپ گئی ہو گی۔ وہ اپنے بیٹے کا غم سننے کے لیے تیار ہوں گی۔

"ماں...... کیوں چلی گئیں آپ؟ میں... میں کیسے کہوں تکلیف میں ہوں.... آپ یہاں سے اٹھیں اور میرے ساتھ گھر چلیں۔"

وہ روتے ہوئے بالکل بچہ لگ رہا تھا۔ جو اپنی ماں کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مجھے...... مجھے قرار نہیں آ رہا۔ میرا دل جیسے پھٹ جانے کو ہے.... چاروں طرف بے بسی سی بے بسی ہے۔ آپ چلیں نا۔ گھر چلیں۔ میں لینے آیا ہوں آپ کو۔ دیکھیں ناماما آپ کا منہاج آیا ہے۔" کہتے ہوئے وہ قبر سے لپٹ گیا۔ اس ویرانے میں ہر درخت،

چرند پرند، آسمان، زمین، قبروں میں موجود لوگوں نے اس کا رونا سنا تھا۔اس کے الفاظ واضح لیکن کرب میں مبتلا تھے۔

"آپ نہیں جانتے..... آپ دونوں نہیں جانتے کہ کب کب آپ کی اولاد کو آپ کی ضرورت پڑی۔آپ دونوں ہمارے غم میں نا ہماری خوشیوں میں ہمارے ساتھ تھے۔

ماں چلیں... پلیز چلیں۔مجھے..... مجھے آپ کی گود میں سر رکھ کر رونا ہے۔مجھے بتانا ہے آپ کو کہ میں اذیت میں ہوں۔

اٹھیں... اٹھیں نا...۔"وہ بالکل پاگلوں کی طرح قبر کی مٹی کھودنے لگا تھا۔وہ اس وقت کوئی دیوانہ لگ رہا تھا۔چہرہ آنسو سے تر اور بال ماتھے پر بکھر گئے تھے۔وہ مسلسل مٹی کھودنے میں لگا ہوا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی گل رعنا کو باہر نکال لے گا۔

"آپ چلیں گی۔ آپ میرے ساتھ گھر جائیں گی آج ماما۔

میں.... میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ یہ دنیا مجھے اکیلے جینے نہیں دے گی۔

اس لیے آپ میرے ساتھ چلیں گی۔" وہ ساتھ ساتھ بول رہا تھا اور

ساتھ ساتھ مٹی کھود رہا تھا جب کسی نے آکر مشکل سے اسے یہ سب

کرنے سے روکا اور سختی سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"منہاج تم کیا کر رہے ہو... سنبھالو خود کو۔" ہاشم بمشکل اسے قبر

سے دور لے کر جا رہا تھا اور وہ خود کو چھڑوانے میں لگا ہوا تھا۔

"بھائی...... بھائی مجھے جانے دیں۔ مجھے ماں سے ملنا ہے..... ماں

کے بغیر نہیں جاؤں گا... بھائی چھوڑیں نا۔" وہ خود کو چھڑوانے کی

ناکام کوشش کرتا رہا۔ لیکن ہاشم اسے مشکل سے گھسیٹتا ہوا قبرستان

سے باہر لے آیا تھا۔ اور اب وہ ہاشم کے گلے لگا رو رہا تھا۔ ہاشم کو یقین

تھا وہ اتنی صبح کہاں گیا ہو گا۔ وہ منہاج کو اس حالت میں اکیلا نہیں

چھوڑ سکتا تھا اس لیے منہاج کے پیچھے چلا آیا تھا۔ وہ پہلے بھی ایک دفعہ منہاج کو کھو چکے تھے۔ اب وہ دوبارہ اسے نہیں کھو سکتے تھے۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ مجھے جانے دیں پلیز۔" وہ اس کے ساتھ لگا اس کی منتیں کر رہا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" ہاشم کی آواز میں ایک رعب تھا شاید تکلیف چھپانے کے لیے۔ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اس نے منہاج کو اندر بٹھایا اور دروازہ بند کر دیا۔ خود ڈرائیونگ سیٹ پر چلا آیا۔ اور گاڑی روڈ پر لے آیا۔

"تمہیں خود کو سنبھالنا ہو گا منہاج۔" ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔ منہاج باہر روڈ پر بھاگتے ہوئے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ابھی زخم تازہ ہے۔ شائد وقت لگ جائے۔" اب وہ رو نہیں رہا تھا۔

"تم نے اپنی حالت دیکھی ہے۔ بالکل پاگل لگ رہے ہو۔ اگر اس حالت میں میں تمہیں گھر لے کر گیا تو کیا سوچیں گے سب؟"

"کہہ دوں گا ماما کی قبر پہ گیا تھا۔ وہ سب جانتے ہیں ماں سے ملنے کے بعد میری حالت کیسی ہوتی ہے۔" وہ مسلسل باہر ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہمم۔" ہاشم نے اب بس خاموشی سے اک نظر اسے دیکھا اور پھر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

oooooooooo

"میں سوچ رہا تھا آج گاؤں چلا جاتا ہوں۔ میٹنگز تو ختم ہو گئی ہیں۔" ناشتے کی ٹیبل پر منہاج نے بتایا تو سب نے کھانا روک کر اسے دیکھا۔

"بھائی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو بہتر ہے آپ گھر پر ریسٹ کریں۔" یاور نے کہا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بظاہر مسکرا کر کہا۔

"دراصل دادی جان نے سویون کے لیے ایک لڑکا دیکھا ہے تو وہ چاہتی ہیں میں جانچ پڑتال کرلوں کہ وہ لڑکا سویون کے لیے ٹھیک ہے یا نہیں۔"اس نے مختصر سی وضاحت دی۔

ءبہت بہتر۔ تمہیں جانا چاہیے۔ تم ان کی اکلوتی امید ہو۔"ہاشم نے کہا۔

"اکلوتی کیوں؟ ہر انسان کی پہلی امید تو اللہ ہوتے ہیں نا۔"ماریہ نے جھٹ سے ہاشم کا پوائنٹ پکڑا۔

ء"ہاں بھئی ان کی پہلی امید ان کا خدا ہے اور پھر تم۔"ہاشم نے فوراً اپنی تصحیح کی۔

"کیا مطلب ان کا خدا۔ان کا اور ہمارا خدا ایک ہی تو ہے۔"پھر سے اعتراض آیا۔

"میری پیاری عقل کی اندھی بہنا۔" حماد نے کہا تو ماریہ نے حماد کو سخت گھوری سے نوازا۔

"ہمیں پتا ہے ہمارا خدا ایک ہی ہے۔ لیکن وہ غیر مسلم ہے تو وہ ایسا کچھ بھی نہیں سمجھتے۔"

"ان کے سمجھنے یا نا سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ اب جو ہے وہ ہے۔" ماریہ نے کہا تو سب نے اس کو دیکھا۔ تاثرات "اس کو کوئی چپ کرواؤ ورنہ ہمیں پاگل کر دے گی۔" والے تھے دیکھا۔

"اور تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے عقل کی اندھی کسے بولا ہے؟" سب اس کا رخ حماد کی جانب تھا۔ سب کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا جبکہ حماد نے اپنا ماتھا پیٹا۔

"یہاں ہماری بہنا کون ہے؟" حماد نے دانت چبا کر پوچھا تو اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

"کون ہے؟" حماد سانس روکے دو پل خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"یمان بھائی.... میرا مطلب یمان بہنا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے یمان کی جانب اشارہ کیا جبکہ "یمان بہنا" لفظ پر یمان کو اچھو لگا تھا جبکہ باقی سب کے قہقہے بلند ہوئے سوائے منہاج کے۔

"میں.... میں تمہیں بہنا نظر آتا ہوں کیا۔" اس نے اچھا خاصا حماد کو گھورا سا وہ اپنی ہنسی کو کنٹرول کرتا سر جھکا گیا جبکہ یمان کتنی دیر تک اسے گھورتا رہا اور ماریہ اپنی بے عزتی بھول کر یمان بہنا پر ہنسے جا رہی تھی۔

ناشتے کے بعد کوئی آفس کے لیے نکل گیا تو کوئی یونیورسٹی اور کوئی گاؤں کے لیے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہاشم آفس جانے سے پہلے ڈاکٹر اسفند یار سے ملنے چلا آیا تھا۔ ابھی بھی وہ دونوں کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیانے ٹیبل پر کافی کے دو بھاپ اڑاتے مگ رکھے ہوئے تھے۔ ہاشم کی اپنے مگ پر گرفت سخت تھی جبکہ ڈاکٹر اسفند کی کافی ان چھوئی پڑی ہوئی تھی۔ وہ پیچھے ٹیک لگائے ہاشم کی بات سن رہے تھے۔

"میں منہاج کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ جس حالت میں میں نے آج صبح اسے دیکھا ہے۔ یقین مانو میں ڈر گیا ہوں۔" وہ سر جھکائے صبح والے منظر کو یاد کرتا اسے بتا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے زور کی جھر جھری لی۔ مگ کے اندر کافی اچھلی تھی لیکن باہر گرنے سے بچ گئی تھی۔

"یک طرفہ محبت میں یہی حال ہوتا ہے۔ لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا

ہے۔اس لیے تم پریشان نہیں ہو۔" اس ساری بات کے دوران وہ پہلی دفعہ بولے تھے۔

"وقت لوگوں کی نظر میں مرہم ہوتا ہے اسفند۔ سہنے والے کے لیے نہیں۔اس کے زخم ساری زندگی ویسے ہی رہتے ہیں۔ان سے خون رستا رہتا ہے۔کچھ لوگ اپنے غم کے ساتھ سروائیو کر جاتے ہیں لیکن کچھ نہیں کر پاتے۔ منہاج اتنا مظبوط نہیں ہے۔"

"کیا تمہارے زخم نہیں بھرے؟" ڈاکٹر اسفند کے پوچھنے پر ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔تکلیف چہرے سے واضح تھی اور ڈاکٹر اسفند کو اس کا جواب مل گیا تھا۔

واقعی ہی وقت ہر زخم پر مرہم نہیں رکھتا۔

"نہیں۔میں اس رات کو آج تک نہیں بھلا سکا۔وہ رات آج بھی مجھے ڈراتی ہے۔وہ رات آج بھی میرا دل نکال لیتی ہے۔اگر میں اتنا

مضبوط نظر آتا ہوں تو صرف اپنی فیملی کے لیے۔ ورنہ تو ہاشم اسی رات مر گیا تھا۔" اس کی آواز میں بھی کرب تھا۔

کچھ زخم نہیں بھرتے۔

"تو پھر تم اس سے اب بھی کیوں ملتے ہو۔"

"وجہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

ڈاکٹر اسفند چپ رہے۔

"تم میرے ماضی کو مت کریدو۔ میں اس وقت منہاج کے لیے پریشان ہوں۔ پتا نہیں وہ اپنے غم کے ساتھ سروائیو بھی کر پائے گا یا نہیں۔"

"دیکھو ہاشم۔ سب کا زخم مختلف ہوتا ہے۔ تمہارا زخم بے وفائی تھا۔ منہاج کا زخم یک طرفہ محبت۔ جس میں لڑکی اس کے جذبات سے بالکل انجان ہے۔ ہر زخم نہیں بھرتا لیکن جو زخم بھر جاتے ہیں انہیں

کرنا آنا چاہیے۔ تم منہاج کو heal بھی وقت چاہئے ہوتا ہے۔ غم کو بچوں کی طرح ٹریٹ مت کرو۔ اسے رونے دو۔ اسے اپنے اندر کا غبار نکالنے دو۔ جو وہ چاہتا ہے اسے کرنے دو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا زخم بھر جائے گا۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس لڑکی کا روگ پالے گا۔ وہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا واقعی ہی۔"

" بالکل۔ دیکھو۔ زندگی کا یہی دستور ہے۔ یہ کسی کو دے کر آزماتی ہے تو کسی سے لے کر آزماتی ہے۔ بس ہر موڑ صبر کا ہے۔ صبر والوں کے لیے صلے ہوتے ہیں۔ اجر ہوتا ہے۔ مشکل وقت میں تو صبر کر لیا جاتا ہے لیکن اسی مشکل وقت پر اگر ہمارے منہ سے یہ نکلے کہ یا اللہ تیرا شکر ہے تو پھر تو کیا ہی بات ہے۔"

"کوئی مشکل وقت میں ہو۔اسے کسی بات کی تکلیف ہو تو وہ یہ بات کیسے کہہ سکتا ہے کہ یااللہ تیرا شکر ہے۔ مطلب تکلیف پر شکر۔" ہاشم کو اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"دیکھو۔ تسبیحہ کا تمہاری زندگی میں آنا قسمت میں نہیں تھا۔ بلکہ وہ آزمائش بن کر آئی تھی۔ وہ ایک برا کردار تھا تمہاری زندگی کا۔اسے تم سے دور کر دیا گیا۔ لیکن تمہیں لگا اسے تم سے چھین لیا گیا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں تھا۔ اللہ نے اسے خود تم سے دور کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش ہو سکے۔ لیکن تم نے صبر تو کر لیا اپنے اس غم پر لیکن شکر نہیں کیا کہ ایک ایسا کردار تمہاری زندگی سے دور کر دیا گیا جو بالکل بھی تمہارے قابل نہیں تھا۔ اگر شکر کرتے تو تمہیں سکون ملتا۔یوں اچانک اس کے سامنے آجانے سے تم ہسپتال نا پہنچ جاتے۔" ہاشم کو اس کی بات کچھ کچھ سمجھ آرہی تھی۔

"تم نے یہ سب کچھ پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے۔"

"کیونکہ میں نے جب بھی اسے ٹاپک پر بات کرنا چاہی تم نے مجھے منع کر دیا۔" اسفند کی بات پر ہاشم شرمندہ سا ہوا۔

"لیکن منہاج۔"

"میں نے کہا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اسے وقت دو۔ اس کا زخم بھر جائے گا۔ اس کی تکلیف مختلف ہے۔"

"وہ ماں کو آج تک نہیں بھولا۔"

"ماں ہے۔ محبوبہ نہیں۔" ہاشم نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"ماں کو کون بھولتا ہے یار۔ ماں کوئی بھولنے والی ہستی ہوتی ہے بھلا۔ ماں کا غم ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔ اگر اولاد وفادار ہو تو۔" اسفند کی وضاحت پر ہاشم پیچھے ٹیک لگا گیا۔ وہ مزید نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○

"تو آپ نے مجھے یمان اور اس کی محبوبہ کی تصویر بھیجی تھی یہ دکھانے کے لیے کہ وہ دونوں ایک ساتھ خوش ہیں اور میں ابھی تک کچھ نہیں کر سکا۔" سارہ کے اتنے دن کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ آج جیونگ ہون نے ان کی کال اٹھالی تھی۔

سارہ کے طنز اور غصے کی پرواہ نا کرتے ہوئے وہ سیدھا کام کی بات پر آیا تھا۔

"میں نے تمہیں یمان کی نہیں، ماریہ کی تصویر بھیجی تھی۔ منگنی ہو گئی ہے اس کی اور تم.....۔"

"آپ نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں میڈم۔ تیر آپ کا شکار میرے۔" وہ آئینے کے سامنے کھڑا آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ آج کافی دن بعد وہ ترو تازہ لگ رہا تھا۔ کل رات والی ہر تکلیف چہرے سے غائب تھی۔

"تم بس اس لڑکی کو منظر سے غائب کر دو۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ تم اس لڑکی کے ساتھ کیا کرتے ہو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔" جیو نگ ہون نے ایک زوردار قہقہ لگایا۔ سارہ آفندی نے کڑے تیوروں سے موبائل اسکرین کو دیکھا۔

"تو آپ کی یہ دشمنی ہے اس لڑکی کے ساتھ...... کہ آپ کا بیٹا اس سے محبت کرتا ہے۔ ویسے اس نے ایک غیر مسلم سے شادی کے لیے ہاں کیسے کر دی.... کیا آپ کے بیٹے نے اس کی محبت میں اسلام قبول کر لیا۔" سارہ آفندی کے تو سر پر لگی تلوؤں پر بجھی۔

"تمہیں جتنا کہا ہے اتنا کرو۔ تم تو اس کی محبت میں اسلام قبول نا کر سکے۔ چلے تھے اس سے محبت کرنے۔" اب چونکنے کی باری جیو نگ کی تھی۔

"میں اس سے محبت نہیں کرتا۔" اس نے لفظوں کو خاصا چبا کر کہا تھا۔ وہ سارہ آفندی کے سامنے ہار نہیں ماننا چاہتا تھا۔ وہ فاتحانہ مسکرائی۔

"تو پھر اگر تم اپنی شناخت چھپانا چاہتے ہو تو خاموشی سے وہ کرو جو میں کہتی ہوں۔" کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ جیونگ نے موبائل کی سیاہ اسکرین کو دیکھا تو کتنے منظر آنکھوں میں دوڑ گئے۔

اسے یاد تھا وہ ماضی جب وہ فرقان ہاؤس سے نکلا تھا۔ کتنے دن کتنی راتیں وہ بھوکا رہا تھا۔ دن رات سڑکوں پر گزرے تھے۔ ان درد ناک ایام نے اس کی یمان کے لیے نفرت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس کی ماں نے پلٹ کر بھی اسے نہیں پوچھا تھا۔ یہ کیسی وفاداری تھی کہ اولاد کو بھی بھلا دیا۔ وہ راتوں کو سڑکوں پر بیٹھ کر روتا تھا اور دن کو

بھیک مانگتا تھا۔ پیٹ پالنے کے لیے وہ غلط کاموں میں ملوث ہو گیا تھا۔ وہ اکثر کلب وغیرہ میں پایا جانے لگا۔ پہلے بھوک نے اس سے یہ سب کروایا اور پھر اسے ان غلط کاموں کی لت لگ گئی۔ پھر ایک دن وہ یونہی نشے میں دھت سڑک پر چل رہا تھا جب ایک گاڑی سے بری طرح ٹکرایا۔ اس کی آنکھ ہاسپٹل کے روم میں کھلی۔ جہاں ایک عورت تمکنت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں اکثر ایسے زخمی لوگوں کو ہاسپٹل لاتی رہتی ہوں۔ اور انہیں یہاں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔ لیکن تمہارا معاملہ کافی دلچسپ تھا۔" ہایون نے ناسمجھی اور ناپسندیدگی سے اس عورت کو دیکھا۔ وہ سارہ آفندی تھیں۔ دس سال پہلے بھی ویسی ہی حسین۔

"کیا مطلب؟" اس کے سر پر پٹی لگی ہوئی تھی اور ہاتھوں میں سوئیاں۔ اس کی ایک ٹانگ میں معمولی سا فریکچر ہوا تھا۔

"تم بے ہوشی میں کچھ کہہ رہے تھے۔ کچھ ایسا جو مجھے تم تک کھینچ لایا۔" لبوں پر ایک سلگا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

"میں کیا کہہ رہا تھا اور آپ کا اس سب سے کیا تعلق؟"

"میرا اس سب سے کیا تعلق ہے وہ تو میں تمہیں نہیں بتاؤں گی لیکن تم بول کیا رہے تھے وہ ضرور بتاؤں گی میں تمہیں۔" سرد مسکراہٹ سے ہایون کو دیکھا۔

"تم کسی ماریہ کا نام لے رہے تھے.... جیسے کہ میں یمان کو چھوڑوں گا نہیں... اس نے مجھ سے میری محبت کو چھین لیا... مجھ سے ماریہ کو چھین لیا... میں واپس آؤں گا وغیرہ وغیرہ۔" ہایون کے سر میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ لب دانتوں تلے دبا گیا۔

"میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں اس سے بدلہ لینے میں۔" ہایون نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وعدہ کرو مجھے جب بھی ضرورت ہوئی تم میرے کام آؤ گے؟"

ہایون نے کچھ دیر اسے دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں ہمیشہ آپ کے کام آؤں گا۔ آپ مجھے بتائیں مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

یمان کی وجہ سے وہ جس حالت میں پہنچا تھا وہ اسے معاف نہیں کرنے والا تھا۔

"یہ میں تمہیں ہاسپٹل میں نہیں بتا سکتی۔ ہم کہیں اور ملاقات کریں گے تو بتاؤں گی۔" ہایون نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دنوں بعد وہ ایک گھر میں ملے تھے جہاں دیواروں پر پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ مکڑی کے جالے ہر طرف لگے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے گھر کافی دنوں کا بند لگتا تھا۔ اس وقت وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"کہیے مجھے کیا کرنا ہو گا۔" وہ بے چین سا تھا۔ سارہ آفندی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں تمہیں ایک آفس میں جاب دلاؤں گی۔ اس کا مالک کافی بوڑھا ہے۔ لیکن وہ بہت شاتر اور چاق و چوبند ہے۔ اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں ہے۔ تو تمہیں اس کا اعتماد حاصل کر کے اس کا پتا صاف کرنا ہو گا۔"

"آپ کا مطلب ہے قتل؟" ہایون نے چونک کر سارہ کو دیکھا۔

"ہاں قتل.....۔" سارہ کا انداز ایسا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات نا ہو۔

"میں نے کبھی کسی کا قتل نہیں کیا۔"

"تو اب کر لو۔"

"یہ بہت مشکل ہے۔"

"تم زیادہ سوچ رہے ہو۔"

"میں بہت برا ہو سکتا ہوں لیکن قتل۔"

"نام کیا ہے تمہارا۔"

"ہایون۔"

"آج سے تم جیو نگ ہون ہو۔"

"لیکن۔"

"یہ میرا تم پر قرض ہے۔"

"میرا ضمیر مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہا۔"

"لڑکیوں کے ساتھ راتیں گزارنے کے لیے ضمیر اجازت دے رہا تھا؟"

"آپ جانتی ہیں میں مسلم نہیں ہوں۔ میرے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"مسٹر ہایون! عزت سب کی ایک جیسی ہوتی ہے۔" سارہ آفندی کی نظروں میں بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔ وہ کچھ پل تو ان آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ وہ آنکھیں سب کچھ برباد کرنے کا حوصلہ رکھتی تھیں۔

ویسے.... کیا تم.... چیون سا کے بیٹے ہو؟" وہ اس سوال پر چونکا تھا۔

"آپ انہیں کیسے جانتی ہیں؟"

"یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتی۔" ہایون کو اس کا مغرور پن بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا میں چیون سا کا بیٹا ہوں۔" اب سوال بدل کر پوچھا تھا۔

"تمہاری شکل دیکھ کر.... ایک ایک نقش اس کی طرح کا ہے۔"

ہایون کے لب اووو میں سکڑے۔

"اس لیے ہمیں پہلے تمہاری صحت اور چہرے پر کام کرنا ہو گا۔"

"جی۔" اس نے ناسمجھی سے سارہ کو دیکھا۔

"تم بہت معمولی شکل وصورت کے انسان ہو.... اس لیے اب تمہیں خوبصورت انسان بنانے کا وقت آگیا ہے۔ جب فرقان احمد کے بیٹے تمہیں دیکھیں تو بہت غور کیئے بغیر وہ تمہیں پہچان بھی نا سکیں۔" اب وہ سمجھا تھا سو اثبات میں سر ہلا دیا۔

سارہ آفندی کی بدولت اسے ایک آفس میں جاب مل گئی۔ بہت مشکل تھا کسی بزرگ اور شاتر انسان کا قتل۔ انفیکٹ ہایون کے لیے قتل کرنا ہی بہت مشکل تھا لیکن اسے یمان کے مقابلے میں آکر اس سے اپنا بدلہ لینا تھا۔ وہ معصوم بچہ اب حیوان بنتا جا رہا تھا۔

اسے آفس میں کام مل گیا تھا۔ وہ اپنے باس کا بھروسہ جیتنے میں کامیاب رہا تھا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی سو انہوں نے جیونگ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ روز صبح جو کافی وہ پیتے تھے۔ وہ اس میں بہت ہلکی مقدار

میں زہر ملا دیتا تھا جو رفتہ رفتہ باس کی زندگی نگل رہا تھا۔ ایک دن اس زہر نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بیمار رہنے لگے تو اپنی ساری جائیداد کا مالک جیونگ کو بنا دیا۔ اور پھر ایک دن وہ مر گئے۔ ان کا پوسٹ مارٹم ہوا تو پتا چلا کہ ان کی موت کی وجہ کوئی زہر تھا جس نے انہیں اندر ہی اندر ختم کر دیا تھا۔ یہ سارا الزام باس کے سیکرٹری پر گیا تھا۔ سیکرٹری جیونگ کو بالکل بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لیے جیونگ نے اسے بھی راستے سے ہٹا دیا۔ اور یوں وہ اس کمپنی کا مالک بن گیا جس کا نام بعد میں جیونگ انڈسٹری رکھا گیا تھا۔ پرانا سارا اسٹاف جیونگ نے نکال دیا تھا اور اب سب نئے تھے۔ اور یوں جیونگ نے شکل وصورت کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی بھی بدل ڈالی۔ اب واقعی ہی غور کرنے سے ہی پتا چلتا تھا کہ وہ ہایون تھا۔ جیونگ ہون کی اکثر ایونٹس کی تصویریں میڈیا پر گردش کرتی رہتی تھیں۔

فرقان کی اولاد نے تو کبھی غور نہیں کیا لیکن چیون سا نے ضرور غور کیا تھا۔ وہ جیونگ ہون اسی کا بیٹا تھا لیکن انہوں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا تھا۔

ماضی کا سفر قدرے تھکا دینے والا تھا۔ وہ گھر سے نکلتے وقت ان یادوں میں کھو گیا تھا اور اب وہ اپنے آفس میں اینٹر ہو رہا تھا۔ سر پر ہلکا سا زخم کا نشان تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○

منہاج گاؤں چلا گیا تھا۔ تین گھنٹے کا راستہ تین صدیوں جیسا تھا لیکن آخر کار کٹ ہی گیا۔ اب وہ دادی جان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے پر گہری اداسی اور سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ مخمل تو اب زیادہ تر گاؤں ہی رہتی تھی اس لیے وہ آج پھر ادھر ہی تھی۔ سویون اور وہ دونوں کچن میں تھے۔ مخمل کے لمبے گھنگریالے بال اس کی پشت پر گرے

ہوئے تھے۔ آج ان بالوں کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ بالوں کا رنگ سرخ تھا۔ اور کپڑوں کا رنگ بلیک جبکہ دوپٹا بھی سرخ ہی تھا۔ وہ دوپٹا ایک طرف کندھے پر ڈالے کچھ بنانے میں مصروف تھی۔ اک نظر اٹھا کر منہاج کو بھی دیکھ لیتی جس کی اس طرف پشت تھی۔ وہ اداس تھا جس نے محمل کے دل کو بھی اداس کر دیا تھا۔ سفید رنگ کی شرٹ اور بلیک پینٹ اور بکھرے بالوں میں وہ سوگواریت لیے ہوئے تھا۔

"پریشان لگتے ہو۔ کیا بات ہے۔ آج کس چیز نے اداس کر دیا؟ کون بچھڑ گیا ہے؟" دادی جان کب سے اسے نوٹ کر رہیں تھیں کہ وہ خاموش ہے۔

"محبت کر بیٹھا تھا۔" محمل کا ہاتھ بری طرح جلا تھا۔ اس کے لبوں سے "سی" کی آواز نکلی۔ سویون نے بھی یہ جملہ سنا تو محمل کو دیکھا۔

"کہا کرتی ہیں آپ۔ ہاتھ جلا لیا۔" وہ بہت دھیمے سے بولی تھی۔

منہاج اور دادی جان تک آواز نہیں گئی تھی۔

"نہیں اٹس اوکے۔" کہہ کر وہ پھر کام میں لگ گئی۔

"محبت گناہ تو نہیں۔" دادی جان بغور اسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔

"آزمائش تو ہے۔"

"آزمائش کیسے ہوئی؟"

"جسے چاہو وہ نہیں ملتا۔ اور یہیں سے آزمائش شروع ہوتی ہے۔"

"سزا بھی تو ہو سکتی ہے۔" منہاج کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گا۔

اس نے چونک کر دادی جان کو دیکھا۔

"س... سزا؟"

"ہاں سزا..... کچھ لوگوں کو بدعا لگ جاتی ہے۔ ضروری نہیں بدعا سے موت آئے یا اس کا رزق چھن جائے۔ محبت بھی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ محبت بچھڑ جاتی ہے۔ محبت کا بچھڑ جانا سزا ہوتا ہے۔"

"ل.... لیکن میں نے تو کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تو پھر سزا کیسی؟" وہ ایک دم سے ڈر گیا تھا۔ دادی جان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"کہیں نا کہیں ہم سے کچھ غلط ضرور ہو جاتا ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا لیکن خدا کو ناپسند گزرتا ہے۔" رک کر انہوں نے منہاج کے تاثرات دیکھے۔ وہ بہت خوفزدہ اور پریشان ہو گیا تھا۔

"یا ہو سکتا ہے خدا نے تمہارے لئے کچھ اور سوچ رکھا ہو۔" اس نے پھر سے چونک کر دادی جان کو دیکھا۔ "میں مسلمان تو نہیں ہوں لیکن میری ایک مسلم سہیلی کہا کرتی تھی خدا بہتر لے کر بہترین دے

دیتا ہے۔" منہاج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دادی جان بھی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں۔

"کیا وہ تم سے واپس محبت کرتی تھی؟"

"میرے چھوٹے بھائی سے کرتی ہے۔" ان تینوں نے چونک کر منہاج کو دیکھا۔

"تو بھائی کے لیے چھوڑ دیا؟"

"ہمم.... میں ان دونوں کے درمیان نہیں آ سکتا۔ مجھے اپنے ان چند رشتوں سے بے حد محبت ہے۔ میں اتنا خود غرض نہیں بن سکتا کہ صرف ایک لڑکی کے لیے اپنے بھائی کا دشمن بن جاؤں۔" وہ زمین پر نظریں جمائے بول رہا تھا۔

"مجھے تمہاری یہ بات اچھی لگی۔مجھے لگ رہا ہے تم میں صبر آگیا ہے۔ دیکھنا تمہیں تمہارے صبر کا اجر ضرور ملے گا۔"منہاج استہزایہ مسکرایا۔

"آپ بتائیں سویون کے لیے لڑکا دیکھا ہے۔کیسا ہے؟"وہ بات بدل گیا۔

"گاؤں کا ہی ہے۔لیکن شہر اپنا چھوٹا موٹا بزنس کرتا ہے۔اچھا کاروبار ہے۔بس ایک دفعہ تم دیکھ لینا۔"

"آپ فکر نا کریں۔میں دیکھ لوں گا۔"دادی جان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

شام آہستہ آہستہ روئے زمین پر اتر رہی تھی۔منہاج آج گاؤں میں ہی رکنے کا ارادہ رکھتا تھا۔اس لئے اس کے لیے علیحدہ سے روم تیار کیا

گیا تھا۔ وہ روم میں تھا۔ محمل باہر سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ شام کے بعد اندھیرہ ہر طرف پھیل گیا تھا۔ لیکن آسمان پر چمکتے چاند نے زمین کو روشنی بخشی ہوئی تھی۔ وہ اداس سی اس چاند کو دیکھ رہی تھی۔ لبوں پر کوئی اداس سا گیت تھا۔ منہاج کچھ دیر باہر بیٹھنے کی غرض سے باہر نکلا تھا لیکن سامنے محمل کو بیٹھا دیکھ کر رک گیا۔ ناگواری سے اس نے قدم واپس لیے لیکن ایک دھن نے اس کے قدم جھکڑ لیے۔ اس کی خوبصورت آواز اور کوئی اداس سا کورین گیت۔ منہاج کچھ پل کے لیے ٹھہر سا گیا۔ گیت ختم ہوا تو وہ جیسے کسی سحر سے باہر آیا۔ رک کر محمل کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ پلٹا اور فوراً اندر چلا گیا۔ محمل نے اسے جاتے دیکھا تو اداس سا مسکرا دی۔ دل کہہ رہا تھا اس کی اداسیاں سمیٹ لو۔ لیکن دماغ کہہ رہا تھا وہ مغرور ہے۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں

ہوتی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○

"تم میرے اتنے اہم دن پر نہیں آئی اور پھر کل چھٹی بھی کرلی۔" وہ دونوں اپنے فری لیکچر میں کیفے میں بیٹھی ہوئیں تھیں جب عریش نے خفگی سے کہا۔

"کل میری ذرا طبیعت خراب ہوگئ تھی۔اس لئے نہیں آسکی۔" عریش مطمئن نہیں تھی۔

"فون کردیتی۔"

"اچھا چھوڑو نا۔ تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔" عنایہ نے عریش کو زور سے گلے لگایا۔

"میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔"

"بہت شکریہ۔" اب عریش بھی مسکرادی تھی۔

"یہ رِنگ بہت پیاری ہے۔"۔ نیلی آنکھوں میں ایک کرب در آیا تھا۔ لیکن یہ صرف ایک پل کو ہوا تھا۔ تبھی اس کے فون میں گھنٹی بجی۔

"سعد کا فون ہے۔ تم بیٹھو میں سن کر آتی ہوں۔" کہہ کر وہ اٹھ گئی۔

عریش نے سر ہلا دیا۔

"ہائے۔" عقب میں ایک بھاری آواز ابھری تو عریش نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہاں حماد کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" عریش نے اس کے سلام نا کرنے پر چوٹ کرائی تو وہ بال کھجاتا اس کے مقابل رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں سلام کرنے ہی لگا تھا۔"

"تو کیا کیوں نہیں۔"

"آپ نے سلامتی بھیج دی۔ کافی ہے۔"

"اچھا جی۔" حماد سر نیچے کیے مسکرا دیا۔

"کیسی ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"لو اب بندہ حال بھی نا پوچھے۔" حماد نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"پوچھ سکتا ہے۔" اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ کچھ ہی دیر میں عنایہ واپس آئی تو حماد کو وہاں دیکھ کر رک گئی۔ قدم واپس لے جانے کے لیے موڑ دیئے۔

"عنایہ۔" حماد کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں گونجی تو وہ قدم آگے نا بڑھا سکی۔

"آؤ نا پلیز۔" عریش نے گردن موڑ کر دیکھا۔ حماد اس کے بالکل سامنے تھا۔ خود پر کنٹرول کرتی وہ واپس مڑ کر ان دونوں تک آئی۔

"تم کہاں جا رہی تھی؟" حماد نے پوچھا۔ انداز بالکل نارمل تھا۔

"وہ ایک کام یاد آگیا تھا۔ خیر بہت مبارک ہو تمہیں۔" وہ عریش کے ساتھ وہیں بیٹھ گئی۔

"بہت شکریہ۔ تم دونوں بیٹھو۔ میں چلتا ہوں۔" کہہ کر وہ اٹھ گیا۔

اب وہ دونوں دوستیں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہی تھیں۔

"کچھ ہی دیر میں لیکچر شروع ہونے والا ہے۔" عنایہ نے کہا۔

"ہاں..." اس سے زیادہ اب کچھ کہنے کو نہیں تھا۔ پھر بھی وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتیں رہیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

موسم میں اچانک ہی تبدیلی آئی تھی۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھک گیا تھا اور ہوائیں بھی تیز ہو گئیں تھیں۔ ایسے میں وہ دونوں کھلے آسمان تلے ایک ہی بینچ پر کچھ وقفے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ہاتھ

میں ماریہ کے نام کی انگھوٹھی کو دیکھ رہا تھا اور ماریہ اسے۔ نظاروں میں سب سے خوبصورت نظارہ اس وقت جنگلوک تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ ہمیشہ کے لیے میری ہونے جارہی ہیں۔"

"اللہ سے سچے دل سے مانگو تو پھر معجزے ہی ہوتے ہیں۔" جنگلوک نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ معجزوں پر یقین رکھتی ہیں؟"

"میں اللہ پر یقین رکھتی ہوں۔"

"اللہ پر یقین رکھنے سے معجزے ہوتے ہیں؟"

" باللکل ہوتے ہیں۔ جب آپ کے یقین میں ذرا سا بھی شک نا ہو۔ سب کچھ اللہ پر چھوڑ دینے کے بعد آپ مطمئن سے ہو جاتے ہیں۔ پھر معجزے ہوتے ہیں۔"

"لیکن میں نے تو کسی پر یقین نہیں کیا۔"

"کیا آپ نے مجھے کبھی دعاؤں میں نہیں مانگا۔"

"دعاؤں میں تو نہیں مانگا۔ لیکن سچے دل سے ہمیشہ آپ کے ساتھ کی چاہت کی ہے۔"

"آپ کی خواہش پوری ہونے جا رہی ہے۔" جنگکوک دلکشی سے مسکرا دیا۔

"میں بہت خوش ہوں۔ میں آپ کو چھونے کا، ہر وقت دیکھتے رہنے کا حق حاصل کرنے جا رہا ہوں۔ میں ہر چیز کا اکلوتا حقدار ہوں گا۔"

خوشی اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ وہ خوش تھی کہ اسے اتنا چاہنے والا ہمسفر ملنے جا رہا۔ ماریہ کو جنگکوک ملنے جا رہا تھا۔ جنگکوک کو ماریہ کا ہمسفر چن لیا گیا تھا۔ اس بات کی گواہی ارد گرد کی ہر چیز دے رہی تھی۔

"آپ خوش ہیں؟"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے خوشی ایک چھوٹا لفظ ہے میرے احساسات کو بیان کرنے کے لیے۔" جنگکوک کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی۔

وہ خاموشی سے درختوں سے گرتے پتوں کو دیکھے گیا۔

"جنگکوک۔" اس نے ہولے سے پکارا۔

"ایسے میرا نام نا لیا کریں۔" ماریہ نے استعجاب سے جنگکوک کو دیکھا۔

"مر جاؤں گا۔" جنگکوک نے اس کی آنکھوں میں واضح خفگی دیکھی تھی۔ وہ رخ موڑ گئی۔

"آپ ناراض ہو کر بھی مجھے مار ہی دیں گی۔"

"بس آپ نا اپنی بکواس جاری رکھیں۔ میں جا رہی ہوں۔"

ایک پل میں ساری نرمی گم ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر جانے لگی۔

"پلیز مت جائیں۔" وہ تین لفظ...... کیسا سحر تھا اس کی آواز میں.... کیا انداز تھا بولنے کا۔ ماریہ چاہ کر بھی قدم آگے نا بڑھا سکی۔ اور اسی خاموشی سے واپس بیٹھ گئی۔

"آپ نے میرا نام کیوں لیا تھا؟"

"پتا نہیں۔" وہ زمین پر ہوا کی وجہ سے اڑتے پتوں کو دیکھنے لگی۔

"میں نے ہمارے ایونٹ پر آپ کو دیکھا تھا۔" پتوں سے نظریں ہٹا کر اس نے جنگکوک کو دیکھا۔

"آپ بہت پیاری لگ رہی تھیں۔"

"میں آپ کو اتنی پیاری لگتی ہوں... لیکن۔"

"چپ....۔" وہ جانتا تھا وہ کیا کہنے جا رہی تھی تبھی اس نے سختی سے اسے روک دیا۔ اور کتنے ہی پل خاموشی کی نظر ہو گئے۔ وہ دونوں

ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ وہ چار آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں تھیں۔

تیرے دیدار کے لمحے بہت قیمتی تھے

ہم اگر آنکھ جھکتے تو خسارہ کرتے

جنگکوک کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تو وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آئی۔ گلا کھنکارتے ہوئے اس نے پلکیں جھپکائیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"میرا لیکچر شروع ہونے والا ہے۔ میں چلتی ہوں۔" وہ بیگ سنبھالتی بینچ سے اٹھ گئی۔

"شیور۔" جنگکوک نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔ وہ چلی گئی تو اس کے دوست اس کے پاس چلے آئے۔

"واہ بھئی منگنی کروالی اور بلایا بھی نہیں۔" لیو اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے خفا سا بولا۔ چینگ بھی اس کی دوسری طرف بیٹھ گئی جبکہ باقی سب کھڑے رہے۔

"تو نے مجھے انگوٹھی پہنانی تھی؟" جنگکوک نے شرارتی انداز میں کہا۔

"ہاں...... بھابھی کی جگہ گھونگھٹ میں نے ہی نکال کر بیٹھنا تھا۔"

لیو کے انداز پر جنگکوک کا قہقہہ بلند ہوا۔

"بلایا کیوں نہیں؟" اس کا سوال وہیں تھا۔

"وہ کیا ہے کہ میرے سالوں کی طرف سے مجھے اجازت نہیں تھی کہ کوئی غیر مردان کی بہن کے فکشن میں آئے۔" جنگکوک نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"میں تو لڑکی تھی جنگکوک..... مجھے بلا لیتے۔" چینگ نے بھی اسے آنکھیں دکھائیں۔

"اووووو..... یہ تو خیال ہی نہیں رہا۔"

"ابھی منگنی ہوئی ہے تو یہ حال ہے اس لڑکے کا۔ شادی کے بعد تو ہمارے نام بھی بھول جائے گا۔"

"ارے خفا کیوں ہوتے ہو؟ آج شام میری طرف سے پارٹی۔"

جنگکوک نے صلح جو انداز میں کہا۔ لیو کچھ دیر تو اسے گھورتا رہا۔

"پورک باربی کیو ڈن کرو تو مانوں گا۔" اس نے جنگکوک کی طرف پشت کرتے ہوئے کہا۔

"ایک تو یہ جو تو حسیناؤں والے انداز میں اپنی باتیں منواتا ہے... سچی بڑا پیار آتا ہے تجھ پہ۔" جنگکوک نے اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"تو مان رہا ہے یا میں جاؤ" لیو نے ذرا سی گردن ٹیڑی کر کے پوچھا۔

"چل آج شام کو پارٹی ڈن ہے۔" جنگکوک نے کہا تو وہ خوشی سے اچھل کر اس کے گلے لگ گیا۔

"مبارک ہو دولہے میاں... شادی پہ بھی بلانے کا ارادہ رکھتے ہو یا نہیں؟"

"ارے کیوں نہیں.... شادی پہ تو میدا شہہ بالا ہوگا۔" لیو نے اس سے دور ہو کر نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"یہ شہہ بالا کیا ہوتا ہے؟"

"چل آ تجھے بتاتا ہوں۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ پھیلائے اسے بتانے لگا۔اور لیو سر ہلاتا گیا جیسے اسے ساری سمجھ آ گئی تھی۔

OOOOOOOOOOOOOO

"مے آئی کم ان سر؟"

"یس کم ان۔" بازو پر بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے اجازت دی گئی۔

اجازت ملتے ہی وہ اندر چلی آئی۔دل کی دھڑکنیں خود بخود ہی تیز ہوتی گئیں تھیں۔

"مس بختاور کل آپ چھٹی پر تھیں اور آج آپ دیر سے آئیں ہیں۔ آپ جانتی ہیں مجھے کسی اور کے ہاتھ کی کافی پسند نہیں۔یہ کافی انتہائی بدذائقہ ہے۔"اس کے اندر داخل ہوتے ہی یمان شروع ہو گیا۔ ٹون بالکل ایسی تھی جیسی ایک باس کی اپنے ورکر کے ساتھ ہوتی ہے۔بختاور سمجھ گئی تھی یہاں وہ اس کی منگیتر نہیں، صرف پی اے ہے۔

"سوری سر! میں بتا نہیں سکی کل میری طبعیت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے.....۔"

"کیاہوا ہے تمہیں؟" وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔اور وہ شاکڈ سی اسے دیکھے گئی۔وہ اس کے ماتھے اور چہرے کو چھو کر دیکھ رہا تھا۔

"بخار تو نہیں ہے تمہیں۔پھر کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"میری طبعیت ٹھیک ہے، بس پرسوں والے فکشن کی وجہ سے تھوڑی سی تھکن ہو گئی تھی۔" وہ خجل سی ہوئی۔

"ہممم۔" کہتے ہوئے اس نے ہاتھ چھوڑ دیئے اور واپس کرسی کی جانب مڑ گیا لیکن بیٹھا نہیں۔جبکہ بختاور اپنے خالی ہاتھ کو دیکھتی رہ گئی۔وہ پھر ہاتھ چھوڑ گیا تھا۔

"آپ ائندہ مجھے بتائے بغیر چھٹی نہیں کریں گی۔اور جو چھٹی کل آپ نے کی ہے اس کی سزا بھی ملے گی آپ کو۔" اس نے چونک کر یمان کو دیکھا۔ یمان کی اس کی طرف پشت تھی۔

" کیسی سزا۔" اس نے دھیمے سے پوچھا۔ یمان نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر اس کے قریب چلا آیا۔ دونوں شانوں سے اسے پکڑا اور ذرا جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مس بختاور...... کل سارا دن آپ نے مجھے اپنے دیدار سے محروم رکھا تھا۔ تو اب سزا یہ ہے کہ آپ سارا دن میرے آفس میں بیٹھیں گی میرے سامنے۔ سمجھیں آپ؟" وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ چونکی۔ دھڑکنیں پھر سے تیز ہو گئیں تھیں۔ وہ مضبوط لڑکی تھی لیکن یمان کے معاملے میں اس کا دل کمزور پڑ جاتا تھا۔ اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"ڈیٹس لائک آ گڈ گرل۔ ب خاموشی سے جا کر اس صوفے پر بیٹھ جائیں۔" وہ سر ہلاتی صوفے کی طرف چلی گئی اور یمان اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ سر جھکائے اس کی دیوانگی بھری نظروں کو برداشت کرتی رہی۔ وہ نروس ہو رہی تھی اور یمان کا ایک ہی کام تھا اسے نروس کرنا۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلتی رہی۔ لیکن یمان کو اثر نا ہوا۔ اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر یمان کو دیکھا اور ساتھ ہی پلکیں گرا دی۔ وہ جو اسے نروس کرتے ہوئے مسلسل مسکرا رہا تھا اچانک اس کے تاثرات بدل گئے۔ وہ بے چین ہوتا سیدھا ہوا۔ اس کے دل میں بختاور کی اس حرکت نے ہلچل مچا دی تھی۔ وہ سختی سے لب بھینچے رخ موڑ گیا۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" رخ موڑے ہی حکم دیا۔ وہ تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھی۔ فوراً اٹھی اور قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے

"رکو۔" قدم وہیں رک گئے۔ دل بیٹ پر بیٹ مس کر رہا تھا۔ یمان چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ درمیان میں کچھ فاصلہ تھا جو اسے رکھنا تھا۔ شکر ہے یمان کی طرف اس کی پشت تھی۔

"آئندہ اگر اس طرح چھٹی کی تو میں دوبارہ رعایت نہیں دوں گا۔ مت بھولو کہ شادی میں صرف ایک ماہ ہے۔" الفاظ تھے کہ کیا۔ بختاور کو اپنا دل کانوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ لب کتنی دفعہ کھلے کتنی دفعہ بند کیے۔ الفاظ جیسے سارے ختم ہو گئے تھے۔

"جاؤ۔" ادھر اس نے کہا اور ادھر وہ باہر نکل گئی۔ یمان نے مسکرا کر بند دروازے کو دیکھا۔

"انٹرسٹنگ۔"

ادھر بختاور نے باہر آکر اپنی رکی ہوئی سانسیں بحال کیں۔ وہ دو گھنٹے سے یمان کے سامنے بیٹھی تھی اور لگ رہا تھا ابھی اس کا سانس رک جائے گا۔ اس نے اپنے ٹیبل پر آکر پہلے پانی پیا اور پھر اپنی سیٹ پر بیٹھی۔ خود کو مشکل سے نارمل کر کے کام میں دھیان لگایا۔ لیکن اب کہاں دھیان لگنا تھا۔ سارا دھیان تو آفس میں رہ گیا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر سامنے یمان کے آفس کو دیکھا اور لبوں پر ایک بلش کرنے والی مسکراہٹ در آئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"سنیں۔" وہ اس وقت مومن کے آفس میں بیٹھی کسی فائل کو دیکھ رہی تھی اور مومن لیپ ٹاپ پر ای میلز بھیج رہا تھا۔ علیزے کے پکارنے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہمم کہو۔"

"مجھے چکر آ رہے ہیں۔ میں گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"چکر کیوں آ رہے ہیں؟" وہ پریشان سا ہوتا اس کے قریب چلا آیا۔

"پوچھ کر بتاتی ہوں کیوں آ رہے ہیں۔" وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

مومن نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا اور پھر مسکرا دیا۔

"میں اندر آ جاؤں۔" ہاشم کی آواز پر دونوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔

"آ جائیں بھائی۔" مومن نے کہا تو ہاشم اندر چلا آیا۔ مومن کو یوں علیزے کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ چونکا۔

"سب ٹھیک ہے؟" علیزے کی ہاشم کی طرف پشت تھی کیونکہ اس نے نقاب اتارا ہوا تھا اور ابھی وہ گھبراہٹ کی وجہ سے لے نہیں پا رہی تھی۔

"وہ علیزے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے تو...۔"

"تو تم انہیں لے کر گھر کیوں نہیں گئے۔" ہاشم پہلے پریشان ہوا اور پھر مومن کو ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔

"میں لے کر ہی جا رہا تھا۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتا جب ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو تم انہیں آفس کیوں لے آتے ہو؟"

"بقول میری بیوی کہ وہ گھر میں تنہا بور ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی خواہش پر ہی میں انہیں آفس لے آتا ہوں۔" "آج کے بعد تم دونوں گھر رہو گے۔" ہاشم کا انداز اٹل تھا۔ مومن نے شاکڈ ہو کر ہاشم کو دیکھا جبکہ علیزے اپنی ہنسی روک گئی۔

"بھائی آپ جانتے ہیں کتنے اہم کام ہوتے ہیں کرنے والے۔"

"تم فکر نہیں کرو... میں تمہیں گھر میں فری نہیں رکھوں گا۔ تم گھر میں بھی کام کرو گے۔ لیکن علیزے کو آفس لے کر نہیں آو گے۔ سمجھ آئی میری بات۔"

"ایک ورکنگ مین کو آپ اس طرح گھر رکنے کا کہیں گے یہ تو غلط بات ہے۔ میں اتنے مہینے گھر رہ کر تو کام ہی بھول جاؤں گا۔"

"میں نے کہا نا تم گھر میں بھی یہ آفس کے کام کرو گے اور ویسے بھی کچھ دنوں تک فرح کے ایگزام ہو جائیں گے تو وہ رک جائیں گی۔ پھر تم اس دوران چلے آنا آفس۔ اوکے۔"

"اوکے جی۔" مومن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ چکر اپنی جگہ لیکن علیزے کو اس وقت بہت ہنسی آرہی تھی۔ "آپ کو کوئی کام تھا؟" مومن نے ایک نظر علیزے کو دیکھا اور پھر ہاشم سے پوچھا۔

"کام تھا لیکن ابھی میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔ابھی تم دونوں گھر جاؤ۔یاد آیا تو بتادوں گا۔"ہاشم کہہ کر چلا گیا تو مومن نے ایک لمبی سانس لی جبکہ علیزے دل کھول کر ہنسی۔مومن نے آنکھیں چھوٹی کر کے علیزے کو گھورا۔

"چلیں محترمہ ورنہ ہاشم بھائی الٹے قدموں واپس آئیں گے پھر سے میری درگت بنانے۔"علیزے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔

"ویسے مجھے بڑا مزا آیا۔آپ ہر وقت مجھے ستاتے رہتے ہیں نا۔بالکل ٹھیک سزا ملی ہے آپ کو۔"مومن نے رک کر اسے دیکھا۔

"میں ستاتا ہوں؟اگر میں ستانے والا شوہر ہوں تو یقین کریں اس سے اچھا شوہر آپ کو پوری دنیا میں نہیں ملے گا۔"مومن نے علیزے کا چہرہ نقاب سے کور کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں پتا ہے.....اتنا بورنگ بندا صرف میرا ہی ہو سکتا ہے۔"

"میں بورنگ کیسے ہوا۔" اسے واقعی ہی علیزے کی باتیں حیران کر رہیں تھیں۔

"کیونکہ آپ میری ہر بات مانتے ہیں۔ مجھ سے اختلاف نہیں کرتے۔ نا جھگڑتے ہیں۔ تو بورنگ ہی ہوئے نا۔" وہ حیرت سے منہ کھولے علیزے کو دیکھنے لگا۔

"تو کیا تمہیں ایسی محبت کرنے والا شوہر نہیں چاہیے تھا؟"

"مجھے بالکل محبت کرنے والا شوہر چاہئے تھا لیکن تھوڑا بہت جھگڑا تو ہونا چاہیے نا۔" مومن نے تاسف سے سر ہلایا۔

"واقعی ہی انسان بڑا ناشکرا ہے۔ جو چیز مل جاتی ہے اس کی قدر ہی نہیں۔" شاید اسے کچھ برا لگا تھا تبھی علیزے نے ہچکچا کر اسے دیکھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں....وہ....۔"

"گھر چلتے ہیں۔" اس کا ہاتھ پکڑے آفس سے باہر نکل آیا۔ شاید وہ خفا ہو گیا تھا۔

"تمہارا دل کر رہا جھگڑا کرنے کا؟"

"نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ دونوں اب لفٹ میں انٹر ہو رہے تھے۔

"اگر میں نے تمہیں جھگڑنے کی وجہ دے دی نا تو تب تم کہو گی بالکل بھی میرا شوہر ناولوں کے ہیرو جیسا نہیں ہے۔" مومن اس کی پریشانی بھانپ گیا تھا تبھی ذرا مسکرا کر کہا۔

"میرا شوہر بہت اچھا ہے۔ ناولوں کے ہیرو کے تو غصے ہی ختم نہیں ہوتے۔ بیوی کی عزت تو کرتے ہیں لیکن جب موڈ خراب ہو تو بے عزتی کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ان کے دماغ کھسکے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن میرا شوہر ایسا نہیں ہے۔"

"مجھے لگا کہنے لگی ہو کہ میرے شوہر کا دماغ ان سے بھی زیادہ کھسکا ہوا ہے۔" مومن کی بات پر وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھے کھلکھلا کر ہنس دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تم گاؤں سے واپس کب آ رہے ہو؟" ہاشم نے آفس میں داخل ہوتے منہاج کو کال ملائی۔ وہ اس کے لیے پریشان تھا۔

"کل آجاؤں گا۔" دوسری طرف وہ روم میں ایک چھوٹے سے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ الجھا الجھا بکھرا بکھرا۔ "ٹھیک ہے آجانا۔ جب تک تم آ نہیں جاتے مجھے فکر رہے گی تمہاری۔"

"آجاؤں گا بھائی۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

ادھر ہاشم نے بلیک اسکرین کو دیکھا۔

"یااللہ میرے بھائی کو صبر دے۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○

شام میں جب یاور آفس سے واپس آیا تو فرح کو کچن میں پایا۔ وہ اوپر جانے کے بجائے کچن میں چلا آیا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" فرح سبزی کاٹ رہی تھی، سر اٹھا کر یاور کو دیکھا۔

"کھانا بنا رہی ہوں۔" کہہ کر وہ پھر سے کام میں لگ گئی۔ یاور چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ ہاتھ سے چھری لے کر رکھ دی۔ اس نے حیرت سے یاور کو دیکھا۔

"شاید آپ بھول رہی ہیں محترمہ کہ کچھ دنوں تک آپ کے ایگزام شروع ہونے والے ہیں تو آپ کو پڑھنا چاہئے۔ نا کہ کچن میں آکر وقت ضائع کرنا چاہیے۔"

"پڑھنے کے لیے بہت وقت ہے میرے پاس۔ ابھی کھانا۔۔۔۔"

"کوئی کھانا نہیں۔ جا کر پڑھیں۔" اس نے سختی سے کہا تو وہ لب کا ٹنے لگی۔

"وہ آنٹی کی طبیعت خراب تھی تو اس لیے میں بنانے کے لیے چلی آئی۔"

"آنٹی؟" یاور نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"وہ... بوا کی۔" وہ خجل ہوتے ہوئے بولی۔ یاور کو اپنی ہنسی روکنے کے لیے لبوں کو آپس میں پیوست کرنا پڑا تھا۔

"اوکے..... پھر آپ بنالیں۔ لیکن ایگزام پر کوئی کمپرومائز میں برداشت نہیں کروں گا۔" اس نے مصنوعی سختی سے شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے کہا تو فرح نے جواباً سر ہلا دیا۔ یاور چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی ہاشم بھی گھر میں داخل ہوا تھا۔

"اسلام علیکم۔" اس نے فرح کو کچن میں کام کرتے دیکھا تو سلام کر دیا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

"کیا مجھے ایک گلاس پانی مل سکتا ہے۔" کہتے ہوئے وہ ذرا نروس ہو گیا تھا۔

"جی میں دیتی ہوں۔" وہ پانی لے کر آئی تو ہاشم صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہاشم کو پانی دے کر وہ وہیں ایک سائڈ پہ کھڑی ہو گئی۔ مقصد گلاس ساتھ ہی واپس لے جانے کا تھا۔ یاور آستین چڑھاتے روم سے باہر آیا۔ اس نے ابھی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ نیچے والے منظر نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈال دی۔ وہ وہیں رک گیا۔

"بہت شکریہ۔" ہاشم نے گلاس واپس کرتے ہوئے کہا جسے اس نے سر کے خم سے قبول کیا اور واپس پلٹ گئی۔ یاور نے سختی سے لب

آپس میں پیوست کیے اور واپس روم میں چلا گیا۔روم میں آکر زور سے دروازہ بند کیا۔

"یہ یاور کو کیا ہوا ہے؟"ہاشم ایک دم دروازہ بند ہونے کی آواز سے ڈر گیا تو فرح سے پوچھ لیا۔

"پتا نہیں... میں دیکھتی ہوں۔"وہ ہنڈیا وہیں چھوڑ کر اپنے روم کی طرف چلی گئی۔

"میں کھانا دیکھتا ہوں کہیں جل نا جائے۔"ہاشم کچن کی طرف چلا گیا۔

وہ روم میں آئی تو بیڈ کی چادر زمین بوس ہو چکی تھی۔اور صوفے کے کشن بھی زمین پر پڑے ہوئے تھے اور وہ خود آئینے کے سامنے جھکا خود کو دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک وحشت ناک غصہ تھا جس

نے فرح کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔ وہ مرے مرے قدموں سے یاور تک آئی۔

"کیا ہوا ہے؟ سب..... ٹھیک ہے نا؟" اس نے مشکل سے اپنے اندر ہمت جمع کی۔

"یاور۔" جواب نا ملنے پر اس نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا۔ فرح کا ہاتھ جھٹکتا وہ واشروم میں گھس گیا۔ اور اتنی ہی سختی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ ڈر سے اسے پسینے آنے لگے تھے۔ وہ دس منٹ بعد باہر آیا تو اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ گیلے بال ماتھے سے چپک گئے تھے۔ لیکن آنکھوں میں غصہ قدرے کم لگتا تھا۔ اس نے ایک طائرانہ نظر پورے روم میں ڈالی جو اپنی اصلی حالت میں آ چکا تھا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔ کھانا لگا دیں جا کر۔" وہ قدرے سنجیدگی سے کہتا فرح کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گیا۔ وہ سر ہلاتی باہر چلی آئی۔

کچن میں آئی تو ہاشم ابھی تک کھانے کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

"غصہ کم ہوا آپ کے غصیلے شوہر کا۔" اس نے بمشکل مسکرا کر سر ہلایا۔ لیکن اس کی نقاب میں چھپی مسکراہٹ ہاشم کو نظر نہیں آئی تھی۔

"بھابھی کھانا بن گیا ہے؟ بہت بھوک لگی ہے۔" ماریہ اپنے روم سے نکلی تو حماد بھی اس کے ساتھ ہی اپنے روم سے نکلا۔

"بھابھی ملازمہ تو نہیں ہیں جو تم انہیں آرڈر دے رہی ہو۔ جا کر ہیلپ کروان کی۔" ماریہ نے ایک زبردست گھوری حماد کو دی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

"بھابھی جان کسی ہیلپ کی ضرورت تو نہیں؟" کچن میں داخل ہوتے پوچھا۔

"ہاں یہ سب کچھ ٹیبل پر رکھو اور پھر سب کو بلا لاؤ۔"

"اوکے۔" سر ہلاتے وہ کام میں لگ گئی۔ کچھ ہی دیر میں سب کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے۔ یاور نے تو فرح کو سرے سے ہی اگنور کیا ہوا تھا جبکہ باقی سب آپس میں باتوں میں مگن تھی۔ بس وہ دونوں خاموش تھے۔ کھانا کھا لینے کے بعد سب اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔ رات کا کھانا عشاء کی نماز سے پہلے ہی کھایا جاتا تھا۔ اور عشا اور فجر کی نماز کے علاوہ باقی ساری نمازیں مسجد میں پڑھی جاتی تھیں۔ مسجد گھر سے دور لیکن آفس کے نزدیک ہی تھی۔ یاور نماز پڑھنے کے بجائے صوفے پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد فرح روم میں آئی۔ یاور کو یوں لیٹا دیکھ کر وہ اسی کے پاس چلی آئی۔

"کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" اس نے ہولے سے یاور کا بازو ہلایا۔ یاور سے بازو آنکھوں سے ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بیٹھیں۔" اپنے ساتھ جگہ دی تو وہ بیٹھ گئی۔

"میں مزید کسی غلط فہمی میں نہیں جینا چاہتا۔ اس لیے میں جو پوچھوں اس کا سچ سچ جواب دیجئے گا۔"

"کیا ہوا ہے؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟" یاور کا انداز اتنا سنجیدہ تھا کہ وہ ڈرتے ہوئے بولی۔

"نہیں... آپ سے نہیں...... مجھے لگتا ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں.... آپ کے اور..... ہاشم بھائی کے درمیان آیا ہوں۔"

فرح نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کی بات کا؟" اس کی آواز اب تیز تھی۔

"جب آپ کے پیرنٹس ہمارے گھر آئے تھے۔ آپ کے اور ہاشم بھائی کے لیے تو یقیناً وہ آپ کو بتا کر آئے ہوں گے۔ تو آپ کے دل میں ان کے لیے....۔"

"بس۔" وہ درشتی سے کہتی کھڑی ہو گئی۔ آنکھوں میں بے یقینی اور دکھ واضح تھا۔ یاور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اس سے آگے ایک لفظ مت کہیے گا۔" وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن آنکھیں فوراً ابھر آئیں تھیں۔

"میں آپ کی ہر بات برداشت کر سکتی ہوں لیکن یہ الزام.... ہرگز نہیں۔" یاور اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیں میں ایسا شوہر نہیں ہوں جو اپنی بیوی کو اس کی مح....۔"

اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے جب فرح نے اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

"سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو؟ خدا ہیں؟ فرشتے ہی؟ آخر ہیں کیا آپ۔ کچھ بھی جانے بغیر آپ میرے دامن کو داغ دار کرنے آگئے۔ بالکل بھی مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔" اس نے یاور کو گریبان جھٹک کر خود سے دور کیا۔

"بہت ہی کوئی گھٹیا سوچ ہے آپ کی۔" وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔ یاور شرمندہ ہوا۔

"دیکھیں میرا وہ مطلب....۔"

"یاور ایک لفظ نہیں کہیں گے آپ اب ورنہ میں بھول جاؤں گی کہ آپ میرے شوہر ہیں۔" غصے سے کہتی وہ روم سے باہر چلی گئی۔ وہ اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں سن سکتی تھی۔ یاور نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے ایسا نہیں چاہا تھا جیسا ہو گیا تھا۔ وہ سر ہاتھوں میں دیئے وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ باہر لان میں پول

کے پاس چلی آئی۔ وہاں تین زینے بنے ہوئے تھے۔ وہ سب سے نچلے زینے پر بیٹھ گئی۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اس کا شوہر اس کے بارے میں ایسا سوچتا تھا۔ وہ چہرہ منہ میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

○○○○○○○○○○○○○○

"بختاور تم نماز کیوں نہیں پڑھتی۔" عریش ابھی وضو کر کے آئی تھی تو بختاور کو لیپ ٹاپ پر مصروف پایا۔

"پڑھتی تو ہوں یار۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

" کبھی کبھی۔" عریش نے اسے یاد دلایا۔

"مصروف ہوتی ہوں نا یار۔ وقت نہیں ملتا۔ جیسے ہی فری ہوتی ہوں۔ پڑھ لوں گی اٹھ کر۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی جبکہ عریش نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تمہاری مصروفیات نماز سے زیادہ ضروری ہیں؟" بختاور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ دنیاوی کام تمہیں دنیا میں تو فائدہ دے سکتے ہیں میری بہن لیکن آخرت میں نماز ہی کام آئے گی۔"

"تم بحث کیوں کر رہی ہو۔ کہا نا پڑھ لیتی ہوں۔" آئینہ دکھانا آسان ہوتا ہے لیکن دیکھنا اتنا ہی مشکل۔

"میں بحث نہیں کر رہی بختاور۔ تم میری بہن ہو اور میں چاہتی ہوں ہم دونوں ایک ساتھ جنت میں جائیں۔ میں تمہارے بغیر جنت میں نہیں جانا چاہتی۔" اب کے اس نے ذرا معصومیت سے کہا۔

"تو اپنے شوہر کے ساتھ چلی جانا۔ لیکن مجھے کام کرنے دو۔"

"اگر اللہ کے بغیر تم یہ کام کرو گی تو کہیں نا کہیں نقصان اٹھاؤ گی۔"

"تم مجھے بد دعا دے رہی ہو؟" بختاور نے گھور کر اسے دیکھا۔

"نہیں میری بہن۔ بس تمہیں اتنا یاد کروا رہی ہوں کہ اللہ ہر چیز سے اوپر ہے۔ اللہ کے بغیر انسان کچھ نہیں ہے۔ جب تک اپنے کاموں میں اللہ کو شامل نہیں کرو گی تو خسارے اٹھاؤ گی۔ اللہ کے علاوہ جن چیزوں سے تم محبت کرتی ہو وہ ایک دن تم سے چھین لے گا۔ یہ سزا ہو گی۔ اور کچھ لوگ ایسی چیزوں کو آزمائش سمجھتے ہیں۔" بختاور کی گردن میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا خیال یمان کا آیا تھا۔ وہی تو تھا جو اسے ہر دفعہ چھوڑ جاتا تھا۔ تو کیا یہ کوئی وارننگ تھی۔ اللہ کے علاوہ ایک نامحرم سے محبت۔ اللہ سے خود دور ہو گئی اور یمان کے دور جانے کا اتنا خوف۔ بختاور کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گی۔

"چلو زیادہ سوچو نہیں۔ اٹھو اور نماز پڑھو۔" عریش نے اس کا بازو کھینچا۔

"دیر کر دی۔ میں نے... دیر کر دی عریش۔" اسے اپنے آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"ہر گز دیر نہیں ہوئی۔ اگر تم ابھی اٹھ جاؤ اور اس کے سامنے جا کر بیٹھ جاؤ تو وہ معاف کر دے گا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کون دیر سے آیا ہے اور کون پہلے۔ وہ بس یہ دیکھتا ہے کہ اس کا بندہ آگیا ہے۔ اس کے پاس چلا آیا ہے۔ بندے نے سر جھکا دیا ہے۔ اللہ کے معاملے میں غلط فہمیاں اور بد گمانیاں ختم کر دو۔ وہ ویسا نہیں ہے جیسے ہم انسان ہیں۔ وہ خود غرض نہیں ہے اور وہ معاف بھی کر دیتا ہے۔" عریش کے الفاظ تھے یا کوئی مرہم۔ بختاور کی آنکھیں بے آواز برسنے لگیں اور دل پر ٹھنڈی پھوار برس گئی۔ کچھ ہی دیر میں اس کے قدم واشروم کی جانب تھے۔ وہاں سے وہ وضو کر کے باہر آئی تو عریش نے اس کے لیے مصلہ بچھا دیا تھا۔ وہ دونوں بہنیں نیت باندھے کھڑی ہو گئیں۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں نماز پڑھ کر فارغ ہوئیں تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ آنسوؤں سے بختاور نے اپنے ہاتھ بھگو دیئے تھے۔ باقی سارے اعمال ایک طرف اور نماز ایک طرف۔ نماز پر کوئی کمپرومائز نہیں۔ نماز کے بغیر زندگی کا تصور ہی فضول ہے۔ نماز کے بغیر زندگی زندگی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک چلتا پھرتا ڈپریشن ہوتا ہے۔ جو اپنے اوپر ڈھیروں پریشانیاں لیے گھومتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس ڈپریشن کو دور کیسے کرے۔ یاد رکھیں سجدے سے دوری انسان کو ڈپریشن کا شکار بنا دیتی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"ویسے ایک بات تو بتاؤ بختاور۔" بختاور نماز پڑھ کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی تھی۔ دل اب مطمئن تھا۔ عریش قرآن مجید پکڑے اسی کے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں پوچھو۔" وہ لیپ ٹاپ پر توجہ مرکوز کیے بولی۔

"میرے ذہن میں بہت اچانک یہ بات آئی ہے کہ...... تمہارے باس یعنی یمان کو کیسے پتا تھا کہ تم اس فنکشن میں آؤ گی۔ مطلب انہیں کیسے پتا چلا تم میری بہن ہو۔" بختاور اس کے سوال پر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ پھر جیسے یاد آیا۔

"ماما بابا کے ساتھ پلان کیا تھا اس نے۔ یہ بھی انہی سے پتا چلا ہو گا۔" وہ لاپرواہی سے کہتی پھر سے کام میں لگ گئی۔

"پلان تو اس نے تب بنایا جب اسے پتا چلا تھا تم فکشن پر آؤ گی۔اس سے پہلے سوچنے والی بات یہ ہے کہ اسے پتا کیسے چلا۔" عریش نے دائیں ابرو اچکائے۔اب کے بختاور نے بھی چونکی تھی۔

بات تو.... سوچنے والی ہے۔اسی سے پوچھوں گی۔" دونوں بہنوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ارے ہاں مجھے یاد آیا۔" بختاور نے فوراً سر اٹھا کر عریش کو دیکھا۔

"یاد ہے جس دن حماد سے ملوانے لے گئیں تھی تم مجھے۔اس دن وہ بھی آئے تھے۔وہیں دیکھا تھا انہوں نے مجھے۔" عریش کے لب اووو میں سکڑے۔

"مطلب.....چوری چوری۔" اس نے بختاور کو چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"ویسے تم کیا کرنے لگی ہو؟" بختاور نے اس کے ہاتھ میں قرآن دیکھا تو پوچھ لیا۔

"میں تو روز کرتی ہوں۔ تم نے دھیان ابھی دیا ہے۔ ویسے میں سورتیں پڑھنے لگی ہوں۔"

"کونسی اور کیوں؟"

"سورہ ملک اور سورہ السجدہ۔ اور یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تھی کہ رات کو سونے سے پہلے یہ دو سورتیں پڑھنا۔" بتاتے ہوئے عریش کے چہرے پر ڈھیروں اطمینان تھا۔

"اچھا.... چلو پھر میں بھی پڑھتی ہوں۔" وہ پرجوش سی کہتی اٹھ گئی اور قرآن مجید لینے چلی گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

مومن اور علیزے کھانا کھا کر باہر لان میں چلے آئے تھے۔ مومن روزانہ شام کو علیزے کو لان میں واک کے لئے لے آتا تھا لیکن آج طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ نہیں آسکے تھے۔ اس لیے وہ رات کے نو بجے اسے باہر لایا تھا۔ ابھی تھوڑی سی واک ہوئی تھی جب علیزے کی نظریں پول کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھی فرح پر گئیں۔

"یہ فرح اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہے۔" اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ مومن نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور پھر واپس علیزے کو۔

"تم جاؤ پوچھو۔ میں اندر ویٹ کر رہا ہوں۔"

"آپ روم میں چلے جایئے گا۔ میں فرح کے ساتھ آجاؤں گی۔"

مومن سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ علیزے فرح کے پاس چلی آئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" ذرا قریب آنے پر پتا چلا وہ رو رہی تھی۔

"تم رو رہی ہو؟ فرح تمہیں کیا ہوا ہے۔" فرح اس کے آنے پر چونکی نا ہی آنسو صاف کیے۔ بلکہ علیزے کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"فرح میری جان مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ میں پریشان ہو رہی ہوں یار۔ یاور بھائی نے کچھ کہا ہے؟"

"علیزے انہیں لگتا ہے کہ جب ہاشم بھائی کا رشتہ میرے لیے مانگا گیا تھا تو میرے دل میں ان کے لیے فیلنگز پیدا ہو گئی تھیں۔ پتا نہیں انہیں ایسا کیوں لگا لیکن علیزے میں بہت ہرٹ ہوئی ہوں۔ میں تو اس کی محبت میں فنا ہو جانے کو تیار تھی لیکن آج اس کے لفظوں نے تو میری روح ہی کھینچ لی۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی جبکہ علیزے کو کچھ کچھ سمجھ آیا تھا۔

"مجھے شروع سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟"علیزے نے اسے خود سے الگ کرتے پوچھا۔فرح نے گیلی سانس اندر کھینچی اور پھر اسے بتانا شروع کیا۔

علیزے کا ساری بات سن کر ہی پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

"اس کی ہمت کیسے ہوئی میری بہن کو ہرٹ کرنے کی۔دیکھنا چھوڑوں گی نہیں میں اسے۔ابھی بتاتی ہوں اس انازادے کو۔"وہ غصے سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔

"علیزے کہاں جارہی ہو۔رہنے دو۔"فرح نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ ان سنی کرتی تیز رفتاری سے گھر کی طرف گئی جبکہ فرح سر تھامے وہیں بیٹھی رہی۔اپنی صحت کا خیال کیے بغیر وہ تیز رفتاری سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔اتنے میں ہی اس کا سانس پھول گیا تھا لیکن فی الحال اسے اپنی پرواہ نہیں تھی۔کسی آندھی طوفان کی طرح اس نے

یاور کے روم کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اسے نماز پڑھتا دیکھ کر علیزے کے تن بدن کو آگ لگ گئی تھی یاور نے سلام پھیر کر اسے دیکھا تو نگاہیں موڑ گیا۔ وہ نقاب کے بغیر تھی۔

"کسی کا دل دکھا کر نماز پڑھنے کا کیا فائدہ۔ معاف تو آپ کو اللہ بھی نہیں کرے گا۔" وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔ وہ وہیں مصلے پر سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"علیزے یہ ہمارا پرسنل میٹر ہے۔ آپ جائیں یہاں سے۔" آواز دھیمی مگر بہت کچھ جتاتی ہوئی تھی۔

"پرسنل میٹر؟ واؤ! یہ جسے آپ پرسنل میٹر کہہ رہے ہیں نا کسی کی محبت کی توہین ہے۔ وہ کبھی آپ کو آکر نہیں بتائے گی نا اپنی صفائی پیش کرے گی۔ لیکن میں آپ کو بتاتی ہوں آپ نے کیا کیا ہے۔" وہ

درشتی سے کہتی اپنے اور یاور کے بیچ کے رشتے کو بھول گئی تھی۔اس وقت بس اسے اتنا پتا تھا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اس کی بہن پر الزام لگایا ہے۔

"آپ نے اس پر الزام لگایا۔شک کیا اس پر۔"

"شک نہیں کیا میں نے۔" وہ درشتی سے کہتا مصلے سے اٹھ گیا۔اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ ہوا تو ایک گہری سانس لی۔

"میں نے صرف سچ.....۔"

"سچ جانتے بھی ہیں کیا ہے؟" یاور خاموش رہا۔

"نہیں جانتے نا۔میں بتاتی ہوں۔جب ماما بابا یہاں آرہے تھے ہاشم بھائی اور فرح کے رشتے کے سلسلے میں تو جانتے ہیں اس نے کیا کہا تھا؟"

"کیا کہا تھا؟"

"اس نے مجھے کہا کہ علیزے کیا تم نے کوئی ایسا ناول پڑھا ہے جس میں ہیروئن کی شادی ہیرو کے بجائے اس کے بڑے بھائی سے ہو جائے۔" یاور نے چونک کر سر اٹھایا۔

"وہ شروع سے ہی آپ سے محبت کرتی ہے۔" علیزے سے مزید کھڑا نا رہا گیا تو بیڈ پر بیٹھ گئی جبکہ یاور شاکڈ سا اسے دیکھے گیا۔

"ہاشم بھائی کے ساتھ شادی کا سن کر اس کے چمکتے چہرے کی بجھتی جوت میں نے دیکھی تھی۔ آپ نے الزام لگانے سے پہلے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا اور میری بہن کے سچے جذبوں کی توہین ہی کر دی۔ بہت چاہتی ہے وہ آپ کو۔ اتنا کہ آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا۔" بولتے بولتے اسے سانس چڑھ گیا تھا تبھی یاور شاک سے باہر آیا۔ فوراً اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھایا اور پانی گلاس میں ڈال کر علیزے کے سامنے

کیا۔اس نے خاموشی سے وہ گلاس پکڑ لیا اور پانی پینے لگی۔

"کہاں ہیں وہ؟" آواز جیسے کسی گہری کھائی سے آئی تھی۔

"نیچے ہے.... لان میں.... پول کے پاس۔" سنتے ہی وہ باہر بھاگا تھا جبکہ علیزے کے لبوں کو ایک تلخ مسکراہٹ نے چھوا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی یاور کے روم سے باہر چلی آئی اور اب اس کے قدم اپنے روم کی طرف تھے۔

یاور نے چند منٹوں کا راستہ چند سیکنڈز میں طے کیا۔پول کے قریب آ کر اس کی سپیڈ سلو ہوئی تھی۔وہ فرح کے قریب آ کر رکا۔فرح نے سر اٹھا کر خفا نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" اس نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا۔ چہرے پر شرمندگی کے تاثرات تھے۔

"کچھ نہیں..... بس کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی تھی۔" یاور کو نظر انداز کرتے وہ پھر سے پول میں چاند کا عکس دیکھنے لگی۔ لیکن اب وہاں صرف چاند کا ہی نہیں، یاور کا بھی عکس تھا۔ جسے وہ کنکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

"روم میں چلیں۔" اس نے رعب سے کہا تو فرح نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں غصہ تھا۔

"کیوں.... کیوں جاؤں میں آپ کے ساتھ۔ میں تو کریکٹر لیس....۔"

"شٹ اپ.....۔" یاور نے درشتی سے کہتے اسے شہادت کی انگلی دکھائی۔ "میں نے آپ کو ایسا کچھ نہیں کہا تو بہتر ہے آپ بھی یہ فضول بکواس نا کرے۔"

"آپ کا مطلب تو وہی تھا نا۔" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے غصے سے کہا۔

"نہیں.... میرا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہی۔

"شرمندہ لگ رہے ہیں.... معافی نہیں مانگیں گے؟" اس نے جانچتی ہوئی نظروں سے یاور کو دیکھا۔ وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھنے لگا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں..... آپ کا بھی برابر کا قصور ہے۔"

"میرا کیا قصور ہے؟"

"آپ نے کبھی نہیں بتایا کہ آپ کو مجھ سے محبت تھی۔"

"آپ نے کبھی پوچھا بھی تو نہیں۔"

"تو کیا پوچھے بغیر نہیں بتا سکتی تھیں آپ؟"

"میں کیوں بتاتی تاکہ آپ میرے سر پر چڑھ جاتے۔ چڑھ تو آپ ویسے بھی گئے تھے۔" آخری فقرہ اس نے منہ میں کہا تھا۔

" چلیں باقی باتیں روم میں کر لیتے ہیں جا کر۔ ابھی چلیں یہاں سے۔" یاور نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ اس نے ایک غصیلی نظر یاور کے ہاتھ پر ڈالی۔

"میں کل ماما بابا کے گھر جا رہی ہوں۔ کچھ دن ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ اور میں پوچھ نہیں رہی۔ صرف بتا رہی ہوں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں بلکہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔ یاور کی ہتھیلی وہیں رہ گئی۔ وہ اس ہتھیلی کے سہارے کے بغیر اٹھ کر جا چکی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔ پھر اس کے پیچھے روم میں آیا تو وہ بیڈ پر کمبل تانے لیٹ چکی تھی۔

"آپ نے نماز نہیں پڑھنی؟" بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پڑھ لوں گی۔" اسے محسوس ہوا کوئی اس کے ساتھ کمبل میں گھس رہا تو اس نے تیزی سے کمبل کھینچا۔ یاور نے بیچارے منہ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"مجھے سونا ہے۔"

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ صوفے پر سوتے ہیں۔"

"لیکن آج میں بیڈ پر سوؤں گا۔"

"آپ روزانہ اپنی مرضی سے صوفے پر سوتے تھے۔ آج میری خاطر آپ صوفے پر سو جائیں۔" انداز ایسا تھا کہ یاور کو وہاں سے اٹھنا پڑا۔ خاموشی سے آکر صوفے پر لیٹ گیا۔ آج صوفے پر کہاں نیند آنے والی تھی۔

"آپ سچ میں صبح چلی جائیں گی؟" انتہائی معصومیت سے پوچھا گیا۔

"آخری بار بتا رہی ہوں۔ ہاں۔"اس کے بعد یاور نے کچھ نہیں پوچھا۔ بس خاموشی کے ساتھ اس کی پشت کو تکتا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

گاؤں میں بھی آج ابر ٹوٹ کر برسا تھا۔ موسم اچھا خاصا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ آسمان پر بادل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اس بھیگے موسم میں سیڑھیوں پر تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ ارد گرد شال لپیٹی ہوئی تھی۔ لبوں پر پھر کوئی اداس سا گیت تھا۔

تبھی اسے محسوس ہوا کہ کوئی بہت خاموشی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا ہے۔ اس نے گانا بیچ میں چھوڑ کر گردن موڑ کر اپنے دائیں طرف دیکھا جہاں کچھ فاصلے پر منہاج بیٹھا ہوا تھا۔ بس ایک لائٹ

پنک بٹنوں والی شرٹ تھی اور ساتھ بلیک پینٹ۔اس کے علاوہ اس نے سردی سے بچنے کے لیے کچھ بھی نہیں پہنا ہوا تھا۔

"آپ کی آواز بہت اچھی ہے۔"اس کے تبصرے پر محمل نے بغیر تاثرات کے اسے دیکھا۔"لیکن اس میں اداسی کا عنصر ہے۔کیا آپ بھی کسی سے محبت کرتی تھیں؟"

"ہممم۔"منہاج نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔"میں کسی سے محبت کرتی ہوں لیکن....وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔"منہاج کے لبوں کو اداس مسکان نے چھوا۔

"یعنی میرا اور آپ کا غم ایک جیسا ہے۔" محمل مسکرا بھی نا سکی۔وہ جانتی تھی اس اندھیری رات میں وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا۔

"غم ایک جیسا ہے لیکن..... میں نے آپ کی طرح غم کو روگ نہیں بنایا۔" منہاج نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ محمل نے بہت آہستگی سے اپنی شال اتار کر منہاج کی جانب بڑھائی۔

"یہ اوڑھ لیں۔ بہت سردی ہے۔ عموماً شہر کے لوگ اس سردی کے عادی نہیں ہوتے۔" منہاج نے اس کے ہاتھ میں پکڑی شال کو دیکھا اور پھر آہستگی سے لے لی۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ عموماً شہر کے لوگ سردی کے عادی نہیں ہوتے۔ لیکن.... کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سردی میں جیتے ہیں اور سردی میں مر جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا موسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس وقت میری زندگی کا بھی موسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اس وقت احساسات جیسی چیز سے بہت دور ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر وہ شال محمل کے کندھوں پر پھیلا دی۔ منہاج کے

وجود سے اٹھنے والی خوشبو نے اسے ساکت کر دیا۔ وہ خاموشی سے بس اسے دیکھے گئی۔ منہاج نے پیچھے ہو کر اسے دیکھا۔ جو وہ سمجھ رہا تھا وہ اس پر مہر نہیں لگانا چاہتا تھا لیکن محمل کے ہر انداز پر یقین کی مہر خود بخود لگتی جا رہی تھی۔

"آپ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہیں۔" منہاج کے ایک جملے نے اسے جیسی کسی ٹرانس سے باہر نکالا۔ وہ گیلی زمین پر نظریں جمائے بول رہا تھا۔

"جس انسان سے آپ محبت کرتی ہیں۔ اس کے پیچھے جانا چھوڑ دیں۔ وہ ایک سراب ہے۔ کبھی آپ کے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔" اس کے انداز کی بے رحمی پر محمل کو خود پر ترس آیا تھا۔

"نہیں..... میں اس کے پیچھے نہیں گئی۔ نا کبھی جاؤں گی۔" وہ عزت ونفس کو مجروح نہیں کر سکتی تھی۔

"اس کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیں۔ وہ کبھی آپ کو وہ نہیں دے سکتا جو آپ چاہتی ہیں۔"

"سوچوں پر اختیار نہیں ہوتا۔" اس نے بھی انتہا کی بے رحمی سے کہا تھا۔

منہاج نے چند لمحے خاموشی سے محمل کو دیکھا جو بظاہر نارمل انداز میں منہاج کو دیکھ رہی تھی لیکن اندر کہیں توڑ پھوڑ چل رہی تھی۔

"کسی کی یادوں سے کیسے پیچھا چھڑایا جاتا ہے محمل۔" اپنے نام پر محمل کی دھڑکنوں نے ایک پل کو شور مچایا۔

"انسان کبھی بھی یادوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ چاہے وہ خود کو کتنا ہی مصروف کیوں نا کر لے۔" محمل نے غیر محسوس انداز میں شال کو کندھوں سے کھسکا دیا تھا۔ اگر وہ سردی میں بیٹھا ہوا تھا تو اسے کوئی حق نہیں تھا کہ وہ خود کو اس سردی سے بچائے۔ اور یہ حرکت محمل کو

اس کے دل نے کرنے کو کہی تھی۔ دل پہ اختیار تھوڑی ہوتا ہے۔

جسم سردی سے سکڑ رہا تھا لیکن دل نے ایک نا سنی۔

"تو کیا انسان یادوں کے ساتھ ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے؟" منہاج نے اس کی اس حرکت کو محسوس نہیں کیا تھا۔ ایسا محمل کو لگا تھا۔

"ہر انسان ہر وقت کچھ نا کچھ سوچ رہا ہوتا ہے۔ کسی نا کسی کی یاد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور انہی سوچوں کے ساتھ مر جاتا ہے لیکن.... وہ ان سوچوں کی وجہ سے خود پر زندگی کو تنگ نہیں کر لیتا۔ وہ خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے کچھ ایسا سوچنا ہوتا ہے جو اسے خوشی دے۔ سکون دے۔ کسی ایسے انسان کے بارے میں سوچنا ہوتا ہے جو اس کے دکھ کی وجہ نا بنے۔ ایسا انسان جو اس کے سارے غم سمیٹ لے۔ اسے موسموں کو محسوس کرنا ہوتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی۔ ویسے تو سردی خود بخود محسوس ہو

جاتی ہے۔ لیکن جیسا آپ نے کہا کہ کچھ لوگوں کا موسموں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو انہیں موسموں کے ساتھ دوستی کر لینی چاہیے۔" وہ بول رہی تھی۔ لیکن سردی اس کے اندر سرایت کر رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بھی نیلے پڑ رہے تھے۔ وہ جو گہری سنجیدگی سے اسے سن رہا تھا اس کی آخری بات پر بے اختیار ہنس دیا۔ محمل نے لب دانتوں تلے دبا کر اسے دیکھا۔ پہلے ناسمجھی سے پھر دلکشی سے۔

"آپ نے کہا تھا کہ عموماً شہر کے لوگ سردی کے عادی نہیں ہوتے تو پھر آپ نے یہ شال کیوں اتار دی۔ ہیں تو آپ بھی شہر ہی کی نا۔" منہاج کی بات پر وہ بالکل بچوں کی طرح مسکرائی اور تھوڑی سی شرمندہ بھی ہو گئی۔

"آپ اپنے غم کو روگ مت بنائیں اور شال اوڑھ لیں۔ بہت ٹھنڈ ہے۔ بخار بھی ہو سکتا ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا جبکہ وہ کتنے لمحے اس کو

دیکھتی رہی جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھا ہوا تھا۔اس نے انگلیوں کی پوروں سے اس جگہ کو چھوا۔اسے اچھا محسوس ہو رہا تھا۔

OOOOOOOOOO

صبح بہت خوشگوار تھی۔آسمان آج پھر بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سردیاں اپنے آنے کی خبر دے رہیں تھیں۔ لیکن یاور کے کمرے میں ناراضگی بھری خاموشی تھی۔وہ خاموشی سے آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا لیکن اس سے پہلے اسے فرح کو اس کے گھر چھوڑنا تھا۔وہ وہیں سے یونیورسٹی جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔وہ بھی یاور کے ساتھ ہی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکر نقاب کرنے لگی۔ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے یاور نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"اگر آپ چاہیں تو یہ معاملہ ہم.....۔"

"مجھے سکون سے تیار ہونے دیں۔" فرح کے سختی سے کہنے پر وہ رک گیا۔اور پھر اس کے گھر چھوڑنے تک ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور نا کسی نے پوچھا تھا کہ وہ اتنی صبح کیوں جا رہی ہے۔

مومن آج پھر گھر رک گیا تھا۔علیزے کی طبیعت رات والے واقعے کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی۔باقی آفس والے آفس کو اور یونیورسٹی والے یونی کو نکل گئے تھے۔

منہاج گاؤں سے سیدھا آفس آیا تھا اور اب ہاشم کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔

"بھائی میں سوچ رہا تھا کہ کچھ عرصہ کے لیے امریکہ چلا جاؤں۔ ویسے بھی امریکہ میں میری ٹیم ایک پروجیکٹ پر کام کر رہی ہے تو یہ اچھی بات ہو گی کہ میں وہاں خود ہوں گا۔میری موجودگی میں کوئی

بھی کام میں کوتاہی نہیں کرے گا۔" منہاج بول رہا تھا اور ہاشم پیچھے ٹیک لگائے سن کم اور دیکھ زیادہ رہا تھا۔

"شادی تک یہ سارا کام ختم ہو جائے گا نا؟" ہاشم نے بہت نارمل انداز میں پوچھا تھا۔ منہاج ایک پل کو خاموش رہا۔

"دراصل..... شادی کے دوران ہی اس پروجیکٹ پر کام ہونا ہے.....اس لیے......"

"تم شادی سے بھاگ رہے ہو؟" ہاشم نے دونوں بازو ٹیبل پر رکھتے ہوئے ذرا آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"شائد....." منہاج نظریں چرا گیا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"میں فائدے کے لیے نہیں جا رہا۔ء

"یمان اور حماد مان بھی گئے تو ماریہ کبھی نہیں مانے گی۔"

"آپ اسے کام کی نوعیت بتائیں گے تو وہ سمجھ جائے گی۔"

"یہ کام تم خود کر لینا۔" ہاشم نے دونوں شانے اچکائے۔ منہاج بے بسی سے بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○

یمان اور بختاور کو آج آفس کے بعد کہیں باہر ملنا تھا۔ وہ ایک کھلے آسمان تلے بیٹھے ہوئے تھے۔ موسم اچھا خاصا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ شام کو باہر اتنی سردی ہو جاتی ہے تو میں ضرور کوئی سویٹر وغیرہ پہن کر آتا۔" بازوار دگرد لیے وہ موسم کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"ہاں سردی تو واقعی ہی بہت ہو گئی ہے۔" بختاور نے کہا تو یمان نے اسے دیکھا۔ سردی سے اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

"اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"نہیں مجھے یہاں مزا آرہا ہے۔" اس کے انداز پر یمان ذرا سا ہنس دیا۔ لمحے خاموشی سے سرکتے گئے۔ ان دونوں کی ٹیبل پر کافی کے دو گرما گرم بھاپ اڑاتے مگ پڑے ہوئے تھے۔ بختاور نے اپنا مگ اٹھا کر لبوں کو لگایا۔ کافی کی گرماہٹ نے اسے اندر تک سکون دیا تھا۔ یمان خاموشی سے بس اسے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے..... آپ کو کیسے پتا چلا تھا کہ جس لڑکی سے آپ کے بھائی کی شادی ہونے جا رہی ہے وہ میری بہن ہے؟" اتنے غیر متوقع سوال پر یمان ایک لمحے کو چونکا اور پھر اگلے ہی پل دلکشی سے ہنس بھی دیا۔

"آپ اتنی جلدی بھول گئیں۔ انگیجمنٹ والے دن بتایا تو تھا آپ کو میں نے۔" بختاور نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد بھی آگیا تھا لیکن اب وہ یمان کو ستانے کے موڈ میں تھی۔

"اممم.... مجھے نہیں یاد۔"

"کیسے بھول گئیں؟"

"اگر بھول گئی ہوں تو آپ دوبارہ بتا دیں۔ آپ کا کونسا بل آرہا ہے۔" اس کے انداز پر یمان کے لب گہری مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ وہ دوبارہ سے بتانے کے لیے تیار تھا۔

"اچھا۔ ویسے آپ کو کس نے کہا کہ مجھے پہلے سے پتا تھا؟" یمان نے دائیں ابرو اچکائی۔

"کیونکہ آپ اس ایونٹ پر انگیجمنٹ رنگ لے کر آئے تھے۔" وہ نروس ہوتے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے وہ رنگ میں نے آپ کو اس فنکشن میں دیکھنے کے بعد خریدی ہو۔" اس نے جانچتی نظروں سے بختاور کو دیکھا۔

"ناممکن..... کیونکہ جب میں آئی تھی آپ مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئے تھے۔ تو پھر آپ کو میری موجودگی کا علم کیسے ہوا؟"

"میں آپ کو نظر نہیں آیا تھا لیکن آپ تو مجھے نظر آسکتی تھیں نا۔"

"ایسا ہو سکتا تھا... لیکن ہوا نہیں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ یمان کے لبوں سے مسکراہٹ دور ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"تو پھر آپ گیس کریں کہ مجھے کیسے پتا چلا؟" وہ ذرا آگے کو جھکا۔ انداز ایسا تھا جیسے پہلی دفعہ بتا رہا ہو۔

"آمممم.... وہ ٹھوڑی تلے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھے سوچنے لگی۔ پھر اکتا کر یمان کو دیکھا۔

"مجھے نہیں پتا.... آپ بتائیں نا۔" انداز بالکل بچوں کی طرح تھا۔

"ویسے تو آپ بہت ذہین ہیں، لیکن یہاں آپ فیل ہو گئی۔" یمان نے ایک آنکھ دبا کر کہا تو وہ تلملا کر رہ گئی۔ اچھا خاصا پتا تھا ایکٹنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"چلیں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے کیسے پتا چلا تھا۔ یاد ہے آپ کو جس دن آپ حماد سے ملنے جا رہی تھیں کہ آخر کون ہے وہ لڑکا جو آپ کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو اس دن میں بھی اپنے بھائی کے ساتھ گیا تھا۔" بختاور چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے اسے سنے گئی۔

"بھلا میں کیوں اپنے بھائی کو وہاں اکیلا چھوڑتا۔ لیکن میرا یقین کریں مجھے نہیں پتا تھا کہ عریش آپ کی بہن ہیں۔ ہم دونوں وہاں عریش اور اس کی بہن کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اچانک مجھے ایک ضروری کال اٹینڈ کرنے کے لیے وہاں سے اٹھنا پڑا۔ میں کچھ دیر بعد واپس آیا تو آپ کو وہاں دیکھ کر رک گیا۔ میرا مقصد آپ کو وہیں سرپرائز کرنے کا تھا لیکن میں خود شاک سے باہر نہیں آرہا تھا۔ سو میں نے وہاں رک کر آپ کے جانے کا انتظار کیا۔ آپ چلی گئی تو میں نے حماد

سے نارمل انداز میں پوچھا کہ "وہ جو لڑکی عریش کے ساتھ آئی تھی وہ کون تھی؟" تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ اس کی بہن ہے۔ میں سرپرائزڈ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر میں نے خود کو اس سرپرائز سے نکال کر نئے منصوبے پر سوچنا شروع کیا۔ اور بس یہ سب ہو گیا۔" بختاور حیران تھی کیونکہ مزید معلومات آج ہی ملی تھی۔

"کیا.... اس نے سب سے پہلے آپ کو بتایا تھا؟"

"یہ ہم بھائیوں کا پرسنل میٹر ہے۔" یمان نے شانے اچکا کر کہا لیکن وہ منہ کھولے بس اسی کو دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا لیکن آپ تو ہر وقت لیونا کے سا....۔"

لیونا کے ذکر پر اسے ایک دم سے بہت کچھ یاد آیا تھا۔ وہ اچانک ہی بہت افسردہ ہو گئی تھی۔ یمان نے اس کے یکدم بدلتے تاثرات دیکھے۔

"کیا ہوا؟" یمان نے بختاور کے ہاتھ پر اپنا رکھتے ہوئے پوچھا۔

"لیونا واپس چلی گئیں؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہمم.... چلی گئی۔" بختاور کو اس وقت خود پر شدید غصہ آیا تھا۔

"کب گئیں؟"

"ہماری انگیجمنٹ سے ایک دن پہلے۔"

"وہ دوبارہ واپس نہیں آئیں گی کیا؟"

"شاید ہاں.... شاید نہیں۔ لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"ایسے ہی بس......" وہ ہلکا سا مسکرادی۔ "یاد آرہی تھی ان کی۔ وہ اچھی لڑکی تھیں۔" بختاور نے دیکھا یمان کے چہرے پر ایک زخمی تاثر آیا تھا۔ وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔

"ہمم...... بہت اچھی تھی وہ۔" موسم اچانک ہی بہت سرد ہو گیا تھا۔ وہاں اب خاموشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

OOOOOOOOOOOOOO

ستمبر کے جاتے دن تھے۔ جنگکوک کے ایگزام شروع ہو چکے تھے۔ وہ اپنے ایگزام میں مصروف ہو گیا تھا۔ اور پھر ایک دن انہی مصروف دنوں میں سے وہ وقت نکال کر تسبیحہ کے پاس چلا آیا۔

"بہت عرصے بعد آئے ہو۔ لگتا ہے کافی مصروف ہو گئے ہو۔" کافی کا مگ جنگکوک کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے وہ بالکل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"بتایا تو تھا تمہیں کہ میری منگنی ہو رہی ہے اور اس کے بعد ایگزام تو بس وہیں مصروف ہوں آجکل۔" جنگکوک نے کافی کا مگ اپنے قریب رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں سنا ہے بہت جلد شادی کر رہے ہو۔ مبارک ہو تمہیں۔" وہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

"بہت شکریہ..... ویسے میں نے ابھی شادی کا تو نہیں بتایا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں شادی کر رہا ہوں۔"

"میرے سابقہ شوہر نے مجھے بتایا کہ تم اس کی بہن سے شادی کرنے جا رہے ہو۔" انکشاف تھا کہ کوئی بم جو جنگکوک کے سر پر پھوڑا گیا تھا۔ وہ بری طرح شاکڈ ہوا تھا۔

"ب.... بہن... ت.. تمہارے سابقہ شوہر کی۔ کیا بکواس ہے؟"

"ہاں... کیا تمہیں نہیں پتا؟" تسبیحہ کافی کا گھونٹ لیتے بالکل نارمل انداز میں بولی۔

"نہیں۔ لیکن... تم....۔"

"میرا سابقہ شوہر تمہاری پھوپھو کا بیٹا ہے۔" یہ دوسرا اور بڑا بم تھا جو تسبیحہ نے جنگکوک کے سر پر پھوڑا تھا۔ "ہاشم احمد درانی۔" ظاہری طور پر وہ لاپرواہی سے بول رہی تھی۔

"پھ..... پھوپھو..... م..... مطلب.... ماریہ۔"

"ہاں وہ تمہاری کزن ہے۔ یونی میں تم دونوں اتفاق سے ملے تھے۔ اور شادی بھی اتفاق سے ہو رہی ہے لیکن فرقانیز جانتے ہیں کہ تم ان کے ماموں کے بیٹے ہو۔" جنگکوک کو شاک پر شاک مل رہا تھا۔

"ماریہ بھی؟"

"اسے تمہاری مما نے بتایا تھا۔" وہ کافی پیتے ہوئے بڑے آرام سے بولتی جا رہی تھی۔ یہ اس نے اپنی طرف سے جھوٹ بولا تھا۔

"مما نے؟ کیا وہ اور بابا.....۔"

"اوہو جنگکوک..... ساری دنیا جانتی ہے۔ ایک تمہیں ہی نہیں پتا بس۔ اور نا پتا ہونے کی وجہ تمہاری اپنی ماں ہے۔ اس میں فرقان انکل کی اولاد کا کوئی قصور نہیں ہے۔" تسبیحہ نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"ماں نے..... مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"یہ بات تم اپنی ماں سے پوچھنا..... لیکن ابھی نہیں.... ابھی تم آرام سے اپنی شادی انجوائے کرو۔ کیونکہ اگر انہیں پتا چل گیا کہ تم سب کچھ جان گئے ہو تو ہو سکتا ہے وہ تمہاری شادی ماریہ سے نا ہونے دیں۔"

"وہ ایسا کیوں کریں گی؟"

"یہ میں تمہیں پھر کبھی ڈیٹیل میں بتاؤں گی۔ ابھی جو میں نے کہا ہے بس اس پر عمل کرو۔ ابھی تم اس حوالے سے کسی سے بات نہیں کرو گے۔ تنبیہ کر رہی ہوں۔ شادی ہوتے ہوتے رہ جائے گی۔ تمہیں اپنی شادی کو خطرے میں نہیں پڑنے دینا۔ سمجھے تم۔" اس نے احتیاطاً تنبیہ کرتے ہوئے کہا تو جنگلوک نے اثبات میں سر ہلایا۔

لیکن ہاشم بھائی کو کیسے پتا چلا کہ تم زندہ ہو۔"

"میں مر گئی ہوں... وہ اس بات کو کبھی نہیں مانا ہوگا میں جانتی ہوں۔"

"تم مجھے ہاشم بھائی کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات کے بارے میں تو بتا سکتی ہو نا جو تم لوگوں کی چار سال بعد دوبارہ ہوئی تھی... یا پانچ سال بعد ہوئی ہے؟"

"چار سال بعد ہوئی تھی......یعنی ایک سال پہلے۔

دراصل.....۔"تسبیحہ نے جنگکوک کو سب کچھ بتا دیا۔

"اوو......پھر تو وہ تم سے آج بھی نفرت کرتے ہیں۔"جنگکوک نے انجانے میں تسبیحہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ہمم... یہ سب بھی سارہ بیگم کی بدولت ہے۔"جنگکوک نے کڑے تیوروں کے ساتھ تسبیحہ کو دیکھا۔

"تم ہر دفعہ میری ماں کو درمیان میں نہیں لا سکتیں۔ سنا تم نے۔"
کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ لیکن کافی سے زیادہ جنگکوک کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ لیکن تسبیحہ مطمئن سی بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"میں تمہاری ماں کو درمیان میں نہیں لا رہی۔ وہ خود درمیان میں آ رہی ہے۔ ہر کہانی اسی سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم ہو جاتی ہے۔"

"میں تمہاری ہر بات پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"تو مت کرو یقین۔ لیکن سچ تو سچ ہوتا ہے۔ میری زندگی تمہاری ماں نے خراب کی۔ سیورینہ کو تمہاری ماں نے قتل کروایا۔ اور تمہاری پھوپھو.....۔" وہ تیزی سے کہتے کہتے یہاں آ کر رک گئی۔ فی الحال وہ اس راز سے پردہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس کا اثر جنگکوک کی خوشیوں پر

پڑ سکتا تھا جو ماریہ کے ساتھ منسوب تھیں۔ جنگکوک کو تسبیحہ پر

افسوس ہوا تھا جو اس کی ماں پر الزام لگا رہی تھی۔

"میں اب کبھی بھی دوبارہ تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ تمہارے لفظوں میں زہر ہوتا ہے۔ جو کئی دن تک مجھے سکون سے جینے نہیں دیتا۔ جا رہا ہوں میں۔ اب تم اپنی لڑائی خود لڑو۔" غصے سے کہتے اس نے اپنے قدم باہر کی جانب بڑھا دیئے۔

"شادی سے پہلے اب دوبارہ میرے پاس نا آنا جنگکوک۔" جنگکوک رکا ضرور تھا لیکن مڑا نہیں۔ "کیونکہ اب تم جب بھی میرے پاس آؤ گے تو جو ثبوت میں تمہیں دوں گی...... تم برداشت نہیں کر پاؤ گے۔ ہر راز سے پردہ اٹھ جائے گا۔ حقیقتیں کھل کر سامنے آئیں گی۔ پھر جنگکوک...... تمہاری زندگی میں طوفان آئے گا جو سب کچھ تہس نہس کر دے گا۔ قیامت کا منظر ہو گا وہ۔ مجھے تمہارے لیے

ابھی سے برا لگ رہا ہے لیکن سچ کبھی نا کبھی تو سامنے آتا ہی ہے اور ہمیں اس کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور پھر برداشت بھی کرنا ہوتا ہے۔" وہ ایک دم تیزی سے مڑا اور تسبیحہ کو دونوں شانوں سے جھکڑ لیا۔

دونوں کی آنکھیں سرخ ہو رہیں تھیں۔

"یہ جو بکواس تم کر رہی ہو۔ اگر یہ سب جھوٹ ہوا تو یاد رکھنا اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لوں گا۔" وہ اتنے غصے میں تھا کہ ماتھے اور گردن کی رگیں واضح دکھائی دے رہیں تھی۔ تسبیحہ کو زور کا جھٹکا دے کر وہ وہاں سے نکلتا گیا۔ مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ چلا گیا تھا لیکن پیچھے تسبیحہ کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ ماتھے پر ہلکی سی چوٹ کی وجہ سے سرخ خون کے بوندیں ٹپکنے لگیں۔ اس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ جنگلوک کو جاتے ہوئے دیکھا۔

"کاش کہ جب تم سچ جانو تو انصاف کر سکو۔" وہ گھٹنوں کے گرد ہاتھ لپیٹے وہیں بیٹھی رہی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ تسبیحہ کے گھر سے تو لوٹ آیا تھا لیکن اس کی باتیں ہتھوڑے کی مانند جنگلوک کے سر پر لگ رہیں تھیں۔ وہ سردی کی پرواہ کیے بغیر بنا شرٹ کے ہی ٹیرس پر چلا گیا۔ اس نے کئی سگریٹ پھونک ڈالے تھے۔

"تم پچھتاؤ گی.... میں تمہیں پچھتانے پر مجبور کر دوں گا تسبیحہ۔" سگریٹ کو بری طرح ہاتھ سے مسل کر خود سے دور پھینک دیا۔ وہ کتنی ہی دیر تک سردی سے بے نیاز وہاں کھڑا رہا۔ رات آہستہ آہستہ اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ستمبر کے آخری دن بھی گزر گئے تھے اور اکتوبر کی پہلی صبح سول میں ہر طرف نمودار ہو گئی تھی۔ گزرے ایام میں جنگکوک سب سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ آج اس کا آخری پیپر تھا۔ پیپر دے کر وہ باہر آیا تو وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ بازو سینے پر باندھے وہ جنگکوک کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ جنگکوک کو نا چاہتے ہوئے بھی وہاں رکنا پڑا۔ وہ کم از کم ماریہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"اگر میں نے آپ کو دیکھ نا لیا ہوتا تو آپ آج پھر مجھے اگنور کر کے چلے جاتے۔" وہ خفگی سے چلتی ہوئی جنگکوک کے قریب آئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے.... بس ایگزام کی وجہ سے....۔"

"پیپر تو سب کے ہی ہو رہے ہیں 'جنگکوک۔" وہ جو زمین کو اپنے اسنیکر کی نوک سے کھرچ رہا تھا اپنے نام پر رک گیا۔ وہ جب بھی جنگکوک کا نام لیتی تھی اس کا دل روک دیتی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" ساری ناراضگی جیسے ہوا ہوگئی اور وہ پورے دل سے مسکرادیا۔

"اوہو جنگکوک! مسکرانا ضروری تھا کیا...... میں اتنی شکایتیں لے کر آئی تھی۔" اس نے مصنوعی خفگی سے رخ موڑ لیا۔ جنگکوک کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"اچھا جی... تو بتائیں کیا شکایتیں ہیں جناب کو مجھ سے۔" اس کے انداز میں دلکشی تھی۔ ماریہ کے دل نے اس انداز پر ایک بیٹ مس کی۔ دل کو سنبھالتے وہ جنگکوک کی طرف مڑی۔

"کوئی شکایت نہیں.... بس اتنا بتانا تھا کہ اب شادی تک ہماری کوئی ملاقات نہیں ہو رہی۔"

"کیوں؟" جنگکوک ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"کیونکہ یہ ہمارا آخری پیپر تھا اور اب ہم پندرہ دن تک بالکل ایک دوسرے سے کٹ کر رہیں گے۔" اب صحیح معنوں میں جنگکوک کو اتنے دن دور رہنے پر افسوس ہوا تھا۔ لیکن فی الوقت خود کو سنبھال لیا۔

"تو..... آپ کو.... میری یاد ستائے گی۔ اس لیے افسردہ ہیں؟" اس نے لہجے کو شرارتی بناتے ہوئے پوچھا۔ ماریہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے جنگکوک کو دیکھا۔

" بالکل بھی نہیں۔ مجھے تو کوئی ایشو نہیں ہے اور نا ہی میں افسردہ ہوں۔" اس وقت وہ ہار ماننے والی نہیں تھی۔ جنگکوک جانتا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ پھر بھی اسے ستانے کے لیے ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ "ماریہ....۔" وہ اتنی سنجیدگی اور آہستہ سے بولا کہ ماریہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"ہاں....۔"اس کی آواز سحر زدہ ہو گئی تھی۔

"کیا آپ کو واقعی ہی فرق نہیں پڑے گا جب ہم ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے۔"

"صرف تھوڑے ہی دنوں کی تو بات ہے۔ ہم پھر ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے جنگکوک۔"وہ جنگکوک کے انداز پر پریشان بھی ہو گئی تھی۔ جنگکوک نے بہت غور سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی پھوپھو کی بیٹی تھی۔ اس نظر سے وہ ماریہ کو پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔

"مجھے انتظار رہے گا اس دن کا جس دن ہم کبھی نا بچھڑنے کے لیے مل جائیں گے۔"جنگکوک کی بات پر اس نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

"اوکے... میں چلتی ہوں۔ خدا حافظ۔"جنگکوک نے مسکرا کر اسے رستہ دیا۔ وہ چلی گئی اور وہ دور تک اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ گیٹ پار کر

گئی تو وہ بھی وہاں سے چلا گیا۔ ماریہ سے چھوٹی ملاقات کے بعد ساری کلفت اور اینگزائٹی دور ہو گئی تھی۔

وہ باہر آئی تو وہاں ڈرائیور کی گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ وہیں رک کر انتظار کرنے لگی۔ تبھی ماسک میں ایک لڑکا اس کے پاس آیا اور فولڈ ہوا کاغذ ماریہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے ناسمجھی سے اس چھوٹے سے لڑکے کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے لڑکے کے ہاتھ سے وہ کاغذ کا ٹکڑا لے لیا۔

"میڈم! یہ ایک آدمی نے دیا ہے۔ اور یہ کس کو دینی ہے اس کا نام بھی اوپر لکھا ہوا ہے۔" کہہ کر وہ لڑکا وہاں سے چلا گیا۔ اس کی نگاہوں نے دور تک لڑکے کا تعاقب کیا۔ لیکن وہ لڑکا بھیڑ میں کہیں گم ہو گیا تھا۔ اس نے کاغذ کو الٹ پلٹ کر کے دیکھا تو وہ نام نظر آ ہی گیا۔

"چیون سا۔" اس نے حیرت سے نام پڑھا۔

"آپ گئی نہیں ابھی تک؟" وہ ابھی تک اس نام میں گم تھی جب اپنے پیچھے جنگکوک کی آواز سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"پتا نہیں ڈرائیور کہاں رہ گیا۔" وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"فون کر کے پوچھا آپ نے؟" جنگکوک بڑے غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"نہیں.... میں بس کرنے ہی لگی تھی۔" اس نے بیگ سے فون نکالتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آئیں میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

جنگکوک کہہ کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے ماریہ کو کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چلی گئی۔

oooooooooooo

فرح کو دو ہفتے ہو چکے تھے اپنے مما بابا کے گھر گئے ہوئے۔اس دروان یاور نے پچیس دفعہ کال کی تھی اور فرح نے ایک دفعہ بھی نہیں اٹھائی۔یاور نے چند میسجز بھی کیے تھے لیکن کوئی جواب نہیں۔ ماریہ کے ذریعے سے اسے پتا چلا کہ اس کے ایگزام شروع ہو گئے ہیں تو اس نے پھر اسے آرام سے پیپرز پر فوکس کرنے دیا۔اور یہ سب بس آخری پیپر تک تھا۔آخری پیپر والے دن یاور اپنے سسرال پہنچا ہوا تھا اپنی روٹھی بیوی کو منانے۔ابھی بھی وہ دونوں فرح اور علیزے کے مشترکہ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا تو کیوں آئیں ہیں آپ؟"وہ کھڑکی کے سامنے یاور کی جانب پشت کیسے کھڑی تھی۔ یاور اس کے پیچھے لیکن اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"میں نے آخری میسج یہی کیا تھا کہ ابھی میں آپ کو وقت دے رہا ہوں لیکن جس دن میں لینے آگیا آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" وہ ایک قدم مزید اس کے قریب ہوا۔ یاور کے بڑھتے قدم فرح سے چھپے نہیں تھے۔ جبھی اس کی دھڑکنیں تیز ہو رہیں تھیں۔

"بہت جلد یاد آگیا آپ کو کہ ایک عدد بیوی بھی ہے آپ کی۔" اس نے مڑ کر یاور کو دیکھا جو بس ایک قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"میری ایک عدد بیوی کان کھول کر سن لے۔ یہ پہلی اور آخری بار تھا جب آپ اتنا لمبا عرصہ روٹھ کر اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہیں۔" یاور کا انداز سخت لیکن شرارتی سا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ یاور کے اتنا قریب ہونے پر نروس ہو رہی تھی۔ جو چھپائے نہیں چھپ رہا تھا۔

"اچھا؟" یاور چیلنجنگ انداز میں کہتا ہوا ایک قدم مزید اس کے قریب آیا۔ سارے فاصلے مٹ چکے تھے۔ وہ بری طرح نروس ہوتی ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ وہاں سے نکل جائے۔ یاور نے کتنی مشکل سے اپنی ہنسی کو روکا ہوا تھا۔

"آپ دور ہو کر کھڑے ہوں۔" فرح کو اپنا دل مٹھیوں میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"ہر گز نہیں... جب تک آپ مان نہیں جائیں گی۔ میں یہیں کھڑا رہوں گا۔" فرح اس کی ڈھٹائی پر بل کھا کر رہ گئی۔"

"اور اگر میں نا مانوں تو؟"

"تو میں سارے فاصلے مٹا دوں گا۔" یاور کے انداز میں نا جانے کیا تھا فرح کو لگا اس کا دل ہی رک گیا ہے۔ اگر ابھی وہ دور نا ہوا تو وہ ضرور یہیں پر گر جائے گی۔

"ٹھیک ہے... میں... میں چل رہی ہوں آپ کے ساتھ۔" اس نے تیزی سے کہہ کر یاور کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکا دیا اور خود بھاگتی ہوئی واشروم میں گھس گئی۔ اس کی اس حرکت پر یاور کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔ ادھر وہ واشروم میں آکر دل پر ہاتھ رکھے اونچے اونچے سانس لینے لگی۔

"یااللہ! کیا بندہ ہے یہ۔" ایسے لگ رہا تھا جیسے قیدی قید سے بھاگا ہو۔

"روٹھنے پر آئے تو پیروں تلے زمین کھینچ لے اور منانے پر آئے تو دل ہی روک دیتا ہے۔"

"محترمہ آپ باہر نکل آئیں۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" اسے واشروم میں گئے دس منٹ ہو چکے تو یاور واشروم کے دروازے کے پاس چلا آیا۔ یاور کی آواز کانوں میں پڑی تو اسے جیسے ہوش آیا۔

"میں کل آجاؤں گی۔ ابھی آپ جائیں۔"

"آر یو شیور؟" دوسری طرف سے سوال آیا۔

"ہاں میں شیور ہوں۔"

"تو آپ باہر نہیں آئیں گی؟" وہ جو تھوڑی ریلکس ہوئی تھی اگلے سوال پر گڑبڑا کر بند دروازے کو دیکھا۔

"آپ چلے جائیں نا... میں۔"

"آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو لیے بغیر جاؤں گا؟" اس کے انداز بتا رہے تھے وہ فرح کو لیے بغیر نہیں جانے والا تھا۔ تبھی نا چاہتے ہوئے بھی فرح کو دروازہ کھولنا پڑا۔ یاور کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ فرح جل کر رہ گئی۔ اگلے بیس منٹ میں وہ اسجد اور علینا بیگم سے رخصت لے کر گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

"جب تک میں نہیں کہوں گی آپ میرے ساتھ بیڈ پر نہیں سوئیں گے۔" وہ جلتی بھنتی بولی۔ یاور نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

"سوچ لیں۔" فرح نے جل کر یاور کو دیکھا۔

"مجھے آپ روک نہیں سکتیں۔"

"ہاں آپ تو اپنی مرضی کے مالک ہیں نا..... سوری تک تو کہا نہیں اور چلے ہیں منانے۔" کہہ کر وہ باہر سڑک پر بھاگتی ہوئی عمارتوں کو دیکھنے لگی۔ یاور نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ فرح نے گردن موڑ کر یاور کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟ گاڑی کیوں روک دی؟" فرح نے پوچھا تو یاور پوری طرح رخ پھیر کر فرح کی جانب متوجہ ہوا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"میں جانتا ہوں فرح کہ میں نے بہت غلط کیا۔ اور میں اس کے لیے بہت شرمندہ بھی ہوں۔ میں جانتا ہوں میرے معافی مانگ لینے سے

سب ٹھیک نہیں ہو جائے گا لیکن مجھے معافی مانگنے کا حق تو ہے نا۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔" نگاہیں فرح کے چہرے پر جمائے وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ فرح کو نا جانے کیوں اپنا دل نرم پڑتا محسوس ہوا۔

"آپ جانتے ہیں نا کہ سوری ایک لفظ نہیں ہوتا۔ ایک وعدہ ہوتا ہے، ارادہ ہوتا ہے۔ آپ وعدہ کرتے ہیں کہ دوبارہ ایسا کوئی الزام مجھ پر نہیں لگائیں گے؟"

"قسم سے میرا مقصد الزام لگانا نہیں تھا۔"

"جو بھی تھا یاور۔ آپ وعدہ کریں کہ آئندہ میرا نام کسی اور کے نام کے ساتھ منسوب نہیں کریں گے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ آپ کا نام کسی اور کے نام کے ساتھ منسوب نہیں کروں گا۔ میں کبھی آپ کو ہرٹ نہیں کروں گا۔" یاور کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اپنے شوہر کو روتا دیکھ کر

فرح کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔ یاور سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اس نے بہت نرمی سے اس کی آنکھوں کے کنارے صاف کیے۔

"میں نے آپ کو معاف کیا۔" یاور کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے وہ بہت محبت سے بولی۔

"لیکن آپ آج کے بعد اس طرح نہیں روئیں گے۔ مجھے آپ روتے ہوئے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔"

اس کی اپنی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ یاور نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ ان دونوں کی زندگی کی حسین شروعات ہو چکی تھی۔ تلخیاں ختم ہو گئیں تھیں۔ یاور نے ایک ہاتھ سے فرح کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور دوسرے سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ فرح کوئی بات کہہ رہی تھی جس پر وہ مسکرا کر جواب دے رہا تھا۔

فرح کے گھر آ جانے سے سب بہت خوش تھے۔ سب ڈنر پر ایک ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں سوچ رہی تھی کیوں نا شادی کی شاپنگ پاکستان سے کی جائے؟" فرح نے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔

" بالکل۔ جہاں سے آپ کہیں گی۔ میری شادی کا ڈریس وہیں سے آئے گا۔" ماریہ نے فوراً حامی بھری۔

"لیکن فرح میں تو جا ہی نہیں سکتی پاکستان۔" علیزے نے بڑے دکھ سے کہا تو مومن نے اسے دیکھا۔

"تو کوئی بات نہیں علیزے۔ تم یہیں سے کر لینا۔" مومن نے بڑے آرام سے کہا لیکن علیزے کا موڈ بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔

"اچھا نا بھابھی جان۔ موڈ تو نہیں خراب کریں۔ اگر میری شادی پر آپ ایسے ناراض ہو جائیں گی تو مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔"

ماریہ اپنی جگہ سے اٹھ کر علیزے کے پاس چلی آئی اور بڑی محبت سے پیچھے سے اس کے ارد گرد بازو حمائل کرتے ہوئے بولی۔

علیزے نے مسکراتے ہوئے اس کے بازو کو تھام لیا۔

"میرا موڈ بالکل بھی خراب نہیں ہے۔ تم اپنی شادی کو اسپائل نا کرو۔" ماریہ کو تو وہ کہہ رہی تھی کہ اس کا موڈ خراب نہیں ہے لیکن یہ تو مومن ہی جانتا تھا کہ موڈ خراب ہو چکا ہے۔ تبھی وہ سر جھکائے کھانا کھاتا رہا۔

"میں سوچ رہی تھی اس معاملے پر میں عریش اور بختاور سے بھی بات کروں۔ اگر وہ پاکستان جانے کے لیے رضامند ہو گئیں تو پھر ہم ایک ساتھ پاکستان جائیں گی۔" فرح نے ایک نظر علیزے کو دیکھا جو

خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی تھی اور پھر یاور کو۔

منہاج بھی بس خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔

"جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔" یاور نے کہا۔

"تو میں پھر انہیں فون کر کے آتی ہوں۔" فرح اٹھنے لگی۔

"کھانا تو کھالیں۔" یاور نے اسے اٹھتے دیکھا تو بول پڑا۔

"میں نے جتنا کھانا تھا کھالیا۔ ہمارے پاس اب وقت کم ہے۔ ہمیں جلد از جلد یہ سب کام کرنے ہیں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں۔ یاور نے مسکرا کر اس کی پھرتیوں کو دیکھا۔ ماریہ بھی واپس اپنی کرسی پر آچکی تھی۔

"مجھے تم سب کو ایک ضروری بات بتانی تھی۔" منہاج کتنی دیر سوچنے کے بعد بولا۔ سب کھانا چھوڑ کر اس کو دیکھنے لگے۔

"کیا بات؟" یاور نے پوچھا۔

"وہ دراصل مجھے سترہ اکتوبر کو ایک ضروری میٹنگ کے لیے امریکہ جانا ہو گا۔ مجھے اس بات کا دکھ رہے گا کہ میں تم تینوں کی شادی میں شرکت نہیں کر سکا۔" منہاج نے کہہ کر باری باری تینوں کو دیکھا۔ وہاں کوئی تاثرات نہیں تھے۔

"میٹنگ دو دن آگے پیچھے کر لیں بھائی۔ اگر شادی پر کوئی بھی پرسن مس ہو گا تو مزا نہیں آئے گا۔" حماد نے کہا۔

"حماد ٹھیک کہہ رہا ہے بھائی۔ اگر آپ ہمارے اتنے اہم دن میں ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے تو شادی کا مزا ادھورا رہ جائے گا۔"

یمان نے حماد کی بات سے اتفاق کیا۔ البتہ ماریہ خاموش رہی۔

"یمان تم تو کام کی نوعیت سمجھتے ہو۔ اس میٹنگ میں میرا ہونا بہت ضروری ہے۔"

''آپ کا ہماری شادی میں ہونا بھی ضروری ہے بھائی۔'' اب کہ ماریہ نے کہا تھا۔ باقی سب خاموش تھے۔

''میں جانتا ہوں کہ میرا اس شادی میں ہونا ضروری ہے۔ لیکن میرا وہاں ہونا بھی ضروری ہے۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس شادی کو اوائڈ نہیں کر سکتا۔'' وہ بے بس سا ہوا۔

''اوکے۔'' وہ لب بھینچے وہاں سے اٹھ گئی۔ ''جب آپ واپس آجائیں گے تو ہم یہ شادی بھی کر لیں گے۔'' اپنی بات کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ سب نے اسے وہاں سے جاتے دیکھا۔

''ہم تو مان جائیں گے بھائی، لیکن اسے منانا مشکل ہے۔'' ہمان نے کہا۔

''آئی ہوپ مشکل ہو۔ ناممکن نہیں۔'' منہاج نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"وہ نہیں مانے گی۔ مجھے یقین ہے۔" اب کہ مومن بولا۔

"منالوں گا میں اسے۔ ابھی میں روم میں جارہا ہوں۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو ہی بات کروں گا۔ شاید تب سمجھ جائے۔" منہاج کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا اور سیدھا اپنے روم میں چلا گیا۔ اور ہاشم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ میٹنگ اینڈ کرنے نہیں بلکہ اس دن سے بچنا چاہتا ہے جس دن اس کی محبت کسی اور کے نام کی مہندی لگا کر اس کی زندگی کو مہکا دے گی۔

ooooooooooooo

وہ اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ منہاج اسے منانے بھی نہیں آیا تھا۔ تبھی اچانک سے اسے کچھ یاد آیا۔ وہ فوراً اٹھی اور الماری تک آئی۔ اپنا بیگ نکالا اور مطلوبہ زپ کھولی۔ اسے وہ فولڈ ہوا کاغذ نظر آگیا۔ اس کاغذ کو باہر نکالا اور بیگ واپس رکھ دیا۔ الماری بند کر کے وہ

کاغذ کو لیے بیڈ کی طرف آ گئی۔ وہ بہت آسانی سے اسے کھول کر دیکھ سکتی تھی کہ اندر کیا ہے لیکن یہ امانت تھی۔ اس نے امانت میں خیانت کرنا نہیں سیکھا تھا۔ یہ کسی کا راز تھا، کسی کا پردہ۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر باہر چلی آئی۔ ہال اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بس ڈائنگ ہال کی لائٹ آن تھی جہاں سے مدھم سی روشنی ہال میں آ رہی تھی۔ وہ کچن کی طرف چلی آئی کہ اس وقت یہاں کون ہو سکتا تھا۔ وہاں وہ تھیں۔

چیون سا۔

"آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟" وہ اچانک مڑی۔ جیسے ایک دم کسی کے آجانے سے ڈر گئی ہوں۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" چیون سا نے لمبی سانس لی۔ جبکہ ماریہ ہنس دی۔

"معاف کیجئے گا۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"ویسے آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"میں برتن واش کر رہی تھی اور اب بس جانے ہی والی تھی۔"

"آج اتنی لیٹ؟ خیریت؟ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟"

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ کھانا لگا کر کوارٹر میں چلی گئی تھی۔ تو وہاں ذرا آنکھ لگ گئی۔ واپس آئی تو فرح بی بی کو دھوتے دیکھا۔ بڑی مشکل سے انہیں روم میں بھیجا تھا۔" مسکرا کر کہتے انہوں نے مختصر سا بتایا۔

"اوہہ... وہ یہ کسی نے مجھے آپ کے لیے دیا تھا۔" اس نے وہ کاغذ چیون سا کی جانب بڑھایا۔ انہوں نے کچھ حیران ہوتے وہ لے لیا۔

"میرے لیے؟"

"ہاں ایک چھوٹا سا بچہ آیا تھا یہ لے کر۔ مجھے دے گیا۔ بس اتنا کہا کہ جس کو یہ دینا ہے ان کا نام پیچھے لکھا ہوا ہے۔ کیا کوئی آپ کو تنگ کر رہا ہے؟" وہ جو کاغذ کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھیں، تیزی سے سر اٹھایا اور اتنی ہی تیزی سے نفی میں ہلایا۔

"نہیں تو۔ کوئی تنگ نہیں کر رہا۔" ان کا انداز عجیب سا تھا جو ماریہ نے نوٹ بھی کیا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ آپ بھی سو جائیں." کہہ کر وہ رکی نہیں۔ جبکہ ماریہ کتنی ہی دیر تک وہاں کھڑی انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"یہ اتنا عجیب سا بے ہیو کیوں کر رہیں تھیں۔" کہتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے۔ اور پھر اپنے روم میں واپس چلی آئی۔

ادھر چیون سا نے اپنے کوارٹر میں پہنچتے ہی وہ کاغذ کھولا۔ جس پر

بڑے بڑے لفظوں میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"آپ مجھ سے اسے بچا نہیں سکتیں۔ دیکھیں اس کے ذریعے سے میں

آپ کو یہ خط بھیج رہا ہوں۔ یہ جسٹ ایک وارننگ ہے۔" چیون

سا نے بہت سارا تھوک ایک ساتھ نگلا۔ نیچے ایک نمبر بھی تھا۔ وہ یقیناً

جیو نگ ہون کا تھا۔ انہوں نے بغیر دیر کئے موبائل اٹھایا اور اس نمبر

کو اپنے موبائل پہ ڈائل کیا اور پھر کال ملا دی۔

رنگ جا رہی تھی لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ دوسری طرف

جیو نگ ہون کھڑکی کے پاس رکھی ونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ فون

بالکل چہرے کے برابر کیے وہ سرد سپاٹ چہرہ لیے آنے والی کال کو

دیکھ رہا تھا۔ نمبر سیو نہیں تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس وقت کون ہو سکتا

ہے۔ اس سے پہلے کہ فون بند ہوتا اس نے آخر کار ریسیو کر ہی لیا۔

"جب سے اُس سے ملاقات کر کے آیا ہوں اسی کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں۔" اس کی آواز میں افسردگی اور کمینگی کے تاثرات تھے۔چیون سا کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"تم سے کہا تھا کہ فرقان صاحب کی بیٹی سے دور رہنا۔ تمہیں سمجھ نہیں آئی میری بات؟" دوسری جانب وہ دباد باسا غرائیں۔

("تم جب بھی مجھ سے دور ہوتے ہو میرے تو مسلے ہی بڑھ جاتے ہیں۔ تم دور نا ہوا کرو۔ میرے آس پاس رہا کرو۔") کانوں میں ایک معصومانہ آواز گونجی تھی۔

"ابھی تو میں اس کے نزدیک گیا بھی نہیں۔بدلے تو ابھی باقی ہیں۔ آپ کو بتادوں گا میں... کہ میری نظر میں محلوں میں رہنے والی اس شہزادی کی کیا حیثیت ہے۔"

(وہ جب بھی اس کے ساتھ اکیلا ہوتا تھا تو اسے نظریں اٹھا کر کم ہی دیکھتا تھا۔اس کی نظروں میں محلوں میں رہنے والی اس لڑکی کے لیے بے حد احترام تھا۔اس نے کبھی تنہائی میں اس کا فایدہ نہیں اٹھایا تھا۔)

"ہایون تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔"انداز میں تنبیہہ اور التجا دونوں تھے۔"اگر تم نے کچھ کیا تو یمان صاحب تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گیں۔تم جانتے ہو ناوہ کتنی نفرت کرتے ہیں تم سے۔"یمان کے نام پر جیونگ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میرا نام جیونگ ہون ہے۔ہایون نہیں۔اور دوسری بات یہ کہ میں اب کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ مجھے مار دے یا زندہ چھوڑ دے۔لیکن میرے مرنے سے پہلے ایک دفعہ تو اسے اس تکلیف سے گزرنا ہو گا۔صرف ایک بار 'ماں۔"کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔اور ادھر لفظ "ماں" پر چیون

سا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔ کتنی دیر بعد یہ لفظ سنا تھا انہوں نے۔ انہیں معلوم بھی نا ہوا اور آنسو ٹپ ٹپ کرتے گرتے گئے۔

OOOOOOOOOOOOO

یاور کے روم میں وہ دونوں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یاور نے فرح کے پیچھے سے بازو گزار کر موبائل پکڑا ہوا تھا۔ فرح نے اپنا سر یاور کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے اور ایک طرف کو گرے ہوئے تھے۔ وہ دونوں بالکل ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے موبائل پر پاکستانی برائیڈل ڈریسز نظر آرہے تھے۔

"مجھے لگتا ماریہ پہ یہ بلڈ کلر بہت خوبصورت لگے گا۔" ایک ڈریس پر فرح آکر رک گئی۔ یاور نے بھی اس ڈریس کو بڑے غور سے دیکھا۔

"ہاں مجھے بھی یہ اچھا لگ رہا ہے۔ آپ ایک دفعہ ماریہ سے پوچھ لیجئے گا۔"

"ہاں اسے تو میں ابھی سینڈ کر دوں گی۔ کوئی مسلہ ہی نہیں۔"

"گڈ.. اوہ ہاں آپ نے عریش اور بختاور سے پاکستان جانے کی بات کی؟"

"ہاں میں نے پوچھا تھا۔ بختاور تو بہت خوش ہوئیں تھیں۔ وہ کہہ رہیں تھیں انہیں پاکستان جانے کا بہت شوق تھا۔ سوان کا شوق پورا ہو رہا ہے۔ اور عریش کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ انہیں میں نے کچھ ڈریسز کی پکس بھیجی ہیں۔ باقی ان کی چوائس۔" فرح نے کہتے ہوئے شانے اچکائے۔ پھر اسے محسوس ہوا جیسے یاور اسے سن ہی نہیں رہا۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا تو وہ فرح کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ فرح کو اتنے غور سے پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔ وہ کھو سا گیا تھا اس میں۔

"وہ... مجھے نیند آرہی ہے۔" اس نے لب کاٹتے ہوئے کہا۔

''سوجائیں۔'' وہ شانے اچکاتا پیچھے ہوا۔ فرح فوراً سے پہلے کمبل تان کر

لیٹ گئی۔ منہ سر پیٹ لیا۔ یاور

دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کے ڈمپل بھی نمایاں ہوئے تھے۔

oooooooooooo

ایک نئی صبح شروع ہو چکی تھی۔ لوگ اپنے اپنے روٹین ورک میں

مصروف ہو گئے تھے۔ ایسے میں ایک

ریسٹورنٹ کے اندر دو ہیولے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ شیشے کی

دیوار کے پار سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا لیکن اس میں

پہلے جیسی گرمی نہیں رہی تھی۔

''تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟'' جنگکوک نے ناپسندیدگی سے

تیمور کو دیکھا۔

"تو کیا تمہیں کلب میں بلاتا؟" تیمور نے بھی جواباً اسی ناپسندیدگی سے

اسے دیکھا۔ انداز میں طنز تھا۔

"وہ میری دنیا ہے۔ تمہیں اس سے کیا مسلہ ہے؟"

"وہ جو تمہاری دنیا ہے نا، وہ تمہاری ہونے والی بیوی کو پسند نہیں ہے۔

اور تم اسے دھوکہ دے رہے ہو۔"

تیمور کی آواز ذرا اونچی ہوئی۔

"میں آہستہ آہستہ یہ سب چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں نا۔"

"یہی تو مسلہ ہے۔ تم صرف کوشش کر رہے ہو۔ تم چھوڑ نہیں

رہے۔"

"اور اگر میں کوشش کہ بعد بھی یہ سب نا چھوڑ سکا تو تم کیا کر لو

گے؟" جنگلو کہ اکتا ہی تو گیا تھا۔

"پھر میں وہ کروں گا جو تم نے سوچا بھی نہیں ہو گا اور سوچ لو گے تو جسم سے روح نکل جانے جیسا حال ہو گا تمہارا۔" وہ بے رحمی سے بولا۔

"مطلب؟"

"میں جا کر سب کچھ تمہاری ہونے والی بیوی کو بتا دوں گا۔ پھر تو شاید وہ تمہاری شکل بھی دیکھنا گوارا نا کرے۔" جنگکوک کو واقعی ہی لگا جیسے کسی نے اس سے اس کی روح چھیننے کی بات کی ہو۔

"اگر ان کی محبت سچی ہوئی تو وہ سمجھیں گی۔ وہ مجھے وقت دیں گی۔"

"وہ تم سے بے حد محبت کرتی ہے 'جنگکوک۔ اور وہ تم پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔ اس کے یقین کو مت توڑنا۔ لوگ دل ٹوٹنے پر تو معاف کر دیتے ہیں۔ لیکن یقین ٹوٹنے پر کوئی معاف نہیں کرتا۔ اور اگر کبھی

معاف کر بھی دے تو دوبارہ یقین نہیں کرتا۔" تیمور کے انداز میں تنبیہہ واضح تھی۔

"تمہیں ہماری شادی سے کوئی مسلہ ہے؟" جنگکوک کو تیمور کی باتوں نے ڈرا ہی تو دیا تھا۔

"اگر مسئلہ ہوتا تو یہاں بیٹھ کر تمہیں سمجھا نا رہا ہوتا۔ مجھے اپنا دوست سمجھو اور جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔" اب کے تیمور ذرا سا مسکرایا۔ جنگکوک مسکرا بھی نا سکا۔ بس خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

oooooooooo

"رات سے صبح، صبح سے دوپہر ہو گئی ہے اور تم ابھی تک میرے ساتھ ناراض ہو۔ اور تم کچھ کھا بھی نہیں رہی۔ ایسے کیسے چلے گا علیزے۔" مومن دائیں سے بائیں بائیں سے دائیں چکر کاٹتا اس کے

پاس آ بیٹھا جو خفگی سے ٹانگوں پر کمبل لیے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"تم جانتی ہو نا یہ سب تمہاری صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" وہ پھر بھی کچھ نا بولی۔ بس خاموش رہی۔ مومن ایک دفعہ فرح کو بلانے اٹھا تھا۔ علیزے نے سختی سے منع کر دیا۔ اس بیچارے کو پھر سے رکنا پڑا۔

"کچھ بولو تو سہی یار۔ دیکھو میں پریشان ہو رہا ہوں۔"

"آپ کو میری نہیں... بس اپنی اولاد کی فکر ہے۔ اس لئے میرے ساتھ اپنا وقت برباد نا کریں اور جائیں یہاں سے۔" مومن منہ کھولے اسے دیکھے گیا۔ وہ جو اکثر راتوں کو اس کی وجہ سے جاگنے لگا تھا، وہ کتنے آرام سے کہہ رہی تھی کہ اسے اس کی فکر ہی نہیں۔

"بس کچھ عرصے کی بات ہے۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔"اس نے نرمی سے علیزے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔علیزے نے جھٹکنا چاہا لیکن مومن نے اسے مظبوطی سے پکڑ لیا۔آنسو کا گولہ اس کے حلق میں ہی اٹک گیا۔

آنکھیں فوراً سرخ ہوئیں۔

"یار رونا ضروری ہے کیا؟تم روئے بغیر بھی تو بات کر سکتی ہو۔"وہ جانتا تھا وہ اب روئے گی۔

"مجھے بھی پاکستان جانا ہے۔"وہی ضد۔

"اگر ڈاکٹر نے تمہیں سفر کرنے سے منع نا کیا ہوتا تو میں تمہیں خود لے کر جاتا۔لیکن ابھی لے جا کر میں تم دونوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔تم دونوں کی جان پر میں کوئی رسک نہیں لوں گا۔"اس کا انداز ختمی تھا۔علیزے نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"مجھے آئسکریم کھانی ہے۔"آواز بھی بھیگی ہوئی تھی۔مومن بے یقین سا ہنس دیا۔

"اس موسم میں گلا خراب ہو جائے گا۔"

"سونا ہے مجھے۔"وہ غصے میں ذرا اونچا کہتی لیٹ گئی۔مومن کو اس پر ترس اور پیار ایک ساتھ آیا تھا۔

"ایک شرط پر آئسکریم لا کر دوں گا۔"

"کیسی شرط؟"لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"پہلے تمہیں کھانا کھانا ہو گا۔"

علیزے نے زکام زدہ سی سانس اندر کھینچی۔"جائیں لے کر آئیں۔"بچوں کی طرح منہ بناتے ہوئے تحکم سے کہا۔وہ ہنستے ہوئے اٹھ گیا۔

وہ جانتا تھا یہ علیزے کے موڈ سوئنگ ہیں۔جو پل پل بدل رہے تھے۔اسے علیزے کو محبت سے ٹیکل کرنا تھا۔

○○○○○○○○

"وہ میرے بیٹے کو اپنے اشاروں پر نچاتے جا رہے ہیں اور یہ ناچتا ہی چلا جا رہا۔" ہاشم نے جنگکوک کو پاکستان جانے کے بارے میں بتایا تھا جس کے لیے اس نے حامی بھر لی تھی۔ جب جنگکوک نے سارہ اور سیمون کو بتایا تو سارہ آفندی سے یہ بات ذرا بھی برداشت نا ہوئی۔

"وہ کس کے اشاروں پر ناچ رہا ہے؟ پتا نہیں کیا سوچتی رہتی ہو تم۔ ویڈنگ ڈریس کے لیے تو جا رہا ہے وہ۔" سیمون آفندی لیپ ٹاپ پر آفس کا کام کر رہے تھے لیکن سارہ کی بات پر وہ برہم ہوتے بولے۔

"ویڈنگ ڈریس کوریا سے بھی مل جاتا ہے۔" انہوں نے جتاتے ہوئے کہا۔

"یہ ان لوگوں کا پرسنل میٹر ہے۔ تم مجھے تنگ مت کرو۔"

"اگر پرسنل میٹر ہے تو اپنے تک رکھیں نا۔ میرے بیٹے کو ساتھ لے جانے کی کیا تک بنتی ہے؟"

"جاؤ یہاں سے اور مجھے کام کرنے دو۔" سیمون آفندی نے سارہ کو باہر کا راستہ دکھایا۔ انداز میں اکتاہٹ تھی۔ سارہ آفندی نے دانت پیستے ہوئے سیمون کو دیکھا اور پیر پٹختی باہر چلی گئیں۔

"پاگل عورت۔" وہ غصے سے بڑبڑائے اور پھر سے اپنے کام میں لگ گئے۔

وہ باہر آئی اور اوپر ٹیرس پر چلی گئیں۔ موبائل فون پر ایک نمبر ملایا اور کان سے لگالیا۔ بیل جا رہی تھی۔ تیسری بیل پر فون اٹھالیا گیا۔

"تم کر کیا رہے ہو؟ وہ آزاد گھوم رہی ہے اور تم..... تم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہو۔" بنا کسی رسمی گفتگو کے وہ سیدھا کام کی بات پر آئیں تھیں۔

"میں وہی کر رہا جو مجھے کرنا چاہئے۔" ان کے برعکس وہ پر سکون سا بولا۔

"وہ لڑکی ابھی تک.....۔"

"دیکھیں مس سارہ آفندی۔ میں اب وہ غریب ہایون نہیں ہوں۔ میں جیونگ انڈسٹری کا مالک ہوں۔ پچاس نوکر میرے آگے پیچھے گھومتے ہیں۔ میں حکم دیتا ہوں اور وہ مانتے ہیں۔ لیکن میں کسی کے حکم کے آگے جھکتا نہیں ہوں۔ بہتر ہو گا مجھ سے تمیز سے بات کریں۔" وہ چند جملے سارہ کو ان کی اوقات بتا گئے تھے۔ ان کے تو سر پر لگی تلوؤں پر بجھی۔

"تم شاید بھول رہے ہو کہ تم کیا تھے۔"

"آپ شاید بھول رہی ہیں کہ میں کیا ہوں۔"

"جیونگ ہون تم...."

"اب آپ مجھے میرے کسی بھی ماضی کے واقعے سے ڈرا نہیں سکتیں۔ میں ہر بار ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔" آواز میں رعب تھا لیکن ان کا جسم اندر تک جلس رہا تھا۔ وہ جیونگ سے اس سب کی توقع نہیں کر رہیں تھیں۔

"مجھے یاد ہے جب میں سات سال کا تھا۔ تم میری ماں سے ملنے آئیں تھیں۔" وہ اب آپ سے تم پر آگیا تھا۔ "اور تمہارے اور ماں کے درمیان کیا بات ہوئی تھی وہ مجھے آج بھی یاد ہے۔ میری ماں کو تم نے فرقان ہاؤس کو دھوکہ دینے پر مجبور کیا تھا۔ یاد ہے؟ اگر نہیں تو میں یاد کرواؤں؟" وہ بول رہا تھا جبکہ سارہ آفندی کی ساری دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھیں، وہ کیا بات کر رہا ہے۔ ان کا پورا وجود سکتے میں آگیا تھا۔ بمشکل خود کو نارمل کرتی دوبارہ بولیں۔

"مجھے نہیں پتا تم کیا بات کر رہے ہو۔"

"گل رعنا....۔"

"شٹ اپ.... جسٹ شٹ اپ۔" چینچ کر کہتے انہوں نے فون بند کر دیا۔ اور بے یقینی سے فون کی بلیک اسکرین کو دیکھے گئیں۔ وہ دیکھ سکتیں تھیں کہ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔ وہ راز جسے وہ خود بھی بھلا بیٹھی تھیں۔ وہ راز جسے چیون سا اور اس ڈاکٹر کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ راز جیو نگ کو معلوم تھا۔ سارہ کو لگا اس کا سانس رک جائے گا۔

سارہ کو اس راز کے کھل جانے کا ڈر نہیں تھا اس راز کے کھل جانے پر انہیں سیمون کی نفرت، جنگکوک کی بے یقینی کا سامنا کرنا ہو گا۔ اور وہ مر کر بھی اس کا تصور نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا دماغ اب کام کر رہا تھا۔

"تمہارے پاس تو کوئی ثبوت ہی نہیں جیو نگ... یعنی تم کچھ نہیں کر سکتے۔" اس خیال نے انہیں مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم جنگکوک اور سیمون کو، دونوں کو مجھ سے نہیں چھین سکتے۔" وہ آنسو جو چہرے پر بہہ رہے تھے۔ سارہ نے بے دردی سے پونچھ ڈالے۔

OOOOOOOOOOOOOOO

وہ دو دن میں پاکستان جانے والے تھے۔ ویزے کا سارا کام یاور اور ہاشم نے مل کر کیا تھا۔ پاکستان فرح، ماریہ، عریش، اور بختاور جانے والے تھے۔ اور لڑکوں میں تینوں دلہے اور راہور تھا۔ وہ سب بے حد متجسس تھے۔ پاکستان جانے سے ایک دن پہلے منہاج ماریہ کے پاس آیا تھا۔ وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی جب وہ نوک کر کے اندر آیا۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک؟" وہ بیڈ پر سامنے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔

"نہیں... نیند نہیں آرہی تھی۔" ماریہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا میں کچھ دیر اپنی بہن کے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ بیڈ کی پائنتی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"شیور... بیٹھیں نا۔" ماریہ نے منہاج کو جگہ دی لیکن لیپ ٹاپ سامنے کھلا رہنے دیا۔ منہاج نے بیٹھتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کر کے سائڈ پر رکھ دیا۔ ماریہ نے مزاحمت نہیں کی۔ بس خاموشی سے منہاج کو دیکھے گئی۔

"تم ناراض ہو مجھ سے؟"

"میں آپ سے کیوں ناراض ہوں گی؟"

"عین تمہارے شادی والے دن میں امریکہ چلا جاؤں گا۔"

"جس دن آپ امریکہ جائیں گے اس دن میری نہیں، حماد اور یمان بھائی کی شادی ہے۔"اس نے بغیر کسی تاثر کے کہا۔ منہاج کچھ پل خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"کیا میں چلا جاؤں؟"

"میں ساری زندگی آپ سے بات نہیں کروں گی۔"

"کیا تم یہ کر پاؤ گی؟"

"آپ میرا دل پتھر کا کر دیں گے۔ میں پتھر نہیں ہونا چاہتی بھائی۔"

نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا تھا۔

"اگر میں وجہ بتاؤں تب بھی تم مجھے روکو گی؟"

"مجھے کوئی وجہ نہیں جاننی۔ مجھے میرے سارے بھائی میری شادی پر چاہئیں۔ ورنہ میں شادی نہیں کروں گی۔"لہجہ قطعی تھا۔ منہاج نے

بے بسی سے ماریہ کو دیکھا۔ اسے منانا ناممکن تھا۔ منہاج کو یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی تھا۔ یہ دکھ بھی اسے دیکھنا ہی تھا۔

"میں کہیں نہیں جا رہا۔" اس نے زبردستی مسکرا کر کہا۔ لیکن ماریہ کے چہرے پر حقیقی مسکراہٹ در آئی۔

"سچ بھائی؟" وہ خوشی سے اچھل کر منہاج کے گلے آ لگی۔ منہاج نے بھی مسکرا کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ جو اگر وہ سچ جان جاتی تو کبھی منہاج کو نا روکتی۔ اور خود بھی اداس ہو جاتی۔ منہاج اس کا دن خراب نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا شادی سے پہلے کچھ دنوں کے لیے جانے کی اجازت ہے مجھے؟" وہ اب بھی اجازت مانگ رہا تھا۔ وہ زیر لب مسکرا دی۔

"ہاں جب تک ہم پاکستان میں ہیں۔ تب تک۔" اس نے مسکرا کر کہا تو منہاج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○

پانچ اکتوبر کو کوریا سے ایک فلائٹ نے اسلام آباد میں لینڈ کیا تھا۔ ایئر پورٹ سے فرح کی ایک دوست نے ان لوگوں کو ریسیو کیا تھا۔ بختاور نے پاکستان کو انٹرنیٹ کی دنیا میں دیکھا تھا۔ لیکن یوں اس طرح اس میں رہ کر اسے دیکھنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ سب سیدھا چلنے کے بجائے ادھر ادھر دیکھتے گاڑی تک آئے تھے۔ دو گاڑیاں آئیں تھیں ان سب کو لینے۔

پہلے دن کا کھانا فرح کی دوست کی طرف سے تھا۔ اس کے بعد انہیں اپنے گھر میں جانا تھا جو فرح کی دوست کے بابا کا ہی تھا۔ فرح کا پاکستان والا گھر اتنا بڑا نہیں تھا کہ وہ سب وہاں پر رہ سکتے۔ اس لیے کچھ ٹائم کے لیے انہوں نے الگ سے یہ گھر مانگ لیا تھا۔

"پاکستان کی بریانی اتنی اسپائسی کیوں ہے؟"نوالہ منہ میں رکھتے یاور نے ذرا جھک کر فرح سے پوچھا۔ وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ روک پائی۔

"یہاں کے لوگ اس سے بھی تیز مرچی والے کھانے کھاتے ہیں۔" اس نے بھی سرگوشی میں جواب دیا اور کھانے میں مصروف ہو گی۔

"تبھی یہاں کے لوگ بھی اتنے اسپائسی ہیں۔" یاور نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔ فرح نے آنکھیں چھوٹی کر کے پل بھر کو یاور کو گھورا۔

"ویسے آپس کی بات ہے کھانا بہت مزے کا ہے۔" بختاور نے کہا تو سب نے اثبات میں سر ہلایا۔ گھر کے لوگ باہر تھے۔ وہ مہمانوں کو کمفرٹیبل ماحول میں کھانا کھانے دینا چاہتے تھے۔ کورین کے بارے میں ایک بات بہت مشہور ہے کہ وہ بہت شرمیلے ہوتے ہیں۔

کچھ ہی دیر میں کھانا ختم ہو گیا تھا۔ پھر شام تک وہ سب اس گھر میں آ گئے تھے۔ ڈیسائڈ ہوا تھا کہ مرد حضرات انیکسی میں رہیں گے اور لڑکیاں گھر میں۔ جس پر سب لڑکے مشکل سے راضی ہوئے تھے۔ رات ہو چکی تھی۔ اور عموماً لوگ رات کو باہر نکلتے ہیں۔ وہ بھی کچھ دیر ریسٹ کر کے نکل چکے تھے۔ شاپنگ مال میں گھومتے رہے لیکن ابھی تک انہیں کچھ بھی پسند نہیں آیا تھا جو ان کی برائیڈز پر سوٹ کرتا۔ سو وہ سڑکوں پر گھومتے رہے۔ فرح اور ریاور ایک ساتھ تھے۔ اور وہ تین لڑکیاں ایک ساتھ اور تینوں لڑکے ایک ساتھ۔ اسی طرح ان کا پاکستان میں پہلا دن گزر چکا تھا۔ اور اب کچھ دیر میں رات بھی گزرنے والی تھی۔ گھومنے وہ صبح ہی جائیں گے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

پاکستان میں ایک نئی صبح شروع ہونے جارہی تھی جس کا آغاز قریبی مسجدوں میں اذان سے ہوا تھا۔ وہ ابھی تک اپنے موبائل فونز پر اذان کی آواز سنتے رہے تھے لیکن آج پہلی دفعہ مسجد میں سنی تھی۔ کیونکہ آفس کے نزدیک مسجد میں مائک پر اذان دینے کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں آس پاس عیسائی اور دوسرے مذاہب کے لوگ زیادہ تھے۔ یاور نے ان تینوں کو اٹھایا تھا۔ یمان اور حماد تو وضو کر کے مسجد میں جانے کے لیے ریڈی ہو گئے تھے لیکن جنگلوک کو کسی نے نہیں اٹھایا۔

"یہ ابھی نماز نہیں پڑھے گا تو کب پڑھے گا؟" حماد کو جنگلوک کا نماز کے لیے نا اٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"مجھے لگتا اسے نماز نہیں آتی ہو گی۔ ابھی اسے رہنے دو۔ جب سیکھ جائے گا تو پڑھ لے گا۔" یاور نے کہا۔

"سو کر کون سیکھتا ہے۔ مسجد میں جائے گا، دیکھے گا تو سیکھے گا نا۔"

یمان نے بھی حماد کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اگر اسے نماز نا آتی ہوئی تو خوامخواہ ہمارے سامنے شرمندہ ہو جائے گا۔ رہنے دو۔" یاور نے پھر سے منع کر دیا۔

"اللہ کے سامنے شرمندہ ہونے سے بہتر ہے وہ ہمارے سامنے شرمندہ ہو جائے۔" حماد بضد تھا۔

"اب ہم پاکستان میں اس کے ساتھ یہ تلخ کلامیاں نہیں کر سکتے۔ چلو ہم لوگ چلتے ہیں اور اس کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔" یاور کہہ کر نکل گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی چل دیئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

آج اسلام آباد کا موسم بھی کافی خوشگوار تھا۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ وہ ناشتے کے بعد گھومنے کے لیے نکل چکے تھے۔ گاڑی

بہت سلو سپیڈ میں جا رہی تھی۔ آج ان کا پہلا ٹارگٹ شکر پڑیاں کا جنگل، مونومینٹ اور میوزیم تھا۔

ایسے موسم میں خوبصورت جگہوں پر گھومنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ سب کپل بنا کر آگے پیچھے جا رہے تھے۔

"دیکھنے میں آپ کا پاکستان بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔" یاور نے سرگوشی میں کہا۔

"ابھی آپ نے پاکستان دیکھا ہی کہاں ہے۔" فرح نے ایک آنکھ دبا کر کہا۔

"آپ کو پتا ہے مجھے پاکستان دیکھنے کا شوق کب پیدا ہوا تھا؟" بختاور اور یمان ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب بختاور نے کہا۔

"کب؟" اس نے دلچسپی سے بختاور کو دیکھا۔

"جب میں کالج لائف میں آئی تھی۔ میری ایک دوست پاکستانی تھی۔ وہ پاکستان کی اتنی تعریفیں کرتی تھی۔ خوامخواہ ہی مجھے پاکستان دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔" وہ مسکراتے ہوئے بول رہی تھی کہ اچانک ہی اس کا پیر مڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔

"آؤچ۔" اس نے مظبوطی سے یمان کا بازو پکڑا اور وہیں نیچے بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا۔" یمان بھی اس کے ساتھ ہی نیچے بیٹھ گیا۔ وہ سب ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہو چکے تھے۔ سو کسی کا ان دونوں کی طرف دھیان نہیں تھا۔

"آہہہ میرا پاؤں۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے ٹوٹ گیا ہے۔" آنسو ؤں اس کے چہرے پر بہنے لگے۔ یمان نے اس کا پیر پکڑنا چاہا۔ بختاور نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے دیکھنے تو دو کیا ہوا ہے۔"

"مجھے درد ہو رہا ہے اور آپ کو دیکھنے کی پڑی ہے۔"

"اف پاگل لڑکی۔ ہٹاؤ ہاتھ۔ منع کیا تھا ہیل مت پہنو۔" کہتے ہوئے اس نے نرمی سے اس کے پیر کو ہیل سے آزاد کیا۔

"ایک تو میرے پیر میں موچ آگئی ہے اور آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی جبکہ یمان نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے لگتا موچ نہیں آئی، ویسے ہی مڑ گیا۔ میں بھائی کو فون کرتا ہوں۔ پھر ہم ہاسپٹل چلتے ہیں۔" بختاور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ یمان نے یاور کو فون ملایا۔ اور اگلے بیس منٹ میں وہ ہسپتال میں تھے۔

"کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا؟" وہ سب بختاور کے پاس ہی کھڑے تھے جب فرح نے پوچھا۔

"نہیں موچ وغیرہ نہیں آئی۔ ویسے ہی دباؤ پڑنے کی وجہ سے یہ درد جاگا ہے۔ ایک ہفتہ بیڈ ریسٹ کے بعد ان کا پاؤں ٹھیک ہو جائے گا۔" فرح نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ "اور کچھ میڈیسنز ہیں، میں نے لکھ دیں ہیں، آپ لوگ سٹور سے لے لیجیئے گا۔" ڈاکٹر کہہ کر باہر چلا گیا۔

"میں پاکستان گھومنے آئی تھی اور ایک ہفتہ بیڈ پر گزار کر چلی جاؤں گی۔" بختاور کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمکنے لگے۔ یمان اپنی مسکراہٹ دباتا اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"کوئی بات نہیں مس بختاور۔ ہم پھر پاکستان آجائیں گے۔" یمان نے اسے ریلکس کرنے کے لیے کہا۔ اس نے خفگی سے یمان کو دیکھا۔

شام تک وہ ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی تھی۔ رات کا کھانا بھی کھایا جا چکا تھا۔

"صبح ہم لوگ مارکیٹ جائیں گے اور سب سے پہلے اب شادی کی شاپنگ کریں گے۔" فرح نے کہا۔

"آپ لوگ میرے ساتھ وڈیو کال پر رہیں گے اور جو ڈریس مجھے پسند آیا، میں بتا دوں گی۔" بختاور کا موڈ اب ٹھیک ہو چکا تھا۔ عریش اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا۔" عریش نے بختاور کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ کچھ دیر تک بیٹھ کر وہ سب باتیں کرتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ سب اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔۔ البتہ حماد نے عریش کے دوپٹے کا کونا پکڑ رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھ گئی۔

اور یہ پہلی دفعہ تھا جب عریش کے چہرے سے اس کا دوپٹا سرک گیا

اور پہلی دفعہ حماد نے اسے دیکھا تھا۔ وہ پلک تک جھپکنا بھول گیا۔

عریش کچھ بول ہی نا سکی۔ دونوں میں بس ذرا سا فاصلہ تھا۔

تم تو پردے میں بھی قیامت کی ادا رکھتی تھیں
پھر یوں بے نقاب ہو کر دل کے تار کیوں چھیڑ ڈالے

بے اختیار حماد کے لب پھڑ پھڑائے۔ عریش نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے حماد کے ہاتھ سے دوپٹے کا کونا آزاد کروایا۔

"میں بے نقاب نہیں آئی۔" حماد دیکھ سکتا تھا اسے برا لگا ہے۔ تبھی نظریں چرا گیا۔

"سو سوری.... میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ خفیف ہوتے بولا۔

"آپ کی پسند کیسی ہے، یہ سوال میں شادی والے دن پوچھوں گی۔ جس دن آپ کو حق ہو گا کہ آپ میری تعریف کریں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر چلی گئی حماد بس اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر کہیں غائب ہو گئی تھی اور وہ ابھی تک اس کے حسن میں کھویا ہوا تھا۔ آنکھوں سے حسین دکھنے والی لڑکی، حقیقت میں بھی اتنی حسین اور معصوم تھی، حماد کو اس کا اندازہ آج ہی ہوا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر تو چلا آیا تھا لیکن دل انہی لمحوں میں رہ گیا تھا۔ آج مشکل تھا کہ اسے نیند آتی۔ اس کی نظریں کھڑکی سے نظر آتے چاند پر تھیں۔ دوسری طرف وہ کھڑکی کے پاس کھڑی چاند کو دیکھ رہی تھی جو آج کچھ زیادہ ہی حسین ہو گیا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOO

اگلی صبح وہ ناشتے کے بعد شاپنگ کے لیے نکل چکے تھے۔ گھر میں بس یمان اور بختاور رکے تھے۔ مارکیٹ میں لڑکے اور لڑکیاں الگ الگ ہو کر شاپنگ کر رہے تھے۔ عریش نے تو ساتھ کیمرہ بھی آن کر رکھا تھا جس کے دوسرے پار بختاور تھی۔ چار پانچ گھنٹوں کی خواری کے بعد آخر کار ان کے شاپنگ مکمل ہو چکی تھی۔ اور اب وہ سب کھانے کے لیے ریسٹورنٹ جا رہے تھے۔ لڑکے آگے تھے اور لڑکیاں ان کے پیچھے پیچھے کار تک جا رہیں تھیں۔ تبھی ماریہ کا پیر کسی چیز میں اٹکا اور وہ گرتے گرتے بچی۔ لیکن جس چیز سے وہ بچی تھی جنگکوک کا کندھا تھا جسے ماریہ کے دائیں ہاتھ نے ذرا سا ٹچ کیا تھا۔ جنگکوک نے مڑ کر دیکھا اور دونوں ابرو اٹھائے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

جنگکوک شانے اچکاتا واپس مڑ گیا۔ وہ زیر لب مسکرا دی۔

"مجھے لگتا ہے ہماری لڑکیوں کو چلنے کی پریکٹس کر لینی چاہیے۔"

جنگکوک نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ یاور اور حماد نے گردنیں موڑ کر جنگکوک کو دیکھا جبکہ ان تینوں لڑکیوں کے منہ کھل گئے۔

"کیوں اب کون گرنے لگا تھا؟" حماد نے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا تو عریش اور فرح نے شہادت کی انگلی سے ماریہ کی طرف اشارہ کیا۔

ماریہ نے دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"یہ تو سدا کی اندھی ہے۔ اس کے گرنے پہ مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔" حماد نے کہتے ہوئے گردن واپس موڑ لی۔ جبکہ ماریہ اندر تک جل گئی تھی۔

"تم گھر چلو ایک دفعہ، بتاتی ہوں تمہیں۔ بد تمیز نا ہو تو۔" وہ سب اپنی مسکراہٹیں دبائے آگے چلتے جا رہے تھے۔

"ذرا جو تمیز ہو تم میں بڑے بھائی سے بات کرنے کی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے ہی بولا تھا۔

"ہاں جیسے تم میں بہت تمیز ہے۔" ماریہ نے منہ کو ٹیڑھا میڑھا بنایا۔

"بندہ آگے پیچھے دیکھ لیتا ہے۔ سب کے سامنے شروع ہو جاتی ہو۔" اب کے حماد نے رک کر اسے دیکھا۔

"تم بھی تو دیکھو.... کیا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں ساتھ؟"

"بس بھی کرو تم دونوں، کبھی تو چونچیں لڑانے سے باز آجایا کرو۔" ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے یاور نے دونوں کو ٹوکا۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ باقی سب اپنی مسکراہٹیں دبائے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ جنگکوک اور حماد کی الگ الگ گاڑی تھی۔

"ویسے مجھے نہیں پتا تھا کہ تم دونوں جھگڑتے بھی ہو۔" عریش نے محفوظ انداز میں ساتھ بیٹھی ماریہ کو کہا۔

"ابھی آپ کو پتا ہی نہیں۔آپ کا ہونے والا میاں کتنا لڑاکو ہے۔ہر وقت تنگ کرتا رہتا مجھے۔"

"میں سن رہا ہوں۔گاڑی میں بیٹھا نہیں ہوں ابھی۔"وہ کھڑکی سے اندر جھانکتا بولا۔

"ہاں جاسوسی تو تمہارا فیورٹ کام ہے۔جنگکوک بالکل ٹھیک کہتے ہیں تمہارے بارے میں۔"

"اوہو...ابھی سے سائڈ لی جارہی ہے.....جنگکوک جی کی۔"حماد نے کچھ اس ادا سے کہا کہ وہ بری طرح جھینپ گئی۔باقی سب ہنس دیئے جبکہ پیچھے کھڑا جنگکوک تھوڑا سا شرما کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔حماد بھی وہاں سے ہٹ گیا تو جنگکوک کی نظر ماریہ کی طرف گئی۔وہ جنگکوک کو ہی دیکھ رہی تھی۔نگاہوں کے تصادم پر وہ دونوں مسکرا

دیئے۔ بس کچھ دن کی دوری تھی۔ بہت جلد وہ ایک ہونے والے تھے۔

"وہ تو ابھی سے تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ زبان بھی تمہاری بول رہی ہے۔" حماد نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"یہ محبت کی زبان ہے سالے صاحب۔ تم کہاں سمجھو گے۔" حماد نے ماتھے پر بل ڈال کر جنگکوک کو دیکھا۔ "ہاں دنیا جہان کی محبت تم نے ہی تو کی ہے... سب سے انوکھی محبت۔" اس کے انداز سے جنگکوک بخوبی واقف تھا۔ خاموشی سے باہر دیکھنے لگا۔ ماریہ کے بھائی بھی عجیب تھے۔

کچھ دیر میں وہ گھر واپس آ گئے تھے۔ تمام شاپنگ کھول کر بختاور کو بھی دکھائی گئی تھی۔ اسے سب کچھ بہت پسند آیا تھا۔ پھر کچھ دیر تک کھانا

کھانے کے بعد وہ اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔ آج ایک اور دن ڈھل گیا تھا۔ اب رات کے گزرنے کی باری تھی۔

OOOOOOOOOOO

جہاں پاکستان میں رات کے گیارہ بج رہے تھے وہیں سول میں صبح کے دو بج رہے تھے۔ فرقان ہاؤس میں سب پر سکون نیند سو رہے تھے۔ جب.....

"مومن..... مجھے درد ہو رہا ہے۔پل.... پلیز اٹھیں۔" نا جانے وہ کب سے اس درد کو برداشت کر رہی تھی۔ جب درد حد سے بڑا تو اس نے مومن کو اٹھانا چاہا۔

"اٹھیں نا۔" اس نے مومن کو بازو سے پکڑ کر بلایا تو وہ ہڑ بڑا کر اٹھا۔

"علیزے.... کیا ہوا؟" اپنی بیوی کو درد سے تڑپتا دیکھ کر مومن کی جان سولی پر لٹک گئی تھی۔

"مجھ...... مجھے درد ہو رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔ مجھے کہیں لے جائیں..... بچا لیں۔" مومن کو ایک دم سمجھ نہیں آیا وہ کیا کرے۔ اس نے علیزے کو بازو میں بھرا اور باہر لے آیا۔ سیڑھیاں اترنے سے پہلے اس نے ہاشم کو دو تین آوازیں دی تھیں۔ ہاشم بھی بھاگتا ہوا باہر آیا۔ اس نے مومن کو دروازے سے جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے ہی لپکا۔

ہاشم ڈرائیونگ سیٹ پر اور مومن پیچھے علیزے کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ آدھے راستے میں ہی وہ درد سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ مومن کی تو جان ہی حلق میں آ گئی تھی۔

"بھائی پلیز جلدی کریں۔" مومن کی آواز کپکپا گئی تھی۔

"بس پہنچنے والے ہیں۔" یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ ایک ایمبولینس کو بھی نا بلا سکے۔ گاڑی ہاسپٹل کے سامنے رکی تھی۔

مومن نے فوراً اسٹریچر لانے کو کہا۔اسٹریچر آیا تو مومن نے علیزے کو اس پر لیٹا دیا۔وہ خود بھی اسٹریچر کے ساتھ بھاگتا جا رہا تھا۔

ایمرجنسی وارڈ کے سامنے ڈاکٹرز نے اسے روک دیا۔اور علیزے کو اندر لے گئے۔مومن کو لگا وہ مزید کھڑا نہیں ہو پائے گا۔وہ وہیں پیچھے رکھے بینچ پر بیٹھ گیا۔ایک تھکے ہارے مسافر کی طرح۔ہاشم بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"حوصلہ کرو میرے بھائی۔انشاللہ سب ٹھیک ہو گا۔"ہاشم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھے۔

"بھائی...یہ اچانک سے کیا ہوا ہے۔کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔بہت ڈر لگ رہا ہے مجھے۔"وہ رو رہا تھا۔

"دعا کرو اس کے لیے۔دعائیں رائیگاں نہیں جاتیں۔"

"کچھ بھی دل نہیں کر رہا بھائی۔ بھائی..... بھائی میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا کھو جانا بھی برداشت نہیں کر پاؤں گا۔" وہ بالکل بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"چلو آؤ میرے ساتھ... مل کر اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اٹھو۔" ہاشم نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

"بس ایک بار ڈاکٹر سے پوچھ لوں کہ کیا ہوا ہے۔ پھر چلوں گا۔" ہاشم نے دیکھا۔ وہ ایک عام انسان نہیں تھا۔ وہ ایک شوہر تھا۔ ایک باپ تھا۔ جس کی بیوی اور بچہ اندر ایمر جنسی وارڈ میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہاشم خاموشی سے اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایمر جنسی وارڈ سے ایک ڈاکٹر باہر آیا۔

"مریضہ کے ساتھ آپ ہیں؟" ڈاکٹر ان دونوں کی طرف آیا تو وہ دونوں فوراً اٹھے۔

"میری وائف کیسی ہے؟"مومن کو بس ایک ہی چیز یاد تھی۔

"وہ اب ٹھیک ہیں۔"ڈاکٹر نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔

"اور میرا بے بی....۔"مومن کا سانس ابھی تک اٹکا ہوا تھا۔

"وہ دونوں ٹھیک ہیں۔"مومن نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔

"لیکن آپ کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے جب تک یہ بے بی دنیا میں نہیں آجاتا۔اگر آپ لاپرواہی کریں گے تو پھر ہم اس بچے کو نہیں بچا سکیں گیں۔"مومن نے تڑپ کر ڈاکٹر کو دیکھا۔

"بہت احتیاط کرتے ہیں...پتا نہیں.....۔"

"آپ کی بیوی کو زیادہ لمبا سفر نہیں کرنا۔خود کو کاموں سے نہیں تھکانا، بار بار سیڑھیوں سے اوپر نیچے نہیں آنا، کسی بھی قسم کی ٹینشن سے انہیں دور رکھنا ہے۔اور زیادہ سے زیادہ بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے۔اور ان کی خوراک بھی ہلکی پھلکی ہو جو انہیں آسانی سے ہضم ہو

سکے۔" وہیں کھڑے کھڑے ڈاکٹر نے انہیں کچھ ہدایات دیں جس پر اس نے سر ہلایا۔

"میں ایسا ہی کروں گا۔"

"اگر آپ کو اپنی فیملی سے محبت ہوئی تو یقیناً آپ ایسا ہی کریں گے۔"

اب کے ڈاکٹر کے انداز میں ایک سخت تنبیہہ تھی۔

"کچھ میڈیسنز لکھ کر دوں گا۔ اسٹور سے لے لیجئے گا۔"

"کیا میں اپنی وائف سے مل سکتا ہوں؟"

"شیور۔" ڈاکٹر کہہ کر چلا گیا تھا۔

"تم مل لو۔ میں میڈیسنز لے کر آتا ہوں۔" ہاشم بھی ڈاکٹر کے پیچھے ہی چلا گیا تھا۔ مومن علیزے کے پاس جانے کے بجائے ایک طرف چلا آیا۔ وہاں ایک الگ سے روم بنا ہوا تھا۔ ساتھ ایک اٹیچ واشروم تھا۔ وہاں سے وضو کیا اور تہجد کی نماز کے بعد شکرانے کے نوافل ادا

کیے۔ فجر میں ابھی تھوڑا سا وقت تھا۔ اس لئے وہ نوافل پڑھنے کے بعد علیزے کے روم میں چلا آیا۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ مومن کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ اس کے قریب چلا آیا۔ کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور ذرا سا جھک کر اس پر اپنے لب رکھ دیئے۔ مومن کا ایک آنسو علیزے کی آنکھ پر گرا جس سے اس کی آنکھوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ وہ اسی پر جھکا ہوا تھا۔

"مومن۔" وہ بہت آہستہ سے بولی۔

""ہاں میری جان.....۔"

"ہمارا بے بی ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں.. وہ بھی ٹھیک ہے، تم بھی ٹھیک ہوں اور میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔ علیزے نے

آنکھیں بند کر کے دل میں اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ م

"مجھے بہت پین ہو رہا تھا۔"

"مجھے بھی۔"

"میں بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔"

"میں بھی ڈر گیا تھا۔"

"مجھے لگا میں اپنے بچے کو کھو دوں گی۔"

"مجھے لگا میں تم دونوں کو کھو دوں گا۔"

"میں آئندہ ضد نہیں کروں گی۔ مجھے آج احساس ہو گیا ہے کہ اس بچے میں میری جان بستی ہے۔ اب اس کے لیے ہی سہی، میں اپنا بہت خیال رکھوں گی۔" مومن نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور میں تم دونوں کا خیال رکھوں گا۔ کاموں کا کیاہ۔ وہ تو ہوتے ہی رہیں گے۔"مومن نے کہا تو وہ مسکرا دی۔ پھر مومن کا ماتھے پر رکھا ہاتھ پکڑ کر اپنے لبوں سے لگا یا۔

"آپ کو پتا میرا کیا دل کرتا؟"مومن کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتی وہ بولی۔

"کیا؟"

"یہ کہ..... میرے بے بی کے ہاتھ بالکل آپ جیسے ہوں۔ آپ کے ہاتھ بہت پیارے ہیں۔"اس کی بات پر مومن دھیرے سے ہنس دیا۔

"اور خوبصورت اپنی ماں کی طرح کا ہو۔"اس نے مسکرا کر مومن کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرا دیا۔ اللہ نے اسے اس کی بیوی دوبارہ واپس کی

تھی۔ وہ جتنا شکر ادا کرتا، کم تھا۔ وہ اپنی فیملی کے ساتھ تھا۔ پر سکون اور عاجز۔

"اب تم آرام کرو۔ میں تمہارے پاس ہی ہوں۔" مومن نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا تو اس نے مظبوطی سے ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں ایسے ہی سوؤں گی۔" ہاتھ کو سینے پر رکھے اس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ اور اس کے پاس نیم دراز ہو گیا۔ اس کی دنیا یہیں پر مکمل ہوتی تھی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOO

اگلی صبح علیزے کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ مومن نے احتیاطاً منہاج کا روم اس سے لے لیا تھا۔ کیونکہ اس کا اپنا روم اوپر تھا اور شادی کے دنوں میں بار بار اوپر نیچے کا رسک وہ اب نہیں لے سکتا تھا۔ سو منہاج نے ان دونوں کو اپنا کمرہ دے دیا تھا۔ ابھی وہ خود امریکہ میں تھا۔

ادھر پاکستان جانے والے تین دن ناردن ایریاز میں گھومتے رہے تھے۔ وہ اتنے کم وقت میں زیادہ جگہوں پر تو نہیں جا سکے لیکن چند مشہور جگہوں پر وہ ضرور گئے تھے۔ بختاور اور یمان اسلام آباد میں ہی رکے ہوئے تھے۔ اسے بختاور کو تنہا نہیں چھوڑنا تھا۔ عریش نے کہا تھا کہ وہ رک جائے گی لیکن یمان نے اسے تسلی دے کر رخصت کر دیا۔ تین دن واپس آنے کے بعد انہوں نے ایک دن ریسٹ کی اور مزید چند دن پاکستان میں گزار کر وہ واپس کوریا چلے گئے تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

(ایک ہفتے بعد)

آج فرقان ہاؤس میں مہندی کا فنکشن تھا۔ گھر کو باہر سے لائٹنگ سے سجایا گیا تھا۔ اور اندر سے گیندے کے پھولوں سے۔ باہر کا کوئی بھی

مدعو نہیں تھا۔ بس گھر کے ہی افراد تھے۔ علیزے اور فرح نے مہندی رنگ کی شلوار قمیض زیب تن کر رکھی تھی۔ سروں پر حجاب تھا اور ساتھ میچنگ دوپٹے ایک سائڈ پر کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔ دولہوں کے علاوہ سب بھائیوں نے وائٹ شلوار قمیض اور گلے میں پہلے دوبیٹے ڈالے ہوئے تھے۔ پاکستانی ڈریسنگ فرح کی ہدایات پر کی گئی تھی۔ لیکن ایک بات ضرور تھی وہ جچ خوب رہے تھے۔ وہ تینوں بہن بھائی ماریہ کے روم میں تھے۔ ماریہ نے پیلے رنگ کا شرارہ پہنا ہوا تھا۔ کھلے بالوں کے اوپر دوپٹا سیٹ کیا ہوا تھا۔ گیندے کے پھولوں کے زیور میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہلکا پھلکا میک اپ اسے مزید نکھار رہا تھا۔ یمان اور حماد نے کالے رنگ کا کرتا پاجامہ پہنا ہوا تھا اور گلے میں لال اور ہرے رنگ کا دوپٹا تھا۔ ماریہ شیشے کے

سامنے کھڑی اپنے سراپے کو دیکھ رہی تھی جب حماد آکر اس کے برابر میں کھڑا ہو گیا۔

"ویسے آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" حماد کے تبصرے پر اس نے مسکرا کر آئینے میں اس کا عکس دیکھا۔ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمکے۔

"ارے رو کیوں رہی ہو۔" وہ ایک دم گھبرا گیا۔ یمان جو موبائل پر کسی کو میسج کر رہا تھا حماد کی آواز پر سر اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا اور پھر جلدی سے ان دونوں کے پاس چلا آیا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ رو کیوں رہی ہو؟" آنسو اس کے چہرے پر پھسلنے لگے۔

"اگر تم اس لیے رو رہی ہو کہ تمہارا آج اس گھر میں آخری دن ہے تو تم غلط ہو.... کیونکہ تمہاری رخصتی پرسوں ہیں۔" حماد نے اس کا موڈ

ٹھیک کرنے کے لیے مصنوعی سا ہنس کر کہا۔اس نے بھیگی پلکوں سے آئینے میں حماد کو دیکھا اور ایک دم مڑ کر زور سے اس کے گلے آ لگی۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔یہ وہ لمحہ تھا جب حماد کا صبر بھی ختم ہو گیا تھا۔وہ بھی ماریہ کو زور سے بھینچے رونے لگا۔ساتھ کھڑے یمان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہتے چلے گئے۔

"تم بھی پیارے لگ رہے ہو۔" وہ ایسے ہی ساتھ لگے بولی تو وہ ہنس دیا۔لمحے گزر رہے تھے۔صرف ایک دن رہ گیا تھا اس کا اس گھر میں اور دل ابھی سے اداس ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں ایک ساتھ باہر آئے تھے۔سب کی نظریں ان تینوں کی طرف اٹھیں اور مسکرا دیں۔ماریہ درمیان میں تھی۔یمان اور حماد اس کے دائیں بائیں اس کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھ رہے تھے۔

سب کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھر گئیں تھیں۔ایک انسان وہاں پر ایسا تھا جو چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ایک طرف کو کھڑا تھا۔

وہ تینوں چلتے ہوئے ایک صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔اب تیل لگانے کی باری تھی، سو سب باری باری لگا رہے تھے۔فرح نے سب کو سمجھا دیا تھا پاکستان میں کیا کیا رسمیں ہوتی ہیں اور کیسے ہوتی ہیں۔پہلے وہ سب خوب ہنسے تھے لیکن پھر ان رسومات کے لیے رضامند بھی ہو ہی گئے تھے۔

مومن علیزے کا ہاتھ پکڑ کر ان تینوں تک لایا تھا اور تیل لگانے کے بعد پھر واپس بٹھا دیا تھا۔

"ویسے بھابھی آپ کے ملک کی رسمیں کتنی خوبصورت ہیں۔یہ فنکشن مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"جب فرح ماریہ کو تیل لگانے کے لیے آئی تو اس نے سرگوشی میں کہا۔لیکن اس سرگوشی کو سب نے

سنا تھا۔ رسم کے بعد سب بھائیوں نے ہلکا پھلکا رقص بھی کیا تھا۔ وہ تینوں لڑکیاں بیٹھ کر انجوائے کر رہیں تھیں۔ پھر ہاشم نے آگے بڑھ کر ماریہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لے آیا۔ اب وہ درمیان میں تھی اور سارے بھائی اس کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ وہ ہنس رہی تھی اور ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں دیئے رو دی اور وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔

ہاشم اس کے قریب آیا۔

"اگر تم اس طرح روؤ گی تو میں بھی رو دوں گا۔" اس نے بھیگا چہرہ اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

"یہ لڑکیاں شادی کر کے دوسرے گھر کیوں جاتی ہیں؟ لڑکے کیوں رخصت ہو کر نہیں آتے؟" وہ بولی تو آواز زکام زدہ سی تھی۔ ہاشم مسکرا دیا۔

"اگر لڑکوں کو رخصت ہو کر جانا ہوتا تو اب تک تمہارے سارے بھائی اپنے اپنے سسرال بیٹھے ہوتے۔" ہاشم نے کہا تو ہال میں دبی دبی سی ہنسی گونجی۔ تبھی ایک طرف سے چیون سا ہاتھ میں ایک فوٹو فریم اٹھا لائیں۔ یاور نے ابرو اٹھا کر چیون سا کو دیکھا۔

"ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھیں۔ آپ میڈم اور سر سے ان کا یہ حق نہیں چھین سکتے۔" انہوں نے وہ فوٹو فریم صوفے پر لا کر رکھ دیا۔ جس میں گل رعنا اور فرقان احمد ایک ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ سب ایک ساتھ کھڑے ہو کر اس تصویر کو دیکھنے لگے۔

"ہماری ہر خوشی ہمارے ماں باپ کے بغیر ادھوری ہے۔ ہر بیٹی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی دعاؤں میں رخصت ہوں۔ میرے ماں باپ بھلے میرے ساتھ نا ہوں لیکن.... میں جانتی

ہوں وہ جہاں بھی ہوں گے ان کی دعائیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔"

ہر طرف خاموشی تھی۔ وہاں بس ماریہ کی آواز گونج رہی تھی۔

زندگیاں گزر جاتی ہیں لیکن جو بچھڑ جاتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں آتے۔ جنہیں موت جدا کر کے لے جاتی ہے ہم ان کی یاد میں زندگی بھر تڑپتے رہتے ہیں۔ ان کے جانے کی وجہ سے ہمارے دل کا ایک حصہ خالی ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی ہم جیتے ہیں۔ ہمیں جینا ہی ہوتا ہے۔ فرقان ہاؤس نے آج ایک اور خوشی اس گھر کے مالکوں کے بغیر منائی تھی۔ رات دھیرے دھیرے ختم ہو رہی تھی۔ بہت جلد ایک نئی صبح روشن ہونے جا رہی تھی۔

ooooooooooooooooo

آج ایک نئی صبح کا آغاز ہوا تھا۔ یہ صبح اپنے ساتھ بہت ساری خوشیاں لانے جا رہی تھی۔ آج کے فنکشن میں جنگکوک کی فیملی بھی انوائٹڈ

تھی۔ حماد اور یمان، حماد کے روم میں ریڈی ہو رہے تھے۔ ان دونوں کے تھری پیس کا رنگ نیوی بلو تھا۔ باقی سب کے ڈریس ایک جیسے تھے۔ بلیک کلر کے ڈنر سوٹ۔

علیزے نے میرون اور اسکن کلر کا میچنگ پہنا ہوا تھا۔ میک اپ بھی لائٹ سا تھا۔ ہاتھوں میں سرخ پھولوں کے گجرے اور پیروں میں میرون فلیٹ پہنے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مومن کسی سے فون پر بات کرتا ہوا اندر آیا تو علیزے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھہر سا گیا۔

مومن کو دیکھ کر اس نے لب دانتوں تلے دبائے۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" وہ سہج سہج کر چلتی مومن کے پاس آئی۔

“You look so beautiful.”

وہ کسی طلسم کے زیر اثر بولا۔

"بہت شکریہ۔"اس نے سر کے خم سے داد وصول کی۔"اگر ایسے ہی دیکھتے رہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں نظر ہی نا لگا دیں۔"وہ ایک ادا سے بولی۔مومن حیران ہوتے اس کے قریب آیا۔

"تمہیں میں اب کسی کی نظر نہیں لگنے دوں گا۔اپنی بھی نہیں۔" مومن نے کہا تو علیزے نے ناک سکوڑ کر اسے کو دیکھا۔

"چلو ایک سیلفی لیتے ہیں۔"مومن نے موبائل نکالا تو وہ جھینپ گئی۔پھر ایک خوبصورت سا پوز بنایا۔

OOOOOOOOOOOOO

یاور کے روم میں وہ دونوں آئینے کے سامنے کھڑے تھے۔۔فرح اپنی فائنل لک دیکھ رہی تھی اور یاور...وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پہلی دفعہ دیکھ رہے ہیں؟" وہ اس کے مسلسل دیکھنے پر نروس ہو گئی تھی۔ گلابی رنگ کے گاؤن میں لائٹ میک اپ کے ساتھ گلابی پھولوں کے گجرے ہاتھوں میں پہنے وہ نازک سی پری لگ رہی تھی۔

"سچ بتاؤں تو.... اس طرح پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔" اس نے غیر محسوس انداز میں فرح کا ہاتھ پکڑا۔ "جب دل میں آپ کے چھن جانے کا خوف نہیں ہے۔ آپ صرف میری ہیں۔ اس حق سے آپ کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں ہمیشہ کی طرح۔ سادہ اور معصوم۔" یاور کے لفظوں نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔

"چہرہ چھپا لیجئے گا۔ نظر بڑی پکی ہوتی ہے۔" وہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا اور وہ وہیں کھڑی رہی۔ پھر بلش کرتے ہوئے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

جہاں وہ سب آج کے دن پر خوش تھے وہیں منہاج اپنے روم میں سوگوار سا کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ تیار ہو چکا تھا، اپنی محبت کسی اور کو دینے کے لیے، اپنا دل مار دینے کے لیے، ڈھیر سارا صبر کرنے کے لیے۔

وہ جو مطلوب تھا کسی اور کو عطا ہوا
ہماری دعائیں کسی اور کا بخت سنوار گئیں

ایک آنسو ٹوٹ کر اس کے ہاتھ پر آ گرا۔ لیکن وہ باہر ہی دیکھتا رہا۔

آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

"صاحب مہمان آ گئے ہیں اور میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھا دیا ہے۔" چیون سا ہاشم کے روم میں آتے ہوئے بولیں۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے... میں آ رہا ہوں کچھ دیر تک۔" ہاشم نے کہا تو وہ سر ہلاتی واپس چلی آئیں۔ جنگکوک نے وائٹ بٹنوں والی شرٹ کے اوپر سیاہ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ بال جیل سے پیچھے کو کئے ہوئے تھے۔ سارہ بیگم نے تیز بلو کلر کی میکسی پہنی ہوئی تھی جو کندھوں سے ذرا نیچے ڈھلکی ہوئی تھی۔ وہ تمکنت سے صوفے پر پیچھے ٹیک لگائے بیٹھیں ہوئیں تھیں۔ سیمون آفندی نے میرون رنگ کا ڈنر سوٹ پہنا ہوا تھا

وہ فون پر مصروف تھے۔ دفعتاً جنگکوک کے موبائل پر گھنٹی بجی تو وہ ایکسکیوز کرتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا آیا۔

فون بند کر کے وہ واپس ڈرائنگ روم میں جانے لگا جب اس کی نظر سامنے ہال میں لگے بڑے سے فوٹو فریم پر پڑی۔ وہ وہیں رک گیا۔

ماریہ اپنے روم سے نکل رہی تھی تو سامنے جنگکوک کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔ اسے جنگکوک کا دایاں رخ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر ایک مسکراہٹ آ کر معدوم ہوئی۔ پھر اس سے نظریں ہٹا کر دیوار پر ٹنگی تصویر کو دیکھا تو افسردہ ہو گئی۔ آہستہ سے چلتی ہوئی وہ جنگکوک کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ مما بابا ہیں۔" وہ بہت دھیرے سے بولی۔

"پھوپھو.....۔" ایک لفظ جنگکوک کے منہ سے ادا ہوا اور وہ بری طرح حیران ہوئی۔

ءآپ جانتے ہیں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کون نہیں جانتا۔" وہ مڑے بغیر بولا۔ "سب جانتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے چھپا رکھا ہے۔" کہتے ہوئے وہ مڑا اور پلک جھپکنا بھول گیا۔ وہ وائٹ کلر کی باربی فراک میں، ہونٹوں پر لائٹ ریڈ لپ اسٹک لگائے، ہلکے پھلکے میک میں گڑیا لگ رہی تھی۔ ہاتھوں میں موتیے کے گجرے پہنے ہوئے تھے۔ سر کو تو حجاب سے کور کیا ہوا تھا لیکن چہرہ چھپانا وہ بھول گئی تھی۔ جنگکوک کے یوں دیکھنے پر وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"سوری... میں بھائی کے روم میں جا رہی تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ آپ باہر ہوں گے۔"

"اٹس اوکے.... ویسے.... غلطی میری ہے۔ مجھے یوں یہاں آ کر کھڑے نہیں ہونا چاہیے تھا۔" وہ خفیف سا بولا۔

"کوئی بات نہیں.... آپ کی پھوپھو کا گھر ہے۔ آپ کہیں بھی گھوم سکتے ہیں۔"

"بات تو ویسے آپ کی ٹھیک ہے..... مجھے روکے گا بھی کون؟"

جنگکوک کی بات پر وہ زیر لب مسکرائی۔ پھر ذرا سا رخ موڑ کر جنگکوک کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ تھا۔ جو الفاظ زبان سے ادا نہیں ہوئے تھے، وہ آنکھیں بتا رہیں تھیں۔ ان آنکھوں میں ماریہ کو اپنے لیے ستائش نظر آئی۔ ایک دلکش سا احساس دل میں جاگا۔ پھر وہ رکی نہیں، واپس اپنے روم میں چلی گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ باہر کیا کرنے آئی تھی۔ وہ بھی مسکرا کر سر جھٹکتا واپس ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ بس ایک دن اور پھر....... وہ ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOO

ڈے فنکشن تھا۔اس لئے وہ بارہ بجے تک نکل چکے تھے۔اور آدھے گھنٹے میں وہ ہال میں موجود تھے۔ویڈنگ تھیم وائٹ تھا۔بارات کے استقبال کے لئے سب لوگ دروازے پر موجود تھے۔سب اپنی اپنی گاڑی پر آئے تھے۔کتنی گاڑیاں وہاں آکر رکیں تھیں۔یمان سب سے پہلے باہر نکلا تھا۔دور اوپر برائیڈل روم میں کھڑکی کے پاس کھڑی ایک دلہن کے دل نے ایک دھڑکن مس کی تھی۔پھر حماد باہر نکلا۔ دوسری دلہن کی تو دھڑکنیں تیز ہو گئیں تھیں۔ان کے شہزادے آگئے تھے اُنہیں لینے۔

بارات جب ہال میں اینٹر ہو گئی تو وہ دونوں بھی کھڑکی سے ہٹ گئیں۔عریش نے ریڈ گلاب کلر کا لہنگا پہنا ہوا تھا جو میرون شید بھی دے رہا تھا۔اس کے اندر کہیں کہیں وائٹ چھوٹے چھوٹے پھول

بھی بنے ہوئے تھے۔ بختاور کا لہنگا کہیں کھلا ہوا گلاب تھا اور کہیں سے گاڑھے رنگ کا شیڈ۔ جس کی نظر ان پر پڑتی ماشاءاللہ ہی بولتا۔

کچھ دیر میں مولوی صاحب نکاح پڑھانے کے لیے آ گئے تھے۔ نفیسہ بیگم ایک سائیڈ پر کھڑی روتی رہیں۔ وجاہت صاحب مولوی صاحب کو لیے اپنی بیٹیوں کے پاس چلے آئے۔ پہلے وہ بختاور کے پاس آئے تھے۔

"بختاور ولد وجاہت کیا آپ کو یمان ولد فرقان احمد کے ساتھ سکہ رائج الوقت حق مہر پچاس لاکھ یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔" آواز بالکل دھیمی تھی۔

"بختاور ولد وجاہت کیا آپ کو یمان ولد فرقان احمد کے ساتھ سکہ رائج الوقت حق مہر پچاس لاکھ یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔"

"بختاور ولد وجاہت کیا آپ کو یمان ولد فرقان احمد کے ساتھ سکہ

رائج الوقت حق مہر پچاس لاکھ یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔"

آخری قبول تک دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہو گئیں تھیں۔اس کی

آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمکنے لگے۔ مولوی صاحب اب

عریش کے پاس آئے تھے۔

"عریش ولد وجاہت کیا آپ کو حماد ولد فرقان احمد کے ساتھ سکہ

رائج الوقت حق مہر پچاس لاکھ یہ نکاح قبول ہے؟"

"ق... قبول ہے۔"اس کی آواز کپکپا تھی۔

"عریش ولد وجاہت کیا آپ کو حماد ولد فرقان احمد کے ساتھ سکہ

رائج الوقت حق مہر پچاس لاکھ یہ نکاح قبول ہے؟"

"جی قبول ہے۔"

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔" نکاح ہو گیا تھا۔ وجاہت صاحب نے اپنی بیٹیوں کو اپنے ساتھ لگایا لیکن رونے نہیں دیا۔ ابھی انہیں باہر جانا تھا۔ اب لڑکوں کا نکاح ہونا تھا۔ اپنی بیٹیوں کے ماتھے پر پیار کر کے وہ باہر چلے آئے لیکن جو دل پر بیت رہی تھی وہ کون جانے۔ وجاہت صاحب کے بعد نفیسہ بیگم ان دونوں کے پاس چلی آئیں تھیں لیکن روئیں نہیں۔ ان کے شوہر نے انہیں منع کیا تھا۔ بیٹیوں کے سامنے کمزور نہیں پڑنا۔

مولوی صاحب نے پہلے یمان کا نکاح پڑھایا اور پھر حماد کا۔ نکاح کے بعد مبارکباد کے سلسلے شروع ہو چکے تھے۔ منہاج انہیں مبارک

دے کر سٹیج سے نیچے اتر آیا تھا۔ جنگلوک حماد کے گلے لگ کر اسے مبارک دے رہا تھا۔

"فکر نہیں کریں جیجہ جی.... اب پورا ایک دن بھی نہیں بچا آپ کے پاس۔" حماد نے ایک آنکھ دبا کر کہا تو وہ زیر لب مسکرا دیا۔

"میرے لیے یہ تھوڑا سا وقت بھی فی الحال صدیوں سے کم نہیں ہے۔" وہ شانے اچکاتا ایمان کی طرف چلا گیا۔ ماریہ ان دونوں کو مبارک دینے کے بعد برائیڈل روم میں چلی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں دلہنوں کو باہر لانا تھا۔

OOOOOOOOOOOOO

دلہنوں کو باہر لایا جا رہا تھا۔ ایک کے چہرے پر ریڈ کلر کا جالی دار دوپٹا تھا اور دوسری نے گھونگھٹ گرایا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اپنی اپنی دلہنوں کو دیکھ کر وہ دونوں ساکت ہو گئے تھے۔ کہیں

دور کھڑے منہاج نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا اور سانس لینے کی کوشش کی۔ پاس رکھی کرسی کو تھام لیا۔ مزید کچھ منٹ وہ وہاں پر رک سکا تھا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا گیا۔

یہی بہت ہے کہ دل اس کو ڈھونڈ لایا ہے
کسی کے ساتھ سہی، وہ نظر تو آیا ہے

کہاں آ کے رکنے تھے راستے، کہاں موڑ تھا، اسے بھول جا وہ جو مل گیا
اسے یاد رکھ، جو نہیں ملا، اسے بھول جا

وہ ترے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر برس گئیں
دل بے خبر میری بات سن، اسے بھول جا، اسے بھول جا

میں تو گم تھا، تیرے ہی دھیان میں، تیری آس میں تیرے گمان میں
صبا کہہ گئی میرے کان میں، میرے ساتھ آ اسے بھول جا

کسی آنکھ میں نہیں اشک غم، ترے بعد کچھ بھی نہیں کم
تجھے زندگی نے بھلا دیا، تو بھی مسکرا، اسے بھول جا

صبح جو بادل آسمان پر چھائے ہوئے تھے وہ اب ہلکی ہلکی بوندا باندی میں بدل گئے تھے۔ اس سوگوار موسم میں وہ سڑک کنارے پیدل چل رہا تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ مسلسل ہوتی بارش کی وجہ سے اس کے کپڑے بھی بھیگ چکے تھے۔ آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔ اور وہ خاموشی سے گنگناتا ہوا آگے ہی جا رہا تھا۔ دفعتاً اس کا موبائل بجا۔ تب وہ چونکا۔ اس نے ارد گرد دیکھا۔ وہ کہیں بہت

دور نکل آیا تھا۔ جب وہ ہال سے نکلا تھا تو گاڑی میں آیا تھا۔ اور اب گاڑی بھی کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔ اس نے فون نکال کر سامنے کیا تو فون پر ننھے ننھے قطرے آ گرے۔ اس نے ہاتھ سے اسکرین کو صاف کیا اور فون کان کے ساتھ لگایا۔

"تم کہاں ہو منہاج؟ ہم واپس جا رہے ہیں لیکن تم یہاں نہیں ہو۔ کہاں ہو؟" دوسری طرف ہاشم کی پریشان آواز ابھری۔ تو اس کی یاد رخصتی ٹائم آئی تھی۔ اس سے پہلے کسی نے وہاں اس کی کمی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ منہاج نے سوچا اور زخمی سا مسکرا دیا۔

"آپ تو جانتے ہیں بھائی.... میں شادی میں صرف ماریہ کی وجہ سے شریک ہوا تھا۔"

"لیکن منہاج ابھی تو رک جاتے۔"

"رکتا تو مر جاتا...... جینا تھا..... چلا آیا۔" ہاشم خاموش رہا۔ فون کے اس پار منہاج نہیں جانتا تھا کہ اس پار ہاشم کے دل پر کسی نے آرہ چلایا تھا۔

"میں گھر جا رہا ہوں۔ کہہ دیجئے گا کہ آپ کو بتا کر آیا تھا۔ اور بہانہ کوئی بھی بنا لیجیئے گا۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

دوسری طرف ہاشم نے دکھ سے بلیک اسکرین کو دیکھا ۔اس کا بھائی اسی تکلیف سے گزر رہا تھا جس سے وہ کئی سال پہلے گزر چکا تھا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

دوسری طرف وہ تھا جو چلتا ہی جا رہا تھا۔ پھر اچانک وہ ایک جگہ رک گیا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا دی۔ بارش کے قطرے اب اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے۔ آنسو اور قطرے آپس میں مکس ہو گئے تھے۔

"تو تو ایسے راضی تھا....۔" وہ اللہ سے مخاطب ہوا۔ "اگر تیری رضا یہی ہے تو.... مجھے بھی اپنی رضا میں راضی کر دے۔ نا تڑپے میرا دل اس کے لیے... وہ دونوں..... کبھی نا جان پائیں... میرے دل میں جو خاموش محبت اس کے لیے جاگی ہے.... اسی خاموشی سے ختم ہو جائے۔" وہ چہرہ جھکا کر گیلی زمین کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد اس نے قدم واپس موڑ لیے۔

کسی آنکھ میں نہیں اشک غم، ترے بعد کچھ بھی نہیں کم
تجھے زندگی نے بھلا دیا، تو بھی مسکرا، اسے بھول جا

گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ اسے زن سے اڑا لے گیا۔ پیچھے باقی سب کچھ ویسا ہی تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

واپس آنے کے بعد سب اپنے اپنے روم میں جا چکے تھے۔ وہ بھی ابھی فریش ہو کر باہر آئی تھی۔ یہ اس کی اس گھر میں آخری رات تھی۔ شاور لینے کے ساتھ ہی اس نے وضو بھی کر لیا تھا۔ جو نمازیں دن بھر میں چھوٹ گئیں تھیں انہیں قضا بھی کرنا تھا۔ تھکن اتنی تھی کہ ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ لیکن جب اتنی تھکن کے باوجود سارے کام ہو سکتے ہیں تو نماز کیوں نہیں پڑھی جا سکتی۔ سو وہ مصلہ بچھائے کھڑی ہو گئی۔ اس سے پہلے وہ نیت باندھتی، دروازے پر دستک کے ساتھ کوئی اندر آیا۔ وہ رک گئی۔ دروازے پر چیون سا تھیں۔

"امید کرتی ہوں میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا ہو گا۔" وہ چند قدم آگے آئیں۔

"ارے نہیں... ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے؟" چیون سا اسے پریشان لگیں تھیں۔

"مجھے آپ کو بہت ضروری بات بتانی ہے۔" ماریہ نے حیرانی سے چیون سا کو دیکھا۔

"ہاں کہیں میں سن رہی ہوں۔" کھڑے ہونے کی ہمت نہیں تھیں، سو وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ چیون سا بھی ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

"مجھے کہنا تھا کہ... آج کے بعد اگر کوئی... دوبارہ آپ کے پاس آئے.... اور کوئی خط دے.... تو پلیز مت لیجیے گا۔" ماریہ نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔

"کیوں... ایسا کیا تھا اس خط میں... کیا کوئی آپ کو تنگ کر رہا ہے؟" ماتھے پر بل ڈالے وہ ایک ہی سانس میں پوچھے گئی۔ چیون سا چند لمحے خاموشی سے ماریہ کو دیکھتی رہیں۔ اور پھر بولی تو........

"ہایون۔" اس نام پر اس کے ماتھے کے بل سیدھے ہوئے۔

"اس کا یہاں کیا ذکر؟"

○○○○○○○○○○○○○○○○

سرخ گلاب کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔روم کو مکمل ریڈ سے سجایا گیا تھا۔پھول،بیڈ شیٹ، صوفے اور کشنز کے کور،ہر چیز سرخ تھی۔اور سرخ سجے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی دلہن کا چہرہ بھی سرخ تھا۔

اس کا شوہر اس کے بے حد قریب بیٹھا محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔

"تم بہت پیاری ہو۔"

"جانتی ہوں۔" وہ ایک ادا سے مسکرائی۔

"جب میں نے تمہیں اس دن دیکھا تو مجھے لگا.... ساری دنیا تھم گئی ہے۔بس تم ہو... میں ہوں اور یہ ٹھہرے ہوئے لمحے۔" حماد نے عریش کے ہاتھوں میں چوڑیوں کو چھوا تو سارے روم میں ان کی

کھنک گونج گئی۔ وہ بس خاموشی سے سر جھکائے اس کے ہاتھ کو دیکھتی

رہی جو اس کی چوڑیوں پر چل رہا تھا۔

"تم کچھ کہو گی نہیں؟" اس نے رک کر عریش کو دیکھا۔

"کہوں گی نا..... بلکہ پوچھوں گی۔"

"تو پوچھو نا۔"

"آپ نے مجھے "آپ" کہنا کیوں چھوڑا؟" اس کے پوچھنے پر حماد

ہولے سے ہنس دیا۔

"اچھا... میں نے تو دھیان ہی نہیں دیا۔" وہ ایک دم انجان بنتے

ہوئے بولا۔

"ہاں... سارا دھیان مجھے دیکھنے پر جو تھا۔" وہ ایسے بولتے ہوئے حماد

کے دل کے تار چھیڑ رہی تھی۔

"تمہیں دیکھنے کے سارے حق حاصل کر چکا ہوں میں۔ سو.... اب تمہیں دیکھنے سے مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔" حماد نے کہتے ہوئے اپنا چہرہ مزید اس کے چہرے کے نزدیک کیا۔

"میرا گفٹ کہاں ہے؟" وہ گھبرائے بغیر بولی۔ یا حماد کے سامنے ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"اووووہ.... وہ تو میں بھول گیا۔" وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

عریش نے ماتھے پر بل ڈالے۔

ء کوئی رونمائی کا گفٹ کیسے بھول سکتا ہے۔"

"بھولتا تو کوئی نہیں ہے.... لیکن میں بھول گیا۔" کہتے ہوئے حماد نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کیا۔

"ویسے..... تمہیں اتنا بڑا تحفہ ملا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟" وہ مزید قریب ہوا۔

"نہیں بالکل بھی نہیں... یہ ناکافی ہے۔" وہ خفگی سے منہ پھیر گئی۔

ایسا حماد کو لگا تھا لیکن اصل میں وہ اسے اتنے قریب سے نہیں دیکھ پا رہی تھی۔ دل نے الگ شور مچایا ہوا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے... خود ڈھونڈ لو گفٹ۔ اگر ڈھونڈ لیا تو گفٹ تمہارا اور اگر نا ڈھونڈ سکو تو پھر کر لینا میرے ساتھ گزارا۔" وہ بڑے آرام سے کہہ کر پیچھے لیٹ گیا۔ عریش نے پھر سے خفگی سے اسے دیکھا۔

"کتنی بری لگوں گی میں خود سے گفٹ ڈھونڈتے ہوئے۔" اس نے حماد کے بازو پر چپت لگائی۔

"ٹھیک ہے مت ڈھونڈو۔ چلو ایک بات بتاؤ۔ اس کے بعد میں خود تمہیں گفٹ دوں گا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات؟"

"تمہاری بیسٹ فرینڈ.... ہونے والی مسز سعد... تمہاری شادی پر کیوں نہیں آئی؟" حماد نے دائیں ابرو اچکایا۔ عریش کی گردن میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"پتا نہیں.... اس بات پر میں اس سے خفا ہوں۔ لیکن پریشان بھی ہوں۔ اس نے کہا تھا وہ آئے گی لیکن....۔"

"لیکن وہ ہمیشہ کی طرح جھوٹی نکلی۔" اس کے ذکر پر وہ سرد ہو گیا تھا۔ عریش نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے حماد کو دیکھا۔ "ضرور اس کے ساتھ کوئی مسلہ ہوا ہو گا۔ تبھی وہ نہیں آئی۔ آپ مجھے اپنا فون دے سکتے ہیں؟"

"کس لیے؟"

"میں اسے کال کر کے پوچھنا چاہتی ہوں۔ وہ میرے اتنے اہم دن پر کیوں نہیں آئی۔"

"تم صبح کال کر لینا۔ کیونکہ میں اپنی گولڈن نائٹ کسی کی وجہ سے خراب نہیں کرنے والا۔" حماد نے ہاتھ اٹھا کر صاف منع کیا۔

"بس ایک کال....."

"صبح کر لینا نا۔ میں منع تو نہیں کر رہا نا۔" وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ جانتی تھی وہ نہیں مانے گا۔

"تمہاری منہ دکھائی رہ گئی تھی۔" کہتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ گیا۔

"ایسا کرو تم جاؤ اور چینج کر کے آؤ۔ وضو کر کے آنا۔ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد ہی میں تمہیں تمہارا گفٹ دوں گا۔" پہلے تو اس نے نا سمجھی سے حماد کو دیکھا۔ پھر سر ہلاتی اٹھ گئی۔ وہ بھی نماز نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ وہ تو شکر کر رہی تھی کہ شوہر اچھا مل گیا تھا۔

دونوں نے ایک ساتھ نماز ادا کی اور پھر دعا مانگ کر وہ اٹھ گئے۔

عریش واپس بیڈ پر آ بیٹھی جبکہ وہ الماری کی طرف گیا۔وہاں سے ایک بلاک نما ڈبہ نکالا اور واپس اس کے پاس آیا۔ڈبہ اس نے عریش کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟"اس نے وہ بلاک ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا جس کے اوپر سنہری کور تھا۔

"تمہارا گفٹ۔"اس نے مسکرا کر کہا اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"اتنا بڑا؟"

"اور انمول بھی....."

"پھر تو ابھی کھولنا پڑے گا۔"کہتے ساتھ ہی اس نے کور اتارنا شروع کیا۔کور اتار کر سائڈ پر رکھا۔ڈبے پر سنہری گلیٹر لگا ہوا تھا۔اس نے ڈبہ کھولا تو اندر موجود چیز کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔اس نے

چہرہ موڑ کر حماد کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر پر سکون مسکراہٹ تھی۔ اس نے چہرہ واپس موڑا اور اندر موجود کتاب کو باہر نکالا۔

وہ قرآن مجید تھا۔

جس کے ہاتھ میں آ جانے سے جیسے ڈھیروں سکون ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ جیسے ہدایت ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ جیسے صراط مستقیم مل جاتا ہے۔ جیسے اندھیرے چھٹنے لگتے ہیں۔ جیسے ہر مرض کی دوا مل جاتی ہے۔ جیسے دل کو آرام آ جاتا ہے۔

اس نے قرآن مجید نکال کر چوما اور پھر آنکھوں کے ساتھ لگایا۔

"کھولو اسے۔" حماد نے کہا تو وہ اسے کھولنے لگی۔ ایک روشنی سی سارے میں پھیل گئی تھی۔

"سورہ رحمن کھولنا۔"

حماد نے کہا تو اس نے نم آنکھوں سے مسکرا کر حماد کو دیکھا۔

"یہ گفٹ بہت پیارا ہے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ میں اس وقت کیا محسوس کر رہی ہوں۔"

"چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ مل کر سورہ رحمن کی تلاوت کرتے ہیں اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جس نے ہمیں ایک دوسرے سے نوازدیا۔" وہ مسکراتی سر ہلاتی بیڈ کے اوپر آکر بیٹھ گئی۔ قرآن مجید سامنے رکھ لیا۔

"سنو... تھوڑا اونچا پڑھنا۔ میں سنوں گا۔" حماد نے اس کی گود میں سر رکھتے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے مسکرا کر حماد کو دیکھا اور پھر تلاوت شروع کی۔

('اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔")

اس آیت پر حماد نے آنکھیں کھول کر عریش کے چہرے کو دیکھا۔وہ سچ میں کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

میرا عشق ہو

تیری ذات ہو

پھر حسن عشق

کی بات ہو

کبھی ہم ملیں

ملاقات ہو

کبھی تو ہو چپ

کبھی میں ہوں چپ

کبھی ہم دونوں کی بات ہو

کبھی میں تیرا

کبھی تو میرا

کبھی صعوبتیں، کبھی رنجشیں

کبھی دوریاں، کبھی قربتیں

کبھی الفتیں، کبھی جیت ہو

کبھی ہار ہو، کبھی یاد ہو

کبھی تیرا دیدار ہو

صرف میرا عشق ہو

تیری ذات ہو

کوئی ایسی بھی ملاقات ہو

کمرے کو سفید پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ پورے روم کا تھیم ہی سفید تھا۔ یمان بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا اور وہ یمان کے سینے پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ یمان کی نظم مکمل ہونے پر اس کے لب دھیرے سے مسکرائے۔

"واؤ.... آپ شاعر بھی ہیں؟" اس کے سوال پر یمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ضروری نہیں کہ ہر شعر کہنے والا بندہ شاعر ہی ہو۔ جب محبوب سامنے ہو تو الفاظ خود اپنا راستہ بناتے ہوئے شاعری میں ڈھل جاتے ہیں۔" بختاور نے ذرا سا سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آپ کو تو باتیں بھی بنانی آتی ہیں۔" وہ ہنس دیا۔

"اسے باتیں بنانا نہیں کہتے محترمہ..... سے ٹیلنٹ کہتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو باتوں سے جیتنے کا ٹیلنٹ۔"

"تو ابھی تک کتنے دلوں کو جیت چکے ہیں اس ٹیلنٹ سے؟" نظریں یمان کے چہرے پر جمی ہوئیں تھیں۔ "بہت ساروں کے۔" یمان نے آنکھ دباتے ہوئے کہا جبکہ بختاور نے آنکھیں چھوٹی کر کے یمان کو گھورا۔

"جیسے کہ.... آ ممم تمہارا۔" یمان نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"اور.....؟" بختاور نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

"اور بھی بہت سارے ہیں۔ لسٹ لمبی ہے اور میں اس لسٹ کے چکر میں اتنے خوبصورت لمحے ضائع نہیں کرنے والا۔" یمان نے اس کے گرد دونوں بازو حمائل کیے۔

"اچھا بتائیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

"ہمیشہ کی طرح سب سے الگ..... سب سے پیاری... اور سب سے بڑھ کر میری لگ رہی ہو۔"

"لگ..... لگ رہی ہوں کا کیا مطلب؟ آپ کی ہو گئی ہوں۔" اس نے یمان کے ماتھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔ وہ آنکھیں بند کر کے مسکرا دیا۔

"اچھا ذرا سائڈ پر ہو نا... تاکہ میں تمہیں تمہارا گفٹ دے سکوں۔"

یمان نے اسے کندھوں سے پکڑ کر سائیڈ پر کیا تو وہ سائڈ پر ہو کر بیٹھ

گئی۔ جیمین نے سائڈ دراز سے ایک نیلے رنگ کی ڈبیہ نکالی۔اور دراز واپس بند کر کے بختاور کی طرف دیکھا۔

"یہ تمہاری منہ دکھائی۔"ڈبی اس کی جانب بڑھائی۔

"کیا ہے اس میں؟"بختاور نے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"کھول کر دیکھو۔"یمان نے کہا تو اس نے کھول کر دیکھا۔اندر ایک بریسلٹ تھا۔جس پر سبز رنگ کا قیمتی اسٹون لگا ہوا تھا اور اس میں ایک چمک تھی۔وہ حیرانی سے اس گفٹ کو دیکھے گئی۔

"یہ بہت پیارا ہے۔"

"میری طرح۔"یمان نے شرارت سے کہا۔

"اب اتنا بھی پیارا نہیں ہے۔"یمان اس کے انداز پر دلچسپی سے ہنس دیا۔

"اچھا لاؤ، میں پہنا دیتا ہوں۔" یمان نے کہا تو اس نے فوراً اپنی نازک کلائی آگے کی۔ یمان نے اس کا بازو ہاتھ میں لے کر اسے کھینچ کر اپنے قریب کیا۔ یمان کی اس حرکت پر پہلے وہ سٹپٹائی اور پھر بلش کر گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بریسلٹ پہنانے لگا۔ جب سر اٹھا کر دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے میں پیارا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے اتنا گھور گھور کر دیکھو۔" یمان نے کہا تو وہ زور سے ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ اس کے انداز پر وہ بھی ہنس دیا۔

"سیلف آبسیسڈ مین۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ وہ ان چکا تھا تبھی شا نے اچکا دیئے۔ جیسے کہہ رہا ہو.....

"کوئی شک؟"

oooo/oooooooooooooooo

"وہ بدلہ لینے کے لیے واپس آگیا ہے۔"چیون سا کے چہرے پر فکر نمایاں تھی۔

"وہ ایسا نہیں ہے کہ وہ یوں بدلہ لینے آجائے۔"ماریہ کو برسوں پرانا ہا یون یاد تھا۔

"وہ جو "اچھا تھانا" وہ "ہا یون" تھا....جواب ہے ناوہ "جیو نگ ہون" ہے۔اور آپ کو اس سے احتیاط کرنی ہوگی۔"

"کیا وہ اتنا برا بن گیا ہے کہ مجھے خود کو اس سے بچانا پڑے؟"

"ہاں...وہ اتنا برا بن گیا ہے کہ اس سے اپنی حفاظت کی جائے۔"

ماریہ نے پرسوچ نظروں سے چیون سا کو دیکھا۔

"لیکن ہم دونوں تو دوست تھے نا بچپن میں۔"

"بچپن ختم ہو گیا ہے.....دوستی مر گئی ہے....اب صرف دشمنی ہے۔"

"کیا وہ مجھے بھی نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

"آپ کے ذریعے وہ یمان سر کو تکلیف دینا چاہتا ہے۔"اس ذکر پر کئی برس پرانا وہ واقعہ پھر ذہن کے پردے پر واضح ہوا تھا۔

"تو اس دن جس نے سامنے آ کر کہا تھا کہ وہ مجھے اغواہ کرنے آیا ہے۔ کیا وہ ہایون تھا؟"

"ہاں...وہ ہایون تھا۔"ماریہ کو دکھ ہوا تھا۔"اب اس نے اپنا نام بدل لیا ہے۔یہ دنیا کسی بایون کو نہیں جانتی۔دنیا اگر کسی کو جانتی ہے تو وہ جیونگ ہون ہے۔"ماریہ کی آنکھ میں ایک آنسو چمکا۔

"میں کبھی آپ کو شادی سے ایک رات پہلے آکر یہ سب نا بتاتی اگر بات آپ کی نا ہوتی تو۔ آپ اس گھر سے جا رہی ہیں تو مجھے لگا یہ بہت ضروری ہے۔ آپ اپنی حفاظت کر پائیں گی نا؟"

اس نے سوگواریت سے چیون سا کو دیکھا۔

"اللہ نے مجھے ایک محافظ دیا ہے... وہ میری حفاظت کرے گا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"آپ کا شوہر ہر وقت آپ کے ساتھ نہیں ہو گا۔"

"میں اپنی حفاظت خود کرنے کی کوشش کروں گی۔" چیون سا نے مسکرا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"خدا آپ کا مددگار ہو بیٹا۔" وہ دکھی سا مسکرا دی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اچانک کچھ یاد آنے پر اس نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ کچھ دیر بعد فون اٹھالیا گیا تھ۔

"ہاں... سویون۔ میں منہاج بات کر رہا ہوں۔ کیا تم سو گئیں تھیں؟"

"میں دس بجے سوتی ہوں۔ ابھی نو بج رہے ہیں۔"

"ہمم.... میں نے بتانا تھا کہ جس لڑکے کے لیے دادی جان نے کہا تھا میں نے اس کے بارے میں چھان بین کی ہے۔ وہ اچھا لڑکا ہے۔ دادی جان کو کہنا ہاں کر دیں۔

"آپ دادی جان سے خود بات کر لیں۔"

"آ... نہیں.... دراصل میں تھوڑا جلدی میں ہوں۔ بتایا تھا نا تمہیں۔ شادی وغیرہ کا۔"

"ہاں آپ کے گھر تو شادی ہے۔ صحیح ہے پھر۔ گڈ نائٹ۔"

"گڈ نائٹ۔" فون بند کر کے اس نے سائیڈ پر رکھ دیا۔ یہ پہلی بار تھا جب اس نے دادی جان سے بات نا کرنے کو بہانہ بنایا تھا۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ ماتھا سہلاتے ہوئے اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"اندر آجاؤں۔" دروازے کے اس پار ہاشم کی آواز ابھری۔

"آجائیں۔" کہتے ہوئے وہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ ہاشم دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔

"تم جاگ رہے ہو۔ مجھے لگا سو گئے ہو گے۔" وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"جس کی دنیا لٹ جائے اسے کیسے نیند آسکتی ہے۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"تمہیں فنکشن چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ سب پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا اس کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تو وہ گھر چلا گیا ہے۔"

ہاشم نے اس کی بات کو اگنور کر دیا۔

"ہاں سب آئے تھے کچھ دیر پہلے.... ان دونوں نکموں کو بھیج دیا میں نے... ان کی دلہنیں بیٹھیں انتظار کر رہیں تھیں اور وہ دونوں یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔" منہاج نے ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"اچھا.... ٹھیک ہے پھر... تم اپنا خیال رکھو اور زیادہ نہیں سوچنا۔ سو جانا۔" ہاشم نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس سونے ہی والا تھا۔"

"ہم گڈ... اوکے گڈ نائٹ۔" ہاشم اٹھ کر چلا گیا تھا لیکن منہاج کو آج کہاں نیند آنے والی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

صبح سب ناشتے پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ بس منہاج نہیں آیا تھا۔ مومن اور علیزے زیادہ تر روم میں کھانا کھاتے تھے۔ سو وہ دونوں ابھی بھی روم میں تھے۔

"منہاج بھائی نہیں آئے۔ وہ ناشتہ نہیں کریں گے؟" حماد نے ناشتے کی ٹیبل پر اس کی کمی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں بلا کر لاتی ہوں۔" ماریہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ روم میں آئی تو وہ سو رہا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں اندر داخل ہوئی تھی تو دیکھ نا سکی۔

"بھائی آپ ناشتہ......" منہاج کو سوتے دیکھ وہ وہیں رک گئی۔

وہ باہر جانے کے بجائے اندر چلی آئی۔ دھیرے سے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"بخار تو نہیں ہے۔"

"بھائی.....اٹھیں.....ناشتہ نہیں کریں گے ؟"اس نے منہاج کو کندھے سے پکڑ کر ذرا سا ہلایا۔اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔

"تم...سب نے کرلیا؟"اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں اور ان کے نیچے حلقے پڑے ہوئے تھے۔

"نہیں...سب آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔"

"میں بعد میں کرلوں گا۔ابھی مجھے بہت نیند آرہی ہے۔"

"لیکن بھائی....."

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے فلکشن پر فریش نظر آؤں تو ابھی مجھے سونے دو۔"منہاج نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے نرم سی تنبیہہ کی۔وہ خاموش ہوگئی اور سر ہلاتے باہر چلی گئی۔

"آئے نہیں بھائی؟"حماد نے اسے اکیلے آتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں نیند آرہی ہے۔ بعد میں کرلیں گے ناشتہ۔" سب کو حیرت ہوئی تھی بس ایک ہاشم تھا جو خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ وہ جانتا تھا منہاج بختاور کی موجودگی میں یہاں کبھی نہیں آئے گا۔

○○○○○○○○○○○○

آج بارات اور ولیمہ دونوں فنکشن ایک ساتھ رکھے گئے تھے۔ جس کا انتظام گھر کے لان میں کیا گیا تھا۔ آج بہت سارے مہمان آنے والے تھے۔ جوں جوں شام گزر رہی تھی توں توں لان مہمانوں سے بھرتا جارہا تھا۔ تینوں برائیڈز اپنے اپنے روم میں تیار ہورہیں تھیں۔ کچھ دیر میں بختاور اور عریش تیار ہو کر باہر چلی گئیں تھیں۔ لان میں الگ سے رونق لگی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اپنے اپنے دولہوں کے ہمراہ چلتی جارہیں تھیں۔ دونوں لڑکوں نے وائٹ بٹنوں والی شرٹ کے

اوپر میرون کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ جبکہ عریش کا ڈریس ہاف وائٹ تھا جس پر گولڈن کام ہوا تھا۔ وہ حجاب میں تھی اور ایک ریڈ بڑا سا دوپٹا ایک کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے برعکس بختاور نے لائٹ پنک کلر کی پیروں تک آتی فراک پہنی ہوئی تھی۔ سر پر دوپٹا سیٹ کیا ہوا تھا اور ایک کندھے پر پرپل بڑا سا دوپٹا رکھا ہوا تھا۔ کچھ دیر میں وہ دونوں سٹیج پر بیٹھی ہوئیں تھیں۔

پھر کچھ دیر تک ان کی فیملی بھی آگئی تھی۔ یمان اور حماد کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد گھر کے اندر چلے آئے تھے۔ ان سب کو ابھی اپنی بہن سے ملنے جانا تھا جو اپنے روم میں تیار ہو رہی تھی۔ وہ سب بھائی ایک ساتھ روم میں آئے تھے۔ سب کا ڈریس ایک جیسا تھا۔ وائٹ شرٹ کے ساتھ میرون کوٹ۔ وہ سب لائن میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ماریہ کی ان سب کی طرف پشت تھی۔ بیوٹیشن ابھی ابھی تیار

کر کے گئی تھی۔ وہ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے، دھڑکتے دل کے ساتھ مڑی۔ اور پھر چہرے سے ہاتھ ہٹا دیئے۔ سب بھائی اسے دیکھ کر دھنگ رہ گئے تھے۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ ان سب کے لب نیم مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھوں میں آئی نمی کو وہاں کوئی بھی نہیں روک پایا تھا۔ آج ان کی بہن رخصت ہو رہی تھی۔ وہ بہن جسے لاڈوں سے رکھا گیا تھا۔ وہ آنکھیں جن کا وہ نور تھی۔ آج وہ ساری آنکھیں آنسو سے تر تھیں۔

"اچھا اچھا اب رونا شروع نا کر دینا..... اتنی مشکل سے میک اپ کیا ہے۔ خراب ہو جائے گا۔" حماد اس کے قریب آیا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ پھر سب آہستہ آہستہ اس کے پاس چلے آئے۔

"تم بالکل چاند کا ٹکڑا الگ رہی ہو۔ بالکل پریوں جیسی خوبصورت.....۔"مومن نے اس کے ہاتھ کو پیار سے پکڑتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"آپ کی یہ پری آج اڑ کر دوسرے دیس جا رہی ہے بھائی۔"وہ مومن کے سینے سے لگتے ہوئے بولی۔

ماں، باپ، بھائی اور رشتے پرانے یاد آ گئے
وقت رخصت مجھے کھلونے یاد آ گئے

"تم کونسا بہت زیادہ دور جا رہی ہو؟ جب بھی ہماری یاد آئے گی۔ ہم ملنے آ جایا کریں گیں یا جنگلوک سے کہنا وہ تمہیں لے آیا کرے گا۔" یہ یمان نے کہا تھا۔

"وہ مجھے لے تو آئیں گے لیکن کیا میں پھر اس حق سے دوبارہ اس گھر میں آ پاؤں گی۔"

"کیوں نہیں.... جتنا یہ ہمارا گھر ہے اتنا ہی یہ تمہارا ہے۔ تم جب چاہو، آ سکتی ہو۔" منہاج نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

نہیں چاہیے حصہ بھیا، میرا میکہ سجائے رکھنا
کچھ نا دینا مجھے، صرف محبت برقرار رکھنا
پاپا کے اس گھر میں، میری یاد بسائے رکھنا
بچوں کے ذہنوں میں، میرا مان برقرار رکھنا
بیٹی ہوں ہمیشہ اس گھر کی، یہ اعزاز سجائے رکھنا

ناجانے کب ماریہ کی رات کو لکھی گئی یہ چند سطریں حماد کے ہاتھ لگ گئیں۔جب اس نے اسے پڑھنا شروع کیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔آخری لائن پر حماد کی آواز کانپ گئی تھی۔وہ بمشکل بول پایا تھا۔ماریہ نے آگے بڑھ کر حماد سے وہ صفحہ لے لیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"اسے ابھی نہیں پڑھنا تھا ڈفر...... میرے جانے کے بعد پڑھنا تھا۔" وہاں پر آج مذاق میں کہی گئی ہر بات بھی دل کو تیر کی طرح لگ رہی تھی۔

"یعنی تم جانے سے پہلے ہمارے لیے یہ خط چھوڑ کر جانے والی تھی تا کہ ہم پیچھے سے اسے پڑھتے اور پھر روتے رہتے تمہاری یاد میں۔"

"ہاں تو... ذرا سا رو لینے سے تمہارے آنسوؤں ضائع نہیں ہو جائیں گیں۔" ماریہ کی طرف سے جوابی کارروائی آئی تھی۔

"ہونہہ.....اتنا پاگل نہیں ہوں میں کہ تمہارے لیے اپنے قیمتی آنسو ضائع کروں۔" حماد نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تم دونوں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نا دینا۔" ہاشم نے حماد کے شانے پر چپت لگائی۔

"بارات آنے والی ہے.....میرے خیال سے آپ سب کو نیچے ہونا چاہیے اس وقت۔" فرح ہی بلانے آئی تھی۔اور کہہ کر چلی گئ۔

"لو آنے والا ہے....جو تمہیں ہم سے دور لے جائے گا۔" حماد کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔سب نے دیکھا تھا اس کی آنکھیں چھلکنے کو ہوئیں تھیں۔

"جنگلوک نہیں جانتا...وہ کیا لینے آرہا ہے.....وہ ہمارے باغ کا سب سے خوبصورت پھول لینے آرہا ہے۔" یاور نے آگے بڑھ کر ماریہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ایک اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے

کہا۔ پھر آہستہ آہستہ سب باہر چلے گئے۔ انہیں بارات کا استقبال کرنا تھا۔ وہ اکیلی پیچھے رہ گئی تھی۔ آج وہ ماریہ فرقان سے ماریہ جنگکوک بننے جا رہی تھی۔ ان سب کے جانے کے بعد اس نے ایک بار پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔ سرخ کھلتے گلاب جیسے رنگ کے لہنگے میں، دوپٹا سر پر سیٹ کیے اور گولڈن رنگ کی جیولری میں وہ آج قیامت لگ رہی تھی۔ باہر بارات آ۔گئی تھی۔ وہ کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ رات کے اندھیرے میں بھی لان میں دن کا سا سماں تھا۔ جہاں جنگکوک واضح نظر آرہا تھا۔ چمکتے بلیک تھری پیس میں، بالوں کو جیل سے پیچھے کیے وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہا تھا۔ بس کچھ پل.... کچھ پل میں وہ ہمیشہ کے لیے اس شخص کی ہونے جا رہی تھی جسے وہ ایک سال پہلے کسی اجنبی کی طرح ملی تھی۔

OOOOOOOOOOOOOOOOO

استقبال کے لئے وہ سب بھائی وہاں کھڑے تھے۔ سارہ بیگم نے وائٹ کلر کی پیروں تک آتی فراک پہنی ہوئی تھی جس پر سارا کام نیٹ کا ہوا تھا۔ لیکن کندھوں کو چھپانے میں ناکام ہو رہی تھی۔ بالوں کو سلیقے سے ایک طرف کیا ہوا تھا۔ گلے میں وائٹ اسٹون والا نیکلس تھا۔ سیمون آفندی نے بلیک تھری پیس پہنا ہوا تھا۔ جنگکوک اور سیمون آفندی دونوں ہی ڈیشنگ تھے۔ آج لیو اور چینگ من بھی آئے تھے۔ جنگکوک اسٹیج پر بیٹھا تو اس کے ایک طرف یمان اور دوسری طرف حماد تھے۔ ساتھ دو ایکسٹرا ونگ چیئرز رکھی گئیں تھیں۔ جن پر ایک میں سارہ آفندی اور دوسری پر لیو بیٹھا تھا۔ سیمون آفندی اپنے کسی جاننے والے کے پاس رک گئے تھے۔ کچھ دیر میں مولوی صاحب آ گئے تو یاور انہیں لیے ماریہ کے روم میں چلا آیا۔ ہاشم، فرح اور منہاج بھی اس کے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔ باہر

منہاج نے بختاور کو ایک نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھا تھا لیکن پھر بھی دل بے چین ہو رہا تھا سو وہ اندر چلا آیا۔

وہ روم میں بیڈ پر بیٹھی فرقان احمد اور گل رعنا کی تصویر دیکھنے میں مگن تھی۔ جب فرح نے اسے نکاح خواں کے آنے کا بتایا۔ اس نے چہرے پر گھونگھٹ گرا لیا۔ مولوی صاحب صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاشم ماریہ کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ ابھی نکاح شروع نہیں ہوا تھا جب دروازے سے یاور اندر آیا اور خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"مولوی صاحب شروع کیجئے۔" ہاشم نے کہا۔ کہتے ہوئے اس کے گلے میں آنسو کا پھندا اڑکا تھا۔

"ماریہ بنت فرقان احمد آپ کا نکاح جنگلوک ابن سیمون آفندی سے با عوض حق مہر ایک کروڑ سکہ رائج الوقت کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو یہ

نکاح قبول ہے؟"ہاشم کے ہاتھ پر ماریہ کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوئی۔ہاشم نے محسوس کر کے اس کے ہاتھ کو آہستہ سے سہلایا جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔

"قبول ہے۔"ایک آنسو ہاشم کے ہاتھ پر گرا تھا۔

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"جی قبول ہے۔"اس نے زکام زدہ سی سانس لی۔

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔"تیسری دفعہ کہا تھا اور پھر ہمیشہ کے لیے وہ کسی اور کی ہو گئی تھی۔

"اس پر سائن کرنے ہیں۔"نکاح خواں نے رجسٹر آگے کیا۔ہاشم نے ذرا سا اس کا گھونگھٹ اٹھایا تا کہ اسے نظر آجائے۔ہاشم نے بہت اچھے سے نوٹ کیا تھا۔ماریہ کے سائن کرتے ہاتھ کانپے تھے۔ہاشم

کی اپنی آنکھیں آنسو روکنے کے باعث سرخ ہو رہیں تھیں۔سائن کروا کر ہاشم نے رجسٹر واپس کیا۔اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا ماریہ اس کے گلے آلگی تھی۔ مظبوطی سے اپنے بازوؤں کو ہاشم کے ارد گرد حمائل کیے وہ بچوں کی طرح رو دی تھی۔اونچی آواز میں۔اب ہاشم کا صبر بھی جواب دے گیا تھا۔وہ خود بھی اسے ساتھ لگائے آواز سے رو رہا تھا۔ایک سائیڈ پر کھڑے یاور اور منہاج بھی آواز سے رو رہے تھے۔یاور نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو علیحدہ کیا تھا اور پھر ماریہ کے چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

" چلیں مولوی صاحب......اب لڑکے کی باری ہے۔باہر چلتے ہیں۔" یاور کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔فرح بھی ماریہ کو مبارک دے کر یاور کے پیچھے چلی گئی تھی۔ہاشم کچھ دیر رک کر باہر چلا گیا۔ اب بس وہاں منہاج تھا جو باہر نہیں جانا چاہتا تھا۔وہ ماریہ کے پاس آ

کر بیٹھ گیا اور اس کے چہرے سے گھونگھٹ اٹھا دیا۔ وہ ایک دم سے پرائی لگنے لگی تھی۔ منہاج نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگا یا۔

دوسری طرف نکاح خواں جنگکوک کا نکاح پڑھوا رہے تھے۔ یمان اور حماد کی شادی کے بعد وہ جانتا تھا کہ کیا کرنا ہے۔

نکاح وغیرہ کی تمام رسومات ادا ہو گئیں تھیں۔ اب سب سٹیج پر جنگکوک کو مبارکباد دینے آرہے تھے۔

"لو گزر گئی وہ رات جو تمہیں کسی صدی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔" حماد نے جنگکوک کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔ بولا کچھ نہیں۔

وہ آج بہت خوش تھا، چہرے پر رونق تھی۔ جبکہ سارہ آفندی اس ساری سجاوٹ کو حقارت سے دیکھ رہیں تھیں۔ چہرے پر مسکان اور آنکھوں میں سرد پن تھا۔ دل میں نفرت تھی۔ چینگ من بھی ایک

طرف بیٹھی بیزاریت سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔لیواس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ سٹیج کی طرف جاتی دکھائی دی۔سب کی نظریں دلہن کی طرف اٹھ گئیں تھی جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔اس کا ایک ہاتھ یمان کے ہاتھ میں تھااور دوسرا احماد کے ہاتھ میں۔باقی چاروں بھائی پیچھے تھے۔جنگکوک سٹیج پر کھڑا ہو گیا تھا۔سٹیج کے پاس لا کر ماریہ کو چھوڑ دیا گیا تھا۔سٹیج پر جنگکوک ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔اس نے جنگکوک کے پھیلے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اپنا ہی ایک جملہ اس کے ذہن میں گونجا۔

"میں چاہتی ہوں اب ہم جب بھی ملیں محرم بن کر ملیں اور میں پورے حق سے سب کے سامنے آپ کا ہاتھ پکڑ کر چل سکوں۔"تو وہ وقت آگیا تھا جب وہ پورے حق سے جنگکوک کا ہاتھ پکڑنے جا رہی

تھی۔ وہ بے اختیار مسکرا دی اور اپنا ہاتھ جنگکوک کے ہاتھ میں دے دیا۔ ماریہ کا ہاتھ، ہاتھ میں آتے ہی جنگکوک کو لگا سارے جہان کی خوشیاں اس کے ہاتھ میں چلی آئیں ہوں۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے صوفے تک آئے تھے۔ صوفے پر بیٹھنے کے بعد بھی جنگکوک نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے ایک دو دفعہ کوشش کی تھی، جنگکوک نے نہیں چھوڑا۔

"اب آپ کبھی بھی مجھ سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑوا سکتیں۔" اس کے اتنے قریب سے کہنے پر ماریہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ پھر اس نے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش نہیں کی۔

کچھ دیر میں رخصتی کا وقت آگیا تھا۔ یاور نے ماریہ کے کہنے پر اسے گل رعنا اور فرقان احمد کی تصویر لادی تھی۔ جسے وہ ہاتھ میں پکڑے سٹیج پر کھڑی تھی۔ گل رعنا کو دیکھ کر سیمون آفندی کے پیٹ میں گرہیں

لگی تھیں۔ان کی گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی جبکہ اس تصویر نے سارہ آفندی کا حلق تک کڑوا کر دیا تھا۔

رخصتی ٹائم جنگلوک آگے تھا جبکہ وہ اپنے بھائیوں کے سائے میں رخصت ہو رہی تھی۔دل اداس ہو رہا تھا۔وہ سب آنسو سے رو رہے تھے لیکن سب ایک دوسرے کو دیکھنے سے گریز برت رہے تھے۔

کار کے پاس آکر ماریہ نے رک کر ایک نظر اپنے گھر کو دیکھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔زندگی کے انیس سال گزرے تھے۔اچھی بری یادیں سب اسی گھر میں تھیں۔پھر اس نے اپنے بھائیوں کو دیکھا۔اور ماضی کسی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔کہیں وہ بھاگ رہی تھی اور فرقان اس کے پیچھے اسے پکڑنے کے لئے بھاگ رہے تھے۔کہیں حماد گرا تھا اور اسے چوٹ آئی تھی۔بہن تڑپ کر بھائی کے پاس گئی اور بھائی نے غصے سے ڈانٹ دیا۔کہیں وہ گری تھی اور

یاور نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔ کہیں وہ سوئے ہوئے منہاج کو جگانے گئی تھی۔ نا اٹھنے پر یمان کے ساتھ مل کر اس پر پانی گرا دیا۔ کہیں ہاشم اسے تنگ کر رہا تو کبھی مومن اس کے ساتھ گڑیا گڑیا کھیل رہا تھا۔

کہیں وہ سارے بہن بھائی چھپن چھپائی کھیل رہے ہیں اور کہیں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ کہیں وہ ہایون کے پاس بیٹھی اسے اپنے دکھڑے سنا رہی تھی۔ کبھی چیون سا اسے گود میں اٹھائے یہاں سے وہاں جا رہی تھی۔ اور آخری سین گھر میں صف ماتم کا تھا۔ اس کے باپ کا جنازہ اٹھ رہا تھا۔

آنسو کا ریلا اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔ آہستہ آہستہ وہ سب بھائیوں سے ملی۔

"سمجھ نہیں آرہا اب میں کسے تنگ کروں گا۔ کس کے نوڈلز چرا کر کھاؤں گا۔" حماد نے اسے ہنسانے کے لیے کہا لیکن نا وہ خود ہنسا اور نا وہ۔

"فکر نہیں کرو... میں جب آیا کروں گی نا جی بھر کر تنگ کر لینا اور تھپڑ کے لیے بھی تیار رہنا۔" وہ سب روتے روتے ہنس دیئے۔ حماد سے ملنے کے بعد وہ یمان کی طرف آئی تھی۔ آہستہ آہستہ سب سے ملنے کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ جنگلوک اور وہ دونوں علیحدہ گاڑی میں تھے۔ سیمون آفندی اور سارہ آفندی کی گاڑی الگ تھی۔

"ہم نے اپنی بہن کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا تھا۔ اگر ذرا سی بھی تکلیف تمہاری وجہ سے اسے ہوئی تو وہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔" جنگلوک ہاشم کے گلے مل رہا تھا جب ہاشم نے اسے وارن کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی ہے بھائی۔ وہ اب میری ذمہ داری ہے۔ میں اسے ہمیشہ پروٹیکٹ کروں گا۔" پھر وہ بھی سب سے مل کر گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ اب کار وہاں سے آہستہ آہستہ دور جا رہی تھی۔ وہ سب ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مہمان بھی جانے لگے تھے۔ لان خالی ہو گیا تھا۔ اور وہاں اب ویرانی تھی۔ کوئی بھی بھائی اپنے روم میں نہیں گیا تھا۔ وہ سب ماریہ کے روم میں چلے آئے تھے اور اس کی چیزیں پکڑ پکڑ کر دیکھ رہے تھے۔ آج کی رات وہ اسی روم میں گزارنے والے تھے۔ یہ تو طے تھا۔ سب بس آنسو سے رو رہے تھے۔ ایک حماد تھا جو بچوں کی طرح آواز سے رو رہا تھا۔

سچ بات ہے جو بھائی سب سے زیادہ لڑتا ہے وہی بہن کی رخصتی پر سب سے زیادہ روتا ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں گاڑی سے اترے تو ساری بیگم نے آگے بڑھ کر ماریہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں روم میں چھوڑ دیتی ہوں۔" مسکرا کر کہا لیکن آنکھوں میں وہی سرد مہری تھی۔اس دشمن سے ڈر نہیں لگتا جو اپنا غصہ ظاہر کر دے۔ ڈر اس دشمن سے لگتا ہے جو ساتھ بھی چل رہا ہو اور دل میں نفرت بھی رکھتا ہو۔ مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہو اور ذہن میں نئے منصوبے بنا رہا ہو۔وہ خاموشی سے سارہ کے ساتھ روم میں چلی آئی تھی۔روم کے باہر دروازے کے پاس آکر وہ رک گئیں۔

"اب تم یہاں سے خود جاؤ۔" کہہ کر وہ اوپر اپنے روم میں چلی گئیں۔

ماریہ نے لمبی سانس لے کر دروازہ کھولا اور دیکھتی ہی رہ گئی۔روم اس قدر خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ریڈ فریش گلاب اور لائٹنگ سے سجایا

گیا روم۔ کمرے میں ہر طرف پھول بکھرے تھے۔ تو وہ جنگکوک کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کے روم میں بھی داخل ہو گئی تھی۔ لیکن اس گھر میں عجیب بے سکونی تھی۔ نا جانے کیوں لیکن وہ بے چین ہو رہی تھی۔ مگر نظر انداز کرتی وہ آگے بڑھ آئی۔ اور پھولوں سے سجے بیڈ پر بیٹھنے لگی پھر اچانک رک گئی۔ وہاں پر پھولوں سے کچھ لکھا ہوا تھا۔

"WELCOME TO MY Life"

وہ دھیرے سے ہنس دی اور پھر وہاں سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ یہیں کھڑے ہو کر وہ جنگکوک کا انتظار کرنے لگی۔

○○○○○○○○○○○

"اب تم مزید ایک ہفتہ ہی یہاں رک سکتے ہو۔اس کے بعد تم اپنے فلیٹ میں چلے جاؤ گے۔سنا تم نے۔"سارہ آفندی اور ماریہ کے جانے کے بعد سیمون آفندی جنگکوک کے قریب چلے آئے۔

بابا......اتنی بھی کیا جلدی ہے۔آپ مجھے کیوں خود سے دور کرنا چاہ رہے ہیں۔"وہ افسردہ ہو گیا۔

"دیکھو جنگکوک۔تمہاری شادی اسی شرط پر ہوئی تھی اور اب تم مکر نہیں سکتے۔"

"کیا آپ کا دل نہیں کرتا کہ آپ کی بہن کی بیٹی کچھ دیر مزید آپ کے پاس رکے۔"کہتے ہوئے اس نے بڑے غور سے سیمون کو دیکھا تھا۔

"کرتا تو ہے... لیکن تمہاری ماں.....۔"وہ ایسے بول رہے تھے جیسے کوئی بات ہی نا ہو اور پھر ایک دم سے چونکے۔انہیں جیسے یقین نا آیا ہو کہ جنگکوک نے ابھی یہ سب کہا ہے۔

"ایک منٹ.... یہ تم نے کیا کہا... میری بہن کی بیٹی ؟"

"جی یہی کہا میں نے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ تمہاری پھوپھو کی بیٹی ہے ؟"

"جیسے بھی پتا چلا یہ اہم نہیں ہے بابا۔اہم یہ ہے کہ میرا دل نہیں کر رہا کہ میں الگ گھر میں رہوں۔"سیمون آفندی حیران تھے کہ جنگکوک نے شدید ری ایکشن نہیں دیا۔لیکن پھر نارمل ہوتے ہوئے بولے۔

"تم نے کہا تھا کہ تم چلو جاؤ گے۔تو کوئی بحث نہیں۔". وہ سختی سے کہتے وہاں سے چلے گئے۔جنگکوک نے بے بسی سے اپنے باپ کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھا۔نگاہیں کمرے کی طرف اٹھیں تو لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔وہاں اس کی زندگی کا سب سے بڑا حاصل اس کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے قدم روم کی طرف بڑھائے اور آہستہ

سے دروازہ کھولا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ جنگکوک کے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔ اس نے دلہن بنی ماریہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اور پورے حق سے بھی۔ ہونٹ ملنے سے قاصر تھے۔ اس کے قدموں میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ بہت تیزی سے اس کے پاس آیا اور آتے ہی اس کے گلے لگ گیا۔ وہ جنگکوک کی اس حرکت پر حیران رہ گئی تھی۔ جنگکوک کے لب قوت گویائی سے محروم تھے۔

تجھے جب کبھی میں فرصتیں، میرے دل سے بوجھ اتار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں مجھے کوئی شام ادھار دو
کسی اور کو میرے حال سے نا غرض ہے، نا کوئی واسطہ
میں بکھر گیا ہوں سمیٹ دو، میں بگڑ گیا ہوں سنوار دو

وہ کتنی دیر اسے گلے سے لگائے کھڑا رہا۔ماریہ کو محسوس ہوا وہ رو رہا ہے۔

"آپ رو رہے ہیں؟آپ کیوں رو رہے ہیں؟" کتنی معصومیت سے پوچھا تھا۔

"جس چیز کی خواہش کی ہو اور یہ بھی جانتے ہوں کہ وہ ہمیں نہیں ملے گی۔تو پھر جب وہ مل جائے تو رونا تو بنتا ہے نا۔شکر کرتے ہوئے خوشی کے آنسو خود بخود بہہ جاتے ہیں۔" اس نے ابھی تک ماریہ کو خود سے الگ نہیں کیا تھا۔

"کیا آپ کی زندگی میں ایسا کوئی لمحہ آیا تھا جب آپ کو لگا کہ میں اور آپ "ہم" نہیں ہو پائیں گیں؟" اس نے لبوں کو دانتوں سے چباتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دفعہ ؟؟؟ایسا بہت دفعہ ہوا تھا... جب مجھے لگا میں آپ کو کھو دوں گا... لیکن میں نے اکثر بارشوں میں آپ کو مانگا ہے۔" اب جنگکوک نے اسے خود سے الگ کیا اور اس کے شانے پکڑے اسے دیکھنے لگا۔ وہ خاموشی سے بس اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پتا ہے... میں آپ کو اس کمرے میں اتنی دفعہ دیکھ چکا ہوں کہ اب آپ میرے سامنے ہیں.... تو لگ رہا ہے جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ پلک جھپکتے ہی آپ غائب ہو جائیں گی۔" وہ ہولے سے ہنس دی۔ تبھی اچانک باہر زور سے بجلی چمکنے اور بادل گرجنے کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش کا رخ کمرے کی طرف تھا۔ تبھی اس کے قطرے شیشے کی کھڑکی پر تڑا تڑ گرنے لگے۔

"یہ بارشیں میری دعاؤں کی گواہ ہیں... وہ مجھے بتانے آئی ہے کہ میں نے آپ کو پالیا ہے۔" جنگکوک نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہولے سے لبوں کے ساتھ لگایا۔

"یہ ہمارے ساتھ کی گواہ ہیں۔" اب اس نے نرمی سے ماریہ کی دونوں آنکھوں پر اپنے لب رکھے۔ ماریہ کی دھڑکنیں معمول سے ہٹ گئیں تھیں۔ ان میں تیزی آگئی تھی۔

"آپ کو چھونے کا، محسوس کرنے کا، آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا اکلوتا حقدار بن گیا ہوں۔" اس نے بہت پیار سے ماریہ کو اپنے ساتھ لگایا۔ تبھی اسے محسوس ہوا کہ وہ کچھ بھی نہیں بول رہی۔

"آپ کچھ کہیں گی نہیں؟" جنگکوک کے استفسار پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"نہیں... آج میں آپ کو سنوں گی۔"

"میرا ابھی تو دل کر رہا کہ آپ کچھ کہیں اور میں سنوں۔۔۔۔"

"کیا سننا چاہتے ہیں؟" وہ شرارت سے لب دبائے بولی۔

"کہ آپ اس وقت کیا محسوس کر رہیں ہیں؟" جنگکوک کے سوال پر وہ گہری سانس لیتی جنگکوک سے الگ ہوئی۔

"میں خود کو اس وقت محفوظ محسوس کر رہی ہوں۔" جنگکوک نے نا سمجھی سے ابرو اچکائے۔ وہ مسکرا دی۔ ابھی وہ جنگکوک کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔

"زندگی سب پر اتنی مہربان نہیں ہوتی جنگکوک۔۔۔۔۔۔ لیکن میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ سے نوازا گیا۔ آپ کی بانہوں میں زندگی ہے۔ ایک تحفظ کا احساس ہے۔" کہتے ہوئے اس نے جنگکوک کے سینے پر سر رکھا۔ جنگکوک نے ایک پرسکون سی سانس اندر کھینچی۔

"میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد... صرف آپ ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہمیشہ آپ کی وفادار رہوں گی... میں صرف محبت نہیں کروں گی کہ محبت ناکافی ہوتی ہے۔ میں آپ سے وفا کروں گی اور مرتے دم تک آپ کی رہوں گی۔ چاہے کتنی بھی مشکلات کیوں نا آجائیں۔" ہایون اس کی زندگی میں ولن بن کر لوٹا تھا۔ کسی بھی خطرے کے پیش نظر وہ جنگلوک کو قائل کر رہی تھی۔

"اور آپ میری زندگی میں آنے والی سب لڑکیوں سے زیادہ اہم ہیں۔" جنگلوک نے اس کے جھمکے کو چھوا۔ جبکہ ماریہ نے ماتھے پر بل ڈال کر جنگلوک کو دیکھا۔ "آپ میری وائف ہیں اور میرے لئے بہت معنی رکھتی ہیں۔" اب وہ اس کے گلے میں پہنی مالا کو چھو رہا تھا۔ جنگلوک کے ہاتھ اس کی گردن پر لگے تو اس کی سانسیں پل بھر کو تھم گئیں۔

سنا ہے جب سے حمائل ہے اس کی گردن میں
مزاج اور ہی لعل و گوہر کے دیکھتے ہیں

جنگکوک دھیرے سے اس کے کان کے پاس آ کر بولا۔

"آہم آہم....۔"ماریہ کھنکھارتے ہوئے تھوڑا پیچھے ہوئی۔

"وہ... میرا گفٹ...۔"وہ اس سے زیادہ اس کی قربت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ کو گفٹ چاہیئے؟"جنگکوک کے بے تکے سوال پر وہ گڑبڑا گئی جبکہ وہ شرارت سے ہنسا۔

"چلیں پہلے چینج کر کے کمفرٹیبل ہو جائیں۔اس کے بعد میں آپ کو گفٹ دوں گا۔"جنگکوک نے الماری کی طرف جاتے ہوئے کہااور وہاں سے دو جوڑے کپڑوں کے لے آیا۔

"یہ لیں آپ کا ڈریس اور چینج کر لیں۔"

"پہلے آپ چینج کر لیں۔پھر میں کر لوں گی۔"وہ بیڈ کے پاؤں والی سائڈ پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔جنگکوک مسکراتا سر ہلاتا واشروم میں چلا گیا

۔جب وہ باہر آیا تو ماریہ اپنی جیولری اتار چکی تھی۔اور اب بالوں کو پنز وغیرہ سے آزاد کر رہی تھی۔جنگکوک واشروم کے دروازے پر رک کر بڑی دلکشی سے اسے دیکھنے لگا۔ماریہ نے بال کھولے تو وہ کسی آبشار کی طرح اس کی پشت پر گرتے گئے۔یہاں بال کھلے تھے اور وہاں وہ الجھا تھا۔بے اختیار اس کے قدم ماریہ کی طرف اٹھے۔اس نے ماریہ

کو پیچھے سے ہگ کیا اور اس کے بالوں میں منہ چھپانے لگا۔ جبکہ وہ جنگکوک کی اس حرکت پر گھبرا گئی تھی۔

"آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں.... بلیک اینڈ سلکی...۔" اس نے آئینے میں جنگکوک کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا گئی۔ ابھی جنگکوک نے اسے یہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ تو فنا ہی ہو جاتا۔ کچھ پل خاموشی سے سرکے اور پھر جنگکوک اس سے دور ہوا۔

"سوری..... آپ چینج کر لیں۔" جنگکوک نے نیچے جھک کر ٹاول اُٹھایا جو نا جانے کب اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور پھر سے بال رگڑتا کھڑکی کے سامنے چلا گیا۔ بارش ہنوز جاری تھی۔ وہ نروس ہوتی، کپڑے سنبھالتی واشروم میں چلی گئی تھی۔ اسے آنے میں وقت لگتا تھا، تو جنگکوک اپنی ڈائری کھول کر بیٹھ گیا۔

"وہ مل گئی ہے تو یہ مت سمجھنا کہانی مکمل ہو گئی ہے.... میری اور ماریہ کی کہانی آج شروع ہوئی ہے.... کسی بھی چیز کا کبھی انجام نہیں ہوتا... بس اس کا ایک حصہ مکمل ہو جاتا ہے...یوں ہمارا نا محرم سے محرم بننے والا باب مکمل ہو گیا ہے.... ہماری اصل زندگی اب شروع ہوئی ہے۔". بہت سوچنے کے باوجود بھی

وہ بس چند سطریں لکھ پایا تھا۔اس کے بعد وہ پھر سے سوچنے لگا۔

دفعتاً واشروم کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آئی۔اس نے دوپٹے کا حجاب کیا ہوا تھا۔جنگکوک نے سر اٹھا کر

اسے دیکھا۔

"وہ......مجھے... نماز پڑھنی تھی۔"وہ کہتے ہوئے ہچکچائی تھی۔

"شیور..آپ پڑھ لیں۔"وہ دونوں بدقت مسکرائے۔

"آپ جانتی ہیں کہ.....۔"

"آپ فکر نہیں کریں... میں جو وہ بڑی چادر اوڑھ کر آئی تھی میں اسی پر نماز پڑھ لوں گی۔" وہ یقینا سمجھ گئی تھی کہ جنگکوک کیا کہنے والا ہے تبھی فوراً بول پڑی۔

"اوکے...۔"

جنگکوک نے کہا تو وہ چادر اٹھائے ڈریسنگ روم کی طرف جانے لگی۔

"یہیں پڑھ لیں...۔" جنگکوک نے اسے جاتے دیکھا تو بول پڑا۔ ماریہ نے ایک طائرانہ نظر پورے روم میں ڈالی اور پھر مسکرا دی۔

"یہاں پر تصویریں ہیں...۔" جنگکوک کو اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتا وہ نماز کے لیے چلی گئی۔ کچھ دیر رکنے کے بعد وہ ڈائری ایک طرف رکھ کر ڈریسنگ روم کی طرف چلا آیا اور دروازے پر رک گیا۔ وہ سجدے میں تھی۔ وہ سجدے کی حالت میں

جنگکوک کو بہت پر سکون لگ رہی تھی۔اس کے اندر عجیب تجسس پیدا ہوا تھا۔

"یہ جو آپ زمین پر ماتھا ٹکائے ہوئے تھیں، یہ نماز کا کونسا حصہ ہے؟" وہ اسی کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ سجدہ ہوتا ہے۔" اس نے مسکرا کر جنگکوک کو جواب دیا۔

"سجدہ کیا ہوتا ہے؟" جنگکوک کا سوال مشکل نہیں تھا لیکن وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"سجدہ..... ہماری اللہ کے ساتھ محبت اور عقیدت کا ثبوت ہے۔"

"اور؟" وہ ایک بار پھر لاجواب ہوئی تھی۔اس نے کبھی اتنا ریسرچ تو نہیں کیا تھا۔

"یہ اللہ کا حکم ہے...اور جب اس کا حکم آتا ہے تو پھر سوال جواب کیے بغیر ماننا ہوتا ہے۔" وہ خود الجھ گئی

تھی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اس کا فائدہ کیا ہوتا ہے ؟"جنگکوک کے سوال پر وہ بری طرح چونکی تھی۔

کیا اس کا کوئی فائدہ بھی ہوتا ہے اس نے تو کبھی اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا۔جنگکوک ہنس دیا۔

"سوری....آپ یقیناً تھکی ہوئیں ہیں اور میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں اتنے مشکل سوال پوچھ کر۔ہم اس ٹاپک پر پھر کبھی بات کریں گیں۔"وہ کہہ کر الماری کی طرف چلا گیا۔جبکہ وہ وہیں بیٹھی رہی۔

جنگکوک اسے ایک نئی چیز سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"سجدہ کیا ہوتا ہے اور اس کے کیا فوائد ہیں ؟"

○○○○○○○○○○○○○○○○○

کافی رات ہو گئی تھی لیکن سارہ آفندی کی آنکھوں میں آج نیند کا ن بھی نہیں تھا۔ گردن موڑ کر انہوں نے اپنے دائیں طرف سوئے سیمون کو دیکھا اور پھر اٹھ کر کھڑکی کے پاس رکھی ونگ چیئر پر آ بیٹھیں۔ باہر بارش ہنوز جاری تھی۔اس بارش میں ماضی کا ایک قصہ دھندلا سا دکھائی دیا اور پھر آہستہ آہستہ منظر واضح ہوا۔

یہ ہاسپٹل کا ایک روم تھا جس کے بیڈ پر گل رعنا درد سے بے حال پڑی تھیں۔ڈاکٹرز ان کے ارد گرد موجود تھے۔وہاں شاید آپریشن ہو رہا تھا۔ تھوڑا وقت گزرنے کے بعد ایک چھوٹی سی بچی کی آمد ہوئی۔بچی کی آمد کے ساتھ ہی کسی ڈاکٹر نے گل رعنا کے بازو میں ایک سوئی چبھو دی۔ایک ڈاکٹر بچی کو لیے باہر آیا اور فرقان احمد کو دے دیا۔

''آپ کی وائف کی حالت بہت خراب ہے۔ پلیز دعا کریں۔'' ڈاکٹر کہہ کر اندر چلا آیا جبکہ فرقان اپنی بچی کو ہاتھ میں لیے وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یاور نے آگے بڑھ کر وہ بچی ان سے لے لی۔

'' بابا.. پریشان نہیں ہو۔ مما ٹھیک ہو جائیں گی۔'' پاس سے گزرتی ایک خاتون نے یہ الفاظ سنے تھے۔ اس کے چہرے پر ماسک تھا اور آنکھوں میں جیت کی خوشی۔ وہ دونوں اپنے غم میں مبتلا تھے۔ اگر کوئی غور کرتا تو

پہچان لیتا۔ وہ خاتون سارہ آفندی تھیں۔

ڈاکٹر گل رعنا کے پاس کھڑے تھے لیکن نظریں پاس لگی ہارٹ مشین پر تھیں۔ جس میں لائنیں اوپر نیچے ہو رہیں تھیں۔ اچانک گل رعنا کی سانس اکھڑنے لگی اور ہارٹ مشین پر لائنیں سیدھی ہونے لگیں۔ وہاں پر دو ڈاکٹر تھے۔ ایک میل اور ایک فی میل۔ دونوں میں

مسکراہٹوں کے تبادلے ہوئے۔ایک آخری لائن جو گل رعنا کے زندہ ہونے کی گواہ تھی۔وہ بھی سیدھی ہوگئی۔گل رعنا کی آخری سانس بھی رک گئی تھی۔زہر آورانجکشن نے اپنا کام دس منٹ میں کر دکھایا تھا۔

"شی از ڈیڈ....۔"ڈاکٹر نے باہر آکر بتایا تھا۔فرقان احمد کو لگا ہاسپٹل کی عمارت ان کے سر پر آن گرمی ہے۔دور کھڑی خاتون نے سرد مہری سے یہ منظر دیکھا تھا۔

"مجھ سے چھینا تھا نا تمہیں۔وہ موت ہی ڈیزرو کرتی تھی وہ۔" نفرت سے کہتیں وہ وہاں سے چلی گئیں۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک ؟"سیمون آفندی کی آواز انہیں ماضی سے نکال لائی تھی۔وہ فوراً سیدھی ہوئیں۔

"ہاں...بس نیند نہیں آرہی تھی۔"وہیں بیٹھے جواب دیا۔

"جب نیند آجائے تو سو جانا... لیکن..... مجھے لگتا ہے اب تمہیں نیند کبھی نہیں آئے گی۔"سیمون آفندی نے انہیں چھیڑتے ہوئے کہا تھا لیکن سارہ کے دل میں یہ بات تیر کی طرح لگی تھیں۔وہ اپنے شوہر کا اشارہ اچھے سے سمجھتی تھیں۔

oooooooooooooooooo

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو جنگکوک کو خود کو تکتے پایا۔اس کی آنکھیں حیرت سے پوری کھولیں۔وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اسے بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ماریہ کے انداز پر ذرا سا مسکرایا۔

"آپ اٹھ گئے؟"اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اٹھ گیا....."ماریہ نے دیکھا وہ بالکل فریش لگ رہا تھا۔یقیناً وہ ریڈی ہو گیا تھا۔وہ نماز پڑھ کر لیٹی تو پھر ہوش ہی نہیں رہا۔

"میں بھی فریش ہو کر آتی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ بیڈ سے اتری اور الماری کی طرف چلی گئی۔ وہاں سے کپڑے لیے وہ واشروم کی جانب بڑھ گئی۔ جنگکوک بس خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ تھی۔ پھر کچھ دیر بعد وہ باہر آئی تو جنگکوک بیڈ پر بیٹھا اپنے موبائل میں مصروف تھا۔ دفعتاً اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ مکمل ریڈ ڈریس میں گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کرتی باہر آئی۔ گھٹنوں تک آتی فراک کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ دوپٹا سامنے پھیلا رکھا تھا۔

"Looking Gorgeous"

وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔ جنگکوک کے تبصرے پر وہ مسکرا دی۔ پھر سنگھار میز کے سامنے کھڑے ہو کر ریڈی ہونے لگی۔

جنگکوک اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

"اگر آپ ایسے سامنے بیٹھیں گے تو میں ریڈی نہیں ہو پاؤں گی۔" جنگکوک کی مسلسل خود پر جمی نظروں نے اسے نروس کر دیا تھا۔ اس کی بات پر وہ مسکرا دیا۔

"آپ کو تو ویسے بھی سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ پہ یہ سادگی بھی کسی زیور کی طرح ہی سجتی ہے۔" جنگکوک کی تعریف پر اس نے ذرا کے ذرا شرم سے پلکیں جھکائیں اور پھر ساتھ ہی اٹھا کر جنگکوک کو گھورا۔

"آپ جا رہے ہیں یا نہیں؟" وہ ماریہ کے انداز پر ہنس دیا۔

"اس ڈریس کے ساتھ وہ نیکلس پہنیے گا جو میں نے دیا ہے۔" مسکرا کر کہتا وہ سامنے سے ہٹ گیا۔ جنگکوک کے جاتے ہی ماریہ نے ایک لمبی سانس لی اور پھر سے ریڈی ہونے لگی۔

ریڈی ہو کر اس نے جیولری باکس نکالا جس میں ڈائمنڈ کا سادہ مگر بے حد نفیس نیکلس سیٹ تھا۔ پورے نیکلس کے اوپر وائٹ کلر کا اسٹون لگا ہوا تھا۔ جو جنگکوک نے اسے اس کی منہ دکھائی پر دیا تھا۔ اس نے بہت آرام سے نیکلس نکالا اور اسے پہننے لگی۔ لیکن اس سے بند نہیں ہو رہا تھا اور جنگکوک بھی موبائل میں مصروف تھا۔ لیکن اس کا جنگکوک کی طرف دھیان نہیں تھا۔ وہ نیکلس کے لاک کو بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی جب اسے اپنی گردن پر کچھ ٹھنڈا سا محسوس ہوا۔ وہ شیشے میں جنگکوک کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ وہ بہت مصروف سے انداز میں اس کا نیکلس بند کر رہا تھا۔

"ہو گیا۔" اس نے مسکرا کر شیشے میں ماریہ کے عکس کو دیکھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ میرے سامنے ہیں۔ میری شریک

حیات بن کر، میری عزیز من بن کر

"وہ کسی سحر کے زیر اثر بول رہا تھا۔

"آپ یہ ڈائیلاگ رات کو بھی بول چکے ہیں۔ سو یہ پرانا ہو گیا ہے۔"

وہ شرارت سے کہتی جھمکے اٹھا کر پہننے لگی۔

"ارے لڑکی.... میرے جذبات کو تم ڈائیلاگ کا نام دے رہی

ہو؟" جنگکوک نے حیرت سے اسے دیکھا جو ایک کان کے جھمکے کو

پہن کر دوسرے کے ساتھ الجھ گئی تھی۔ اس کے آدھے بال چہرے

پر بکھرے ہوئے تھے۔ جنگکوک اس کے بالوں میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"اچھا یہ دیکھیں... یہ کہاں الجھ گیا ہے۔" ماریہ نے اس کی بات کو

اگنور کرتے ہوئے اس کی توجہ جھمکے کی طرف دلائی۔

"یقیناً وہ بیچارہ بھی میری طرح آپ کے حسن میں ہی کہیں الجھ گیا ہو گا۔ "جنگکوک نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

" باتوں میں تو آپ نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ "اب وہ ہاتھ میں بریسلٹ پہن رہی تھی۔ ماریہ کی بات پر وہ قہقہ لگاتا بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا۔

پھر کچھ ہی دیر میں وہ دونوں ناشتہ کے لیے ڈائنگ روم میں چلے آئے۔

"اسلام علیکم۔ "ماریہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ جواب نا پا کر اس نے سر اٹھایا تو سیمون آفندی اور سارہ آفندی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ جبکہ جنگکوک سر جھکائے اپنی پلیٹ میں کھانا نکالنے میں مصروف ہو گیا۔

"سوری... وہ گھر میں عادت ہو گئی ہے۔ "جلد ہی اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔" سیمون آفندی مسکرا کر کھانے میں مگن ہو گئے تھے۔

"اب تمہاری شادی ہو گئی ہے تو اپنی عادتوں کو جتنی جلدی ہو سکے بدل لو۔" سارہ سرد مہری سے کہتیں واپس پلیٹ پر جھک گئیں تھیں ل۔ ماریہ نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ناشتے میں کیا ہے۔" اس نے جنگکوک کے کان کے قریب جا کر پوچھا جو سارہ بیگم سے چھپا نہیں رہا تھا۔

"چائے اور آملیٹ....۔" جنگکوک نے اس کے کپ میں چائے نکال کر اس کے سامنے رکھی۔

"بہت شکریہ۔" اس نے مسکرا کر کپ پکڑ لیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

شام کو ولیمے کا فنکشن تھا جس کا انتظام گھر کے سامنے بنے بڑے سے لان میں کیا گیا تھا۔ ولیمے کا تھیم پرپل تھا۔ اور سب نے پرپل ڈریسنگ ہی کی ہوئی تھی۔ بس دولہا دلہن کی مختلف تھی۔ ماریہ نے سی گرین شرارہ پہنا ہوا تھا جبکہ جنگکوک نے وائٹ گول گلے والی شرٹ کے اوپر اسکن کلر کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آج ماریہ نے گھونگھٹ کے بجائے نقاب کیا ہوا تھا۔

"ان دو پاکستانی لڑکیوں نے نئے نئے فنکشن ایجاد کیے ہوئے ہیں۔ کیا یہ دونوں جانتی نہیں ہیں کہ ہم لوگوں کا وقت کتنا قیمتی ہوتا ہے۔"

سارہ آفندی ایک طرف کھڑی تھیں۔ سیمون آفندی بھی اپنے دوستوں سے مل کر اسی طرف چلے آئے تھے۔ تبھی وہ جلے کڑے انداز سے بولیں۔

"ان کی نظر میں یہ چھوٹے چھوٹے فنکشنز فیملیز کو آپس میں جوڑے رکھتے ہیں۔" انہوں نے کسی کو ہاتھ ہلاتے ہوئے سارہ آفندی کے قریب جھک کر جواب دیا۔

"نا تو یہ ہماری فیملی ہے اور نا ہی مجھے ان کے ساتھ جڑنا ہے۔" وہ پھنکار کر کہتی وہاں سے چلی گئیں جبکہ سیمون آفندی نے ایک لمبی سانس لی۔ اور تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

اس کے بھائی بھی آ گئے تھے۔ وہ سب سے مل کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی رہی۔ پھر سارہ آفندی نے اسے اپنی دوستوں سے ملوانے کے بلوالیا۔ وہ سب سے باری باری ملتی رہی تھی۔ غیر مسلمز کے لیے انہی کے مطابق کھانا بنوایا گیا تھا جبکہ مسلمز کے لیے ان کے مطابق۔ تاکہ فنکشن میں کسی بھی قسم کی بدمزگی پیدا نا ہو۔ ماریہ نے دیکھا تھا جنگکوک اس سے فاصلے پر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا پورک باربی

کیو انجوائے کر رہا تھا۔ یہاں پر تو وہ خاموش رہی تھی لیکن فکشن ختم ہونے کے بعد رات کو اس نے جنگکوک سے پوچھ لیا تھا۔

"آپ پورک کھا رہے تھے؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی جیولری اتار رہی تھی۔ غصے سے شیشے میں نظر آتے جنگکوک کے عکس کو دیکھتے ہوئے پوچھا

"وہ سب اصرار کر رہے تھے۔ میں انکار نہیں کر سکا۔" ماریہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے الماری کی طرف آئی، کپڑے نکالے اور واشروم میں چلی گئی۔ جنگکوک نے اس کی ناراضگی کو اچھے سے محسوس کیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنا بھی آسان نہیں تھا جتنا جنگکوک کو لگ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد باہر آئی تو جنگکوک کو اپنا منتظر پایا۔

"آئی ایم سوری....۔" وہ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا، فوراً اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

"سوری نہیں چاہیے مجھے جنگکوک۔ مجھے آپ ان سب چیزوں سے دور چاہئیں۔ جس دن آپ نے یہ سب چیزیں چھوڑ دی تو اس دن آپ کا سوری بھی قبول ہو جائے گا۔" تلخی سے کہتی وہ بیڈ پر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ جنگکوک نے لب چباتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ روٹھی بیوی کو کیسے منایا جاتا ہے۔

دوسرے دن وہ جنگکوک کے اٹھنے سے پہلے ہی اٹھ گئی تھی۔ اور بغیر اسے جگائے ناشتے کے لیے چلی آئی۔ اسے اکیلے آتا دیکھ کر سارہ بیگم کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"جنگکوک نہیں آیا تمہارے ساتھ؟ یا تم لے کر نہیں آئیں؟" انداز میں طنز تھا۔

"وہ سو رہے ہیں ابھی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"شوہر ہے اب وہ تمہارا۔ تمہیں چاہیے تھا اسے اپنے ساتھ لے کر آتیں۔"

"وہ اتنا پر سکون سو رہے تھے... میں نے اس لیے نہیں جگایا۔ شادی کے کاموں میں وہ تھک گئے ہیں تو سونے دیں۔" وہ کندھے اچکا کر کھانے میں مصروف رہی جبکہ سارہ آفندی کو اس کا یہ انداز ایک آنکھ نا بھایا تھا۔

○○○○○○○○○○○○

وہ کب سے عنایہ کو کال کر رہی تھی لیکن بیل جانے کے باوجود بھی وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔ لیکن اس دفعہ اس نے اٹھالیا تھا۔

"ہیلو عنایہ تم کہاں ہو؟ میں کب سے تمہیں کال کر رہی ہوں۔ اٹھا کیوں نہیں رہی تھی؟" عنایہ کے فون اٹھاتے ہی عریش شروع ہو گئی تھی۔

"نا سلام نا دعا اور شروع ہو گئیں بس۔" عنایہ نے شکوہ کناں انداز میں کہا تھا۔

"تم پر سلامتی میں بعد میں بھیجوں گی، تم بتاؤ تم شادی میں کیوں نہیں آئیں؟ تم نے کہا تھا تم آؤ گی۔ لیکن پھر نا تم آئیں نا تمہاری طرف سے کوئی پیغام۔ جانتی ہو میں کتنی پریشان ہو گئی تھی۔"

"سانس لے لو عریش..... یہیں ہوں میں؟ نہیں بھاگی جا رہی۔" دوسری طرف سے عنایہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم یہاں نہیں رہی عنایہ....۔"

"ہاں... میں وہاں نہیں رہی... میں انڈیا واپس آ گئی ہوں۔" عنایہ کی بات پر عریش کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"تم انڈیا چلی گئیں اور مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" عریش کو واقعی ہی دکھ ہوا تھا۔

"بتا کر آتی تو تم کبھی بھی مجھے آنے نا دیتیں۔اور رہی بات تمہاری شادی میں آنے کی تو عریش یہ بات اپنے ذہن میں بٹھالو کہ ایک لڑکی کبھی بھی اپنی پہلی محبت کو نہیں بھلا پاتی۔میں حماد سے محبت کرتی ہوں اور اس کی محبت میرے دل کے ایک حصے میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔"عنایہ کے الفاظ تھے یا دل کو چیرتی ہوئی کوئی تلوار۔عریش کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوا۔اسے معلوم بھی نا ہوا اور آنسو ٹپ ٹپ اس کے چہرے پر گرنے لگے۔

"ایک ہفتے بعد میری اور سعد کی شادی ہو رہی ہے

۔میرے لیے دعا کرنا۔"

"تم کبھی کوریا واپس نہیں آؤ گی؟"

"کیوں نہیں آؤں گی۔شادی کے بعد ہم وہیں ہنی مون منانے آئیں گے۔"عنایہ نے ہنستے ہوئے بتایا تھا۔لیکن

عریش اس کی ہنسی کے پیچھے چھپے کرب کو پہچان سکتی تھی۔ عریش خاموش رہی۔

"میری شادی ہو رہی ہے۔ مجھے مبارک نہیں دو گی؟"

"تمہیں یہ شادی مبارک ہو۔" وہ بولی تو آواز زکام زدہ سی تھی۔

"اور دعا؟" عنایہ جانتی تھی کہ اس کی بات نے عریش کو ہرٹ کیا تھا لیکن اب عریش کو قائل کرنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

"میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو اور اپنی پہلی محبت کو بھولنے میں کامیاب رہو۔" عریش نے کہا تو آواز میں لرزش تھی۔ تبھی اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھیں اور ساکت ہو گئیں۔ وہاں حماد کھڑا تھا۔

"عنایہ اب اپنا فون بند مت کرنا۔ میں تمہیں پھر کال کروں گی۔" عنایہ کچھ کہہ رہی تھی لیکن عریش نے اس کی سنے بغیر فون بند کر دیا۔

"وہ انڈیا واپس چلی گئی ہے۔" اس نے حماد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے ڈگری مکمل ہوگئی تھی تو اس نے تو جانا ہی تھا۔ تم کیوں اداس ہو رہی ہو؟" حماد اس کے قریب آیا۔

"وہ مجھے ملے بغیر چلی گئی ہے۔"

"کچھ لوگ اچانک ہی بچھڑتے ہیں عریش۔ ان کے بچھڑنے پر یوں اداس نہیں ہوا کرتے۔" حماد نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے عریش کے آنسو پونچھے۔ اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

"تو آپ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟" دوپہر کا وقت تھا اور آسمان پر چھائے بادلوں نے ہر طرف اندھیرا کر دیا تھا۔ وہ ظہر کی نماز پڑھ کر روم میں آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھا اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ماریہ کے آتے ہی اس کے قریب چلا آیا۔

"نہیں.. میں کیوں ناراض ہوں گی.... میرا ناراض ہونے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔" کہہ کر وہ جانے لگی جب جنگکوک نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"ابھی ایک دن بھی نہیں ہوا ہماری شادی کو اور آپ ناراض ہو گئیں۔ اور اب آپ حق کی بات کر رہیں ہیں تو میں آپ کو بتادوں۔ مجھ پر سارے حق صرف آپ ہی کے ہیں۔"

"میں باتوں سے بہلنے والی لڑکی نہیں ہوں جنگکوک۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ نے میرے لیے اسلام قبول کیا تو میری آپ سے شادی کی وجہ یہ نہیں تھی۔ میں جانتی تھی اسلام قبول کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں آپ کی زندگی میں اس لیے آئی تھی کہ میں آپ کو سیدھے راستے پر لا کر اپنی محبت کا ثبوت دے سکوں۔ میں نے اس شادی میں اپنی خوشیوں

کو سائیڈ پر رکھ دیا اور اپنی محبت کو اوپر رکھا۔"جنگکوک کچھ پل تو خاموش رہا۔اس کا انداز بتا رہا تھا اسے اسلام سے متعلق کسی چیز میں انٹرسٹ نہیں تھا۔

"اچھا یہ باتیں ہم پھر کبھی کر لیں گے۔ابھی دیکھیں باہر موسم کتنا رومینٹک ہو رہا ہے۔آئیں باہر لان میں چلتے ہیں۔"جنگکوک کے یوں بات بدلنے پر ماریہ کو بے حد دکھ ہوا تھا لیکن وہ اچانک سے جنگکوک کو بدل بھی نہیں سکتی تھی۔سو خاموش ہو گئی۔جنگکوک نے اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا تو اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ مسکرا کر اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آ گئی جہاں بارش کی بوندیں زمین پر گر رہیں تھی۔وہ دونوں پول کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"آپ یہاں بیٹھے میں دس منٹ میں آتا ہوں۔"وہ کہہ کر جانے لگا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"میں بس ابھی آیا۔ آپ انتظار کریں۔" اس کے کہنے پر ماریہ نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو وہ مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

دس منٹ بعد وہ ہاتھ میں ٹرے لیے آیا جس کے اندر چائے کے دو کپ رکھے ہوئے تھے جن میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ درمیان میں ٹرے رکھ کر وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"چائے۔" اس نے گردن موڑ کر پہلے چائے کی طرف دیکھا اور پھر جنگکوک کی طرف۔

"بہت شکریہ۔ بہت طلب ہو رہی تھی چائے کی۔" اس نے مسکرا کر چائے کا کپ اٹھایا اور لبوں کے ساتھ لگایا۔

"واؤ۔ یہ تو بہت ٹیسٹی ہے۔" جنگکوک اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے تبصرے پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ پھر دونوں باتیں کرتے ہوئے چائے کو انجوائے کرنے لگے۔

تیری قربت بھی میسر ہے

اور دن بھی بارشوں کے ہیں

"آپ جانتی ہیں میں نے اکثر ان بارشوں میں آپ کو اپنے آس پاس محسوس کیا ہے لیکن کبھی تصور میں بھی آپ کو چھو نہیں سکا۔ بے شک میں ایک اچھا مسلمان نہیں بن پایا لیکن... میں نے آپ سے پاک محبت کی ہے۔" جنگکوک نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا جسے اس نے چھوڑا نہیں تھا۔

وہ بس مسکرا کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آگے کیا ہونے والا ہے لیکن ابھی... لمحے بہت خوبصورت تھے۔ اسے پسند تھا بارش میں رات کے وقت اپنے ہمسفر کے ساتھ بھیگنا۔ اور پھر

سردیوں کی بارش تو سب کو پسند ہوتی ہے۔ چائے ختم ہو گئی تھی لیکن ان کی باتیں نہیں۔ وہ دو دفعہ اٹھ کر روم میں بھی گئی تھی۔ وہ اپنی نمازوں کو قضا نہیں کر سکتی تھی۔

مغرب کے بعد بارش کافی تیز ہو گئی تھی اور وہ دونوں اس بارش میں بھیگتے رہے یہاں تک کے رات آ گئی تھی۔

"یہ بارشیں صرف آپ کے ہونے سے حسین ہیں۔" وہ بارش میں چلا کر کہتے ہوئے اسے اپنی محبت کا ثبوت دے رہا تھا۔ اور وہ مسکرا کر بس اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

رات دھیرے دھیرے اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی اور وہ دونوں بھی ساری رات وہیں بیٹھے رہے تھے۔ صبح کے دو بجے وہ روم میں آئے تھے۔ چینج وغیرہ کرنے کے بعد جنگکوک سو گیا تھا جبکہ وہ نماز عشا کی نماز پڑھنے چلی گئی۔

"پتا بھی ہے کہ بارش تمہارے لیے ہمیشہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ پھر کیوں ساری رات بارش میں بھیگتے رہے ہو۔" صبح تک جنگکوک کو زکام ہو گیا تھا اور چھینکیں جان نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ ماریہ جنگکوک کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور سارہ بیگم بیڈ پر ٹانگیں نیچے کیے بیٹھی ہوئیں تھیں۔

"آپ جانتی ہیں ماما صرف ایک دن مسلہ ہوتا ہے پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اب اس ڈر سے کہ میں پورا ایک دن بیمار رہوں گا تو میں اتنی خوبصورت رات ضائع نہیں کر سکتا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"بہت اچھے ...۔" وہ غصے سے کہتی اٹھ کر چلی گئیں تھیں۔ ماریہ نے گھور کر جنگکوک کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں۔"

"کیوں کرتے ہیں آپ اپنی مما کو تنگ؟ اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ بیمار ہو جاتے ہیں تو میں کبھی باہر نا بیٹھتی۔"

"اوہو... دیکھیے گا یہ رات تک ٹھیک ہو جائے گا۔" جنگکوک نے اسے ریلیکس کرنے کے لیے کہا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئی۔ جنگکوک اس کی بڑبڑاہٹ پر مسکرایا تھا۔

oooooooooooooooooooo

آج موسم بالکل صاف تھا۔ باہر شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ سورج بلڈنگ کے پیچھے کہیں چھپ گیا تھا۔ وہ اپنے روم میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے ماضی کو نظرانداز کرتی آئی تھی لیکن آج وہ سوچنا چاہتی تھی۔ وہ یاد کرنا چاہتی تھی کہ سارہ آفندی نے اسے کہاں بیوقوف بنایا تھا تاکہ وہ اپنا بدلہ لے سکے۔ اس نے آنکھیں بند کی تو دور کہیں ایک منظر واضح ہوا۔

وہ آفس روم کا منظر تھا۔ جہاں وہ ہاشم کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

"سر یہ فائل آپ نے تیار کر کے لانے کو کہا تھا۔ یہ تیار ہے دیکھ لیں۔" ہاشم نے مسکرا کر یورا کے ہاتھ سے وہ فائل لے لی۔

"ہمم..... ویری گڈ۔ آپ اپنا کام بہت ایمانداری سے کر رہی ہیں۔ مجھے یہ بہت پسند آیا۔" ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ منظر پھر غائب ہوا اور ایک منظر سامنے آیا۔ یہ منظر کسی ریسٹورنٹ کا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاشم اس کے سامنے رِنگ کیے بیٹھا ہوا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوا لیکن میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" ہاشم کے پرپوز کرنے پر اس نے حیرت سے ہاشم کو دیکھا۔

"ہاں کردو ہان یورا۔" کان میں لگے آلے کے دوسری جانب سے آواز ابھری۔ وہ سارہ آفندی کی آواز تھی۔ اس آلے سے ہاشم نا واقف تھا۔

"بولیں یورا کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" یورا نے ہاشم کو دیکھا۔ اسے اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ یہ سب کچھ سارہ آفندی کے کہنے پر کر رہی تھی۔

"آپ جانتے ہیں باس کہ ہم دونوں الگ الگ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے میں یہ محبت جیسا نادان جذبہ آپ کے دل میں پیدا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" وہ مصنوعی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی لیکن اصل میں وہ کافی بور ہو رہی تھی۔ ہاشم کچھ دیر سوچ میں پڑ گیا۔

"تو کیا آپ اپنا مذہب نہیں بدل سکتیں؟" ہاشم کی بات پر یورا کی تیوری چڑھی۔

"محبت تو آپ کو ہوئی ہے نا تو مذہب بھی آپ چھوڑیں نا اپنا۔ میں کیوں آپ کے لیے مذہب چھوڑوں۔" وہ درشتی سے کہتی اپنی جگہ سے اٹھ گئی جب سارہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بے وقوف لڑکی۔ بیٹھ جاؤ اور اس کی بات مان لو۔"

"لیکن میں کیوں اپنا مذہب چھوڑوں؟" وہ انجانے میں اونچی آواز میں جواب دے بیٹھی تھی۔ سارہ کا دل چاہا اس کی زبان کھینچ لے۔

"پاگل لڑکی تم نے کونسا سچ میں اسلام قبول کرنا ہے۔ بس اس لڑکے کو دکھانا ہی تو ہے۔" سارہ آفندی کے کہنے پر اس کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ واپس بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہے... میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس کے یوں اچانک بدلنے پر ہاشم نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ محبت بھی نا انسان سے بہت کچھ کرواتی ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ میں بھی یہ سب کچھ آپ کی محبت میں کر رہی ہوں۔" وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ جبکہ ہاشم پورے دل سے مسکرایا تھا۔

ایک ماہ بعد ان دونوں کی شادی طے پائی تھی۔ جب وہ سب یورا کے لیے اس کے گھر گئے تھے تو وہاں سارہ آفندی اور سیمون آفندی کو دیکھ کر شاکڈ ہو گئے تھے۔ گل رعنا اپنے بھائی سے محبت ختم نہیں کر پائیں تھیں تبھی انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے میکے والی فیملی کی تصویریں دکھائی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان دونوں کو پہچان گئے تھے۔

"دراصل میرے مام ڈیڈ کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور میں اپنی آنی کے پاس ہی پلی بڑھی ہوں تو یہی میری ماں ہیں۔" یورا نے پاس بیٹھتے ہوئے بتایا تھا۔ وہ بس یورا کی وجہ سے خاموش رہے تھے ورنہ وہ اس فیملی

سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے جس فیملی نے ان کی ماں سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ شادی سے پہلے ہاشم نے یورا کا نام بدل کر تسبیحہ رکھ دیا تھا۔ نام بدلنے کے لیے یورا نے ہی کہا تھا لیکن اسے انٹرنیٹ پر کوئی نام نہیں ملا تو ہاشم نے اسے یہ نام دے دیا تھا۔ شادی کے بعد سارہ آفندی سے اس کا رابطہ ختم ہو گیا تھا اور اس دوران ہاشم اور تسبیحہ کے درمیان سب کچھ ٹھیک رہا تھا۔ تسبیحہ کو معلوم بھی نا ہوا کہ کب اسے ہاشم سے حقیقی محبت ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ اس بات پر مہر لگتی سارہ آفندی اس کی زندگی میں واپس آ گئیں تھیں۔ وہ کچھ وقت کے لیے دور صرف اس لیے ہوئی تھیں کہ ہاشم کے دل میں یورا کے لیے مزید محبت پیدا ہو جائے تاکہ جب وہ دونوں بچھڑیں تو ہاشم اسی کرب سے گزرے جس سے وہ خود گزر چکی تھیں۔

''آنی یہ فیملی بہت اچھی ہے۔ سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ میں وہ سب نہیں کر سکتی جو آپ کہہ رہی ہیں۔ یہ بہت مشکل ہو گا۔'' یورا کی بات پر سارہ آفندی سلگ اٹھیں تھیں۔

''تمہیں وہاں پر میں نے ان ظالموں سے دل لگانے نہیں بھیجا۔ بدلا لینے بھیجا ہے۔ اب سنو تمہیں کیا کرنا ہے۔ میں نے ہاسپٹل میں سنا تھا وہ فرقان کا چھوٹا بیٹا کہہ رہا تھا کہ اس کی ماں اس کی بہن کی وجہ سے مری ہے۔ تمہیں بس اس بات کو ہوا دینی ہے اور ہاشم سے بات بات پر لڑنا ہے۔ اور الگ گھر کی ڈیمانڈ کرنی ہے۔ سمجھیں تم؟'' آخر میں ان لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

''لیکن آئی وہ دونوں تو بہت معصوم ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔ سارہ کا دل چاہا اپنا ماتھا پیٹ لے۔

"یورا میری جان تم بھی بہت معصوم ہو۔ تم نہیں جانتی کہ وہ کتنے برے لوگ ہیں۔ تم بس وہ کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہیں خود ہاشم کے چنگل سے آزاد کروالوں گی۔" سارہ کی بات پر یورا کو ایک پل کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔ دوسرے ہی پل اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔

پھر آہستہ آہستہ سب خراب ہونے لگا۔ گھر میں ہر وقت جھگڑا ہونے لگا تھا لیکن یورا اس سب سے تھکنے لگی تھی۔

"پتا نہیں ایسا کونسا ظلم کر دیا ہے ان لوگوں نے آنی پر جو مجھے یہاں بھیج دیا۔ مجھے تو ان لڑائیوں سے ویسے ہی خوف آتا ہے۔" وہ اپنے روم میں بیٹھی خود سے باتیں کر رہی تھی۔ ادھر سارہ آفندی کو دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں یورا اپنا منہ ہی نا کھول دے۔ تبھی انہوں نے ایک انجان نمبر سے ہاشم کو میسج کیا۔

"بہت محبت کرتے ہو نا تم اپنی بیوی سے۔ تو پھر تمہیں آج میں اس کی حقیقت سے آگاہ کرتی ہوں۔ وہ لڑکی پہلے بھی دو شادیاں کر چکی ہے اور ان کا مال لوٹ کر بھاگ چکی ہے۔ وہ لڑکی چورنی ہے۔ اس لیے بہتر ہو گا جتنی جلدی ہو سکے اس سے اپنا پیچھا چھڑوالو۔" ہاشم نے جب یہ میسیج پڑھا تو اسے پہلے تو شاک لگا اور پھر رانگ نمبر سے میسج کرنے والے پہ غصہ آیا۔ کوئی کیسے اس کی بیوی پر الزام لگا رہا تھا۔ "ہاں تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔ تم جو کوئی بھی ہو اپنے کام سے کام رکھو اور مجھ سے اور میری بیوی

سے دور رہو۔" ہاشم کا رپلائے دیکھ کر سارہ آفندی کو صحیح معنوں میں غصہ آیا تھا۔ دو دن بعد انہوں نے ہاشم کو کچھ ایڈٹ کی ہوئی تصویریں بھیجیں تھیں جن میں یورا دلہن بنی بیٹھی تھی۔ دونوں تصویروں میں دلہا الگ تھا۔ ہاشم رئیل اور ایڈٹ کی گئی تصاویر میں

فرق ہی نہیں کر سکا۔اسے شدید دھچکا لگا تھا۔لیکن اس نے بھیجنے والے کو رپیلائے نہیں دیا تھا۔ہاشم نے یہ بات یورا سے پوچھی تھی۔

وہ کسی غیر پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا یہ سب کچھ سچ ہے؟" ہاشم نے اسے تصویریں دکھانے کے بعد وہ میسجز بھی پڑھائے تھے۔یورا ایک سیکنڈ میں پہچان گئی تھی کہ یہ کس کا کام ہے۔اسے بہت دکھ پہنچا تھا کہ جس آنی کو وہ ماں کا درجہ دیتی تھی۔انہوں نے اتنا بڑا الزام لگا دیا تھا اس پر۔

"آپ کسی غیر پر بھروسہ کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ سب جھوٹ ہے۔" یورا کا گلا رندھ گیا تھا۔اس سے بولا ہی نہیں گیا۔ہاشم نے نا چاہتے ہوئے بھی اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ لیکن دل میں اب ایک دراڑ سی آ گئی

تھی۔

"یہ جو کچھ آپ نے میرے بارے میں ہاشم سے کہا ہے۔یہ غلط کیا آپ نے آنٹی۔آپ کو مجھ پر یوں الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔"

دوسرے دن ہی اس نے سارہ کو فون کیا تھا۔

"ہم اس ٹاپک پر کل مل کر بات کریں گے۔"انہوں نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔اور پھر اس کل نے یورا کی دنیا ہی اس سے چھین لی تھی۔ماضی کی تلخ یادیں کہیں غائب ہو گئیں تھیں۔وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور تکیہ اس کے رونے کی وجہ سے مکمل بھیگ چکا تھا۔ماضی کی ایک آخری تلخ یاد ابھی باقی تھی جس نے اسے سارہ آفندی سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔وہ معصوم یورا سے ایک پتھر دل تسبیحہ بن گئی تھی۔یہ پتھر دل صرف ہاشم کو دیکھ کر پگھلا

تھا۔اس نے آنکھیں موند لیں اور ماضی کے اس تلخ واقعے کو ذہن میں لائی۔

وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں آمنے سامنے بیٹھی ہوئیں تھی۔سارہ آفندی نے آنے سے پہلے ہاشم کو میسج کیا تھا۔

"بہت ٹرسٹ کرتے ہو نا اپنی بیوی پر تو پھر میں تمہیں ایک ایڈریس بھیج رہی ہوں۔وہاں آجانا۔آج شام تمہاری بیوی وہاں آنے والی ہے۔کسی نئے لڑکے کے ساتھ۔"میسج پڑھ کر ہاشم کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔وہ سب سے پہلے گھر گیا تھا۔ملازمہ سے پتا چلا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔وہ اس اجنبی عورت کی بات پر ٹرسٹ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن نا جانے کیوں وہ اس کی بات مان رہا تھا۔شاید وہ اس عورت کو غلط ثابت کرنا چاہتا تھا۔تبھی وہ اسی ایڈریس پر نکل گیا۔

"آپ نے یہ سب کیوں کیا آنی؟ آپ جانتی ہیں مجھے ہاشم سے سچ میں محبت ہونے لگی ہے۔ میں اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی۔" وہ بولی تو آواز میں نمی تھی۔

"وہ تمہارے قابل نہیں ہے یورا۔ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"ابھی تک تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اس نے مجھے اور مجھے پتا ہے وہ بعد میں بھی مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"تم نہیں سمجھو گی۔"

"تو آپ سمجھا دیں۔ ایسا کیا کیا ہے ان لوگوں نے جو آپ ان سے اتنی نفرت کرتی ہیں۔" سارہ آفندی نے کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر بولیں۔

"ہاشم کی ماں یعنی گل رعنا نے مجھ سے میری محبت چھینی تھی۔وہ جانتی تھی میں فرقان سے محبت کرتی ہوں وہ پھر بھی ہم دونوں کے درمیان میں آئی۔مجھے بس اس کا بدلہ لینا تھا اور کچھ نہیں۔"

"آنی.....آ.....آپ نے میرا استعمال کیا ہے؟"یورا کو بہت دکھ ہوا تھا۔اس کی الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دو یورا...میں اس غلطی کا ازالہ کروں گی۔تم یہ جوس پیو۔"سارہ نے ایک گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"میری زندگی برباد کر کے آپ مجھے جوس پینے کا کہہ رہی ہیں؟آپ اتنی سنگدل تو نہیں تھیں۔"

"تم یہ جوس پیو۔مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔"وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں تھیں۔یورا نے دکھ سے سارہ کو وہاں سے جاتے دیکھا۔

ان کے جانے کے بعد یورا نے وہ کیا جو اسے اس وقت نہیں کرنا

چاہیے تھا۔اس نے ویٹر سے ڈرنک منگوائی اور پھر ایک کے بعد ایک بوتل وہ پیتی چلی گئی۔اسے اسٹریس ہو رہا تھا۔اسٹریس کم کرنے کے لیے اسے فی الحال یہی سمجھ میں آیا تھا اور یہیں پر اس نے غلطی کر دی تھی۔وہ اسٹریس میں ڈرنک کرتی تھی اور اس کی اسی کمزوری کا فائدہ سارہ نے اٹھایا تھا۔

وہ نشے میں چور ہو گئی تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا سب کچھ تہس نہس کر دے۔

"میں.....میں.....ہاشم کو...... نہیں چھوڑوں گی۔میں.....اس سے.... محبت کرنے لگی ہوں۔وہ یہاں....... یہاں...دل میں رہنے لگا ہے۔"یورا نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"میں...جا رہی ہوں... تم سے بہت دور۔"اس نے "بہت" کو خاصا لمبا کر کے کہا تھا۔

"سارہ آفندی... تم میری... سب سے بڑی دشمن ہو۔" دور کھڑی وہ یہ سارا منظر دیکھ رہیں تھیں لیکن یورا کی آوازان کی سماعت تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

"وہاں.... جہاں تم... مجھے اور ہاشم کو.... الگ نہیں کر سکتیں۔" وہ بولتے ہوئے وہاں سے دور جا رہی تھی۔ تبھی وہ لڑکھڑائی۔ اس سے پہلے وہ گرتی ایک لڑکے نے اسے آگے بڑھ کر تھام لیا تھا۔ یورا کو سب کچھ دھندلا سا نظر آرہا تھا۔

"ہا.... ہاشم آپ آگئے۔ میں.... میں جانتی تھی کہ آپ مجھے چھوڑ کر.... کہیں نہیں جا سکتے۔"۔ کہہ کر وہ اس کے سینے سے لگ گئی۔ اور شیشے کی دیوار کے اس پار ہاشم نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسے ارد گرد ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے، دکھ سے نفی میں سر ہلاتا قدم واپس لے جانے لگا تبھی اسے

احساس ہوا اس سے تو چلا ہی نہیں جا رہا۔ دور کھڑی سارہ آفندی نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"مجھے معاف کرنا یورا لیکن........اس وقت فرقان کے بیٹے کے چہرے پر یہ دکھ دیکھ کر جو سکون مجھے مل رہا نا.... میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔" وہ کہہ کر وہاں سے جا چکی تھیں۔ اور ہاشم بھی اپنے بھاری ہوتے قدموں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

وہ لڑکا یورا کو اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا تھا۔ سارہ آفندی نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ اگر اس نے یورا کے ساتھ کچھ غلط کیا تو وہ اسے چھوڑیں گی نہیں۔ اس لیے اس نے بس اس کے چند جگھوں سے کپڑے پھاڑ کر ایک پارک میں پھینک دیا تھا۔ یہ پارک کی پچھلی سائیڈ تھی جہاں پر لوگ نا ہونے کے برابر آتے تھے۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ جب وہ گھر نا گئی تو ہاشم اسے تلاشنے کے لیے نکل گیا۔ جو بھی تھا

وہ ابھی اس کے نکاح میں تھی۔ اس کی عزت تھی۔ وہ کتنی دیر تک اسے ڈھونڈتا رہا۔ اور پھر جب وہ ملی تو اس کی حالت دیکھنے کے قابل نہیں تھی۔ کچھ پل تو ہاشم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ پھر اس نے ہمت کی اور آگے بڑھا۔ ہاشم نے اسے اپنا کوٹ پہنا دیا۔ بمشکل اسے گاڑی تک لایا۔ اسے پیچھے لٹا کر وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہاں رکے بغیر اس نے گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور سڑک پر ڈال دیا۔

گاڑی ایک ہاسپٹل کے سامنے رکی۔

"یہ میری امانت ہے تمہارے پاس۔ اس کا علاج کر کے اسے یہاں سے بھیج دینا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ یہ میرے پاس نا آئے۔" ہاشم نے یورا کو اسفندیار کے حوالے کیا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ وہ خود تو گئی تھی ساتھ میں ہاشم کی خوشیاں بھی لے گئی تھی۔ وہ ہاسپٹل میں

تھی جب اسے طلاق کے کاغذات ملے۔اسے لگاہاسپٹل کی عمارت

اس پر گر گئی ہے۔اس نے ہاشم سے ملنے کے لیے اسفند یار کو کہا تھا۔

اسفند نے ہاشم تک اس کا پیغام پہنچادیا تھالیکن ہاشم نے ملنے سے انکار

کر دیا تھا۔وہ اب اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔یورا کو بہت دکھ

ہوا تھا۔

ہاسپٹل سے وہ سارہ کے پاس نہیں گئی تھی بلکہ اپنی ایک دوست کے

گھر چلی گئی تھی۔

دوست کے گھر وہ کچھ عرصہ رہی اور پھر نوکری کی تلاش شروع کر

دی۔اس کے ساتھ ایک لڑکا کام کرتا تھاجو مسلم تھا۔اس نے یورا کو

پرپوز کیاتواس نے انکار کر دیا۔ہاشم والے واقعے کوایک سال ہو گیا تھا

لیکن وہ آج تک اس صدمے کے زیر اثر تھی۔وہ لڑکا کسی طور بھی پورا

کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔وہ کبھی اس سے شادی کے لیے نا مانتی اگر اس رات اس نے اپنی دوست کی باتیں نا سن لی ہوتیں۔

"اف مام! میں اب کیا کروں۔اب اسے زبردستی نکال تو نہیں سکتی نا۔"یورا کے قدم ساکت ہوئے۔

"مام میں گئی تھی سارہ آفندی کے پاس۔اس کی بہن کے پاس بھی گئی تھی لیکن اس کی بہن اس سے نفرت کرتی ہے۔ایسا لگتا ہے اس کی آنی نے اس کی بہن کو اس کے خلاف کر دیا ہے۔"یورا کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔

"مجھے اس لڑکی کا یہاں رہنا بالکل بھی نہیں پسند۔اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اسے یہاں سے نکالو۔"لڑکی کی مام نے اسے سختی سے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گی کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے۔" اس کے بعد یورا وہاں سے ہٹ گئی اور پھر کچھ دن سوچنے کے بعد وہ اس لڑکے کے پاس چلی گئی۔ اسے نکاح کی رضامندی دی۔ لیکن اس سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اب اس نے سچ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے برے دل کے ساتھ ہی صحیح لیکن ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ لیکن شائد اس کی قسمت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ شادی کی رات ہی اسے اپنے شوہر کی موت کی خبر ملی تھی۔ اس کا دل کیا زور زور سے چیخنے، روئے لیکن اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب کچھ سارہ آفندی نے کیا ہے۔

"کوئی اتنا ظالم کیسے ہو سکتا۔" وہ اپنے شوہر کی میت کے پاس بیٹھی تھی لیکن سوچیں کہیں اور تھیں۔

"اللہ تمہیں غارت کرے سارہ۔ تمہیں کہیں بھی سکون میسر نا ہو۔"

زندگی لمحہ بہ لمحہ مشکل ہوتی جارہی تھی۔ تسبیحہ کو لگ رہا تھا جیسے دنیا اس پر تنگ ہوگئی ہے۔ جیسے وہ کسی قید میں ہے جہاں سے چاہنے کے باوجود بھی اسے رہائی نہیں مل رہی۔ ساری دنیاد شمن لگ رہی تھی۔ لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ پھر سے بہتر ہونے لگی تھی۔ شوہر کی وفات کے چار ماہ بعد اس نے دوبارہ جاب شروع کردی تھی۔ وہ اپنے مرحوم شوہر کے گھر میں ہی رہتی تھی۔ لیکن جلد ہی وہاں اس کی جان کو خطرہ درپیش آیا تھا۔ ایک دن وہ باہر گئی تھی شاپنگ کے لیے جب اسے محسوس ہوا کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ وہاں سے نکل آئی اور اب اس کا رخ اپنے گھر کی طرف تھا۔ جب سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکرا گئی۔

گاڑی سے ایک لڑکا باہر آیا اور زمین پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"یو را تم ٹھیک ہو؟" وہ جنگکوک تھا۔ تسبیحہ کو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

سارہ کے بیٹے کو دیکھ کر نفرت مزید بڑھی تھی۔

"پہلی بات یہ کہ میرا نام تسبیحہ ہے اور دوسری بات یہ کہ تم نے مجھے گاڑی ماری ہے تو میں ٹھیک کیسے ہو سکتی ہوں۔" وہ تلخی سے کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔ وہ ماضی کا جنگکوک حال کے جنگکوک سے مختلف تھا۔

جنگکوک نے اسے سہارہ دیا اور گاڑی میں بٹھایا۔ اور پھر ہاسپٹل لے آیا۔ اس نے جنگکوک کو بتایا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ محفوظ نہیں ہے۔ تبھی جنگکوک نے اسے ایک فلیٹ میں شفٹ کر دیا تھا۔ کچھ دن بعد جب تسبیحہ نے اسے ساری حقیقت بتائی تو اپنی ماں کے نام پر وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ وہ کتنے دن تک اسے ملنے نہیں آیا تھا۔

تسبیحہ نے اسے فون کر کے بلایا تھا۔ وہ آیا تو بس تنبیہہ کرنے کہ جب ضرورت ہو گی تو وہ خود فون کر لے گا۔ یوں سب کے سامنے اسے فون نا کیا کرے۔ پھر اس کے بعد جنگکوک اور اس کی ملاقات صرف اتنی ہوتی تھی کہ وہ اس کو ضروری سامان دے جاتا تھا۔

کچھ دن بعد تسبیحہ کو پتا چلا کہ جس گھر میں وہ پہلے رہتی تھی اسے جلا دیا گیا ہے۔ اسے بہت دکھ ہوا تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن ایک دن جنگکوک نے اسے بتایا کہ وہ گھر اس نے جلایا ہے تاکہ وہ ثابت کر سکے کہ وہ مر گئی ہے۔ پولیس نے بس اس کی اتنی سی مدد کی تھی کہ جلی ہوئی لاش پوسٹ مارٹم کے قابل نہیں تھی اس لیے اسے بنا کسی کو بتائے دفنا دیا گیا ہے۔ لیکن جو لوگ تسبیحہ کا پیچھا کر رہے تھے وہ ہر وقت اس پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ سارہ آفندی تک یہ بات پہنچ چکی تھی کہ ان کا بیٹا اس کی مدد کر رہا ہے اور تسبیحہ بھی زندہ

ہے۔ جب سارہ آفندی نے جنگلوک سے تسبیحہ سے ملنے کی خواہش
کی تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ مر گئی ہے۔ وہ کیسے کسی کو بھی اس
سے ملوا سکتا ہے۔ نا جانے کیوں اس نے اپنی ماں سے یہ جھوٹ کہا
تھا۔ اس جھوٹ پر وہ بہت رگرٹ بھی رہا تھا۔ اس کے منع کرنے کے
باوجود سارہ بیگم نے اس کی ایک نا سنی۔ بالآخر جنگلوک کو ہار ماننی
پڑی۔ وہ انہیں اس اپارٹمنٹ میں لے گیا۔ وہ دو دن بعد وہاں گئے
تھے لیکن جنگلوک نے جانے سے پہلے تسبیحہ کو خفیہ طریقے سے
کہیں اور شفٹ کروا دیا تھا۔ وہ دونوں جب وہاں پہنچے تو اس کے
اپارٹمنٹ کو خالی پایا۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ جو لڑکی یہاں رہتی
تھی تین دن پہلے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس کا کوئی والی وارث
نہیں تھا تو ہم نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے تفتیش کی تھی۔
لیکن کوئی اس کا اپنا ہمیں نہیں ملا تو ہم نے اسے پولیس کی مدد سے دفنا

دیا۔ جنگکوک کی قسمت اچھی تھی کہ وہاں پر تین دن پہلے واقع ہی کسی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ سارہ آفندی ناکام واپس لوٹی تھیں۔ جہاں اس کے مرنے کا دکھ تھا وہیں پر اس کے مرنے کی خوشی بھی تھی۔ تسبیحہ کو ایک سال بعد پتا چلا تھا کہ وہ تو اس دنیا کے لیے مر گئی ہے۔ جس دن اسے جنگکوک نے بتایا تو اسے ہاشم کا خیال آیا۔

"کیا اسے پتا ہے کہ وہ مر گئی ہے۔"

ماضی کا سفر انسان کو تھکا دیتا ہے۔ اس میں ہاتھ پیر نہیں تھکتے، اس سفر میں ذہن تھکتا ہے۔ ماضی کی تلخ یادوں نے اسے سارہ آفندی کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ مزید چھپ کر نہیں جینا چاہتی تھی۔ لیکن آج کی رات آنسوؤں کے نام تھی۔ پہلے تو وہ خاموشی سے روتی رہی تھی۔ اس کے بعد اس کی ہچکیاں بندھنے لگی۔

"سارہ آفندی... تمہیں ہرانے کے لیے... مجھے تمہارے سامنے آنا ہو گا۔اور میں.... اس سامنے کے لیے پچھلے کئی سالوں سے تیار ہوں۔" وہ بولی تو لہجے میں حقارت تھی اور آنکھیں شعلے برسا رہیں تھیں۔

"میں جانتی ہوں جس دن.... میں تمہارے سامنے آ گئی۔ تم مجھے اسی دن مارنے کی کوشش کرو گی۔ میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں اب تیار ہوں۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

آج سیمون ہاؤس میں ان دونوں کی آخری رات تھی۔اس کے بعد ان دونوں کو الگ گھر میں شفٹ ہو جانا تھا۔وہ نماز پڑھ کر آئی تو جنگکوک بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک؟" وہ جنگکوک کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے آپ کے بغیر نیند نہیں آتی۔اک عرصہ ہوا میں تنہا نہیں سوتا۔" جنگکوک نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ آپ نے کبھی مجھے تصور میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔" ماریہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے جنگکوک کو دیکھا تو وہ مسکرایا۔

"آپ بیڈ کے دوسرے کونے پر بیٹھتی تھیں۔جب تک میں سو نہیں جاتا تھا آپ نہیں جاتی تھیں۔"

"تو کیا اب بھی جب تک آپ نہیں سوئیں گیں، مجھے جاگنا پڑے گا؟"

"بالکل بھی نہیں۔اب آپ سوئیں گی اور میں آپ کو جی بھر کر دیکھوں گا۔" جنگکوک کے انداز میں شوخی سی تھی۔

"مجھے مسلسل کسی کی نظروں کے حصار میں رہنے سے الجھن ہوتی ہے۔" ماریہ نے منہ کے زاویے بگاڑے تو نہ وہ ہنس دیا۔

"معاملات سلجھانے کے لیے انسان کو ایک دفعہ ان سے الجھ لینا چاہیے۔" جنگکوک نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا تھا جو ماریہ کو پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے بہت غور سے جنگکوک کو دیکھا تھا۔ وہاں سکون کی ایک جھلک تک نہیں تھی۔ وہ رخ موڑ گئی۔

جنگکوک کو اس کے یوں رخ موڑنے پر کچھ ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" جنگکوک نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"کچھ نہیں مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونے لگی ہوں۔" کہہ کر وہ لیٹ گئی تھی۔ رخ دوسری جانب تھا۔

"کیا کوئی بات بری لگی ہے؟" وہ بولا تو آواز میں کرب سا تھا۔ ماریہ کو اپنے رویے کا احساس ہوا تو ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"جنگکوک...... آپ سے ایک بات پوچھوں؟ آپ کو برا تو نہیں لگے گا؟" اب اس کا رخ جنگکوک کی طرف تھا۔

"مجھے آپ کی باتوں کا کبھی برا نہیں لگتا۔" وہ پر خلوص انداز میں بولا تھا۔

"آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ جبکہ میری خواہش تھی کہ میں اور میرا شوہر ایک ساتھ نماز پڑھیں۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤں تو ایک ہاتھ اس کا ہو اور ایک میرا۔" وہ کتنی حسرت سے بول رہی تھی۔ وہ خاموش رہا اور پھر کتنے ہی پل خاموشی میں گزر گئے۔ کمرے کا ماحول گھٹن زدہ ہو گیا تھا۔

"میں کوشش کروں گا۔" وہ محض یہی بول پایا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ صبح جب میں آپ کو اٹھاؤں گی تو آپ میرے ساتھ اٹھیں گے اور پھر ہم دونوں ایک ساتھ نماز پڑھیں گے۔"

کتنے مان سے کہا تھا اس نے۔ بھلا وہ انکار کر سکتا تھا۔

"شیور....۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ اتنے میں ہی خوش ہو گئی تھی۔ پھر جنگکوک کے بازو پر اپنا سر رکھتی لیٹ گئی۔ جنگکوک کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی تھی۔ جلد ہی وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی جبکہ وہ خاموشی سے بس اسے دیکھے گیا۔ کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر۔ وہ چاہ کر بھی نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ کچھ ہی پل گزرے تھے جب اس کے فون پر میسج ٹون بجی۔ اس نے احتیاط سے اپنا بازو ماریہ کے سر کے نیچے سے نکالا۔ اور پھر موبائل پر میسج دیکھا۔

"مما کا میسج۔"

وہ نام پڑھ کر پریشان ہوا تھا۔انہوں نے جنگکوک کو باہر بلایا تھا۔اس کے بھنویں تعجب سے اکٹھے ہوئے۔اس نے ایک نظر اپنی سوئی ہوئی وائف کو دیکھا اور پھر دبے پاؤں روم سے باہر نکل آیا۔

"مما سب ٹھیک ہے۔آپ نے اس وقت بلایا؟" وہ ان دونوں کے روم میں نوک کر کے اندر آیا تھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔بس میں آج سوچ رہی تھی کہ سب مل کر بئیر پیتے ہیں۔"

"لیکن ماما......"

"اوہو جنگکوک۔جب سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔نا ہم مل کر بیٹھیں ہیں اور نا ہی ایک ساتھ بئیر پی ہے۔بس اب تم انکار نہیں کرو گے اور خاموشی سے ہمارا ساتھ دو گے۔" جنگکوک نے بے بسی سے سیمون کو دیکھا۔وہ بھی کندھے اچکا گئے۔وہ چاروناچار وہیں بیٹھ گیا۔

ادھر روم میں ماریہ کی آنکھ کھلی تو جنگلوک کو نا پا کر وہ حیران ہوتی اٹھ گئی۔ وہ واشروم میں ہو گا یہی سوچ کر وہ واپس لیٹ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد بھی جب وہ باہر نا آیا تو وہ اٹھ کر واشروم کے دروازے تک آئی۔ دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔

"یہ اتنی رات کو کہاں جا سکتے ہیں۔" وہ کچھ سوچتی روم سے باہر چلی آئی۔ سیمون اور سارہ کے روم سے آتی آوازوں نے اس کا دھیان ادھر کر دیا۔ ماریہ نے سکون کی سانس خارج کرتے ہوئے قدم واپس موڑ لیے۔ اس سے پہلے وہ روم میں پہنچتی اس کی سماعت نے کچھ سنا تھا جس نے اس کے قدموں کو ساکت کر دیا۔

"اسے اس گھر میں آئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ تم ابھی سے اس کی ماننے لگ گئے ہو۔" سارہ آفندی کو یوں اپنے بیٹے کا اس کی بیوی کی بات ماننا ناگوار گزرا تھا۔

"مماا ب بس... میں اس سے زیادہ نہیں پی سکتا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"اوہو بیٹا... تم تو بئیر کے دیوانے تھے۔ پھر تم ایک ہی بوتل پر بس کیوں کر رہے ہو؟" ماریہ مزید وہاں رکنے کے بجائے اپنے روم میں چلی آئی تھی۔

"میری وائف کو یہ پسند نہیں ہے۔ جتنے بھی دن ہوئے ہیں۔ وہ میری زندگی میں آگئیں ہیں۔ اب میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔" وہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ سارہ آفندی نے ایک لمبی سانس اندر کھینچ کر خارج کی تھی۔

وہ روم میں آیا تو وہ ویسے ہی پر سکون سو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر جنگکوک کے اندر تک سکون اتر گیا۔ وہ خاموشی سے آکر اس کے دائیں طرف لیٹ گیا۔ جنگکوک نے آنکھیں بند کی تو ماریہ نے

آنکھیں کھول لیں۔ چہرہ موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ کتنی اچھی باتیں کرتا تھا۔ وہ اس کی باتوں کے سحر میں جکڑ جاتی تھی۔ لیکن اب

......

"یااللہ میری مدد کرنا پلیز۔" اس نے دل میں کہا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○

صبح اس کی آنکھ سرہانے کے نیچے رکھے موبائل پر الارم کے بجنے سے کھلی تھی۔ وہ کسمساتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ سردیوں میں سب سے مشکل کام فجر کی نماز کے لیے اٹھنا ہوتا ہے اور یہی اللہ کو سب سے زیادہ پسند بھی ہے۔ اس نے ایک نظر اٹھ کر جنگگوک کو دیکھا۔

"آپ نے صرف کلمہ پڑھا تھا جنگگوک۔ آپ نا تو اس کے معنی کو سمجھ پائے اور نا اس پر غور کیا ل۔" وہ دکھ سے کہتی اٹھ گئی تھی۔ انسان کے

پاس نادانیوں میں کیے گئے فیصلوں پر پچھتانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔وہ صحیح معنوں میں اب پچھتا رہی تھی۔اگر وہ محبت کو ایک طرف رکھ کر اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی تو آج وہ یہاں نا ہوتی۔

نماز پڑھ لینے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔

"یا اللہ یہ میں نے اپنے ساتھ کیسا ظلم کر دیا ہے۔ماں نے تو کہا تھا کہ انکار نا کروں۔لیکن....اب جب جنگلوک کو دیکھتی ہوں تو لگتا ہے کہ کوئی غلط فیصلہ کر لیا ہے۔یا اللہ مجھے میرے فیصلے پر ثابت قدم رکھ۔مجھے ہمت دے کہ میں اپنے شوہر کو ان گناہوں والی زندگی سے دور لے جاؤں۔"آنسوؤں اس کی آنکھوں سے موتیوں کی صورت گرنے لگے۔

"یااللہ میرے شوہر کو صراط مستقیم دکھادیں۔انہیں اس گمراہی کے راستے سے نکال دیں یااللہ۔ میری مدد کردیں پلیز۔" کہتے ہوئے وہ سجدے میں جا گری تھی۔

"میں جس مقصد کو لے کر ان کی زندگی میں آئی ہوں مجھے میرے اس مقصد میں کامیاب کردے میرے مالک۔"اس نے سسکی لی تھی۔

ooooooooooπ

فرقان ہاؤس میں صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ یمان کے روم میں وہ دونوں ناشتے کی ٹیبل پر جانے کے لیے ریڈی ہو رہے تھے۔ بختاور نے جامنی رنگ کی فراک پہن رکھی تھی جو گھٹنوں تک آتی تھی۔ بالوں کی اونچی پونی بنا کر سر پر دوپٹا اوڑھ لیا تھا۔ یمان اس کے ساتھ کھڑا خود پر پرفیوم کا چھڑکاؤ کر رہا تھا۔

"چلیں؟" پرفیوم کی بوتل رکھتے ہوئے یمان نے پوچھا۔

"ہاں چلیں۔" وہ بھی مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ باہر آگئی۔ یمان نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ وہ کوئی بات کر رہی تھی جس پر یمان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

منہاج اپنے دھیان میں روم سے باہر آرہا تھا جب اس کی نظران دونوں پر پڑی۔ اور جس پل میں نگاہ اٹھی تھی اسی پل میں جھک بھی گئی تھی۔ اس کو نگاہ جھکانے کے لیے دوسرے یا تیسرے لمحے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اس نے قدم روم کی جانب موڑ لیے۔

"بھائی ناشتہ نہیں کریں گے آپ؟" یمان کی آواز پر وہ رکا لیکن مڑا نہیں۔

"ہاں تم چلو مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔" کہہ کر وہ روم میں چلا گیا۔ وہ دونوں بھی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے۔ اب سب ناشتے کی

ٹیبل پر اکٹھے تھے۔ علیزے کی ضد پر وہ بھی آج سب کے ساتھ ناشتہ کرنے آئی تھے۔

"میں نے تم دونوں بھائیوں کے لیے ایک ٹرپ پلان کیا ہے تاکہ تم لوگ کچھ عرصہ اپنی شادی کو انجوائے کر سکو۔" ناشتہ شروع کرنے سے پہلے ہاشم نے اعلانیہ کہا تھا۔

"کیا یہ آپ کی طرف سے ہمارے لیے شادی کا تحفہ ہے؟" یمان نے پوچھا تھا۔

"ہاں بالکل.. مجھے پتا چلا تھا کہ بختاور کو پاکستان گھومنے کا بہت شوق تھا تو میں نے تم دونوں کے لیے پاکستان کی ٹکٹ کروادی ہے۔" ہاشم نے ان دونوں کو ایک لفافہ دیا۔

"اور ہمارے حماد کو دبئی بہت پسند تھا۔اس لیے تم دونوں دبئی جاؤ گے۔اور لائف کو خوب انجوائے کرنا۔"دوسرا لفافہ ہاشم نے حماد کو دیا۔جسے اس نے خوشی پکڑا تھا۔

"اور بھائی جنگکوک اور ماریہ کے لیے؟"مومن کو اچانک خیال آیا تھا۔

"میں نے ان دونوں کے لیے بھی ٹکٹ کروایا تھا لیکن ان لوگوں نے کہا کہ ابھی ان کا سمسٹر شروع ہونے والا ہے تو وہ دونوں اس دوران کوئی دوسرا کام نہیں کرنا چاہتے۔وہ دونوں سمسٹر کے بعد چلے جائیں گے۔"ہاشم نے ایک ہی سانس میں جواب دیا تھا۔مومن نے اثبات میں سر ہلایا۔

"چلیں ناشتہ شروع کرتے ہیں۔"ہاشم نے کہا تو وہ سب ناشتہ کرنے لگے۔

"منہاج بھائی کہاں ہیں؟" یاور نے اس کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ انہیں کوئی کال کرنی تھی۔ کہہ رہے تھے وہ کر کے آجاؤں گا۔" یمان نے بتایا تو وہ سر ہلاتے ناشتہ کرنے لگ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○

"آپ کو پتا ہے میں بہت ایکسائٹڈ ہوں پاکستان جانے کے لیے۔ ہر وہ جگہ دیکھوں گی جو میری فیورٹ ہے۔" موسم آج پھر ابر آلود ہوا تھا۔ بختاور اور یمان دونوں ٹیرس پر چلے گئے تھے۔ ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے وہ پر جوش سی بولی۔

"پلیز تم ایکسائٹڈ مت ہونا۔ لاسٹ ٹائم بھی تمہاری ایکسائٹمنٹ نے تمہیں بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔" یمان بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔ بختاور نے گھور کر اسے دیکھا۔

"وہ ایک برا وقت تھا۔ آیا اور چلا گیا۔ اب میں احتیاط کروں گی۔" وہ یمان سے ایک قدم آگے ہو گئی تھی۔

"ہاں یہ تو بہت اچھا سوچا تم نے۔ ورنہ تمہارے چکر میں مجھے بھی ایک کمرے میں بند ہو کر رہنا پڑتا۔" وہ جان بوجھ کر اسے چڑا رہا تھا۔ بختاور کمر پر ہاتھ رکھ کر مڑی اور یمان کو گھوری سے نوازا۔

"اچھا اب ایسے مت دیکھو۔ غریب کی جان لو گی کیا؟" وہ فوراً معصوم بن گیا تھا۔ بختاور کو اس کے انداز پر نا چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی تھی۔

"اچھا یہ بتائیں آپ کی وہ دوست کیسی ہے۔ لیونا۔ کیا وہ اب ٹھیک ہیں؟" اس کے سوال پر یمان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اسے کیا ہونا تھا۔" بختاور نے تاسف سے یمان کو دیکھا۔

"اس کے شوہر کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ تو وہ اسٹریس میں تھی۔ اس لیے آپ اسے اپنے ساتھ لائے تھے نا۔" یمان کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"ایک منٹ... تم ذرا مجھے شروع سے بتاؤ گی کہ کیا ہوا تھا؟" یمان کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ لیونا نے یمان کو کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا۔ لیکن اب وہ زبان کھول چکی تھی سو یمان کو اپنے اور لیونا کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔

یمان نے ایک سانس خارج کی۔ چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ تھی۔

("تو لیونا نے اپنا بھی کردار بچایا اور میرے لئے بھی بختاور کے دل میں کوئی شک پیدا نہیں ہونے دیا۔") یمان نے دل میں سوچا اور مسکرا دیا۔

"ہاں وہ اب ٹھیک ہے۔" یمان نے لیونا کے راز کی لاج رکھ لی تھی۔

وہ اب بختاور کو کیا بتاتا کہ لیونا امریکن شہری نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو اٹلی سے تھی۔ اور نا ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ تو یمان سے محبت کرتی تھی۔ اسی لیے اس کے ساتھ کوریا آئی تھی۔ لیکن وہ بہت خوددار تھی۔ جیسے ہی اسے لگا کہ یمان بختاور میں انٹرسٹڈ ہے تو اس نے اپنا راستہ الگ کر لیا اور بختاور کے دل میں موجود نفرت کو بھی ختم کر گئی۔ وہ ایک سمجھدار لڑکی ثابت ہوئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرح کی طبیعت آج صبح سے ہی خراب تھی۔ یاور اسے ہاسپٹل لے آیا تھا۔ کچھ ٹیسٹ وغیرہ کروانے کے بعد وہ اب ڈاکٹر کے روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"مسز یاور.... آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔اب آپ دونوں دو سے تین ہونے جا رہے ہیں۔"فی میل ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

یاور نے آنکھوں میں چمک لیے فرح کو دیکھا اور فرح نے بلش کرتے ہوئے نظریں جھکا دیں۔ہائے یاور تو فدا ہی ہو گیا تھا۔

"بہت شکریہ ڈاکٹر۔"یاور نے سر کے خم سے مبارک قبول کی۔ڈاکٹر نے کچھ ہدایات دیں تھیں۔پھر وہ کچھ دیر بعد باہر چلے آئے تھے۔

سارے راستے وہ خوش ہوتا آیا تھا۔اور گھر آ کر جب اس نے سب کو بتایا تو فرقان ہاؤس میں ایک دفعہ پھر خوشیاں بکھر گئیں تھیں۔سب نے ان دونوں کو مبارک باد دی۔کچھ دیر وہ سب کے ساتھ وہاں بیٹھنے کے بعد روم میں چلے آئے تھے۔

"مجھے اتنی بڑی خوشی دینے کے لیے شکریہ فرح۔"اس نے فرح کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ خوشی آپ سے ہی ملی ہے۔ یہ سب کچھ آپ نے ہی تو دیا ہے۔"

آج ان دونوں کے چہروں پر الگ ہی چمک تھی۔ وہ دونوں آج بے حد خوش تھے۔

○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک اور ماریہ کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا نئے گھر میں آئے ہوئے۔ سیمون آفندی نے جنگکوک کو فلیٹ دینے کے بجائے گھر دیا تھا۔ جس کے سامنے چھوٹا سا لان تھا۔ جس میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے تھے۔ گھر کے اندر تین روم تھے اور تینوں کے ساتھ اٹیچ واشروم بھی تھے۔ ایک اوپن کچن تھا جس کے سامنے ہی چھوٹا سا ڈائننگ ہال تھا۔ ڈرائنگ روم نہیں تھا لیکن ایک چھوٹا مگر خوبصورت ہال تھا۔ گھر میں ہر چیز نفاست سے رکھی گئی تھی۔ ایک روم ماریہ نے

نماز کے لیے سیٹ کر دیا تھا۔ ابھی وہ دونوں رات کا کھانا کھا رہے تھے جب اس کے فون پر رنگ ہوئی۔ فرح کی کال تھی۔

"اسلام علیکم!" ماریہ نے فون اٹھاتے ہی سلام لیا۔

"وعلیکم السلام... کیسی ہو؟ امید کرتی ہوں پریشان نہیں کیا ہوگا۔"

"ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بالکل بھی پریشان نہیں ہوئی۔"

"میرے پاس تمہارے لیے گڈ نیوز ہے۔"

"کیسی گڈ نیوز؟"

"تم پھوپھو بننے والی ہو۔"

"وہ تو مجھے پہلے.... ایک منٹ..... یہ گڈ نیوز آپ کی طرف سے ہے۔" وہ پہلے اپنے دھیان میں کچھ کہنے لگی تھی پھر ایک دم سیدھی ہوئی۔

"ظاہر ہے... اس لئے تو بتا رہی ہوں۔"

"او مائی گاڈ... آپ کو بہت بہت مبارک ہو بھابھی۔" خوشی سے ماریہ کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔ پھر کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد فون بند ہو گیا تھا۔

"بہت مبارک ہو آپ کو۔" جنگکوک کی مبارک اس نے سر کے خم سے وصول کی تھی۔

"ویسے مجھے بچے بہت پسند ہیں۔" جنگکوک نے ماریہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بچے تو سب کو ہی پسند ہوتے ہیں." وہ پانی کا گلاس لبوں کو لگاتے ہوئے بولی۔ جنگکوک اس کی بات پر مسکرا کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں ان کی زندگی خوشگوار ہونے والی تھی یا اس سے بھی بری ہونے والی تھی۔ وہ فی الحال اس سے آگے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

مجھ کو عادت ہے روٹھ جانے کی

آپ مجھے کو، منا لیا کیجیئے

نومبر کی پہلی رات روئے زمین پر اتر آئی تھی۔ سرد ہوا کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی لیپ ٹاپ گود میں رکھے نا جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی۔ چند منٹ گزرنے کے بعد وہ کھڑکی کھلی چھوڑ کر بیڈ پر چلی آئی تھی۔ اب وہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔ دفعتاً روم کا دروازہ کھلا اور وہ اندر آیا۔ اس کے آنے پر بھی ماریہ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ویسے ہی مصروف رہی تھی۔ جنگلوک چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور

چائے کا کپ اس کے سامنے کیا۔اس نے چونک کر سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے مگ اٹھالیا۔

"تھینک یو۔"

جنگکوک بھی جواباً مسکراتا ہوا بیڈ کی دوسری طرف چلا آیا۔اپنی چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

"یہ ناراضگی کب ختم ہو گی؟ دو دن سے آپ نے مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کی۔" ماریہ کے ٹائپ کرتے ہاتھ تھمے۔

"آپ جانتی ہیں نا کہ میں آپ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا۔"

ماریہ نے چہرہ موڑ کر جنگکوک کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ کیا میں ہو سکتی ہوں؟" ماریہ نے دونوں ابرو اٹھائے۔

"بالکل ہو سکتی ہیں۔ ابھی بھی آپ ناراض ہی ہیں۔" جنگکوک کی بات پر وہ خاموش سے اسے دیکھے گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" اس کے مسلسل دیکھنے پر اس نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"بیوی ہوں آپ کی۔ دیکھ سکتی ہوں۔" اس کی بات سن کر جنگکوک ہنس دیا تھا۔

"دراصل میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ محبت سے دیکھ رہی ہیں یا غصے سے۔"

"غصے سے دیکھوں یا محبت سے۔ یاد رکھئے گا آپ کو دیکھنے کا حق صرف میرا ہے۔" اس کی تنبیہ پر وہ ایک بار پھر ہنس دیا تھا۔

"بالکل سارے حق آپ ہی کے تو ہیں۔" جنگکوک کو اس کا یوں حق جتانا اچھا لگا تھا۔ جبکہ جنگکوک کی بات وہ فخریہ مسکرا دی۔

"ویسے آپ کر کیا رہیں تھیں؟" اس نے ماریہ کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ دیکھا تو پوچھ لیا۔

"آپ کے ایک سوال کا جواب ڈھونڈ رہی تھی۔" وہ سنجیدگی سے بولی لیکن انداز پر سکون تھا۔

"میرے سوال کا جواب۔" جنگکوک کی بھنویں تعجب سے اکٹھی ہوئیں۔ "میرے کس سوال کا جواب؟" جنگکوک کے پوچھنے پر اس نے لیپ ٹاپ اس کی گود میں رکھ دیا۔ اس نے ایک نظر حیرت سے ماریہ کو دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ کو۔ اور پھر اس نے لیپ ٹاپ پر لکھے گئے اس بڑے سے پیراگراف کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ جوں جوں پڑھتا گیا، اس کی حالت عجیب سی ہوتی گئی۔

OOOOOOOOOOOOOOOO

وہ ایک سجدہ جس کو تو گراں سمجھتا ہے

ہزار صدموں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

"سجدہ کیا ہوتا ہے؟"

سجدہ ہمیں جھکنا سکھاتا ہے۔ جب ہم عقیدت سے اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں تو ہمارے اندر عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ ہم کسی سلطنت کے بادشاہ ہی کیوں نا ہوں، سید ہوں یا پیر ہوں۔ ولی ہوں یا نبی ہوں۔ سجدے کا سب کو ایک جیسا ہی حکم ہے۔ سجدہ ہمیں اللہ کے قریب لے جاتا ہے۔ سجدے کے ذریعے سے ہم اللہ سے اپنی اطاعت اور بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہوتا ہے کہ ہمیں ہدایت دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ وہی ہمیں برکتوں سے نوازتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے ہم اللہ کی قربت حاصل کر پاتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ انسان سجدے کی حالت میں

اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اس کے ذریعے سے ہم اللہ سے بخشش مانگتے ہیں اور اس کی رحمت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ سجدہ کی حالت میں مانگی گئی دعائیں اللہ بہت قریب سے سنتا ہے۔ ہمارے ماضی میں کیے گئے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔اور آنے والی زندگی میں گناہوں سے بچنے کے لیے ہمارا ساتھ دیتا ہے۔

جو لوگ اللہ کے سامنے جھکنے کے بجائے دنیا کے سامنے جھکتے ہیں تو وہ رسوا ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو ہدایت پا لیتے ہیں اور کچھ بھٹک جاتے ہیں۔اور اللہ جسے چاہے راہ دکھائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جہاں سجدے کے ذریعے ہم معافی مانگتے ہیں، وہیں ہم اس کا شکر بھی ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ سجدے کی توفیق سب کو نہیں ملتی۔ تو اگر کسی کو یہ توفیق مل جاتی ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ جو

بندہ یہ کہتا ہے نا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تو اسے یہ بات اچھے سے سمجھ لینی چاہیے کہ اس کا کوئی برا عمل اسے نماز تک نہیں آنے دیتا۔ وہ اس گھمنڈ میں نا رہے کہ وہ اللہ کے سامنے جھکتا نہیں بلکہ اللہ اسے بلاتا ہی نہیں۔ اس لیے ہمیں معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ اس کا شکر بھی ادا کرتے رہنا چاہیے کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اسے سجدہ کر سکیں۔ قرآن مجید میں چودہ دفعہ سجدے کا ذکر آیا ہے اور جہاں سجدہ آجائے وہاں پر سجدہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

ایک سجدہ، صرف ایک سجدہ، اللہ کے سامنے عاجزی سے جھک جانا، اپنا غرور ختم کر کے صرف اللہ کا ہو جانا، اس کی ذات کے قریب ہو جانا انسان کو اندر تک سرشار کر دیتا ہے۔

اور جس کی ذات میں غرور آجائے۔ وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ جو جھکتا نہیں ہے، وہ بھٹک جاتا ہے۔ تنہا رہ جاتا ہے۔

یقیناً اس نے اس ٹاپک کے ذریعے اپنے شوہر کو بہت ساری چیزوں سے باور کروانا چاہا تھا۔

"سجدے کے فزیکل فوائد"

اس سے آگے وہ کچھ پڑھ ہی نہیں پا رہا تھا۔اس کا جسم کانپ رہا تھا بالکل ویسے ہی جب اس نے کلمہ پڑھا تھا تو وہ حالت غیر کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا۔ماریہ نے اس کی ایسی کنڈیشن دیکھی تو گھبرا کر اس کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لے لیا۔

"جنگکوک آپ ٹھیک ہیں۔"ماریہ نے اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"م... مجھے سر.... سردی لگ رہی ہے۔ کھ.... کھڑکی بند کر دیں۔ "ماریہ نے فوراً اٹھ کر کھڑکی بند کی۔ اس کے واپس آنے تک جنگکوک کروٹ لیے لیٹ گیا تھا۔ ماریہ نے فوراً کمبل سیدھا کر کے اس کے اوپر ڈال دیا۔

خود اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ چہرے سے ہی پریشانی عیاں تھی۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ آپ اچانک سے ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہے ہیں؟" وہ خاموش رہا تھا۔ ماریہ کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ وہ بہت آہستگی سے جنگکوک کے بالوں کو سہلانے لگی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ جنگکوک کا سر سہلاتے سہلاتے نا جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ چائے وہیں پڑی پڑی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"سجدے کے فزیکل فوائد"

سجدے کی حالت میں خون کی سپلائی میں اضافے کی وجہ سے دماغ کو غذائیت ملتی ہے۔ جس کا یادداشت، بینائی، سماعت، ارتکاز، نفسیات اور دیگر تمام علمی صلاحیتوں پر اچھا اثر پڑتا ہے۔
(مزید جاننے کے لیے آپ لوگ انٹرنیٹ پر ویڈیوز دیکھ سکتے ہیں۔)

ooooooooooooooo

جنگکوک اور ماریہ کی یونیورسٹی اسٹارٹ ہوئے ایک ہفتے سے زائد کا عرصہ ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی یونی جاتے تھے اور ایک ساتھ ہی واپس آتے تھے۔ لیکن اس دن والے واقعے کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ابھی بھی وہ اپنے روم میں بیٹھی کتابوں سے سر کھپا رہی تھی جب وہ روم میں آیا۔ اس کے

ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے جن میں سے ایک اس نے ماریہ کو دیا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"سچ بتاؤں تو مجھے اس کی بہت طلب ہو رہی تھی۔"ماریہ نے کتابیں سائیڈ پر رکھتے ہوئے کپ تھام لیا۔

"مجھے پتا تھا میری پیاری بیوی پڑھتے پڑھتے تھک گئی ہو گی۔اس لیے میں لے آیا۔"جنگوک وہیں کھڑے کھڑے بولا۔ماریہ نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"اچھا اٹھیں۔باہر موسم بہت خوبصورت ہے۔باہر چل کر چائے پیتے ہیں۔"

"موسم اچھا ہونے کے ساتھ ساتھ سردی بھی ہے۔اس لیے میں نہیں جا رہی۔"

"اوہو اٹھیں نا۔ آپ میری برسوں پرانی خواہش کو یوں دھتکار نہیں سکتیں۔" اس کے چہرے پر بہت ساری

بیچارگی ایک ساتھ آگئی تھی۔

"کیسی خواہش؟"

"یہ کہ... نومبر کی یہ خوبصورت راتیں ہوں۔ بارش ہو۔ ایک خوبصورت سی ہمسفر ہو، ندی کا کنارہ ہو اور ہاتھوں میں اس کا ہاتھ ہو۔"

"کس کا.... ندی کا؟" ماریہ نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گیا۔

"آپ اٹھ رہی ہیں یا نہیں؟"

"جنگلوک اس دن بھی آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے اپنی اس خواہش کو دل میں رہنے دیں۔" ماریہ کے صاف انکار پر

جنگکوک کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے باہر چلا گیا۔ ماریہ نے اسے یوں جاتے دیکھا تو اسے بہت برا لگا تھا۔

وہ چائے کا کپ اٹھائے اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔ وہ دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے اس کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی۔

یہ بارشیں، یہ راستے

میری ہر دعا تیرے واسطے

میرا دل بھی یہ دعا کرے

کوئی ایسی شب ہوا کرے

جہاں چار سو نا کوئی اور شخص ہو

جہاں جاناں میں اور تو ہوا کریں

تو مجھے خود سے لپیٹ کر

سارے فاصلے جدا کرے

جہاں تجھ کو کھونے کا ڈر نا ہو
کوئی ایسا جہاں ہوا کرے
میرا دل بھی یہ دعا کرے
تو مجھے ہی بس سوچا کرے
تیری ہر سوچ کا محور میں ہوا کروں
میں بھی تجھ کو ہی بس سوچا کروں
یہ فاصلے ختم ہوں
اور میں اور تم ہم ہوں

وہ دھیرے سے گنگناتے ہوئے اس کے پہلوؤں میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جنگکوک نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور پھر رخ موڑ لیا۔ ماریہ کو اس کی اس ادا پر پیار آیا تھا۔

"اب آپ ایسے ناراض ہو کر اتنے خوبصورت موسم کا بیڑہ غرق کریں گے ؟"جنگکوک کے بازو پر اپنی ٹھوڑی رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔میں ناراض ہوں یا تنہا بارش میں بھیگوں۔"وہ بارش کو دیکھتے ہوئے بولا جبکہ ماریہ نے اس کے "تم" کہنے پر شاک سے اسے دیکھا۔

"ہیں ہیں ہیں..... یہ آپ نے مجھے تم کیوں کہا؟اتنے پیارے لگتے ہیں جب آپ مجھے "آپ" کہتے ہیں۔"

"میری مرضی۔میں تم کہوں یا آپ۔مخاطب تو تمہیں ہی کرتا ہوں نا۔"جنگکوک کے اس طرح بولنے پر وہ زیر لب مسکرائی۔

"ویسے یہ لڑکے نا شادی سے پہلے اتنے ادب سے آپ آپ کر کے بات کرتے ہیں۔جیسے ہی شادی ہو جاتی ہے آپ سے تم پر آجاتے

ہیں۔"اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا تھا۔جنگکوک نے اس کے

بیویوں والے انداز پر چونک کر اسے

دیکھا اور بے ساختہ ہنس دیا۔

"چائے پیو۔پھر تمہیں میں پوچھتا ہوں۔"

"کیا پوچھیں گے؟"ماریہ نے تیوری چڑھاتے پوچھا۔

"تم میرے ساتھ باہر کیوں نہیں آئیں؟میں اتنے پیار سے آفر کر رہا

تھا اور تم نے میرے پیار کی قدر ہی نہیں کی۔"وہ پھر سے بیچارگی کے

ساتھ بولا تھا۔

"ہاں پیار کی قدر نہیں کی۔اس لیے آپ کے ساتھ یہاں پر کھڑی

ہوں۔حالانکہ مجھے اتنی سردی لگ رہی ہے۔"چائے کا آخری گھونٹ

لیتے ہوئے وہ شکایتی ہوئی۔

"کیا تمہیں واقع ہی میں سردی لگ رہی ہے؟"جنگکوک کے انداز میں فکر تھی۔

"نہیں بالکل بھی نہیں.... مذاق کر رہی ہوں۔"

"لو! تم مذاق کر رہی تھی... میں خوامخواہ ہی پریشان ہو رہا تھا۔"

جنگکوک کی بات پر ماریہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"اف جنگکوک اف۔"جنگکوک کے ہاتھ سے کپ چھین کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھے گیا۔اور پھر ہنستے ہوئے سر جھٹکتا اس کے پیچھے کچن میں آیا۔

"میں نے سنا ہے آپ کی پاکستانی بھابھیاں بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔کیا آپ نے ان سے کچھ سیکھا ہے؟"وہ سنک کے سامنے کھڑی مگ دھو رہی تھی جب اس نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو بھوک لگ رہی ہے؟"

اس نے مڑے بغیر پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن پاکستانی بریانی یاد آرہی ہے۔ بہت مزے کی تھی۔"

اس نے بہت آرام سے ماریہ کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں؟" اس کی حرکت پر ماریہ نے پوچھا۔

"میں نے تم سے شادی برتن دھلوانے کے لیے نہیں کی تھی۔ یہ کام میں خود بھی کر سکتا ہوں۔" ماریہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بھلے ہی میں نے اپنی پاکستانی بھابیوں سے کھانا بنانا نا سیکھا ہو لیکن میں نے ان سے گھرداری بہت اچھے سے سیکھی ہے۔ یہ کام عورتوں کے کرنے کے ہیں۔"

"کیوں؟ کیا اسلام میں مردوں پر گھر کے کام کرنا حرام ہے یا اپنی خوبصورت بیویوں کی مدد کرنے پر پابندی ہے؟" مگ اسٹینڈ میں رکھ کر اس کی جانب مڑا۔

"ناتو یہ حرام ہے اور نا اس پر پابندی ہے اسلام میں۔ بس مجھے اچھا نہیں لگتا کہ آپ یہ کام کریں۔" اس نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"لیکن مجھے اچھا لگتا ہے۔ آپ کچھ بھی کریں لیکن یہ برتن آپ نہیں دھوئیں گی۔ اور ہر وقت کچن میں گھس کر کھانا پکانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔ میں سب سنبھال لوں گا۔" اس نے ماریہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ جبکہ اس نے کندھے اچکائے۔

"تو شادی کیوں کی تھی؟"

"پھر وہی بات۔ کہا نا.... میں نے شادی یہ کام کروانے کے لیے نہیں کی۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ہر وقت تمہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے شادی کی تھی۔ اب چلو اور جا کر پڑھائی کرو۔" جنگکوک نے اس کے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اسے کچن سے نکالنا چاہا۔

"اور آپ؟"

"میں بس تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔"

"دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں نا۔"

"آمممم......مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔میں بس آتا ہوں۔"

اس نے موبائل ماریہ کے سامنے لہرایا تو وہ سر ہلاتی روم میں چلی گئی۔

جنگکوک نے مسکرا کر اسے دیکھا۔اور پھر پورے کچن میں ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔

"آج مسز جنگکوک آفندی کھائیں گی شیف جنگکوک آفندی کے ہاتھ کی پاکستانی بریانی۔"

کندھے اچکاتا وہ اپنے کام میں لگ گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ دونوں اس وقت کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جنگکوک ایک پلیٹ میں بریانی نکال رہا تھا جبکہ ماریہ اسے گھورے جا رہی تھی۔

"میں مانتا ہوں میں خوبصورت ہوں۔ لڑکیاں مجھے دیکھیں تو دیکھتی ہی رہ جاتی ہیں۔ لیکن اتنا بھی مت دیکھو۔ مجھے شرم بھی آتی ہے۔" وہ مصروف سا بولا جبکہ ماریہ نے آنکھیں مزید چھوٹی کیں۔

"میری خوبصورتی کو نظر نا لگاؤ۔" وہ پھر سے بولا اور بولتے ساتھ ہی نظریں اٹھائیں۔

"غصے سے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"کیونکہ آپ نے میرے ساتھ جھوٹ بولا ہے۔"

"کیسا جھوٹ؟"

"یہی کہ آپ کال پر مصروف ہیں۔ جبکہ آپ کچن میں یہ سب کر رہے تھے۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ اگر میں یہ کام نہیں کر سکتی تو پھر آپ بھی نہیں کریں گے۔"ماریہ کی بات پر پہلے اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر ایک جاندار قہقہ لگایا۔

"میرے باپ نے میرے ساتھ جہیز میں کوئی ملازم نہیں بھیجا۔"

"جب میں نے کہا تو ہے کہ.....۔"

" کھانے کے دوران باتیں نہیں کرتے۔یہ کھاؤ اور بتاؤ کیسی بنی ہے۔"ایک پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔خود بھی اسے دیکھے گیا۔جنگلوک کو شدید بھوک لگی تھی لیکن اس کے شروع کرنے سے پہلے وہ شروع نہیں کر سکتا تھا۔اور رہا بھی نہیں جا رہا تھا۔ تبھی اس نے ماریہ کی پلیٹ سے ایک نوالہ اٹھایا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔ماریہ نے اک نظر نوالے کو دیکھا اور پھر جنگلوک کو۔کیا کوئی ایسی

محبت کر سکتا تھا جیسی جنگکوک ماریہ سے کرتا تھا۔اس کی محبت کی گواہی ماریہ کے دل نے دی تھی۔

"اب کھاؤ گی بھی یا بس نظر لگاتی رہو گی۔"جنگکوک کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر مسکرا دی۔اور بریانی کا چمچ منہ میں لے گئی۔وہ اس کے تبصرے کے انتظار میں اسے دیکھے گیا۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ پتا نہیں اسے پسند بھی آئی ہو گی یا نہیں۔ بریانی اچھی بنی تھی۔وہ جانتا تھا۔لیکن کیا اس کی بیوی کو پسند آجائے گی۔یہ بات اسے ستا رہی تھی۔

"واؤ جنگکوک۔یہ تو بہت ذائقے دار ہے۔آپ تو ماسٹر شیف نکلے۔" جنگکوک کو سکون کا سانس آیا تھا۔اس نے فخر سے کندھے اچکا دیئے۔

"بس اپنی بیگم کے لیے بننا پڑا۔" اس نے مسکرا کر جنگکوک کو دیکھا اور پھر گردن پیچھے پھینک کر ہنستی گئی۔ جبکہ وہ اسے مسکرا کر دیکھے گیا۔

وہ اس کی پسندیدہ عورت تھی۔ وہ سامنے ہو تو کیسے ممکن تھا کہ وہ کوئی اور کام کر سکے۔ وہ اپنے گھر میں اس کے قہقہے سننا چاہتا تھا اور آج وہ چاہت بھی پوری ہو چکی تھی۔

وہ کوئی بات کر رہی تھی اور وہ مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔

***********_

رات کا نا جانے کونسا پہر تھا لیکن وہ دونوں ابھی تک جاگ رہے تھے۔

کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جنگکوک بیڈ کراؤن سے ٹیک

لگائے بیٹھا تھا جبکہ ماریہ کا سر اس کے کندھے پر تھا۔ جنگکوک کا ہاتھ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا۔

"جنگکوک۔" اس نے دھیرے سے پکارا۔

"ہمم....... کہو۔" وہ بھی اتنی ہی آہستہ سے بولا تھا۔

"کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گے؟"

"کیسا وعدہ؟"

"کہ آپ کبھی بھی شراب نہیں پیئں گے۔"۔ جنگکوک کی گردن میں گلٹی سی ابھری۔

"پورک نہیں کھائیں گے۔ اور نا ہی کسی کلب جائیں گے۔ ایسے کلب تو بالکل بھی نہیں جہاں لڑکیوں کا ہجوم ہوتا ہے۔" اس کی جیلسی پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"کریں نا وعدہ۔" وہ کتنے مان سے کہہ رہی تھی۔

"اگر میرے دوست مجھے کہیں باہر بلائیں گے تو میں انہیں انکار تو نہیں کر سکتا نا۔"

"تو آپ دوستوں کے ساتھ کسی اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا بھی تو کھا سکتے ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ یہ سب کھائیں جو حرام ہے۔" وہ اتنے مان سے کہہ رہی تھی۔ وہ کیسے انکار کر سکتا تھا۔

"میں وعدہ تو نہیں کر سکتا لیکن.... کوشش ضرور کروں گا۔" وہ افسردہ سی مسکرائی۔

"چلیں یہ وعدہ کریں کہ آپ کوشش کریں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں کوشش ضرور کروں گا۔" جنگکوک کے وعدے پر وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ وہ اپنے عزیز شوہر کو ان گناہوں کی زندگی سے بچا لے گی۔

"چلیں سوتے ہیں۔بہت رات ہو گئی ہے۔"ماریہ نے کہا اور اپنی سائیڈ پر آکر لیٹ گئی۔

"تم پچھلے ایک ہفتے سے میرے بازو پہ سوتی رہی ہو۔عادت لگا دی ہے تم نے میرے بازو کو اپنے سر کی۔"جنگلوک کی بات پر وہ ہولے سے ہنس دی۔اور پھر اس کا بازو اپنے سر کے نیچے رکھتے آنکھیں بند کر لیں۔وہ بھی مسکراتا ہوا سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔

ooooooooooooooooo

یمان اور حماد کو گئے پندرہ دن ہو گئے تھے۔گھر میں صرف علیزے اور مومن ہوتے تھے باقی سب بھی آفس میں چلے جاتے تھے۔فرح یونیورسٹی چلی جاتی تھی۔ابھی ناشتے کی ٹیبل پر صرف ہاشم، منہاج، فرح اور یاور تھے۔

"میں کل گاؤں جارہاہوں۔ سویون کی شادی ہے اور دادی جان نے مجھے کہاہے کہ میں لازمی آؤں۔"

"بالکل! تمہیں جانا چاہیے۔ تم ان کے بیٹے ہو۔" ہاشم نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ منہاج نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

ooooooooooooo

یونیورسٹی میں ہر طرف اسٹوڈنٹس کا رش تھا۔ آج دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ فرح اور ماریہ لان میں ایک بینچ پر بیٹھیں ہوئیں تھیں۔

"بھائی نے آپ کو یونیورسٹی آنے سے منع نہیں کیا؟" ماریہ نے پوچھا تو فرح نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ "وہ مجھے کیوں منع کریں گے؟"

"آپ کی کنڈیشن کے پیشِ نظر بات کر رہی تھی۔"

"نہیں۔ الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔ یہ والا سمسٹر تو اب میں مکمل کر ہی لوں گی۔" فرح نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم بتاؤ کیسی جا رہی ہے لائف؟ جنگکوک کا رویہ کیسا ہے؟" فرح نے سامنے کھڑے جنگکوک کو دیکھتے ہوئے پوچھا جو اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ کبھی کبھی وہ اک نظر ماریہ کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

"بہت محبت کرتے ہیں وہ مجھ سے...... لیکن....۔" وہ خاموشی سے جنگکوک کو دیکھنے لگی۔

"تم جانتی تھیں نا کہ اس نے صرف اسلام تمہیں پانے کے لیے قبول کیا تھا۔ اس نے تو شاید کبھی اسلام کے بارے میں پڑھا بھی نہیں ہوگا۔ یہ مشکل تم نے اپنے لیے خود چنی ہے۔" فرح یقیناً اس کی بات سمجھ گئی تھی۔

"مجھے بھی ان سے محبت ہو گئی تھی۔ میں انہیں یوں ان کی آخرت برباد کرتے ہوئے نہیں دیکھ پا رہی تھی۔ اور پھر وہ خواب.... جب

ماں میرے خواب میں آئیں تھیں۔ پہلی دفعہ ماں نے میرے ساتھ بات کی تھی۔ میں انکار نہیں کر سکی۔"

"کچھ خواب شیطان کے بہکاوے بھی ہوا کرتے ہیں ماریہ۔" فرح کی بات پر ماریہ نے عجیب نظروں سے فرح کو دیکھا تھا۔

"اگر ان سے جنت کی خوشبو نا آرہی ہوتی تو میں بھی یہی سمجھتی۔ جس طرح وہ بات کر رہیں تھیں۔ کہیں سے بھی وہ شیطان کا بہکاوہ نہیں لگا۔" وہ اپنی ماں کے خواب کو شیطان کے ساتھ نہیں جوڑ سکتی تھی۔

فرح نے مسکرا کر شانے اچکا دیئے۔ وہ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"چلیں؟" جنگکوک اسی کے پاس چلا آیا تھا۔ یونیورسٹی آف ہو گئی تھی۔

"ہاں چلیں۔" ماریہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آجائیں ہم آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں. "ماریہ نے فرح سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"یاور آنے ہی والے ہوں گے۔ تم لوگ جاؤ۔ "فرح نے کہا تو وہ سر ہلاتی چلی گئی۔

گیٹ پر اس کی ملاقات یاور سے ہوئی تھی۔ ملنے اور چند باتیں کرنے کے بعد وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

"جنگکوک آپ کب تک آئیں گے؟ میں اتنی رات گئے گھر میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ "جنگکوک آج اپنے دوستوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ گھر تنہا رہنے سے ڈر رہی تھی۔

"میں نے کہا تو تھا کہ تمہیں تمہارے بھائیوں کی طرف چھوڑ دیتا ہوں۔ لیکن تم مان بھی تو نہیں رہی۔" جنگکوک نے بال بناتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں میں رات کے وقت وہاں نہیں جاؤں گی۔ آپ جائیں۔ میں مینج کر لوں گی۔" اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"اوکے پھر میں چلتا ہوں۔ اپنا دھیان رکھنا۔" جنگکوک نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے تک اسے سی آف کرنے آئی تھی پھر اپنے روم میں چلی گئی۔

"تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی جنگکوک؟ ہم کب سے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔" لیو نے جنگکوک کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بھئی اس کی شادی ہو چکی ہے۔ اب ایک عدد بیوی بھی ہے اس کی۔ دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔" چینگ نے بظاہر نارمل انداز میں کہا تھا۔

"اچھااب تم لوگ اپنی شکایتیں بند کرو اور بتاؤ کیا پلان ہے آج کا؟"

جنگلوک نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"اس دنیا کے علاوہ تمہاری ایک اور دنیا بھی ہے۔اگر تم بھول گئے ہو تو میں تمہیں یاد کروادوں۔آج کلب میں ڈانس کمپیٹیشن ہے۔ جس میں تم ہر سال حصہ لیتے ہو لیکن اس دفعہ تم نے حصہ نہیں لیا۔" یہ کہنے والا لیو تھا۔

"کلب میں جب چاہو ڈانس کرو۔مقابلے کی کیا ضرورت تھی۔"اس نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔وہ کافی بدلا بدلا لگ رہا تھا

۔اسے ماریہ سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد تھا لیکن وہ یہ سب چھوڑ نہیں پا رہا تھا۔

"چلو بھئی چلتے ہیں۔ کہیں مزید لیکچر نا سننا پڑھ جائے۔" لیو نے کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ جنگکوک بھی شیشے پر سر ٹکائے باہر کے نظارے دیکھنے لگا تھا۔ وہ سب لیو کے گھر اکٹھے ہوئے تھے اور وہیں سے سب کلب جانے والے تھے۔ یہ جنگکوک کا مشورہ تھا کیونکہ تیمور ہر وقت اس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ اس کے مزید لیکچرز نہیں سن سکتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنے روم میں اکیلی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں موبائل تھا۔ وہ حماد کے ساتھ چیٹ کر رہی تھی جب کسی ان ناؤن نمبر سے اس کے موبائل پر رنگ ہونے لگی۔ نمبر دیکھ کر اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے یاد نہیں آیا کہ یہ نمبر اس نے پہلے کہیں دیکھا ہو۔ اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

"کچھ کالز زندہ رہنے کے لیے سانس لینے جتنی ضروری ہوتی ہیں۔ انہیں لے لینا چاہیئے۔" اب کال کے بجائے میسج آیا تھا جسے دیکھ کر ماریہ چونکی۔

"ہایون۔" دوسرا میسج آیا تھا جسے دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ وہ بالکل برف کا پتلا لگ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری کال کا انتظار رہے گا۔" ایک اور میسج۔ اس نے موبائل ہی سوئچ آف کر دیا اور پیچھے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"یا اللہ۔ اسے میرا نمبر کہاں سے ملا۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ رات کو کافی دیر بعد واپس آیا تھا۔ روم میں آیا تو ماریہ وہاں نہیں تھی۔ وہ باہر آیا تو جس روم میں وہ نماز پڑھتی تھی وہاں کی بتی جل رہی

تھی۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے روم میں واپس چلا آیا۔ کپڑے وغیرہ لے کر واشروم میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر آیا تو اس کے بال بھیگے ہوئے تھے۔ تولیے سے بال رگڑتا وہ روم سے باہر چلا آیا۔ قدم پریر روم کی جانب بڑھا دیئے۔ اندر سے آتی تلاوت کی آواز نے اس کے قدم وہیں روک دیئے۔ روم میں وہ اونچی آواز میں کسی سورت کی تلاوت کر رہی تھی۔

(وہ سورہ ملک کی تلاوت کر رہی تھی۔)

ناجانے اس کی آواز میں ایسی کیا کشش تھی کہ دل کی حالت عجیب ہونے کے باوجود بھی وہ وہیں بیٹھتا گیا۔ اس پر خوف سا طاری ہونے لگا تھا۔

اندر وہ ابھی تک اپنی تلاوت میں مگن تھی۔ تلاوت مکمل کر کے اس نے قرآن مجید اونچی جگہ پر رکھ دیا اور لائٹ آف کر کے باہر چلی آئی۔

جنگکوک وہاں دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھا ہوا تھا۔چہرے پر پسینے کی بوندیں واضح تھیں۔جب وہ دروازہ بند کر کے پلٹی تو ایک دم سے ڈر گئی اور پھر اگلے ہی لمحے اس کے پاس زمین پر آ کر بیٹھ گئی۔

"ج....جنگکوک کیا ہوا؟آپ یوں نیچے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟" وہ پریشان سی اس کا چہرہ تھپکتے ہوئے بولی۔جنگکوک نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس میں دنیا بھر کی شکائتیں تھیں۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟کیا ہوا ہے؟" اب وہ ذرا سنبھل کر بولی تھی۔

"میری تم سے ایک درخواست ہے...اپنی کتاب کی تلاوت تم یوں آواز میں مت کیا کرو۔مجھے.......مجھے اس سے خوف آتا ہے۔" وہ بولا تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔اس کی بات پر ماریہ کو نا چاہتے ہوئے بھی غصہ آ گیا تھا۔

"کیا مطلب اپنی کتاب؟ آپ بھی مسلمان ہیں اور اب آپ کی بھی یہی کتاب ہے۔ اور اسے پڑھتے ہوئے تو ایک نیک آدمی پر بھی خوف طاری ہو جاتا ہے۔" ان دونوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لیے شکوہ تھا۔

"نیک آدمی کیوں خوفزدہ ہوتا ہے؟" جنگکوک نے پوچھا تھا۔

"میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی لیکن وقت آپ کو سمجھا دے گا۔ اور تب میں آپ سے یہ سوال پوچھوں گی۔ کیونکہ ابھی کوئی بھی دلیل، کوئی بھی بات آپ کو وہ نہیں سمجھا سکتی جو آپ اپنے تجربے سے سیکھیں گے۔" وہ کہہ کر روم میں چلی گئی تھی۔ جنگکوک نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔ اتنی محبت کرنے کے باوجود بھی وہ اسے ہرٹ کر دیتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

گاؤں میں آج شام بہت خوبصورت اتر رہی تھی۔ایک گھر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔گھر کے لان کو سفید پھولوں اور لڑیوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔گھر کے ایک کمرے میں سویون، محمل اور دادی جان بیٹھے ہوئے تھے۔ سفید رنگ کی فراک کے اوپر سرخ گاؤن پہنے سویون بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"خدا میری بیٹی کے نصیب اچھے کرے۔ تم آنے والے وقتوں میں بہت ساری خوشیاں دیکھو۔" دادی جان نے سویون کو گلے لگاتے ہوئے دعا دی تھی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے میری چاند سی بیٹی۔" دادی جان نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

"اور دادی جان میں کیسی لگ رہی ہوں؟" محمل کے استفسار پر دادی جان نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سلور رنگ کی میکسی پہنے، بالوں کا جوڑا

بنائے جس کے سائیڈ سے بال چہرے پر لٹوں کی صورت میں

بکھرے ہوئے تھے، بلکے میک اپ میں ریڈ لپ اسٹک لگائے نازک

سی گڑیا لگ رہی تھی۔ پیروں میں پنسل ہیل پہنے ہوئے تھی۔

"تم بالکل کسی پری کی طرح لگ رہی ہو." دادی جان کے تبصرے پر

محمل نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"دادی جان سب پریاں پیاری نہیں ہوتیں۔ آپ کچھ اور کہیں، جو

سننے میں اچھا بھی لگے۔" دادی جان سوچ میں پڑ گئیں تھی۔

قیامت ہے تیرا یوں بن سنور کر سامنے آنا

ہمارے دل کو چھوڑو آئینے پہ کیا گزرتی ہو گی

عقب سے آتی آواز پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ سویون اور دادی جان

نے بھی حیرت سے دروازے پر

کھڑے نفوس کو دیکھا۔

"کیا اتنی کافی ہے یا اور سننا چاہتی ہیں آپ؟" منہاج اب دروازے سے ہٹ کر روم میں آرہا تھا۔ جبکہ محمل کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ منہاج نے اس کی تعریف میں شعر کہا ہے۔

"ویسے اس میں ناپسند آنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن شائد آپ کو پسند نہیں آیا۔" منہاج اب بالکل اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔

"شعر تو بہت اچھا تھا.... لیکن دل سے نہیں کہا آپ نے۔" اس کے اعتراض پر وہ دھیمے سے مسکرایا۔

"دل سے کہنے کے لیے دل میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔" لاپرواہی سے کہتا وہ سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ اس نے تو لاپرواہی سے کہا تھا لیکن محمل کے دل پر بہت زور سے لگا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ بالکل چاند کا ٹکڑا۔" اب وہ سویون کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ منہاج کی تعریف پر وہ مسکرائی۔

"دادی جان بھی کہہ رہیں تھیں کہ میں چاند کا ٹکڑا لگ رہی ہوں۔" اس نے ذرا شرماتے ہوئے کہا۔

"دیکھا... اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہونا۔ میں نے اور دادی جان نے تمہیں ایک جیسی نظروں سے دیکھا ہے۔" اس کے چہرے پر غم چھپا لینے والی مسکراہٹ تھی۔ محمل نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اس کی تیاری کو۔ اور پھر دھنگ رہ گئی۔

"واؤ! کیا اتفاق ہے۔" محمل کی بات پر سب نے اسے دیکھا۔

"ویسے کیا آپ کو خواب آیا تھا کہ میں سلور کلر پہن رہی ہوں۔

دیکھیں نا آپ نے بھی سلور تھری پیس پہنا ہوا ہے۔" محمل کے کہنے

پر سب نے منہاج کو دیکھا۔

"جی نہیں... یہ صرف ایک اتفاق ہے ورنہ مجھے کوئی اجنبی آج تک

خواب میں نہیں آیا۔"

وہ اتنا تلخ تو نہیں تھا۔ لیکن اب وہ لفظوں کے تیر چلانے لگا تھا جو

سامنے والے کے دل کے آر پار ہو جاتے تھے۔

سارے فنکشن میں ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی

تھی۔ رخصتی کے وقت منہاج نے سویون کو اس کے شوہر کے

حوالے کر دیا تھا اور یہ کرتے ہوئے اسے ماریہ کی رخصتی یاد آ گئی تھی۔

نا چاہتے ہوئے بھی کچھ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ گئے۔ محمل نے

یہ منظر دیکھا تو دل نے آگے بڑھ کر اس کے آنسو پونچھ لینے کی

خواہش کی تھی لیکن ایسا حق کہاں تھا اس کو۔

رخصتی کے بعد مہمان بھی چلے گئے تھے۔ مخمل دادی جان کو سلا کر

خود باہر چلی آئی تھی۔وہ سیڑھیوں پر ریلنگ کے ساتھ سر ٹکائے چاند

کو تک رہی تھی۔ جو آج کافی دنوں بعد نظر آیا تھا۔ تبھی ایک جگنو اڑتا

ہوا اس کے سامنے سے گزرا۔اس کی آنکھوں نے دور تک اس جگنو کا

پیچھا کیا تھا۔ جگنو نظروں سے اوجھل ہوا

تو وہ واپس چاند کو تکنے لگی۔

"لگتا ہے آپ کو چاند کو دیکھنا بہت پسند ہے۔" عقب میں اس کی آواز ا

بھری تھی۔

"ہاں......مجھے تنہا بیٹھ کر چاند کو دیکھنا بہت پسند ہے۔" وہ بغیر

مڑے بولی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ورنہ آج کل لوگوں کے شوق بدل گئے ہیں۔" وہ ایک سٹپ نیچے آکر بیٹھ گیا تھا۔ "لوگوں کو اب انٹرنیٹ کی دنیا سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ نیچر کتنی خوبصورت چیز ہے ان لوگوں کو اندازہ ہی نہیں۔" وہ بھی سر اٹھائے چاند کو دیکھنے لگ گیا تھا۔ لیکن محمل اب چاند کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اب اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ چاند بہت خوبصورت ہے۔"

"آپ کی طرح۔" بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا تھا۔ منہاج نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ کہا آپ نے؟" وہ سن چکا تھا لیکن اب انجان بن رہا تھا۔ محمل نے نفی میں گردن ہلائی تو وہ بھی مسکراتے ہوئے رخ موڑ گیا۔

"میں کل واپس چلا جاؤں گا۔" کتنی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا تھا۔ "شہر میں ایک آخری ملاقات کروں گا آپ سے۔" اس نے استعجاب سے منہاج کو دیکھا۔ "امید ہے آپ مجھے ملنے آئیں گی۔"

"آخری ملاقات؟ کیا اس کے بعد ہم کبھی نہیں ملیں گے؟" وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔

"اس وقت میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا تھا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ گڈ نائٹ۔" کہہ کر وہ چلا گیا اور وہ کتنی دیر اس کی بات پر غور کرتی رہی تھی۔

"آخری ملاقات کیوں کہا اس نے؟" اس نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ سوالوں کے جواب وہیں سے تو ملتے ہیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ماریہ عشا کی نماز پڑھ رہی تھی جبکہ وہ اپنے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موبائل پر ریلز دیکھ رہا تھا جب اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔ ایک ان ناؤن نمبر سے میسج آیا تھا۔ جنگکوک نے اچھنبے سے اس نمبر کو دیکھا اور میسج اوپن کیا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟"

("یہ کون ہے۔") اس نے محض سوچا۔

"کون؟" اس نے جواباً پوچھا۔ میسج سین ہو گیا تھا۔ اب اسکرین پر ٹائپنگ لکھا ہوا آرہا تھا۔

"کچھ سوالوں کے جواب ملاقات کر کے دیئے جاتے ہیں۔ اور ہم دونوں کا ملنا بہت ضروری ہے۔" میسج پڑھ کر وہ عجیب متجسس ہوا۔

"میں اجنبی لوگوں سے نہیں ملتا۔" اس نے لکھ کر بھیج دیا۔

"ہاں مگر..... ایک اجنبی لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں۔" اس بات پر تو جنگکوک تپ ہی گیا تھا۔

"یہ میرا پرسنل میٹر ہے۔ کام کی بات کرو۔" وہ اسے بتا سکتا تھا کہ وہ اجنبی عورت نہیں ہے۔ لیکن وہ ایک اجنبی کے ساتھ اپنی بیوی کو ڈسکس نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اتنا بے غیرت نہیں تھا۔

"تبھی اس پرسنل میٹر کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہو۔" ساتھ ہنسنے والے ایموجی تھے۔ جنگکوک کی گردن میں گلٹی ابھری۔

اب اس نے جواب نہیں دیا۔

"لیکن میں جانتا ہوں وہ کوئی اجنبی نہیں ہے۔ تمہاری کزن ہے۔ پھپھو کی بیٹی۔" جنگکوک کا بس نہیں چل رہا تھا اس کا سر کھول دے۔

وہ کیسے اس کی بیوی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک؟" دفعتاً وہ روم میں آئی۔ تبھی جنگکوک نے موبائل سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔اس کے سامنے موبائل کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

"تم جانتی بھی ہو کہ مجھے تمہارے بغیر نیند نہیں آتی تو یہ اتنا فضول سوال پوچھنے کی وجہ؟" وہ وہیں بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔

"آج یونی کا کافی کام تھا مجھے لگا آپ تھک گئے ہوں گے۔" وہ بیڈ کے دوسرے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں دیکھ کر ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے گا اب میں ہر وقت آپ کے سامنے نہیں بیٹھ سکتی۔" اس نے اپنا حجاب کھولتے ہوئے کندھے اچکائے تھا۔انداز میں شرارت تھی۔

"دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن ایک عورت میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ مرد کی گرفت سے خود کو آزاد کروا سکے۔" وہ بولتی بند کروانا جانتا تھا۔ایک آنکھ دبا کر اس نے شرارت سے کہا۔ماریہ تیورا کر رہ گئی۔

"چائے بنا کر لاتی ہوں میں۔" کہہ کر وہ جانے لگی تو جنگکوک نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑ لی۔

"یہ میرا کام ہے۔میں ہی کروں گا۔" اس کا انداز جتاتا ہوا تھا۔

"میں چائے بہت اچھی بناتی ہوں۔" جنگکوک کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

"میں ساتھ چلوں گا۔"

"میں کونسا تر کی جا رہی ہوں۔کچن تک ہی تو جانا ہے بس۔"

"۔

"میں پھر بھی ساتھ جاؤں گا۔"

"آپ وہاں کیا کریں گے؟"

"آپ کو دیکھوں گا۔"

"پھر تو چائے بالکل بھی اچھی نہیں بنے گی۔"

"میں پی لوں گا۔"

"چینی تیز ہو جائے گی۔"

"میں پی لوں گا۔"

"دودھ کم پانی زیادہ ہو جائے گا۔"

"میں پی لوں گا۔"

"ایسا ہو سکتا ہے میں دودھ ڈالوں ہی نا۔ خالی پانی دے دوں آپ کو۔"

"میں پھر بھی پی لوں گا۔"

"آخر کس مٹی سے بنے ہیں آپ؟" وہ اکتاتے ہوئے بولی۔

"چکنی مٹی سے۔" وہ مسکراہٹ دبا گیا۔

"جنگکوک...۔"

"ہاں جی۔"

"زہر ملادوں چائے میں؟"

"چائے میں ملانے کی کیا ضرورت ہے۔اپنے ہاتھوں سے پلادیں۔

میں اف بھی نہیں کروں گا۔"

"بہت مہنگا ہے زہر۔" وہ جنگکوک کی ڈھٹائی پر بل کھا کر رہ گئی تھی۔

"میں پیسے دوں؟" اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"سارہ آفندی مجھے زندہ قبر میں اتار دیں گی۔" اب کے جنگکوک کا

قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"اس کی کوئی گارنٹی نہیں لیکن.....۔" وہ رکا۔ "میں نصیحت کر کے جاؤں گا کہ میری بیوی کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ میں نے یہ زہر اپنی مرضی سے کھایا ہے۔"

وہ آنکھیں گھماتی وہاں سے جانے لگی لیکن جا نہیں پائی۔ کیونکہ اس کی کلائی جنگکوک کے ہاتھ میں تھی۔ وہ واپس مڑی۔ جنگکوک کو آنکھیں دکھائیں۔

"کہا تھا نا کہ عورت کبھی بھی مرد کی گرفت سے نہیں نکل سکتی۔ سخت ہوتی ہے۔" اس نے ماتھے پر بل ڈال کر جنگکوک کو دیکھا۔ اور کلائی آزاد۔ وہ کچھ پل خاموشی سے اسے دیکھے گئی اور پھر کھل کر ہنسی اور ہنستے ہوئے روم سے باہر چلی گئی۔ جنگکوک بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آیا۔

اجنبی نمبر ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

oooooooooooooooo

رات کے اس پہر وہ اپنے روم میں راکنگ چئیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ سر پیچھے ٹکائے اور آنکھیں کیے وہ اپنی کنپٹی مسل رہا تھا۔ یہ بات نا قابل برداشت ہو رہی تھی کہ اس کی پسندیدہ عورت کسی اور مرد کے ساتھ ہے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے سارہ آفندی کے بیٹے کو میسج کیا تھا۔ وہ کال بھی کر سکتا تھا لیکن وہ اپنے رقیب کی آواز بھی سننا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس رقیب کا نمبر حاصل کرنا کونسا مشکل کام تھا۔ دونوں میاں بیوی کے نمبر کے لیے جیونگ ہون کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ لیکن جنگکوک کی طرف سے ہوئی خاص جواب نہیں ملا تھا۔ اس کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"وہ میری ہے اور تم..... جنگکوک تم اسے مجھ سے چھین نہیں سکتے۔" اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا سر شدت درد سے پھٹ جائے گا۔

اس کا دل بھی بیزار ہو رہا تھا۔

"تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے جنگکوک۔ اسے پانے کے لیے میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

"تم اسے مجھ سے دور نہیں رکھ سکتے۔ وہ صرف میری ہے۔ سنا تم نے۔ صرف میری۔" وہ آخر میں غرایا تھا۔ اور وہ فی الحال یہی کر سکتا تھا۔ سر کا درد بڑھ گیا تھا۔

oooooooooooooooooo

دسمبر کا مہینہ شروع ہوتے ہی سردی میں بھی شدت آگئی تھی۔

دسمبر کی پہلی تاریخ کو بارش ہوئی تھی لیکن آج موسم بالکل صاف تھا۔ جلد ہی شام سارے میں پھیل رہی تھی۔ ایسے میں وہ دونوں

اپنے روم میں ریڈی ہو رہے تھے۔ یمان اور حماد واپس آ گئے تھے تبھی ہاشم نے ماریہ اور جنگکوک کو ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا۔ وہ شیشے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی اور جنگکوک اس پر نظریں ٹکائے اپنے بال بنا رہا تھا۔ ماریہ نے گھٹنوں تک آتی لائٹ پرپل فراک پہن رکھی تھی اور نیچے کھلا ٹراؤزر۔ ہیل والے شوز پہنے وہ جنگکوک کے کندھے تک پہنچ رہی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنا کر اوپر اسٹائل کیا ہوا تھا۔ اس کے بر عکس جنگکوک نے کیجوئل ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔

"آپ پہلے دھیان سے بال تو بنا لیں۔" ماریہ نے شیشے میں ہی اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

" بال ہی تو بنا رہا ہوں۔ میں کونسا تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ "

"جی نہیں... آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔" جنگکوک نے اب گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"تو کیا میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا؟" وہ کتنی دلربائی سے پوچھ رہا تھا۔ شوہروں کے ایسے انداز پر بیویوں کی ٹر ٹر چلتی زبانیں بند ہوتی ہوں گی۔

"نہیں۔" اس نے گردن اکڑا کر کہا۔ لیکن آنکھیں چار ہونے پر وہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

"لیکن میں تو دیکھوں گا۔" جنگکوک نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔ جنگکوک کی اس حرکت پر ماریہ کی کھلی ہوئیں آنکھیں مزید کھل گئیں تھیں۔

"دیکھ لیں... مگر دور سے۔" وہ حلق کے بل بولی تھی۔ جنگکوک نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔ دل چاہا اسے مزید ستایا جائے۔ تبھی اس نے ماریہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے مزید قریب کیا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں

سنسناہٹ ہوئی۔

"جنگکوک۔" اسے نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے اسے پکارا۔

"ہاں بولو۔" اس نے جان بوجھ کر اپنی آواز کو مدہوش بنایا

"ہم دونوں...۔"

"کیا ہم دونوں؟"

"ہم.... ہم ناراض تھے نا۔" اس نے آخری حربہ آزمایا۔

"اس بات کو ایک ہفتہ ہو گیا ہے.... ویسے بھی تمہیں مجھ سے کوئی بھی چیز دور نہیں کر سکتی۔" جنگکوک نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے

قریب کرتے ہوئے کہا۔اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے رہی تھی۔اس کی قربت پراس نے زور سے آنکھیں بند کرلیں۔ماریہ کی اس حرکت پراس نے کمال ضبط سے اپنی ہنسی کوروکا تھا۔

"ماریہ....۔"سحر میں ڈوبی آواز نے ماریہ کی دھڑکنوں کو تیز کردیا تھا۔

"جی۔"اسے اپنی آواز بھی کہیں دور سے آتی سنائی دی تھی۔

"تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔"کہتے ہوئے اس نے ماریہ کے چہرے کو دیکھا اور پھر اس کی بند آنکھوں کو۔پھر اس نے نرمی سے اپنے لب اس کی آنکھوں کے ساتھ لگائے۔یہ کیسا احساس تھا جس نے سارا ڈر اپنے اندر جذب کرلیا تھا۔

"دیر.....دیر ہورہی ہے۔"اس نے جنگکوک کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"دیر تو واقعی ہی ہو رہی ہے لیکن.... یہ رات اتنی خوبصورت ہے کہ میرا اب کہیں جانے کا دل نہیں کر رہا۔" جنگکوک کی بات پر اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"شادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے میکے جا رہی ہوں اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کا دل نہیں کر رہا۔" ماریہ کے غصے سے کہنے پر وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

"ہاں دل تو نہیں کر رہا لیکن اب اتنی خوبصورت بیوی کو ناراض بھی تو نہیں کر سکتا نا۔" وہ پیچھے ہوتے ہوئے بولا اور پھر بیڈ سے اپنا کورٹ اٹھا کر روم سے باہر جانے لگا

"میں گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں مسز۔ جلدی آنا۔" جنگکوک کے روم سے نکلتے ہی اس کے لبوں پر شرارتی سی مسکراہٹ بکھری۔ پھر

مڑ کر ایک نظر شیشے میں خود کو دیکھا اور اپنا کوٹ اٹھا کر باہر کو بھاگی جہاں وہ اس کا ویٹ کر رہا تھا۔

OOOOOOOOOOOO

آج فرقان ہاؤس میں رونق لگی ہوئی تھی۔ جنگلوک اور ماریہ کے آ جانے سے سب بہت خوش تھے۔ ڈنر کے وقت لڑکوں کے لیے الگ ٹیبل لگایا گیا تھا اور لڑکیوں کے لئے الگ۔

"تو میری دونوں نئی بھابھیوں کا ٹوور کیسا رہا؟" ماریہ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا۔ میں نے بہت انجوائے کیا۔" عریش نے جواب دیا تھا۔

"انسان جب اپنی پسندیدہ جگہ پر جاتا ہے تو خود بخود ہی اس کا موڈ فریش ہو جاتا ہے اور خود بخود ہی انجوائے بھی ہو جاتا ہے۔" بختاور کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس نے پاکستان میں کافی انجوائے کیا تھا۔

"ویسے فرح بھابی۔" اپنے نام پر فرح بختاور کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں نے اکثر انٹرنیٹ پر دیکھا ہے کہ دوسرے ممالک کے لوگ پاکستانیوں کو دہشت گرد کہتے ہیں جبکہ پاکستان کے لوگ بہت اچھے ہیں۔میں تو

امپریس ہو گئی۔"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ہم اس پر تفصیل سے ڈسکس کریں گے۔"

فرح نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے اگر تم انٹرنیٹ پر ایکٹیو ہوتی ہو تو تمہیں اس بات کا پتا ہونا چاہئے تھا کہ پاکستان دہشتگرد کے نام پر کیوں مشہور ہیں۔"علیزے نے کہا تو بختاور نے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں ضرور سرچ کروں گی۔لیکن میرا تمام پاکستانیوں کو مشورہ ہے کہ جب کوئی دوسرے ملک کا کہے کہ پاکستانی دہشتگرد ہیں تو اس

کے جواب میں پاکستانیوں کو کہنا چاہیے کہ ہاں.. ہم ہیں دہشتگرد۔ اب ذرا ہم سے بچ کر رہنا کہیں پہلا بم تم پر ہی نا گرا دیں۔" بختاور کی بات اور انداز پر لڑکیوں کی ٹیبل پر سب اونچی آواز میں ہنسنے لگی تھیں۔

دوسری جانب لڑکے جن کا ٹیبل اوپن کچن کے سامنے لگا ہوا تھا تاکہ لڑکیاں ڈائنگ ہال میں سکون سے کھانا کھا سکیں۔ لڑکیوں کی ہنسی سن کر سب کی نظریں ڈائننگ ہال کی طرف اٹھیں۔

"اللہ خیر کرے.... کہیں شوہروں کے خلاف پلاننگ تو نہیں ہو رہی اندر۔" حماد کی بات پر سب نے ایک بار پھر ڈائننگ ہال کی طرف دیکھا۔

"نہیں بھئی..... میری بیوی بہت معصوم ہیں... وہ ایسے پلان نہیں کرتیں۔" یاور نے حماد کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

"میری بیوی جتنی بھی سخت ہو جائے وہ کسی کو میرے خلاف پلاننگ نہیں کرنے دے گی۔" یمان بھی اپنی بیوی کی صفائی میں پیچھے نہیں رہا تھا۔ حماد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"میری بیوی بس یہ سوچ سکتی ہے کہ میرے بعد ناول کونسا پڑھنا ہے.... لیکن وہ میرے خلاف کوئی پلان بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" مومن نے اپنی مسکراہٹ کو ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ کو بھی کچھ کہنا ہے جیجہ جی اپنی بیوی کی صفائی میں؟" حماد کا سوال جنگکوک سے تھا جو خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے ان کی باتیں انجوائے کر رہا تھا۔

"میری بیوی کے پاس اتنا دماغ نہیں ہے کہ وہ کوئی پلان بنائے۔" جنگکوک نے منہ میں نوالہ رکھتے جب سر اُٹھایا تو سب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"ن.... نہیں ویسے دماغ ہے.... لیکن ایسے الٹے سیدھے کام وہ نہیں کرتی...... وہ معصوم ہے.... فرح بھابھی کی طرح۔" وہ ان کی نظروں کا مطلب سمجھ کر ذرا سا گھبرایا تھا۔ جنگکوک کی بات پر ہال میں قہقے گونج گئے تھے۔

"تم لوگ رکو گے آج؟" چائے کے بعد ہاشم نے جنگکوک سے پوچھا تھا۔

"بیگم سے پوچھ لیں۔" جنگکوک کی بات پر سب نے اپنی ہنسی کو بمشکل روکا۔

"بیگم جنگکوک سنئے۔" حماد نے ماریہ کے روم کی طرف منہ کر کے آواز لگائی جہاں وہ سب بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

"کہو۔" روم سے آواز آئی۔

"کیا تم دونوں آج رکو گے؟"

"بالکل رکیں گے۔"

"لو بھئی مل گئی اجازت تمہیں۔" حماد نے جنگکوک کو کہا تو وہ مسکرا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کافی ہو گئی تھی جب اُسے پانی کی طلب ہوئی۔ اس نے پانی کا جگ دیکھا جو خالی تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے اپنے رائٹ سائیڈ پر سوئے جنگکوک کو دیکھا اور پھر خاموشی سے باہر نکل آئی۔

"بھائی آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ماریہ نے مومن کو اس وقت کچن میں دیکھا تو پوچھ لیا۔

"علیزے کے سر میں درد ہو رہا تھا تو اسے میڈیسن دینے لگا تھا۔ لیکن پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ بس وہی گرم کرنے آیا

ہوں۔"

"دیں میں کر دیتی ہوں۔"ماریہ نے آگے بڑھ کر اس سے پانی کا جگ لیا اور فرائی پین میں انڈے لینے لگی۔

"تمہیں کچھ چاہیے تھا؟"

"میں بھی پانی پینے آئی تھی۔روم سے ختم ہو گیا تھا۔"

"چیون سا نے نہیں رکھا پانی؟"چیون سا کے نام پر اسے کچھ یاد آیا تھا۔وہ ایک دم پلٹی۔

"بھائی مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔"اس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر مومن کو اچنبھا ہوا۔

"کیا بتانا تھا؟"

"میں نے اس دن آپ کو بتایا تھا ناکہ ایک لڑکا جیونگ ہون جو مجھے اغواہ کرنے آیا تھا۔ وہ زندہ ہے۔" اب صحیح معنوں میں مومن بھی پریشان ہوا تھا۔

"میں نے پتا کروایا تو مجھے پتا چلا کہ یہ جیونگ ہون وہی ہے جو جیونگ انڈسٹری کا مالک ہے۔ میں اسے چند منٹ میں پولیس کے حوالے کر دیتا لیکن اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔" مومن نے سخت جھنجھلاہٹ سے کہا تھا۔

"وہ اتنا امیر کیسے ہو گیا بھائی؟" ماریہ کے غیر متوقع سوال پر مومن نے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب..... اتنا امیر کیسے ہو گیا۔ اس کا باپ اس کے جائیداد چھوڑ کر گیا ہو گا۔"

"آپ جانتے ہیں وہ کون ہیں؟" مومن نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔ کون ہے؟"

"ہایون۔"

"آ....ہایون.... نہیں...وہ تمہیں کیوں اغواہ کرے گا....وہ بزدل انسان تھا۔ جیونگ ہون کوئی اور ہے....ہایون کے پاس اتنا پیسہ نہیں تھا۔"

"ہایون غریب اور بزدل تھا لیکن.... جیونگ ہوں امیر بھی ہے اور نڈر بھی....اور سب سے بڑھ کر بے رحم۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ جیونگ ہی ہایون ہے؟"

"مجھے چیون سا نے بتایا تھا۔"

"لیکن انہیں کیسے پتا کہ جیونگ ہون ہی ہایوں ہے...اس کا تو چہرہ بھی ہایون سے نہیں ملتا۔ ہم اتنے عرصے سے اسے جانتے ہیں۔"

مومن کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"پہلی نظر میں دیکھنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں لیکن غور کرنے پر پتا چل جاتا ہے۔"

"چیون سا کیسے جانتی ہیں؟ کیا وہ بھی اس کے ساتھ ملی ہوئیں ہیں۔"

مومن کے چہرے پر ایک دم سختی آگئی تھی۔

"نہیں... وہ اس کے ساتھ نہیں ملی ہوئیں.... وہ تو جیونگ کو یہ سب کرنے سے روکنا چاہتی ہیں... وہ اس لیے تو مجھے خبردار کرنے آئیں تھیں۔ماریہ کی بات سن کر مومن کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"یہ ایک نئی پریشانی کی بات ہے.... اگر وہ ایسا بن گیا ہے تو وہ تمہیں ضرور کوئی نقصان پہنچائے گا۔" اس کے انداز میں فکر تھی۔

"تم ایسا کرنا غیر ضروری گھر سے باہر نا جانا اور کہیں جانا بھی ہوا تو جنگلوک کے ساتھ جانا۔" مومن نے کہا تو اس نے اثبات میں سر

ہلایا۔

"لیکن وہ مجھے ہی کیوں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ ہماری تو اچھی دوستی تھی۔ میں نے تو اس کا کچھ بگاڑا بھی نہیں۔" وہ ایک دم سے جیسے

اداس ہو گئی تھی۔

"وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔" ماریہ نے نا سمجھی سے مومن کو دیکھا۔ "وہ تمہارے ذریعے سے یمان کو ہرٹ کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں اذیت دینا چاہتا ہے۔" ماریہ کو اب ساری بات سمجھ آئی تھی۔ اس نے کے لب اووو میں سکڑے۔ لیکن ایک کرب سا اس کے چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اتنا خیال رکھنے والا انسان کیا واقعی ہی درندہ بن گیا تھا۔ وہ

ایک بار ضرور اس سے ملے گی۔ وہ طے کر چکی تھی۔ مڑ کر پانی کی طرف دیکھا تو وہ دھنگ رہ گئی۔

"پانی کہاں گیا؟" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خالی فرائی پین کو دیکھ رہی تھی۔

ءوہ تو ختم ہو گیا...... گرم ہو ہو کر۔" مومن نے کہا تو اس کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔

"میں دوسرا گرم کر دیتی ہوں۔"

"نہیں تم جاؤ میں کر لوں گا۔" مومن نے کہا تو وہ سر ہلاتی جانے لگی۔

"تم نے پانی بھی نہیں پیا۔" مومن کے یاد کروانے پر وہ ایک دم پلٹی۔

"ارے ہاں وہ تو میں بھول ہی گئی۔" وہ سر پر ہاتھ مارتے واپس کچن میں آئی۔ مومن نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"پاگل لڑکی۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○○

صبح ناشتہ کرنے کے بعد وہ جلد ہی واپس آ گئے تھے۔چونکہ جنگکوک کو کسی سے ملنا تھا وہ ماریہ کو گھر چھوڑ کر سیدھا ایک ریسٹورنٹ میں آیا تھا۔جہاں اکثر وہ دونوں ملتے تھے۔ابھی بھی وہ دونوں نفوس بالکل سامنے تھے۔

تیمور اور جنگکوک آج پھر ایک دفعہ ایک ریسٹورنٹ میں آمنے سامنے موجود تھے۔ تیمور کے مسلسل دیکھنے پر جنگکوک بیزار ہو رہا تھا۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے یا میں جاؤں ؟" وہ قدرے بیزاری سے بولا۔

"کہنا ہے... مجھے تم سے وہ کہنا ہے جو میں اس دن نہیں کہہ سکا۔"

تیمور سخت انداز لیے ہوئے تھا۔

"کیا کہنا ہے۔ جلدی کہو۔ میرے پاس تمہارے لیے فضول وقت نہیں ہے۔"

"ہاں تم نے یہ وقت کسی کلب میں کسی لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالے ڈانس کرتے ہوئے گزارنا تھانا۔" تیمور کا جملہ کسی تیر کی مانند جنگکوک کو لگا تھا۔ وہ تنے ہوئے اعصاب لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"اپنی بکواس بند کرو۔ میں کبھی بھی لڑکیوں میں انوالو نہیں رہا۔ تو بہتر ہو گا تم مجھ پر الزام مت لگاؤ۔"

"بیٹھ جاؤ جنگکوک۔ یہ باتیں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہیں۔" جنگکوک کے یوں غصے سے کھڑے ہونے پر لوگوں کی نظریں اسی جانب اٹھ گئیں تھیں۔ وہ سختی سے لبوں کو ایک دوسرے میں پیوست کئے واپس بیٹھ گیا۔

"اب اگر تم نے کچھ ایسا کہا تو میں بھول جاؤں گا کہ میرا اور تمہارا کیا رشتہ ہے۔" جنگکوک نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا تھا۔

"تو تم بھی تو اپنی بیوی کو دھوکہ دے رہے ہو۔ وہ تم پر ٹرسٹ کرتی ہے اور تم اس کے ٹرسٹ کو توڑتے چلے جا رہے ہو۔ تم لڑکیوں کو جانتے نہیں ہو...... اگر ایک دفعہ ان کا بھروسہ ٹوٹ جائے تو وہ آسانی سے معاف نہیں کرتیں۔"

"کر رہا ہوں نا کوشش چھوڑنے کی۔ اب کیا کروں؟"

"تم کوشش ہی تو نہیں کر رہے جنگکوک۔ تم کچھ نہیں کر رہے۔ تم صرف اپنے لیے مسئلے پیدا کر رہے ہو۔ اگر اسے پتا چلا وہ تمہیں چھوڑ دے گی جنگکوک۔ وہ تمہیں اس دھوکے کے لیے کبھی معاف نہیں کرے گی۔" اس نے رک کر جنگکوک کو دیکھا جو قدرے ڈسٹرب نظر آتا تھا۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ تمہارا دوست۔ میں چاہتا ہوں تم محبت میں دکھ نا اٹھاؤ۔ یہ ہجر کے لمحے وحشت ناک ہوتے ہیں، کہیں تمہیں کاٹنے نا پڑ جائیں۔" جنگکوک نے اس کی بات پر جھرجھری سی لی۔

"مجھے ڈراؤ مت.... ہم پہلے ہی بڑی مشکل سے ملیں ہیں۔ اب میں یہ جدائی نہیں چاہتا تو اگر خدا نے تمہیں اچھی شکل دی ہے تو مہربانی ہو گی بات بھی اچھی کر لو۔" جنگکوک کے یوں کہنے پر تیمور نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"تو تم نہیں سمجھو گے۔ کوئی بات نہیں۔ یہ میری لاسٹ وارننگ تھی۔ اب میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا اب وقت تمہیں سمجھائے گا۔ اور وقت تو اچھے اچھوں کو بہت کچھ سمجھا دیتا ہے۔ آسمان سے زمین پر پٹخ دیتا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو وہ تمہیں ہدایت ضرور دے گا۔ لیکن میرے بھائی ایک بات یاد رکھنا.... جنہیں ہدایت ملنی ہوتی ہے

نا نہیں بڑے سخت امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ میری دعا ہے تم اس امتحان میں پاس ہو جاؤ۔" وہ دکھی سا کہتا اٹھ گیا تھا۔ جنگکوک سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایک آخری بات جنگکوک... تم کبھی بھی اسے پہلی کوشش میں حاصل نہیں کر سکتے۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا لیکن جاتے ہوئے جنگکوک کی روح جھنجھوڑ گیا تھا۔ کئی مہینے پہلے کہا گیا ماریہ کا جملہ وہ دہرا کر گیا تھا۔ وہ ساکت رہ گیا تھا۔ ارد گرد کی ہر چیز جیسے کہیں دور چلی گئی تھی۔ وہاں بس ایک ہی جملہ گونج رہا تھا جو کچھ دیر پہلے تیمور بول کر گیا تھا۔ پھر اسے ماریہ کے لبوں سے آزاد ہوا وہ جملہ سنائی دیا۔

"آپ کبھی بھی مجھے پہلی کوشش میں حاصل نہیں کر سکتے۔" وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر کی جانب بڑھ

گیا۔اس کے دماغ پر یہ جملہ ہتھوڑے کی مانند لگ رہا تھا۔سر کا درد بھی ایسے بڑھا تھا جیسے ابھی سر پھٹ جائے گا۔اچانک تکلیف بڑھ گئی تھی لیکن کہاں، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔بے اختیار اس نے اپنا ایک ہاتھ دل پر رکھا اور ایک ہاتھ سے کنپٹی سہلانے لگا۔اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔وہ بری طرح لڑکھڑا کر گرنے لگا جب دو ہاتھوں نے اسے مظبوطی سے تھام لیا۔

"سر کیا ہوا؟آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" ویٹر اس کی ایسی حالت پر گھبرا گیا تھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنا آپ چھڑواتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ گاڑی تک کیسے پہنچا، گھر کیسے آیا اور کیا ہوا اور کیا نہیں۔جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو ماریہ کو اپنے قریب پایا۔وہ پریشان

سی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ سر پیچھے ٹکایا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ یعنی وہ اس پوزیشن میں سوئی تھی۔

جنگکوک نے اٹھ کر اسے سیدھا کر کے لٹانا چاہا تبھی اس کی آنکھ کھل گئی۔

"آپ اٹھ گئے؟ اب طبیعت کیسی ہے آپ کی۔" وہ پریشان ہوتی سیدھی ہوئی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں لیکن تم ایسے کیوں سو رہی تھی۔ پرواہ نہیں کرتی اپنی؟" "آپ کو اچانک سے کیا ہو جاتا ہے جنگکوک؟ آپ یوں کانپنے کیوں لگتے ہیں؟" اس نے جنگکوک کے سوال کو اگنور کر دیا۔

"اچھا۔ لیکن مجھے تو ایسا کچھ بھی یاد نہیں۔" وہ بالکل انجان بن گیا تھا۔

"آپ کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ لیکن سر پر معمولی سی چوٹ آ گئی۔ جب آپ رات کو اس حالت میں گھر آئے تھے میں

بہت پریشان ہو گئی تھی۔" ماریہ کے کہنے پر جنگکوک نے اپنے ماتھے

کو چھوا۔

"یہ بینڈ تج تم نے کی ہ" وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

"اتنی رات کو میں اکیلی لڑکی کہاں جاتی پھر مجھے خود ہی کرنا پڑا۔"

ماریہ کے یوں پریشانی سے کہنے پر

جنگکوک نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔"

"جو کچھ میں نے رات کو دیکھا جنگکوک، اس کے بعد میں کیسے یقین

کرلوں کہ آپ ٹھیک ہیں۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا، تو تم یقین کرلو۔" وہ مسکرا کر کہتا اس کا سر

سہلانے لگا۔

"ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھیں۔"

"تم مجھے کبھی چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی نا؟"جنگکوک کے سوال پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟"

"جیسا بھی سوال ہے... تم جواب دو، بتاؤ.... کبھی مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی نا؟"

"نہیں... میں کبھی بھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔"وہ مسکرا کر کہتی جنگکوک کے سینے پر واپس سر رکھ چکی تھی۔ لیکن جنگکوک کے دل سے جدائی کا خوف ختم نا کر سکی۔ وہ بے دھیانی میں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا یہ ڈر بہت جلد سچ ثابت ہونے والا تھا۔

ooooooooooooo

شام دھیرے دھیرے پورے سول کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔
لیکن ایک جگہ ایسی بھی تھی جو دن کا منظر پیش کر رہی تھی۔ یہ شاپنگ مال تھا۔ سول کا سب سے بڑا اور بیسٹ شاپنگ مال۔ جہاں وہ دونوں میاں بیوی اپنے لیے شاپنگ کر رہے تھے۔ یہاں ہر قسم کی کوالٹی موجود تھی تو وہاں کے رہائشی مسلمان زیادہ تر اسی شاپنگ مال میں آتے تھے۔ آج عریش کی فرمائش پر حماد اسے یہاں لایا تھا۔ ابھی بھی وہ دونوں عبائے والی شاپ میں موجود تھی۔ عریش اپنے لیے عبائے دیکھ رہی تھی لیکن ابھی تک کوئی عبایہ اس کے دل کو نہیں چھو رہا تھا۔ دفعتاً حماد کا موبائل بجا۔ اس نے موبائل سامنے کیا تو ماریہ کی کال آرہی تھی۔

"یہاں بہت شور ہے۔ میں پانچ منٹ تک آتا ہوں۔" وہ عریش کو وہاں چھوڑ کر باہر آیا۔ تب تک کال آنا بند ہو چکی تھی۔ اس نے کال

بیک کی۔اس دوران وہ سامنے سے آتے ایک نوجوان کے ساتھ ٹکرا گیا۔اس نے معذرت کرنے کے لیے سر اٹھایا اور.... ساکت رہ گیا۔ اس کا سانس تک رک گیا تھا۔شاپنگ مال میں لوگوں کا شور، آس پاس سے گزرتے لوگ، ماریہ کی کال، عبایہ سینٹر میں عریش سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔اگر کچھ تھا تو وہ نوجوان لڑکا جو اس وقت اس کے سامنے کھڑا تھا۔وہ نوجوان بھی اسی طرح حماد کو دیکھے جا رہا تھا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ حماد نے اسے نہیں پہچانا لیکن وہ کوئی اور لوگ ہوں گے جو اپنے بچپن میں بچھڑے دوستوں کو نہیں پہچانتے ہوں گے۔حماد کو تو ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا جیونگ کو پہچاننے میں۔اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔

"ہا.... ہایون۔" اور ہایون کی ساری دنیا اس نام پر رک گئی تھی۔کوئی اسے نہیں پہچان سکتا تھا تو پھر حماد کیسے......

ماریہ کے ساتھ اتنا وقت گزرا تھا تو پھر اس نے کیسے نہیں پہچانا۔ حماد کے ساتھ تو اس کا وقت بھی بہت کم گزرا تھا۔ شاید ماریہ نے کبھی غور سے اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اور حماد نے اس کے چہرے کی دو نشانیاں اپنی یاداشت میں کہیں سیو کر لی تھیں۔ اس کی آنکھ کے اندر لینز کے بالکل قریب ایک کالا نشان تھا۔ شاید برتھ مارک۔ اور دوسرا اس کی آنکھ کے پاس ایک زخم کا نشان۔ شاید بچپن کی کوئی چوٹ۔ کبھی کسی نے غور نہیں کیا ہو گا لیکن حماد نے ہمیشہ ان دو چیزوں پر ہی غور کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بھولا تھا۔ حماد کو سب یاد تھا۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" ایک لمحے کو اس کا دل پگھلا تھا۔ چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ لیکن وہ سنبھل چکا تھا۔ لیکن کیا واقعی ہی وہ سنبھل گیا تھا۔

کیونکہ اگر حماد کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ہایون اس کا گریبان پکڑ چکا ہوتا۔ وہ نرم دل نہیں تھا۔

"غلط فہمی..... میری یاداشت کو تم غلط فہمی کا نام مت دو۔ مجھے سب یاد ہے۔ تم ہایون ہو۔" حماد نے فاصلے مٹانے چاہے تو جیونگ دو قدم پیچھے ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

"اپنی حد میں رہو لڑکے۔" اور حماد کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ "مجھے بلاوجہ کی رشتے داریاں بڑھانا پسند نہیں ہے۔" درشتی سے کہتا وہ جانے لگا۔

"بچپن کے دوست اگر کہیں کسی موڑ پر مل جائیں تو نہیں گلے لگاتے ہیں۔ نا کے دھتکارتے ہیں۔" حماد کی آواز پر اس کے قدم رکے۔ جی چاہا کہ وہ سچ میں زور سے اسے گلے لگا لے۔ اور اگلے ہی لمحے اس کے قدم اسے حماد سے دور لے جانے لگے۔ دل کا ایک کونہ ابھی بھی نرم تھا لیکن دل اب مر چکا تھا۔ چاہے نرم ہو چاہے سخت۔

حماد نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"ایسا بھی کیا ہوا تھا اس رات کہ تم مجھ سے بھی نفرت کرنے لگے ہو۔ اور پہچاننے سے بھی انکار۔" حماد زیر لب بڑبڑایا۔ وہ بھول چکا تھا کہ وہ باہر کیوں آیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○

"تم بالکل بھی اپنے کام میں انٹرسٹ نہیں لے رہے جیونگ ہوں۔ وہ لڑکی ابھی تک میرے بیٹے کی زندگی میں بڑے اطمینان سے رہ رہی ہے لیکن تم بزدلوں کی طرح کہیں چھپ گئے ہو۔" سارہ آفندی کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا لیکن وہ خود کو بمشکل ایسا کچھ بھی کہنے سے روکے ہوئی تھی جس سے جیونگ ان کے لیے مشکلات پیدا کر دیتا۔

"میں .... تمہارے حکم کا غلام نہیں ہوں ... حسن کی ملکہ۔میں وہ کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔وہ لڑکی تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔اس لیے بار بار مجھے فون کر کے تنگ مت کرو۔"جیونگ کے انداز پر وہ جل کر رہ گئی تھیں۔

"بھاڑ میں جاؤ۔". انہوں نے غصے سے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

جبکہ وہ ابھی تک شاپنگ مال میں تھا۔دل میں اک ہوک سی اٹھی تھی۔حماد کا یوں سامنے آنا اور اسے اک لمحے میں پہچان لینا۔سب کچھ تکلیف دہ تھا۔

OOOOOOOOOOOOOO

وہ دونوں ایک دریا کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔رات کا وقت تھا اور رات بھی پورے چاند کی۔وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ اس کے یوں دیکھنے پر بار بار آنکھیں جھپک رہی تھی۔وہ دونوں

پر سکون ماحول میں بیٹھے ہوئے تھے جب ایک خوفناک طوفان آیا۔

طوفان کا زور اتنا تھا کہ وہ اپنا توازن برقرار نا رکھ سکا اور دریا میں گر گیا۔ جب اسے احساس ہوا کہ وہ زمین پر تنہا ہے تو اس نے اپنے شوہر کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ اسے آوازیں لگائیں۔ اسے واپس بلایا۔ محبت کی قسمیں دیں لیکن وہ نا ملا۔

اور دوسری طرف وہ دریا میں ڈوبتا ہی چلا جا رہا تھا۔ وہ چلا سکتا تھا لیکن جیسے ہی چلانے کے لیے منہ کھولتا اس کی آواز نہیں نکل رہی تھ۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ اس کی آنکھوں سے انسو بہنے لگے۔ نا طوفان رک رہا تھا اور نا آواز ساتھ دے رہی تھی۔ تب اچانک اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔ اس نے سانس لینے کی کوشش کی لیکن بے سدھ۔ تب اس نے آخری دفعہ کوشش کی تھی اور اس دفعہ آواز نے ساتھ دے دیا تھا۔

"بچاؤ... کوئی ہے۔مجھے نہیں مرنا۔پلیز مجھے بچالو۔" وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا جب کسی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

"یمان اٹھیں۔کیا ہوا ہے آپ کو۔" وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔اس کا تنفس بہت تیز چل رہا تھا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔وہ ابھی تک خواب کے زیر اثر تھا۔بختاور نے اسے پانی پلایا جو آدھا اس کے منہ میں تو آدھا کپڑوں پر گر گیا تھا۔کچھ دیر تک بمشکل وہ نارمل ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیا آپ نے کوئی برا خواب دیکھا ہے۔" یمان نے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں... بہت برا خواب دیکھا ہے۔" وہ کسی ٹرانس میں بولا تھا۔

"آپ نماز پڑھ کر سوئے تھے نا؟" اسی ٹرانس میں اس کا سر نفی میں ہلا۔ بختاور نے دکھ سے اسے دیکھا اور وقت دیکھا۔ صبح کے ایک بج رہے تھے۔

"آپ اٹھ کر نماز پڑھ لیں۔ شاید ایسا برا خواب دوبارہ نا آئے۔" وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے خواب میں کیا دیکھا تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ یہ کسی شیطان کا حملہ ہے۔ جب انسان اللہ سے دور چلا جاتا ہے تو وہ شیطان کے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان انسان پر اپنی مرضی چلاتا ہے اور بعض اوقات اسے ڈراتا بھی ہے۔ جیسا ابھی یمان کے ساتھ ہوا تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا تھا۔ بختاور کو کہیں سے بھی وہ اس کا یمان نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے ایک لمبی سانس لے کر آیۃ الکرسی اور چار قل پڑھ کر پورے روم میں تین دفعہ پھونک دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

جب قسمت

ملاتی ہے ان لوگوں سے

جن سے ہم بچھڑ گئے ہوں

کئی ماہ و سال پہلے

وہ لمحہ ہوتا ہے

حیرت کا

سانس رکنے کا

آنکھیں چھلکنے کا

اور انہی لمحوں میں

جب کوئی پہچاننے سے

مکر جاتا ہے

تکلیف حد سے بڑھ جاتی ہے

اور ہم سو نہیں پاتے

راتوں کو

وہ گزرا وقت

ہمیں رلاتا ہے

رکھتا ہے وہ حوصلہ

سانس بند کر دینے کا

پھر یاد آتے ہیں

وہ لمحے

جن میں ہم ساتھ تھے

وہ ہمارا اچھا وقت تھا

کہ اب گزر گیا

سو گزر گیا

رات کافی ہو گئی تھی لیکن ان بے چین آنکھوں میں نیند کہاں تھی۔

وہ اپنے بیڈ پر پیچھے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں موبائل پکڑا ہوا تھا جس کی اسکرین پر اس کا نمبر تھا جس سے آج وہ کئی سالوں بعد ملا تھا۔

یہ نمبر وہ چیون سا سے لایا تھا۔ شام میں وہ ان کے پاس گیا تھا جب وہ اپنے کوارٹر میں تھیں۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔

"اندر آجاؤ۔" اندر سے ان کی مصروف سی آواز سنائی دی۔

"میں حماد ہوں۔" اس نے احتیاطاً بتایا۔

چیون سا نے حیرت سے سر اٹھایا اور اٹھ کر دروازے تک آئیں۔

"حماد بیٹا آپ یہاں۔ سب ٹھیک ہے؟" چیون سا نے اس کے چہرے کی اداسی کو دیکھا تو وہ پریشان ہوئیں۔

"مجھے آپ سے کچھ چاہیئے تھا۔ امید کرتا ہوں انکار نہیں کریں گی اور نا جھوٹ بولیں گی۔" چیون سا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"میں کیوں انکار کروں گی۔ مانگیں آپ کو جو مانگنا ہے۔ میری تو جان بھی آپ پر قربان ہے۔" حماد کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا تو......

"ہایون کا موبائل نمبر۔" چیون سا کا دل زور سے دھڑکا تھا لیکن آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ سانس روکے اسے دیکھے گئیں۔ "کیا آپ مجھے اس کا نمبر دے سکتی ہیں؟ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔"

"لیکن...."

"پلیز۔" اس سے پہلے وہ کچھ کہتی وہ بول پڑا۔ "وہ آپ کا بیٹا ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ آپ اس کے ساتھ رابطے میں نا ہوں۔ اس کی

ناراضگی فرقان ہاؤس کے افراد سے ہے۔ اپنی ماں سے نہیں۔ اس لیے آپ مجھے اس کا نمبر دے دیں۔"

"آپ کیا بات...."

"مال میں ملا تھا وہ مجھے۔ پہچاننے سے مکر گیا۔ مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے اس کے رویے سے۔ میں بس اس سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس رات.... اس رات کیا ہوا تھا۔" اس رات کے ذکر پر چیون سا کی آنکھوں میں زمانوں کا کرب سمٹ آیا تھا۔

"آپ اس رات کے علاوہ اس سے اگر بات کرنا چاہیں تو میں آپ کو نمبر....."

"آپ بھی اس رات وہاں تھیں۔ آپ تو جانتی ہوں گی، اس رات کیا ہوا تھا۔ پلیز مجھ سے کچھ مت چھپائیں۔" چیون سا نے تکلیف زدہ

آنکھوں سے حماد کو دیکھا اور واپس مڑ گئیں۔ دو منٹ بعد وہ باہر آئیں تو ہاتھ میں کاغذ کا ٹکڑا تھا، جسے انہوں نے حماد کی جانب بڑھایا۔

"یہ اس کا نمبر ہے۔ اس سے پوچھ لیجئے گا کہ اس رات کیا ہوا تھا۔ اگر اس نے بتا دیا تو ٹھیک ورنہ...... یہ راز، راز ہی رہے گا۔" سنجیدگی سے کہتی وہ واپس جا چکی تھیں۔ اور حماد جانتا تھا کہ وہ اب واپس نہیں آئیں گی۔ اس نے زمین پر گرا وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

وہ اس نمبر کو دیکھے جا رہا تھا جب عریش کسمسائی۔ نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر حماد کو دیکھا۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک؟"

"ہاں وہ بس ایک ضروری کام تھا۔ سونے ہی لگا تھا۔" موبائل سائڈ پر رکھ کر وہ کروٹ کے بل لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیں آنسو باہر گرے۔

جبکہ عریش نے ایک نظر حیرت سے اسے دیکھا اور پھر آنکھیں مونده گئی۔

○○○○○○○○○○○

مدت کے بعد جو اس نے آواز دی......!!!!
قدموں کی کیا مجال تھی، سانسیں بھی رک گئیں

رات گزرتی جا رہی تھی لیکن آج کی ملاقات کا اثر ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ دل عجیب اُداسیوں میں گھرا ہوا تھا۔

کہتے ہیں نا کہ اگر یادیں اچھی بھی ہوں تو تکلیف ہی دیتی ہیں۔ کچھ یہی حال جیونگ کا بھی تھا۔ وہ ہاتھ میں موبائل پکڑے نا آنے والی کال کا منتظر تھا۔

اسے لگا تھا کہ حماد اسے کال کرے گا۔ وہ ضرور ماں سے اس کا نمبر لے کر اس کے ساتھ ماضی کو ڈسکس کرے گا۔ اس سے سوال کرے گا۔

یوں بن بتائے بچھڑ جانے پر گلہ کرے گا اور وہ..... اجنبیت کا ہول چیخ دے گا۔ ساری دوریاں لمحوں میں مٹ جائیں گی۔ اس کے دل کی ساری سختیوں پر نرمی کا راج ہو جائے گا۔ اسے لگا تھا کہ اگر حماد نے اس کے ساتھ دوست بن کر بات کی تو وہ پھر سے پہلے جیسا بن جائے گا۔ نا جانے کیوں وہ اس کے لیے تیار تھا لیکن......

ناوہاں سے کال آئی، نا میسج آیا اور نا ہی جیونگ کے دل کی نرمی واپس آئی۔ اس کا دل ایک بار پھر ٹوٹ گیا تھا۔ اس کا دل شاید بنا ہی ٹوٹنے کے لیے تھا۔

ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے وہ بات اتنی بڑی نہیں تھی جس کے پیچھے اس نے خود کو برباد کر دیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ سب پر مٹی ڈالتا سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

"سارے فرقانیز ایک جیسے ہیں۔ مغرور اور بدلحاظ۔ معاف نہیں کروں گا میں تم لوگوں کو۔" ساری تکلیف وجود سے عنقا ہو گئی تھی۔ نفرت کا ہول واپس چڑھ گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

دسمبر جا رہا ہے

اور نئے سندیسے دے رہا ہے

بہت سے وعدوں کے

ٹوٹ جانے کے

کچھ نئے رشتوں کی

چاہتوں میں لپٹی بارشوں کے

لیکن دہلیز پر سوالی بنا

پھر نیا سال آموجود ہے

کسی قرض خواہ کی طرح

تقاضے کی چادر اوڑھے

لیکن زید میرے ہاتھ خالی ہیں

دسمبر کا آخری عشرہ چل رہا تھا اور بارشیں بھی اپنے جوبن پر تھیں۔ باہر بادل گرجنے کی آواز اندر تک صاف سنائی دے رہی تھی۔

"سچ بتاؤں تو مجھے آج تک اتنا ڈر کسی چیز سے نہیں لگا جتنا ان بادلوں کے گرجنے سے لگتا ہے۔" جنگکوک کا آج پھر اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی پلان بنا تھا۔ وہ بارش کی وجہ سے اس پلان کو خراب نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کی بیوی چاہتی تھی کہ وہ نا جائے۔ وہ رک جائے۔ آج اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ کسی انہونی کا احساس اسے ستا رہا تھا۔

"تم جانتی ہو نا کل بھی بارش کی وجہ سے میں جا نہیں سکا۔ ویسے بارش سے مجھے کوئی مسلہ نہیں ہے لیکن کل بھی تم نے مجھے روک لیا تھا۔"

وہ اس کے ارادے کو بھانپ گیا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے جائیں.... لیکن جلدی آیئے گا۔ میں انتظار کروں گی۔"

وہ منہ بسورتے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ جنگکوک اس کے تاثرات پر مسکرا دیا۔

وہ مسکرا کر شیشے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا جبکہ ماریہ کی توجہ موبائل پر ہونے والی میسج ٹون کی طرف چلی گئی۔ اس نے دیکھا تو کسی انجان نمبر سے میسج آیا تھا۔ میسج کو پڑھتے ہوئے اس کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے، ماتھے کے بل گہرے ہو رہے تھے۔ باہر بہت زور سے بادل گرجنے کی آواز سنائی دی۔ ماریہ نے چہرہ اٹھا کر جنگکوک کو دیکھا جو مطمئن سا۔ شیشے کے سامنے کھڑا بالوں کو جیل لگا رہا تھا۔ ماتھے کا زخم بھی کافی حد تک ختم ہو چکا تھا۔

"ویسے دوستوں کے ساتھ کہاں جانے کا پلان ہے ؟" اس نے اپنے تاثرات کو نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔ جنگکوک نے چونکتے ہوئے مڑ کر ماریہ کو دیکھا۔

"بتایا تو تھا کہ ایک دوست کی برتھڈے ہے۔ بس وہیں جا رہا ہوں۔"

"تو اس نے یہ ساری ارینجمنٹ کہاں کی ہو گی ؟" وہ بالکل نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی۔ نا جانے کیوں جنگکوک کو اس کا انداز مشکوک سا لگ رہا تھا۔

"آف کورس یار، گھر میں کی ہو گی۔ اور کہاں کر سکتا ہے۔" وہ اپنے چہرے کی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔ جبکہ ماریہ مسکرا کر سر ہلاتی واپس موبائل کی جانب متوجہ ہوئی۔ وہ اب اسے کوئی ریپلائے دے رہی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" ان نے شیشے میں نظر آتے ماریہ کے عکس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔

"بہت ہینڈسم۔ نظر لگ جانے کی حد تک ہینڈسم۔" جنگکوک نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ستائش دیکھی تو گردن نیچے پھینک کر ہنسا اور پھر شیشے میں خود کو دیکھنے لگا۔

"میری وائف موبائل میں مصروف ہے۔ مجھے نظر کس کی لگے گی۔" اس نے ریپلائے کے بٹن کو کلک کر کے جنگکوک کو دیکھا۔ ادھر میسج فوراً سین ہو گیا تھا۔ پھر چند سیکنڈز میں نیا جواب حاضر تھا۔ جبکہ اس نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا اور واپس موبائل کی طرف دیکھا جہاں نیا میسج موجود تھا۔ جنگکوک نے کندھے اچکا کر اسے دیکھا۔ جبکہ وہ اکتا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور جنگکوک کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ کیا ہے جنگکوک؟" اس نے موبائل جنگکوک کے سامنے کیا۔

"کیا ہے...؟" اس نے موبائل کو پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں کون ہے۔ عجیب سے میسج کر رہا ہے۔" وہ قدرے بیزاریت سے بولی۔ جبکہ میسج پڑھ کر جنگکوک کے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگیں تھیں۔ چہرہ بالکل سفید ہو گیا تھا۔ سانس کہیں حلق میں اٹکا تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ وہ ایسے کیسے کر سکتا تھا۔ وہ ایک سیکنڈ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ کون ہے۔ جنگکوک کو بہت رنج ہوا تھا۔ جس میسج نے جنگکوک کو پریشان کیا تھا وہ کچھ یوں تھا۔

"آپ بہت بھروسہ کرتی ہے نا اپنے شوہر پر۔ آپ کو لگتا ہے کہ وہ آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا تو میں آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ کا شوہر آپ کو پچھلے دو ماہ سے یعنی جب سے آپ دونوں کی شادی ہوئی ہے وہ آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ وقت نکال کر اکثر چرچ جاتا ہے۔

وہاں پر وہ اپنی عبادت کرتا ہے باوجود اس کے کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا تھا۔ وہ کلب جاتا ہے۔ ان کی الکوحل پارٹیز ہوتی ہیں۔ پورک باربی کیو ہوتے ہیں۔ ڈانس پارٹیز ہوتی ہیں۔ یوں کہہ لیں جتنے حرام کام ہیں۔ آپ کا شوہر ان میں ملوث ہے۔ آپ ایک ایسے انسان کے ساتھ رہ رہی ہیں جو سر سے پیر تک دھوکہ ہے۔ یقیناً وہ ابھی بھی کہیں جا رہا ہوگا اور آپ اس بات سے انجان ہیں۔ ایک دفعہ پوچھ لیں اپنے شوہر سے کہ وہ جا کہاں رہا ہے۔" اس کے بعد ماریہ نے جنگو کو سے پوچھا تھا، پھر اس نے اس انجان نمبر پر ریپلائے کیا تھا۔

"میں اپنے شوہر کے مقابلے میں کسی اجنبی پر یقین نہیں کروں گی۔"

"ہاں۔ اپنی زندگی ایک دھوکے باز کے ساتھ گزار لوں گی۔" وہ اس لہجے کے طنز کو میسج میں بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اس کا دل کٹ رہا تھا۔ جیسے کسی نے اس کے کلیجے پر کوئلوں کی برسات کر دی ہو۔ اس کا

وجود جلنے لگا تھا۔ "آپ کا شوہر جانتا ہے مجھے۔ میں اسے وارننگ بھی دے چکا تھا۔ لیکن ہم دونوں اس کے خیر خواہ ہیں تو میرا خیال ہے کہ آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ آپ کا شوہر اس وقت کہاں جا رہا ہے۔ پوچھ لیں، شاید بتا دے، شاید جھوٹ بول دے۔" اس کے بعد وہ جنگکوک کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ان میسجز نے جنگکوک کو بری طرح ڈسٹرب کیا تھا۔ کسی کو اتنا حق نہیں تھا کہ وہ اس کی محبت اس سے چھینتا لیکن وہ چھین چکا تھا۔ اسے پتا تھا اب کیا ہونے والا ہے لیکن اسے اس سب کو روکنے کی کوشش تو کرنی چاہیے۔

"بتائیں نا... کیا ہے یہ سب کچھ؟ کون ہے یہ جو آپ کے بارے میں اتنی انفارمیشن رکھے ہوئے ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" وہ سختی سے کہتا رخ موڑ گیا تھا جبکہ اندر کہیں ہجر کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔

"آپ یوں رخ نہیں موڑ سکتے جنگلوک... ایسے میں مجھے ان میسجز پر یقین کرنا پڑے گا کہ آپ سچ میں مجھے دھوکہ دے رہے تھے۔" وہ ایک دم پلٹا تھا۔ سرخ پڑتی آنکھوں سے اس نے ماریہ کو دیکھا۔ وہ آنکھیں بہت کچھ کہہ رہیں تھیں جب کہ لب خاموش تھے۔ باہر زوردار بجلی کے ساتھ بادل بھی گرجے تھے۔

"ت.... تم نے کہا تھا کہ تم مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ تو تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔" یعنی وہ مان رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو پچھلے دو ماہ سے دھوکہ دیتا رہا ہے۔

"آپ نے بھی تو کہا تھا کہ آپ یہ سب کچھ چھوڑ دیں گے۔ لیکن آپ نے کچھ نہیں چھوڑا۔" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔ آنکھیں دسمبر کی سردی سے بھی زیادہ سرد تھیں۔

"ٹرسٹ می ماریہ... میں کوشش کر رہا ہوں نا۔" اس نے ماریہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا جسے اس نے سختی سے جھٹک دیا اور دو قدم پیچھے ہوئی۔

"آپ مجھے... دھوکہ دیتے رہے ہیں۔ میں نے ایک مسلمان سے شادی کی تھی.... لیکن...... آپ تو وہی تھے..... جو آپ پیدا ہوئے تھے۔ میں کن خوش فہمیوں میں رہی۔"

"ماریہ پلیز۔" وہ ملتجی ہوا۔

"اگر آپ مجھے حقیقت بتا دیتے تو مجھے کسی غیر سے جان کر یوں دکھ نا ہوتا جنگلوک۔ آپ مجھے بتاتے تو میں آپ کی مدد کرتی۔ آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو روک لیتی۔ لیکن آپ نے کہا کہ آپ چھوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ نے ہر بار یہی تو کہا تھا، لیکن آپ.... نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ میری محبت کا مذاق اڑایا۔ میرا یقین توڑا۔ آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں جنگلوک؟ کیسے؟" وہ روتے ہوئے چلائی تھی۔

جنگکوک نے نفی میں سر ہلاتے قدم اس کی طرف بڑھائے۔اس کی آنکھوں میں بھی وہی آنسو تھے جو ماریہ کی آنکھوں میں تھے

"میری بات سنو.... بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"بیٹھ کر بات کرنے کو بچا ہی کیا ہے۔ جس شخص کے لیے میری محبت مذاق تھی میں اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ غصے سے کہتی تیزی سے الماری کی طرف گئی۔اسے کھولا اور اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ دیکھو مجھے یہ سزا مت دو۔ پلیز میری بات سن لو۔" وہ منت بھرے انداز میں اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی کیفیت میں نہیں تھی۔ "میں.... میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔ میں سچ میں مر جاؤں گا۔ میں کیا کروں گا۔"

"تو مر جائیں۔" وہ ایک دم چلاتے ہوئے بولی تھی اور جنگلوک کے سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ وہ بس خاموشی سے، خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

بہت اداس ہے کوئی تیرے چپ ہو جانے سے
ہو سکے تو بات کر کسی بہانے سے
تو لاکھ خفا سہی مگر اتنا تو دیکھ
کوئی ٹوٹ گیا ہے تیرے روٹھ جانے سے

وہ قدم قدم پیچھے چلتا صوفے پر ڈھے گیا۔ وہ جس کی جدائی میں مر رہا تھا اس نے کتنی آسانی سے کہہ دیا مر جاؤ۔ وہ جسے مشکلوں سے پایا تھا، وہ بچھڑ رہی تھی۔ وہ دسمبر میں بچھڑ رہی تھی۔

"سنا تھا دسمبر بڑا ظالم مہینہ ہوتا ہے۔ آج تم جا رہی ہو تو یقین آ گیا ہے۔" ماریہ کے ہاتھ ساکت ہوئے۔

"آج میں کہتا ہوں.... ہاں.... دسمبر بہت ظالم ہے۔"۔ آنسو گرتے جا رہے تھے۔

"کوئی اپنی خوشی سے دور نہیں جاتا۔ اسباب پیدا کیے جاتے ہیں۔ آپ نے مجھے وجہ سونپی ہے۔" وہ جنگکوک کی طرف پشت کیے بولی۔

"اب میں روک رہا ہوں نا۔ تو رک جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں یہ سب چھوڑ دوں گا۔" وہ ایک بار پھر اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ وہ دکھی سا مسکرائی۔

"آپ کو میرے لیے خود کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے جنگکوک۔ آپ اپنے لیے کوشش کریں شاید کوئی راستہ نکل آئے۔" اس نے

مڑے بغیر کہا۔اور پھر اپنا ہینڈ کیری اٹھایا اور جانے لگی۔جب ہینڈ کیری نے چلنے سے انکار کیا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔جنگکوک اسے پکڑے ہوئے تھا۔اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

"تم مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو لیکن ابھی بھی میری بیوی ہو۔مجھے اتنا تو حق دو کہ اپنی حفاظت میں تمہیں تمہارے بھائی کے گھر چھوڑ دوں۔"جنگکوک نے کہا تو اس نے ہینڈ کیری چھوڑ دیا۔وہ دونوں باہر آئے تو بارش میں تیزی آگئی تھی۔وہ اسی بھیگتی بارش میں گاڑی میں آکر بیٹھے تھے۔سارا راستہ خاموشی میں کٹ گیا تھا۔

ان دنوں تعلق تھوڑا مضبوط رکھنا

سنا ہے دسمبر کے بچھڑے پھر نہیں ملتے

گاڑی فرقان ہاؤس کے سامنے آکر رکی۔ماریہ نے پلکیں اٹھا کر رات کے اندھیرے میں ڈوبے، بارش میں بھیگتے اپنے گھر کو دیکھا۔پھر گردن موڑ کر جنگکوک کو دیکھا۔اس کا چہرہ بھی آنسو سے لبریز تھا۔

"کبھی سوچا نہیں تھا کہ ملیں گے،تو بچھڑ بھی جائیں گے۔لوگ بارشوں کے موسم میں مل جاتے ہیں اور ہم .... جدا ہو رہے ہیں۔"وہ زخمی سا مسکرائی۔

"کیا ہم کبھی دوبارہ ملیں گے؟"جنگکوک نے فرقان ہاؤس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شائد ہاں.... شائد نہیں۔"جنگکوک نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"میں ساری زندگی تمہارا انتظار کر سکتا ہوں۔"اس نے زخمی پن سے جنگکوک کو دیکھا۔

"اپنا خیال رکھیئے گا۔ چلتی ہوں میں۔ اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر گاڑی سے اترنے لگی۔

"میں کس کے لیے اپنا خیال رکھوں گا۔ تم تو جا رہی ہو۔"

"میرے لیے۔" کہہ کر وہ اتر گئی تھی اور جنگکوک کو حیرت میں ڈال گئی تھی۔ کیا وہ دوبارہ ملنے کا اشارہ بھی دے کر گئی تھی۔ وہ بھی گاڑی سے باہر آیا اور دو قدم آگے آ کر رک گیا۔ اب بارش ان دونوں کو بھگو رہی تھی۔

وہ قدم قدم اس بھیگتی بارش میں اپنے گھر کو جا رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے خود سے دور جاتے دیکھ رہا تھا۔ ہاں یہی تو ہوتی ہے موت کی تکلیف۔ جسم سے روح کا کھینچ کر نکالے جانا۔ روح چلی جاتی ہے جسم کو بے جان کر کے۔ وہ اس وقت کسی جسم کی مانند تھا اور اس کی روح ماریہ تھی۔ جو دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی تھی۔ لیکن

اس میں مڑ کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ اگر وہ مڑ جاتی تو وہ نمک کا مجسمہ ضرور بن جاتی۔ پھر ہمت کر کے اس نے قدم اندر کی طرف بڑھا دیئے۔ اس نے آنے سے پہلے حماد کو میسج کر دیا تھا تبھی دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس پار حماد اس کا منتظر تھا۔ وہ اندر چلی آئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ جنگکوک کو لگا جیسے کسی نے اس کا سانس روک دیا ہو۔ اس نے گاڑی کا سہارہ لیا۔

وہ چلی گئی تھی جنگکوک کو ہجر کا روگ سونپ کر۔ وہ کتنی دیر وہیں کھڑا رہا، اس کے واپس آنے کی امید پر۔

بچھڑ گیا ہے وہ شخص جو میرا تھا کبھی خیر

شہر کی مسافتوں نے محبت ہی چھین لی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooo

ooooooooooo

یہ بارش، یہ سرد ہوا، یہ ہجر کا عالم

گمان ہوتا ہے اس بار دسمبر مار ہی ڈالے گا

صبح ہونے والی تھی لیکن بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ایسے میں وہ سڑک کنارے گاڑی کھڑی کیے خود باہر کھڑا تھا۔ بارش اسے مکمل بھگو چکی تھی۔ پس منظر میں کوئی اداس گیت گنگنا رہا تھا جبکہ وہ بے بسی سے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں وارن کیا تھا جنگلو ک۔" شناسا آواز پر وہ پلٹا۔ تیمور کو دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے۔

"تم نے کیا ہے نا یہ سب کچھ۔ تم نے چھینا ہے نا اسے مجھ سے؟" وہ غصے سے کہتا اس کی جانب بڑھا۔ "ہاں... میں نے بتایا ہے۔ تم اسے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ میرے ہوتے ہوئے تو بالکل بھی نہیں۔"

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ بولو۔" اس نے غراتے ہوئے تیمور کے پیٹ میں مکا مارا جس سے وہ بلبلا کر دور ہوا۔ اس سے پہلے وہ سنبھلتا جنگکوک نے اسے پھر سے دھکا دیا۔ وہ توازن برقرار نا رکھتے ہوئے زمین پر اوندھے منہ گرا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو جنگکوک۔ کیا کر رہے ہو۔" وہ درد سے کراہتے ہوئے بولا۔

"ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں۔ میری محبت کو مجھ سے چھین لیا ہے تم نے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔" وہ پھر مارنے کے لیے بڑھا تو

تیمور نے بمشکل سیدھے ہوتے اس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا۔

"کیا مار دو گے اب مجھے ؟ نفرت کرے گی وہ تم سے۔" تیمور چلایا تھا۔

"مجھے بھی تو تم نے مار دیا ہے۔ کیوں کیا تم نے ایسا.... کیوں۔" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

"وہ میری.....۔" بولتے بولتے اسے بریک لگا تھا۔ "تم جانتے ہو کہ وہ میری کیا لگتی ہے اور میں......اسے ایک جھوٹے اور مکار شخص کے ہاتھوں بے وقوف نہیں بننے دوں گا۔ اتنی ہی محبت کرتے ہو تو پھر غیرت دکھاؤ۔" تیمور نے اسے پیچھے دھکا دیا اور خود سائیڈ سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ جبکہ جنگکوک وہیں بے سدھ سا بیٹھا رہا۔

"گھر جاؤ.... بہت رات ہو گئی ہے۔" جنگکوک نے سرخ انگارہ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ تیمور نے ایک نظر اسے دیکھا اور واپس چلا

گیا۔ جنگکوک کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہاں سے چلا آیا۔ اس کا رخ سیمون ہاؤس کی طرف تھا۔

OOOOOOOOOOOOO

حماد نے سب کو ماریہ کے آنے کے بارے میں بتادیا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ فی الحال کسی سے بھی پہلے کی طرح بات نہیں کر پائے گی۔ تبھی حماد نے اس کے آنے کی وجہ جنگکوک سے اس کی لڑائی بتائی تھی۔ یہ سن کریمان نے جنگکوک کو فون کرنا چاہا لیکن حماد نے منع کر دیا۔ ماریہ اسے سب کچھ بتا چکی تھی، اور اب کسی کو بھی کچھ بھی بتانے سے منع کر دیا تھا۔

"آخر میں پوچھتا ہوں اس کی ہمت کیسے ہوئی ہماری بہن کو گھر سے نکالنے کی؟"

"اس نے گھر سے نہیں نکالا یمان۔ وہ خود آئی ہے۔ اور وہ جب تک چاہے یہاں رہے گی۔ کوئی اس سوال جواب نہیں کرے گا نا اسے واپس جانے کو کہے گا۔" حماد سختی سے کہتا وہاں سے چلا گیا جبکہ باقی سب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

ooooooooooooo

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اسے، نا کسی سے بات کر رہا ہے اور نا کسی کو اپنے روم میں آنے دے رہا۔ میں ماریہ کا پوچھا تو بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ سمجھ نہیں آ رہا سے اچانک ہو کیا گیا ہے۔"

وہ جب سے گھر آیا تھا اپنے روم سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ملازمہ اسے کھانا دینے گئی تو اس نے واپس بھیج دیا۔ سارہ سے بھی کوئی بات نہیں کی۔ اب وہ اپنے روم میں سیمون کے سامنے بیٹھیں ہول رہیں تھیں۔

"دونوں میاں بیوی میں کوئی لڑائی ہو گئی ہو گی۔ تم دیکھ لو، مجھے دیر ہو رہی ہے۔"۔ سیمون کے لاپرواہ انداز پر سارہ نے شل ہو کرا نہیں دیکھا۔

"میں کسی غیر کی بات نہیں کر رہی۔ میں ہمارے بیٹے کی بات کر رہی ہوں۔ وہ ایک ہی رات میں اتنا کمزور لگنے لگا ہے، لیکن آپ کے لیے آفس زیادہ ضروری ہے۔"

"اُف سارہ۔ تو میں کیا کروں؟ اس کی منتیں سماجتیں کروں؟ اس کے آگے ہاتھ جوڑوں کہ تمہاری ماں پریشان ہے، تھوڑا سا کھانا کھا لو۔ سوری یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔" وہ طنزاً کہتے جانے لگے، پھر رکے۔

"اور تم بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب مناسب سمجھے گا بتا دے گا۔" کہہ کر وہ چلے گئے جبکہ سارہ پریشان ہوتیں بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

OOOOOOOOOOO

شام دھیرے دھیرے روئے زمین پر اتر رہی تھی۔ مغرب کا وقت بھی نزدیک آ رہا تھا۔ باہر دھند پورے سول پر چھائی ہوئی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے روم میں بیڈ پر کمبل لپیٹے لیٹی ہوئی تھی۔ دل بہت زیادہ اداس ہو رہا تھا۔ سامنے موبائل اسکرین پر جنگکوک کی تصویر تھی۔ بلیک ہڈی پہنے، بال خوبصورتی سے سیٹ کیے وہ کیمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس تصویر کو دیکھتے ہوئے اسے بہت رونا آ رہا تھا۔

"آپ نے یہ ٹھیک نہیں کیا جنگکوک۔ آپ نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ کاش کوئی مجھے بتا دیتا کہ آپ مجھے ہرٹ کریں گے۔ کاش.....۔"

وہ آنسو کے درمیان خود کلامی کرتے ہوئے بولی۔ پھر اس نے اسکرین بند کر کے موبائل سائڈ پر رکھ دیا۔ آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ تبھی اس

کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔ اس نے جلدی سے موبائل اٹھایا کہ جنگکوک کا میسج ہوگا لیکن.....

"مجھے پتا تھا وہ تمہیں ہرٹ کرے گا۔"

انجان نمبر سے آئے میسج پر وہ ساکت ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کون ہے۔ ساکت وہ اس لیے تھی کہ وہ کیسے جان گیا تھا کہ ماریہ اور جنگکوک الگ ہوگئے ہیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ ریپلائے کرنے لگی۔

"تم سے کس نے کہا کہ اس نے مجھے ہرٹ کیا ہے؟"

ادھر اپنے روم میں بیٹھے نفوس نے حیرت سے اس میسج کو دیکھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ ریپلائے کرے گی۔ لیکن اس نے ریپلائے کردیا تھا۔ لبوں پر زخمی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے پتا ہے۔ لیکن....۔" میسج آدھا ادھورا سینڈ کیا۔

"لیکن؟" تجسس بھرا ریپلائے۔

"میں اس سے جتنی بھی نفرت کرلوں لیکن..... میرا دل کہتا ہے، وہ تمہارے زخموں پر مرہم ضرور رکھے گا۔ جتنی تکلیف تمہیں اس کی وجہ سے ملی ہے۔ وہ اسی کی وجہ سے ختم بھی ہو جائے گی۔ تم جلد ہی اس غم سے شفا پاؤ گی۔" ساتھ ایک روکھی سمائل والا ایموجی تھی۔

میسج پڑھ کر وہ طنزیہ ہنسی۔

"میں کتابی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔ اور..... تم پر تو بالکل بھی نہیں۔"

چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ شاید اس کا دل۔

"نفرت کرتی ہو مجھ سے؟"

"میں تمہیں نہیں جانتی۔"

"تم ایک اجنبی کے ساتھ کیسے بات کرسکتی ہو؟" کچھ برا لگا تھا۔

"تم نے مجھے مجبور کیا۔اور.... اور تم مجھے کیسی لڑکی سمجھ رہے ہو۔"

اسے ایک دم سے بہت غصہ آگیا تھا۔

"کوئی بھی تمہیں مجبور کرے....."

"شٹ اپ۔اپنی بکواس بند کرو۔ تم ہو گے کریکٹر لیس۔ خبردار جو آئندہ میرے کردار پر انگلی اٹھائی تو۔" میسج دیکھ کر وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ نا جانے کیوں اس کی بات کا برا نہیں لگا تھا۔

"لیکن میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔کیا میں تمہیں ایسا کہہ سکتا ہوں؟"

میسج پڑھ کر وہ جہاں تھی وہیں منجمند ہو گئی۔آنکھیں بھی ساکت تھیں۔اس نے تو واقعی ہی کچھ نہیں کہا پھر وہ اتنا غصہ کیوں کر رہی تھی۔وہ بھی اک اجنبی پر۔کیا وہ واقعی ہی اسے اجنبی سمجھتی تھی؟ یا پھر......

اس نے سختی سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ نہیں..... جیونگ کی اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس نے غصے سے موبائل خود سے دور پھینک دیا۔ قسمت اچھی تھی کہ وہ ڈھیٹ بیڈ کے کنارے پر جا کر اٹک گیا تھا۔

لیکن اس سب میں اس کا کیا قصور تھا؟ دل نے جیسے اس کی حمایت کرنی چاہیے۔

"اس کا قصور..... اس کا قصور یہ ہے کہ وہ اس رات مجھے اکیلا چھوڑ گیا تھا۔ وہ اچھا دوست ثابت نہیں ہوا تھا۔" اس نے دل کو ڈپٹا۔

"ہایون..... اچھا دوست ثابت نہیں ہوا۔"

"جنگکوک..... اچھا شوہر ثابت نہیں ہوا۔"

"حماد.....اس نے بھی بہت دل دکھایا میرا لیکن.....اس نے میرے غموں کو کسی حد تک ہیل کر دیا۔ لیکن، اتنا اچھا بھائی وہ بھی ثابت نہیں ہوا۔"

وہ بس سوچے جا رہی تھی اور روئے جا رہی تھی۔

ان سوچوں کی وجہ سے اس کا سر دکھنے لگا تھا۔

دوسری طرف وہ تھا جو اس کے ریپلائے کا انتظار کر رہا تھا۔ دور کہیں خواہش تھی کہ وہ اسے میسج نا کرے۔ کیونکہ وہ اس کے لیے قابل احترام تھی۔ وہ کسی غیر مرد کے ساتھ بات نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن نفرت کے چڑھے ہول نے کہا تھا کہ اس سے بات کرو۔ کوئی ایسی بات جس پر یمان کو تکلیف پہنچائی جائے۔ جس میسج کے اشتہار لگا کر یمان کو اس کی اوقات یاد دلائی جائے۔ لیکن اس نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔ بلکہ اس نے اب ریپلائے ہی نہیں کیا تھا۔

"کیا مجھے اسے بتانا چاہئے کہ اس کی سب سے بڑی دشمن اس کی وہ سو

کالڈ مدر ان لا ہے۔" دل کو جیسے پھر سے فکر لاحق ہوئی تھی۔

کمبخت کہیں کا۔

OOOOOOOOOOOO

ماریہ کو آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔تب سے وہ زیادہ تر اپنے روم میں رہتی تھی۔ کوئی اگر بات کرتا تو کر لیتی ورنہ خاموش رہتی تھی۔

جیونگ کا بھی دوبارہ میسج نہیں آیا تھا۔ایک ہفتے کے دوران وہ یہ بات تقریباً ذہن سے نکال چکی تھی۔ اسے بس جنگکوک کا دیا ہوا زخم یاد تھا۔ جس نے اسے تنہا ہی کر دیا تھا۔ وہ کم ہی باہر نکلتی تھی۔ ابھی بھی فرح اس کے لیے ناشتہ لے کر آئی تھی اور اپنے ہاتھوں سے کھلا بھی رہی تھی۔

"تم یونیورسٹی کب تک آؤ گی؟"فرح کے استفسار پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ فرح نے ان حیران آنکھوں کو دیکھا تو سوالیہ ابرو اٹھائے۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا میں نے کچھ غلط پوچھ لیا؟"

"مجھے لگا تھا آپ پوچھیں گی کہ ہمارے درمیان کیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے میں گھر چھوڑ کر آ گئی۔"اس کی بات پر فرح مسکرائی۔

"یہ تم دونوں کا پرسنل میٹر ہے،اس لیے میں نہیں پوچھوں گی۔"

"لیکن ہم تو دوست ہیں۔ میں تو آپ سے سب کچھ شئیر کرتی ہوں۔"

"اگر تم چاہو تو بتا دینا، لیکن ابھی یونیورسٹی جانے کا سوچو۔ پیپرز سر پر آ۔گئے ہیں۔"

"میں یونیورسٹی تو چلی جاؤں لیکن میں.... دوبارہ ان سے سامنا نہیں چاہتی۔"

"یوں بزدل بن کر زندگی گزارو گی تو کیسے چلے گا۔ اگر تم چاہتی ہو کہ وہ تمہاری اجازت کے بغیر تم سے بات نا کرے تو ایسا ہی ہو گا۔" فرح کے کہنے پر اس نے اداس آنکھوں سے فرح کو دیکھا۔

"ٹرسٹ می... میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے فرح پر ٹرسٹ کر لیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

دسمبر کی آخری اداس شام پورے سول پر اتر رہی تھی۔ آج ایک بار پھر وہ اسٹڈی ٹیبل پر ڈائری ہاتھ میں لیے بیٹھا ہوا تھا۔ باہر ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی۔ لیکن اندر کا موسم زیادہ اداس تھا۔

"ٹھیک کہا تھا تم نے.... میں واقعی ہی تمہیں پہلی کوشش میں حاصل نہیں کر سکا۔ تمہیں پا کر بھی کھو دیا۔" لکھتے ہوئے اسے محسوس ہوا کوئی اس کے پاس کھڑا ہے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر دکھی سی مسکراہٹ تھی۔

"جب چھوڑ کر چلی گئی ہو تو یوں نظر مت آؤ۔ تکلیف ہوتی ہے مجھے۔" وہ چہرہ واپس موڑ گیا تھا۔ آنکھیں آنسو سے لبریز تھیں۔ وہ جانے کے بجائے وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ جنگکوک نے اسے دیکھا تو فوراً اٹھ کر نیچے اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اب وہ اسے چھونے کا حق رکھتا تھا۔

"چلی جاؤ۔ جینے دو مجھے۔" وہ التجائیہ ہوا تھا۔ "تمہیں نظر نہیں آرہا میں کتنی تکلیف میں ہوں۔ یہاں.... یہاں درد ہو رہا ہے۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے جنگکوک کے ہاتھ کو دیکھا

جو اس نے سینے پہ رکھا ہوا تھا۔ جنگکوک نے ہاتھ نیچے کیا تو اس نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا، اور جنگکوک کو لگا جیسے ساری تکلیف ایک دم دور ہو گئی ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ تبھی اچانک اس کے فون پر بیل ہونے لگی تو اس نے ایک دم سے آنکھیں کھولیں۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ چلی گئی تھی۔ وہ چلی گئی تو وہ پھر سے بے چین ہو گیا۔ موبائل بج بج کر بند ہو چکا تھا۔ اب میسج ٹون بجی تھی۔ وہ اٹھ کر موبائل تک آیا جو بیڈ کے بیچ و بیچ لاوارثوں کی طرح پڑا ہوا تھا۔ "مجھے آنی سے ملنا ہے۔ تم بتا سکتے ہو کہ میں انہیں کیسے مل سکتی ہوں۔" تسبیحہ کے میسج پر وہ حیران ہوا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اپنے غم میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس سے پوچھا ہی نہیں کہ تم کیوں ماں سے ملنا چاہتی ہو۔

"تین جنوری کو وہ اپنی کسی دوست کے ایونٹ پر جائیں گی۔ مل لینا۔"

میسج کر کے اس نے فون رکھ دیا۔

ابھی وہ وہیں کھڑا تھا جب دوبارہ ٹون بجی۔ اس نے موبائل اٹھایا۔

"ایونٹ کہاں پر ہو گا؟" جنگکوک نے کچھ اکتا کر اسے کال ملائی۔

"کیا مسلہ ہے تمہیں۔ تمہیں کیوں ملنا ہے ماما سے؟"

"مجھے احساس ہو گیا ہے جنگکوک کہ میں غلط تھی۔ سارہ آنی میرا اس دنیا میں واحد رشتہ ہیں، میں انہیں کھونا نہیں چاہتی۔ میں یہ صدیوں کی مسافت ختم کرنا چاہتی ہوں۔" جنگکوک کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا بول رہی ہے۔ اس نے تسبیحہ کو لوکیشن کا بتا کر فون بند کر دیا۔ پھر واپس اسٹڈی ٹیبل کی طرف چلا آیا۔ ڈائری اٹھا کر سامنے کی۔

"تو یہ ثابت ہوا مار یہ..... یا تو تم خود یہاں ہو گی یا تمہاری پرچھائی۔
مجھے نا تمہارے عشق سے نا تمہارے روگ سے کبھی چھٹکارہ مل سکتا
ہے۔" اس نے قلم اٹھایا اور ایک شعر کے ساتھ ڈائری بند کر دی۔

بن تیرے کائنات کا منظر ایک دسمبر کی شام ہو جیسے درد ٹھہرا ہے
آ کے یوں دل میں عمر بھر کا قیام ہو جیسے

OOOOOOOOOOOOOO

قربتیں، دوریاں، ملال، زوال دے کر ایک سال اور گزر گیا تھا نئے
سال کی آمد کو ہر طرف بڑے جوش و خروش سے منایا جا رہا تھا۔ اب
بارشیں نہیں ہوتی تھیں، اب دھند پڑتی تھی جو سب کچھ اپنے اندر
چھپا لیتی تھی۔ دسمبر میں بس ایک دن ہی دھند پڑی تھی جبکہ جنوری

کی پہلی دو تاریخوں کو اچھی خاصی دھند تھی لیکن آج کچھ کچھ موسم ٹھیک تھا۔ دھوپ نہیں تھی لیکن دھند بھی نہیں تھی۔ ایسے میں سارہ آفندی اپنی گاڑی سے اتریں جو کسی ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں کھڑی تھی۔ وہ خوبصورت تھیں، اور خوبصورتی سے تیار بھی ہوئیں تھیں۔ اکثر وہ ڈرائیور کے ساتھ آتی تھیں لیکن آج شاید ان کی قسمت بری تھی کہ وہ ڈرائیور کے بغیر آئیں تھیں۔

"کیسی ہیں آپ مس سارہ صاحبہ۔" وہ ابھی گاڑی کا دروازہ بند کر رہی تھیں جب ان کے عقب میں نسوانی آواز ابھری۔ آواز پر ان کے ہاتھ ساکت ہوئے۔ ساری دنیا برف کی ہو گئی تھی۔ وہاں بس اس آواز کی گونج تھی جو ابھی انہیں سنائی دی تھی، کیونکہ وہ اس آواز کو پہچانتی تھیں۔ یہ اس کی آواز تھی جسے دو سال پہلے وہ کسی قبر میں تصور کر چکی تھیں۔ وہ واپس کیسے آ سکتی تھی۔

"ضرور میرا وہم ہوگا۔" انہوں نے بمشکل قدم آگے بڑھائے۔

"مڑ کر دیکھ لو... تو... شائد کوئی وہم نا رہے۔" ان کے قدم پھر ساکت ہوئے۔ "میں زندہ ہوں۔" سارہ آفندی نے ایک جھٹکے سے مڑ کر دیکھا اور پھر برف کی مورتی بن گئیں۔ وہ بالکل سامنے کھڑی تھی۔ چہرے پر تمسخر اڑاتی مسکراہٹ، آنکھوں میں جان لے لینے والا سرد پن۔ سارہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"ت.... تم...... تم کیسے ہو سکتی ہو۔ تم تو مر گئیں تھیں نا۔ تم میرا وہم ہو۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"" سارہ کے کہنے پر بھی وہ نہیں گئی تھی۔ بلکہ ایک قدم مزید آگے بڑھایا۔

"میں تم سے نہیں ڈرتی۔" آنکھوں میں خوف واضح تھا۔ وہ چلتی ہوئی سارہ کے قریب آئی اور اس کی خوفزدہ آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں گاڑھ دیں۔

"میں تمہیں ڈرانے بھی نہیں آئی سارہ صاحبہ۔ میں تم سے حساب لینے آئی ہوں۔ ہزاروں زندگیاں برباد کرنے کا حساب۔" سارہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کیسا حساب ؟" تسبیحہ نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھو، کہیں اور چل کر بات کرتے ہیں۔". کہہ کر وہ دوسری سائیڈ پر چلی گئی اور فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ سارہ ایک لمبی سانس لیتی ہوئیں واپس گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ اب وہ کسی حد تک سنبھل گئیں تھیں۔ ایک نظر تسبیحہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھا اور پھر گاڑی کو خاموشی سے سڑک پر ڈال دیا۔

وہ اسی گھر میں آئیں تھیں جہاں سارہ آفندی سب کو خفیہ ملاقات کے لیے لاتی تھیں۔

"کیا تم مجھے یہاں مارنے کے لیے لائی ہو؟" انہوں نے چبتے ہوئے انداز میں تسبیحہ سے پوچھا تو وہ مسکرا دی، مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں اتنی آسان موت دوں گی؟" تسبیحہ نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

"کیا چاہتی ہو؟"

"میں تو تم سے ملنا چاہتی تھی۔ دیکھنا چاہتی تھی کہ تم بدل گئی ہو یا ویسی ہی ہو۔ لیکن تم تو بدل گئی ہو۔" تسبیحہ نے نظریں اس کے چہرے پر جمائے بغور اسے دیکھا۔ "تم بوڑھی ہو گئی ہو۔" اپنی بات پر وہ خود ہی قہقہہ لگا کر ہنسی تھی جبکہ سارہ اندر تک جلس گئیں تھیں۔

"چلو اندر چلتے ہیں۔". وہ کہہ کر باہر چلی آئی۔ سارہ آفندی کا دل کیا وہ اسے یہیں چھوڑ کر چلی جائے، لیکن کچھ ہی دیر میں وہ اس گھر کے اندر

موجود تھیں جہاں بڑی بڑی مکڑیاں جالے بھنتے بھنتے زمین سے جا لگی تھیں۔

"اچھا تو یہ بتاؤ، بیٹا کیسا ہے تمہارا؟ خوش ہے نا اس شادی سے یا تمہاری نفرت اس کی بھی خوشیاں کھا جائے گی؟"

"تم میرے بیٹے سے دور رہنا لڑکی۔ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہو گا۔" سارہ نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

"اووو میں تو ڈر گئی۔" وہ ڈر کر تھوڑا سا پیچھے ہوئی اور پھر زبردست قہقہہ لگایا۔ "ویسے اگر میں تمہارے بیٹے سے دور نا رہوں تو تم کیا کرو گی؟ پھر سے مجھ پر کوئی الزام لگاؤ گی۔ یا اپنی ناکام محبت کا انتقام لو گی۔"

"جو میں کروں گی نا... وہ تم ساری زندگی یاد رکھو گی۔"

"جو تم کر چکی ہو نا... وہ مجھے آج بھی یاد ہے۔"

"تمہیں نا مارنے کا پچھتاوا ساری زندگی رہے گا مجھے۔ اگر تم مر جاتی تو میرے آدھے مسلے حل ہو جاتے۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ اگر میں مر جاتی تو میرے ساتھ تمہارے راز بھی مر جاتے؟" وہ ذرا جھک کر اپنا چہرہ سارہ کے قریب لے گئی۔ "لیکن تمہیں میں بتا دوں سارہ بیگم، تم جیسے جو لوگ ہوتے ہیں نا، ان کے راز کسی

ایک انسان کے پاس نہیں ہوتے۔"

"جو سارہ آفندی کی حقیقت جان جاتا ہے، موت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔"

"تم مجھے موت سے نہیں ڈرا سکتی۔ کیونکہ وہ تو ایک دن آ ہی جانی ہے۔ ڈرو تم اس وقت سے، جب تمہارا بیٹا تمہاری حقیقت جان

جائے گا۔ جب تمہاری بہو یہ جان جائے گی کہ اس کی ساس اس کی ماں کی قاتلہ ہے۔ جب تمہارے شوہر کی آنکھوں میں تمہارے لیے بے یقینی ہوگی۔ تمہارے سرکل کے لوگ تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گے۔" اب سہی معنوں میں سارہ آفندی کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکی تھی۔

"اس کی ماں نے اپنی ناکام محبت کا بدلہ لینے کے لیے ایک معصوم کی زندگی برباد کردی۔" سارہ آفندی نے پاس رکھی کرسی کو تھاما۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، کیا میں نہیں جانتی کہ سیورینہ کو کس نے مارا ہے۔ میں جانتی ہوں میں سارہ صاحبہ۔ آپ ہیں میری بہن کی قاتل۔ تم نے اس معصوم کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور پھر جب اس نے جنگکوک کے سامنے تمہارا نام لیا تو تم نے اسے بھی مار دیا۔" تسبیحہ اپنے دکھ کو چھپائے سخت تاثرات لیے ہوئے تھی۔

"تم.... تم میری جاسوسی کر رہی تھیں؟ کب سے میرے پیچھے ہو؟"

ان کے چہرے کے رنگت اڑ گئی تھی۔ ان کا سارا خون خشک ہو گیا

تھا۔

"جب تمہیں یقین ہو گیا کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہوں۔"

اس کے چہرے پر سرد، جما دینے والی
مسکراہٹ تھی۔

"میں نے گل رعنا کو نہیں مارا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"یہاں صرف ہم دونوں ہیں تو میرے خیال سے آپ کو یہ پوچھنا

چاہیے کہ مجھے کیسے پتا چلا کہ گل رعنا آنٹی کو تم نے مارا تھا۔" سارہ

آفندی نے ایک لمبی سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔

"کیسے جانتی ہو تم؟" تو بالآخر سارہ آفندی نے اقرار کر ہی لیا تھا۔

"میں تو نہیں جانتی۔" اب اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ "لیکن تم نے خود اقرار کیا ہے کہ گل رعنا قدرتی موت نہیں مریں، تو اب تم بتاؤ ان کے ساتھ یہ ظلم کیسے کیا؟ کیوں کیا، یہ میں نہیں پوچھوں گی کیونکہ وجہ تمہاری یک طرفہ ناکام محبت تھی۔ تم نے مارا کیسے تھا اُنہیں؟"

"تم بار بار میری محبت کی توہین کر رہی ہو۔"

"بھاڑ میں جائے تمہاری سو کالڈ محبت۔ ایسی محبت کرنے سے اچھا تھا تم مر جاتی سارہ۔ کم از کم اتنی زندگیاں تو برباد نا ہوتیں۔" جہاں اس نے دکھ سے کہا تھا وہیں سارہ نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تھا۔

"تم فکر نہیں کرو تسبیحہ، اگر مجھے اب بھی موقع ملا تو میں بدلہ ضرور لوں گی کیونکہ اس کی بیٹی میری بہو ہے۔ اور تم پوچھ رہی تھیں نا کہ میں نے کیسے مارا گل رعنا کو، تو چلو تمہیں بتا دیتی ہوں۔ زہر کا انجکشن

لگایا گیا تھا اسے۔" سارہ کے اتنے بے رحمی سے کہنے پر تسبیحہ کا دل کیا دھاڑیں مار کر روئے۔ لیکن وہ ابھی کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔

"اور میری بہن کو کیسے مارا؟"

"تمہاری بہن کو....۔" وہ سوچتے ہوئے بولیں۔ "گلا دبا کر، رسی سے۔" تسبیحہ کو لگا جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دیا ہو، دل تپتے صحرا میں پھینک دیا ہو۔

"قابو ہی نہیں آ رہی تھی۔ بار بار دھمکی دے رہی تھی کہ وہ جنگلو کو سب کچھ بتا دے گی۔ میں نے اس کی چلتی زبان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔" تسبیحہ کو لگا وہ رو دے گی۔ لیکن اسے رونا نہیں تھا۔

"ماریہ کے ساتھ کیا کرو گی؟" وہ اس ٹاپک کو کلوز کرنا چاہتی تھی کہ کہیں وہ ضبط نا کھو بیٹھے۔

"اس کے ساتھ کچھ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ خود ہی چلی گئی ہے۔" تسبیحہ کو یہ سن کر شاک لگا تھا۔

"وہ کہاں چلی گئی ہے؟ یا تم نے نکالا ہے اسے؟"

"میں نے نکالا ہے۔" تسبیحہ نے دکھ سے اسے دیکھا، وہ عورت نا جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں برباد کرے گی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"بھائی آپ مصروف تو نہیں ہیں؟" ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا جب منہاج آیا۔

"نہیں۔ کیوں خیریت؟" ہاشم نے منہاج کو دیکھا جواب کرسی کھینچ کر بیٹھ رہا تھا۔

"ہاں مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔"

"کہو میں سن رہا ہوں۔" وہ پوری طرح متوجہ ہوا۔

"دراصل میں ترکی جانا چاہ رہا تھا۔"

"تو اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔" منہاج کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔

"نہیں میں کوئی چند مہینوں کے لیے نہیں جانا چاہتا۔"

"تو پھر؟" ہاشم کے سوال پر وہ چند ثانیے خاموش رہا۔ پھر گلا کھنکارا اور پھر بولنا شروع کیا۔

"میں وہاں پر جاب کرنا چاہتا ہوں۔ مستقل وہاں رہنا چاہتا ہوں۔"

ہاشم کو دھکا سا لگا تھا۔

"یعنی..... تم..... ہم سب کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟" ہاشم نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"نہیں بھائی، چھوڑ کر تو نہیں جا رہا۔ آپ تو جانتے ہیں نا مجھے ٹیچنگ کا شوق تھا۔ وہاں ایک یونیورسٹی میں انگلش پروفیسر کی ضرورت ہے۔ میں نے اپلائی کیا ہے، مجھے امید ہے وہ مجھے رکھ لیں گے۔"

"یعنی تم مجھ سے اجازت نہیں لینے آئے، بلکہ مجھے انفارم کرنے آئے ہو کہ تم جا رہے ہو۔"

"بھائی آپ تو سب کچھ جانتے ہیں یار۔ پھر آپ کیوں ایسے ری ایکٹ کر رہے ہیں۔ میں نہیں رک سکتا یہاں۔"

"ٹھیک ہے.... جیسا تمہیں مناسب لگے۔" ہاشم نے کہہ کر لیپ ٹاپ سامنے کر لیا۔

"مجھے ایک اور بات کرنی تھی۔" ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کونسی بات۔"

"یہ ہمارے گھر سے متعلق ہے۔"

"جیسے کہ ؟"

"بھائی آپ سب کو الگ کر دیں۔"

"کیا الگ کر دوں۔ میں سمجھا نہیں ؟" ہاشم نے لیپ ٹاپ سائڈ پر رکھتے پوچھا۔

"دیکھیں بھائی۔ ہمارے بھائیوں کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ اور ان کی بیویاں ہر وقت نقاب میں رہتی ہیں۔ گھر میں ہر وقت نقاب کر کے رہنا، انسان ذرا اکتا بھی جاتا ہے۔ اس لیے مجھے لگا کہ ہمیں اس پہلو پر بات کر لینی چاہیے۔ اگر وہ لڑکیاں کچھ نہیں کہتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خود بھی کچھ نا کریں۔" منہاج کی بات کو سمجھتے ہوئے ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ اب ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ ٹھیک ہے میں آج شام کو اس حوالے سے بات کروں گا سب سے۔"

ہاشم نے پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تو منہاج نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

"اچھا میں چلتا ہوں مجھے کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔" منہاج کہہ کر چلا گیا تھا۔ وہ چلا گیا تو ہاشم نے پیچھے سر ٹکا دیا۔ دل میں شدید درد اٹھا تھا۔ وہ ساری زندگی ساتھ رہے تھے۔ وہ سارے اک جسم کی مانند تھے۔ اب ایسے لگ رہا تھا جیسے جسم کا وہ حصہ کٹ رہا ہے۔ درد حد سے بڑھا۔ تبھی ہاشم کے موبائل پر میسج ٹون بجی۔

اسکرین بار پر نام پڑھ کر وہ چونکا اور چیٹ اوپن کی۔ کوئی وائس میسج تھا۔ ہاشم نے اسے آن کیا اور کان کے ساتھ لگا لیا۔ وائس میسج نے ارد گرد ہر چیز روک دی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی، خوفناک خاموشی، بین کرتی خاموشی۔

ہاشم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔اس وقت وہ خود کو قبر میں محسوس کر رہا تھا۔

oooooooooooooooooooo

سارہ آفندی کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جبکہ تسبیحہ کے چہرے پر دکھ۔

"میں نے کبھی اپنے بیٹے کو ان سب چیزوں سے دور جانے ہی نہیں دیا اور وہ بیوقوف ماں کی بیوقوف بیٹی سمجھتی رہی کہ جنگکوک نے اگر اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ بدل بھی جائے گا۔لیکن میں نے اسے اپنی محبت کے سامنے جھکا کر رکھا۔"

"ماں کا چمچہ۔"جنگکوک ایسا نہیں تھا لیکن اس وقت تسبیحہ کو ایسا ہی لگا تھا۔

"اسے ماں کا چمچہ نہیں، ماں کا فرمانبردار بیٹا کہتے ہیں۔بہت معصوم ہے میرا بیٹا۔"

"اور تم نے ہمیشہ سب کی معصومیت کا فائدہ ہی تو اٹھایا ہے۔"ایک بار پھر پورے گھر میں سارہ کا قہقہ گونجا تھا۔

"تم واپس تو آ گئی ہو لڑکی، لیکن تم کچھ بھی نہیں کر سکتی۔اور اگر تم نے کچھ کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا پہلے بہت کم کیا تھا میں نے تمہارے ساتھ۔لیکن جواب کروں گی ناوہ تم ساری زندگی....."

"اب دوبارہ یہ جملہ مت کہنا کہ میں ساری زندگی یاد رکھوں گی۔میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ مجھے کچھ بھی نہیں بھولا۔اور اب جو میں تمہارے ساتھ کروں گی ناوہ تم ساری زندگی یاد رکھو گی۔"سارہ کو اس سے اچھی وائبز نہیں آ رہیں تھیں۔وہ واقعی ہی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔

"تو کیا تم میری ریکارڈنگ کر کے جنگلوک کو بھیجو گی؟" تسبیحہ کو اپنے حلق میں کچھ اٹھتا محسوس ہوا۔ سارہ آفندی نے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی کو روکا۔ "لیکن وہ کیا ہے نا تسبیحہ، وہ روزانہ تمہاری اور تمہاری بہن کی قبر پر جاتا ہے۔ کیونکہ تم اس کے لیے مر گئی ہو۔" کہتے ہوئے ایک دم سارہ آفندی کے ذہن میں جھماکہ ہوا تھا۔

"وہ....وہ جانتا ہے کہ تم زندہ ہو؟ یا تم اس سے ملنے کے پلان بنا رہی ہو؟ بتاؤ مجھے۔ کسی ارادے سے یہاں آئی ہو۔" سارہ نے پھٹی پھٹی نظروں سے تسبیحہ کو دیکھا جس کے لبوں پر سرد مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں برباد کرنے آئی ہوں۔" سارہ کو لگا جیسے پورا گھر ان پر آن گرا ہے۔

"وہ جانتا تھا۔ وہ سب کچھ جانتا تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑائیں۔

"اب یقین بھی کر لے گا۔" سارہ آفندی نے نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں کو۔ وہاں رحم کہیں نہیں تھا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" وہ کہہ کر آگے بڑھیں اور اسے کھینچ کر تھپڑ مارنا چاہا۔

"نہیں مس سارہ صاحبہ نہیں! میں وہ کمزور پورا نہیں ہوں۔ میں مضبوط تسبیحہ ہوں۔" تسبیحہ نے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے سختی سے جھٹکا دیا، توازن برقرار نا رکھتے ہوئے وہ مکڑی کے جالے کے پاس جا گریں۔

"تمہاری بربادی کا وقت شروع ہوا جاتا ہے۔ مبارک ہو۔" وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے نکل گئی۔ دروازے پر رک کر موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی جس پر جنگلوک کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ اسی جانمبر تھا۔ سارہ آفندی اس وقت زلزلوں کی زد میں آگئیں تھیں۔

سینڈ کے بٹن پر کلک کرتی وہ وہاں سے نکل گئی جبکہ سارہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھے گئیں۔

"میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ تم میرے بیٹے کو میرے خلاف نہیں کر سکتیں۔" وہ چیختے ہوئے اس کے پیچھے آئیں تھیں لیکن وہ تو جیسے وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔ وہ بہت تیزی سے گاڑی لے کر وہاں سے نکلیں تھیں۔ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھیں لیکن وہ نظر آتی تو اس کا پیچھا ہوتا۔ سارہ کے جانے کے بعد وہ ایک درخت کے پیچھے کھڑی نظر آئی تھی۔ وہیں کھڑے اس نے وہ ریکارڈنگ ہاشم کو بھی بھیجی تھی۔

"کھیل ختم مسز سارہ آفندی۔"

○○○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک اپنے روم میں بیڈ پر نیم دراز تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے اسے نظر نہیں آئی تھی، ایسے جیسے خفا ہو کر گئی تھی۔ دوستوں کے فون اور میسیجز سے تنگ آکر اس نے موبائل بھی سوئچ آف کر رکھا تھا۔

اچانک اس کے ذہن میں تسبیحہ کے اس دن والے میسج آئے۔

جنگکوک نے کچھ سوچتے ہوئے سائڈ دراز سے موبائل نکالا اور اسے آن کیا۔ بیٹری ڈیڈ پڑی ہوئی تھی۔ وہ اکتاتے ہوئے اٹھا اور موبائل کا چارجر ڈھونڈا۔ چارجر ملا تو موبائل بھی آن ہو گیا۔ وہ چارجر لگا کر جا رہا تھا جب موبائل پر لگاتار میسیجز آنے لگے۔ اس نے چارج لگے موبائل کو اٹھایا تو سب سے اوپر تسبیحہ کے میسج تھے۔

"تم کہتے تھے نا کہ کوئی ٹھوس ثبوت لاؤ۔ تو یہ رہا ثبوت۔ اک وائس میسج بھیج رہی ہوں۔ سن لینا۔ سارے ثبوت ہیں اس میں۔ مجرم کی کہانی، مجرم کی زبانی۔"

"تم ریپلائے کیوں نہیں دے رہے۔ ٹھیک ہے جب بھی آنلائن آنا، یہ وائس میسیج ضرور سننا۔ تاکہ تمہیں حقیقت کا علم ہو جائے۔"

جنگکوک نے اکتا کر موبائل رکھنا چاہا کیونکہ وہ تسبیحہ پر ٹرسٹ نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک ایک میسج پر اس کی نظر پڑی۔ اس کی آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں تھیں۔

"سارہ آفندی سے ملاقات ہوئی تھی میری۔ بتایا اس نے مجھے کہ تمہاری بیوی تمہیں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ بہت غلط کیا ہے تم نے جنگکوک۔ جیسی ماں، ویسا بیٹا۔" یہ آخری میسیج تھا۔ اس طنز پر جنگکوک کی ساری دنیا ہی گھوم گئی تھی۔ غصے سے اس کے اعصاب تن گئے۔ اس نے ڈیلیٹ کے آپشن پر کلک کرنا چاہا، پھر رک گیا۔ اس نے وائس میسج آن کیا۔ میسج تھا یا پگھلا ہوا سیسہ۔ جنگکوک کے کان ایسے ہو گئے تھے جیسے ابھی ان میں سے خون رسنے لگے گا۔ اس کا دل

جیسے رک گیا تھا۔ سانس بھی سینے میں اٹک گیا تھا۔ وہ بالکل پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا، جو ذرا سا لڑکھڑایا اور صوفے پر ڈھے گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا تھا۔

"ماں... میری ماں... قات.....۔" وہ چاہ کر بھی اپنی ماں کے ساتھ یہ لفظ نہیں جوڑ پایا۔

"نہیں.... ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ سارا آسمان اس پر گر ہی تو گیا تھا۔

"نہیں نہیں نہیں...... نہیں۔" آخر میں وہ زور سے چلایا تھا اور پھر اگلے چند منٹوں میں کمرے کی ہر چیز زمین بوس ہو چکی تھی۔

ooooooooooooo

وہ گھر ہی سیدھا جنگکوک کے کمرے میں آئیں تھیں۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کاش ویسا نا ہوا ہو جیسا وہ سارے راستے سوچتی آئی

ہے۔ کاش وہ نظر کا دھوکہ ہو۔ کاش اس لڑکی نے سارہ کے سامنے وہ میسج جنگکوک کو نا بھیجا ہوا۔ کاش اس کا بیٹا کچھ نا جانتا ہو۔ کاش۔ ڈھیروں خدشات لیے سارہ آفندی روم میں آئی تو دھنگ رہ گئیں۔

جو سامنے تھا، اس کے الارم انہیں پہلے ہی مل چکے تھے۔

سامنے وہ زمین پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ وہاں خون تھا۔ سارہ کا تو دل ہی دہل گیا تھا۔ ان کا بایاں ہاتھ اپنے سینے پر گیا۔

"جنگکوک میری جان۔" وہ تڑپ کر اس کے پاس آئیں۔ جنگکوک نے اپنا ہاتھ کاٹ کر خود کو مارنے کی کوشش کی تھی۔

"جنگکوک یہ... یہ کیا کیا تم نے؟" اس کی آنکھیں کھلی ہوئیں تھیں۔ ان میں زمانوں کا کرب تھا۔ تکلیف تھی۔ اذیت تھی۔ سرد پن تھا۔ کوئی بھی انسان اپنی ماں کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتا جیسا اس کی

ماں کر چکی تھی۔اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ساری تکلیف اس دل کے ٹوٹنے کی ہی تو تھی۔

"دور رہیں مجھ سے۔"اس نے چلا کر کہا تو سارہ کے قدم وہیں رک گئے۔

"جنگ...."

"میرا نام بھی مت لیں اپنی زبان سے۔مر گیا آپ کا جنگلوک۔"

"خدا نا کرے کہ تمہیں کچھ ہو۔"اس نے سرخ آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ان میں نفرت نہیں تھی۔شکایت تھی۔تکلیف تھی۔دکھ تھا۔مان ٹوٹنے کا دکھ۔ماں کے قاتل ہونے کا دکھ۔سارہ آفندی نے بہت سارا تھوک نگلا۔"میں تمہاری ماں ہوں بیٹا۔ماں کے ساتھ ایسے کون بات کرتا ہے؟"وہ روتے ہوئے بول رہیں تھیں۔

"ماں نہیں ہیں آپ میری۔" وہ اونچی آواز میں چلا کر بول رہا تھا۔

"مائیں ایسی ہوتی ہیں؟ دیکھیں خود کو۔ کریں کسی اور ماں کے ساتھ اپنا کمپیریزن۔ آپ نے تو مجھے دنیا بھر میں شرمندہ کر دیا ہے۔"

"جنگکوک میری بات سنو بیٹا۔ تم زخمی ہو۔ مجھے تمہیں ہاسپٹل لے کر جانا ہوگا۔"

"جو زخم آپ نے دیا ہے نا مسز آفندی۔ اس زخم کے سامنے یہ زخم کچھ بھی نہیں ہے۔ اس زخم کو ختم کر سکتی ہیں؟ بولیں کر سکتی ہیں؟"

بے اختیار ان کا سر نفی میں ہلا۔ وہ استہزائیہ ہنسا۔

"تو پھر مجھے مر جانے دیں۔" آہ کس قدر سنگدلی سے کہا تھا اس نے۔

سارہ آفندی کا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔

"نہیں مرنے دے سکتی۔ تم میری عمر بھر کی کمائی ہو۔ ایسے لٹنے نہیں دوں گی۔" ان کے انداز میں التجا سی تھی۔

"لوٹ تو آپ نے لیا ہے۔ میری سب سے بڑی دشمن، میری خوشیوں کو کھا گئیں آپ۔ ماں کے لیے اپنی اولاد کی خوشی سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔ آف کورس اس کی خود غرضی۔ یہ سب کچھ یا تو انسان نفرت اور حسد میں کرتا ہے یا خود غرضی میں۔ اور میری ماں نے.... ان دونوں کی وجہ سے کیا ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ مرے مرے لہجے میں بولیں تھیں۔

وہ گردن پیچھے پھینک کر ہنسا۔

"پھوپھو سے حسد اور ماریہ سے نفرت۔ میری خوشیوں کو نظر انداز کر کے اپنے دل کے سکون کے لیے سب کیا۔ اپنی خود غرضی....."

"یہ باتیں بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ پلیز ابھی ہسپتال چلو۔"

"مجھے نہیں جینا، اس سچائی کے ساتھ کہ میری ماں میری پھوپھو کی قاتل ہے۔ وہ پھوپھو جس کی بیٹی سے میں بے انتہا عشق کرتا ہوں۔

میں اس کا سامنا کیسے کروں گا۔ بولیں کیسے کروں گا۔" وہ ایک بار پھر چلاتے ہوئے بولا تھا۔ سارہ نے تڑپ کر اس کے پاس آنا چاہا۔

جنگکوک نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"مر گیا ہے آپ کا بیٹا آپ کے لیے۔" وہ وہیں روتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئیں تھیں۔

"جانتی ہیں جب اس نے مجھے بتایا کہ یہ سب کچھ.... آپ نے کیا ہے تو میں نے..... اس کے پاس.... جانا چھوڑ دیا کہ وہ..... وہ میری عظیم ماں کو.... ایک ولن بنا کر پیش کر رہی ہے۔ آج اس نے... ثابت کر دیا کہ ہاں.... میری ماں ولن تھی۔ میری ماں.... میری ماں نے اتنی زندگیاں برباد کر دیں۔ سیورینہ کو مار دیا آپ نے ماں۔ وہ معصوم تھی۔ اتنی بے رحمی سے آپ نے.....۔"

وہ بول ہی نہیں پایا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہیں تھیں۔

"ایک بات تو بتائیں، کیا آپ کا دل نہیں تڑپا، یوں اتنی جانیں لیتے ہوئے۔ ڈر نہیں لگا آپ کو۔" سارہ آفندی سر جھکائے بیٹھی ہوئیں تھیں۔ کیا کہتی وہ۔ کہنے کو کچھ بچا نہیں تھا۔ نامہ اعمال سامنے تھا۔

"جائیں یہاں سے، اس سے پہلے کہ میں کوئی بد تمیزی کر دوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ چہرے پر کرب تھا۔

سارہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور باہر نکل آئیں۔ سب سے پہلے انہوں نے ایمبولینس کو کال کی تھی۔ یہ سوچے بغیر کے یہ پولیس کیس تھا۔ وہ خود بھی پھنس سکتی تھیں۔

"تم نے میری اولاد کو میرے خلاف کیا ہے تسبیحہ، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" حقارت سے کہتی وہ واپس جنگلوک کے روم میں آئی جہاں اب وہ ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ پڑا ہوا تھا۔

○○○○○○○○○○

وہ ہانپتی کانپتی اپنے اپارٹمنٹ پہنچی تھی۔ آکر دروازہ بند کیا اور وہیں نیچے بیٹھ گئی۔ کب سے رکے آنسو اب بہہ رہے تھے، وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

"یہ تم نے کیا کر دیا سارہ آفندی۔ آہ! کتنی تکلیف دی تم نے میری معصوم بہن کو۔ کتنی تڑپی ہو گی وہ۔ اوہ میرے خدا۔ مجھے صبر دے، کہیں میرا دل نا پھٹ جائے۔"

وہ ہاتھوں میں تھامے رو رہی تھی۔

"لوگ کیسے اتنے بے حس ہوتے ہیں۔ اور میں اتنی بے بس کہ اپنی بہن کے لیے جنت کی دعا بھی نہیں کر سکتی۔ یا اللہ مجھے حوصلہ دے۔" کچھ لمحے گزرے۔ وہ روتی رہی۔ تبھی اسے جنگلوک کا خیال آیا۔

"میں چاہتی تو اس کا پردہ رکھ لیتی، اسے ایکسپوز نا کرتی، بدلہ نا لیتی۔
لیکن میں ...... اب کسی اور کی زندگی خاموشی سے برباد ہوتے نہیں
دیکھ سکتی۔ مجھے معاف کر دیں اللہ۔ میں نے اسے ہرٹ کر دیا۔ وہ پہلے
ہی اذیت میں تھا۔ وہ کیسے اتنی تکلیف اٹھائے گا۔ اس میں تو برداشت
کا ب بھی نہیں ہے۔ اس نے کبھی ایسی تکلیف نہیں سہی۔ یا اللہ
پلیز۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے شدت سے رو رہی تھی۔ تبھی
دروازے پر دستک ہوئی۔

وہ ایک دم سے ڈر گئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ سارہ آفندی اس کا
پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک
ضرور آئے گی۔

"ک...... کون ہے؟"

"میں ہوں.... ہاشم۔" نام سنتے ہی اس نے فوراً سے دروازہ کھول دیا۔ ہاشم نے اندر آکر سب سے پہلے دروازے کو لاک کیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ہاشم کو اپنے لیے پریشان ہوتا دیکھ کر اسے نا جانے کیوں اچھا لگ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" ہاشم نے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھنے سے گریز برتا۔

"تم نے میرے علاوہ کسی اور کو تو نہیں بتایا نا؟"

"بتایا ہے۔"

"کس کو بتایا ہے؟"

"جنگکوک کو۔" ہاشم نے بے ساختہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اسے نہیں بتانا چاہیے تھا..... وہ کیسے یہ سب برداشت کرے گا۔"

"وہ ہمیشہ مجھے غلط کہتا تھا۔ وہ سیورینہ کے قاتل کو ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے قاتل تک پہنچا دیا۔ اس کی ماں کا اصلی چہرہ...."

"تم نے یہ سوچا کہ یہ سب کچھ جاننے کے بعد اس کا ری ایکشن کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا... یقیناً وہ اس عورت سے بد ظن ہو جائے گا۔ نفرت کرے گا۔ سارہ آفندی کو اس کے کیے کی سزا مل جائے گی۔ بظاہر وہ لاپرواہی سے کہہ رہی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ اس نے جنگکوک کو ہرٹ کیا ہے۔ پھر بھی وہ ہاشم کی بات سننا چاہتی تھی۔ کیا واقعی ہی اس نے غلط کیا ہے یا ٹھیک......

"اولاد کبھی بھی اپنی ماں سے نفرت نہیں کر سکتی تسبیحہ۔ تم نے سارہ آفندی کے چکر میں جنگکوک کو سزا دے دی ہے۔ پتا نہیں وہ کیسا ہو گا۔" ہاشم واقعی ہی جنگکوک کے لیے پریشان تھا۔

"ایک نا ایک دن تو سچ سامنے آنا ہی تھا نا۔"

"سچ سامنے لانے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ وہ ابھی اپنی بیوی کی جدائی کے دکھ سے باہر نہیں آیا ہو گا اور پھر یہ سب کچھ۔" ہاشم کو یوں پریشان ہوتا دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ سوچ دونوں کی ایک جیسی ہی تھی۔ حساس۔

"اب کیا ہو گا؟"

"تم ایسا کرنا۔ دروازے کو اچھے سے بند کر لینا۔ میرے علاوہ کوئی بھی آئے دروازہ مت کھونا۔ میں دیکھتا ہوں۔" ہاشم کہہ کر جانے لگا۔

"کیا آپ اپنی ماں کی قاتلہ کو سزا نہیں دلوائیں گے؟" ہاشم کے قدم ساکت ہوئے۔

""معاف کر دیں گے اسے؟"

"میں تو کیا میری سات نسلیں بھی اب اسے معاف نہیں کریں گی۔ اس کی موت کے بعد بھی نہیں۔ جو کیا ہے، اس کی سزا تو وہ بھگتے گی۔" وہ مڑے بغیر بولا۔

"جنگکوک کا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے تو اسے اس کی ماں کے کیے کی سزا کسی صورت نہیں ملنی چاہیے۔" ہاشم کہہ کر چلا گیا تھا۔ تسبیحہ نے اس کے جاتے ہی دروازہ بند کیا۔ وہ اب قدرے پرسکون تھی۔ ہاشم اب اس کے ساتھ تھا۔ فکر تھی تو بس جنگکوک کی۔ لیکن ہاشم سب سنبھال لے گا۔ اس سوچ نے اسے پرسکون کر دیا تھا۔

○○○○○○○○○○○

گھر آنے کے بعد وہ سیدھا ماریہ کے روم میں آیا تھا۔ دستک دے کر اندر آیا تو بختاور اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" ہاشم نے ماریہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں چلتی ہوں مجھے کچھ کام تھا۔" وہ مسکرا کر کہتی جانے لگی۔

"بختاور سنیے۔" ہاشم کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ "ذرا حماد کو بھیجئے گا۔" وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئی۔

"کیا ہوا بھائی، سب ٹھیک ہے؟" ہاشم کو یوں پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے بولا۔

"اللہ خیر کرے۔ بتائیں تو کیا ہوا ہے؟" اس سے پہلے ہاشم جواب دیتا، حماد اندر آیا۔

"بھائی آپ نے بلایا تھا۔"

"تم دونوں ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ یہ جنگلوک سے کس بات پر ناراض ہو کر یہاں آئی ہے؟" ہاشم نے سختی سے پوچھا تھا۔

"بھائی آپ اس بات کو جانے دیں نا۔"

"جانے دوں؟ سیریسلی حماد؟ تم دونوں اتنی بڑی بات چھپائے بیٹھے ہو اور اب کہہ رہے ہو جانے دوں۔"

"بھائی ہوا کیا ہے۔ بتائیں نا۔" ماریہ بھی پریشان ہوتی اس کے پاس چلی آئی۔

"میں بڑا بھائی تھا نا، تم دونوں کو کم از کم مجھے تو بتانا چاہئے تھا نا۔"

"میں نے اس لئے نہیں بتایا کہ آپ اس سے نفرت کرتے۔" ہاشم اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دیئے وہاں بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"آپ کو یہ بات پریشان نہیں کر رہی بھائی۔ بات کوئی اور ہے۔ بتائیں کیا بات ہے؟" حماد نے ہاشم کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتانا تو نہیں چاہتا تھا لیکن جنگکوک کی بیوی ہونے کی حیثیت سے تمہیں بتادوں کہ تمہارے شوہر نے خودکشی کرنے کی کوشش کی

ہے، اپنی کلائی کاٹ کر۔" ماریہ کا دل جیسے کسی نے نوچ کر نکال دیا ہو۔ وہ دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ چہرے پر بہت سارا کرب ایک ساتھ آیا تھا۔

"کیا وہ پاگل ہو گیا ہے؟ اتنی سی بات پہ کون خودکشی کرتا ہے۔ اور اگر اتنی ہی محبت تھی تو یہ سب کیوں کیا تھا۔" حماد کو سخت غصہ آیا تھا۔

"وہ ٹھیک تو ہیں نا بھائی؟" ماریہ کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دی۔

"ہاسپٹل میں ہے۔ مجھے نہیں معلوم وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ لیکن اس کی خودکشی کی وجہ ماریہ کا چھوڑ کر آنا نہیں ہے۔ وجہ کوئی اور ہے۔" ہاشم نے گویا دھماکہ کیا تھا۔

"تو پھر کیا وجہ ہے؟" حماد نے اپنے ابرو کو باہم ملاتے ہوئے پوچھا۔

ہاشم نے ایک گہرا سانس لیتے وہ ریکارڈنگ پلے کی۔

○○○○○○○○○○○○○○

"جنگکوک کہاں ہیں؟اور کیسا ہے وہ؟"سیمون آفندی کو سارہ نے فون کر کے بلایا تھا۔وہ ایک منٹ کی دیر کیے بغیر آفس سے ہاسپٹل آئے تھے۔

"اندر ہے میرا بیٹا۔بینڈیج ہو گئی ہے لیکن ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ دوسری دفعہ اس نے خود کو مارنے کی کوشش کی ہے۔جب تک وہ وجہ نہیں جان جاتے،وہ جنگکوک کو یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔"وہ روتے ہوئے بول رہیں تھیں۔

"وہ لڑکی جنگکوک کے حواسوں پر سوار ہو گئی ہے۔پہلے اس کے نا ملنے کے غم میں ہمارا امنہ کالا کروایا تھا اور اب اس کے جانے کے غم میں۔"سیمون آفندی جنگکوک کی حرکت پر سخت غصہ تھے جبکہ سارہ آفندی کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"ڈاکٹر میرے بیٹے کو ہوش آگیا کیا؟" ایک ڈاکٹر کو باہر آتے دیکھ کر سارہ ان کی طرف لپکیں۔

"جی انہیں ہوش آگیا ہے۔"

"کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنے بابا سے ملنا چاہتے ہیں۔" سیمون آفندی نے استعجاب سے پہلے ڈاکٹر اور پھر سارہ کو دیکھا۔

"آیئے سر۔" ڈاکٹر نے ان کو آنے کا کہا تو وہ ان کے پیچھے چل دیئے۔ سارہ آفندی وہیں کھڑی رہیں۔ ان کا دل ہول رہا تھا۔ وہ جنگلوک سے مل کر اسے واسطہ دینا چاہتی تھیں کہ وہ کسی کو نا بتائے، لیکن اس نے تو ماں سے ملنا تک گوارا نہیں کیا۔

"خداوند غارت کرے تمہیں تسبیحہ۔"

OOOOOOOOOOOO

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس رات جب تسبیحہ کو میں تمہارے حوالے کر کے گیا تھا تو میرے جانے کے بعد کیا ہوا تھا؟"

حماد اور ماریہ کو سکتے میں چھوڑ کر وہ وہاں سے چلا آیا تھا اور اب اس کا رخ ہسپتال کی جانب تھا۔ وہ اسفند سے ملنا چاہتا تھا۔ بہت کچھ ماضی میں مس ہو گیا تھا۔ نفرت اور بدگمانیوں کی وجہ سے کچھ چیزیں ادھوری رہ گئیں تھیں، جنہیں وہ اب کلئیر کرنا چاہتا تھا۔ اسی ارادے سے وہ یہاں آیا تھا اور اب بیٹھا اس سے سوال کر رہا تھا۔ وہ دونوں اسفند کے پرسنل روم میں تھے۔

"یہ تمہیں اتنے سالوں بعد یہ سب کیوں یاد آگیا؟" وہ قدرے سنجیدگی اور اکتائے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"میں جو پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دو۔ وقت نہیں ہے میرے پاس۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"وہ بے قصور ہے۔ یہ ثابت کر دیا ہے اس نے۔" جب اسفند کچھ نا بولا تو ہاشم نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"اوہ! اور وہ کیسے؟"

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاتا ہوں۔ پلیز ابھی وہ بتاؤ جو پوچھ رہا ہوں۔" اسفند نے گہرا سانس لیتے ہوئے ہاشم کو دیکھا اور کہنا شروع کیا۔

منظر کچھ یوں تھا۔

صبح کے سات بج رہے تھے۔ ہسپتال کی عمارت پر سورج کی روشنی پھوٹتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اور ہسپتالوں کے اندر کا منظر تو سب جانتے ہیں کہ کیسا ہوتا ہے۔ مریض، ڈیڈ باڈیز، مفلوج، نرسیں اور ادھر ادھر بھاگتے ہوئے ڈاکٹرز۔ اسی ہسپتال کے اک روم میں وہ بیڈ

پر لیٹی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں کینولا لگا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ لیکن چھت پر جمی ہوئیں تھیں۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، وہ اس بات کے زیر اثر تھی۔ وہ صدمے میں تھی۔ پاس بیٹھے اسفند نے اسے وہ بتایا تھا جو ہاشم نے وہاں دیکھا تھا۔ لیکن جو اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کہانی سے سارے انجان تھے۔

"م.... مجھے ہاشم سے ملنا ہے۔" اس نے بہت آہستہ آواز میں کہا تھا۔

"معاف کیجئے گا۔ وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتا۔" اس نے شائستگی سے جواب دیا تھا۔ جو بھی تھا۔ وہ اک عورت تھی۔ بھلے ہی اسے اپنے عورت ہونے کا احساس نہیں تھا، لیکن اسفند کو اپنے مرد ہونے کا اندازہ تھا۔" جلد ہی وہ طلاق کے کاغذات بھیج دے گا۔" تسبیحہ کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل کچل دیا ہو اور ابھی تک وہ بھاری چیز اس کے دل پر تھی۔ دباؤ مزید بڑھا۔

"میں بے گناہ ہوں۔ مجھے ٹریپ کیا گیا ہے۔ اس نے ذاتی دشمنی میں میرا استعمال کیا ہے۔" وہ آنسو کے درمیان بولی۔

"کیا ثبوت ہے؟"

"کیا میری بات کافی نہیں ہے؟"

اسفند نے رک کر اسے دیکھا۔ وہ سچ بول رہی تھی۔ یہ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

"لیکن اس کا کیا جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟"

"وہ سب نظر کا دھوکا تھا۔" اس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ الفاظ کھوکھلے نہیں تھے۔

"کیسے؟" تسبیحہ نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔

"میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ جو بھی بتاؤں گی، ہاشم کو بتاؤں گی۔" کہہ کر اس نے اپنا چہرہ موڑ لیا۔

کیا وہ لڑکی بے وفا ہو سکتی تھی۔ نہیں، ہاشم کو واقعی ہی غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ سر ہلاتا اٹھ گیا۔

"میں ہاشم سے بات کروں گا۔" وہ چلا گیا تھا۔

وہ شام میں دوبارہ اس کے پاس آیا تھا۔

"کیا کہا اس نے؟ وہ ملنے آئے گا نا؟" وہ بے چین سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اسفند نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔" ایک لفظ کہنے کے لیے بھی اس نے ہزار بار سوچا تھا۔ اس کی چمکتی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔

"مگر...."

"یہ طلاق کے کاغذات ہیں۔ یہی تم دونوں کی آخری ملاقات ہے۔" تسبیحہ کی آنکھوں میں صدمہ، بے یقینی، دکھ، ملال کیا کچھ نا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"وہ شاید سمجھ گئی تھی کہ تم اس سے نہیں ملو گے، تبھی اس نے سائن کر دیئے۔" اسفند کہہ رہا تھا جبکہ ہاشم ابھی تک اس ماضی میں تھا جہاں وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا تھا۔ اگر وہ اک دفعہ تسبیحہ سے مل لیتا تو اتنے سال ضائع نا ہوتے۔ اس نے ملال سے اسفند کو دیکھا۔

"اب کیا سوچا ہے تم نے؟" اسفند نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے سوال کیا۔ ہاشم چند لمحے چپ رہا۔ اور بولا تو......

"اسے اپنی زندگی میں واپس لانے کے بارے میں۔"

oooooooooooo

سیمون اندر آئے تو جنگلوک کو یوں ہسپتال کے بستر پر پڑا دیکھ کر ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"کیسے ہو اب تم؟" سیمون آفندی نے غور سے اسے دیکھا۔ چہرہ بالکل ویران تھا۔ آنکھوں میں خالی پن تھا۔

"ماما کیسی ہیں؟"اس نے چھت پر نظریں جمائے پوچھا۔ یہ بس ایک تمہید تھی۔

"تمہاری وجہ سے پریشان ہے۔ کیوں کرتے ہو تم یہ سب..."

"مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔"اس نے سیمون آفندی کی بات کو اہمیت نا دیتے ہوئے بات بدل دی، جس پر سیمون نے ناگواری سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"کہو! سن رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ تسبیحہ کی شادی ہاشم بھائی سے ہوئی تھی۔"

"اس کا یہاں کیا ذکر۔"سیمون نے استعجاب سے جنگلوک کو دیکھا۔

"اب اسی کا ذکر ہو گا بابا۔ کیونکہ وہ زندہ ہے۔"سیمون آفندی کو شاک لگا تھا۔

"تم کیسے جانتے ہو کہ وہ زندہ ہے؟"

"کیونکہ پچھلے کئی سالوں سے میں اسے پروٹیکٹ کر رہا ہوں۔"

"پروٹیکٹ؟اس کو کس سے خطرہ تھا؟"

"میں نہیں جانتا......اس نے کہا کہ اسے حفاظت چاہیئے، میں نے اس کی مدد کر دی۔"

"جیسے تمہاری ماں نے کی تھی۔ جبکہ میں اس شادی کے خلاف تھا۔"

وہ استہزایہ ہوئے۔

"یہ میرا مسلہ نہیں ہے۔ میرا مسلہ اس کی حفاظت ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" وہ بیزار ہوئے۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہاشم بھائی اور تسبیحہ کی دوبارہ شادی ہو جائے۔"

سیمون آفندی کو وہ بالکل پاگل لگ رہا تھا۔

"تمہیں اچانک سے کیا ہو گیا ہے جنگلوک؟ تم یہاں پر ہمیں ایک دفعہ پھر پولیس کیس میں پھنسا چکے ہو اور اب تم کہہ رہے ہو کہ میں

اس لڑکی کے لیے ہاشم کا ہاتھ مانگنے جاؤں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے ہاشم کو چیٹ کیا ہے۔"

"کسی نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔ وہ سب ایک misunderstanding تھی۔"

"کیا تم کچھ ایسا جانتے ہو جو میں نہیں جانتا؟" سیمون آفندی نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیڈ۔ بس پلیز جتنی جلدی ہو سکے، آپ یہ کام کر دیں۔"

"ٹھیک ہے تم ڈسچارج...."

"آپ آج ہی ہاشم بھائی کے پاس جائیں۔ میں اس معاملے میں مزید دیر نہیں چاہتا کیونکہ اس کی زندگی کو خطرہ ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ مضبوط ہاتھوں میں چلی جائے۔" وہ ابھی تک شاک کے زیر اثر تھا جو

اسے اس کی ماں کی طرف سے ملا تھا لیکن وہ خود کو نارمل رکھے ہوئے تھا۔

"تم اتنی جلدی کیوں مچا رہے ہو، آخر اسے کس سے خطرہ ہے۔" وہ جنگکوک کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ "ویسے بھی میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے اور کیا ہاشم بھی جانتا ہے کہ یہ صرف غلط فہمی تھی؟"

جنگکوک نے ایک دم چونک کر اپنے باپ کو دیکھا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں کہ ہاشم کو اس بارے میں پتا تھا یا نہیں۔

"آپ جب ان کو حقیقت بتائیں گے تو وہ جان جائیں گے۔ ایڈریس میں بتا دوں گا۔" وہ بضد تھا۔ سیمون آفندی نے ہار مانتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"اوکے میں تمہاری ماں سے بات کرتا ہوں۔"

"ماما کو اس بارے میں کچھ مت بتایئے گا۔" جنگکوک نے ایک اور شاک دیا تھا سیمون آفندی کو۔

"جنگکوک۔"

"پلیز ڈیڈ۔" جنگکوک نے منت بھرے انداز میں کہا تو سیمون آفندی کو خاموش ہونا پڑا۔

ooooooooooooooooo

سارہ آفندی کی سچائی جاننے کے بعد وہ بری طرح ہل گئی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ عورت اتنا گر سکتی ہے۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی سارہ آفندی۔ ایک تو آپ نے مجھ سے میری ماں کو چھین لیا۔ میں آج تک ان کے لمس کے لیے تڑپتی ہوں۔ اور دوسری طرف میرا بھائی اتنا عرصہ مجھ سے بدگمان

رہا۔"وہ جائے نماز پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ایک دم سے سب کچھ بدل گیا تھا۔

"پتا نہیں جنگکوک نے یہ سب کیسے فیس کیا ہو گا۔"بے اختیار اس کا جنگکوک کی طرف دھیان چلا گیا تھا۔

"آہ جنگکوک آہ.....انہوں نے پھر سے خود کو مارنے کی کوشش کی تھی یا اللہ۔پلیز انہیں ہدایت دے دیں۔"وہ کچھ دیر مزید دعا مانگ لینے کے بعد بیڈ پر آئی تو اسے اپنے شوہر کی فکر ستانے لگی۔

"کیا مجھے میسج کر کے پوچھ لینا چاہیے... کیا نہیں پوچھنا چاہیے۔"وہ گہری کشمکش کا شکار ہو رہی تھی۔"میرے خیال سے کر لینا چاہیے۔" اس نے موبائل اٹھایا اور جنگکوک کا نمبر سامنے لائی۔اس نے جنگکوک کا نام "ماموں کا ہینڈسم بیٹا" کے نام سے سیو کیا تھا۔

"جنگکوک..... کیسے ہیں آپ؟" وہ جیسے ہی لکھ کر سینڈ کے بٹن پر کلک کرنے لگی، دماغ نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"اگر میسج بھیج دیا تو پھر دل کرے گا وہیں چلی جاؤں۔" اس نے کچھ بیزار ہوتے میسج ڈیلیٹ کیا اور موبائل سائڈ پر رکھ کر لیٹ گئی۔

دوسری جانب وہ اس کے ایک میسج کا انتظار کر رہا تھا کہ شاید وہ اس کا حال ہی پوچھ لے۔ لیکن کوئی میسج نہیں آیا۔

"خود ہی میسج کر لیتا ہوں۔" جنگکوک نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا ٹوٹی اسکرین والا موبائل سامنے کیا جسے اس نے کچھ دیر پہلے ہی گھر سے منگوایا تھا۔ اس نے "پھوپھو کی خوبصورت بیٹی" والی چیٹ اوپن کی۔

"کیسی ہو؟ کیا تمہیں ذرا بھی احساس نہیں میرا؟" میسج لکھ کر سینڈ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

"کیا بکواس ہے یار۔" میسج ڈیلیٹ کر کے اس نے موبائل واپس رکھ دیا اور واپس آنکھیں موند لیں۔ باہر شام ختم ہو رہی تھی۔ تاریکی چھا رہی تھی۔

حماد اپنے روم میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ وائس میسج کے بعد عجیب بے چینی نے گھیر رکھا تھا۔ لیکن وہ عریش کے سامنے کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دے سکتا تھا فی الحال۔ زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجائے لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کافی گہری ہو گئی تھی جب بلڈنگ کے ایک گھر میں گھنٹی بجی۔ اندر موجود نفوس ایک دم سے ڈر گیا تھا۔ وہ ڈری سہمی دروازے تک آئی۔

"ک.... کون ہے؟"

"میں ہوں... ہاشم "اس نے سکون کا سانس لیتے دروازہ کھول دیا، اور پھر ہاشم کے ساتھ آنے والے لوگوں کو دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی تھی اور شاک سیمون آفندی کو دیکھ کر لگا تھا۔

"آ.... آپ سب..... اور یہ۔" دروازے سے ایک قاضی صاحب بھی اندر آئے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟" وہ الجھی تھی۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ ہمارا نکاح ہو رہا ہے، ابھی اور اسی وقت۔" ہاشم کوئی بھی دوسری بات کرنے کے بجائے کام کی بات پر آیا تھا۔

"لیکن...۔"

"ان سب کو تو تم جانتی ہو۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ میری طرف سے یہ چار گواہ ہیں۔" ہاشم نے حماد، یمان، منہاج اور یاور کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اسفند کے پاس تھا جب اسے سیمون آفندی کی کال آئی تھی۔

سیمون آفندی نے اسے جب جنگلوک کی ضد کے بارے میں بتایا تو وہ چونکا اور پھر چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری۔ اسفند نے اسے ابرو اچکا کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ کچھ دیر بعد اس کا نکاح ہونے جا رہا ہے۔ وہ حیران ہوا اور پھر کھڑے ہو کر اسے گلے لگایا۔ اور مبارک باد دی۔ ہاشم نے اسے ساتھ چلنے کا کہا تو اس نے منع کر دیا۔ آج ہسپتال میں اس کو کوئی کام تھا۔ وہ جا نہیں سکتا تھا۔ ہاشم نے برا نہیں منایا اور گھر چلا آیا۔ اپنے بھائیوں کو کسی طریقے راضی کیا۔ سارہ آفندی کی حقیقت فرقان ہاؤس میں پھیل چکی تھی۔

کیسے ممکن تھا کہ چیون سا کو نا پتا چلتا۔اور کیسے ممکن تھا کہ جیونگ ہون کو نا پتا چلتا۔ نکاح خواں کو رستے سے پک کیا تھا۔

"یہ بختاور ہیں، یمان کہ وائف، مسز حماد،اور یہ یاور کی وائف ہیں۔ فرح۔ سیمون صاحب سمیت یہ تمہاری طرف سے گواہ ہیں۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"تسبیحہ کو یوں شاکڈ دیکھ کر ہاشم نے پوچھا تو بے اختیار اس کا سر نفی میں ہلا۔

"نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یوں اچانک...."اس نے خوفزدہ نظروں سے سیمون کو دیکھا تھا جنہوں نے آنکھ کے اشارے سے اس کے ڈر کو ختم کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ان کے شفقت بھرے لمس سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"فرح یہ دوپٹا نہیں دیں تاکہ ہم یہ کام جلد ختم کر سکیں۔" ہاشم نے فرح کو کہا تو وہ سر ہلاتی تسبیحہ کی طرف آئی۔ اس کے سر پر چادر ڈال کر صوفے پر بٹھا دیا۔

" قاضی صاحب نکاح شروع کریں۔" وہ سب جب بیٹھ گئے تو ہاشم نے کہا۔ ہاشم کے کہنے پر قاضی صاحب نے نکاح پڑھوانا شروع کیا تھا۔

" تمہیں جو کچھ لینا ہے، لے لو۔ کیونکہ اب تم مزید یہاں نہیں رہو گی۔۔ نکاح کی تمام رسومات ختم ہونے کے بعد ہاشم نے کہا تو وہ ایک بار پھر حیران ہوئی تھی۔ اس نے یہ سب کچھ اتنی جلدی expect نہیں کیا تھا۔ وہ سر ہلاتی روم میں چلی گئی۔

ooooooooooooooooooooo

وہ ہاسپٹل کے روم میں آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ایک طرف سارہ آفندی کھڑی اسے ہی دیکھ رہیں تھیں۔جنگکوک ان سے بات نہیں کر رہا تھا، اسی لیے وہ افسردہ تھیں۔کمرے کی خاموشی کو جنگکوک کے موبائل پر ہونے والی میسج ٹون نے توڑا تھا۔اس نے موبائل اٹھا کر سامنے کیا جہاں پر سیمون آفندی کا میسج آیا ہوا تھا۔

"نکاح ہو گیا ہے۔وہ ہاشم کے ساتھ حفاظت سے چلی گئی ہے۔میں ہاسپٹل واپس آرہا ہوں۔" میسج پڑھ کر جنگکوک نے ایک لمبی سانس خارج کی۔

"تمہارے بابا کا میسج تھا؟ کہاں گئے ہیں وہ؟" سارہ آفندی نے اس کے قریب آتے پوچھا۔

جنگکوک نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔مسکراہٹ اتنی سرد تھی کہ سارہ آفندی کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس

ہوئی۔

"آپ کی بھانجی کے نکاح پر۔" اتنی غیر متوقع بات پر سارہ آفندی نے چونک کر اسے دیکھا۔ انہیں لگا جیسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ "اس نے مجھ سے تحفظ مانگا تھا۔ میں خوش ہوں کہ میں نے اس کی ذمہ داری کو پورا کر دیا۔" وہ اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ بول رہا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم ایک جھوٹی لڑکی کو تحفظ دینے کی باتیں کر رہے ہو۔" وہ غصے میں بولیں تھیں لیکن جنگکوک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "جنگکوک ہوش کے ناخن لو بیٹا۔ جس وائس کو تم نے سنا ہے وہ ایڈیٹنگ بھی تو ہو سکتی ہے؟"

"کونسا وائس؟" جنگکوک کے پوچھنے پر وہ ایک دم خاموش ہوئیں تھیں، گویا اپنے پیر پر خود کلہاڑی مار لی ہو۔

"بولیں، کونسا وائس؟ میں نے تو کسی وائس کا ذکر نہیں کیا۔" جنگکوک کا انداز ایک دم سخت ہو گیا تھا۔ سارہ کو بولنے کے لیے الفاظ نہیں ملے تو خاموش ہو گئیں۔

"کوئی جواب نہیں ہے نا آپ کے پاس، مجھے بھی بے بس کر دیا۔" اس کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ "میری تو ماں ہیں نا آپ۔ میں آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کر سکوں گا۔ اس لیے یہ کام بھی وہی کرے گی۔ یقیناً اب تک کر چکی ہو گی۔" اس کا انداز ایک دم اجنبیوں والا ہو گیا تھا۔ سارہ بیگم کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوا۔

"تم...... تم اپنی ماں کو سزا دلواؤ گے؟" وہ بے یقینی سے جنگکوک کو دیکھ رہیں تھیں۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، روم کا دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ وہ سیمون آفندی تھے۔ چہرے پر بے یقینی اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"وہ تو تمہیں جیل نہیں پہنچا سکتا۔ ماں ہو نا اس کی، لیکن میں... میں تو تمہیں جیل پہنچا سکتا ہوں نا۔" وہ غصے سے غراتے ہوئے اس کے قریب آئے اور کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ ایک دم گھبرا گئیں تھیں۔

"ڈیڈ کیا کر رہے ہیں آپ۔ ہسپتال ہے یہ۔ یہاں کا تو خیال کر لیں۔" جنگکوک نے ایک دم بیزار ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"ہسپتال کا لحاظ.... ہمم...... ٹھیک کہہ رہے ہو تم.... مجھے ہسپتال کا لحاظ کر لینا چاہیے۔" ان کا جسم غصے اور دکھ سے کانپ رہا تھا۔ ان کی عجیب ہوتی حالت کو ان دونوں نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"ہسپتال میں میں صرف ایک کام کر سکتا ہوں...... میں تمہیں طلاق ضرور دے سکتا ہوں۔" طلاق کے لفظ پر سارہ نے اپنی چیخ کو بمشکل روکا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سیمون کو دیکھے گئیں۔

جنگکوک بھی ایک دم شاکڈ ہو گیا تھا۔ نا جانے انہیں کہاں سے پتا چلا تھا۔

"خدارا رحم کریں۔ آپ میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے۔" وہ روتے ہوئے التجائیہ ہوئیں تھیں۔ سیمون آفندی استہزایہ ہنسے تھے۔

"تم پر رحم کروں۔ ایسی عورت پر جس نے اپنی ناکام محبت کا بدلہ بے گناہ اور معصوم لوگوں سے لیا۔"

"جھوٹ ہے یہ۔ الزام ہے۔" وہ ایک دم پھٹ پڑیں تھیں۔

جنگکوک کو اپنے سر میں ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں۔

"خدا کا واسطہ ہے چپ کر جائیں آپ دونوں۔ باہر جائیں اور وہاں جا کر یہ جھگڑا کریں۔" وہ یکدم بے بسی سے بولا تھا۔ سیمون آفندی نے رک کر اسے دیکھا اور پھر غصے سے اس کی طرف آئے۔

''تم جانتے تھے نا سب کچھ، ہے نا.... تبھی مجھے وہاں بھیجا۔ تم اپنی ماں کے ظلم پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے۔''

''میں نے ان کے ظلم پر پردہ نہیں ڈالا ڈیڈ، میں پولیس کو انوالو کرنے سے پہلے تسبیحہ کو محفوظ کرنا چاہ رہا تھا۔''

''ہو گئی وہ محفوظ۔ اسی نے پولیس تک یہ ریکارڈنگ بھیجی تھی۔ پولیس سیورینہ کے جس قاتل کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ اسے اریسٹ کرنے آ رہی تھی۔ جب.... جب مجھے پتا چلا تو ایسے لگا جیسے یہ ہسپتال پورا میرے اوپر آ گرا ہے۔ لیکن افسوس.... یہ نہیں گرا... اور مجھے اس بے وفا عورت کے سامنے آنا پڑا۔'' وہ نفرت سے سارہ آفندی کو دیکھ رہے تھے۔

''تو یہ ہے جنگلوک کی خودکشی کی وجہ۔''

"میری بات سن لیں۔" وہ دو قدم آگے آئیں تو سیمون آفندی نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ اور اس کا بازو پکڑ کر وہاں سے باہر لے آئے۔ جنگکوک نے بے بسی بھرے کرب سے اس سارے منظر کو دیکھا تھا۔

ادھر سیمون آفندی نے سارہ آفندی کو خود پولیس کے حوالے کیا تھا۔

"یہ ہے آپ کی وہ مجرم جسے آپ پچھلے چند مہینوں سے ڈھونڈ رہے تھے۔" ایک پولیس اہلکار نے آگے بڑھ کر سارہ آفندی کے ہاتھوں پر ہتھکڑی لگانی چاہیے۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود جا سکتی ہوں۔" انہوں نے سختی سے روک دیا اور ایک آخری بار سیمون آفندی کو دیکھا اور پھر چلیں گئیں۔ یہ تکلیف دہ منظر آنسوؤں کی وجہ سے دھندلا گیا تھا۔ وہ وہیں ہسپتال کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔

"کیا کمی رہ گئی تھی میری محبت میں جو آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔ آہ سارہ آہ۔ تم نے سب کچھ برباد کر دیا۔ سب کچھ۔" وہ تڑپے تھے۔

oooooooooooooooooooooooo

تسبیحہ کا ویلکم بہت زیادہ شاندار طریقے سے نہیں کیا گیا تھا لیکن پھر بھی مومن اور ماریہ نے ان کے کمرے کو کسی حد تک سفید پھولوں سے سجا دیا تھا۔

دروازے پر ان تینوں نے اچھے سے ویلکم بھی کیا تھا۔ ہاشم نے سب کو حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا تبھی وہ سب اس شادی کے لیے رضامند ہوئے تھے۔ ابھی ہاشم اور تسبیحہ دونوں اپنے روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک انجانا سا فاصلہ ان دونوں کے درمیان تھا جس کو دونوں ہی پار کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔

"یہ سب کچھ بہت اچانک ہوا ہے... میں تمہارے لیے کوئی گفٹ نہیں خرید سکا۔" ہاشم نے قدرے مسکرا کر کہا۔

"یہ سب جن حالات میں ہوا ہے... ان حالات میں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" وہ دونوں ذرا فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہم دوبارہ یوں ایک روم میں ایک ساتھ میاں بیوی کی حیثیت سے بیٹھے ہوں گے۔"

"میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔ مجھے لگا تھا جب میں سارہ آفندی سے ملوں گی تو وہ میرا اس دنیا میں آخری دن ہوگا۔" اپنی بات پر وہ دھیرے سے ہنس دی تھی۔ ہاشم نے بھی مسکرا کر اسے دیکھا۔ زندگی

کے پانچ سال جس لڑکی کی بے وفائی کے غم میں گزار دیئے تھے، وہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔اس کی زندگی کی شریک سفر بن کر۔

"مجھے تم پر یقین کرنا چاہیے تھا۔"

"مجھے بھی آپ کو ساری حقیقت بتا دینی چاہیے تھی۔"

"بتایا تو تھا تم نے۔"

"تب یقین کا وقت گزر گیا تھا۔تب ثبوت کی ضرورت تھی۔"

"اور تم نے سچ سامنے لانے کے لیے اپنی جان کی بھی پرواہ نا کی۔"

"مجھے لگا میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے۔"

"اب تمہارے پاس کھونے کو پھر سے ایک رشتہ ہے۔"یہ ایک یاد دہانی تھی جو ہاشم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کروائی تھی۔اس نے مسکرا کر ہاشم کو دیکھا۔

"وہ اپنے انجام کو جلد پہنچ جائیں گی۔ مجھے پھر سے کچھ بھی نہیں کھونا پڑے گا۔"

"ہم زندگی کو نئے سرے سے شروع کریں گے۔ جہاں ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی نہیں ہو گی۔ جہاں موت کے علاوہ ہمیں کوئی بھی جدا نہیں کر سکے گا۔" ہاشم نے بہت نرمی سے اسے اپنے قریب کیا۔ وہ اس فاصلے کو مٹانا چاہتا تھا۔

"میری زندگی میں واپس آنے کا شکریہ۔" وہ دھیرے سے کہتے ہاشم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔

"اب تمہیں جانے نہیں دوں گا۔ اب تمہیں حق نہیں دوں گا کہ تم مجھے مزید تڑپا سکو۔" ہاشم نے اس کا سر اپنے کندھے پر رکھا۔ صدیوں کی تھکن تسبیحہ کو پل بھر میں ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

(ایک ہفتہ بعد)

عدالت نے سارہ آفندی کو سزائے موت سنائی تھی۔ فرقان احمد کی ساری اولاد آئی تھی لیکن جنگلوک نہیں آیا تھا۔ ساری رنجشیں ایک طرف، وہ اس کی ماں بھی تھی۔ وہ اپنی ماں کے لیے سزا کا فیصلہ نہیں سن سکتا تھا۔ وہ اپنی ماں کی موت کی آمد کی خبر اس کی موت آنے سے پہلے نہیں سن سکتا تھا۔ آج اس نے اعتراف کیا تھا کہ موت کا پردے میں رہنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر موت کا علم سب کو پہلے سے ہی ہو جائے تو لوگ مرنے سے پہلے ہی جینا چھوڑ دیں۔

سارہ آفندی پولیس کے ساتھ عدالت سے باہر آرہیں تھیں جب سامنے سے ماریہ اور حماد آتے نظر آئے۔ وہ وہیں رک گئیں۔ وہ دونوں بھی انہی کے قریب چلے آئے تھے۔

"یقین نہیں آتا کہ کوئی اتنا بھی گر سکتا ہے۔" ماریہ نے تاسف سے کہتے نفی میں سر ہلایا۔

"جس وجہ سے میں نے کئی سال اپنی بہن سے نفرت کرتے گزار دیئے، جب سے پتا چلا ہے کہ وہ وجہ تو exist ہی نہیں کرتی، ایک عجیب شرمندگی کی دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ میں اس کے لیے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ چاہے آپ سدھر جائیں یا مر جائیں۔" حماد نے تلخی سے کہتے رخ موڑ لیا تھا جبکہ سارہ آفندی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم کسی غلط فہمی میں نا رہنا لڑکے۔ میں جب تک زندہ رہوں گی، تم لوگوں سے نفرت کرتی رہوں گی۔ اور یہ نفرت میرے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہو گی۔" سارہ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر ان دونوں کو دکھ ہوا تھا۔

"اگر مجھے دوبارہ موقع ملا تو میں اب اپنے رشتوں کو ٹارگٹ بنانے کے بجائے تم سب کو نشانے پر لاؤں گی۔ اور ایک ایک کر کے سب کو ختم کر دوں گی۔" وہ نا جانے اور کتنا زہر اگلتیں جب پولیس انہیں وہاں سے لے گئی۔ انہوں نے اپنے شوہر سے ملنے کی خواہش کی تھی لیکن سیمون آفندی نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

جنگلوک تک یہ بات پہنچ ہی گئی تھی کہ اس کی ماں کو سزائے موت سنائی گئی ہے۔ یہ سننے کے بعد وہ بہت تڑپا تھا۔ وہ زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا تبھی گھر سے نکل آیا۔ وہ ساحل سمندر پر آکر رکا تھا۔ وہ جانتا تھا ایک سمندر ہی ہے جو اس کو اپنے اندر چھپا لے گا۔ گاڑی وہیں روک کر وہ کنارے پر چلا آیا۔ اپنے شوز، والٹ، موبائل اور شرٹ اتار کر وہیں رکھ دی۔ یہ اس کی خودکشی کرنے کی آخری کوشش تھی اور پھر اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہونے جا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند

کر کے پانی کے اندر پاؤں رکھا۔اور پھر آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔یہاں تک کہ پانی نے اسے اپنے اندر سمو لیا اب وہ نظر آنا بند ہو چکا تھا۔ہاں جنلگوک ختم ہو گیا تھا۔وہ چلا گیا تھا سب کو چھوڑ کر۔جنلگوک مر گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

رابطے بھلے نہ ہوں، چاہتیں تو رہتی ہیں

درد کے وجود سے نسبتیں تو رہتی ہیں

چھوڑ جانے والوں کو روک تو نہیں سکتے

مدتوں مگر ان کی عادتیں تو رہتی ہیں

رات کے گیارہ بج رہے تھے مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ جنگکوک کے بازو کی ایسی عادت لگی تھی کہ جب سے وہ یہاں آئی تھی بڑی مشکل سے اس کی آنکھ لگتی تھی اور جلد ہی کھل جاتی تھی۔اور آج تو ویسے بھی دل اداس ہو رہا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ ایک اور کوشش کرتی سونے کی اسے باہر سے حماد کی آواز آئی۔وہ چلاتے ہوئے کسی کو آوازیں لگا رہا تھا۔

"اللہ خیر کرے،اسے کیا ہو گیا ہے۔"وہ کمبل سائیڈ پر کرتی باہر چلی آئی۔

"بھائی...ہاشم بھائی۔"وہ ابھی گھر آیا تھا،اور آتے ہی اس نے پورے فرقان ہاؤس کو اپنی آواز سے لرزا دیا تھا۔

"کیا ہوا، ایسے کیوں چلا رہے ہو؟" مومن کچھ اکتاتا ہوا باہر آیا۔

عریش بھی مومن کے پیچھے پیچھے ہی باہر آئی تھی اور باقی سب اوپر سے تقریباً بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

"کیا ہوا حماد؟ تم ایسے چلا چلا کر کیوں سب کی نیند خراب کر رہے ہو؟" ہاشم اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔ حماد کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ وہ رو بھی رہا تھا۔

"بھائی...... جنگکوک۔" بولتے ہوئے اس نے ماریہ کو دیکھا جو اپنے روم سے نکل رہی تھی۔ جنگکوک کے نام پر وہیں رک گئی۔ حماد نے آگے بڑھ کر اس کو دونوں شانوں سے پکڑا۔

"کیا ہوا ہے؟ تم جنگکوک کا نام لے رہے تھے۔ تمہاری ہوائیاں کیوں اڑی ہوئی ہیں؟" ماریہ کا اپنا دل ڈوب رہا تھا۔

"جنگکوک.... اس نے پھر سے خودکشی کی ہے۔" وہ لڑکھڑا کر لب بھینچ گئی۔

"اب کیسے خود کو مارنے کی کوشش کی ہے؟" اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے جنگکوک کی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔

"وہ...وہ.... مر گیا ہے۔" ماریہ نے کھا جانے والی نظروں سے حماد کو دیکھا تھا۔ اس نے حماد کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے اک زور کا طمانچہ اس کے منہ پر مارا تھا۔ جبکہ باقی سب کو تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔

"یہ مذاق کا وقت ہے؟ ٹھیک ہے تم جنگکوک کو پسند نہیں کرتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کچھ بھی بکواس کرو۔" وہ غصے سے کہتی وہاں سے جانے لگی۔

"سمندر کے کنارے اس کی گاڑی، موبائل، والٹ، شرٹ اور شوز ملے ہیں۔ لیکن وہ نہیں ملا۔" اب سہی معنوں میں ماریہ کی سانسیں

رکی تھیں۔ تسبیحہ نے بھی مظبوطی سے ہاشم کے بازو کو تھاما۔ وہاں موجود ہر فرد حماد کو بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔

"کہو کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ مرے مرے قدموں سے پلٹ کر حماد کی طرف آئی تھی۔ "وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

"چھوڑ تو تم آئی تھی۔" حماد نے بالکل نارمل انداز میں کہا تھا لیکن ماریہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"یہ سب میرا قصور ہے۔ مجھے جنگلوک کو اس کی ماں کی حقیقت نہیں بتانی چاہیے تھی۔" تسبیحہ اپنا سر پکڑے سیڑھیوں کے پاس نیچے بیٹھتی گئی۔

"یہ حقیقت ایک نا ایک دن تو سامنے آنی ہی تھی نا۔" ہاشم اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا یہ سب۔اور تم کہاں سے آرہے ہو؟" یاور آگے آیا تھااور حماد کا بازو پکڑ کر اس سے سوال کیا۔

"بھائی میں اس سے ملنے گیا تھا۔لیکن وہ گھر پر نہیں تھا۔میں نے ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ گاڑی لے کر گیا ہے۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔اس کے بعد میں ہسپتال گیا۔مجھے لگا وہ وہاں ماموں کے پاس ہو گا۔وہ کہیں بھی نہیں تھا بھائی۔" وہ رکا۔"پھر میں پولیس اسٹیشن گیا۔وہاں رپورٹ درج کروائی۔اپنے شک کے مطابق میں نے کچھ جگہوں کے نام بھی بتائے تھے۔ان میں سے ایک ساحل سمندر بھی تھا۔پولیس وہاں بھی گئی تھی۔اور وہیں یہ سب ملا....۔"

"نہیں...ایسا نہیں ہو سکتا۔وہ نہیں مر سکتے۔"اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں اور اب ان میں بے یقینی تھی۔"میں خود ڈھونڈ لوں گی

نہیں۔ایک سمندر مجھ سے میرا شوہر نہیں چھین سکتا۔" بے یقینی سے کہتے اس نے قدم باہر کو بڑھائے۔وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ وہ ٹھیک تھی ہی نہیں۔

"کہاں جا رہی ہو تم۔" حماد اس کے راستے میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"اپنے شوہر کو ڈھونڈنے۔" کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔

"وہ سمندر میں ڈوب گیا ہے۔اب تو اس کی لاش کے کئی ٹکڑے......"

"وہ نہیں مر سکتے۔" اس نے تیزی سے پلٹ کر حماد کا گریبان پکڑا تھا۔ "میں سمندر کو ہمارے درمیان نہیں آنے دوں گی۔میں وقتی جدائی کو عمر بھر کی جدائی میں بدلنے نہیں دوں گی۔" وہ حماد کو جھٹکتے وہاں سے جانے لگی جب حماد نے اس کی کلائی کو پکڑا۔

"خدا کا واسطہ ہے چھوڑ دو مجھے۔ مجھے جانے دو۔ وہ زندہ ہیں۔ انہیں میری ضرورت ہے۔ جانے دو۔"

"بھابھی پلیز اسے اندر لے جائیں۔" حماد نے فرح کو کہا جو خود بت بنی کھڑی تھی۔

"مجھے نہیں جانا۔ چھوڑو۔" وہ حماد سے اپنا آپ چھڑاتی نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی اور پھر اس کی چینخوں نے فرقان ہاؤس کو بتایا کہ جنگلوک اس دنیا میں نہیں رہا۔

oooooooooooo

وہ ساری رات روتی تڑپتی رہی تھی۔ فرح اور عریش اس کے پاس ہی تھے تھیں۔ اور کبھی کبھی اس کے بھائی بھی آجاتے تھے۔ ابھی بھی یمان اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کل رات کو روتے روتے وہ بے ہوش ہوگئی تھی لیکن جب سے ہوش آیا تھا وہ ایک بار بھی نہیں روئی تھی۔

"کھانا کھالو ماریہ۔ تم نے صبح بھی کچھ نہیں کھایا۔" یمان اس کے لیے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ لیکن اس نے ایک نوالہ تک نہیں لیا۔

"وہ بھی بھوکے ہونگے۔ کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ میں کیسے کھا سکتی ہوں۔" ایک بار پھر اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھی۔

"وہ زندہ تھا تو تم نے پرواہ نہیں کی۔ اب وہ مر گیا ہے تو تمہیں اس کی فکر ہو رہی ہے۔" انجانے میں ہی سہی لیکن یمان نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ساری زندگی.... اس بات پر پچھتاتی رہوں گی کہ کاش...... ایک نظر مڑ کر دیکھ لیتی۔ میسج کر لیتی۔ ان کے پاس چلی جاتی۔ انہیں روک لیتی۔ وہ جانے کی ضد کرتے تو محبت کے واسطے دیتی۔ کسی طرح سے انہیں روک لیتی۔" ایک بار پھر آنسو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ یمان سے

اپنی بہن کی ایسی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی لیکن اب یہ ساری زندگی دیکھنا تھا۔

"تم وہاں ہوتی تو وہ کہیں جاتا ہی نا۔" وہ چپ رہی۔خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"وہ اتنی ہی زندگی لے کر آیا تھا۔" دروازے سے منہاج اندر آیا تھا۔

"اور روگ ساری زندگی کا دے کر چلے گئے۔"

"بچھڑنے والوں کے لیے یوں آنسوؤں نہیں بہایا کرتے۔انہیں دعا دیتے ہیں۔" منہاج نے اس کے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

وہ بے اختیار منہاج کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

"صبر کرو میری بہن۔اب ساری زندگی صبر ہی کرنا ہے۔" منہاج کی اپنی آواز بھیگ گئی تھی۔

"میں کیا کروں بھائی۔ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔ سمندر کی لہروں نے میرے شوہر کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ صبر کرتی ہوں تو پچھتاوے جینے نہیں دیتے۔ میں نے خود ہی انہیں خود سے دور کر دیا۔ مجھے چین نہیں آ رہا۔ مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔ دل کر رہا ہے کہ وہ کہیں سے آ جائیں۔ اور آ کر کہیں کہ دیکھو میں آ گیا ہوں۔ معاف کر دو، تمہیں ستا رہا تھا۔" وہ روتے ہوئے بول رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں کو بھی رلا رہی تھی۔ اور

"اگر وہ آ گیا تو کیا تم معاف کر دو گی؟" حماد نا جانے کب سے وہاں کھڑا تھا، اس کی بات سن کر آگے آیا۔

"وہ ایک بار آئیں تو سہی۔ میں انہیں دوبارہ کبھی نہیں جانے دوں گی۔ سارے شکوے گلے ان کے آ جانے سے ختم ہو جائیں گے۔"

"اور یہی دکھ کی بات ہے کہ اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔" اس نے تڑپ کر حماد کو دیکھا۔ اس نے دیکھا تھا وہ رات کے بعد دوبارہ ایک دفعہ بھی نہیں رویا تھا اور صبح گھر سے گیا اب واپس آیا تھا۔

"کھانا کھا لو۔ تمہارے کھانا نا کھانے سے وہ واپس تو نہیں آجائے گا نا۔"

"تمہیں پتا ایک دفعہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جانا چاہتے تھے۔ میں نے کبھی روکا نہیں انہیں۔ ناجانے کیوں اس دن ضد میں آ گئی تھی۔" حماد کے جملے نے اسے کوئی بات یاد دلا دی تھی۔ وہ قصہ سناتے سناتے خود بھی وہیں پہنچ گئی تھی۔

"اگر تم کھانا نہیں کھاؤ گی تو میں جاؤں گا کیسے۔" وہ جنگلوک سے ناراض ہو کر روم میں چلی آئی تھی اور بستر میں گھسی ہوئی تھی۔

"میرے کھانا کھانے سے آپ کے جانے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو جانا ہے تو جائیں۔ لیکن میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔" اس کے یوں نروٹھے پن سے کہنے پر جنگکوک کو اس پر بے ساختہ پیار آیا تھا۔

"او کے میں کہیں نہیں جا رہا۔ اب تم اٹھ جاؤ۔" وہ ہار مانتے ہوئے بولا تو وہ کمبل دور اچھالتے سیدھی ہو بیٹھی۔

"وعدہ کریں۔" اس نے اپنا ہاتھ جنگکوک کے سامنے کیا۔ جنگکوک نے اس کے چھوٹے سے ہاتھ کو دیکھا تو مسکرا دیا۔

"وعدہ۔" اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"اب میں کھانا کھالوں گی۔" جنگکوک کے رک جانے پر وہ خوش ہو گئی تھی اور جنگکوک کی خوشی اس کی خوشی میں ہی تو تھی۔

وہ سناتے سناتے وہیں پہنچ گئی تھی اور اب وہاں سے واپس آنا انتہائی تکلیف دہ تھا۔

"میں نے محبت کو پا کر کھو دیا ہے بھائی۔ مجھ سے بڑا بد قسمت کوئی بھی نہیں ہو گا اس دنیا میں۔" وہ کہتے ہوئے ایک بار پھر رو دی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک کو اس دنیا سے گئے ایک ماہ گزر گیا تھا لیکن گھر میں ویسی ہی سوگواریت تھی۔ابھی بھی وہ سب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اب ماریہ بھی ان کے ساتھ ہی کھانا کھاتی تھی۔

"تمہاری ترکی والی جاب کا کیا بنا؟" پچھلے دنوں وہ بہت کچھ بھولے بیٹھے تھے، آج اچانک ہاشم کو یاد آیا تو اس نے پوچھ لیا۔

"انہیں کوئی اور مل گیا ہے۔میں اب کہیں اور اپلائی کروں گا۔" وہ سر جھکائے کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

"آپ کہیں اور کیوں جاب کرنا چاہ رہے ہیں بھائی؟" یاور نے پوچھا تو منہاج نے ایک نظر ہاشم کو دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔

"کیونکہ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہاں ایک لڑکی میرا انتظار کر رہی ہے۔" سب نے کھانا روک کر منہاج کو دیکھا۔ وہ بالکل سنجیدہ لہجے میں بولا تھا۔

"کیا آپ کی زندگی میں بھی کوئی لڑکی آگئی ہے؟" یمان نے تھوڑا شرارتی انداز میں پوچھا۔

"ایسا لگ رہا ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ اب وہ سب کو کیا بتاتا کہ وہ یہاں سے کیوں جانا چاہ رہا ہے۔ منہاج کو جو سمجھ آیا اس نے کہہ دیا۔

"واؤ! یعنی اس گھر میں ایک اور فرد کا اضافہ ہونے والا ہے۔" بختاور نے ذرا شوخ انداز میں کہا تو منہاج نے لمحے بھر کو نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں۔" اور پھر سے نظریں جھکا گیا۔

"ماریہ تم کچھ کھا کیوں نہیں رہی۔" فرح نے اسے یوں پلیٹ میں چمچ گھماتے دیکھا تو تفکر سے پوچھا۔

"دل نہیں کر رہا۔" وہ زبردستی مسکرا کر کہتی وہاں سے چلی گئی۔ اور پیچھے سکوت چھوڑ گئی۔

○○○○○○○○○○○○○○

سردیاں ختم ہو گئی تھیں اور اپریل کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ اب موسم تب ہی ٹھنڈا ہوتا تھا جب بارش ہوتی تھی۔ لیکن آج بارش نہیں تھی۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ فرقان ہاؤس میں بھرپور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آج علیزے کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی تو وہ دونوں لیٹ ہی سوئے تھے، لیکن درد کی وجہ سے علیزے کی آنکھ پھر سے کھل گئی تھی۔

"مومن اٹھیں، مجھے پین ہو رہا ہے۔" درد نا قابل برداشت ہوتا جا رہا تھا جب اس نے مومن کو جھنجھوڑ ہی ڈالا۔

"علیزے۔" وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھا اور سائیڈ لیمپ آن کیا۔

"مجھے..... مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔" مومن کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے۔ علیزے کو اپنی بانہوں میں اٹھائے وہ باہر کو بھاگا۔ ماریہ جو بالکونی میں بیٹھی چاند کو دیکھ رہی تھی۔ لان میں مومن کو دیکھا تو فوراً بھاگتے ہوئے باہر آئی۔

"بھائی کیا ہوا ہے؟" وہ ننگے پاؤں ہی باہر چلی آئی تھی۔

"علیزے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ میں اسے ہاسپٹل لے کر جا رہا ہوں۔ تم گھر میں بتا دینا۔" مومن جلدی سے کہتا گاڑی میں بیٹھا۔

ماریہ الٹے قدموں بھاگتی اندر آئی۔ اس کے قدم یاور کے روم کی طرف تھے۔

"بھائی.... دروازہ کھولیں۔" وہ دروازے کو زور زور سے پیٹتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا ہے۔" وہ گہری نیند سے جاگا لگتا تھا۔

"وہ.... وہ علیزے بھابھی کی طبیعت کافی خراب ہو گئی ہے، بھائی انہیں ہاسپٹل لے کر گئے ہیں۔"

"وہ اکیلا چلا گیا؟" وہ بھی پریشان ہوتا واپس روم میں آیا اور فرح کو جگانے لگا۔

"وہ بھابی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی تو وہ کسی کو جگا نہیں پائے۔ میں تو بالکونی میں تھی، اس لئے میں نے دیکھ لیا۔" وہ وہیں کھڑی بتانے لگی۔ صبح کے چار بجے اچھی خاصی افرا تفری مچ گئی تھی۔ یاور نے اس کی چار بجے بالکونی والی بات کو نظر انداز کر دیا۔ جنگلوک کی موت کے بعد اسے کم ہی نیند آتی تھی۔ یاور نے کئی دفعہ اسے جلدی

سونے کا کہا تھا۔ لیکن وہ 'یہ میرے بس میں نہیں ہے بھائی' کہہ کر بات ختم کر دیتی تھی۔

ہاشم، تسبیحہ، فرح اور ریا اور ہاسپٹل چلے گئے تھے اور وہ سب ہال میں پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر میں اذان ہونے لگی تو وہ سب نماز پڑھنے چلے گئے۔ صبح کی جامنی روشنی ہر طرف پھیلنے لگی تھی لیکن ابھی تک کوئی نیوز نہیں ملی تھی۔ تبھی اچانک بختاور کے فون پر رنگ ہوئی۔

"فرح بھابھی کا فون ہے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون کان کے ساتھ لگایا۔ سب کی جانیں سولی پر لٹکی ہوئی تھیں۔

"ہیلو بھابھی۔ علیزے بھابھی کیسی ہیں؟" اس کے چہرے پر پہلے مسکراہٹ اور پھر پریشانی ابھری۔ پھر اس نے فون رکھ دیا۔

"بیٹا ہوا ہے۔" وہاں پر ایک دم خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ "لیکن بھابی کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔" اور پھر سب کے چہروں پر پریشانی بکھر گئی۔

علیزے کو ہوش شام کو آیا تھا اور دوسرے دن صبح وہ گھر آ گئے تھے۔ اس کے چاچو، چچیوں اور پھوپھو نے نیو بے بی کو ویلکم کرنے کے لیے گھر کو بہت خوبصورتی سے سجا دیا تھا۔ اب وہ سب بچے کو باری باری اٹھا رہے تھے۔ خوشی تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ فرقان ہاؤس میں ایک دفعہ پھر خوشیوں کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"یہ بالکل اپنے حماد چاچو پہ گیا ہے۔ ہینڈسم اور اٹریکٹیو۔" وہ بچے کو اپنے ساتھ لگائے بولا تو ماریہ نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کچھ زیادہ ہی خوش فہمیاں ہیں نا تمہیں۔ یہ بالکل مجھ پر گیا ہے، اپنی اکلوتی پھوپھو پر۔" وہ آج کافی دیر بعد گوسپ کا حصہ بنی تھی۔ سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تم جا کر پہلے شیشہ دیکھ کر آؤ، خود ہی واپس آکر کہو گی کہ ہاں حماد یہ تم پر ہی گیا ہے۔" حماد کی بات پر اس نے گھورتے ہوئے اسے دیکھا۔

"بھابھی اگر آپ کا بیٹا پیارا نا ہوا نا تو سمجھ لیجیے گا کہ اپنے سب سے چھوٹے چاچو پر گیا ہے۔" ان دونوں کی نوک جھوک ایک بار پھر شروع ہو گئی تھی۔ جنگلوک کے بعد پہلی دفعہ ماریہ نے یوں کسی بات میں حصہ لیا تھا ورنہ وہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی تھی۔

"آپ کو بہت مبارک ہو مومن صاحب۔ آپ کی فیملی مکمل ہو گئی۔" چیون سا نے کہا تو مومن نے ذرا سا جھک کر ان کی مبارک کو قبول کیا، جبکہ تسبیحہ نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ جب سے

اس گھر میں آئی تھی، اسے چیون سا مشکوک لگتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ چھپا رہی ہوں۔

OOOOOOOOOOOO

"ماریہ! جیسا کہ تم جانتی ہو پچھلے چند مہینوں سے تمہاری تعلیم کا کافی خرج ہوا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ تم اپنی عدت مکمل ہوتے دوبارہ سے اپنی پڑھائی شروع کرو۔" دوسرے دن شام کو جب وہ سب کھانے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے تو ہاشم نے کافی سنجیدگی سے کہا۔

"بھائی میں اس یونیورسٹی میں دوبارہ نہیں جانا چاہتی۔" بولتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔

"جانتا ہوں، اس لیے میں نے تمہاری بوسان میں مائیگریشن کروادی ہے۔ عریش اور حماد بھی اپنی تعلیم اگر چاہیں تو اس شہر سے حاصل کر

سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو کسی دوسرے ملک جا سکتے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ چیون سا کو بھیج دوں گا۔"

"نہیں بھائی... میں اپنے ہی ملک میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے ہم تینوں ایک ساتھ بوسان جائیں گئیں۔" حماد نے کہا تو ہاشم نے مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔

"تو مومن تم نے اپنے بیٹے کا کیا نام سوچا ہے۔ مجھے بتا دو تا کہ ہم اسے رجسٹر کروا دیں۔" اب اس کی توجہ کا مرکز مومن تھا۔

"ذوالنورین۔ یہ میرا اور علیزے کا پسندیدہ نام ہے۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارا نام ہے۔"

"اس نام کا مطلب کیا ہے؟" یاور نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"دو نوروں والا۔ یہ حضرت عثمان غنی کا لقب تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دو بیٹیوں سے حضرت عثمان کا نکاح ہوا تھا تو اسی لیے یہ ان کا لقب ہے۔" مومن نے بتایا تو یاور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"واقعی ہی بہت پیارا نام ہے۔" یاور نے بھی ہاشم کی تائید کی تھی۔

oooooooooooo

مئی کا مہینہ چل رہا تھا۔ ماریہ کی عدت بھی ختم ہو گئی تھی۔ دو دن بعد وہ تینوں بوسان جانے والے تھے۔ ابھی رات کا وقت تھا اور وہ اپنے روم تھی۔ اے سی سے اسے الرجی تھی سو پنکھا فل سپیڈ سے چل رہا تھا۔ وہ بیڈ پر جنگکوک کی تصویر ہاتھ میں پکڑے لیٹی ہوئی تھی۔ آنسوؤں کنپٹیوں میں جذب ہو رہے تھے۔

ایک قیامت کی خراشیں میرے چہرے پر سجیں

ایک محشر میرے اندر سے اٹھا تیرے بعد

تو کہ سمٹا تو رگِ جاں کی حدوں میں سمٹا

میں کہ بکھرا تو سمیٹا نا گیا، تیرے بعد

"میں نے تو جدا ہو کر آپ کو موقع دیا تھا جنگکوک۔ آپ نے تو بچھڑ کر جدائی مقدر ہی کر دی۔" وہ جنگکوک کے چہرے پر ہاتھ پھیر نے لگی۔ تبھی اسے محسوس ہوا کوئی چپکے سے اس کے ساتھ آ بیٹھا ہے۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا اور ساکت رہ گئی۔ وہ جنگکوک تھا۔ ہاں وہ جنگکوک تھا۔ اس کی ساری دنیا وہیں آ کر رک گئی تھی۔

"ج.... جنگکوک۔ یہ... آپ ہیں؟" اس نے بھرائی آنکھوں سے پوچھا۔

"کیا تمہیں کوئی شک ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن اس نے ماریہ کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے اور اسے واپس لیٹا دیا۔

"آپ زندہ ہیں؟" وہ اس کے آنے پر ابھی بھی بے یقین تھی۔

"میں زندہ ہوں۔ لیکن تم نے مجھے مرا ہوا سمجھ کر اکیلا چھوڑ دیا۔" وہ ایک دم اداس ہو گیا تھا۔ اور ماریہ کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں دبایا ہو۔

"میں آپ کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکی جنگکوک۔ آپ کے لوٹ آنے کی امید میرے دل میں کہیں نا کہیں موجود تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ آپ زندہ ہیں۔" جنگکوک نے اس کے آنسو کو دیکھا اور پھر اسے، اور پھر آگے بڑھ کر اس کے آنسو کو صاف کیا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی اور وہ اس پر جھکا ہوا تھا۔

"رو رو کر برا حال کر دیا تم نے ان کا۔ دیکھو کیسے حلقے پڑ گئے ہیں۔"

جنگکوک نے اس کی آنکھوں کے حلقوں کو چھوا۔

"روز آپ کو ڈھونڈنے کے لیے میری آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔" اس نے جنگکوک کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ "لیکن آپ ملے ہی نہیں۔ پتا نہیں خود کو کہاں چھپا لیا آپ نے۔ اتنی بری ہو گئی ہوں میں آپ کے لیے؟"

"بہت بری۔" جنگکوک نے کہا تو اس کی آنکھیں پھر سے نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔

"اب مت رونا۔ میں یہیں ہوں۔ اب رو کر ان کا حسن خراب مت کرنا۔ یہی ہیں وہ جنہوں نے مجھے بے سکون کیا تھا۔" جنگکوک کو بے ساختہ یونی میں ہونے والی اپنی اور ماریہ کی پہلی ملاقات یاد آئی تھی۔

"آپ کبھی نا جانے کا وعدہ کریں، میں نہیں روؤں گی۔" اس کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ جنگکوک نے لب بھینچ کر اسے دیکھا اور پھر جھک کر اس کی آنکھوں پر اپنے لب رکھ دیئے۔

"پلیز یہ مت کرو۔ مت رو اس طرح سے، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں پر لب رکھے وہ بولا، جبکہ اس کی اس حرکت پر ماریہ کی آنکھوں کو ٹھنڈک سی ملی تھی۔ اس نے جنگکوک کے گرد اپنے بازو حمائل

کیے۔

"نہیں روؤں گی۔ اب ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جس سے آپ کو تکلیف ہو۔" وہ اس کے گلے سے لگی پھر سے رونے لگی تھی جبکہ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تو تم باز نہیں آؤ گی۔" جنگکوک نے پیچھے ہوتے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ بھی نم آنکھوں سے مسکرادی۔

"چلو آؤ سوتے ہیں۔" جنگکوک نے کہا تو وہ فوراً اس کے قریب آکر لیٹ گئی۔ جنگکوک نرمی سے اس کا سر سہلانے لگا۔ وہ سونا نہیں چاہتی تھی لیکن آج جنگکوک کی قربت پا کر اسے جلد ہی نیند آگئی تھی۔ وہ بہت آرام سے اس کے قریب سے اٹھا تاکہ اس کی نیند خراب نا ہو۔ اور جس طرح دبے پاؤں آیا تھا اسی طرح چلا بھی گیا۔ جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ روم میں تنہا تھی۔ وہ پھر سے رونے لگی۔

"جنگکوک.... چلے گئے نا پھر سے چھوڑ کر۔" وہ بے دردی سے اپنی آنکھوں کو رگڑتی کھڑکی تک آئی۔

آسمان پر چاند ابھی بھی موجود تھا۔ اذان ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ تو وہ چاند کے سامنے کھڑی گنگنانے لگی۔

رابطہ بھی نہیں رکھتا سروصل کوئی،اور تعلق بھی معطل نہیں ہونے

دیتا

دل یہ کہتا ہے اسے لوٹ کر آنا ہے یہیں، یہ دلاسہ مجھے پاگل نہیں

ہونے دیتا

OOOOOOOOOOOOOOO

تم لوگوں کی تیاری مکمل ہو گئی ہے؟"رات کے کھانے پر ہاشم نے ان

تینوں سے پوچھا تھا۔

"جی بھائی ہماری تیاری مکمل ہو گئی ہے۔ صبح پانچ بجے نکل جائیں

گیں۔"حماد نے کہا تو ہاشم نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

"مجھے تم سب سے ضروری بات کرنی تھی۔" کھانے کے بعد وہ سب ہال میں بیٹھے ہوئے تھے جب ہاشم نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جیسا کہ ہم سب کی شادیاں ہو چکی ہیں، تو ہمارے یہاں شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ الگ گھر میں رہتے ہیں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ اب ہمیں اپنے اپنے گھروں میں شفٹ ہو جانا چاہیے جو بابا نے اپنی زندگی میں ہمیں دیئے تھے۔" ہاشم کی بات پر سب نے اداسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بھائی ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوئے۔ تو پھر اب آپ نے کیسے سوچ لیا کہ ہم الگ ہو جائیں گے۔" مومن نے دکھ سے کہا تھا۔

"ہمیں صرف اپنا نہیں سوچنا مومن۔ ہمیں ان لڑکیوں کے بارے میں سوچنا ہے جو گھر میں ہر وقت نقاب کیے رکھتی ہیں۔ کیا نہیں حق نہیں ہے کہ وہ آزادی سے اپنے گھر میں جس طرح چاہیں رہ سکیں؟"

"نہیں بھائی ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم تو کمفرٹیبل ہیں۔"

فرح ہاشم کی بات کا مقصد سمجھ گئی تھی تبھی وہ بولی۔

"یہ آپ کا صبر ہے اور اب آپ کو آپ کے صبر کا صلہ مل جانا چاہیے۔" ہاشم نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔

"لیکن مجھے تو کوئی مسلہ نہیں ہے۔ میں تو رک سکتی ہوں نا اس گھر میں؟" بختاور نے اپنی طرف سے ہاشم کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"آپ لوگ جب تک چاہیں رک سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن الگ گھر آپ لوگوں کا حق ہے۔"

"اور اس گھر میں کون رہے گا۔" ماریہ نے یونہی پوچھا تھا۔

"یہ گھر بابا ہاشم بھائی کے نام کر کے گئے تھے اور یہاں وہی رہیں گیں۔" حماد نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں اگلے ماہ ترکی چلا جاؤں گا، تو مجھے نہیں لگتا کہ مجھے الگ گھر کی ضرورت ہے۔ اگر کبھی اپنی وائف کے ساتھ یہاں آیا تو میں یہیں رہ کر چلا جایا کروں گا۔" منہاج نے بھی اپنی طرف کی بات کہی تھی۔ وہ سب ہنس دیئے، جبکہ بات اداس کر دینے والی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

رات ایک دفعہ پھر پورے سول کو اپنی کالی چادر میں لپیٹ چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں موبائل پکڑا ہوا تھا اور سامنے ان گنت میسجز تھے۔ کچھ یونیورسٹی کی طرف سے، کچھ کلاس فیلوز جو جنگکوک کی ڈیتھ پر افسردگی کا اظہار کر رہے تھے۔

لوگوں کی نیک تمنائیں، کچھ کے طنز، کچھ کے کھوکھلے اظہار، ان میں وہ رانگ نمبر بھی تھا جس سے کافی ماہ پہلے اسے میسج آیا تھا۔ تب وہ اور جنگکوک ایک ساتھ تھے۔ جنگکوک کی موت کے بعد وہ موبائل کو بھلا بیٹھی تھی۔ اس نے آج ہی سائڈ ٹیبل دراز سے موبائل نکال کر آن کیا تھا۔ جنگکوک کے نام کا کوئی نوٹیفکیشن نہیں تھا۔ لیکن وہ اس نمبر پر جم سی گئی تھی۔

"بہت دکھ ہوا یہ جان کر کہ تمہارا شوہر مر گیا۔ ویسے لگتا ہے اس کی سوسائڈ کے ساتھ کافی آبسیشن ہے۔" اس کے میسج پر ماریہ نے ڈھیر سارا اشتعال اپنے اندر چھپایا تھا۔

"تم نے کب سے مجھے تکلیف دینا شروع کر دیا؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس نے یہ میسج بھیج دیا تھا۔

موبائل سائڈ پر رکھ کر وہ لیٹ گئی تھی۔ ان گنت یادیں ذہن کے پردے پر نمودار ہوئیں تھیں۔

کئی سال پہلے جب جنوری کا مہینہ تھا۔ وہ اپنے لان میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لان میں دھوپ نکلی ہوئی تھی جو اس سردی میں کافی بھلی لگ رہی تھی۔ صبح کے دس بج رہے تھے اور وہ سنڈے انجوائے کر رہی تھی۔ اس کے پاس ہی کھڑا وہ پودوں کا پانی دے رہا تھا۔ وہ اپنی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی اور ہایون گاہے بگاہے اسے دیکھ رہا تھا۔ تبھی حماد کہیں سے بھاگتا ہوا آیا۔ اس کے ہاتھ میں بلی تھی جس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔

"ماریہ.... یہ دیکھو تمہاری بلی کو کیا ہوا ہے۔" وہ ایک جھٹکے سے کرسی اٹھی اور حماد کی جانب بھاگی۔ کتابیں وہیں کہیں نیچے گر گئیں تھیں۔ ہایون بھی اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

"کیا ہوا ہے اسے؟" اس نے حماد سے اپنی بلی لیتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ یہ مجھے لاونج میں کاوچ کے پاس نظر آئی تھی۔ یہ وہاں پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی، اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔" بلی گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنی مالکن کو دیکھ رہی تھی۔ان آنکھوں میں تکلیف تھی۔ شاید اسے کہیں درد ہو رہا تھا، لیکن کہاں۔ ماریہ کی آنکھوں میں تڑپ تھی۔

"بابا... بابا۔" وہ اپنی بلی کو اپنے ساتھ لگائے گھر کی جانب بھاگی۔

تب فرقان احمد زندہ تھے۔

"بابا گھر پر نہیں ہیں۔" حماد اس کے پیچھے لپکا جبکہ ہایون نے پریشانی سے اسے دیکھا۔ اس کی تکلیف پر دل میں درد ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں وہ نہیں بچے گی۔ لیکن خداوند اس بلی کو کچھ نا ہو۔ اس بلی میں ان کی جان بستی ہے۔"

"ہاشم بھائی تو گھر پر ہوں گے نا۔" وہ رکے بغیر سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

"وہ بابا کے ساتھ گئے ہیں۔" وہ رک گئی۔ اس کا سانس بھی رک گیا، کیونکہ ساتھ لگی بلی جو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی، وہ اب نہیں لے رہی تھی۔ اس کی دھڑکن جو کافی تیز تھی، اچانک رک گئی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے بلی کو خود سے دور کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا۔ پورے فرقان ہاؤس میں سات سال کی اس بچی کی چینخ گونجی تھی۔ حماد نے آگے بڑھ کر اس سے بلی کو لے لیا، جس کی آنکھیں کھلی ہوئیں تھیں۔ جن میں کچھ دیر پہلے کوئی آس تھی۔ امید تھی۔ وہ ساری، آس امید، وہ چمک بجھ گئی تھی۔

اس کی بلی مر گئی تھی۔

وہ سیڑھیوں پر بیٹھتی گئی۔ وہ وہاں بیٹھ کر روئی اور اتنا روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کی چینخ و پکار پر سارے بھائی وہاں جمع ہو گئے تھے۔

شام کو اسے ہوش آیا تھا، تب تک اس کی بلی کو دفنا دیا تھا۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں تو سامنے فرقان احمد کا چہرہ نظر آیا۔

"با.... با۔" وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"ہوش آگیا میری بیٹی کو۔" وہ اس کے قریب آئے۔

"بابا... آپ کہاں تھے۔ میں نے آپ کو بہت آوازیں دیں۔"

"مجھے معاف کر دو بیٹا۔ میں تمہارے مشکل وقت میں تمہارے ساتھ نہیں تھا۔"

"بابا.... اس نے میری بلی کو مار دیا۔" وہ چونکے۔ "حماد نے اسے مار ڈالا بابا۔ وہ مجھ سے اتنی نفرت...."

"نہیں بیٹا۔ حماد نے اسے نہیں مارا۔" وہ ماریہ کی بدگمانی پر پریشان سے ہوئے تھے۔

"آپ اس کی سائڈ لے رہے ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ بیڈ سے اٹھ کر باہر جانے لگی جبکہ فرقان احمد نے دکھ سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"اسے شاید کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا تھا بیٹا۔" دروازے کے پاس اس کے قدم رکے۔ وہ مڑی۔

"بابا.... ہمارے گھر میں.... زہریلے کیڑے کہاں سے آ گئے۔ اور وہ بھی جنوری میں۔" وہ بچی تھی لیکن اتنی بھی نہیں۔

"یہ میرا اندازہ ہے۔ لیکن جو تم سوچ رہی ہو، ایسا بھی نہیں ہے۔"

"میں انویسٹیگیشن کروں گی۔ حماد کے بچے کو معاف نہیں کروں گی۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی تھی۔ فرقان احمد اسے دیکھتے رہ گئے۔

وہ لان میں آئی تو مٹی کے ایک ڈھیر کے پاس ہایون کو تنہا بیٹھے دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟اور یہ....."

"یہ آپ کی بلی کی قبر ہے۔" وہ جہاں تھی وہیں جم گئی۔

"میری.... بیلا..." ہایون نے چونک کر سر اٹھایا۔

"بیلا؟؟؟"

"یہی نام سوچا تھا میں نے اور تنہائی میں، میں اسے اسی نام سے پکارتی تھی کیونکہ حماد میرا مذاق اڑاتا اگر میں اس کا نام سب کے سامنے لیتی۔" ہایون نے تعجب سے اسے دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"ہایون..... اسے کیا ہوا تھا؟" ہایون نے اس کی روئی روئی آنکھوں میں دیکھا۔ایک تو وہ بھوری آنکھیں اور پھر رونے کے بعد ان کا لال ہو جانا۔اف۔

"میرے خیال سے اس نے کوئی زہریلی چیز کھائی ہے۔"

"مطلب حماد نے...."

"نہیں۔ غلط سمجھ رہی ہیں آپ۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن حماد قاتل نہیں ہو سکتا۔" وہ ان دونوں کے خراب تعلق سے واقف تھا۔

"تم اس کی سائڈ لے کر مجھے تکلیف دے رہے ہو۔" اس نے غصے سے ہایون کو دیکھا۔

"میں کبھی آپ کو تکلیف نہیں دے سکتا۔ یا یوں کہہ لیں، میں دنیا کا وہ واحد لڑکا ہوں گا، جو آپ کی تکلیف کو ویسے ہی محسوس کرتا ہوں گا، جیسے آپ کو ہو رہی ہے۔"

"پھر تم حماد کی طرف داری...."

"وہ بے گناہ ہے۔ پلیز آپ اندر جائیں۔ اندھیرا کافی ہو گیا ہے۔" وہ رو دینے کو تھی اور وہ یہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ رخ موڑ گیا۔

"سب نے مجھے میری تکلیف میں اکیلا چھوڑ دیا۔ تم بھی چہرہ دوسری طرف کیے کھڑے ہو۔ مجھے تکلیف زیادہ ہو رہی ہے۔"

"ہایون کا دنیا میں وہ آخری دن ہو گا جب وہ آپ کو تکلیف دے گا۔"

اس نے رخ واپس اس کی جانب موڑا۔

"میرا دنیا میں وہ آخری دن ہو گا جب میں تمہیں تکلیف دوں گا۔"

جیو نگ ہون کے میسج پر وہ حال میں واپس لوٹی تھی۔اس کا سانس رک گیا تھا۔وہ پھر سے وہی بات کر رہا تھا۔

"تم نے مجھے تکلیف دی تھی۔پھر زندہ کیسے ہو؟"میسج لکھ کر بھیج دیا۔

"ایکسیڈنٹ بھی تو ہوا تھا۔میں نے تو نہیں بچایا نا خود کو...."وہ اس میسج پر جہاں تھی،وہیں جم گئی۔

"م..... تمہارا مطلب وہ ایکسڈنٹ.... تم جان بوجھ کر...."

"ہاں۔تمہیں تکلیف دی تھی تو دل نے مجھ پر لاکھوں لعنتیں بھیجیں۔ اس لیے میں نے اپنی کار کو سامنے سے آتی کار کے ساتھ ٹکر مار دی۔ مجھے دکھ ہے کہ میری وجہ سے کار کے اندر موجود وجود مر گیا جبکہ مرنا

مجھے تھا۔" میسج یہاں ختم ہو گیا تھا۔اس نے جواب نہیں دیا لیکن پھر بھی دوسرا میسج آ گیا تھا۔" سارہ آفندی نے کہا کہ تمہیں جنگلوک سے الگ کر دوں اور تمہیں اذیت دوں، لیکن ہر بار کمبخت دل بیچ میں آ گیا۔ تمہارے معاملے میں میں آج بھی ویسا ہی ہوں۔ کمزور، نرم دل، حساس۔" وہ میسج پڑھ کر کئی لمحے کچھ بول ہی نا سکی۔

"تم.... تم سارہ آفندی کو کیسے جانتے ہو؟" جواب میں ہنسنے والا ایموجی آیا تھا۔

"وہ عظیم عورت زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی ہے۔اسے گھاس کھلاتی ہے۔ چارہ ڈالتی ہے۔اور پھر اپنا کام نکلواتی ہے۔ آ مممم... میرا مطلب تھا، تھی۔" اس نے تھی پر خاصہ زور دیا تھا۔اور اس جملے سے وہ سمجھ گئی تھی کہ ہایون کیسے جیونگ ہون بنا تھا۔اس نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ موبائل دوبارہ سے سوئچ آف کر دیا۔

○○○○○○○○○○○

جون کا مہینہ شروع ہو گیا تھا اور گرمی میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ایسے میں فرح اپنے روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔وہ کافی صحت مند ہو گئی تھی۔ یہ اس کا لاسٹ سمسٹر ہوتا اگر اس کی طبیعت ایسی نا ہوتی۔ مجبوراًاُسے اپنا یہ سمسٹر فریز کروانا پڑا تھا۔وہ عجیب چڑچڑاہٹ کا شکار رہنے لگی تھی۔

"آج آپ کی اپائنٹمنٹ ہے۔تیار رہئیے گا۔میں آپ کو پک کرلوں گا۔"یاور آفس کے لیے ریڈی ہو رہا تھا اور ساتھ ساتھ اسے ریمائنڈ کروا رہا تھا۔

"مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔"وہ منہ پھلائے بولی جبکہ یاور نے حیرت سے اسے دیکھا۔کم از کم وہ فرح سے اس چیز کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"کیا مطلب نہیں جانا؟ ڈاکٹر نے بہت سختی سے ہدایت کی تھی کہ کچھ بھی مس نہیں کرنا۔

"ہاں تو........پہلے بھی میری اتنی پڑھائی ضائع ہوئی۔ اللہ اللہ کر کے آخری سمسٹر آنے والا تھا۔ وہ بھی آپ کی اولاد کی وجہ سے رک گیا۔" اس طرح بولتی یاور کو وہ بالکل چھوٹی بچی لگ رہی تھی۔ اس کے ڈمپل واضح ہوئے۔

"آپ ماشاءاللہ سے ایک بے بی کی ماما بننے والی ہیں اور خود چھوٹا سا بچہ بن رہی ہیں۔ ایسے کیسے چلے گا فرح۔" وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"جو بھی ہے۔ بس میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں جاؤں گی تو نہیں جاؤں گی۔" اس کی مسلسل ضد پر یاور کو غصہ آیا تھا، لیکن ہمیشہ کی طرح کنٹرول کرنا تھا۔

"میرے آنے تک ریڈی رہے گا۔ کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔" وہ سختی سے کہتا اٹھ گیا۔ فرح کو اس سے زیادہ غصہ آیا تھا۔ تبھی وہ منہ سر لپیٹ کر واپس لیٹ گئی۔

OOOOOOOOOOO

آج دھوپ بہت تیز تھی۔ ایسے میں وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں اے سی کی وجہ سے ٹھنڈ تھی تو باہر کی گرمی کا احساس ذرا کم تھا۔

محمل نے وائٹ کلر کی فراک پہن رکھی تھی جو گھٹنوں تک آتی تھی۔ ریڈ دوپٹا ایک سائڈ پر کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی بنائی ہوئی تھی۔ اس کے برعکس منہاج نے بلیو بٹنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

"آپ نے مجھے یہاں ملنے کے لیے کیوں بلایا ہے ؟" ان دونوں کے

درمیان سلام دعا کے بعد کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اور اب اس

خاموشی کو محمل نے توڑا تھا۔

"میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ میں ترکی جا رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے۔"

محمل نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ک

"کیوں ؟ کیا آپ کبھی بھی کوریا واپس نہیں آئیں گے ؟"

"میری وہاں جاب لگ گئی ہے، اور کوریا بس اپنے بھائیوں سے ملنے آیا

کروں گا اور وہ بھی کبھی کبھی۔"

"مگر کیوں ؟" محمل کو اس کے اس فیصلے سے دکھ ہوا تھا۔

"کوریا نے مجھ سے میرا ہر عزیز رشتہ چھین لیا ہے۔ اب میں نہیں

چاہتا کہ مزید میرا کوئی اپنا مجھے چھوڑ کر چلا جائے۔"

"تو کیا یہ سچ میں ہماری آخری ملاقات ہے۔ کیا ہم کبھی دوبارہ نہیں ملیں گے؟" محمل نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔ منہاج نے ایک لمبی سانس اندر کھینچ کر خارج کی۔

"ملیں گے۔"

"کب؟"

"بہت جلد۔"

"کہاں۔"

"ترکی میں۔"

"کیا آپ وہاں میرا انتظار کریں گے؟"

"ہاں...... میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"کیا آپ اپنی پہلی محبت بھول جائیں گے؟"

"وہ عادت تھی۔ محبت تم ہو گی۔"

"عادت کے لیے کوئی ایسے نہیں تڑپتا جیسے آپ تڑپے ہیں۔"

" کبھی کبھی عادتیں جان لیوا بھی ہو جاتی ہیں۔ "

"تو آپ نے موو آن کر لیا؟"

"وہ کسی اور کی تھی، مجھے درمیان سے ہٹنا ہی تھا۔ لیکن میں ابھی مکمل طور پر اس عادت سے پیچھا نہیں چھڑوا پایا۔" منہاج کی صاف گوئی پر وہ حیران بھی ہوئی تھی اور افسردہ بھی۔ "اور جب میں نے اس عادت کو ختم کر دیا تو تم وہ پہلی لڑکی ہو گی جس کے بارے میں میں سوچوں گا۔"

"لو ٹرائی اینگل میں دو لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں۔ اور اس وقت میں اور وہ لڑکی ہم دونوں خوش قسمت ہیں کہ ہمیں ہماری محبت مل جائے گی۔" منہاج نے استعجاب سے محمل کو دیکھا۔ پہلی بار اس نے اپنے

احساسات کو محبت کا نام دیا تھا۔

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" منہاج کے سوال پر پل بھر کو اس کی دھڑکنیں رکیں تھیں۔

"محبت کا تو پتا نہیں... پر جو آپ کے لیے محسوس ہوتا ہے، وہ آج تک کسی کے لیے نہیں ہوا۔" وہ اب مزید اس محبت کو چھپا نہیں سکتی تھی۔

"تم ترکی کب آؤ گی؟"

"جب آپ بلائیں گے۔"

"تو کیا تم خود نہیں آؤ گی؟"

"محبت اپنا آپ مانگتی ہے۔ اپنا وجود چاہتی ہے لیکن اپنی تذلیل وہ کبھی نہیں چاہتی۔ یہ بہت باوقار ہوتی ہے۔ محبت دور رہ کر ثابت ہوتی ہے۔ جو کسی کے پیچھے چل پڑے وہ بے خودی ہوتی ہے لیکن وہ محبت نہیں ہوتی۔"

"خود دار ہو۔" وہ زیر لب مسکرایا۔

"بہت زیادہ۔" وہ بھی مسکرائی تھی۔

"اور اگر میں کہوں کہ آجاؤ تو؟"

"تو آجاؤں گی۔"

"کتنی دیر میں؟"

"ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کروں گی۔"

"اتنی محبت کرتی ہو تو خود کیوں نہیں آجاتی۔"

"میں پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" نا جانے کیوں منہاج کو ایک عجیب سا فخر محسوس ہو رہا تھا۔

"چلو... پھر ملیں گے۔ ترکی میں۔ جہاں بہاریں سنگ سنگ چلتی ہیں۔ جہاں زندگی خوبصورت ہوتی ہے۔ وہاں جہاں ہم ان لمحوں کو قید کرلیں گے۔ جہاں ہم ایک دوسرے کے ہوں گے۔ کوئی تیسرا

نہیں ہو گا۔" منہاج کے الفاظ پر وہ کتنی مطمئن ہو گئی تھی۔ اس نے سچے دل سے کچھ مانگا تھا اور وہ مل رہا تھا۔

" چلیں... چلتے ہیں۔ وہاں جہاں میں کسی کے انتظار کا صلہ ہوں گی۔ وہاں جہاں مجھے وہ ملے گا جس کی زندگی میں میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہو گا۔ وہاں جہاں جینے کے خواب لوگ دیکھتے ہیں۔ ہم وہاں ملیں گے۔" وہ پر سکون سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی لیے بولی۔ ان دونوں کو یقین تھا کہ اگر وہ کوریا میں بچھڑ رہے تھے تو ترکی میں مل جائیں گے۔ ہمیشہ کے لیے۔ کبھی نا جدا ہونے کے لیے۔ کہتے ہیں ناقریب آنے کے لیے بہت دور جانا پڑتا ہے۔ امتحان ہوتے ہیں۔ انہیں پاس کرنا ہوتا ہے۔ اب ان دونوں کی زندگی بھی کسی امتحان کی نظر ہونے والی تھی۔ جدائی آسان نہیں ہوتی لیکن محمل جانتی تھی،

جدائی کے بعد ملن ہو گا۔ تبھی وہ اسے رخصت کرتے ہوئے مطمئن تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○

جولائی کی گرمی نے ہر چیز کو جھلسا دیا تھا۔آج اسی جلن کو ختم کرنے کے لیے بارش آنے والی تھی۔ لیکن ابھی آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔بوسان شہر آج بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ایسے میں وہ ایک پارکنگ ایریا میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نگاہیں اٹھائے آسمان کو تک رہی تھی۔جب کوئی اس کے قریب آکر بیٹھا۔اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو زخمی سا مسکرا دی۔

"تو آپ اب یوں بار بار آکر مجھے ستائیں گے۔"

"میں جب بھی آیا ہوں دیدار کی خواہش لے کر آیا ہوں۔ لیکن تم چہرہ ہی نہیں دکھاتی۔" وہ بھی دکھی سا مسکرایا۔ کبھی کبھی ماریہ کو لگتا تھا جیسے وہ سچ میں اس کے پاس ہے۔ یہ کوئی سیراب نہیں ہے۔

"نہیں دکھاؤں گی۔ آپ نے بھی مجھے خود سے محروم کر دیا ہے۔ میں بھی آپ کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔" جنگکوک پورے دل سے مسکرایا تھا، اور پھر اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب لے آیا۔

اسے دیکھنے کی جو لو لگی ہے تو دیکھ ہی لیں گے ہم

وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی

وہ کیسا احساس تھا کہ ماریہ کو اپنا دل کانوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ اس نے زور سے آنکھیں مینچ لیں۔

"تم مجھے یاد کرتی ہو؟" وہ اسی طرح اس کے کان کے قریب جھکے ہوئے بولا۔

"میں آپ کو یاد تو تب کروں نا جب بھولی ہوں۔" اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔

"تم نے کہا تھا... مر جاؤں..... اب تو میں....." اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتا ماریہ نے اس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھا تھا۔

"غصے سے کہا تھا.... نہیں پتا تھا کہ آپ سچ میں چلے جائیں گے۔"

"تم آئیں کیوں نہیں؟ یہ سن کر بھی کہ میں ہسپتال میں ہوں۔" وہ خاموشی سے پلکیں جھکا گئی۔ "میں نے تمہارا انتظار کیا تھا۔" جنگگوک نے اس کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا۔

"اگر میں آجاتی تو کبھی واپس نا جا پاتی۔"

"تم واپس کیوں جانا چاہتی تھی۔ وہ بھی ایسے وقت میں جب مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ "جنگکوک کی شکایت پر وہ خفیف ہوتے ایک بار پھر نظریں جھکا گئی۔

"میں جتنا بھی ناراض ہو جاؤں لیکن یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم یوں نظریں چراؤ۔ "جنگکوک نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر اٹھایا۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بس کبھی مجھ سے پیار کرنا نا چھوڑنا۔ اپنے دل میں جو جگہ تم نے مجھے دی ہے، وہ کسی اور کو مت دینا۔"

"آپ دل میں نہیں رہتے.... آپ دل ہیں۔ اور دل کبھی بدلا نہیں جا سکتا۔ آپ سے میرا رشتہ روح اور جسم کا ہے۔ آپ سے میرا رشتہ آنکھ اور بینائی کا ہے۔ آپ سے میرا رشتہ دل اور دھڑکن کا ہے۔ آپ سے میرا رشتہ زندگی اور موت کا ہے۔ میں آپ کو نا کبھی بھول سکتی

ہوں نا کبھی آپ سے محبت کرنا ختم کر سکتی ہوں۔ آپ میری آتی جاتی سانس میں موجود ہیں۔" وہ ایسے بول رہی تھی جیسے وہ سچ میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا۔ جنگکوک نے دھیمے سے مسکرا کر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے اسے اپنے قریب کیا۔

"تم یہاں پر کیا کر رہی ہو؟" حماد بالکل اس کے سر پر آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ جنگکوک نے کچھ ناگواری سے حماد کو دیکھا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں... موسم اچھا تھا تو اس لیے کچھ دیر یہاں بیٹھ گئی۔" ماریہ نے بدقت مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ حماد بھی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

"تم کسی سے باتیں کر رہی تھیں؟ ایسا لگا مجھے۔" وہ بھی قدرے مسکرا کر بولا تھا۔

"ہاں میں کسی سے باتیں کر رہی تھی۔" وہ حماد سے یہ نہیں چھپا سکتی تھی کہ جنگکوک اسے نظر آتا تھا۔

"کس سے؟" حماد نے چونک کر اپنے اطراف میں دیکھا۔

"جنگکوک سے۔" حماد نے حیرت سے دونوں ابرو اٹھائے۔

"پاگل ہوگئی ہو؟ وہ تو مر گیا ہے نا۔" ماریہ نے تڑپ کر حماد کو دیکھا تھا۔

"تم کتنی آسانی سے کہہ دیتے ہو کہ وہ مر گیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے میں کتنی اذیت میں ہوں۔"

"میرا مطلب وہ نہیں تھا....."

"حماد میں جنگکوک کو نہیں بھول سکتی۔ وہ مجھ سے زیادہ مجھ میں ہیں۔ ایسے انسان کو بھول جانا ناممکن ہے جو آپ کی سانسوں میں بستا ہو۔"

حماد نے دکھ سے اپنی بہن کو دیکھا۔ اسے آج جنگکوک پر بہت غصہ آ

رہا تھا۔ وہ کیسے اس کی بہن کو روتا تڑپتا چھوڑ گیا تھا۔ حماد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ جنگکوک نے بہت دکھ سے یہ منظر دیکھا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے اپنی ماں کے کیے کی سزا ماریہ کو دے دی تھی۔ انجانے میں ہی سہی لیکن وہ یہ ظلم کر چکا تھا۔

"میں چاہتی ہوں جب تک میں اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتی وہ مجھے نظر نا آئیں۔ مجھے کچھ وقت دے دیں۔" وہ بھیگے لہجے میں بولتی جنگکوک کو شرمندہ کر گئی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا اور خود سے وعدہ کر کے اٹھا تھا کہ وہ اس کی تعلیم میں خلل نہیں ڈالے گا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" حماد محض یہی کہہ سکا تھا۔

OOOOOOOOOOOOOOOO

وقت ایک دفعہ پھر بہت آگے چلا گیا تھا۔ فرح اور یاور کو ایک خوبصورت بیٹی دے کر بہت سے دن، ہفتے اور مہینے گزر گئے تھے۔

یاور اور فرح کی اولاد کے دنیا میں آنے کے چند ماہ بعد وہ سب اپنے اپنے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے۔ منہاج کو ترکی میں گئے تین سال ہو گئے تھے اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ سب اسے بہت یاد کرتے تھے۔ ابھی بھی ہاشم اپنے روم میں بیٹھا اس سے بات کر رہا تھا۔ یہ ڈھلتے اکتوبر کے دن تھا۔

"تم آخر واپس کیوں نہیں آجاتے۔ ہم سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔" ہاشم اداس سا اپنے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ گزرے وقتوں میں اللہ نے اسے بھی ایک بیٹی سے نوازا تھا جو ابھی تین ماہ کی تھی۔ وہ تسبیحہ کے

ساتھ دوسرے روم میں تھی۔

"ابھی واپسی کا وقت نہیں ہوا بھائی۔ ابھی مجھے اس سے ملنا ہے جو پچھلے تین سال سے میرے انتظار میں بیٹھی ہے۔"

"تم نے اسے بہت انتظار کروایا ہے منہاج۔ اب اس کے انتظار کو ختم کر دو۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" ہاشم کی اداسی نے موسم کو اداس کر دیا تھا۔

"میں تین سال پہلے ہر چیز سے موو آن کر کے آیا تھا بھائی۔ یہ سال تو محض خود کو محمل کے قابل بنانے میں گزار دیئے۔" منہاج نے ہاشم کو محمل کے بارے میں دو سال پہلے بتایا تھا۔

"شادی وہاں کرو گے یا یہاں؟"

"ابھی سوچا نہیں اس بارے میں۔"

"سوچ لو۔ بوڑھے ہو رہے ہو۔" وہ ہاشم کی بات پر دھیرے سے ہنس دیا۔

"اب زیادہ دیر نہیں کروں گا۔" پھر کچھ باتیں کر کے ہاشم نے فون بند کر دیا تھا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ دوسرے روم میں چلا آیا جہاں اس کی بیوی اس کی جان کو اپنے پاس لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"چپ ہوئی کہ ابھی تک رو رہی ہے؟" وہ تسبیحہ کے قریب آیا جو اپنی بیٹی کو اٹھائے ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

"بڑی مشکل سے چپ ہوئی ہے۔ میں تو اسے چپ کرواتے کرواتے تھک گئی۔" اس نے کچھ اکتائے انداز میں کہا تو ہاشم نے مسکرا کر اپنی بیٹی کے چہرے پر پیار کیا۔

"ابھی سے تھک گئیں؟"

"کیا مطلب ابھی سے تھک گئیں؟" وہ ہاشم کی بات کو بالکل بھی نا سمجھی تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ شرارت سے مسکراتے روم سے باہر نکل آیا۔ تسبیحہ نے اسے باہر جاتے دیکھا اور پھر اپنی بیٹی کو۔

"میرب، مما کی جان۔" اس نے بھی اپنی بیٹی کو وہیں پیار کیا جہاں ابھی ہاشم کر کے گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○

یاور ابھی آفس سے گھر آیا تھا۔ فرح کچن میں کام کر رہی تھی جبکہ پری اس کے پاس کھڑی تھی۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی وہ تین سال کی ہوئی تھی۔ پری بہت سنجیدہ طبیعت کی مالک تھی۔ بالکل اپنے ماں باپ پر گئی تھی۔ وہ نا روتی تھی نا ان دونوں کو تنگ کرتی تھی۔ اگر اسے بھوک لگتی تو وہ فرح کو بول دیتی تھی لیکن دیر سے ملنے پر روتی نہیں تھی۔ وہ صابر بچی تھی۔ فرح نے اس کا نام پری سار رکھا تھا لیکن پیار سے پری بلاتے تھے۔

"فرح۔ فرح۔" اس کی عادت بن گیا تھا گھر آتے ہی فرح کو آوازیں لگانا۔ آوازیں وہ فرح کو لگاتا تھا اور آتی پری تھی۔ اور پری کو دیکھتے ہی اس کی ساری تھکن دور ہو جاتی تھی۔ ابھی بھی یاور کی آواز سن کر وہ باہر آئی تھی۔

"بابا..... آپ آگئے۔" اس کی آواز بہت صاف تھی۔

"ہاں میری جان۔ بابا آگئے۔" وہ پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور بانہیں کھول دیں۔ پری آتے ہی یاور کے گلے سے لگ گئی۔ فرح بھی اس کے پیچھے ہی باہر آئی تھی۔

"جب سے یہ دنیا میں آئی ہے نا آپ تو مجھے بھول ہی گئے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے آپ کو مجھ سے اب محبت نہیں رہی۔" وہ خفگی سے رخ موڑے کھڑی ہو گئی۔ فرح کی بات پر یاور کے ڈمپل نمایاں ہوئے۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم کوئی بھولنے والی چیز ہو۔" وہ پری کو بانہوں میں اٹھائے اس کے قریب چلا آیا۔

"ہوں تو نہیں لیکن آپ بھول گئے ہیں۔ مجھ سے پیار بھی نہیں کرتے۔" یاور نے تعجب سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"Mama, Baba loves you."

جواب یاور کے بجائے پری نے دیا تھا۔ وہ حیرت سے منہ کھولے پری کو دیکھنے لگی جبکہ یاور نے شرارت سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اسے کہتے ہیں چھوٹا پیکٹ بڑا دھماکہ۔" یاور نے اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے کہا جبکہ وہ تیوری چڑھائے یاور کو گھورتی وہاں سے چلی گئی۔

"ارے کہاں جا رہی ہو؟"

"جہنم میں۔" پیچھے یاور کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"پہنچ کر اطلاع کر دینا۔" چہرے پر تپا دینے والی مسکراہٹ تھی۔اس نے غصے سے مڑ کر دیکھا اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

وہ ایک بار پھر دل کھول کر ہنسا تھا۔

ooooooooooooo

یمان نے آفس سے کچھ دن کی چھٹی لے رکھی تھی کیونکہ بختاور کی طبیعت کبھی بھی خراب ہو سکتی تھی۔ یمان تو اسے خود اٹھ کر پانی بھی پینے نہیں دیتا تھا۔اس نے ایک ملازمہ خاص بختاور پر نظر رکھنے کے لیے رکھی ہوئی تھی جس پہ اس کا موڈ آف رہتا تھا۔

"کیسا گزرا آج کا دن ؟" وہ ابھی ابھی شاور لے کر باہر آیا تھا۔بختاور باہر منہ پھلائے بیٹھی ہوئی تھی۔ یمان کو دیکھ کر مزید تیوری چڑھ گئی۔

"جیسا روز گزرتا ہے۔"

"اور روز کیسا گزرتا ہے؟" وہ تولیے سے بال رگڑتا اسی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"بہت برا۔" وہ نظریں چرا کر بولی تھی۔

"کیوں؟ برا کیوں گزرتا ہے؟" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا ہوا ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" یمان پریشان ہوتا اس کے قریب آیا۔

"نہیں... مجھے بین ہو رہا۔" وہ بالکل رونے والی ہو گئی تھی۔

"کیا... کیا تمہاری طبیعت خراب ہے اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔ بختاور کے بالکل بچوں کی طرح منہ بنائے رونے لگی تھی۔ یمان نے ایک لمبی سانس لے کر چھوڑ دی اور پھر اس کے قریب آیا۔

"اٹھو... ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوگئی اور پھر نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"بختاور... کیا ہوا؟" وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔

"بہت درد ہو رہا ہے۔" اس کو سانس لینے میں بھی مسلہ ہونے لگا تھا۔

یمان نے فوراً اسے اپنی بانہوں میں اٹھایا اور گاڑی تک لے آیا۔

"فرح بھابھی کو فون کر کے کہنا کہ بختاور کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ میں اسے ہسپتال لے کر جا رہا ہوں۔ وہ ہسپتال آجائیں۔" وہ ملازمہ کو کہتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ملازمہ سر ہلاتی اندر کو بھاگی۔

○○○○○○○○○○○

"کیا ہوا اتنی پریشان کیوں بیٹھی ہو؟" عریش اور حماد اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے لیکن وہ ابھی تک یہیں تھے۔ حماد نے یہاں ایک بینک

میں نوکری شروع کرلی تھی جبکہ عریش ٹیچنگ کر رہی تھی۔ ابھی رات کا وقت تھا اور وہ پریشان سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"کچھ خاص نہیں، بس یونہی۔" کہتے ہوئے وہ موبائل میں کچھ دیکھنے لگی۔ حماد اسی کے پاس چلا آیا۔

"اتنی اداس کیوں لگ رہی ہو؟" حماد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"روز اس وقت میری اور بختاور کی بات ہوتی ہے۔ لیکن آج وہ میرا فون نہیں اٹھا رہی۔ میں پریشان ہو رہی ہوں کہ سب ٹھیک تو ہے نا۔" اس کی بات پر حماد ذرا سا مسکرایا۔

"ابھی یمان کا فون آیا تھا۔ بھابھی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی تو انہیں ایمرجنسی میں ہاسپٹل لے جانا پڑا۔" حماد نے بہت آرام سے بتایا تھا لیکن وہ پھر بھی شدید پریشان ہو گئی تھی۔

"بختاور ٹھیک تو ہیں نا؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔انفیکٹ ایک گڈ نیوز ہے۔ تم خالہ بن گئی ہو ایک پیارے سے بھانجے کی۔"حماد نے مسکرا کر کہتے موبائل نکالا اور اس کے سامنے تصویر کی۔ تصویر میں چھوٹے سے وجود کو دیکھ کر عریش کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔اس نے موبائل اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ماشاءاللہ! یہ کتنا پیارا ہے۔"

"خالہ پر جو گیا ہے۔"حماد نے اپنے انگوٹھے سے اس کے آنسو کو صاف کرتے ہوئے کہا۔وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"بختاور کیسی ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ کل گھر آجائیں گی۔"

"تو کیا ہم کل انہیں ملنے چلیں؟ دیکھیں نا کتنی دیر ہو گئی ہے ہمیں یہاں آئے ہوئے۔ پوری فیملی میں صرف ہم تین ہیں جو اتنی دور ہیں۔"

"غلط... منہاج بھائی ہم سے بھی زیادہ دور ہیں۔" حماد نے تصیح کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہم نہیں جارہے؟"

"کیوں نہیں جارہے۔ ہم کل لازمی سول جائیں گے۔" حماد اسے اداس نہیں کر سکتا تھا۔ سو اسی لیے وہ مان گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ذوالنورین ایک شرارتی بچہ ثابت ہوا تھا۔ تین سال کا ہوتے ہی مومن اور علیزے نے اسے اسکول میں داخل کروادیا تھا لیکن وہاں بھی وہ سب کی ناک میں دم کر کے رکھتا تھا۔ وہ بے حد ذہین اور

شرارتی بچہ تھا۔ پڑھائی میں اس کا انٹرسٹ نہیں تھا لیکن کلاس میں جو کچھ بھی ٹیچر پڑھاتے تھے وہ اسے بھولتا نہیں تھا۔ اسے کچھ بھی نہیں بھولتا تھا۔ جو کچھ اس کے سامنے ہوا وہ اس کی میموری میں ہمیشہ کے لیے سیو ہو جاتا تھا۔ یقیناً اس کا آئی کیو لیول بہت اچھا تھا۔ وہ کم بولتا اور زیادہ کرتا تھا۔

آج بھی وہ اسکول میں کوئی کارنامہ کر کے آیا تھا تبھی علیزے غصے سے بھری بیٹھی تھی جبکہ وہ سامنے سر جھکائے چہرے پر معصومیت سجائے کھڑا تھا۔

"بتا ہی دو تم مجھے آخر کب سدھرو گے تم؟ ذلیل کر کے رکھا ہوا ہے تم نے مجھے۔ ابھی اسکول گئے وقت ہی کتنا ہوا ہے اور تیسری بار تمہاری شکایت آگئی ہے۔" وہ بالکل رونے والی ہو گئی تھی۔

"مما اس نے ہیلپ مانگی تھی میں تو بس وہی کرنے لگا تھا۔" وہ معصومیت سے کہتا علیزے کو مزید تپا گیا تھا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی ذوالنورین۔" اس نے اپنے بیٹے کو کندھوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑا تھا۔ تبھی مومن اندر آیا۔

"کیا کر رہی ہو تم؟ کیوں ڈانٹ رہی ہو اس معصوم کو۔" مومن نے فوراً آگے بڑھ کر اپنے بیٹے کو گود میں اٹھایا۔

"معصوم اور آپ کا بیٹا۔ پوچھیں اس سے۔ کیا کر کے آیا ہے۔"

"کیا کر دیا اب میرے بیٹے نے؟"

"آپ کے بیٹے نے ایک ہی سال میں تیسری دفعہ کارنامہ کیا ہے۔ ایک لڑکی کو ٹیسٹ نہیں آتا تھا۔ اس کا خالی صفحہ یہ پُر کر کے آیا ہے۔ اس کی ٹیچر تو اسے اسکول میں رکھنے کو تیار نہیں تھی۔ کتنی منتیں کرنی پڑی مجھے، تب جا کر مانی ہیں وہ اسے دوبارہ رکھنے کے لیے۔"

"لو بھلا اس میں غصہ کرنے والی کیا بات ہے۔ مدد ہی کر رہا تھا نا کسی کی۔" مومن نے حیرت سے کہا تھا جبکہ علیزے کے تو سر پر لگی تلوؤں پر بھی۔

"ہاں جتنا اس کا دماغ تیز ہے نا پورے اسکول کو پیپر لکھ دے۔ ایسی نالائق اولاد ماں باپ کا سر نیچا کرواتی ہے۔ بالکل امامہ کی آخری اولاد پر گیا ہے۔"

"پہلی بات میری اولاد نالائق نہیں ہے اور دوسری بات یہ امامہ کون ہے؟"

"اف مومن! اب آپ میرا سر مت کھائیں۔" وہ غصے سے کہتی جانے لگی۔ مومن اور اور ذوالنورین نے بیچارگی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔

"میں تمہیں ایک خبر سنانے آیا تھا۔" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"یمان اور بختاور کا بیٹا ہوا ہے۔" وہ الٹے قدموں واپس آئی۔

"ہائے اللہ سچی۔ میں ابھی مبارک دے کر آتی ہوں۔" وہ خوشی سے کہتی موبائل کی طرف آئی۔

"کیا مما میری پیدائش پر بھی اتنی ہی خوش ہوئیں تھیں؟" ذوالنورین نے سرگوشی میں پوچھا تھا جبکہ مومن کا حیرت سے منہ کھل گیا۔

"بالکل ٹھیک ڈانٹتی ہے تمہاری ماما تمہیں۔ بھالگو یہاں سے۔ شریر کہیں کا۔" مومن نے اسے نیچے اتارا تو وہ فوراً باہر بھاگ گیا۔ مومن نے حیرت سے پہلے اسے دیکھا اور پھر علیزے کی طرف چلا آیا۔

○○○○○○○○○○○○○○

"تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے۔ ماشاءاللہ۔ عریش، ماریہ اور حماد آج صبح ہی آئے تھے۔ عریش نے بے بی کو گود میں اٹھایا ہوا تھا۔

"بالکل تم پہ جو گیا ہے۔" بختاور نے کہا تو عریش نے کنکھیوں سے حماد کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور بختاور کی بات پر تو مسکرا بھی رہا تھا۔

آج وہ سب یمان کے گھر پر اکھٹے ہوئے تھے۔

"یہ بات آپ سے پہلے میں نے بھی کہی تھی لیکن تب ہماری مسز کو یقین نہیں آیا تھا۔" حماد نے اسے ہی دیکھتے ہوئے کہا تو سب ہنس دیئے۔ عریش بری طرح جھینپ گئی۔

"اگر آج منہاج بھائی بھی ہوتے تو کتنا مزا آتا۔" یمان نے ذرا افسردہ ہوتے کہا تو ہاشم بھی افسردگی سے اسے دیکھا۔

"تو موبائل کس لیے ہے؟ چلو وڈیو کال کرتے ہیں۔" مومن نے کہہ کر موبائل نکالا اور کال ملائی۔ جسے تیس سیکنڈ میں اٹھا لیا گیا تھا۔ سامنے منہاج کا نکھرہ نکھرہ چہرہ تھا۔ بال گیلے تھے۔ وہ شاید ابھی نہا

کر آیا تھا۔ کوریا میں شام کے سات بج رہے تھے جبکہ ترکی میں ابھی دن کے دو بج رہے تھے۔

"مبارک ہو میرے بھائی۔ اللہ نے تمہیں خوبصورت نعمت سے نوازا ہے۔" سلام دعا کے بعد منہاج نے یمان کو مبارکباد دی تھی جسے اس نے ذرا سا جھک کر قبول کیا۔

"بہت شکریہ بھائی۔ لیکن اگر آپ یہاں ہوتے تو خوشی کا مزا دوبالا ہو جاتا۔" منہاج دھیرے سے ہنس دیا۔

"انشاللہ میں بہت جلد آؤں گال۔ شادی تو وہیں آکر کروں گا۔"

شادی کے ذکر پر سب نے حیرت سے منہاج کو دیکھا۔

"بھائی آپ شادی کر رہے ہیں؟ ایسا کب ہوا؟" سوال حماد کی طرف سے آیا تھا۔

"ہوا نہیں، ہونے والا ہے۔" منہاج بالکل پر سکون تھا۔ جبکہ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ آج وہ منہاج کی کلاس موبائل پر ہی لینے والے تھے۔

oooooooooooooooooooooo

ذوالنورین اور پریسا ایک ہی سکول میں جاتے تھے لیکن وہ ذوالنورین سے دور رہتی تھی۔ اسے وہ شرارتی لڑکا بالکل بھی پسند نہیں تھا حالانکہ وہ اس کا کزن تھا۔ اپنی ذوالنورین سے ناپسندیدگی کا ذکر وہ اکثر فرح سے بھی کرتی تھی۔ جس پر وہ ہنس دیتی تھی۔ وہ ابھی بچے تھے اس لئے کوئی اس کی ناپسندیدگی کو سیریس نہیں لیتا تھا لیکن کون جانے کہ بچپن کی یہ ناپسندیدگی بڑے ہو کر بھی ایسے ہی رہے گی یا بدل جائے گی۔

^oooooooooooooo

ماریہ کی بی ایس کی ڈگری مکمل ہو گئی تھی اور اب آگے مزید وہ بوسان رہ کر ہی پڑھنے والی تھی۔اس نے چار ماہ ریسٹ کے بعد دوبارہ پڑھائی اسٹارٹ کی تھی اور اب اس کی کلاسز اسٹارٹ ہوئے کافی دن ہو گئے تھے۔کچھ نیو اسٹوڈنٹس بھی آئے تھے۔لیکن بوسان میں اس نے کسی کے ساتھ دوستی نہیں رکھی تھی۔بقول اس کے کہ ایک دن سب بچھڑ جاتے ہیں اور پھر دوبارہ کبھی نہیں ملتے۔لاکھ دل تڑپے لیکن کوئی واپس نہیں آتا۔تو وہ کسی کہ قریب نہیں ہونا چاہتی تھی۔ ہائے ہیلو اس کی بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ تھی۔اس کی کلاس میں ایک نیو لڑکا آیا تھا۔وہ بہت عجیب تھا۔ہر وقت بڑی پہنے گھومتا رہا تھا تھا اور اس میں بھی اپنا چہرہ چھپا لیتا تھا۔اگر کبھی شرٹ وغیرہ پہنتا تو پی کیپ کے ساتھ ماسک بھی پہن لیتا تھا۔ناجانے کیوں وہ اپنا منہ چھپا کر رکھتا تھا۔ماریہ اس کو نا چاہتے ہوئے بھی نوٹ کرنے لگی تھی۔

اسے لگتا تھا جیسے اس نے اس لڑکے کو کہیں دیکھا ہوا ہے لیکن کبھی اسے یاد نا آ سکا۔ آج وہ لڑکا اسے حماد کے ساتھ کھڑا باتیں کرتا نظر آیا تو وہ شاکڈ ہی رہ گئی۔ حماد اسے کیسے جانتا تھا۔ وہ تو ماریہ کا کلاس فیلو تھا اور حماد اس کی یونی کیا کرنے آیا تھا۔ اس لڑکے کے جاتے ہی ماریہ اس کے پاس آئی۔

"تم بینک نہیں گئے آج؟" وہ بالکل نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"گیا تھا...."

"چھٹی لے کر آئے ہو؟"

"نہیں.... یہ بریک ٹائم تھا تو چلا آیا۔"

"تم اس لڑکے سے ملنے آئے تھے۔ کیا تم جانتے ہو اسے؟" وہ زیادہ دیر تک پوچھے بنا رہ نا سکی۔

"ہاں جانتا ہوں۔ پچھلے کچھ سالوں سے جانتا ہوں۔۔دوست ہے وہ میرا۔"

"میرا کلاس فیلو تمہارا دوست کیسے ہو گیا؟"اسے اچھنبا ہوا تھا۔

"تمہارا کلاس فیلو وہ یونی میں ہے لیکن اس سے باہر وہ میرا دوست ہے۔"

"نام کیا ہے اس کا؟"

"تمہیں تمہارے کلاس فیلو کا نام نہیں معلوم؟"

"تم جانتے ہو نا مجھے ایسی چیزوں میں انٹرسٹ نہیں ہے۔"

"تو اب کیوں پوچھ رہی ہو؟"حماد کے استفسار پر اس نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا اور غصے سے وہاں سے جانے لگی۔

"عالیان.... عالیان سکندر نام ہے اس کا۔"پیچھے سے آتی حماد کی آواز نے اس کے قدموں کو روکا۔وہ مڑ کر اس تک آئی

"اب کیوں بتایا ہے؟ مجھے تو کوئی شوق نہیں ہے اس کا نام جاننے میں؟"

حماد منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر ہلکے سے کھنکھارا۔ "تمہارے لیے اس کا نام جانا.... ضروری ہے۔"

"ایکسکیوز می؟" ماریہ نے اپنی دائیں ابرو اچکائی۔

"وہ لڑکا بہت اچھا ہے۔ میں سوچ رہا تھا جب تم دونوں اپنی تعلیم مکمل کر چکو تو سول جا کر تم دونوں کی شا....۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" ایک دم سے اسے بہت غصہ آ گیا تھا۔ "آئندہ اگر تم نے مجھ سے اس متعلق بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"میں نے ہاشم بھائی کو عالیان کے بارے میں بتایا تھا۔ انفیکٹ وہ بھائی سے ملا بھی ہے۔ انہیں بھی عالیان بہت پسند آیا ہے۔"

"حماد... میری بات کان کھول کر سن لو۔ میں کسی سے بھی کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔ اگر تم نے بھائی کو کنوینس کیا ہے تو تم ہی انکار کرنا۔ لیکن اب کبھی بھی میرے سامنے اس لڑکے کا نام مت لینا۔"

وہ سختی سے کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ حماد نے اپنے سامنے کھڑے عالیان کو دیکھا جو دکھ سے نفی میں سر ہلاتا واپس مڑ گیا تھا۔ حماد کو احساس ہوا کہ اس نے غلط وقت پر یہ بات کر دی ہے۔ اب اسے صحیح وقت کا انتظار کرنا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

تسبیحہ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میرب اس کے پاس کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ موبائل پر کسی کے ساتھ چیٹ کر رہی تھی یا کچھ دیکھ رہی تھی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

تبھی ہاشم اندر آیا۔ وہ شاید آفس سے واپس آیا تھا۔ تسبیحہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور واپس پھر سے موبائل کو دیکھنے لگ گئی۔ ہاشم کو برا لگا تھا۔

ہاتھ میں پکڑا کوٹ سائڈ پر رکھا اور میرب کو اٹھا کر پیار کیا۔

"کیا کر رہا ہے میرا بچہ؟" میرب کو ساتھ لگائے پوچھا۔ تبھی میرب نے کھلونوں کی جانب اشارہ کیا۔

"اچھا جی۔ کھیل رہا ہے۔ کیا کھیل رہا ہے میرا بچہ۔" وہ اتنا گریس فلی بات کر رہا تھا کہ تسبیحہ نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اس کو دیکھا۔

ہاشم نے میرب کو بیڈ پر بٹھایا تو اس نے ایک کھلونا ہاشم کی جانب بڑھایا۔ مطلب کھلونوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔

اور پھر واپس کھیلنے لگ گئی۔ وہاں سے نظریں ہٹا کر ہاشم نے اپنی بیوی کی جانب دیکھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مسکرائی۔

"آپ بولتے بہت اچھا ہیں۔" ہاشم نے ابرو اچکائے۔

"سب سے پہلے مجھے آپ کے بولنے کے انداز سے ہی محبت ہوئی تھی۔" وہ کچھ کھوئی کھوئی سی بولی۔

"پھر؟" وہ متجسس ہوتا دھیرے سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"پھر آپ سے۔"

"پھر؟"

"پھر آپ کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے دل کی بات بتانے والے انداز سے۔" اس نے کہا اور ہاشم نے اس کا سر اپنا کندھے پر رکھ دیا۔

وہ چونکی۔ سر اٹھانا چاہا تو ہاشم نے روک دیا۔

"دل کی بات کہو۔" وہ چند لمحے چپ رہی۔

"ہمارے درمیان فاصلے کب ختم ہوں گے، ہاشم؟"

"جب میری بیوی میرے آفس سے آنے کے بعد مجھے یہ پوچھے گی۔ آ گئے آپ؟ بیٹھیں میں پانی لاتی ہوں۔" وہ اس کی بات پر ذرا کی ذرا شرمندہ ہوئی اور پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"کیا میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے؟" وہ حیران سا اسے دیکھے گیا۔

"ایک جوکر کیا ہی لطیفہ سنائے گا۔" وہ منمنائی۔ ہاشم سن چکا تھا۔ شاید سنایا گیا تھا۔

"کیا میں تمہیں جوکر لگتا ہوں؟" وہ برا مان گیا تھا۔ وہ پھر سے ہنسی۔

"کوئی شک ہے؟" وہ اسے تنگ کر رہی تھی یا فاصلے مٹانے کی کوشش۔ وہ سمجھ نہیں پایا۔

"بہت زیادہ۔"

"وہ کیسے؟"

"کیونکہ اگر میں جوکر ہوں تو تم کیا ہوئی۔ آف کورس جوکری۔" لفظ جوکری پر تسبیحہ کتنی دیر تک ہنستی رہی۔ وہ دونوں باپ بیٹی اسے دیکھتے رہے۔

"اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟"

"جوکری۔ ہاشم..... یہ جوکری کیا ہوتا ہے؟" پلکیں جھپکا کر پوچھا۔

"جوکر کی وائف جوکری۔"

وہ ایک بار پھر سے ہنسی تھی۔ دل کھول کر۔ یہ منظر کتنا خوبصورت تھا۔ کتنا مکمل تھا۔ بھلا ہاشم کو اس سے زیادہ بھی کچھ چاہیئے تھا۔ اسے لگتا تھا تسبیحہ کا اس کی زندگی میں واپس آنا ایک معجزہ ہی تھا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی کھلی ہوئی ہنسی کے سامنے سب کچھ پیچھے چلا جاتا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہوائیں بدل گئیں تھیں۔ موسم سرد ہو گیا تھا۔ دسمبر کے یہ سرد دن اپنے اندر کچھ نرم گرم سا احساس لیے ہوئے تھے۔ وہ سات سال کی تھی جب وہ کوریا چلی گئی تھی اور اب بائیس سال بعد وہ ترکی واپس آئی تھی۔ زندگی کے اتنے سال اس نے کوریا میں گزارے تھے لیکن جو اپنائیت اسے یہاں محسوس ہو رہی تھی وہ وہاں کبھی نہیں ہوئی۔ اس نے ترکی کی سرزمین پر قدم رکھا تو اسے ہر طرف سے "خوش آمدید" کی صدائیں سنائی دیں۔ ہوا، موسم، سمندر، شمس و قمر سب اسے یہی کہہ رہے ہوں....

"اے ترکی کی شہزادی ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔ ہر چیز کہہ رہی.....

"تم اتنے عرصے سے کہاں تھی۔ ترکی کی سرزمین تمہیں بہت یاد کرتی رہی ہے۔"

اس کے دو اپنے ترکی میں سانس لے رہے تھے۔ وہ ان دونوں سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ جوں جوں آگے قدم بڑھاتی گئی زندگی کا احساس پہلے سے زیادہ ہونے لگا تھا۔ وہ کسی گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے پیدل ہی وہاں سے باہر نکل آئی تھی۔ سڑک پر ہوا چلنے کی وجہ سے پھول اور پتے بکھرے پڑے تھے۔ لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے درختوں نے اس کے آنے کی خوشی میں اس کے راستے میں بچھائے ہیں۔

"یہ سب تمہارے لیے ہے۔"

وہ ایک درخت کے نیچے بانہیں کھولے کھڑی ہوگئی اور اونچی آواز میں بولنے لگی۔

"دیکھو ترکی میں آگئی ہوں.... میں نے جس انسان کو کوریا میں کھودیا تھا، میں تمہاری سرزمین پر اسے پالینے کے لیے آگئی ہوں۔" وہ درخت کے نیچے رکھے بینچ پر بیٹھ گئی۔

وہ ہنس رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کا سانس بھی پھول گیا تھا۔ اگر کوئی اسے اس وقت اس حالت میں دیکھ لیتا تو یقیناً اسے پاگل کہتا۔

"وہ کپادوکیہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ ہاٹ ائیر بلون پر۔" پیچھے ایک شناسا آواز ابھری تھی اور محمل کی سانس وہیں اٹک گئی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ کوئی ضعیف آدمی تھا۔ سر کے سارے بال سفید ہو گئے تھے اور چہرے پر سالوں کی تھکن۔ لیکن وہ ایک لمحے میں پہچان گئی تھی کہ وہ بوڑھا آدمی کون ہے۔

"بابا....۔" ترکی میں اس کی پہلی زندگی۔ وہ بھاگتے ہوئے اس بزرگ آدمی کے سینے سے آلگی تھی۔

"بابا... آپ نے مجھے کیسے ڈھونڈ لیا۔ کیا آپ جانتے تھے میں آنے والی ہوں۔ کیا آپ کو الہام ہوا تھا؟" وہ سینے سے لگی سوال پوچھتی جا رہی تھی جبکہ خضر حیات کے چہرے پر ایک شفیق سی مسکان تھی۔

"نا میں جانتا تھا نا مجھے الہام ہوا تھا۔ میں تو بس یہاں سے گزر رہا تھا لیکن آگے نہیں جا پایا۔ قدم بار بار اس سمت کھینچ رہے تھے۔" وہ دور ہوتی نم آنکھوں سے اپنے بوڑھے باپ کو دیکھنے لگی۔

"میں آگئی ہوں بابا۔"

"بہت انتظار کروایا تم نے بیٹا۔ اچھا کیا جو میرے مرنے سے پہلے چلی آئی۔" محمل کا دل جو کچھ دیر پہلے بے حد خوش تھا ایک دم جیسے افسردہ ہو گیا تھا۔

"ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ ابھی تو ہم ملے ہیں اور آپ موت کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں بوڑھا ہو گیا ہوں بیٹا۔ زندگی کا کیا بھروسہ۔"

"موت کا عمر سے کیا تعلق۔ موت کی اپنی عمر ہوتی ہے۔ اس کا اپنا وقت ہوتا ہے۔ جب وہ عمر، وہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ وہ آکر انسان کو

دبوچ لیتی ہے بابا۔ کیا جوان، کیا بچے، کیا بوڑھے۔" کہہ کر وہ خاموشی سے زمین پر گرتے پتوں کو دیکھنے لگی۔

"اداس کیوں ہو رہی ہو؟"

"اب آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے کہ میں ترکی سے ناراض ہو کر چلی جاؤں۔" اس نے خفا ہوتے وارننگ کی تو خضر ہنس دیئے۔

"اچھا یہ بتاؤ ابھی تک وہ ملا نہیں تمہیں؟" اب وہ دونوں ایک ساتھ چل رہے تھے۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"اسی کی جس کے بلانے پر تم یہاں آئی ہو۔"

"آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟"

"میں نہیں... وہ مجھے جانتا ہے۔ تین سال لگ گئے اس لڑکے کو مجھے ڈھونڈنے میں، اور پچھلے ایک ماہ سے ہم ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اس

نے بتایا تھا تم ترکی آؤ گی لیکن کب آؤ گی یہ نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہا تھا کہ وہ کپادوکیہ میں تمہارا انتظار کرے گا۔" خضر بتا رہے تھے جبکہ وہ حیران ہوتی اپنے باپ کو دیکھے گئی۔

"تو اس نے مجھ سے پہلے... آپ کو ڈھونڈ لیا؟" اس کی بات پر وہ ہنسے تھے۔ "کیسا ہے وہ؟ میرا مطلب آپ کو کیسا لگا؟"

"بہت اچھا ہے، اور سب سے بڑھ کر تم نے پسند کیا ہے اسے۔" اس نے حیا سے اپنی پلکیں جھکا لیں لیکن لبوں پر آئی مسکان نا روک سکی۔

"تم اب دیر مت کرو اور جاؤ۔ وہ کل رات سے وہاں پر ہے۔"

"کیا؟...... وہ کل رات سے وہاں پر ہیں۔ اتنی سردی میں وہ وہاں کیوں ہے بابا؟"

"بتایا تو ہے... وہ وہاں پر تمہارا انتظار کر رہا ہے... ہاٹ ائیر بلیون سائٹ پر.... تم جتنی جلدی جاؤ گی، اسے اتنی ہی جلدی واپس لے کر آسکو گی۔" بولتے ہوئے ان دونوں کے منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔

"میں جا رہی ہوں بابا... اس شخص کے پاس جس کا انتظار میں نے تین سال سے کیا ہے۔ یہ تین سال تین صدیوں جیسے تھے لیکن آخر وہ کٹ ہی گئے۔ اب دوبارہ ہجر نہیں جھیلنا پڑے گا۔ اب وصل کے دن ہیں۔ میں جا رہی ہوں بابا... میرے لیے دعا کیجیے گا۔" وہ وہاں سے الٹے قدموں بھاگتی ہوئی مڑ گئی۔ خضر نے ہاتھ ہلا کر اسے بائے کہا تھا۔ اب وہ مزید دیر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی۔ ترکی کی ہر چیز اس کے لیے دعا گو تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○

وہ یونیورسٹی کے لان میں ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی جب وہ اس کے پاس چلا آیا۔

ء تم اتنی سردی میں یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہوئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں ایک دم سے تیز ہو گئیں تھیں۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ اونی کوٹ پہنے، سر پر کیپ پہنے، چہرے پر ماسک اور ہاتھوں میں دستانے پہنے وہ بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم سے مطلب؟ اپنے کام سے کام رکھو۔" ایک لمحے کو رکی دھڑکنیں اب نارمل ہو گئیں تھی۔

"اس دن جو کچھ حماد نے کہا... میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو، حالانکہ میری کوئی غلطی نہیں تھی۔" وہ بہت سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

"جب تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے تو تم معافی کیوں مانگ رہے ہو؟"

ماریہ نے ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں دیکھا، اسے لگا جیسے وہ ان آنکھوں کو جانتی ہو لیکن وہ لہجہ، وہ شخص سب کچھ اجنبی تھا۔

"مجھے لگا......"

"جاؤ یہاں سے۔" وہ اجنبیت سے کہتی رخ موڑ گئی۔

"میں نہیں چاہتا کہ کوئی آپ کا نام میرے نام کے ساتھ جوڑے۔ میں حماد کو کہہ دوں گا کہ....."

"وہ میرا بھائی ہے۔ میں خود بھی بات کر سکتی ہوں اس سے۔" اب کے وہ بھی ذرا سنجیدگی سے بولی تھی۔ اگر سامنے والا لحاظ کر رہا تھا تو اسے بھی مروت دکھانی چاہیے تھی۔

"شیور...۔" وہ ماسک کے پیچھے سے مسکرایا تھا، یہ اس کی آنکھوں نے بتایا تھا لیکن ماریہ نے اس کی آنکھوں کو دوبارہ نہیں دیکھا۔

"باہر بہت سردی ہے۔ تمہیں اندر جانا چاہیے۔" ماریہ نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا۔

"تم........"

"میں جو بھی ہوں لیکن فی الوقت آپ کا خیر خواہ ہوں۔" اس سے پہلے وہ کچھ کہتی، وہ فوراً بول پڑا۔

"دیکھیں مسٹر عالیان میں یہاں سردی میں بیٹھوں، سردی سے مر جاؤں، آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہئے۔" "مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ شانے اچکا کر کہتا ماریہ کو مزید غصہ دلا گیا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" وہ غصے سے کہتی وہاں سے چلی گئی۔ پیچھے عالیان کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"تو مس ماریہ، ایسے بات مانتی ہیں۔ انٹرسٹنگ۔" وہ بہت دلچسپی سے مسکرایا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

بلیون سائٹ پر پہنچ گئی تھی۔ صبح کے سات بج رہے تھے اور موسم بھی کافی اچھا تھا۔ ہلکی ہلکی سی دھند تھی لیکن قابل قبول تھا۔ اس نے ارد گرد نظریں دوڑائیں کہ وہ منہاج کو ڈھونڈ سکے۔ لیکن وہ اسے نظر نہیں آیا۔ وہاں پر بہت سارے بلیون ہوا میں تیر رہے تھے اور کچھ ابھی زمین پر اڑنے کے لیے تیار تھے۔ وہ زمین پر پڑے بلیون کی جانب بھاگتی ہوئی آئی۔ دوڑتے دوڑتے اس کا سانس بھی پھول گیا تھا۔

"میں یہاں ہوں۔" آواز آئی تھی لیکن وہ پھر نظر نہیں آیا۔ اس کی آواز نے محمل کے جسم میں جان ڈال دی تھی، اب وہ پریشان ہوئے بغیر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنے پاس

رکھے بلیون پر چڑھنے لگی۔ ابھی وہ باہر ہی تھی جب وہ نیچے بیٹھا نظر آیا۔

"آخر کار میں نے آپ کو ڈھونڈ ہی لیا۔" وہ کہتے ہوئے ٹوکری کے اندر آئی۔ منہاج نے کھڑے ہوتے اسے چڑھنے میں مدد دی۔

"یہ کوئی امتحان نہیں تھا... یہ محض ایک شرارت تھی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ دونوں اب بالکل ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

"کیسی ہو؟" وہ مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی جب منہاج نے پوچھا۔

"اگر آپ دس منٹ پہلے کا پوچھیں تو میں ٹھیک نہیں تھی۔" اس نے مسکرا کر مخمل کو دیکھا۔ وہ محبت کی نگاہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہم نے ایک دوسرے کو دریافت کر ہی لیا۔" وہ خاموش رہی۔ وہ بس اسے دیکھنا چاہتی تھی، جی بھر کے۔ لیکن جی بھر نہیں رہا تھا۔

"میں نے یہ تین سال بالکل تنہا گزارے ہیں، لیکن ان تین سالوں میں میں نے اگر کچھ کھویا ہے تو بہت کچھ پا بھی لیا ہے۔ تم نے جس شخص سے محبت کی تھی وہ ایک بزنس مین کا بیٹا تھا۔ جو نیند کا دیوانہ تھا۔ جب دل کرتا سو جاتا، جب دل کرتا آفس چلا جاتا۔" وہ بہت سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ "لیکن جو شخص تم سے محبت کرتا ہے وہ ایک ٹیچر ہے۔ جو بہت محنت کرتا ہے۔ جس کی نیند محدود ہے۔ وہ اپنی زندگی کو ایک روٹین پر لے آیا ہے۔ جو مالکوں جیسی زندگی نہیں گزارتا بلکہ بہت عاجزی سے جیتا ہے۔ جس کا دن مخلوق کے لیے اور رات اللہ کے لیے ہے۔" محمل نے نوٹ کیا تھا وہ واقعی ہی بہت بدل گیا تھا۔

"میرے ساتھ زندگی گزارنا پہلے بھی مشکل تھا، میرے ساتھ زندگی گزارنا اب بھی مشکل ہوگا۔ کیا تم میری اس مشکل زندگی میں میری ہمسفر بننا پسند کرو گی؟" منہاج نے اس کے سامنے ایک مخملی ڈبیا کی جس کا رنگ نیلا تھا۔ اس میں ایک ون کیرٹ کی رنگ تھی۔

"بزنس مین منہاج سے مخمل نے محبت کی تھی لیکن ایک ٹیچر سے مخمل عشق کرے گی۔" اس نے کہتے ہوئے

اپنا ہاتھ منہاج کے سامنے کیا۔

"سوچ لو۔ بہت مشکلات آسکتی ہیں زندگی میں۔"

"تین سال سوچا ہی ہے۔ اب کر گزرنا ہے۔" منہاج نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور پھر انگوٹھی باہر نکالی۔ اس کے ہاتھ کو پکڑے بغیر اس کی رنگ فنگر میں وہ انگوٹھی ڈال دی۔ بلیون بہت اوپر چلا گیا تھا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے میں کھو گئے تھے کہ انہیں خبر ہی نا ہوئی۔

"میں اک عرصے تک کسی سیراب کے پیچھے بھاگتا رہا... لیکن جو حقیقت تھی، اس سے بے خبر رہا۔ تم جانتی ہو محمل... تم محبت کا روپ ہو۔ تم سراپا محبت ہو۔ تم پاک ہو۔ تم قسمت والی ہو۔ جس سے تم نے پاک محبت کی، وہ تمہاری قسمت بن گیا۔"

"میں نے آپ کو دعاؤں میں مانگا تھا۔ میں نے اللہ سے یہ کبھی نہیں کہا کہ تو چاہے تو مجھے دے دے، اگر تو نا چاہے تو مت دینا۔ میں نے اللہ سے یہ کہا تھا کہ میں نے پوری دنیا میں صرف ایک شخص کے لیے خود کو اتنا بے بس محسوس کیا ہے۔ لیکن میں نے پھر بھی ہار نہیں مانی۔ میں نے خود کو نفس کے حوالے نہیں کیا۔ میں نے آپ سے پاک محبت کی اور اس کا صلہ خدا سے مانگا۔ آپ میری دعاؤں کا نتیجہ ہیں۔ میں بابا سے بچھڑ جانے کے بعد بالکل بدل گئی تھی۔ اللہ سے ناراض ہو گئی تھی۔ اب سوچتی ہوں تو پچھتاتی ہوں۔ میں نے اتنے سال اللہ

سے دور رہ کر کیسے گزارے۔ آپ میری زندگی میں آئے تو میں اس

کے قریب ہو گئی۔ کبھی کبھی ایک ذرا سی تکلیف آپ کو اللہ کے

قریب لے جاتی ہے اور میں اس تکلیف سے گزر آئی ہوں۔ میں نے

ان تین سالوں میں وہ سب پا لیا جو بائیس سال پہلے کھو بیٹھی تھی۔ میرا

اللہ مجھے مل گیا۔ میرے بابا مجھے مل گئے اور اب آپ میرے پاس

ہیں۔ مجھے اور کیا چاہیے۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

"ہم دونوں نے زندگی کے اصل مقصد کو پا لیا ہے۔ اب ہمیں ایک

ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ ہم آگے کی مشکلات ایک ساتھ فیس کریں

گے۔" منہاج نے کہا تو اس نے ہاں میں سر ہلا یا۔

"ہم ساتھ ہیں۔" محمل نے آنسو پونچھتے اپنے ارد گرد پہاڑوں کو

دیکھنے لگی اور وہ اسے دیکھنے لگا۔

تم کو بسا کر آنکھوں میں، بند کر لوں اپنی آنکھیں

نہ میں کسی کو دیکھوں، نا تم کسی کو نظر آؤ

وہ زیر لب بولتے ہوئے محمل کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

رات کے دس بج رہے تھے اور وہ اپنے روم میں بیٹھی ہوئی تھی جب حماد اس کے روم میں چلا آیا۔ وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے کسی سوچ میں ڈوبی لگتی تھی۔

"کیا کر رہی ہو؟" حماد کے آنے پر بھی وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔

"کچھ سوچ رہی ہوں۔" حماد اس کے پاس ایک اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں سیمون انکل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" حماد کا سانس اٹکا۔ دل میں جیسے اک درد اٹھا تھا۔

"سیمون انکل... تم ان کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو؟" وہ بمشکل بول سکا۔

"دیکھو نا حماد... سارہ آنٹی جیل چلی گئیں تھیں۔ ان کا بیٹا اس دنیا سے چلا گیا اور وہ تنہا رہ گئے۔ مجھے اتنے سالوں میں ان کا خیال ہی نہیں آیا۔ میں ان کی بہو تھی مجھے ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔"

"تمہیں بڑی جلدی خیال آگیا ان کا۔" اب اس نے گردن موڑ کر حماد کو دیکھا تھا۔

"تم اگر ان کی بہو تھی تو ہم ان کے بھانجے تھے۔ تم اپنے غم میں انہیں بھول گئیں، لیکن ہمیں وہ یاد تھے۔"

"کیا تم جانتے ہو وہ کہاں ہیں؟" وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔

"صرف میں نہیں.... ہم سب جانتے ہیں، وہ کہاں ہیں۔"

"مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔"

"مجھے ان سے ملنا ہے۔ ابھی تو رات ہو گئی ہے لیکن ہم کل سول جائیں گے اور ان سے ملیں گے۔"

"وہ سول میں نہیں ہیں ماریہ۔" حماد نے جس قدر سنجیدگی سے کہا تھا اس نے چونک کر حماد کو دیکھا۔

"وہ تین ماہ پہلے بوسان آ گئے تھے۔"

"تو یعنی اب میں آسانی سے ان سے مل سکتی ہوں۔" وہ خوش ہوتے بولی تھی۔

"تمہیں کیوں ملنا ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔ مجھے بس ان سے ملنا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم کل چلیں گے۔" حماد نے کہا تو نے اثبات میں سر ہلایا اور پیچھے ٹیک لگا لی۔ ایک بار پھر سے وہ ماضی میں جانا چاہتی تھی۔ جہاں وہ تھی اور اس کا شوہر۔

ooooooooooooooooooo

گاڑی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے آکر رکی تھی۔ وہ گھر مکمل دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ حماد ماریہ کو سیمون آفندی سے ملوانے لے آیا تھا۔

"یہ ہے ان کا گھر تم جاؤ مل لو ان سے۔" حماد اسے کہتے ہوئے سیٹ کے ساتھ سر ٹکا گیا۔

"تم نہیں آؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"نہیں... تم جاؤ۔" حماد نے کہا تو وہ سر ہلاتے نیچے اتر گئی۔ دروازے تک آکر اس نے مڑ کر حماد کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے

بیل بجائی۔ ایک منٹ میں دروازہ کھل گیا تھا۔ سامنے ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا تھا۔ اس نے سر سے پیر تک عبائے میں ملبوس اس لڑکی کو دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں اضطراب تھا۔

"جی... آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"سیمون آفندی سے۔"

"سیم... ون... یہ کون ہے؟" اس لڑکے نے جانچتی نظروں سے ماریہ کو دیکھا۔ ماریہ بھی اس کے سوال پر چونکی تھی۔ تبھی اس نے مڑ کر حماد کو دیکھا جو ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ لڑکے نے بھی حماد کو دیکھا۔

"اووو.... سیمون سر سے ملنا ہے... آیئے پلیز۔" اس لڑکے نے فوراً ماریہ کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ اس لڑکے کو عجیب نظروں سے دیکھتی اندر چلی آئی۔ سامنے چھوٹا سا لان تھا جہاں چھوٹی چھوٹی گھاس اگی ہوئی تھی۔ رنگ برنگے پھول بھی لگے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ان

چیزوں میں انٹرسٹڈ نہیں تھی، اسے جلد از جلد سیمون آفندی سے ملنا تھا۔

"میم اس طرف آیئے۔" وہ لڑکا اسے دوسری جانب لے گیا جو گھر کے اندر جاتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتی اندر آئی۔ سامنے چھوٹا سا لاؤنج تھا اور دونوں اطراف میں ایک ایک روم اور سامنے سیڑھیاں تھیں۔

"یہ دائیں جانب سیمون سر کا روم ہے۔" وہ لڑکا دائیں طرف اشارہ کرتا خود باہر چلا آیا۔ اس نے حیرت سے لڑکے کو دیکھا تھا۔

"سنو...۔" وہ جاتے جاتے پلٹا۔ "کیا سیمون آفندی جانتے ہیں کہ ان سے کوئی ملنے آیا ہے۔ میرا مطلب آپ نے بتایا نہیں انہیں۔"

"آج صبح ہی چھوٹے صاحب کا فون آیا تھا کہ آپ بڑے صاحب سے ملنے آرہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں بڑے صاحب کو بتا دوں، تو میں

نے انہیں صبح ہی بتادیا تھا۔ وہ آپ ہی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ کہہ کر پھر سے جانے لگا۔

"یہ چھوٹے صاحب کون ہیں؟" وہ لڑکا گڑ بڑا کر مڑا۔

"حماد..... چھوٹے صاحب۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ماریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" وہ لڑکا فوراً وہاں سے غائب ہوا۔ وہ قدم قدم چلتی اس روم تک آئی۔ ہمت جمع کرتے اس نے دروازہ کھولا۔ اندر و نے منظر پر وہ بری طرح شاکڈ ہوئی تھی۔ سیمون آفندی جائے نماز پر سجدہ ریز تھے۔ اس نے فوراً دروازہ واپس بند کیا اور دو تین گہرے گہرے سانس لیے۔

"یا اللہ..... یہ جو میں دیکھ رہی ہوں کیا یہ سچ ہے... سیمون انکل... جائے نماز... سجدہ... کیا... کیا انہوں نے اسلام قبول کر

لیا۔"اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ دل کا درد بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور اسے سہلانے لگی۔ کچھ دیر تک خود کو نارمل کر کے اس نے دوبارہ دروازہ کھولا۔ اب اندر کا منظر بدل گیا تھا۔ وہ راکنگ چیئر پر بیٹھے، آنکھیں موندے پیچھے ٹیک لگائے جھول رہے تھے۔

"اندر آجاؤ۔"اس نے پھر سے شاک ہوتے سیمون آفندی کو دیکھا۔ وہ اس کی آہٹ پہچان گئے تھے۔

"اس وجود سے میرے بیٹے نے بے انتہا عشق کیا تھا... میں کیسے اس کی آہٹ نا پہچانوں۔ حیران مت ہو۔ اندر آجاؤ۔"وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر آئی۔

"میں آپ کا سامنا نہیں کر پا رہی۔ میں اتنا عرصہ آپ سے بے خبر رہی۔ سمجھ نہیں آرہا کہ کس طرح وضاحت دوں۔"

"مت دو کوئی وضاحت۔ تم آگئی ہو، میرے لیے کافی ہے۔" وہ آنکھیں بند کئے ہی بولے۔ پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس نے ایک نظر سیمون کے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ اس ہاتھ میں دے دیا۔

"مجھے معاف کردو میری پیاری بھانجی... میں تمہارا مجرم ہوں۔ کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی ایسے بے رحمانہ طریقے سے پیش آئے گی۔ میں نے سب سے معافی مانگ لی ہے... بس ایک تم رہ گئی تھیں۔ اللہ سے مہلت مانگی تھی کہ جب تک تم سے معافی نا مانگ لوں، وہ میرے جسم سے روح جدا نا کرے۔" ان کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ماریہ ان کے پاس زمین پر بیٹھ گئی۔

"آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں ماموں جان، مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ اگر کوئی تھا بھی تو آپ نے اسلام قبول کرلیا ہے، یہ جان

کر وہ بھی ختم ہو گیا ہے۔" وہ بند آنکھوں سے مسکرائے تھے۔ ماریہ نے دیکھا جب سے وہ آئی ہے انہوں نے اپنی آنکھیں نہیں کھولیں۔

"آپ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہے ماموں جان۔ دیکھیں تو صحیح، میں ماریہ ہوں۔ آپ کی بھانجی۔ آپ کے بیٹے کی بیوہ۔" سیمون آفندی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں کانپا تھا۔

"آنکھیں کھول بھی لوں تو کیا ہو گا۔ نور تو ان میں رہا نہیں۔" سیمون کے ہاتھ پر ماریہ کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"ک... کیا کہا آپ نے؟"

"میرا ایکسڈنٹ ہوا تھا... جس میں میں نے اپنی آنکھوں کی روشنی ہمیشہ کے لیے کھو دی۔" ماریہ نے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اپنی چینخ روکی تھی۔

"ماموں جان... یہ... یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا.... ماموں جانم" وہ ایک دم ان کے گلے آلگی تھی۔ سیمون آفندی نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کیے۔

"تم کیوں رو رہی ہو ماموں کی جان۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ سے میری بینائی چھین لی۔ اس طرح مجھے احساس تو ہوا کہ میں نے اپنی آدھی زندگی اندھیروں میں گزار دی ہے۔ جب سے آنکھیں بے نور ہوئیں ہیں، دل میں نور آگیا ہے۔ زندگی خوبصورت ہو گئی ہے۔ مجھے اپنے رب سے کوئی گلہ نہیں۔ تم بھی مت رو۔"

ماریہ نے پیچھے ہوتے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"ماموں جان.... اتنا صبر... کہاں سے آیا ہے آپ کے پاس؟"

"جب کسی نقصان کے بدلے میں اللہ مل جائے تو اس نقصان کو کون نقصان کہے گا۔"

"جب آپ کو کچھ نظر نہیں آتا تو آپ کا دل نہیں گھبراتا؟" اس کے آنسو بہتے ہی چلے جا رہے تھے۔

"میری آنکھوں کی روشنی ختم ہوئی ہے، لیکن میرا دل روشن ہو گیا ہے۔ پہلے میں دنیا دیکھتا تھا، اب میں صرف اللہ کو دیکھتا ہوں۔ اب مجھے اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ جب اپنے گناہ یاد آتے ہیں تو مصلہ بچھا کر اس کے حضور سجدے میں گر جاتا ہوں۔ شکر کرنا ہو تو بھی یہی کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں۔ میرے پاس اب سکون ہے۔"

"کاش... جنگلوک بھی آپ کی طرح اسلام قبول کرتے اور اپنی زندگی کو ندامت کے آنسوؤں سے پاک کر لیتے۔" وہ کچھ کھوئی کھوئی سی بولی تھی۔ سیمون آفندی خاموش رہے۔ "میں انہیں آج تک نہیں بھلا سکی۔ صبر بھی نہیں آتا۔ کبھی کبھی اتنی بے بسی محسوس ہوتی ہے کہ دم گھٹنے لگتا ہے۔ دل کرتا ہے وقت پیچھے چلا جائے اور میں

جنگکوک کے پاس چلی جاؤں۔ انہیں روک لوں، انہیں اپنے ساتھ یہ ظلم نا کرنے دوں۔ آپ کے بیٹے نے بہت ہرٹ کیا مجھے ماموں جان۔"

"اس کی مغفرت کے لیے دعا کیا کرو۔ اس سے خفا مت ہونا۔"

"میں خفا نہیں ہوں۔ تنہا ہو گئی ہوں۔"

"تنہائی میں اللہ زیادہ قریب ہوتا ہے۔ تم اللہ سے جنت میں اسے مانگ لو۔ شاید اللہ کو اس کی کوئی بات پسند آجائے اور وہ تمہیں جنت میں مل جائے۔" ماریہ نے نم آنکھوں سے سیمون آفندی کو دیکھا۔

اسے ایک دم سے

کچھ یاد آیا تھا۔

"حماد آتا ہے آپ کے پاس؟"

"اکثر آتا ہے۔ کچھ گھنٹے یہاں گزار کر جاتا ہے۔"

"تو پھر اسے سمجھائیں کہ مجھے کسی اور سے شادی کرنے کا نا کہے۔ میں جنت میں اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہتی ہوں، نا کہ کسی اجنبی کے ساتھ۔"

"کیا اس نے تم سے شادی کی بات کی ہے؟"

"ہاں... اس کا کوئی دوست ہے... عالیان سکندر... جو کہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

"ارے وہ... وہ تو بہت ہی پیارا اور سدھرا ہوا بچہ ہے۔"

"آپ جانتے ہیں اسے؟ آپ کیسے جانتے ہیں اسے؟"

"یہ اسی کا تو گھر ہے۔ میں اسی کے ساتھ یہاں رہتا ہوں۔ بہت ہی نیک اور شریف لڑکا ہے۔" ماریہ نے تو اگلی بات سنی ہی نہیں۔ وہ تو "یہ عالیان کا گھر ہے" پر ہی اٹک گئی تھی۔

"یہ..... یہ اس کا گھر ہے۔ پھر تو وہ ابھی گھر پر ہی ہو گا۔"

"ہاں... اپنے کمرے میں ہو گا۔ یہ جو میرے کمرے کے سامنے کمرہ ہے۔ اسی کا ہے۔" ماریہ کو تو رہ رہ کر حماد پر غصہ آنے لگا تھا۔

("اس حماد کے بچے نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ وہ عجیب لڑکا اس گھر میں رہتا ہے۔ یعنی... یہ اس کا گھر ہے۔") وہ دل میں سوچتے عجیب عجیب سی شکلیں بنا رہی تھی۔

"تو تمہیں عالیان سے شادی کرنے میں کوئی اعتراض ہے؟" اس نے جھٹکے سے سیمون کو دیکھا۔

"ماموں جان.. آپ خود سوچیں۔ میں اور وہ لڑکا، ہم دونوں مختلف ہیں۔ میرے دل میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ایک ایسے لڑکے سے کیسے شادی کرلوں، جسے میں جانتی نہیں۔"

"وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتا ہوں وہ کیسا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ تم ایک دفعہ پھر سے میری بہو بن کر میرے گھر میں آؤ۔ اس دفعہ میں تم دونوں کو کبھی بھی خود سے الگ نہیں کروں گا۔"

"لیکن میرا دل نہیں مانتا...۔"

"میری بات مان لو۔" وہ بڑی آس لیے بولے تھے۔ وہ سوچ میں پڑھ گئی تھی۔

"یہ جنگکوک کے ساتھ بے وفائی ہو گی ماموں جان۔"

"کیا تم اسے بھول نہیں سکتیں؟"

"کبھی نہیں...۔"

"ایک بار عالیان سے مل لینا۔ میری خواہش ہے کہ تم میری بہو بنو۔ انکار مت کرنا۔ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔" ماریہ نے بے بسی بھرے دکھ سے سیمون کو دیکھا تھا۔

"میرا دل تو نہیں مان رہا لیکن... ٹھیک ہے۔ پر میری ایک شرط ہے۔ جب تک میری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی، وہ مجھے تنگ نہیں کرے گا۔ نا مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"ایسا کیوں؟"

"اس کی آواز... جنگلوک سے مشابہت رکھتی ہے۔ ان آنکھوں میں جنگلوک کی جھلک ہے۔ لیکن اس کا لہجہ مختلف ہے۔ وہ انسان ہی مختلف ہے۔ میں ابھی اس بات کے لیے خود کو تیار کرنا چاہتی ہوں۔ تب تک میری تعلیم مکمل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے... میں اسے سمجھا دوں گا۔" سیمون آفندی نے پیار سے کہتے ہاتھ آگے بڑھایا، جسے ماریہ نے تھام کر اپنے سر پر رکھ دیا۔

وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھی رہی۔ اسے دروازے تک چھوڑنے سیمون آفندی خود آئے تھے۔ اس نے احتیاطاً عالیان کے کمرے کی

جانب دیکھا۔دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تبھی دروازہ بند ہوا۔حیرت سے اس کا منہ کھلا۔

"ہونہہ....بدتمیز نا ہو تو۔"اس نے دل میں کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔سیمون آفندی اس سے ذرا فاصلے پر تھے۔

ooooooooooooooooo

موسم گرما شروع ہو چکا تھا لیکن آج موسم اچھا تھا تو وہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی جب عریش اس کے پاس آئی۔

"شام ہونے کو ہے لیکن حماد ابھی تک نہیں آئے۔"وہ بھی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی تھی۔وہاں تین کرسیاں رکھی ہوئیں تھیں اور درمیان میں ایک میز تھی۔

"فون کر لیں۔"ماریہ نے اپنی طرف سے مشورہ دیا۔

"فون کیا تھا۔اٹھایا نہیں۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" ماریہ نے نوٹ کیا وہ کچھ بجھی بجھی سی تھیں۔

"ہاں... بس چکر آرہے تھے... ابھی وومٹ بھی ہوئی ہے۔ عجیب گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔"

"تو پھر ہاسپٹل چلتے ہیں۔" ماریہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"حماد آئیں گے تو..."

"وہ جب آئیں گے تب دیکھ لیں گے۔ ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ماریہ نے کہا تو وہ اس کے ساتھ اٹھ کر چل دی۔

وہ رات کے نو بجے گھر آیا تھا اور کافی تھکا ہوا تھا۔ سیدھا اپنے روم میں آیا تو ماریہ کو اس وقت وہاں دیکھ کر چونکا۔

"خیر تو ہے، تم اس وقت یہاں۔" اپنا بیگ سائیڈ پر رکھتے اس نے ماریہ سے پوچھا۔

"بیوی بیمار ہے تمہاری۔ کچھ پرواہ ہے تمہیں۔ یہ کونسا وقت ہے گھر آنے کا۔"

"کیوں کیا ہوا عریش کو؟" وہ پریشان سا اس کے پاس آیا، جبکہ وہ نظریں جھکائے اپنی مسکراہٹ روک رہی تھی۔

"ڈاکٹر کے پاس گئے تھے ہم۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ expect کر رہی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"خیال رکھا کرو نا اپنا۔ کتنی دفعہ کہا ہے خود پر زیادہ بوجھ...۔" وہ بولتے بولتے ایک دم چونکا اور گردن موڑ کر ماریہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔ پھر حماد نے عریش کو دیکھا، وہ بھی چہرے پر مسکراہٹ لیے حماد کو دیکھ رہی تھی۔

"بابا... میں... میں بابا بننے والا ہوں؟" اس نے اپنی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جیسے کنفرم کرنا چاہا۔ ماریہ

نے ہاں میں سر ہلایا۔

"رئیلی۔" حماد کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"اچھا تم آرام سے خوشی منالو۔ میں اپنے روم میں جارہی ہوں۔" ماریہ مسکرا کر کہتی وہاں سے چلی گئی۔ وہ چھلانگ لگا کر عریش کے دوسری جانب آکر بیٹھا۔

"اب ہماری بھی اولاد ہو گی۔ ہم بھی ماما بابا بن جائیں گیں۔" اس نے عریش کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"بالکل۔"

"میں کتنا خوش ہوں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ انتظار نہیں ہو رہا۔" وہ پر جوش سا کہتا عریش کو ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○

محمل اور منہاج شادی کے لیے کوریا آئے تھے۔اور پھر شادی کے بعد وہ واپس ترکی جانے والے تھے۔ محمل کی رخصتی اس کی ماں کے گھر سے ہوئی تھی۔ خضر حیات کوریا نہیں آئے تھے کیونکہ وہ جہاز کا سفر نہیں کر سکتے تھے۔

شادی کے بعد وہ دونوں ایک ماہ وہاں رہے تھے اور آج ان کی واپسی تھی۔

"تاتو مودے بھی تکی دانا ہے۔" (چاچو مجھے بھی ترکی جانا ہے۔)

یوسف اپنے توتلے اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولا تھا۔

"چاچو کی جان..... اگر آپ کے ماما بابا آپ کے بغیر رہ لیں تو میں بھی آپ کو اپنے ساتھ اٹھا لے جاؤں۔" منہاج نے جھک کر یوسف کے ماتھے پر پیار کیا۔ یمان کے بیٹے کا نام یوسف تھا۔

"دب میں بلا ہو داؤں دا تو میں بھی تکی آؤں وا۔" (جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو میں بھی ترکی آؤں گا۔) وہ سب اس کی باتوں کو انجوائے کر رہے تھے۔

"ہاں ضرور آنا۔ یمان... تم یوسف کو مجھ سے ملانے ترکی لے کر آؤ گے۔" منہاج نے یمان کو وارن کرتے ہوئے حکم دیا تو وہ مسکراتے ہوئے سر ہلا گیا۔ وہ چند ماہ کا بچہ جو بابا کی ٹانگ پکڑ کر بمشکل کھڑا تھا سب سے زیادہ اداس تھا۔ اتنے سے عرصے میں وہ منہاج کے ساتھ اٹیچ ہو گیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○

وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے سول واپس آگئی تھی۔ حماد اور عریش اپنی ایک سال کی بیٹی کے ساتھ اپنے نیو گھر میں شفٹ ہو گئے تھے۔ لیکن ماریہ فرقان ہاؤس میں ہی تھی۔ اس وقت وہ ہاشم کے روم میں اس

کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ چھوٹی میرب کبھی ادھر تو کبھی ادھر جا رہی تھی۔ وہ ایک بار مشکل سے اٹھتی اور پھر گر جاتی۔ پھر اٹھتی پھر گر جاتی۔

"تم نے جتنا وقت مانگا تھا تمہیں دیا گیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم شادی والی بات پر غور کرو۔" وہ جس بات سے بچنا چاہتی تھی ہاشم وہی کہہ رہا تھا۔

"بھائی اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ کیا کچھ اور وقت نہیں مل سکتا؟"

"بالکل بھی نہیں۔ پہلے ہم نے تمہاری بات مانی تھی اور اب تمہیں ہماری ماننی ہو گی۔ اگلے جمعے تمہارا نکاح ہے عالیان کے ساتھ۔ تب تک تم اچھی طرح سے سوچ لو۔"

"اگلے جمعے..... اتنی جلدی۔"

"یہ کوئی جلدی نہیں ہے۔دو سال سے یہ پینڈگ پر تھی۔اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔"وہ سنجیدگی سے کہتا باہر نکل آیا تھا۔وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی جب میرب اس کے پاس آکر گری۔اس کی سوچوں کو وہیں بریک لگی۔

"پھوپھو کی جان...ادھر آؤ۔"اس نے میرب کو اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔تبھی تسبیحہ اندر آئی۔

"دیکھیں بھابھی......یہ گری ہے لیکن ابھی تک روئی نہیں۔مجھے لگتا ہے اس گھر کی نیو جنریشن بہت اسٹرانگ ہے۔"وہ مسکرا کر کہتی میرب کو گود میں لیے کھڑی ہو گئی۔

"بالکل اپنی پھوپھو کی طرح۔"تسبیحہ بھی مسکراتے ہوئے اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"بالکل بھی نہیں...یہ آپ کی طرح ہے۔"وہ ہولے سے ہنس دی۔

"ہر انسان کسی نا کسی ٹریجڈی کے بعد ہی مظبوط ہوتا ہے۔ تمہیں لگتا نہیں ہے لیکن تم بہت مظبوط ہو۔" تسبیحہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"سب کو لگتا ہے کہ میں مظبوط ہوں۔ لیکن میرے اندر اس وقت جو تکلیف اٹھی ہے۔ اس سے سب بے خبر ہیں۔" وہ میرب کو ساتھ لگائے بولی تھی۔

"کوئی بھی بے خبر نہیں ہے۔ اپنے بی لوڈ ہسبنڈ سے بچھڑ جانے کا دکھ میرا اور تمہارا اک جیسا ہے۔"

"آپ کو پانچ سال بعد اپنا شوہر واپس مل گیا تھا اور مجھے...... مجھے ساری زندگی اک انجان آدمی کے ساتھ گزارنی پڑے گی۔ میں اپنے بی لوڈ ہسبنڈ کو نہیں بھلا سکتی بھابھی۔" تسبیحہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"تم جانتی ہوں مجھے بھی عالیان اچھا نہیں لگا تھا تمہارے لیے۔ تمہارا کپل صرف جنگکوک کے ساتھ اچھا لگتا تھا۔ پھر میں نے عالیان کو دیکھا۔ اس سے ملی۔ اس کی عادتیں، اس کا بولنا، اس کی آنکھیں، اس کی آواز، بہت کچھ تھا جو جنگکوک کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ اس لیے میں چاہوں گی کہ تم عالیان کے بارے میں اچھا گمان رکھو۔"

"مشابہت رکھنے اور حقیقت میں ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے بھابھی۔" اس نے قدرے مسکرا کر کہا اور میرب کو اٹھائے باہر چلی آئی۔ تسبیحہ نے نم آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"تم نہیں جانتی، اللہ تم سے بہتر لے کر بہترین دینے جا رہا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ تمہاری چیز تمہیں مقررہ وقت پر مل جائے گی۔ وہ تمہیں اتنا زیادہ دینے جا رہا ہے کہ تم خوش ہو جاؤ گی۔" اس نے پر سکون انداز سے کہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

جمعے کا وہ دن ماریہ کی زندگی میں آ ہی گیا تھا جب وہ کسی اور کے نام ہونے جا رہی تھی۔ عالیان سکندر اور سیمون آفندی نکاح کے لیے آ گئے تھے۔ نکاح بہت سادگی سے ہوا تھا۔ ماریہ نے آف وائٹ فراک پہنی ہوئی تھی جو پاؤں تک آتی تھی۔ ہاتھوں میں موتیے اور سرخ پھولوں کے گجرے تھے۔ دوپٹے کو پنز کے ساتھ سیٹ کیا ہوا تھا۔ اس کے برعکس عالیان نے وائٹ شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی اور کندھوں پر براؤن شال اوڑھے ہوئے تھا۔ ہلکی ہلکی شیو بھی تھی۔ وہ بالکل کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ اس نے یہ لک انٹرنیٹ سے دیکھی تھی، خاص اپنے نکاح کے لیے۔

نومبر کا مہینہ تھا اور موسم بھی اچھا خاصہ ٹھنڈا تھا۔ایک بار پھر وہ اپنے روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ منہاج اور محمل بھی آئے ہوئے تھے۔ان کی پانچ ماہ کی بیٹی بھی تھی۔ جس کا نام پریشے گل تھا۔

نکاح خواں، یاور اور ہاشم کے ہمراہ روم میں آئے تھے۔اس کے ساتھ فرح اور تسبیحہ بھی تھیں۔ماریہ کا چہرہ بڑے سے دوپٹے کے ساتھ چھپایا گیا تھا۔

"ماریہ بنت فرقان احمد آپ کا نکاح عالیان سکندر والد سکندر آفندی کے ساتھ باعوض حق مہر پچاس لاکھ سکہ رائج الوقت کیا جاتا ہے، کیا آپ کو قبول ہے۔"

اسے بے ساختہ جنگکوک یاد آیا تھا۔اس کا دل چاہا انکار کر دے اور کہیں بھاگ جائے۔

"بولو بیٹا! کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔" وہ نا انکار کر سکی تھی اور نا ہی بھاگ سکی تھی۔ سب کے رکے ہوئے سانس بحال ہوئے۔ نکاح وغیرہ کی رسومات ختم ہوتے کھانا کھایا گیا تھا۔ عالیان اور سیمون آفندی، سول میں آفندی ہاؤس میں ہی رکے تھے۔ کچھ دن مزید یہاں رک کر وہ واپس بوسان جانے والے تھے۔ وہ چھ سال بعد رخصت ہو کر اسی گھر میں آئی تھی جہاں وہ جنگکوک کے ساتھ آئی تھی۔ اسی کمرے میں وہ دلہن بن کر بیٹھی تھی۔ اس کمرے میں اس شخص کی خوشبو تھی۔ اس کے بغیر یہ کمرہ خالی تھا۔ اچانک اس کے دل میں درد۔ اٹھا۔ وہ کراہ کر رہ گئی۔ وہ آنسو سے روتی اپنا چہرہ چھپا گئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ کافی رات گئے روم میں آیا تھا۔ماریہ نے کبھی عالیان کو نہیں دیکھا تھا۔آج وہ پہلی بار اسے دیکھنے جا رہی تھی۔وہ کھڑکی کے پاس کھڑی چاند کو تک رہی تھی۔جب وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

"اسلام علیکم۔"وہ اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ماریہ کی دھڑکنیں تیز ہوئیں لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔

"کوئی غیر بھی اگر سلام کرے تو جواب دے دیتے ہیں۔میں تو پھر آپ کا شوہر ہوں۔"وہ اپنی مسکراہٹ دبائے سجیدگی سے بول رہا تھا۔

"واعلیکم اسلام۔"وہ مڑے بغیر بولی۔

"کیا آپ ہمیں آج بھی دیدار کا شرف نہیں بخشیں گی؟"وہ ذرا سا جھکا تھا۔

"تم کب سے مجھے آپ کہنے لگے؟"

"جب سے آپ نے مجھے تم کہنا شروع کیا ہے۔"

"میں تو شروع سے ہی تمہیں تم کہتی تھی۔"

"غلط... تم شروع سے مجھے آپ کہتیں تھیں۔"

"میں اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔" وہ کچھ بیزار سی بولی۔

"ٹھیک ہے... مت دکھاؤ اپنا چہرہ..... لیکن کیا تمہیں مجھے دیکھنے کا بھی تجسس نہیں ہے؟"

"نہیں....... جاؤ پلیز۔ء

"اوکے۔" وہ کہتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوا۔ پھر رک کر اسے دیکھا

اور.....

خدا کے لیے چھوڑ دو اب یہ پردہ

کہ ہیں آج ہم تم، نہیں غیر کوئی

شب وصل بھی ہے حجاب اس قدر کیوں

ذرا رخ سے آنچل اٹھا کر تو دیکھو

وہ دلکشی سے گنگناتا بیڈ پر بیٹھ گیا تھا جبکہ ماریہ تو اس کی خوبصورت آواز میں کہیں کھو سی گئی تھی۔

جفائیں بہت کیں، بہت ظلم ڈھائے

کبھی اک نگاہ کرم اس طرف بھی

ہمیشہ ہوئے دیکھ کر مجھ کو برہم

کسی دن ذرا مسکرا کر تو دیکھو

ابھی اس کا آخری فقرہ مکمل ہوا تھا جب وہ ایک جھٹکے سے مڑی۔ اور پھر وہیں ساکت رہ گئی۔ اس کی ساری دنیا وہیں رک گئی تھی۔ آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں تھیں جبکہ بیڈ پر بیٹھا وجود جھٹکا کھا کر اٹھا۔

"ماریہ۔۔۔۔" وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"ج... جنگکوک... آپ... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ کسی ٹرانس میں بولی تھی۔

"میں یہاں کیا کر رہا ہوں... یہ پوچھ رہی ہو تم مجھ سے؟" اس کے سوال پر ماریہ کا سر ہاں میں ہلا۔

"پہلی بات... میں جنگکوک نہیں ہوں.... عالیان ہوں۔ اور دوسری بات... آج میری شادی ہوئی ہے تو میں اپنی بیوی کے پاس ہوں۔" ماریہ کا دماغ یہ سب access نہیں کر پا رہا تھا۔

"یہ..... یہ سب کیا ہے۔ کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے۔"

"آرام سے بیٹھو... میں بتاتا ہوں۔"

"کیا.... کیا بتائیں گے؟ مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا کہ ہوا کیا ہے؟ کیا میرے ساتھ کوئی مذاق ہوا ہے۔ کوئی مرا ہوا انسان واپس کیسے آ سکتا۔"

"یار مرا ہوا تو نا کہو.. زندہ ہوں میں اور...... مجھے بچا لیا گیا تھا۔"

ماریہ کو تو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"جس نے بھی آپ کو بچایا تھا... وہ بھی دھوکے باز ہے۔"

"میرے زندہ ہونے پر تمہیں کوئی خوشی محسوس نہیں ہو رہی؟"

"خوشی؟...... میں چھ سال سے...... چھ سال سے کس اذیت میں ہوں، اس کا اندازہ نہیں ہے آپ کو۔ چھ سال سے آپ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں۔ چھ سال سے تماشا دیکھ رہے تھے آپ؟" وہ سخت غصے میں لگتی تھی۔

"ایک منٹ..... کیا میری فیملی بھی اس سب میں شامل تھ" وہ کچھ مشکوک ہوئی۔

"ہاں... مگر انہیں تین سال پہلے ہی پتا چلا تھا."

"چھ سال سے کس کو پتا تھا؟" عالیان نے رک کر اسے دیکھا۔اور پھر ایک نام اس کی زبان سے نکلا۔

"تیمور"

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہم اکثر سمجھتے ہیں

جسے ہم پیار کرتے ہیں

اسے ہم چھوڑ سکتے ہیں

مگر ایسا نہیں ہوتا

محبت دائمی سچ ہے

محبت ٹھہر جاتی ہے

ہماری بات کے اندر

ہماری ذات کے اندر

مگر یہ کم نہیں ہوتی

کسی بھی دکھ کی صورت میں

کبھی کوئی ضرورت میں

کبھی انجان سے غم میں

ہماری آنکھ کے اندر

کبھی آب رواں بن کے

کبھی قطرے کی صورت میں

محبت ٹھہر جاتی ہے

یہ کبھی کم نہیں ہوتی

کبھی کبھی چیزیں بہت غیر متوقع ہوتی ہیں۔انسان جس بات کو ناممکن سمجھ کر بھول جاتا ہے، وہ ایک دم سے کسی معجزے کی طرح ہو جاتی ہیں۔اللہ کے کن فیکون پر ناممکن، ممکن ہو جاتا ہے۔معجزے ہو جاتے ہیں۔اور اس وقت ایک معجزہ ماریہ کے سامنے تھا۔اس کا معجزہ

اس کی آنکھوں میں بہت سامان لیے ہوئے تھا۔ لیکن ماریہ کی آنکھوں میں کئی سوال تھے۔

"کون تیمور؟" یہ پہلا سوال تھا جو اس نے خود کو نارمل کر لینے کے بعد پوچھا تھا۔

"تم ملنا چاہتی ہو اس سے؟" عالیان نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔ لیکن عالیان نے برا نہیں منایا۔ یہ اس کے ایکشن کا ری ایکشن تھا۔

"ہاں، ملنا چاہتی ہوں، ابھی، اسی وقت۔" وہ درشتی سے بولی تھی۔

"اس وقت؟ ٹائم دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ صبح کے تین بج رہے ہیں۔"

"صبح کے تین بجیں، یا چار بجیں۔ میں نے کہا کہ مجھے ابھی اور اسی وقت تیمور سے ملنا ہے، تو ملنا ہے۔ میں بھی تو دیکھوں، کون شامل تھا آپ کے اس جھوٹ میں آپ کے ساتھ۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔

عالیان کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تیمور وہ ہے، جو ہمارے ہجر کی وجہ بنا تھا۔ اسی شخص نے تمہیں اس رات میسیجز کیے تھے۔ اس رات اس شخص سے جنگلوک نے نفرت کی تھی۔ لیکن اسی شخص سے آج عالیان محبت کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان ہے جس نے مجھے تمہارے قابل بنایا۔"

"مجھے باتوں میں لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ نہیں جائیں گے تو میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ غصے سے کہتی دروازے کی جانب بڑھی۔

"رکو..... کہاں جا رہی ہو۔" وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔ "کہاں جا رہی ہو۔" عالیان نے اس کا بازو پکڑ کر اسے واپس کھینچا۔ وہ اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ وہاں خاموشی تھی۔ مکمل خاموشی۔ اگر یہ سب نا ہوا ہوتا تو وہ ایک حسین لمحہ ہوتا۔ ایک خوبصورت منظر ہوتا۔

"تیمور سے ملنے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا۔

"تو تم نہیں مانو گی؟"

"نہیں۔"

"چلو پھر... آج تمہیں تیمور سے بھی ملوا دیتا ہوں۔" وہ ہار مانتے ہوئے گاڑی تک آیا۔ وہ بھی اپنی فراک سنبھالتی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ عالیان نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر گاڑی وہاں سے اڑا لے

گیا۔ گاڑی کے شیشے کالے تھے۔ ان شیشوں سے باہر کا منظر نظر آتا تھا لیکن اندر کا نہیں۔

OOOOOOOOOOOOOO

کچھ دیر میں وہ گاڑی ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے آ کر رکی۔ وہ گاڑی سے باہر آئی تو ٹھٹک گئی۔ وہ اس گھر کو جانتی تھی، پہچانتی تھی کہ یہ کس کا گھر ہے۔ اس نے مڑ کر کڑے تیوروں سے جنگلوک کو دیکھا جو اس کے پیچھے ہی گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ وہ شانے اچکاتا دروازے تک آیا اور پھر گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

"جب گھنٹی پر ہاتھ رکھو تو اسے اٹھانا بھی ہوتا ہے، کیا تمہیں اس بات کا پتا نہیں ہے؟" وہ سامنے کھڑا تھا جبکہ ماریہ کبھی اسے تو کبھی عالیان کو دیکھ رہی تھی۔

"تم دروازہ کیوں نہیں کھول رہے تھے؟"

"جہاں تک مجھے پتا ہے، یہ وقت انسانوں کے سونے کا ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں کہاں پتا ہو گا، تم تو ایک نمبر کے الو ہو۔" وہ نیند سے لبریز آنکھیں لیے بولا۔ تیمور نے ابھی تک ماریہ کو نہیں دیکھا تھا جبکہ وہ اسے دیکھ چکی تھی اور اب آنکھوں میں طیش لیے اسے گھور رہی تھی۔

"سامنے سے ہٹو۔ اندر آنا ہے۔"

"

کیوں؟ کیا بیوی نے گھر سے نکال دیا ہے؟"

"نہیں.... نکالا نہیں ہے۔البتہ..... ساتھ ضرور آئی ہے۔"

"اچھا۔وہ بھی آئی ہے۔آجاؤ۔دونوں اندر آجاؤ۔" وہ اپنے دھیان میں بولتا سامنے سے ہٹا،اور پھر ایک دم جیسے اس کی نیند غائب ہوئی۔ اس نے کرنٹ کھا کر ماریہ کو دیکھا جو ماتھے پر بل ڈالے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تیمور نے بہت سارا تھوک ایک ساتھ نگلا۔

"ت.... تم دونوں اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو؟" اب اس کا دماغ مکمل طور پر جاگا تھا۔

"میری بیوی تیمور سے ملنا چاہتی تھی،اور اس سے مل کر پچھلے چھ سالوں کا حساب پورا کرنا چاہتی تھی۔اسی لیے اسے یہاں لے آیا۔" عالیان میسنی ہنسی ہنستے سائیڈ پر ہو گیا۔

"تیمور کہاں ہے؟اور آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" وہ دروازے پر کھڑے وجود کو اگنور کرتی عالیان کی طرف آئی۔

"آ..... تیمور کو دو دن ہو گئے یہاں سے شفٹ ہوئے۔ وہ اب یہاں نہیں رہتا۔" دروازے پر کھڑے وجود نے جلدی سے دروازہ بند کرنا چاہا جو عالیان کے بھاری ہاتھ سے رک گیا۔

"یہی تو ہے... تیمور۔ اسی نے بچایا تھا مجھے۔" ماریہ نے ایک نظر عالیان کو دیکھا اور پھر دروازے پر کھڑے وجود کو۔

"یہ تو حماد ہے۔"

"یہی تیمور ہے۔"

"میں مذاق کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں۔" وہ تنبیہی انداز میں بولی۔ حماد کے لبوں پر شریر مسکراہٹ ابھری۔ جیسے کہہ رہا ہو، دیکھو اسے تم پر یقین نہیں ہے۔ عالیان محض گھور کر رہ گیا۔

"وہ مذاق نہیں کر رہا۔ تم اندر آؤ، بات کرتے ہیں۔" حماد کہتے ہوئے

دروازے سے ہٹ گیا۔ عالیان بھی اسی کے پیچھے اندر چلا آیا۔ ماریہ

بھی اپنی فراک سنبھالتی اسی کے پیچھے چلی آئی۔۔

"باہر کون ہے حماد؟" عریش نائٹ ڈریس میں باہر آئی تھی، لیکن

آتے ہوئے دوپٹا لے کر آئی تھی۔

"مہمان ہیں.....۔"

"اس وقت..۔" پوچھتے ہوئے اس نے حماد کے پیچھے اندر آتے ماریہ

اور عالیان کو دیکھا۔ اسے اچھنبا ہوا۔

"تم دونوں کی آج ہی شادی ہوئی ہے۔ تم دونوں یہاں کیا کر رہے

ہو؟" اس کے چہرے پر شریر مسکان ابھری۔

"آپ کے شوہر سے حساب لینے آئی ہوں۔" ماریہ غصے سے کہتی

آگے آئی۔ "میں اس میسنے کے سامنے روتی تھی۔ اپنا دکھ بتاتی تھی اور

یہ سب جانتے ہوئے مجھے بس اتنا کہنا تھا کہ میری پیاری بہن صبر کرو۔ تمہارے رونے سے وہ واپس تو نہیں آجائے گا نا۔ "اس نے گھورتے ہوئے حماد کو دیکھا۔ عریش اپنی مسکراہٹ روکے ہوئے تھی۔

"آپ کو لگ رہا تھا کہ یہ کوئی ہیپی اینڈنگ ہے؟ میں جب جنگکوک کو دیکھوں گی تو کچھ نہیں کہوں گی۔ بس چپ چاپ ہر چیز کو قبول کر لوں گی۔ جو میرے حصّے کا سچ ہے، اسے جاننے کی کوشش نہیں کروں گی؟" وہ بس سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"تو کیا یہ ہیپی اینڈنگ نہیں ہے؟" ماریہ نے عریش کو دیکھا۔

"آپ بھی جانتی تھیں نا.... آپ بھی اپنے شوہر کے ساتھ ملی ہوئیں تھیں۔" اب مشکوک انداز سے کہتی عریش کے قریب آئی۔

"اف لڑکی... تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے ہم کوئی جاسوس ہیں... یا کسی کا قتل کر کے آئے ہیں۔ جو میں اس جرم میں اپنے شوہر کے ساتھ برابر کی شریک تھی۔"

"قتل ہی کیا ہے۔ میری خوشیوں کا۔" وہ غصے سے کہتی صوفے پر بیٹھ گئی۔ شکل بالکل رونے والی ہو گئی تھی۔ عالیان بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"اب رونا شروع مت ہو جانا۔" عالیان نے التجائیہ کہا تھا۔ جواباً اُس نے اچھا خاصا گھورا تھا اسے۔

"تو مسٹر حماد عرف تیمور صاحب آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو کونسی ایسی مجبوری آن پڑی تھی کہ آپ کو حماد سے تیمور بننا پڑا؟" عالیان کو اگنور کرتے ہوئے اس نے حماد کو پوچھا۔

"زندگی بور ہو رہی تھی۔ سوچا خود کو تھوڑا انٹرٹین کیا جائے۔" وہ پر سکون سا کہتا دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ماریہ نے سختی سے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

"یہ بتاؤ...... جنگلوک کو کیسے بچایا تھا؟"

"یہ تم مجھے جنگلوک جنگلوک کہنا بند کرو... میرا نام عالیان ہے۔"

"تو پھر مسٹر عالیان صاحب آپ بھی میری بات غور سے سنیں... میں جنگلوک سے محبت کرتی تھی.... عالیان سے نفرت ہے مجھے۔"

اسے اس وقت جتنا غصہ آ رہا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پتا نہیں کیا کر جائے۔

"ابھی جب میں تمہیں ماضی کا قصہ سناؤں گا تو تمہیں عالیان سے بھی محبت ہو جائے گی۔" حماد نے عالیان کے چہرے کو دیکھا تھا جو ماریہ کی بات پر بجھ گیا تھا۔

"ظاہر ہے..... نام ہی بدلا ہے..... انسان تو وہیں ہیں۔"

"انسان بھی بدل گیا ہے۔" حماد نے فوراً جواب دیا تھا۔

"میں اس شکل سے محبت کرتی ہوں..... لیکن اس وقت ناراض ہوں۔ جب تک تم لوگ کوئی صفائی یا وجہ پیش نہیں کرتے..... معاف نہیں کروں گی۔" وہ عالیان کی طرف سے رخ پھیر گئی تھی۔ عالیان اور حماد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عریش بھی حماد کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

"تم جاننا چاہتی ہو کہ چھ سال پہلے کیا ہوا تھا۔ چلو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کیسے اس دن تمہارے شوہر کو ریسکیو کیا گیا تھا، کیسے اس کی زندگی نے یوٹرن لیا تھا، اور کیسے وہ مسلمان سے مومن بنا تھا۔" لفظ مومن پر ماریہ نے گردن موڑ کر عالیان کو دیکھا۔ وہ اس ساری صورتحال میں پہلی دفعہ عالیان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی ہی میں بدل

گیا تھا۔ وائٹ کاٹن کے کرتا پاجامہ میں وہ بہت وجیہہ سا لگ رہا تھا۔ اس کی شخصیت میں نکھار آ گیا تھا۔ کندھوں پر شال اس کو ہینڈسم بنا رہی تھی۔ وہ اس کا جنگکوک تھا۔

"نام سے کیا ہوتا ہے..... معنی اچھا ہو تو جنگکوک بھی اچھا ہے۔" وہ اتنا بول کر خاموش ہو گئی تھی۔ اس کا جنگکوک دھیرے سے مسکرایا تھا۔ اور اس اسمائل سے وہ نظریں نہیں ہٹا پاتی تھی۔ وہ اپنے جنگکوک کو دیکھنے میں مصروف تھی جب حماد نے بولنا شروع کیا۔ حماد بول رہا تھا اور وہ جنگکوک کی آنکھوں میں اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ حماد کے الفاظ کسی فلم کی طرح اس کے سامنے تھے۔

ooooooooooooooooooooooo

وہ اک اداس اور دل لرزا دینے والی شام تھی جو پورے سول کو لیے دھیرے دھیرے ڈوب رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی، سوائے

سمندر کی لہروں کے۔ وہ رفتہ رفتہ سمندر کے اندر جا رہا تھا۔ وہ اپنے غم میں اتنا مگن تھا کہ اس نے دیکھا ہی نہیں کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا ہے۔ وہ حماد تھا۔ سینے پر بازوؤں باندھے، لب بھینچے وہ دکھ سے جنگلوک کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ہر وقت جنگلوک پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ اسے کسی بھی بڑے نقصان سے بچانا چاہتا تھا۔ ابھی بھی کچھ دیر پہلے ہی اس نے ریسکیو ٹیم کو کال کر کے بلایا تھا۔ وہ خود اسے روک سکتا تھا لیکن اس نے نہیں روکا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جنگلوک نہیں رکے گا۔ اندر کہیں حماد کا دل بھی ڈوب رہا تھا کہ اگر ریسکیو ٹیم وقت پر نا پہنچی تو؟ اگر جنگلوک سچ میں پانی میں ڈوب گیا تو؟ اس خیال کے آتے ہی حماد کے قدم خود بخود ہی سمندر کی جانب اٹھے وہ چل نہیں رہا تھا، وہ بھاگ رہا تھا۔

"جنگکوک رکو.... جنگکوک رک جاؤ۔ مت جاؤ آگے... آگے موت ہے۔" وہ اسے آوازیں دیتا اس کی جانب بھاگ رہا تھا۔ وہ اسے روک لینا چاہتا تھا لیکن جنگکوک اس کی سن کہاں رہا تھا۔ جنگکوک گردن تک اندر جا چکا تھا اور حماد کے قدموں سے جان نکل رہی تھی۔ لیکن وہ رکا نہیں، بس بھاگتا گیا۔ پیچھے ریسکیو ٹیم کی گاڑیاں بھی رکیں تھیں۔

"جنگکوک پلیز رک جاؤ۔" وہ پست آواز میں بولا تھا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہاں جنگکوک نظر آنا بند ہوا اور یہاں حماد گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ اسے لگا جیسے واقعی ہی اس کی جان نکل رہی ہے۔ ریسکیو ٹیم کے افراد بھی بھاگتے ہوئے اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ کچھ حماد کے پاس رکے اور کچھ جنگکوک کی جانب بھاگے۔

صرف پانچ منٹ لگے تھے جنگکوک کو پانی سے باہر لانے میں۔ اس کی

آنکھیں بند ہو رہیں تھیں۔ وہ کھانس رہا تھا۔اور حماد کے چہرے پر آنسوؤں پھسلنے لگے۔اس نے نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور تشکر سے مسکرایا۔اور پھر اسی بھیگی ریت پر سجدہ ریز ہو گیا۔

"یااللہ... تیرا شکر ہے.... تو نے مجھے وسیلہ بنایا۔تو نے جنگکوک کو بچالیا۔ یااللہ اسے اپنی زندگی سنوارنے کا ایک موقع دے دے... بس ایک موقع۔" کہتے ہوئے وہ سجدے سے اٹھا۔منہ پر ہاتھ پھیر کر اس نے اپنے پیچھے دیکھا جہاں جنگکوک کو اٹھا کر گاڑی کے اندر ڈال رہے تھے۔وہ بھی ان کے پیچھے چلا آیا اور پھر گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

جنگکوک کو صبح ہوش آگیا تھا۔حماد اس کے سر پر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو... اور کیوں بچایا مجھے ؟"جنگکوک کو اس وقت وہ بہت برا لگ رہا تھا۔

"کیونکہ میں اپنی بہن کو بھری جوانی میں بیوہ نہیں ہونے دے سکتا تھا۔"حماد نے خاصا چبا کر جملہ ادا کیا تھا۔

"وہ خود چھوڑ کر گئی تھی مجھے۔اس نے کہا تھا مر جاؤ۔اسے تو پرواہ بھی نہیں ہو گی میری۔"کہتے ہوئے اس کے چہرے پر کرب تھا، جسے حماد نے نوٹ کیا تھا۔

"اسے فرق پڑا تھا جنگکوک۔"حماد کے سنجیدگی سے کہنے پر جنگکوک نے گردن موڑ کر حماد کو دیکھا۔

"مطلب؟"

"کل رات سے فرقان ہاؤس میں تمہاری موت کا سوگ منایا جا رہا ہے.....جب میں نے کہا کہ جنگکوک... مر

گیا ہے تو جانتے ہو اس کا کیا ری ایکشن تھا؟"

"کیا ری ایکشن تھا؟"

"اس نے میرے منہ پر کھینچ کر ایک تھپڑ مارا تھا، اور کہا کہ بے شک میں تم سے نفرت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے حوالے سے میں کوئی بھی ایسی بکواس کروں۔" جنگکوک نے چند لمحے خاموشی سے حماد کو دیکھا۔

"تم نے جھوٹ کیوں کہا؟"

"نہیں.... میں نے جھوٹ نہیں کہا جنگکوک..... تم واقعی ہی مر چکے ہو۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ نشے میں ہو کیا؟"

"اللہ کا شکر ہے کہ یہ حرام کام میں نہیں کرتا۔"

"جھوٹ بھی تو حرام ہے..... وہ کیوں بولا؟"

"پتا نہیں کیوں بولا... تم مجھے یہ بتاؤ تمہیں آخر خودکشی کر کے کیا ملے گا؟ کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو؟"

"میں جینا نہیں چاہتا۔ چند لوگ تھے میرے پاس، جن سے میں نے محبت کی تھی، اور میرے مشکل وقت میں وہی میرے ساتھ نہیں۔ اور جہاں آپ کے اپنے آپ کے ساتھ نہیں تو کیا فائدہ جینے کا۔"

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ ہم صرف دوسروں کے لیے جیتے ہیں؟ ہم اپنے لیے بھی تو جی سکتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ زندگی میں رشتوں کی لائینیں لگی ہوں تو ہی جیا جائے۔ ہم اللہ کے لیے بھی تو جی سکتے ہیں۔ اللہ کے لیے جینے والوں کو ان رشتوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔" وہ بہت نرمی سے بول رہا تھا۔ جنگکوک نے

ای نظر اسے دیکھا اور پھر نظریں چرا گیا۔

"میں تم سب سے شرمندہ ہوں۔ شاید اس لیے بھی میں..... جینا نہیں چاہتا۔"

"ہم سب سے کیوں شرمندہ ہو تم؟"

"کیونکہ... میری ما... میرا مطلب مسز آفندی نے جو بد قسمتی سے میری ماں تھی... وہ پھوپھو کی قاتل ہے۔ مجرم کوئی اور تھا اور تم ساری زندگی اپنی بہن سے نفرت کرتے رہے۔ شرمندہ نا ہوں تو اور کیا کروں۔"

"تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے جنگلوک۔" حماد کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ بھول جاؤ۔ اپنی نئی زندگی کی شروعات کرو۔"

"نئی زندگی.... شروعات؟ میری تو زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔ پہلے تمہاری بہن چھوڑ کر چلی گئی۔ پھر میری ماں کی حقیقت... میرا اس سب کے بعد جینے کا دل نہیں کرتا۔"

"کیا تمہاری زندگی میں یہ سب لوگ اتنے اہم ہیں کہ تم ان کے لیے جینا چھوڑ دو؟" حماد کے سوال پر جنگلوک نے چونک کر اسے دیکھا۔

"حماد..... وہ کوئی غیر نہیں، میرے اپنے تھے۔ میری ماں تھی، جو میرے لیے ایک عظیم خاتون تھی۔ دوسری عورت میری بیوی تھی۔ جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ جو میرے لیے معتبر ہے۔ میں کیسے ان کے بغیر جی سکتا ہوں۔"

"جی سکتے ہو... بہت سارے راستے ہیں جن پر چل کر تم زندگی جی سکتے ہو۔ اور وہ سارے راستے میں تمہیں دکھاؤں گا۔" حماد نے مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔

oooooooooooo

وہ شام کو گھر آ گیا تھا اور ابھی اپنے روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہ گھر تھا جہاں ماریہ اور جنگکوک رہتے تھے۔ حماد بھی اسی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"کھانا نہیں کھا رہی وہ۔ اسے لگتا ہے کہ اس کے رونے اور کھانا نا کھانے سے تم واپس آ جاؤ گے۔" حماد سنجیدگی سے بولا تھا۔ جبکہ جنگکوک نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"تم اسے اذیت دے رہے ہو، اور یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔" جنگکوک کہتے ہوئے بیڈ سے نیچے اترا اور دروازے کی جانب بڑھا۔ حماد تیزی سے اٹھ کر اس کے سامنے آیا۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟"

"اسے یہ بتانے کہ میں زندہ ہوں۔"

"پاگل ہو گئے ہوں... کچا چبا جائے گی وہ مجھے۔"

"تم اسی کے مستحق ہو۔"جنگکوک نے کہتے اسے کندھے سے پکڑ کر پیچھے کیا۔

"وہ تمہیں اس حلیے میں قبول نہیں کرے گی۔"حماد کے کہنے پر جنگکوک کے قدم رکے۔وہ ایڑھیوں کے بل گھوما۔

"کیا مطلب؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم اس کے پاس جاؤ گے۔اسے بتاؤ گے کہ تم زندہ ہو تو وہ تمہیں قبول کرلے گی؟ نہیں جنگکوک....وہ تمہیں قبول نہیں کرے گی۔ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں زندہ دیکھ کر جذباتی ہو جائے... لیکن وہ واپس پھر بھی نہیں آئے گی۔"جنگکوک نے حماد کو دیکھا اور پھر مرے مرے قدموں سے بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔

"پھر.....مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"انتظار۔"

"کس کا انتظار؟"

"اچھے وقت کا انتظار۔"

"اور یہ اچھا وقت کب آئے گا؟"

"اچھا وقت کبھی خود چل کر نہیں آتا... خود لایا جاتا ہے۔اور یہ اچھا وقت تم خود لاؤ گے۔"

"میں.... میں کیسے؟"

"وہ ایسے کہ تم صبح میرے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے اٹھو گے۔" حماد اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"انسان ہر کام پہلی دفعہ ہی کرتا ہے۔اس دفعہ وہ انسان تم ہی سہی۔ اور میرے ہوتے ہوئے تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔میں تمہیں سکھاؤں گا۔"اس کی بات پر جنگکوک نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"مجھے....ماما سے ملنا ہے۔"جنگکوک کی بات پر حماد دھیرے سے مسکرایا۔

"بالکل...... تمہیں ملنا چاہیے ان سے۔ صبح نماز کے بعد ملنے چلیں گے۔"

"کیا صبح نماز پڑھنا ضروری ہے؟"اس نے اکتاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں... بالکل بھی نہیں۔تم اب بھی پڑھ سکتے ہو۔"حماد ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"میں مذاق کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں۔"

"مسلمان ہو؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟ کلمہ پڑھا ہے تو مسلمان ہی ہوا نا۔"

"تمہیں واقعی ہی لگتا ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے صرف کلمہ ہی کافی ہے؟" جنگکوک ایک بار پھر چونکا تھا۔

"ہاں......تو۔"

"تو تمہیں غلط لگتا ہے۔ ٹھیک ہے تم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن تم نے مسلمان رہنا پسند نہیں کیا۔"

"کیا بول رہے ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔"

"خاموشی سے سنو تو سمجھ آئے نا۔ میں بتا رہا ہوں نا۔" حماد نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو جنگکوک نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

"سنو......تم نے کلمہ پڑھا، تم مسلمان ہو گئے۔ لیکن نماز پڑھ کر تم مسلمان رہ سکتے تھے لیکن تم نماز نہیں پڑھتے، جبکہ نماز مسلمان اور

غیر مسلمان میں فرق کرتی ہے۔ تو جب ایک انسان نماز نہیں پڑھتا تو وہ مسلمان کیسے ہوا؟" جنگکوک نے کچھ خوف سے اسے دیکھا۔

"تم کہنا چاہتے ہو کہ میں... مسلمان نہیں ہوں؟"

"میں نہیں کہہ رہا... ہمارا دین کہہ رہا ہے۔ نماز ہی تو فرق کرتی ہے۔ نماز پاک کرتی ہے ہر گناہ سے۔ لیکن تم نے نا نماز پڑھی، نا خود کو پاک کیا اور نا مسلمان رہے۔ تو ایک غیر مسلم کو میں اپنی بہن سے ملنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟"

جنگکوک کتنے لمحے تو کچھ بول ہی نا سکا۔ ایک نظر اس نے حماد کو دیکھا اور پھر خاموشی سے ننگے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا۔ حماد نے پہلے نا سمجھی سے اسے دیکھا اور پھر تیر کی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ وہ لان میں نہیں تھا۔ حماد کی چھٹی حس اسے کچھ اچھے اشارے نہیں دے رہی تھی۔ وہ گیٹ عبور کر کے باہر آیا تو اسے جنگکوک نظر آ گیا

تھا۔ وہ سڑک کنارے چل رہا تھا۔ سر نیچے گرائے۔ حماد اس کے پیچھے

بھاگا۔

"جنگکوک رک جاؤ۔ کہاں جا رہے ہو تم؟" وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس

کے پیچھے آیا۔ لیکن جنگکوک نے جیسے سنا ہی نہیں۔ حماد نے اپنی سپیڈ

کو بڑھایا اور اس کے سر پر پہنچ گیا۔ بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی

جانب

کیا۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟ میں آوازیں دے رہا تھا۔ سن کیوں نہیں رہے

تھے تم؟" حماد نے پوچھنے کے بعد اسے غور سے دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔

"میں نہیں کر سکتا۔ جو تم چاہتے ہو، وہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ اور پلیز

مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔"

جنگکوک کہتے ہوئے رخ موڑ گیا۔

"اکیلا چھوڑ دوں تاکہ تم پھر سے خودکشی کے لیے نکل جاؤ۔" حماد اس کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نہیں مر رہا میں۔ نا ہی مر سکتا ہوں۔ اتنی دفعہ خودکشی کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ جب تک میری موت کا وقت نہیں آ جاتا۔ میں مر نہیں سکتا۔ اور مجھے انہی زخموں کے ساتھ جینا ہے جو مجھے میرے اپنوں کی طرف سے ملے ہیں۔" وہ تقریباً غراتے ہوئے بولا تھا لیکن اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ حماد کو اندر کہیں دور کچھ ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ جنگلوک پھر سے وہاں سے جاتا، حماد نے اسے گلے سے لگا لیا۔ کندھا ملنے کی دیر تھی کہ جنگلوک بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ حماد نے بھی اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔

ooooooooooooooooooooo

آج سارہ آفندی کو پھانسی ہونے جا رہی تھی اور جنگکوک ان سے ملنے آیا تھا۔ وہ اپنی ماں سے ملنا چاہتا تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ وہ نہیں آنا چاہتا تھا۔ شاید وہ اپنی عظیم ماں کو یوں جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ سارہ آفندی جو سڑک پر کسی زخمی بلی کو بھی دیکھ لیتی تھیں تو اپنے ضروری کام روک کر پہلے اس بلی کو ہسپتال لے کر جاتی تھیں۔ اگر کوئی ان کے سامنے تکلیف میں ہوتا تو اس کی تکلیف دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی تھیں۔ تو پھر جنگکوک کیسے انہیں عظم ماں کا لقب نا دیتا۔ اب جنگکوک کی وہ عظیم ماں بے گناہ لوگوں کے قتل کے جرم میں جیل میں تھی۔ وہ دونوں ملاقاتی کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف جنگکوک اور دوسری طرف سارہ آفندی۔ درمیان میں شیشے کی دیوار تھی۔ جس میں ایک بڑا سا سوراخ

تھا۔ جس سے آوازیں سنی جا سکتی تھیں۔ وہ اگر یہاں آیا تھا تو وجہ اس کا دل تھا جو ماں کی محبت میں مجبور تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنی ماں سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔

جنگکوک سر جھکائے جھولی میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا اور سارہ آفندی جنگکوک کو دیکھ رہیں تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

"آئے ہو تو کیا بات نہیں کرو گے؟" سارہ آفندی نے ہمت کرتے ہوئے پوچھا۔ جنگکوک نے سرخ آنکھوں سے سارہ آفندی کو دیکھا۔ سارہ آفندی نے جنگکوک کی آنکھوں میں دیکھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب اس کی آنکھوں کی چمک غائب تھی۔ لیکن ان آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ دکھ، مان ٹوٹنے کا صدمہ، شکوہ، تھکن، سرد پن اور گہری خاموشی۔

"کیا بات کروں؟ آپ سے حکم لوں.... کہ اب کس کا قتل کرنا ہے۔ کس کی قبر تیار کرنی ہے؟" سامنے بیٹھا لڑکا سارہ آفندی کا بیٹا تھا لیکن جو بول رہا تھا، وہ اسے نہیں جانتی تھیں۔

"کم از کم میں تمہارے ساتھ مخلص تھی جنگلوک۔ تم مجھے اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتے بیٹا۔"

"ہر ماں اپنی اولاد کے ساتھ مخلص ہوتی ہے۔ اور مجھے آپ کی اولاد ہونے کی سزا مل رہی ہے۔"

ساری آفندی کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

"غلط۔ ہر ماں اپنی اولاد کے ساتھ اتنی مخلص نہیں ہوتی۔ بہت ساری مائیں اپنے مفاد کے لیے اپنی اولاد کو قربان کر دیتی ہیں۔ اپنی اولاد کی خوشیاں قربان کر دیتی ہیں۔" سارہ آفندی کی بات سن کر وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔

"تو پھر آپ کو مبارک ہو مسز آفندی۔ آپ بھی انہی ماؤں میں شامل ہیں جس نے اپنے مفاد کے لیے اپنی اولاد کو قربان کر دیا۔ اس کی خوشیوں کو برباد کر دیا۔"

"جنگکوک۔" وہ تڑپ کر اٹھی تھیں۔ وہ جنگکوک کے پاس آ کر اسے گلے سے لگانا چاہتی تھیں، لیکن یہ چھوٹی سی دیوار ان کے درمیان حائل تھی۔ نزدیک ہو کر بھی دوریاں تھیں۔ پاس رہ کر بھی فاصلے تھے۔

"دیکھیں مجھے۔ غور سے دیکھیں اور بتائیں، کیا میں وہی جنگکوک ہوں جو ہنستا تھا، مسکراتا تھا۔ میں پوری یونیورسٹی کی جان تھا۔ فخر سے لوگوں کے بیچ چلتا تھا۔ کوئی پریشانی مجھ تک نہیں آتی تھی۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کا جنگکوک مر گیا ہے۔"

"ایسا مت کہو بیٹا۔"

"آپ کا بیٹا نہیں ہوں میں مسز آفندی۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔ آپ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ آپ قاتل ہیں۔ بے گناہ لوگوں کی۔ آپ نے اپنی یک طرفہ محبت کا بدلہ گل رعنا پھوپھو کی اولاد سے نہیں لیا۔ اپنی اولاد سے لیا ہے۔ آپ نے مجھے چوٹ پہنچائی ہے۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں۔"

وہ نفرت سے کہتا اٹھ گیا تھا۔

"کہیں مت جانا جنگلوک۔ میں ابھی تمہیں مزید دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اب آپ مجھے کبھی نہیں دیکھ پائیں گی۔"

"ایسے کیوں بول رہے ہو؟ بالکل اجنبی لگ رہے ہو۔"

"ہم اجنبی ہی ہیں مسز آفندی۔"

"ماں کیوں نہیں کہہ رہے ہو؟"

"میں کسی اجنبی عورت کو ماں کیوں کہوں گا؟"

"جنگکوک۔"

"بس... اس سے زیادہ میرے اندر برداشت نہیں ہے۔ میں مزید یہاں نہیں رک سکتا۔" وہ جانے لگا تھا اور سارہ آفندی کا وجود لرز کر رہ گیا۔ وہ رکا اور پھر مڑا۔ دوبارہ واپس آیا۔ سوراخ سے اندر جھک کر سارہ آفندی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"معافی کیوں نہیں مانگ لیتی آپ ان سب سے؟"

"کیا کہا؟"

"سزائے موت تو آپ کو ہونے والی ہے۔ مرنے سے پہلے معافی ہی مانگ لیں۔" جنگکوک کے اندر ایک امید تھی کہ وہ اس کی بات مان لیں گی.....

"سارہ آفندی مر تو سکتی ہے جنگکوک، جھک نہیں سکتی۔" اور امید ٹوٹ گئی تھی۔ جنگکوک نے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا، آخری دفعہ اور پھر

وہ مڑ گیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ فوراً ہی سارہ آفندی کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ وہ اسے روک بھی نا سکیں ل۔ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح پیچھے ڈھے گئیں۔

"یہ جو راستہ میں نے چنا تھا، میری موت تک میں اسی راستے پر چلتی رہوں گی۔" کسی شان سے کہتی وہ پیچھے سر ٹکا گئیں۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ سیدھا گھر آیا تھا۔ وہاں سے تو وہ چلا آیا تھا لیکن سارہ آفندی کے جملے ہتھوڑے کی مانند اس کے سر پر برس رہے تھے۔ وہ سیدھا واشروم میں گیا اور شاور کھول کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ اپنے دکھ میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ یہ جنوری کی یخ راتیں ہے۔ پانی بہت ٹھنڈا تھا لیکن جنگلو ک آنکھیں بند کیے شاور کے نیچے کھڑا رہا۔

رات کو وہ کافی دیر تک بھیگتے رہنے کے بعد باہر آیا تھا۔ بلکہ وہ خود نہیں آیا تھا، حماد اسے زبردستی لے کر آیا تھا۔ لیکن صبح تک وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ اور اگلے تین روز اس کے اسی طرح بخار میں نکل گئے۔

آج اس کا بخار کچھ کم تھا۔ وہ مرجھایا سا اپنے روم میں لیٹا ہوا تھا۔ آج سارہ آفندی کو پھانسی ہونے جا رہی تھی اور یہاں جنگلوک ان کے مرنے سے پہلے ہی ان کی موت کا غم منا رہا تھا۔

اور دوسری طرف سیمون آفندی تھے۔ جو اپنے کمرے میں نہیں بلکہ گاڑی لے کر روڈ پر نکلے ہوئے تھے۔ آج ان کی محبوب بیوی کی موت کا دن تھا۔ وہ ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ گاڑی چلا رہے تھے۔ گاڑی فل سپیڈ میں تھی جب وہ سامنے سے آتی گاڑی سے بری طرح ٹکرا گئے۔

وہ بے چین سا ہسپتال کے کوریڈور میں ٹہل رہا تھا۔اس نے ہاشم اور یاور کو بھی فون کر کے بلا لیا تھا۔ حماد کو ایکسیڈنٹ والی جگہ پر کسی جاننے والے نے ہی کال کر کے بتایا تھا۔

"کوئی ڈاکٹر ابھی تک باہر نہیں آیا بھائی۔ یہ آخر کب باہر آئیں گے ؟" حماد نے رکے بغیر ہاشم کو مخاطب کیا۔

"تم آرام سے بیٹھ جاؤ حماد۔ ماموں جان ٹھیک ہو جائیں گے۔" ہاشم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ حماد کوئی جواب دیتا، آپریشن تھیٹر سے ایک ڈاکٹر باہر آیا۔ وہ تینوں ایک ساتھ ڈاکٹر کی طرف گئے۔

"ڈاکٹر میرے ماموں جان کیسے ہیں ؟" حماد بے چین ہوا تھا۔

"آپریشن تو ان کا کامیاب رہا ہے۔ لیکن جب تک انہیں ہوش نہیں آ جاتا، ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان کے سر پر بھی چوٹ کافی گہری آئی ہے۔ جس سے ان کے کوما میں جانے کے چانسز ہیں۔ کرچیاں ٹوٹ کر ان کی دونوں آنکھوں کو کافی نقصان پہنچا چکی ہیں۔ ان کے نابینا ہونے کے چانسز بھی ہیں۔" حماد نے بے اختیار ہاشم کے بازو کو مظبوطی سے تھاما۔

"ہوش کب تک آجائے گا انہیں؟" یاور نے پوچھا تھا۔

"سوری... کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" ڈاکٹر نے شانے اچکا کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ جبکہ وہ تینوں پریشانی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"بھائی کیا وہ سچ میں کبھی نہیں دیکھ سکیں گے؟"

"تم ایسا مت سوچو حماد۔ بس دعا کرو۔ اللہ خیر کرے گا۔" ہاشم خود پریشان تھا، وہ کیا کہہ سکتا تھا۔

OOOOOOOOOOOO

آج تیسرے دن بعد سیمون آفندی کو ہوش آیا تھا۔اس ایکسڈنٹ میں ان کی آنکھیں چلی گئیں تھیں۔ جس کا حماد کو بے حد صدمہ پہنچا تھا۔ اس نے یہ بات جنگلوک کو نہیں بتائی تھی، نا ہی جنگلوک کا دھیان سیمون آفندی کی طرف گیا تھا۔وہ اپنے ہی غم میں پڑا رہتا تھا۔ حماد، ہاشم اور یاور اس وقت سیمون آفندی

کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"ڈاکٹرز نے آپ کو ڈسچارج کر دیا ہے۔اب ہم گھر جا سکتے ہیں۔" حماد نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"تم مجھے گھر لے جاؤ یا یہیں رہنے دو۔ میرے لیے اب سب کچھ ایک جیسا ہے۔اندھیر.... سیاہ۔" ان تینوں نے دکھ سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"ہم آپ کا علاج کروائیں گے اور دیکھئے گا کہ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" حماد نے فوراً نئی امید دلانے کی کوشش کی۔

"یہ تسلی تم خود کو دے سکتے ہو بیٹا۔مجھے نہیں۔میں جانتا ہوں کہ اب یہ ممکن نہیں۔"

"ماموں آپ کیوں اتنے ناامید ہو رہے ہیں؟میں نے کہا نا..... "

"جس بات کا ہونا ناممکن ہو،اس کے لئے امید لگانے کا فائدہ؟"

"ہمارے مذہب (اسلام) کی ایک بات بہت اچھی ہے ماموں۔" وہ کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"اور وہ کیا؟"

"کہ ہم مسلمان کبھی ناامید نہیں ہوتے۔اگر کچھ ناممکن بھی ہو تو ایک نظر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں

اور پھر مسکرا دیتے ہیں۔اس کا مطلب جانتے ہیں کیا ہوتا ہے؟"

"کیا ہوتا ہے؟"

"اس وقت ہم دل میں اللہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اسے بتاتے ہیں کہ دنیا ہمیں ناممکن کہہ کر ناامید کر رہی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ کے ہاں ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔ ہر چیز ممکن ہوتی ہے اور ہمیں آپ (اللہ) ہی پر یقین ہے۔ کامل یقین۔ بس بات ساری آپ کے کن فیکون کی ہے۔ اور وہ سن لیتا ہے۔ ہمیں انتظار کا کہتا ہے۔ یعنی صبر کا۔ اور جو صبر کر لیتا ہے اسے مناسب وقت پر اس کی وہ چیز مل جاتی ہے جس کو لوگوں نے تو ناممکن کہا تھا لیکن اللہ کے ہاں وہ ممکن ہی تھی۔ اور ناممکن جب ممکن ہوتا ہے تو پھر معجزہ ہوتا ہے۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا تو سیمون آفندی ہولے سے مسکرا دیئے۔

"اور اگر معجزہ نا ہو تو؟"

"ساری بات یقین کی ہوتی ہے۔"

"یقین کرنے کے بعد بھی ہمیں وہ نا ملے جو ہم چاہتے ہیں تو کیا کرنا چاہیے؟"سیمون آفندی کو حماد کے الفاظ مرہم لگ رہے تھے، اس لیے وہ مزید اسے بولنے پر اکسا رہے تھے۔

"جب یقین کے بعد بھی ہمیں وہ چیز نا ملے جس کی ہمیں بے حد ضرورت تھی تو پھر اسے اللہ کی رضا جان کر بھول جانا چاہیے۔ چھوڑ دینی چاہیے اس چیز کی خواہش جو ہمیں بار بار مانگنے پر بھی نہیں مل رہی

۔شاید اس میں ہماری بہتری ہو۔اللہ جانتا ہے لیکن ہم نہیں جانتے۔"

"تو پھر تم اپنے رب کی رضا میں راضی ہو جاؤ بیٹا۔میری بینائی لوٹ آنے کے لیے نہیں گئی۔شاید اسی میں میری کوئی بھلائی ہے۔بھلائی کیا ہے، یہ جاننے کے لیے اچھے وقت کا انتظار کر لیتے ہیں۔"سیمون

آفندی مسکرا کر کہتے حماد کو خاموش کروا گئے تھے۔ وہ واقعی ہی کچھ بول نہیں پایا۔

"چلو اب تم زیادہ باتیں نہیں کرو۔ ماموں جان کو آرام کرنے دو۔ پھر شام کو گھر بھی جانا ہے۔"

ہاشم نے حماد کو ڈپٹنے والے انداز میں کہا تو سیمون ہولے سے ہنس دیئے۔

○○○○○○○○○○○○○

حماد نے جنگکوک کو ماموں جان کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور نا جنگکوک کے بارے میں ہاشم اور یاور کو بتایا تھا۔ حماد کا زیادہ تر وقت ماموں جان کے ساتھ گزرتا تھا اور کبھی کبھی تو عریش بھی یہاں آجاتی۔ آج بھی وہ انہی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کوئی اسلامی ناول پڑھ رہا تھا جبکہ ماموں جان خاموشی سے لیٹے ہوئے تھے۔

"حماد۔" انہوں نے ہولے سے پکارا، حماد فوراًان کے قریب آیا۔

"جی ماموں جان۔"

"کیا تم مجھے اپنے اسلام کی کوئی ایسی بات بتا سکتے ہو جسے سن کر میں اسے قبول کرلوں۔یعنی اسلام قبول کرلوں۔" سیمون آفندی کی بات سن کر حماد بہت حیران ہوا تھا۔

"ماموں جان... آپ..... اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..... کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم مجھے کوئی ایسی وجہ بتاؤ کہ میں اسلام قبول کرلوں۔" سیمون آفندی کے سوال پر حماد کتنی دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ آخر وہ ایسا کیا بتائے کہ ماموں جان اسلام قبول کرلیں۔

"آپ کو اسلام قبول کرنے کا خیال کیوں آیا؟" وہ فی الحال کوئی جواز پیش نا کر سکا۔

"پہلے میں نے پوچھا ہے تو جواب بھی پہلے تمہیں ہی دینا ہو گا۔" حماد پھر سے خاموش ہو گیا تھا۔ اب وہ واقعی ہی سوچ رہا تھا کہ وہ کیا وجہ بتائے۔

"ابھی آپ اپنے دل میں کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"بے سکونی۔" اس کے عجیب سے سوال پر وہ چونکے بغیر بولے۔

"بوجھ محسوس ہو رہا ہے اپنے دل پر۔"

"کیا آنکھوں کی روشنی کا چلے جانا آپ کو تکلیف دے رہا ہے؟" انہوں نے استعجاب سے ابرو اچکائے۔

"بالکل حماد...... جب آپ کے جسم کا کوئی حصہ ضائع ہو جاتا ہے تو آپ کو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ مجھے بھی تکلیف ہو رہی ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں وہ سب کچھ دیکھنا چاہتا ہوں، جو تم لوگ دیکھتے ہو۔"

"آپ وہ کیوں دیکھنا چاہتے ہیں جو ہم سب دیکھتے ہیں۔ آپ وہ دیکھیں جو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ اپنے دل کے درد، اس کی بے سکونی اور بوجھ کو ختم کرنے کے لیے وہ سب دیکھ سکتے ہیں جو کوئی اور نہیں دیکھ سکتا ماموں جان۔"

"کیا مطلب ہے تمہاری بات کا؟ اس دنیا میں ایسا کیا ہے جو کسی نے نہیں دیکھا اور میں دیکھ لوں۔"

"نہیں ماموں جان! میں اس دنیا کی بات نہیں کر رہا۔ میں تو اس دنیا کی بات کر رہا ہوں جہاں ہم ایک بار چلے گئے تو پھر وہاں سے ہمیں کوئی نہیں نکال سکتا۔"

"اور وہ کونسی جگہ ہے؟"

"جنت۔"

"او کم آن بھانجے.... میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ مجھے کوئی ایسی وجہ بتاؤ کہ میں اسلام قبول کرلوں اور تم مجھے یہ کہہ رہے ہو کہ میں جنت کے خواب دیکھوں۔ کیا جنت اتنی آسانی سے مل جاتی ہے؟ اور ہم جیسے گنہگار اتنی آسانی سے جنت میں چلے جائیں گے؟" سیمون آفندی کی بات پر حماد نے چونک کر حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

"تو پھر کن کو ملتی ہے جنت؟" سوال پوچھتے ہوئے اس نے بڑے غور سے سیمون آفندی کو دیکھا تھا۔ "جنت..... نیک لوگوں کے لیے ہے۔ المومنین کے لیے۔ جو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ جو خود کو حرام سے دور رکھتے ہیں، ہر قسم کی برائی سے خود کو باز رکھتے ہیں۔ لیکن مجھ میں ایسی کوئی کوالٹی نہیں ہے

حماد۔ جنت مجھ پر حرام ہے۔" وہ بہت غور سے سیمون آفندی کو دیکھ رہا تھا اور حیرت سے سن رہا تھا۔

"آپ یہ سب کچھ کیسے جانتے ہیں؟" حماد کے سوال پر وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئے۔ پھر گہری سانس لی۔

"فرقان احمد.... اکثر وہ اپنے مذہب کی باتیں کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اسلام قبول کرلوں۔ ایک دفعہ تو وہ مجھے واضح بھی کہہ بیٹھا تھا۔"

"تو آپ نے کیا کہا تھا؟"

"اسے بھی میں نے یہی کہا تھا کہ کوئی ایسی وجہ بتاؤ کہ میں اسلام قبول کرلوں۔ وہ وجہ تو نا لایا لیکن میری بہن کو مجھ سے دور لے گیا۔" بہن کے ذکر پر سیمون آفندی کے چہرے پر کرب ابھرا تھا۔ حماد بھی خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"میں بتاؤں تمہیں وجہ اسلام قبول کرنے کی؟" ماموں جان کے سوال پر حماد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں.......بتائیں۔"

"میں اسلام قبول کر رہا ہوں حماد اور اس کی وجہ تم مسلمانوں کا اعلیٰ ظرف ہونا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں ماموں جان۔"

"میں نے تمہاری ماں یعنی گل رعنا کے ساتھ ظلم کیا تھا۔ اسے خود سے دور کر کے۔ مجھے اس کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ میری بیوی نے اس کا قتل کیا۔ بے شک یہ بات میں نہیں جانتا تھا لیکن شوہر تو میں اسی کا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ماریہ اس گھر کی بہو بنے۔ صرف اپنے اکلوتے بیٹے کو کھونے کے ڈر سے میں نے یہ رشتہ بھی قبول کر لیا۔ اس کے باوجود کہ میں نے اتنے سال گل رعنا سے نفرت کی۔ اس کی

اولاد کو پلٹ کر نہیں دیکھا۔ پھر بھی ان لوگوں نے مجھے معاف کر دیا۔ میرے اس مشکل وقت میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ کہیں نا کہیں میرے اس بیٹے کو بھی اپنی حفاظت میں لے لیا جس نے اپنی بیوی کو دھوکہ دیا۔ اور اس کی بیوی تمہاری بہن ہے۔ اس نے تمہاری بہن کو ہرٹ کیا۔ پھر بھی معاف کر دیا۔ کم از کم اتنا ظرف تو ایک سچے مسلمان کا ہی ہو سکتا ہے۔"

"میرا یقین کریں، ہم نے اللہ کی رضا کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے ماموں جان۔ ورنہ کسی کے پاس اتنا ظرف نہیں ہوتا۔ لیکن ہم نے آپ کو اس لیے معاف کیا ہے کہ ہم بدلے میں اللہ سے اپنے لیے بھی یہی چاہتے ہیں۔" سیمون آفندی ہولے سے ہنسے۔ زخمی ہنسی۔

"اللہ نے مجھے اندھا کیوں کیا ہے حماد؟"

"شاید وہ آپ کو اپنے قریب کرنا چاہتا ہے۔ شاید وہ آپ کو راستہ دکھانا چاہتا ہے۔ شاید یہ آپ کی آزمائش ہو۔"

"آزمائش ہی کیوں۔ سزا بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"اللہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تمام غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔ اس سے معافی مانگو تو وہ سزا نہیں دیتا۔"

"تو پھر لوگ کیوں معاف نہیں کرتے؟"

"اللہ بھی آپ کو تب معاف کرتا ہے، جب آپ سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لوگ تو پھر لوگ ہے ماموں جان۔ اللہ رحم کرنے والا ہے، لیکن ان لوگوں سے رحم کی امید کیوں رکھیں ہم۔ میرا یقین کریں کہ اگر آپ کی وائف ایک دفعہ ہم سے معافی مانگ لیتیں تو ہم ضرور انہیں بھی معاف کر دیتے۔"

"یعنی معافی مانگنے سے ملے گی؟"

"جی ماموں جان۔ جب تک ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگے گے۔ وہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔"

"تو پھر دیر کیوں کر رہے ہو حماد۔ مجھے کلمہ پڑھاؤ۔" حماد نے مسکرا کر سیمون آفندی کو دیکھا تھا۔

"تو پھر شروع کریں ماموں جان...... پڑھیئے، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"

"لاالہ الا اللہ... محمد رسول اللہ۔" سیمون آفندی نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔۔

"اس کا... ترجمہ کیا ہے حماد؟"

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

"اللہ.... کے سوا... کوئی م.... معبود نہیں ہے.... اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم.... اللہ کے رسول ہیں۔" حماد نے دیکھا تھا کلمہ پڑھتے ہوئے سیمون آفندی کی پلکیں لرزیں تھیں۔ آنسو۔ ان کے چہرے پر بہتے چلے گئے۔

"اب آپ کیا محسوس کر رہے ہیں ماموں جان؟"

"عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔ دل بہت بھاری ہو رہا ہے۔"

"اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور پھر سے اس کلمے کو دہرائیں جو ابھی آپ نے پڑھا ہے۔" سیمون آفندی نے وہی کیا جو حماد نے کہا تھا۔

"اب کیا محسوس کر رہے ہیں؟"

"میں سمجھ نہیں پا رہا۔ تم... تم مجھے نماز کے بارے میں بتاؤ۔ شائد میری حالت بہتر ہو جائے۔" سیمون آفندی کی بات پر حماد کے چہرے پر پر سکون سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"پہلے آپ کو غسل کرنا ہو گا، اس کے بعد ہم نماز کی طرف آئیں گے۔"

"تو پھر لے جاؤ مجھے۔ میں اب مزید اس زندگی میں نہیں رہنا چاہتا جس میں بے چینیاں ہیں۔" سیمون آفندی نے کہا تو حماد انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر کچھ دیر بعد نکھرے نکھرے سے سیمون آفندی باہر آئے تھے۔

"نماز شروع کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم میرا نام بدل دو۔"

"نام کا اگر معنی اچھا ہو تو اس سے فرق نہیں پڑھتا ماموں جان۔"

"لیکن مجھے اپنے اس نام سے نفرت ہے۔ اپنی اس پہچان سے نفرت ہے۔ میں اپنے ساتھ جڑی ماضی کی ہر چیز کو مٹا دینا چاہتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر کرب کا شکار ہوئے تھے۔ حماد نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر موبائل لے کر بیٹھ گیا۔ وہ وہاں مسلم نیم سرچ کرنے لگا۔

"سکندر.... سکندر آفندی کیسا رہے گا ماموں جان؟" اسے جلد ہی ایک نام مل گیا تھا۔

"سکندر تو بہت خوبصورت نام ہے لیکن..... آفندی۔"

"اوہو ماموں جان! اپنے ساتھ ماضی کی کسی چیز کو جڑا رہنے دیں۔ یہ آپ کا ریمائنڈر ہو گا۔ آپ کو کبھی بھولنے نہیں دے گا کہ آپ نے اپنا رستہ کیوں بدلا تھا۔"

"حماد اس سے مجھے تکلیف ہو گی۔"

"جب آپ خود کو اللہ میں مگن کر لیں گے، اس کی یاد میں مصروف ہو جائیں گے، آپ کو کچھ یاد نہیں رہے گا۔" حماد نے محبت سے ان کا ہاتھ تھاما تھا۔

"تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکرائے تھے۔

"اچھا اب مجھے نماز کے بارے میں بتاؤ۔" سیمون آفندی نے کہا تو حماد نے سر ہلاتے انہیں بتانا شروع کیا۔

صرف تین دن کے اندر اندر سیمون آفندی نماز سیکھ گئے تھے۔ نماز کو پڑھنے کا طریقہ بھی حماد نے انہیں سکھا دیا تھا۔

یہ پہلا دن تھا جب وہ حماد کے سہارے کے بغیر نماز کے لیے جائے نماز پر ادب سے سر جھکائے کھڑے تھے۔ انہیں نظر نہیں آتا تھا لیکن جو وہ دیکھ سکتے تھے، وہ کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

جائے نماز پر کھڑے ہوتے ہی ان کا وجود کانپ اٹھا تھا۔ ان کی نمازیں لمبی ہوتی تھیں۔ سجدے میں جاتے تو اٹھنا بھول جاتے تھے۔ وہ روتے تھے۔ وہ بہت روتے تھے۔ کبھی کبھی روتے ہوئے وہ اکثر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اور خود ہی ہوش میں آ جاتے تھے۔ وہ نماز مکمل

کر چکے تھے لیکن اب بھی سجدے میں گرے رو رہے تھے۔ان کا وجود بھی کانپ رہا تھا۔

"میں روازنہ آپ کے سامنے سجدے میں جھکتا ہوں اللہ پاک، اور ہر دفعہ میرے دل میں کئی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔میں اس بات پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا کہ جس کی معافی بھی نا ملے۔لیکن یا اللہ میں نے گناہ کیے ہیں۔اور میں مرتے دم تک تجھ سے معافی مانگتا رہوں گا۔

میں نے اپنی ساری زندگی اندھیروں میں گزار دی۔میری آنکھیں تو روشن تھیں، دل اندھیروں میں ڈوبا رہا۔یہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے یا اللہ۔آپ نے میری آنکھوں کا نور چھین کر میرے دل کو منور کر دیا ہے۔مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔البتہ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے چن لیا۔مجھے اپنے قریب آنے کا موقع

دیا۔جو گزر گئی سو گزر گئی۔ میری باقی عمر سنوار دیں۔میں آپ سے اپنے بیٹے کے لیے بھی ہدایت مانگتا ہوں۔میرے بیٹے کو بھی دین اسلام کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما یااللہ۔"

وہ بے چین ہوتے سجدے سے اٹھے۔دل میں اک ہوک اٹھی تھی۔ خیال شریک حیات کا تھا۔دل میں بے تحاشا درد اٹھا۔وہ دوہرے ہوئے اور پھر سے سجدے میں جا گرے۔

"میں اس کا بھلانا بھی چاہتا ہوں اور بھول بھی نہیں پا رہا۔میں اس سے اپنی محبت ختم نہیں کر پا رہا۔میرے دل کو تندرست کر دے یا اللہ۔مجھے اس عورت کے غم سے نجات دے۔"رات ختم ہو سکتی تھی لیکن سکندر آفندی کی دعائیں نہیں۔اللہ نے انہیں چن لیا تھا۔ اور اب وہ کبھی نا بھٹکنے کے لیے سیدھے راستے پر آ گئے تھے۔وہ اس راستے پر چلتے رہنے کی دعائیں کرتے تھے۔

اور بے شک اللہ آپ کو اپنے قریب کرنے کے لیے آزماتا ہے۔ جو اس کی آزمائش کو صبر سے سہہ جاتے ہیں، وہ انہیں اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔ اللہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"تم ایسے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" حماد آج تین دن بعد جنگکوک کے پاس آیا تھا۔ اور اسے یوں اداس بیٹھا دیکھ کر پوچھ لیا۔

"زندگی ایک دم سے بہت ظالم لگنے لگی ہے۔ مجھ سے میرے سب اپنوں کو چھین کر لے گئی ہے۔ میں اداس کیسے نا ہوں حماد۔"

"تمہیں بہت بار موقع ملا ہے کہ تم اپنے کھوئے ہوئے لوگوں کو واپس لے آؤ، لیکن تم اس موقعے کا فائدہ نہیں اٹھاتے۔" جنگکوک نے حماد کی طرف دیکھا۔

"کیا تم جانتے ہو، میرے بابا کہاں ہیں؟"

"ہاں جانتا ہوں۔" جنگکوک فوراً سیدھا ہوا تھا۔

"بتاؤ کہاں ہیں میرے بابا؟"

"بہت جلدی نہیں یاد آ گیا تمہیں؟" طنزیہ پوچھا گیا۔

"میں انہیں کبھی نہیں بھول سکا۔ ہاں کچھ وقت لگ گیا مجھے اس ساری سیچویشن سے باہر نکلتے میں۔ لیکن میں اپنے بابا کو کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"وہ جہاں بھی ہیں، خوش ہیں اور مطمئن بھی ہیں۔"

"کیا وہ مما کی طرف سے ملے دھوکے کو بھلا چکے ہیں؟" حماد اس کی بات کا جواب کیا دیتا، وہ تو اس کے "مما" کہنے پر ہی اٹک گیا تھا۔ جنگکوک کو خود بھی احساس ہو چکا تھا کہ اس نے ابھی کیا کہا ہے۔ وہ خاموشی سے لب کاٹنے لگا۔

"تم ان سے جتنی مرضی نفرت کر لو جنگکوک۔ لیکن جو رشتہ تمہارا ان کے ساتھ ہے، تم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔" حماد نے سنجیدگی سے کہا تو جنگکوک نے لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر نظریں چرا گیا۔

"ڈیڈ سے ملنا ہے مجھے۔"

"او کے۔ مل لو۔" حماد کندھے اچکاتا وہاں سے اٹھ گیا۔ جنگکوک بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔

"جب ان سے ملو تو اپنے دل کو مظبوط رکھنا۔" حماد نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈ ٹھیک تو ہیں نا؟" فرنٹ ڈور کھولتے جنگکوک کے ہاتھ تھم گئے۔

"ان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" جنگکوک کا سانس کہیں اٹکا تھا۔ "ان کی بینائی ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے۔"

جنگکوک کی روح فنا ہوئی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"گاڑی میں بیٹھو۔ باقی باتیں وہیں جا کر کریں گے۔" حماد کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جنگکوک بھی فوراً اندر بیٹھا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی سیمون آفندی کے گھر کے سامنے آکر رکی تھی۔

جنگکوک فوراً گاڑی سے باہر آیا اور سیدھا اندر کی طرف بھاگا۔ حماد نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر گاڑی گھر کے اندر لایا۔ گاڑی پارک کر کے وہ بھی جنگکوک کے پیچھے اندر آیا۔

"ڈیڈ.... ڈیڈ کہاں ہیں آپ؟" وہ سیمون آفندی کے روم میں گیا تھا لیکن وہ وہاں نہیں تھے۔ اور اب وہ انہیں آوازیں لگاتا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"وہ تمہارے روم میں ہیں۔" حماد نے کہا تو اس نے رک کر حیرت سے حماد کو دیکھا اور پھر کچھ بھی سنے بغیر وہ فوراً اپنے روم کی جانب گیا۔ دروازہ کھولا اور پھر..... وہیں ساکت رہ گیا۔ اندر کا منظر جس طرح وہ سوچ کر آیا تھا اس کے بالکل مخالف تھا۔

سکندر آفندی سجدے میں گرے ہوئے تھے اور ان کا وجود کانپ رہا تھا۔ جنگکوک کی دروازے پر گرفت سخت ہوئی۔ وہ ابھی تک پتھر کا مجسمہ بنا کھڑا تھا۔ حماد بالکل اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ کچھ لمحے یونہی گزر گئے لیکن سکندر آفندی نے سر نہیں اٹھایا اور نا جنگکوک

اپنی جگہ سے ہل پایا تھا۔ تبھی حماد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

جنگکوک نے پلکیں جھپکائیں۔

"ڈیڈ......"اس کے لبوں میں حرکت پیدا ہوئی تھی۔

"ماموں جان نے اسلام قبول کر لیا ہے۔اور خود کو ندامت کے آنسوں سے پاک بھی کر لیا ہے۔" حماد نے بہت نارمل انداز میں کہا تھا لیکن جنگکوک کو لگا جیسے اس کے دل کو کوئی بھاری چیز روندھ کر چلی گئی ہو۔

وہ قدم اندر لے جانا چاہتا تھا لیکن قدم خود بخود پیچھے کی طرف اٹھ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"ماموں جان سے تو مل لو۔"

"ابھی تم نے کہا کہ انہوں نے خود کو پاک کر لیا ہے تو پھر میں کیسے انہیں مل سکتا ہوں؟"

"وہ تمہارے بابا ہیں۔"

"لیکن میں ان کا بیٹا نہیں ہوں۔"

"ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"اگر باپ اتنا نیک ہے تو بیٹے کو بھی اتنا ہی نیک ہونا چاہیے نا۔"

"کوئی بھی نیک یا گنہگار پیدا نہیں ہوتا جنگکوک۔" آواز پر دونوں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔ وہاں سکندر آفندی راکنگ چیئر پر بیٹھے جھول رہے تھے۔ جنگکوک کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

"اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان گناہ بھی کرتا ہے اور نیک کام بھی کرتا ہے۔ لیکن پارسا وہی ہوتا ہے جو گناہوں سے توبہ کر کے ان سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیتا ہے۔ دنیا کا وقت دنیا کے ساتھ گزار کر

جب اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہے تو بالکل ایک بے بس اور کمزور سا انسان بن جاتا ہے۔ جس کے آنسو خوف خدا سے گرتے ہیں۔ جو اگر اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے محبت بھی کرتا ہے۔ اور یہ محبت بھرا ڈر ہوتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ ڈر تم بھی اپنے اندر پیدا کر سکتے ہو۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہتے جنگکوک کا دل روک گئے تھے۔ بے ساختہ جنگکوک کے قدم اندر کی طرف اٹھے۔ اگلے ہی پل وہ ان کے قدموں میں بیٹھا سر ان کے گھٹنے پر رکھے رو رہا تھا۔ سکندر آفندی کی آنکھیں بھی بھیگتی چلی گئیں تھی۔ باپ بیٹے کو وہیں چھوڑ کر حماد وہاں سے چلا گیا تھا۔

"آپ نے یہ سب کیسے کیا بابا؟ یہ تو بہت مشکل ہے۔"

"مشکل تھا لیکن ناممکن تو نہیں جنگکوک۔ ایک دفعہ اس مشکل کو اپنا کر تو دیکھو۔"

"میں نے کوشش کی تھی۔"

"اس کوشش پر قائم رہ کر دیکھو۔"

"کیا کروں میں؟" وہ کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد بولا تھا۔

"ابھی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ جاؤ اور نماز پڑھو۔"

"بابا...... یہ بہت مشکل ہے۔ مجھ سے نہیں ہو گا۔"

"ہو گا نہیں تو کیا کوشش بھی نہیں کرو گے؟" وہ ایک بار پھر سے خاموش ہو گیا تھا۔

"جاؤ حماد کے ساتھ.... یہاں سے کچھ دور ایک بہت پرانی اور چھوٹی سی مسجد ہے۔ تم اس کے ساتھ وہاں جا کر نماز پڑھ سکتے ہو۔" سکندر آفندی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں.... کوشش کروں گا۔" وہ مشکل سے بھی نہیں مسکرا پایا۔

"اللہ تمہارا مدد گار ہو۔" سکندر آفندی نے دل سے اس کے لیے دعا کی تھی۔ جنگکوک وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ باہر آکر اس کی نظروں نے حماد کو تلاشا تھا۔ وہ باہر لان میں آیا تو حماد وہاں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ موسم پہلے سے بھی زیادہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"بابا چاہتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ نماز پڑھنے جاؤں۔" حماد نے سر اٹھا کر جنگکوک کو دیکھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"پتا نہیں.... فی الحال میں بابا کی بات مان رہا ہوں۔" جنگکوک نے کہا تو حماد کو پہلے حیرت ہوئی اور پھر وہ مسکرا دیا۔

"شیور.... چلو ساتھ چلتے ہیں۔" حماد اپنی جگہ سے اٹھ کر اسی کے پاس چلا آیا۔

"نماز کونسی ہے یہ؟"

"مغرب......۔" حماد نے بتایا تو جنگکوک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ دونوں گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ گاڑی کچھ دیر بعد ایک چھوٹی سی مسجد کے سامنے آکر رک گئی۔ حماد باہر آیا تو جنگکوک بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔

"مجھے نماز نہیں آتی۔" بے اختیار جنگکوک کی دھڑکنیں تیز ہوئیں تھیں۔ حماد نے رک کر اسے دیکھا۔

"میں تمہیں سکھادوں گا۔ فکر نہیں کرو اور اندر آجاؤ۔" حماد کہہ کر مسجد کے اندر چلا گیا جبکہ جنگکوک سے ایک قدم بھی آگے نا بڑھایا گیا۔ اس نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا اور پھر مسجد کے اندر کھڑے حماد کو۔ وہ جنگکوک کے انتظار میں ہی کھڑا تھا۔

"آجاو اندر جنگکوک۔ باہر کیوں کھڑے ہو تم؟" حماد نے کہا تو جنگکوک نے بے اختیار ایک قدم اندر کی طرف بڑھایا۔ وہ بے شمار

گناہ لے کر مسجد کے اندر نہیں جا رہا تھا بلکہ وہ اللہ کے سامنے جا رہا تھا۔ لیکن ضمیر اتنا نادم تھا کہ جنگکوک کا ہر قدم من من بھر کا ہو رہا تھا۔

اس نے بمشکل مسجد کے دروازے کو تھاما۔

"میں یہ نہیں کر پاؤں گا حماد۔ میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔ میں جھکا تو ٹوٹ جاؤں گا۔ مجھے مت کہو کہ میں اللہ کے سامنے جھک جاؤں۔ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ میرے لیے کوئی بخشش بھی نہیں ہو گی۔" وہ وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ حماد نے کچھ پل دکھ سے اسے دیکھا اور پھر اسی کے پاس چلا آیا۔

"ایک بار ٹوٹ جانے دو خود کو۔ اللہ دوبارہ جوڑ دے گا تمہیں۔ اس نے ایک بار پیدا کیا تھا نا تمہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کونسا حصہ کہاں جوڑنا ہے۔ وہ تمہارے ٹوٹے ہوئے وجود کو بالکل ٹھیک جوڑ دے گا۔ تم اس کے سامنے ٹوٹ جاؤ جنگکوک۔ تم اس کے سامنے ندامت سے

جھکو۔ وہ تمہیں اٹھائے گا، عزت کے ساتھ۔ وہ تمہیں معاف بھی کرے گا۔ یہ دنیا ہے جو ہمیں معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے سامنے اگر ہم رو بھی دیں نا تو وہ سمجھ جاتا ہے۔ وہ دلوں کے حال جانتا ہے جنگکوک۔ دنیا سے ناامید ہو جانا لیکن.... کبھی اللہ سے ناامید مت ہونا۔ وہ سنتا ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے اور وہ تمہاری بھی سنے گا۔ لیکن کچھ محنت تو تمہیں کرنی ہو گی نا۔ ایک بار اٹھو اور اس کے سامنے پیش ہو جاؤ۔ خود کو اس کے حوالے کر دو۔ سب کچھ خود بخود آسان ہو جائے گا۔" حماد بول رہا تھا اور جنگکوٹک رو رہا تھا۔ اسے خود بھی نہیں معلوم کہ کیوں لیکن اس کی آنکھیں مسلسل برس رہیں تھیں۔

"اٹھو.....۔" حماد نے کھڑے ہو کر اس کے سامنے ہاتھ کیا۔

جنگکوک نے کچھ دیر بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کا ہاتھ دیکھا اور پھر

اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ وہ حماد کے پیچھے ایک طرف چلا گیا وہاں نل وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ جنگکوک نے حماد کو دیکھ دیکھ کر وضو کیا اور پھر واپس مسجد کے اندر آ گئے۔ جنگکوک اس کے ساتھ ہی ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل بے اختیار دھڑک رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دل سینہ چیر کر باہر آ جائے گا۔ حماد رکوع گیا تھا جنگکوک بھی اس کے ساتھ رکوع میں جھکا۔ وہ بہت زیادہ کانپ رہا تھا۔ اسے لگا کہ اگر وہ کچھ دیر مزید یہاں کھڑا رہا تو گر جائے گا۔ حماد سجدے میں گیا تو جنگکوک خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔ یوں نماز ادھوری چھوڑنا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا لیکن جنگکوک اس وقت بالکل بھی اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ وہ ننگے پیر وہاں سے باہر نکل آیا اور پھر سڑک پر اندھا دھند بھاگنے لگا۔ نا آنسو رک رہے تھے اور نا اس کے قدم۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ بھاگتا رہا اور ایک جنگل نما جگہ پر آ کر ڈھے

گیا۔وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔آسمان پر چاند بھی دھند کے پیچھے چھپا ہوا تھااور ہر طرف اندھیرا تھا۔

"میں نہیں کر سکتا..... میں کیوں نہیں کر پا رہا۔میں کرنا چاہتا ہوں۔میں خود کو جھکانا چاہتا ہوں لیکن.... لیکن یہ اتنا مشکل کیوں ہو رہا ہے۔

میں خود کو بدلنا چاہتا ہوں۔لیکن میں جھک نہیں پا رہا۔اتنے گناہ کر چکا ہوں کہ.....اب شرمندگی ہوتی ہے۔میں کس منہ کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہوں۔"وہ زمین کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کچھ کھو گیا ہو۔

"میری بے بسی کی انتہا تو یہ ہے کہ مجھے سجدے کی توفیق مل بھی گئی ہے اور میں سجدہ نہیں کر پا رہا.... پتا نہیں یہ بسی کی انتہا ہے یا.... یا میری بد قسمتی ہے۔" وہ زمین پر دونوں ہاتھ رکھے ذرا سا جھکا تھا۔

"میری اس اکڑ کو ختم کر دے یا رب.... مجھے جھکا دے... مجھے اپنے سامنے جھکنے کی توفیق عطا فرما دے۔" وہ انجانے میں ہی سہی لیکن اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ چکا تھا۔

"میرے لیے کیوں یہ مشکل ہے؟ ساری دنیا کتنے آرام سے تیرے سامنے جھک جاتی ہے۔ مجھے یہ توفیق کیوں حاصل نہیں۔ میں کیوں یہ سب نہیں کر پا رہا.... یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔"

"سجدے میں گر کر بھی کہتے ہو کہ یہ تم سے نہیں ہو گا۔" اس کی پشت پر ایک بھاری مردانہ آواز ابھری تھی۔ جنگکوک نے سجدے سے اٹھ کر پیچھے دیکھا اور دھنگ رہ گیا۔ وہ اس شخص کو جانتا تھا۔ وہ

نورانی چہرے والے بزرگ، جنگلوک ایک لمحے میں انہیں پہچان گیا تھا۔

"عطااللہ صاحب.....۔"جنگلوک تیر کی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کران کے قریب آیا تھا۔

"آپ عطااللہ صاحب ہی ہیں نا؟"

"یاداشت اچھی ہے تمہاری۔"وہ شفقت بھرے انداز سے مسکرائے تھے۔جنگلوک خاموش رہا۔

"لگتا ہے نفس کے ساتھ جنگ شروع ہوگئی ہے۔"

"جنگ تو شروع ہوگئی ہے لیکن.....میں جیت نہیں پارہا۔میں ہار رہا ہوں۔آپ نے کہا تھا مجھے مومن خود بننا ہے جبکہ میں تو اچھا مسلمان بھی نا بن سکا۔"

"نفس کے ساتھ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو پھر اس کو جیتنا ہوتا ہے۔ ہتھیار نہیں ڈالنے ہوتے۔اللہ کے راستے پر چلنا اتنا بھی آسان نہیں ہے..... لیکن اللہ کے راستے پر چلنے کا فائدہ بہت ہے۔"

"آپ بتائیں.... میں کیسے اس کے راستے پر چلوں؟". عطااللہ صاحب نے شفیق نظروں سے جنگکوک کو دیکھا۔ان کے یوں دیکھنے پر جنگکوک کو جیسے اپنے دل پر ٹھنڈی پھوار پڑتی محسوس ہوئی۔

"بیٹھو......۔"وہ زمین پر ایک کپڑا بچھا کر نیچے بیٹھ گئے۔

"یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔ہم کہیں اور چلتے ہیں۔"۔جنگکوک فوراً بولا تو انہوں نے ایک نظر جنگکوک کو دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

"کب سے ننگے پاؤں گھوم رہے ہو، تب تو سردی کا احساس نہیں ہوا؟"جنگکوک نے ایک نظر اپنے پیروں کو دیکھا اور پھر شرمندہ سا وہیں بیٹھ گیا۔

"مجھے نہیں یاد کہ میں نے کہاں جوتا اتارا تھا۔"

"یہ تو یاد ہے نا کہ تم نے کلمہ پڑھا تھا؟" جنگکوک نے سرخ آنکھوں کے ساتھ اپنے سامنے بیٹھے نورانی چہرے والے بزرگ کو دیکھا۔

"بولو جنگکوک... کیا پڑھا تھا تم نے؟" وہ بہت اپنائیت سے اس سے پوچھ رہے تھے. کچھ پل کے لیے جنگکوک کا ذہن بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ وہ ان کلمات کو یاد کرنے لگا۔

"لا الہ... الا اللہ..... محمد.... رسول اللہ۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر پہلا کلمہ پڑھا تھا۔

"اور اس کا ترجمہ کیا ہے؟" ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن پر زور دیا تھا۔

"اللہ کے سوا..... کوئی.... عبادت کے لائق نہیں.....اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم... اللہ کے رسول ہیں۔"

"یہ پڑھا تھا نا تم نے؟ یہ پڑھ کر تم مسلمان ہوئے تھے نا۔ جب اس بات کا اقرار خود کیا تھا تو تمہیں کیا لگا تھا کہ یہ کوئی بہت معمولی بات ہے؟ اگر یہ اتنی معمولی بات ہے تو تم کیسے اسے پڑھ کر مسلمان ہو گئے؟" سوالیہ نظروں سے جنگلوک کو دیکھا جبکہ وہ نظریں جھکائے بیٹھا رہا۔ دل میں تکلیف بڑھ رہی تھی۔

"یہ کلمہ تو اقرار ہے جو ہر روح نے عالم ارواح میں اللہ سے کیا تھا کہ اسے اللہ تیرے سوا کوئی رب نہیں۔ جب کہا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پھر تم کیسے اتنا عرصہ مسلمان ہونے کے باوجود کسی اور کو پوجتے رہے۔ کسی اور کی عبادت کرتے رہے۔ اور جس کی عبادت کرنی تھی، اس طرف تم قدم لے جاتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار ہوتے تھے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہمارا اللہ تمہیں معاف نہیں کرے گا؟ تم جو مانگو گے وہ تمہیں نہیں دے گا؟ اگر وہ

نہیں دے گا تو پھر کون دے گا؟ ہے کوئی اور اس کے سوا جسے تم پکارو اور وہ تمہاری پکار سن لے؟ جسے تم کہو کہ تمہیں صبر عطا کرے تو وہ تمہیں صبر دے۔ بولو ہے کوئی اور اس کے سوا؟" وہ بڑی صاف گوئی سے بولتے ہوئے جنگلوک کو شرمندہ کر گئے تھے۔ وہ سر نیچے گرائے آنسو سے رو رہا تھا۔

"کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں؟"

"جی.... مانتا ہوں۔"

"اور اگر اس سے انکار کیا تو کیا ہو گا؟"

"اس کلمے کا انکار کفر ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن ہے۔"

"تم جانتے ہو نا کہ اللہ کتنا مہربان ہے۔ اگر کوئی بڑھاپے میں بھی یہ کلمات پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسے دھتکار نہیں دیتا بلکہ قبول کر لیتا ہے۔" بے اختیار جنگکوک کا دھیان سکندر آفندی کی طرف چلا گیا تھا۔

"بالکل.... وہ اپنے بندے کو ہر حال میں قبول کر لیتا ہے۔" بے اختیار جنگکوک کے لب ہلے تھے۔

"تو پھر کیا وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا؟"

"وہ مجھے بھی معاف کر دے گا۔ وہ مجھے پاک کر دے گا۔"

"تو پھر اٹھو اور وضو کر لو۔ یہ نماز کا وقت ہے اور ہمیں مل کر نماز ادا کرنی چاہیے۔" عطاء اللہ صاحب نے کہا تو وہ فوراً سر ہلاتا کھڑا ہو گیا۔ ان بزرگ کے پاس پانی کی بوتل تھی جو انہوں نے جنگکوک کو دی۔

جنگکوک نے بوتل تھام لی اور وضو کرنے لگا۔ وضو کر کے وہ خاموشی

سے عطااللہ صاحب کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جسم اب بھی کانپ رہا تھا۔
دل پھر سے سینہ چیر کر باہر آنے کو بے تاب تھا لیکن اس دفعہ جنگلوک نے خود پر قابو پا لینے کی کوشش جاری رکھی تھی۔ نماز پڑھتے ہوئے وہ ارد گرد کی ہر چیز سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ بیس منٹ بعد وہ دونوں نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے۔

"تو بتاؤ برخودار! نماز پڑھ کر کیسا محسوس ہو رہا ہے؟" انہوں نے جنگلوک کے سرد پڑتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"ایک سکون سا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے دل پر کوئی بہت بڑا بوجھ تھا، جو کہ اب ختم ہو گیا ہو۔" وہ بولا تو اس کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں نمی تھی۔ لیکن اس کا انداز پر سکون تھا۔

"تو وعدہ کرو کہ تم آئندہ کبھی نماز نہیں چھوڑو گے؟"

"میں وعدہ تو نہیں کر رہا۔ لیکن میں کوشش ضرور کروں گا۔"

"کیا اب بھی کوشش کرو گے؟" عطا اللہ صاحب کے سوال پر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"مجھے نماز نے جو سکون دیا ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ اس لیے اب میں کبھی بھی نماز کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔ پہلے مجھے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہے اور پھر اللہ سے دعا کرنی ہے کہ وہ مجھ سے نماز پڑھنے کی توفیق کبھی نا چھینے۔" اس کے ارادے سن کر وہ زیر لب مسکرا دیئے۔

"اللہ تمہاری دعائیں قبول کرے۔ آمین" انہوں نے جنگلوک کے کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو اس نے سر کو خم دیا۔

"اب رات ہو گئی ہے۔ تمہارے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ تمہیں اب گھر جانا چاہیے۔" گھر کے ذکر پر اسے حماد یاد آیا تھا۔

ہاں... وہ اسے مسجد میں تنہا ہی تو چھوڑ آیا تھا۔ کتنا ڈھونڈا ہو گا حماد نے اسے۔ جنگکوک نے بے ساختہ اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

"آئیں میں آپ کو گھر چھوڑ دیتا ہوں۔" اس نے کھڑے ہوتے عطا اللہ صاحب سے کہا۔

"نہیں.... تم جاؤ۔ میں کچھ دیر مزید یہاں رکوں گا۔"

"لیکن یہ ویران جگہ ہے اور سردی بھی بہت ہے۔ آپ کیسے یہاں رکیں گے۔"

"اللہ والوں کو ان ویران جگہوں سے ڈر نہیں لگتا۔ بلکہ انہیں تو ایسی جگہیں پسند ہوتی ہیں۔"

"تو پھر آپ یہیں رک رہے ہیں؟"

"ہاں بالکل! میں یہیں رکوں گا۔"

"تو کیا میں جاؤں؟"

"ہاں تم جاؤ۔ گھر والوں کو پریشان کر کے بھاگے ہو تم۔" وہ مسکرا کر بولے تھے۔ جنگکوک ذرا شرمندہ ہوتے ہوئے اپنا سر کھجانے لگا۔

"مجھے ایک نئی زندگی دینے کا شکریہ۔ میں چلتا ہوں اب اپنا خیال رکھیئے گا۔" جنگکوک نے ذرا جھک کر ان کے ہاتھ کو چوما تھا۔ انہوں نے بھی پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"جیتے رہو۔" ان کی ڈھیروں دعائیں لیے جنگکوک وہاں سے چلا آیا تھا۔ وہاں سے تو دعائیں لے لیں تھیں لیکن گھر آکر حماد سے گالیاں کھائی تھیں۔ وہ گھر آیا تو حماد سامنے پریشان سا چکر کاٹتا نظر آیا۔ جنگکوک کو دیکھ کر جیسے اس کی جان میں جان آئی تھی۔ لیکن جو غصہ چڑھا ہوا تھا ابھی اسے نکالنا تھا۔

"کہاں تھے تم؟ جہاں بھی تھے...۔" اس سے پہلے جنگکوک کوئی جواب دیتا حماد خود ہی بول پڑا۔ "تمہیں شرم نہیں آئی یوں غائب

ہوتے ہوئے۔ اتنا اپنی زندگی میں کوئی نہیں بھاگا جتنے تم بھاگے ہو۔ تھکتے نہیں ہو کیا بھاگ بھاگ کر۔ خود تو بھاگتے ہی ہو، ساتھ میں مجھے بھی بھگاتے ہو۔ تھک گیا ہوں میں تمہارے پیچھے بھاگ بھاگ کر۔ ایک دفعہ ہی بتا دو کہ اور کتنی دفعہ بھاگنا ہے؟"

"ابھی مجھے خود کنفرم نہیں ہے۔ لیکن شاید جب جب موقع ملے تب تب۔" حماد حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھے گیا۔

"کتنے ڈھیٹ ہو تم۔ میں یہاں پریشانی سے آدھا رہ گیا ہوں اور تم کہہ رہے ہو جب موقع ملے گا بھاگ جاؤ گے۔" حماد کے یوں حیرت سے کہنے پر جنگکوک نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

"اچھا یہ بتاؤ تم ابھی تک سوئے کیوں نہیں؟" جنگکوک نے اس کے سوال کو اگنور کیا۔ لیکن جو سوال اس نے پوچھا تھا اس کے بعد تو حماد کا دل کیا جنگکوک کا سر پھوڑ دو۔

"تم شام سے لاپتا ہو۔ ماموں جان کو میں نے یہ بتایا کہ تم واپس آکر سو گئے تھے اور وہ بار بار پوچھ رہے ہیں کہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ اور میں کبھی تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں اور کبھی ماموں جان کو دیکھ رہا ہوں۔ اور گھر سے تمہاری بیگم کے الگ فون آ رہے ہیں۔ تم سب نے مل کر مجھے پاگل بنا دیا ہے اور اب پوچھ رہے ہو کہ میں سویا کیوں نہیں۔" حماد بول رہا تھا جبکہ جنگکوک "تمہاری بیگم" پر ہی اٹک گیا تھا۔

"فون کرو اسے۔" جنگکوک نے کہا تو حماد نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"نہیں کروں گا۔"

"مجھے اس کی آواز سننی ہے۔"

"جتنا پریشان تم نے اسے کیا ہے نا، میرا بس چلے تو قیامت تک تمہیں اس کا چہرہ نا دیکھنے دوں۔" حماد غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ جنگکوک کا دل ہزار ٹکڑوں میں کٹا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

اس نے اپنے روم میں آکر سب سے پہلے تہجد کے وقت کا الارم لگایا تھا۔ تہجد کی نماز کا اسے ماریہ سے پتا چلا تھا۔ وہ جب تہجد کے وقت اٹھتی تھی تو جنگکوک بھی اکثر اس کے ساتھ اٹھ جاتا تھا۔ الارم لگا کر وہ سونے کے لیے لیٹا تو پھر کتنے خیالوں نے اس کی آنکھوں کی نیند چرا لیں، اور یہ پہلی رات تھی جب جنگکوک کو نیند نہیں آئی تھی۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا تھا، یہاں تک کہ الارم بجنے لگ گیا۔ نیند پوری نا ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں لال ہو گئیں تھیں لیکن وہ خاموشی سے اٹھ کر واشروم میں چلا گیا۔ پانی ٹھنڈا تھا لیکن وہ خاموشی

سے وضو کر کے سکندر آفندی کے روم میں آیا۔ سکندر آفندی بھی جائے نماز پر نیت باندھے کھڑے تھے۔ جنگکوک کو یہ دیکھ کر کافی حیرت ہوئی تھی کہ وہ جنگکوک سے پہلے ہی اٹھ گئے تھے۔ جنگکوک مسجد میں گیا اور فجر تک وہیں رکا رہا تھا۔ نماز کے بعد وہ رات والی جگہ پر گیا تو حیران رہ گیا۔ عطااللہ صاحب ابھی تک وہیں تھے۔

"اسلام علیکم۔" وہ سلام کر کے انہی کے پاس بیٹھ گیا۔ صبح ابھی روشن نہیں ہوئی تھی۔

"واعلیکم السلام۔ کیسے ہو برخودار؟"

"میں ٹھیک ہوں لیکن آپ.... کیا ساری رات یہیں بیٹھے رہے ہیں؟" جنگکوک کا سوال سن کر وہ مسکرا دیئے۔

"ہاں.... یہیں بیٹھا رہا ہوں۔"

"گئے کیوں نہیں آپ؟ یہاں تو اتنی ٹھنڈ ہے۔"

"اگر میں چلا جاتا تو تم جو بات کرنے آئے تھے، وہ کیسے کرتے؟"

جنگکوک نے استعجاب سے انہیں دیکھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں کوئی بات کرنے آیا ہوں؟"

"تم اس جگہ آئے ہو تو اس کا مطلب میرے پاس ہی آئے ہو نا۔"

جنگکوک کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"جی.... بالکل ٹھیک پہچانا آپ نے۔ میں آپ سے ایک ضروری

بات کرنے آیا ہوں۔"

"ہاں کہو.... کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں اس قابل تو نہیں ہوں لیکن..... میں..... قرآن پاک سیکھنا

چاہتا ہوں۔" جنگکوک کی بات پر انہوں

نے جنگکوک کو دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

"تو سیکھ لو نا۔"

"میں نے کبھی پڑھا نہیں۔ مجھے نہیں آتا۔"

"فجر کی نماز کیسے پڑھی ہے؟"

"میں نے پڑھی نہیں ہے۔ میں نے بس نیت کی، رکوع اور سجدہ وغیرہ کر کے اٹھ گیا۔ مجھے نماز بھی نہیں آتی۔" عطااللہ صاحب اس کی بات سن کر دکھی سا مسکرائے تھے۔

"تو پھر پہلے تم نماز سیکھو گے، اس کے بعد میں تمہیں قرآن مجید سکھاؤں گا۔ تم روزانہ صبح و شام اسی جگہ آجانا کرنا۔" جنگکوک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اچھے ذہن کے لگتے ہو، مجھے لگتا ہے تم جلد ہی یہ سب کچھ سیکھ جاؤ گے۔" جنگکوک نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

اس نے تمام نمازیں عطااللہ صاحب کی امامت میں پڑھی تھیں۔ عشا کی نماز کے بعد وہ گھر آیا تو سکندر آفندی رات کے کھانے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"آپ نے کھانا نہیں کھایا ابھی تک؟"

ءتم جانتے ہو نا کہ مجھے خود کھانا کھاتے ہوئے مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔" جنگلوک نے ذرا تعجب سے اپنے باپ کو دیکھا۔

"آپ وضو بھی تو خود کرتے ہیں نا۔ واشروم میں اکیلے جاتے ہیں۔" جنگلوک کی بات پر سکندر آفندی ہولے سے ہنس دیئے۔

"تمہیں میرے ساتھ کھانا کھانے میں اگر کوئی مسلہ ہے تو بتا دو نا۔ اتنے سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟" سکندر آفندی کے اس طرح سے پوچھنے پر پہلے وہ بری طرح سٹپٹایا اور پھر شرمندگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں بابا! میں تو بس یونہی کہہ رہا تھا۔"

"میں اس گھر میں ایک لمبے عرصے سے رہ رہا ہوں جنگکوک۔ میں اس گھر کے کونے کونے سے واقف ہوں۔ واشروم تک تو میں ویسے بھی آنکھیں بند کر کے جا سکتا ہوں، یہ کوئی مسئلے کی بات نہیں ہے لیکن کھانا.... وہ تو ہم نے جب بھی کھایا ساتھ ہی کھایا، تو پھر اب کیسے میں تمہارے بغیر کھانا کھا لیتا۔" جنگکوک کو ایک دفعہ پھر سے شرمندگی ہوئی تھی لیکن اس دفعہ اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا تھا۔

"اب ویسے بھی کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہے بابا۔" سکندر آفندی کتنی دیر تک خاموش رہے۔ جنگکوک نے چند نوالے توڑ کر ان کے منہ میں ڈالے۔

"تم آج سارا دن کہاں تھے جنگکوک؟ حماد بھی نہیں آیا۔"

"میں..... خود کو تلاشنے گیا تھا۔ میں کون ہوں اور میرے جینے کا کیا مقصد ہے۔ اس کا جواب لینے گیا تھا۔"

"تو پھر جواب ملا؟"

"ہاں.... جواب بھی مل گیا اور.... راستہ بھی۔"

"کیا تم نے.......؟"

"جی بابا... آج میں نے ساری نمازیں پڑھیں اور بہت زیادہ سیکھ بھی لی۔ آج احساس ہوا کہ میں اس دنیا میں کیوں آیا ہوں اور مجھے کس نے بھیجا ہے۔"

"تو کیا مقصد نظر آیا؟"

"یہی کہ ہم اس دنیا میں صرف اللہ کی عبادت کے لیے نہیں بھیجے گئے.... اس کے لیے تو فرشتے ہی کافی تھے۔ ہم اس دنیا میں جانچ کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے کون پرہیز گار رہا تھا، کس

نے خود کو گناہوں سے بچا کر اپنی زندگی کو صاف رکھا، کس کی جوانی پاک تھی، دوسرے انسانوں کو ہم نے انسان سمجھا تھا یا جانوروں جیسا سلوک ان کے ساتھ اپنائے رکھا.... ہم نے اللہ کے بتائے ہوئے راستوں کو چنا یا اپنی مرضی کے راستوں پر چل کر اپنی آخرت خراب کر لی......۔"

سکندر آفندی نے جنگکوک کو حیران اور پر سکون نظروں سے دیکھا تھا۔ان کا بیٹا بدل رہا تھا۔ایک لڑکی کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے، اس کے لیے جس نے اسے پیدا کیا تھا۔وہ دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں فخر تھا۔انہوں نے مسکرا کر جنگکوک کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

○○○○○○○○○○○

"کافی دن بعد چکر لگا رہے ہو، گھر میں سب ٹھیک تو ہے نا؟" آج حماد دو ہفتوں بعد سکندر ہاؤس آیا تھا۔ کچھ دن پہلے ہی سکندر آفندی نے گھر کے باہر لگی تختی بدلی تھی۔

"جی ماموں جان! میں نے سوچا کچھ وقت آپ کو آپ کے بیٹے کے ساتھ گزارنے دیا جائے۔" اس نے ذرا سا مسکرا کر کہا تھا۔

"میری بہو کیسی ہے؟"

"سوگ میں ہے۔ ابھی تک اپنے مرحوم شوہر کو بھولی نہیں ہے۔" حماد کا لہجہ ایک دم تلخ ہو گیا تھا۔

"تو تم اسے بتا کیوں نہیں دیتے کہ اس کا شوہر زندہ ہے۔"

"کیا بتاؤں اسے کہ اس کا شوہر کبھی نہیں بدل سکتا۔ یا تو وہ اس کے ساتھ ایسے ہی زندگی گزار لے یا علیحدگی اختیار کر لے۔ دونوں صورتوں میں دل تو میری بہن کا ہی ٹوٹے گا نا ماموں جان۔"

"جنگلو ک عشق کرتا ہے اس سے۔ تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہاری بہن کو چھوڑ دے گا؟"

"اگر اتنا ہی سچا عشق ہے اسے تو خود کو بدل کیوں نہیں لیتا۔ کہاں ہے ابھی۔ یقینا گیا ہو گا کلب میں اپنے دوستوں کے ساتھ۔" سکندر آفندی کی آنکھوں میں بہت ساد کھ سما گیا تھا لیکن پھر بھی وہ مسکرا دیئے۔

"نماز پڑھنے گیا ہے میرا بیٹا۔" حماد نے سکندر آفندی کو دیکھا جیسے اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

"آپ کو کیسے پتا کہ وہ نماز پڑھنے گیا ہے؟"

"میرا بیٹا ایک اچھا مسلمان بن گیا ہے۔ نماز پڑھنے سے پہلے روزانہ مجھے بتا کر جاتا ہے۔" حماد کو تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"لیکن ہو سکتا ہے کہ مسجد میں نا جاتا ہو۔ کہیں اور جاتا ہو۔"

"تم مسجد جاتے ہو؟" سکندر آفندی کے یوں اچانک پوچھنے پر حماد نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"جس ایریا میں ہم رہتے ہیں، وہاں دور دور تک کوئی مسجد نہیں ہے۔ اس لیے میں گھر پر ہی پڑتا ہوں۔"

"تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ مسجد نہیں جاتا؟" حماد کو شاک پہ شاک مل رہا تھا۔ سکندر آفندی یقیناً آج اپنے بیٹے کے خلاف کوئی بات نہیں سننے والے تھے اور حماد کو یقین آگیا تھا کہ جنگکوک واقعی ہی بدل گیا ہے۔

"اور دوسری بات وہ جنگکوک نہیں عالیان سکندر ہے۔ سکندر آفندی کا بیٹا عالیان سکندر۔" حماد کتنے لمحے خاموشی سے انہیں دیکھے گیا جبکہ دماغ عالیان سکندر پر اٹک گیا تھا۔

"عا... عالیان سکندر؟"

"وہ صرف خود ہی نہیں بدلا، اس نے اپنا نام بھی بدل دیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ جنگلوک کے نام سے نہیں بلکہ عالیان کے نام سے پہچانا جائے۔ وہ اپنی ایک نئی پہچان بنانا چاہتا ہے۔ وہ پرانی زندگی سے باہر نکلنا چاہتا ہے اور اس ساری سچویشن میں میں اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑا ہوں۔ کوئی اور اس کا ساتھ دے نا دے۔" وہ ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ کر خاموش ہو گئے تھے۔ حماد کو بہت تعجب ہوا تھا لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں تھیں۔

ooo/oooooooooooooo

وہ پارکنگ ایریا میں ایک بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ موسم گرما کی شروعات ہو چکی تھی۔ وہ اکیلا بیٹھا اپنے ارد گرد کی دنیا کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دنیا کبھی

جنگلوک کے لیے بہت دلچسپ ہوتی تھی اور اب یہ دنیا عالیان کا دل نہیں بہلا سکتی تھی۔ وہ لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور کوئی کھیل رہا تھا۔ کہیں کوئی غیر شادی شدہ کپل بیٹھا ہوا تھا اور کہیں لوگ اپنے فیوچر پلان کر رہے تھے۔ آخر کس لیے۔ اس زندگی کے لیے جس پر ایک لمحہ بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انسان جو سوچتا ہے، اکثر وہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے اللہ سے اچھی امید لگانی چاہیے اور ہمیشہ اچھا سوچنا چاہیے لیکن.....

"لیکن اس سب میں انسان اپنی موت اور آخرت کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ اللہ کو بھول کر کیسے اپنی زندگیاں سیٹ کرنے کا سوچ سکتے ہیں...۔" بے ساختہ عالیان کے ہونٹ ہلے تھے اور ساتھ بیٹھے نفس نے قدرے مسکرا کر عالیان کو دیکھا۔

"پورے ایک ماہ بعد تمہیں مل رہا ہوں... تم واقعی ہی بدل گئے ہو جنگکوک....... عالیان۔" حماد نے فوراً اپنی غلطی سدھاری تھی۔

اسے لگا کہ عالیان کو غصہ آجائے گا لیکن اس کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ دیکھ کر حماد کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ لیکن اس مسکراہٹ کے پیچھے کے کرب کو وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دنیا کے لیے جنگکوک ہی تھا۔ یہ پہچان کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑنے والی تھی۔ وہ جتنا بھی ماضی کی تکلیفوں کو بھول کر ان سے ہیل ہونے کی کوشش کرتا تھا، پھر کچھ نا کچھ ایسا ہوتا تھا جس سے سب کچھ ایک دم تازہ ہو جاتا تھا۔ ہیلنگ واقعی ہی آسان نہیں ہے۔ کوئی ایک چھوٹی سی بات آپ کو پھر ماضی کا وہ قصہ یاد کروا دیتی ہے جو آپ کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہو۔

"میں نے خود کو بدل لیا ہے... اللہ کی خاطر... لیکن لوگوں کو جنگلوک ہمیشہ یاد رہے گا۔ انسان موت تک اپنی پرانی پہچان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ کافی ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ اس نے اللہ اور ماریہ کے لیے خود کو بدلا ہے۔ وہ یہ کیسے کہہ سکتا تھا جبکہ اللہ کو شرک پسند نہیں۔ وہ اس کی جان سے بھی زیادہ عزیز بیوی تھی لیکن وہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کر سکتا تھا، اور یہ سچ تھا کہ اس نے خود کو اللہ کے لیے ہی بدلا تھا۔ آج عالیان کے بولنے کا انداز جان فدا کر دینے والا تھا۔ لڑکیاں تو کیا آج حماد بھی اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ یہ کیسا حسن تھا اس کے چہرے پر کہ حماد پلکیں بھی جھپکا نا پایا۔ وہ حسین تھا، لیکن آج کا اس حسن امر ہو گیا تھا۔

"کیا تمہیں اس سب سے فرق پڑتا ہے؟" بس اس کے لب ہلے تھے۔

"مجھے اب کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔"

"برا تو لگتا ہو گا؟"

"جب فرق ہی نہیں پڑتا تو اچھا اور برا لگنے کے بارے میں کیوں سوچا جائے۔" حماد کو یقین آ رہا تھا کہ واقعی ہی وہ جنگلوک ہے۔

"ہم بہت جلد بوسان جا رہے ہیں۔" حماد کے بتانے پر عالیان نے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہم... مطلب؟"

"میں، میری بیوی اور ماریہ......" ماریہ کے نام پر عالیان کے اندر ایک بار پھر توڑ پھوڑ مچ گئی تھی۔

"کیوں؟" ناجانے کیسے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"کیونکہ وہ یہاں رہ کر اپنی تعلیم پر توجہ نہیں دے پائے گی اور بھائی چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے غم سے نکل کر آگے بڑھ جائے۔"

"تو کیا وہ مجھے........ بھلا دے گی؟ کیا وہ مجھے پیچھے چھوڑ کر اپنی زندگی میں آگے بڑھ جائے گی؟" عالیان کو محسوس ہوا جیسے اس کی سانسیں رک جائیں گی۔ حماد نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

"پتا نہیں... تم خود اس سے مل لینا، شاید تب تم کچھ دریافت کر سکو۔" عالیان نے ناسمجھی سے حماد کو دیکھا۔

"میں... میں کیسے مل سکتا ہوں۔ تم جانتے تو ہو نا....۔"

"کچھ دن انتظار کرو... تمہیں خود اس سوال کا جواب مل جائے گا۔" حماد نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ عالیان کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

ooooooooooooooo

رات کو وہ نماز پڑھ کر کچھ دیر سکندر آفندی کے پاس بیٹھا تھا اور پھر اٹھ کر روم میں چلا آیا۔ اس نے سب سے پہلے وضو کیا اور پھر قرآن مجید کھول کر پڑھنے لگا۔ یہ اس کی روٹین میں شامل تھا۔ شام کا کھانا کھانے کے بعد وہ عشا کی نماز پڑھنے جاتا اور پھر کافی دیر تک اپنے بابا جان کے پاس بیٹھا رہتا۔ پھر اپنے روم میں آکر قرآن پڑھتا اور پھر مصلہ بچھا کر کتنی دیر تک وہیں بیٹھا رہتا۔ کبھی کبھار تو مصلے پر ہی اس کی صبح ہو جاتی تھی۔ عالیان کو اب بہت کم نیند آتی تھی۔ جب سے اس نے قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تھا، وہ خوف کے حصار میں رہنے لگا تھا۔ وہ سوتا نہیں تھا اور اگر کبھی سوتے ہوئے آنکھ لگ بھی جاتی تو ڈر کر کھل جاتی تھی۔ اور کسی بھی برے خواب سے بچنے کے لیے وہ رات بھر ایک لمحہ بھی آنکھ بند نا کرتا تھا اور فجر کی نماز پڑھ کر، قرآن مجید کی تلاوت کر کے سو جاتا تھا۔ اور پھر سات بجے اٹھ

کرمارننگ واک پر چلا جاتا۔اس کے بعد اس کا سارا وقت سکندر آفندی کے لیے ہوتا تھا۔اور یہی اس کی روٹین تھی۔

آج وہ سورت ملک کی تلاوت کر رہا تھا۔سورت ملک کی تلاوت کرتے ہوئے اسے وہ یاد آئی تھی۔یہ سورت اس نے پہلی دفعہ اسی سے سنی تھی۔عالیان نے خود کو سنبھالتے ہوئے تلاوت شروع کی اور پھر اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ناجانے کیوں آج ان آنکھوں میں،اس دل میں خوف کم تھا اور تسلی زیادہ تھی۔اس سورت نے جیسے عالیان کے سارے وسوسے ختم کر دیئے تھے۔

یہاں وہ اللہ کی اس کے بندے کے ساتھ محبت پر رویا تھا۔کچھ دیر مزید تلاوت کرنے کے بعد اس نے قرآن مجید رکھ دیا اور پھر مصلہ بچھا کر شکرانے اور توبہ کے نوافل ادا کر کے بیٹھ گیا۔اس کا سر جھکا ہوا تھا اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔

"میں تو سمجھتا تھا کہ اللہ آپ بہت سخت ہیں، ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا ہر حال میں دیں گے۔ میرے ذہن میں اسلام کو اور آپ کو لے کر جو تصور تھا وہ تو حقیقت سے بہت مختلف ہے۔ بے شک اسلام امن کو پسند کرتا ہے اور جو امن کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا تو یہ کام ہی نہیں ہے۔ آپ مسلمانوں پر کتنے مہربان ہیں یا اللہ۔ آپ تو رحم کرنے والے ہیں۔ آپ محبت کرنے والے ہیں تو کیوں ہم لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ آپ بہت سخت ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ آج مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے مجھے آپ کا ساتھ مل گیا ہے۔ میں نے آپ کو پا لیا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میرا دل ہمیشہ آپ کی محبت میں مبتلا رہے اور اس میں آپ کا خوف بھی موجود رہے۔" وہ بالکل ایسے بول رہا تھا جیسے واقعی ہی اللہ اس کے سامنے بیٹھے ہوں اور وہ ان سے باتیں کر رہا ہو۔

"میں آپ کا بندہ ہوں یا اللہ! آپ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتا یا اللہ لیکن.... آپ نے میری ذات میں ایک پاکیزہ لڑکی کو شریک کیا تھا۔ یا اللہ! وہ کھو گئی ہے مجھ سے.... وہ لوٹا دیں۔" کتنے لاڈ اور مان سے وہ اللہ سے اسے واپس مانگ رہا تھا۔

"بے شک ان دنوں میں اس بات کی سمجھ نہیں رکھتا تھا لیکن آج مجھے سب کچھ واضح نظر آرہا ہے۔ وہ کیا چاہتی تھی، وہ چاہتی تھی کہ میں اسلام کے راستے پر چل پڑوں۔ وہ مجھے جہنم کی آگ سے بچانا چاہتی تھی۔ اصل محبت تو وہ کرتی تھی مجھ سے، اور میں.... میں اس وقت اتنا بد قسمت تھا کہ اس کی سچی محبت کو نا سمجھ سکا۔"

آنسوؤں ٹپ ٹپ اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں گر رہے تھے۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مجھے ابھی دے دیں۔ جب آپ کو لگے کہ ہم دونوں کے ملنے کا وقت آگیا ہے، آپ مجھے میری شریک حیات تب لوٹا دیں۔ میں انتظار کروں گا۔ صبر کروں گا۔ لیکن مجھے وہی چاہیے۔ نا اس جیسی کوئی اور، اور نا ہی کوئی اور۔ نہیں نہیں.... میں آپ سے ضد نہیں لگا رہا.... میں تو آپ سے مانگ رہا یا اللہ۔ میں بس آپ کی رضا میں راضی ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن جو میرے دل میں ہے، جو میری رگوں میں ہے، جو ہر وقت میرے تصور میں رہتی ہے، وہ میری بیوی ہے۔ میری محرم۔ میں اس کے علاوہ نا کسی کے بارے میں سوچتا ہوں اور نا سوچنا چاہتا ہوں۔ میں بس اس پل کا انتظار کروں گا جب وہ آپ کی رضا سے میرے پاس لوٹ آئے گی۔"

کتنا یقین تھا اسے اپنی دعاؤں پر۔ چہرے پر دلکش مسکراہٹ لیے وہ جائے نماز پر ہی لیٹ گیا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

مئی کی جھلسا دینے والی گرمی نے ہر ذی روح کا حال برا کیا ہوا تھا۔ ایسے میں وہ دونوں مغرب کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے۔ حماد دن بدن عالیان کی اندر رونما ہوتی تبدیلیوں کو محسوس کر رہا تھا اور یہ احساس کافی خوبصورت تھا۔ ابھی وہ دونوں سڑک کنارے چلتے ہوئے گھر کی طرف جا رہے تھے۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" عالیان کی اچانک فرمائش پر حماد نے گردن موڑ کر اسے دیکھا لیکن رکے دونوں نہیں۔

"کیوں؟ تمہیں اچانک اس کا خیال کیوں آیا؟" عالیان نے رک کر بڑی عجیب نظروں سے حماد کو دیکھا۔

"اچانک؟ مجھے اس کا خیال اچانک آیا ہے؟ حماد..... میں اسے کبھی بھولا ہی نہیں ہوں، اور تم کہہ رہے ہو کہ اچانک خیال آیا ہے۔" عالیان بڑی بے یقینی سے بول رہا تھا۔

"ملنے کا خیال تو اچانک ہی آیا ہے نا۔"

"ہاں... کیونکہ اس سے پہلے میں خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔"

"تو کیا اب تم اس قابل ہو گئے ہو؟" حماد نے بہت عام سے لہجے میں پوچھا تھا لیکن یہ سوال عالیان کی سانسیں روک گیا تھا۔

"کیا میں ابھی اس کے قابل نہیں ہوا؟" عالیان کے یوں پوچھنے پر حماد نے اپنی مسکراہٹ کو لبوں پر روکا۔

"آج کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"مطلب....۔"

"مطلب ابھی چلو میرے ساتھ اور مل لو اس سے۔"

"اگر سر ہی کھلوانا ہے تو کل جانے میں کیا حرج ہے؟"

"ٹرسٹ می.... وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔" حماد کا لہجہ پر اعتماد تھا۔

"تم کیسے اتنے یقین سے یہ کہہ سکتے ہو۔"

"یہ جاننے کے لیے تمہیں میرے ساتھ ہمارے گھر چلنا ہو گا۔" حماد نے کہا تو عالیان نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ دونوں عشا کی نماز پڑھ کر فرقان ہاؤس کی طرف نکل پڑے تھے۔

عالیان کی دھڑکنیں کبھی تیز رفتاری سے چلنے لگتی اور کبھی تھم جاتیں۔ وہ آج دیر کے بعد اسے ملنے جا رہا تھا۔ وہ کیا منظر ہو گا جب وہ اسے اپنے سامنے دیکھے گا۔ اس خیال نے ہی عالیان کی دھڑکنوں کو ہلا کر رکھا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی فرقان ہاؤس کے سامنے آ کر رکی تھی۔

گاڑی کی آواز سن کر چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ حماد گاڑی اندر لے آیا۔ چوکیدار نے اندر بیٹھے نفوس کو نہیں دیکھا تھا۔ گاڑی روک کر حماد باہر آیا۔ اس نے احتیاطاً ادھر ادھر دیکھا، سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے عالیان کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ عالیان بڑی احتیاط کے ساتھ گاڑی سے باہر آیا۔ راہداری سے گزر کر وہ گھر کے دروازے تک آئے اور پھر حماد نے اندر آ کر اچھے سے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں کوئی جاگ نا رہا ہو۔ لیکن ان کی قسمت اچھی تھی کہ سامنے کوئی نہیں تھا۔

"راستہ بالکل صاف ہے۔" حماد نے ذرا سی گردن باہر نکال کر کہا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے جاسوس ہو۔" عالیان نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔

"سچ بتاؤں تو ایسے چھپتے چھپاتے آتے ہوئے یہی محسوس ہو رہا ہے

جیسے میں کوئی جاسوس ہوں اور یہاں پر کسی کی جاسوسی کرنے آیا

ہوں۔" حماد نے ذرا شوخ انداز میں کہا۔

"حالانکہ شکل سے چور لگتے ہو۔" عالیان کی بڑبڑاہٹ کو وہ سن چکا تھا

تبھی تیور اکر گھوما۔

ء تمہیں اپنی بیگم سے ملنا ہے یا نہیں؟" حماد نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اوہو سالے صاحب! اتنا غصہ کیوں کر رہے ہو، میں تو بس مذاق کر

رہا تھا۔" عالیان نے فوراً معصوم بچوں والی شکل بناتے ہوئے کہا۔

"اب اگر ایسا مذاق کیا نا تو جو مذاق میں کروں گا، وہ پورا فرقان ہاؤس

دیکھے گا۔اس لیے احتیاط کریں.... جیجہ جی۔" حماد نے منہ کے

زاویے بگاڑتے ہوئے کہا تو اس نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔ چھپتے

چھپاتے حماد نے عالیان کو ماریہ کے روم میں بھیج ہی دیا تھا اور خود

لاؤنج میں ایک کاوچ پر آکر بیٹھ گیا۔ سامنے لیپ ٹاپ کھول لیا تھا جیسے بڑا کوئی ضروری کام کر رہا ہو۔

ادھر وہ روم میں آیا تو جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ عالیان کو لگا وہ ایک بھی قدم مزید آگے بڑھا نہیں پائے گا۔ وہ بیڈ پر عالیان کی تصویر لیے لیٹی ہوئی تھی۔ ڈھیروں شرمندگی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ ضمیر نے شرم دلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے سامنے سے گزر کر اس کی دوسری جانب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ تصویر دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ کوئی اس کے روم میں آیا ہے۔

نا جانے کس احساس کے تحت ماریہ نے گردن موڑ کر دیکھا اور ساکت رہ گئی۔ وہ جنگلوک تھا۔ ہاں وہ جنگلوک تھا۔ اس کی ساری دنیا وہیں رک گئی تھی۔ اور ادھر عالیان کو ہر لمحہ اپنا سانس بند ہوتا محسوس

ہو رہا تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ ہاں ماریہ کا جنگکوک زندہ ہے۔ لیکن اس کی زبان نے اس کا ساتھ ہی نہیں دیا۔

"ج..... جنگکوک یہ..... آپ ہیں؟" اس نے بھرائی آنکھوں سے پوچھا تھا لیکن اس کے منہ سے اپنا نام سن کر عالیان کا دل کیا کہ وہ پھر سے وہی نام رکھ لے۔

"تمہیں کوئی شک ہے؟" اس نے فی الحال اپنی چاہت کو پس پشت ڈال دیا۔

"آپ زندہ ہیں؟" اس نے جس انداز سے پوچھا تھا عالیان کو لگا جیسے وہ اسے کوئی خواب سمجھ رہی ہے۔ جاگتی آنکھوں سے دیکھے جانے والا خواب۔

"میں زندہ ہوں لیکن تم۔ تم نے مجھے مرا ہوا سمجھ کر چھوڑ دیا۔" عالیان نے اپنے چہرے پر اداسی طاری کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکی جنگلوک۔آپ کے لوٹ آنے کی امید کہیں نا کہیں میرے اندر موجود تھی۔مجھے لگتا تھا کہ آپ زندہ ہیں۔"۔عالیان نے اس کے آنسو کو دیکھا اور پھر اسے۔اور پھر آگے بڑھ کر اس کے آنسو کو صاف کیا۔وہ لیٹی ہوئی تھی اور وہ اس پر جھکا ہوا تھا۔

"رو رو کر برا حال کر دیا تم نے ان کا۔دیکھو کیسے حلقے پڑھ گئے ہیں۔"

اس کے آنسوؤں نے عالیان کو بہت اندر تک توڑ کر رکھ دیا تھا۔ماریہ نے عالیان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھرا تو اسے لگا جیسے کسی نے بے جان وجود میں روح پھونک دی ہو۔آج بڑے عرصے بعد عالیان کو زندگی خوبصورت لگی تھی۔

وہ کتنی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ ناوہ وہاں سے جانا چاہتا تھا اور ناوہ چاہتی تھی کہ وہ جائے۔ لیکن جب وہ اسے اپنا تصور سمجھ رہی تھی تو وہ کیسے وہاں رک سکتا تھا۔

وہ روتے ہوئے باتیں کر رہی تھی اور عالیان اسے رونے سے منع کر رہا تھا۔ جب پھر بھی وہ رونے پر کنڑول نا رکھ سکی تو عالیان نے بے اختیار اس کی آنکھوں پر اپنے لب رکھے۔

"پلیز یہ مت کرو۔ مت رو اس طرح سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں پہ لب رکھے وہ بولا۔ اس نے عالیان کے گلے لگاتے ہوئے کچھ کہا اور پھر سے رونے لگی تو وہ بے بسی سے ہنس دیا۔

ناجانے کب ماریہ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ کتنی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے معاف کر دو میری جان۔ میں تمہیں وہ خوشی نا دے سکا جس کی تم حقدار تھیں۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک دن میں تمہارے یہ سارے غم ختم کر دوں گا۔ تمہارے یہ شکوے گلے، یہ آنسو سب دور ہو جائیں گے۔ تم مسکراؤ گی، جس کی تم حقدار ہو۔" کہتے ہوئے اس نے ماریہ کے ماتھے پر اپنے لب رکھے، اس کی بند آنکھوں کو نرمی سے چوما، اور پھر خاموشی سے دبے پاؤں وہاں سے نکل آیا۔

باہر آیا تو حماد سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ عالیان کو آتے دیکھ کر وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔

"تم سہی سلامت کیسے واپس آ گئے۔ تمہارا منہ نہیں توڑا اس نے؟ تم اپنی پیروں پر چل کر آ بھی رہے ہو۔"

وہ مصنوعی حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ عالیان نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"منہ بھی توڑ دیتی اور ٹانگیں بھی، اگر حقیقت سمجھتی تو۔" وہ کچھ پریشان سا وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہیں.... مطلب؟" حماد بھی اس کے ساتھ ہی کچھ حیران سا آ کر بیٹھ گیا۔

"وہ مجھے ایک خواب سمجھ رہی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آیا کہ میں سچ میں اس کے سامنے موجود ہوں۔ء

"ظاہر ہے... اتنا تو انسان عقلمند ہوتا ہی ہے کہ وہ یہ سمجھ سکے کہ مرے ہوئے لوگ کبھی واپس نہیں آ سکتے۔" حماد نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔ عالیان نے ایک نظر ماریہ کے کمرے کو دیکھا اور پھر پیچھے ٹیک لگا لی۔ چند لمحے ہی گزرے تھے جب حماد تیر کی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔

"اٹھو۔" اس نے عالیان کے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"کیا مسلہ ہے؟ اچانک سے جانوروں والے سلوک پر کیوں اتر آئے ہو؟" عالیان نے حماد کی گرفت سے اپنا بازو چھڑاتے قدرے بیزاریت سے کہا تھا۔

"شاید تم بھول رہے ہو مسٹر سکندر کہ تم اس وقت کہاں ہو۔"

"اپنے سسرال میں...۔"

"تو اگر تم مزید یہاں رہے نا تو سسرال والوں نے دنیا میں ہی جنت دکھا دینی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ جلدی سے یہاں سے نکلو۔" حماد نے اس کا بازو پکڑا اور تقریباً بھاگنے والے انداز میں گھر سے باہر نکلا۔

"گھر سے تو تم مجھے نکال لائے ہو، یہ اپنے گیٹ کیپر سے کیسے بچاؤ گے۔" عالیان نے دائیں ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا تو حماد نے دروازے پر بیٹھے چوکیدار کو دیکھا جو منہ پر ٹوپی رکھے سو رہا تھا۔

ء تمہیں وہ دروازہ نظر آرہا ہے نا؟" حماد نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو کسی اندھے کو بھی نظر آ. جائے گا۔" عالیان نے عدم دلچسپی سے جواب دیا۔

"اسی طرح کوئی بھی اندھا دروازے پر چڑھ کر گھر سے باہر جا سکتا ہے،اور اب مسٹر عالیان سکندر اس گھر سے باہر وہ سامنے لگے دروازے سے چڑھ کر جائیں گے۔" حماد کے مشورے پر عالیان نے اسے ایسے دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

"تم ہوش میں تو ہو؟ نہیں مطلب.... اچھا بھلا راستہ ہے باہر جانے کا تو میں کیوں یہ کروں۔"

"مسٹر جیجہ جی.... آپ گھر میں رہ کر تڑوالیں یا دروازے پر چڑھ کر.... ٹوٹنی آپ کی ہڈیاں ہی ہیں۔ بس آپ کو اب ڈیسائڈ کرنا ہے کہ کس طرح تڑوانی ہیں۔"

عالیان نے ایک نظر غصے سے حماد کو دیکھا اور اگلے ہی پل وہ دروازے پر چڑھ کر وہاں سے باہر جانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ جبکہ اس سے فاصلے پر کھڑے حماد کا اپنی ہنسی کو ضبط کرنا مشکل ہوا پڑا تھا۔

oooooooooooo

"آج ہم بوسان جا رہے ہیں تو سوچا کیوں نا جانے سے پہلے ایک دفعہ آپ سے ملتا جاؤں۔" آج وہ تینوں بوسان جا رہے تھے۔ جانے سے پہلے حماد آج پھر سکندر ہاؤس میں آیا تھا۔ عالیان بھی وہیں موجود تھا لیکن وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا۔

"بہت اچھا کیا جو تم چلے آئے۔ میں بہت یاد کروں گا تمہیں۔" سکندر آفندی نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"میں تو کہہ رہا تھا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ بوسان ہی چلے آتے۔ پھر وہاں ہماری روزانہ ملاقات ہو جاتی۔" حماد نے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیئے۔

"آؤں گا.... میں بھی ایک دن بوسان آؤں گا لیکن تب تک تم میرا انتظار کرنا۔" سکندر آفندی کے کہنے پر حماد نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اب تم حیران ہو رہے ہو۔ لیکن حیران ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔" حماد سر کو خم دیتے ہوئے ہنس دیا۔ اور پھر ایک نظر عالیان کو دیکھا۔

"یہ آفر تمہارے لیے بھی ہے۔" عالیان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"بوسان آنے کے لیے مجھے کسی کی آفر کی ضرورت نہیں۔" کہہ کر اس نے پھر سے اپنا رخ موڑ لیا۔

ءیہ آپ کا بیٹا ہر وقت اتنا سڑا ہوا کیوں رہتا ہے؟" حماد نے کافی رازدارانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"میں سن سکتا ہوں جو تم میرے بارے میں بول رہے ہو۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے بولا جبکہ حماد فوراً سیدھا کھڑا ہوا۔ سکندر آفندی دھیرے سے ہنس دیئے۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOO

رات نے پورے سول کو اپنی کالی چادر کے اندر چھپا لیا تھا۔ ایسے میں وہ سڑک کنارے بہت سلو اسپیڈ سے چل رہا تھا۔ اسٹریٹ لائٹس

نے پوری سڑک کو خاصی رونق بخشی ہوئی تھی۔ان کے درمیان اس کا چہرہ دمک رہا تھا لیکن چہرے پر سوگوایت تھی۔ارد گرد بہت سارے مسلمان مصلہ بچھائے نمازیں پڑھ رہے تھے۔اور یہ وہ لوگ تھے جن کے آس پاس مساجد نہیں تھیں اور وہ باہر کسی کام سے آئے تھے۔اور یہ لوگ گھر سے ضرورت کی ہر چیز لے کر نکلتے ہیں۔یوں سڑک پر نماز پڑھتے دیکھ کر عالیان کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔

"بابا میں چاہتا ہوں کہ ہم سول میں ایک مسجد تعمیر کریں تاکہ مسلمان کمیونٹی وہاں آکر پانچ وقت کی نماز ادا کر سکے۔"گھر واپس آکر وہ سیدھا سکندر آفندی کے کمرے میں آیا تھا۔وہاں آکر اس نے اپنے دل کی بات ان کے سامنے رکھی تھی۔سکندر آفندی نے خاموشی سے اس کی بات سنی اور پھر ذرا آگے کو ہو کر عالیان کی

طرف ہاتھ بڑھایا۔ جسے اس نے تھام کر اپنے کندھے پر رکھا تو سکندر آفندی دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"بہت اچھا سوچا ہے تم نے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ سول میں ایک مسجد بنے جس میں اس ملک میں رہنے والے مسلمان آسانی سے نماز پڑھ سکیں لیکن بیٹا..... یہاں رہنے والے غیر مسلم مسجد کی تعمیر میں بہت مسلے کھڑے کریں گے۔ اس لیے تم ان لوگوں سے گھبرائے بغیر اپنا کام جاری رکھنا۔ کیونکہ تم ایک بہت اچھا کام کرنے جا رہے ہو۔" انہوں نے عالیان کا کندھا تھپتھپایا۔

"بس بابا جان.... آپ کی دعائیں چاہیے۔"

"میری ساری دعائیں تمہارے لیے ہیں بیٹا....... اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ وہ تمہاری اس نیک کام میں مدد کرے۔ آمین۔" انہوں نے بہت محبت سے عالیان کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

oooooooooooooooooo

مسجد کی تعمیر کے لیے اس نے ایک بہت وسیع زمین خریدی تھی۔ وہاں پر مسجد بنانے کا کافی سامان بھی آگیا تھا لیکن اس کی تعمیر میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔ غیر مسلم احتجاج کر رہے تھے کہ وہ یہاں مسجد نہیں بننے دیں گے۔ اور فی الحال یہ سارا کام رک گیا تھا۔

"بابا میں بہت پریشان ہوں، کیسے یہ سب ممکن ہو پائے گا۔ لوگ تو مجھے اس مسجد کی بنیاد بھی نہیں رکھنے دے رہے۔" وہ آج پھر پریشان سا ان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو عالیان! وہ سب ٹھیک کر دے گا، بس تم نے ہمت نہیں ہارنی۔ صبر سے کام لیتے رہو اور اپنے ارادوں پر ڈٹے رہو....... مضبوطی کے ساتھ۔" انہوں نے عالیان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دلاسہ دینا چاہا۔

"اسی پر تو بھروسہ ہے بابا، ورنہ اب تک پوری طرح ہار کر بیٹھا ہوتا۔

لیکن بابا آخر کب میں یہ سب کچھ شروع کروا پاؤں گا؟"

"میری جان یہ کوئی مسلم کنٹری نہیں ہے کہ تم جو چاہو کرلو۔ یہ غیر مسلم ملک ہے اور یہاں پر تمہیں مسجد بناتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"لیکن جب میں پاکستان گیا تھا تو میں نے وہاں بہت سارے مذاہب کے لوگوں کی عبادت گاہیں دیکھی تھیں۔ وہاں تو کسی کو روک ٹوک نہیں ہے بابا۔"

"کیونکہ وہ ایک آزاد ملک ہے۔ وہاں صرف مسلمان ہی نہیں، دوسرے مذاہب کے لوگ بھی بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی عبادت کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر بابا یہ ساری مشکلات صرف مسلمانوں کے لیے ہی کیوں ہیں؟

کیا یہ لوگ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں؟"

" بالکل ڈرتے ہیں۔ یہ ان کے اندر کا ڈر ہی ہے جو انہیں یہاں پر مسجد تعمیر کرنے سے روک رہا ہے۔ لیکن تم بھی ہار مت ماننا۔ اللہ بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

"میں ہارنا نہیں چاہتا بابا۔ اسلام کے راستے پر چلتے ہوئے میں فتح چاہتا ہوں۔ میں ہارنا نہیں چاہتا بابا، اور نا میں ہار مانوں گا۔" کہتے ہوئے اس نے اپنا سر سکندر آفندی کی گود میں رکھ دیا۔ ایک یقین تھا جو اس کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

ooooooooooooooo

"تم واپس کب تک آؤ گے عالیان؟" آج وہ بوسان جا رہا تھا۔ تیار ہو کر وہ سکندر آفندی کے روم میں انہیں خدا حافظ کہنے آیا تھا۔

"بس ایک دو روز تک آجاؤں گا بابا۔" وہ ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا وہاں جانا اتنا ضروری ہے؟"

"آنکھیں بے قرار ہیں بابا..... دل ملاقات چاہتا ہے۔ایک دفعہ اسے مل لوں، دیکھ لوں تو چین آجائے گا۔اور پھر میں واپس آجاؤں گا۔"

"اتنی محبت کرتے ہو اس سے؟"

"محبت...... میں تو اس سے عشق کر بیٹھا ہوں۔"

"اللہ سے بھی عشق اور اس سے بھی عشق۔ کیا یہ شرک نہیں ہے؟"

سکندر آفندی کے سوال پر اس نے تڑپ کر اپنے باپ کو دیکھا۔

"بولو۔"

"اللہ سے میرے عشق کی کوئی انتہا نہیں ہے۔میں اللہ کے لیے اسے تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اب کسی کے لیے بھی اللہ سے دور نہیں جا سکتا۔"

"کیا اس سے ایسا عشق کرتے ہو کہ اسے چھوڑ دو۔"

"بابا آپ اتنے مشکل سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"چھوڑ دو گے اسے؟" سکندر آفندی نے اس کے سوال کو اگنور کر کے اپنے سوال کو دہرایا۔

"وہ مجھے اللہ کی طرف سے ایک قیمتی تحفے کے طور پر ملی ہے.... اگر وہ اسے مجھ سے واپس لے لے تو میں اس سے چھین نہیں سکتا۔

لیکن.... اگر وہ ذریعہ ہے کہ میں اپنے اللہ کے اور قریب ہو جاؤں تو مجھے یہ بھی قبول ہے۔ اگر وہ اس دنیا میں مجھے نا ملی تو میں اپنے اللہ سے جنت میں اس کا ساتھ مانگ لوں گا۔ میں مانگوں گا اسے... اپنے اللہ سے... لیکن میں اس کے بغیر اس زندگی کو ویران لکھوں گا بابا۔ وہ عالیان سکندر کی سانسوں میں خوشبو بن کر بستی ہے۔"

"پہلے لگتا تھا کہ یہ وقتی اٹریکشن ہے لیکن اب... اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم واقعی ہی اس سے سچی محبت کرتے ہو.... عشق کرتے ہو اس سے۔" سکندر آفندی کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

ooooooooooooooo

حماد نے بوسان جانے سے پہلے عالیان کو بتایا تھا کہ وہ کس جگہ جائیں گے۔ عالیان بالکل اسی جگہ پر آیا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ جب تک وہ ماریہ کو نہیں دیکھ لیتا، وہ حماد کے سائے سے بھی دور رہے گا۔ تین دن ہو گئے تھے اسے بوسان آئے ہوئے اور ابھی تک اسے ماریہ نہیں ملی تھی۔ جولائی کا گرم مہینہ تھا لیکن آج موسم کافی خوبصورت ہو گیا تھا۔ آج اتفاق سے ہی وہ اس پارک میں آیا تھا جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ عالیان کو تو پہلے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ لڑکی واقعی ہی ماریہ ہے۔ اس نے خود کو مکمل طور پر حجاب میں کور کیا ہوا تھا لیکن عالیان تو

اس احساس کو بھی پہچانتا تھا۔ وہ چند قدم اس کے قریب آیا۔ ناجانے وہ آسمان کی طرف منہ کئے کیا سوچ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ماریہ نے کسی احساس کے تحت گردن موڑ کر دیکھا تو بغیر شاکڈ ہوئے زخمی سا مسکرا دی۔ حقیقت میں عالیان اس سے دوسری دفعہ ملنے آیا تھا لیکن تصور میں بھی وہ اسے کافی مرتبہ دیکھ چکی تھی سو اب وہ حیران نہیں ہوتی تھی۔

''تو آپ اب یوں بار بار آکر مجھے ستائیں گے؟'' اس کے سوال پر عالیان کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔ لیکن وہ اتنا تو جانتا تھا کہ اس کی بیوی اس سے محبت کرتی ہے، تو یقیناً اسے خوابوں میں بھی دیکھتی ہو گی۔ اس سے خفا ہو گی اور اپنی خفگی کا اظہار وہ ایسے ہی کرتی ہو گی، تبھی اس نے اس کی بات کے جواب میں کہا تھا کہ......

"میں جب بھی آیا ہوں دیدار کی خواہش لے کر آیا ہوں۔ لیکن تم چہرہ ہی نہیں دکھاتی۔" نا جانے کیوں یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک دکھ بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"نہیں دکھاؤں گی۔ آپ نے بھی مجھے خود سے محروم کر دیا ہے۔ میں بھی آپ کو اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گی۔" بات اداس کرنے والی تھی لیکن عالیان پورے دل سے مسکرایا تھا۔ کیونکہ اس کے شک پر یقین کی مہر لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب لے گیا اور ایک خوبصورت سا شعر اس کے گوش گزار کیا۔ عالیان کی اس حرکت پر اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ اس وقت اسے ماریہ پر بہت پیار آیا تھا۔ وہ ان لمحوں کو قید کرنا چاہتا تھا لیکن فی الحال اس ک پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اسے جانا تھا.... جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔

"تم مجھے یاد کرتی ہو؟" اس نے دھیرے سے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی۔

"میں آپ کو یاد تو تب کروں نا۔ جب میں بھولی ہوں۔" اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔ عالیان نے اسے روتے دیکھا تو ضمیر نے ایک بار پھر اسے احساس دلایا تھا کہ وہ غلط کر رہا ہے۔

"تم نے کہا تھا مر جاؤ.... اب تو میں....." اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ماریہ نے اس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھا تھا۔ ماریہ کی اس غیر متوقع حرکت پر عالیان پہلے تو حیران ہوا، لیکن پھر زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ تصور میں بھی اس کے نام کے ساتھ موت کا نام نہیں جوڑ رہی تھی اور.....

"غصے سے کہا تھ.... نہیں پتا تھا کہ آپ سچ میں چلے جائیں گے۔"

کچھ سوال اسے بھی پریشان کرتے تھے اور آج وہ ان سوالوں کو جواب

لینے آیا تھا۔

"تم آئیں کیوں نہیں.... یہ سن کر بھی کہ میں ہسپتال میں ہوں۔

جانتی ہو.... میں نے تمہارا انتظار کیا تھا۔"

"اگر میں آجاتی تو واپس نا جا پاتی۔" اور اس لمحے عالیان کا دل چاہا کہ

کاش وہ اس وقت اس سے ملنے

آجاتی...

"تم واپس کیوں جانا چاہتی تھی؟ وہ بھی ایسے وقت میں جب مجھے

تمہاری ضرورت تھی۔" عالیان کی بات پر وہ خفیف ہوتی نظریں جھکا

گئی جو کہ عالیان کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے ماریہ کی ٹھوڑی

پکڑ کر چہرہ اوپر کیا اور اسے بتایا کہ وہ جتنا بھی خفا ہو، وہ اپنی بیوی کا جھکا ہوا سر نہیں دیکھ سکتا۔

ماریہ کی کسی بات پر عالیان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کرنا چاہا تھا تبھی حماد وہاں آ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" حماد نے ایک سخت نظر عالیان پر ڈالی تھی اور پھر خاموشی سے اس جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ حماد کے آتے ہی اس نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی۔

حماد کا یوں اچانک آنا عالیان کو کافی ناگوار گزرا تھا، لیکن وہ خاموش سا وہاں بیٹھا رہا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ حماد نے یہ سوال اسی سے پوچھا تھا۔

ماریہ نے حماد کو بتایا تھا کہ اسے جنگکوک نظر آتا ہے اور یہ سن کر عالیان شاکڈ ہوا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ ماریہ کسی کو بھی بتائے گی کہ وہ اس کے تصور میں آتا ہے۔

"میں چاہتی ہوں کہ جب تک میری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی وہ مجھے نظر نا آئیں۔ مجھے کچھ وقت دے دیں۔" وہ بہت ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولی تھی جبکہ عالیان شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر رہ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے چند لمحے اس کو دیکھتا رہا اور پھر خود سے ایک عہد کیا کہ وہ اب اس کے راستے میں نہیں آئے گا۔ وہ اس کی تعلیم میں خلل نہیں ڈالے گا۔

OOOOOOOOOOOOOO

سول واپس آکر اس نے مسجد کا کام شروع کروا دیا تھا۔ وہ اب اکثر خود وہاں جاتا اور اپنی نگرانی میں سارا کام کرواتا تھا۔ کبھی کبھار تو وہ خود بھی کام کرنے لگ جاتا۔ ابھی مسجد مکمل بھی نہیں ہوئی تھی جب عالیان نے وہاں ظہر کی نماز پڑھ کر اس جگہ کو آباد کر دیا تھا۔ وہاں

ایک تختہ رکھا ہوا تھا جس پر وہ قرآن مجید کھولے اسے پڑھ رہا تھا۔ سورت رحمن کی تلاوت کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہتے جا رہے تھے۔ اس کی آواز میں ایک نسوانی آواز شامل ہو گئی تھی۔ وہ بھی کسی سورت کی تلاوت کر رہی تھی۔

"میری تم سے ایک درخواست ہے۔۔۔۔۔۔ اپنی کتاب کی تلاوت یوں آواز میں مت کیا کرو۔ مجھے۔۔۔۔۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔"

اس کی سماعت نے ایک آواز سنی۔ وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔ اس میں بھی خوف تھا۔ لیکن اس وقت اور اس وقت کے خوف میں فرق تھا۔

"کیا مطلب اپنی کتاب؟" آس پاس کوئی نسوانی آواز ابھری تھی۔

عالیان کو لگا اس کا سانس رک رہا ہے۔

"آپ بھی مسلمان ہیں... اور اب آپ کی بھی یہی کتاب ہے... اور اسے پڑھتے ہوئے تو ایک نیک آدمی پر بھی خوف طاری ہو جاتا ہے۔"

اس کا پورا جسم پسینے میں نہا گیا تھا۔ ہر طرف سے ہوا کا راستہ بند ہو رہا تھا۔ عالیان نے اپنی آواز کو ہموار رکھنا چاہا لیکن وہ لڑکھڑا رہی تھی۔

عالیان نے اونچی آواز میں پڑھنا چاہا لیکن آواز دم توڑ رہی تھی۔

"نیک آدمی کیوں خوفزدہ ہوتا ہے؟" وہ اس سوال کا جواب نہیں جاننا چاہتا تھا۔ وہ ان آوازوں کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا جو اس کے ارد گرد ابھر رہی تھیں۔

"میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی لیکن وقت آپ کو سمجھا دے گا۔" اور اس جواب نے سب کچھ روک دیا تھا۔ ہر چیز برف کی طرح جم گئی تھی۔ عالیان کے ہلتے لب، وہ آواز، ارد گرد کی آوازیں سب کچھ

کہیں کھو گیا تھا۔ عالیان کا ذہن غنودگی میں جا رہا تھا لیکن اسے اس کے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

"ہاں.... ٹھیک کہتی تھیں تم... ایک... ایک نیک آدمی پر بھی خوف طاری ہو سکتا ہے.... لیکن.... میں... میں تو نیک نہیں ہوں..... گناہ گار ہوں... اور انہی گناہوں کی وجہ سے میں خوفزدہ ہو گیا ہوں..." عالیان نے خود کو جگائے رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ دھڑام سے زمین پر آن گرا۔

جب اسے ہوش آیا تو خود کو بیڈ پر پایا۔ اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھول کر ارد گرد کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کے دائیں طرف سکندر آفندی بیٹھے آنکھیں بند کئے کچھ پڑھ رہے تھے۔ شاید وہ کسی سورت کی تلاوت کر رہے تھے۔

"بابا....۔"اس نے بمشکل کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے کہا۔ سکندر آفندی فوراً اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"تمہیں ہوش آگیا عالیان۔" انہوں نے بے ساختہ اس کے گالوں کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔ "کتنا پریشان ہو گیا تھا میں۔ کیا ہو گیا تھا تمہیں اچانک سے؟" عالیان نے کچھ شرمندگی سے اپنے باپ کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری بابا، میں نے آپ کو پریشان کیا۔ لیکن... اس وقت کچھ بھی میرے بس میں نہیں تھا۔"

"کوئی وجہ تو ہوئی ہو گی نا....۔" بابا کے سوال پر اس نے کچھ لمحے خاموشی کی نظر کر دیئے۔

"میں سورہ رحمان پڑھ رہا تھا..... بس ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی مجھ پر۔" اس کے جواب پر اب سکندر آفندی خاموش

ہوئے تھے اور پھر کتنی دیر تک یہ خاموشی قائم رہی۔ کیونکہ کچھ سوالوں کے جواب ایسے ہی ہوتے ہیں.... لاجواب کر دینے والے...... پھر ان کے بعد ہوتی ہے خاموشی.... ایک لمبی خاموشی.... جو درمیان میں آکر ٹھہر جاتی ہے۔

OOOOOOOOOOO

"مسجد کا کام کہاں تک پہنچا ہے عالیان....۔" وہ دونوں باپ بیٹا اس وقت دوپہر کے کھانے کے لیے ٹیبل پر موجود تھے جب سکندر آفندی نے پوچھا۔

"ابھی مکمل نہیں ہوئی۔" اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"سات ماہ ہوگئے ہیں اس کام کو شروع کیے ہوئے اور تم کہہ رہے ہو ابھی تک مسجد مکمل نہیں ہوئی۔"

سکندر آفندی کے سوال پر عالیان نے ایک لمبی سانس لی۔

"دوسری دفعہ.....دوسری دفعہ عمارت کو گرادیا ہے باباان لوگوں نے۔بہت پریشان ہوں میں......آخر کب تک یہ لوگ ایسے ہی کرتے رہیں گے۔"وہ بولا تو آواز میں تھکن تھی۔جبکہ سکندر آفندی کے تاثرات ویسے ہی تھے۔نرم۔

"تمہیں اس کام کے لیے حکومت سے اجازت لینی ہوگی عالیان۔"

اس نے بڑے تعجب سے اپنے باپ کو دیکھا جیسے وہ ان سے اس بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"بابا....آپ جانتے ہیں ناکہ ہماری حکومت مسلمانوں کے خلاف ہے....وہ کیوں اجازت دے گی۔"

"کیوں نہیں دے گی....یہاں پر رہنے والے مسلمانوں کا بھی کوریا کی زمین پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ان غیر مسلموں کا۔وہ ہم سے ہمارا یہ حق چھین نہیں سکتے۔"عالیان نے کتنے لمحے خاموشی سے سکندر

آفندی کو دیکھا۔ان کے چہرے پر جو سکون تھا وہ ویسا ہی تھا۔کوئی پریشانی نہیں تھی...انفیکٹ وہ عالیان سے زیادہ پرامید لگتے تھے۔اور وہ ان کی یہ امید توڑ نہیں سکتا تھا.....

"میں کوشش کروں گا بابا...."

"کوشش نہیں کرنی عالیان..."

"میں بات کروں گا بابا...۔"

عالیان نے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیئے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

مسجد کی تعمیر کا کام دوبارہ شروع کیا جا چکا تھا۔عالیان نے باقاعدہ اجازت لے کر اس کام کو دوبارہ شروع کروادیا تھا۔حال مختلف تھا لیکن ماضی میں سکندر آفندی جانی مانی شخصیات میں سے ایک تھے۔

ان کی اسی پہچان کی وجہ سے حکومت کی طرف سے انہیں اجازت مل گئی تھی۔ مسجد کا کام بہت سپیڈ سے چل رہا تھا۔

عالیان بھی وہیں آیا ہوا تھا۔

لیکن اندر ہی اندر اسے کچھ خدشے ستا رہے تھے۔ دفعتاً اس کے موبائل پر رنگ ہوئی۔ اس نے اسکرین سامنے کی تو سکندر آفندی کی کال تھی۔ اس نے فوراً ریسیو کی۔

"اسلام علیکم بابا جان!"

"واعلیکم السلام بیٹا....۔" وہ بولے تو آواز میں پریشانی تھی۔

"کیا ہوا بابا؟ آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟"

"پتا نہیں... ایک عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی ہو۔ تم ٹھیک ہو نا؟"

"جی بابا، میں بالکل ٹھیک ہوں... آپ پریشان نا ہوں...۔"

"تم..... تم جہاں بھی ہو، بس گھر آجاؤ۔"

"بابا میں مسجد میں ہوں... میں کیسے...؟"

"کیسے کا نہیں پتا مجھے، میں نے کہا کہ تم مجھے اس وقت گھر چاہیے تو مطلب گھر چاہیے۔"

سچ کہتے ہیں انسان وقت کے ساتھ جتنا بھی بدل جائے لیکن اس کی کچھ عادات ویسی کی ویسی ہی رہتی ہیں۔ سکندر آفندی آج بھی ضد پر اڑ گئے تھے اور اب عالیان کو ان کی ضد کو ماننا تھا.... انہیں آنے کا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور پھر مزید ایک منٹ بھی وہاں رکے بغیر وہ وہاں سے نکل گیا۔ لیکن آج قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ اپنے گھر سے دس منٹ کی دوری پر تھا جب اس کی کار پر فائرنگ ہوئی۔ اس نے یکدم گاڑی کو بریک لگائی، جس کی وجہ سے اس کا سر ڈیش بورڈ پر آ کر لگا۔ ماتھے سے خون تو نا بہا لیکن جتنا ماتھا ٹکرایا تھا، وہاں سے ڈرخت ہو گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا ایک گولی کہیں سے اڑتی ہوئی آئی اور اس کے بازو کو زخمی کر گئی۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا تھا۔ اس نے آس پاس دیکھنا چاہا لیکن کچھ نظر نا آیا۔ وہ کار سے باہر نکلا لیکن زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکا۔ درد حد سے بڑھ رہا تھا۔ وہ وہیں ایک طرف کو گر گیا۔ ارد گرد شور بڑھ گیا تھا لیکن عالیان پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ چند سیکنڈز میں وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

oooooooooooooooo

"بوسان سے صرف تمہاری وجہ سے آیا ہوں... حد کرتے ہو تم یار۔" حماد اس کے پاس خفا خفا سا بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ وہ ہسپتال کے بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔

"نہیں مطلب جب تم جانتے ہو کہ تم ایک ایسا کام کر رہے ہو جس کی وجہ سے تمہارے کافی زیادہ دشمن بن سکتے ہیں تو تم گارڈز لے کر کیوں نہیں نکلتے۔"

"جب اتنی بڑی طاقت میرے ساتھ ہے تو مجھے معمولی انسانوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا اللہ ان سے بہتر میری حفاظت کر سکتا ہے۔" وہ ایسے ہی آنکھیں بند کیے بولا۔

"اللہ نے وسیلے بھی تو بنائے ہیں نا۔"

"میری حفاظت کرتے کرتے اگر ان میں سے کسی کو گولی لگ جاتی تو؟ اس کی جان چلی جاتی تو؟... میں کیسے اس کے گھر والوں کو فیس کرتا؟ اور پھر مجھ پر ایک جان کا حساب آ جاتا۔ اپنی حفاظت کے لیے میں کسی غریب کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" عالیان نے ذرا برہمی

سے کہا تو حماد نے اپنے لبوں کو سختی سے ایک دوسرے میں پیوست کر لیا۔

"تم سے باتوں میں نہیں جیت سکتا میں عالیان... تم اس پوری دنیا میں ایک الگ ہی پیس ہو جو ہماری زندگیوں میں آیا ہے۔" حماد کے تبصرے پر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان آئی تھی جسے وہ ایک ہی لمحے میں چھپا گیا تھا۔

"تو مت کیا کرو نا مجھ سے بات۔ میں کوئی دعوت نامہ تو نہیں دیتا نا تمہیں۔" حماد نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا اور رخ موڑ گیا۔

"بابا کو پتا ہے کیا اس حملے کے بارے میں؟" چند لمحے خاموشی سے گزرے جب عالیان نے پوچھا۔

"بالکل انہیں پتا ہے... انفیکٹ انہوں نے ہی مجھے بتایا ورنہ کیسے پتا چلتا...۔" حماد نے کہا تو عالیان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے، کیا وہ لوگ پکڑے گئے؟"

"جب تک وہ ہاتھ نہیں آئے، پولیس نے ڈھونڈنا نہیں چھوڑا۔"

"کیا ان لوگوں نے بتایا کہ کیوں ان لوگوں نے مجھ پر فائرنگ کی تھی؟"

"بقول ان کے تم یہاں کہ لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہو۔ یہاں مسجد بنا کر ان کی جگہ کو نعوذ باللہ، استغفراللہ ناپاک کر رہے ہو۔"

"پتا نہیں ان لوگوں کو کب عقل آئے گی کہ اسلام بھٹکانے والا مذہب نہیں ہے۔ اور... اور مسجد تو اللہ کا گھر ہوتا ہے، وہ کیسے ناپاک ہو سکتا ہے۔"

"ان لوگوں کے پاس عقل نہیں ہے عالیان...... تم اتنے پریشان مت ہو۔ بس جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر جاؤ۔ ماموں جان تمہارے

لیے بہت پریشان ہیں۔" حماد اس ٹاپک پر ایک لمبی بات کر سکتا تھا لیکن وہ عالیان کی طبیعت کے پیش نظر خاموش ہو گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

عالیان کا بازو آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہا تھا اور اسی دوران مسجد بھی تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ عالیان اور حماد دوبارہ ایک دفعہ مسجد کو دیکھنے گئے تھے۔ اور پھر اس کے بعد وہ بوسان واپس چلا گیا تھا۔ رات کے کھانے پر سکندر آفندی اور عالیان ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

"بہت زیادہ وقت گزر گیا ہے عالیان۔ مجھے لگتا ہے اب تمہیں اپنی پڑھائی کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔" سکندر آفندی نے یوں اچانک کہا تو عالیان کی آنکھوں کے سامنے کئی منظر لہرا گئے۔

" بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ بابا، مجھے اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔"

"میں کل تمہاری یونیورسٹی جاؤں گا تاکہ جہاں سے یہ سلسلہ ٹوٹا تھا، اس کو وہیں سے جوڑا جا سکے۔"

"اتنی بھی کیا جلدی ہے بابا؟" اس کے یوں اچانک پوچھنے پر سکندر آفندی کی بھنویں تن گئیں۔

"جلدی؟ آٹھ ماہ ہو گئے ہیں اور تم کہہ رہے ہو جلدی... مزید کیوں دیر کر رہے ہو؟"

"دراصل بابا... میرا سیکنڈ لاسٹ سمسٹر چل رہا تھا جب یہ سب کچھ ہوا اور.....۔"

"اور......؟"

"اور ماریہ کا تھرڈ سمسٹر چل رہا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس کا یہ تھرڈ والا سمسٹر مکمل ہو گیا ہو گا۔"

"تمہارا اس کے سمسٹر سے کیا تعلق ہے عالیان؟"

"تعلق ہی تو نہیں بن رہا... اور میں تعلق بنانا چاہتا ہوں۔"

"مطلب ؟"

"جب اس کا سیکنڈ لاسٹ سمسٹر شروع ہو جائے گا، تب ہی میں دوبارہ پڑھائی شروع کروں گا۔"

"تو تم اتنا عرصہ فارغ رہو گے عالیان ؟"

"بالکل بھی نہیں بابا.... میرے پاس بہت سارے کام ہیں کرنے کو۔"

"جیسے کہ ؟"

"جیسے کہ...... مسجد۔" اس نے قدرے مسکرا کر کہا تھا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں واقعی ہی تمہیں نہیں سمجھ سکتا۔"

سکندر آفندی نے کہا تو عالیان نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

oooooooooooooooooo

مسجد کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ وہ دو منزلہ عمارت بڑے مان کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ مسجد کا بیرونی حصہ سفید ٹائل سے مزین کیا گیا تھا۔ لیکن دور سے دیکھنے پر لگتا تھا جیسے سفید رنگ ہوا ہو۔ مسجد کے مینار بڑی شان و شوکت سے آسمان کی طرف منہ کئے کھڑے تھے۔

مسجد کا اندرونی حصہ بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ یہاں ارد گرد مسلم کمیونٹی تھی، اس لیے اذان اسپیکر پر ہی دی جاتی تھی۔ ابھی بھی وہاں سے مغرب کی اذان کی آواز آرہی تھی۔ عالیان نے دور کھڑے ہو کر بڑے سکون سے اس آواز کو سنا تھا۔

اس کے اندر ایک خواہش جاگی کہ وہ بھی اذان دے۔ جس کو سن کر ہی سکون ملتا ہے، اسے اپنی زبان سے ادا کر کے کیسا محسوس ہو گا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے محسوس کیا اور پھر لبوں پر ایک پر سکون سی

مسکراہٹ ابھری۔ دفعتاً اس کی نظریں مسجد کے صدر گیٹ کی جانب اٹھیں اور وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔

وہاں پر ہاشم، یاور اور یمان اندر جا رہے تھے۔

"یہ تینوں.... یہ تینوں کہاں سے آ گئے؟" اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ تبھی اس کے ذہن میں الارم بجا۔ اس نے فوراً موبائل نکالا اور حماد کا نمبر ملایا۔

"سلام کا جواب میں بعد میں دوں گا، پہلے یہ بتاؤ، وہ تینوں یہاں کیا کر رہے ہیں؟" عالیان بغیر ادھر ادھر کی بات کیے، سیدھا کام کی بات پر آیا تھا۔

"کون تینوں؟" موبائل کے اس پار حماد کی آواز ابھری۔

"ہاشم بھائی، یاور بھائی اور یمان؟"

"کہاں ہیں وہ تینوں؟"

"مسجد میں....۔"

"حد ہے یار... نماز پڑھنے آئے ہوں گے۔"

"لیکن یہ مسجد آپ جناب کے گھر سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ وہ اتنی دور کیوں آئے ہیں؟"

"تمہیں مسئلہ کس چیز سے ہے عالیان......ان کے مسجد آکر نماز پڑھنے میں یا اتنی دور آنے میں؟"

"ان کے اس مسجد میں آنے پہ جو نئی بنی ہے۔ تم جانتے ہو نا حماد، میں بھی یہاں نماز پڑھنے آتا ہوں۔"

"تو وہ کونسا تمہیں روک رہے ہیں۔"

"اف حماد! تم نہیں سمجھو گے۔" اس نے غصے سے کہتے فون بند کر دیا۔ سختی سے آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنا چاہا، تبھی اس کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا۔ اس نے اپنی پینٹ کی جیب کو ٹٹولنا شروع کیا۔

جلد ہی اسے ایک ماسک مل گیا تھا۔اس نے فوراً اپنے منہ کو ماسک سے کور کیا اور پھر مسجد کی طرف گیا۔اندر داخل ہو کر اس نے سب سے پہلے اپنے سر پر ٹوپی پہنی اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔مسجد میں تیس کی تعداد میں لوگ تھے۔عالیان ان تینوں سے کافی فاصلے پر چپ چاپ کھڑا ہو گیا تھا۔اور اسی طرح خاموشی سے باہر نکل آیا۔

ooooooooooooooooo

وہ عطااللہ صاحب کے گھر سے واپس گھر آیا تو اسے سکندر آفندی کے کمرے سے آوازیں آتی سنائی دیں۔وہ کچھ حیران ہوتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔اس نے اندر جھانک کر دیکھا تو ہاشم اور ریا وران کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔وہ فوراً پیچھے ہٹا۔

"یااللہ.... یہ پھوپھو کی اولاد کسی دن مجھے ہارٹ اٹیک کروا دے گی۔" وہ فوراً نیچے آیا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

ooooooooooooooooooooooo

وقت اپنی سپیڈ سے آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ بہت کچھ کھو کر اور بہت کچھ پا کر آخر کار یہ وقت ایک دفعہ پھر آگے بڑھ گیا تھا۔ تین سال گزر گئے تھے اور ان تین سالوں کے گزرنے کا اچھا خاصہ پتا بھی چلا تھا۔

عالیان نے اپنے سمسٹر کو وہیں سے شروع کیا جہاں سے وہ چھوٹا تھا۔ لیکن آج اس کا آخری دن تھا اس یونیورسٹی میں۔ اسے یاد تھا جب وہ ماریہ کے بعد پہلی دفعہ یونی آیا تھا۔ یونیورسٹی والے تو اسے رکھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے، لیکن سکندر آفندی کے ریفرنس سے یہ ممکن ہوا تھا۔ یہ کام کسی رشوت یا سفارش کے تحت نہیں ہوا تھا، یہ سب

سکندر آفندی کے احترام میں کیا گیا تھا۔ وہ یونیورسٹی کے لان میں ایک ڈیسک پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

وہاں بہت سارے اسٹوڈنٹس نیو تھے۔ کچھ ٹیچرز بھی نیو تھے جو اسے نہیں جانتے تھے۔ لیکن کچھ ایسے تھے جو اسے جانتے بھی تھے لیکن پہچان نہیں رہے تھے۔

وہ جنگکوک جو محفل کی جان ہوتا تھا، جو کسی لڑکی کو نظر اٹھا کر بھی دیکھ لیتا تو اسے شک میں ڈال دیتا، آج نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس جگہ سے اس کی بہت ساری یادیں جڑی ہوئیں تھیں۔ کچھ تلخ اور کچھ خوبصورت۔

اسے یاد تھا جب وہ پہلی دفعہ ماریہ سے ٹکرایا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر نم لیکن مسکراتی ہوئی آنکھوں سے آسمان کو دیکھا۔ وہاں کئی منظر اس کی آنکھوں سے ٹکرائے تھے۔

جہاں وہ ایک کلاس میں گیا تو وہ بغیر حجاب کے کھڑی تھی۔اسے آتے دیکھ کر اس نے فوراً اپنا نقاب کیا اور باہر بھاگ گئ۔

وہ وضو کر رہی تھی اور وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اس کی ایک نہیں سن رہی تھی۔

وہ اسے اپنا حجاب ٹھیک کرنے کا کہہ رہا تھا۔

اب وہ اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

ایک لمحے میں منظر بدلا۔اب وہ غصے میں کچھ پوچھ رہی تھی اور پھر اچانک ہی اس نے زور سے اسے تھپڑ دے مارا۔

کہیں وہ بارش میں کھڑی تھی اور وہ اس پر چھاتہ لیے اسے بارش سے بھیگنے سے بچا رہا تھا۔تبھی کہیں سے پانی کا قطرہ آ کر اس کے منہ پر

گرا۔ وہ حال میں واپس آیا تو آسمان کو سفید بادلوں سے ڈھکا پایا۔ ہلکی پھلکی بارش بھی شروع ہو چکی تھی۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیا۔

یہ یونیورسٹی بالکل ویران تھی۔ تبھی اس نے وہاں اسے دیکھا۔ وہ چونکا، گھبرایا اور فوراً چہرے کو ماسک سے ڈھانپ کر وہاں سے جانے لگا۔

"بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جنگکوک، میں تمہیں دیکھ چکی ہوں۔" اس کے پیچھے ایک نسوانی آواز ابھری۔ وہ وہیں رک گیا۔ واپس مڑا۔

"کون جنگکوک؟" آنکھوں میں سخت پن در آیا تھا۔

"کسے بیوقوف بنا رہے ہو تم؟" فرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس کے قریب آئی۔ اس کی ڈگری مکمل ہو چکی تھی۔ آج وہ کسی کام سے یونیورسٹی آئی تھی۔

"میرا نام عالیان ہے.... عالیان سکندر۔" فرح نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ اس کا حلیہ واقعی ہی مختلف تھا۔ اگر فرح نے اسے دیکھ نا لیا ہوتا تو ضرور وہ کہتی کہ ہاں تم کوئی اور ہو۔

"نام بدل لینے سے چہرے تو نہیں بدل جاتے نا۔" وہ بھی کہاں ہار ماننے والی تھی۔

"کچھ حادثات سب کچھ بدل دیتے ہیں... یہاں تک کہ چہرے بھی۔" وہ چند قدم پیچھے ہٹا۔ یہ صرف فاصلہ قائم کرنے کے لیے تھا۔

"اگر آپ نے مجھے دیکھ ہی لیا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرا راز، راز ہی رہنے دیں گی۔" وہ بغیر کسی تاثر کے کہتا وہاں سے جانے لگا۔

"پچھلے دو سال سے وہ تمہاری موت کا غم منا رہی ہے۔" اس کے قدم وہیں رک گئے۔ "کیوں کیا تم نے اس کے ساتھ ایسا؟ اور کیوں

کر رہے ہو تم اس کے ساتھ ایسا؟"ایک پل کو عالیان کی روح فنا ہوئی تھی۔سب کچھ مٹی ہو گیا تھا۔اور وہ پل آکر چلا گیا۔وہ چہرے پر مصنوعی سختی لیے مڑا۔

"میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔"اور پھر وہ رکا نہیں۔وہاں سے چلا گیا۔فرح کتنی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔وہ شاکڈ تھی۔وہ زندہ تھا۔جس کی موت کا غم سب منا چکے تھے۔وہ زندہ تھا۔ پھر وہ وہاں سے مڑ گئی۔خود سے عہد کیا کہ وہ اس کا راز راز ہی رہنے دے گی۔ضمیر نے کہا تھا کہ یہ ماریہ کے ساتھ دھوکہ ہے۔لیکن وہ اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔اس نے "جب وقت آئے گا، خود بتادے گا" کے حوالے بات کر کے اس بات کو سینے میں دفن کر لیا تھا۔

وہ حال میں لوٹا تھا۔ جہاں تین سال گزر گئے تھے۔ آج اس کا اس یو نیورسٹی میں آخری دن تھا۔ اس کے بعد اس نے بوسان جا کر پڑھنے کا سوچا تھا۔ وہ اب ماریہ کو ساری حقیقت بتا دینا چاہتا تھا۔ وہ مزید کسی گلٹ

میں اپنی زندگی نہیں جینا چاہتا تھا۔

بلاشبہ یہ ایک مشکل فیصلہ تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"بابا میں بوسان جانا چاہتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آگے سے اپنی پڑھائی وہیں سے شروع کروں۔" ایک رات وہ سکندر آفندی کے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے روم میں جائے نماز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عالیان بھی خاموشی سے ان کے پاس فرش پر بیٹھ گیا۔

"اتنی جلدی خیال کیسے آگیا تمہیں اس کا؟" سکندر آفندی نے نارمل انداز میں پوچھا تھا لیکن اسے لگا جیسے طنز کیا گیا ہو۔

"میں اب مزید اس حقیقت کو نہیں چھپا سکتا بابا۔"

"اس کے لیے تمہیں مزید انتظار کی ضرورت ہے۔"

"اور کتنا انتظار بابا؟"

"ابھی تو اس کے لاسٹ سمسٹر کے پیپر ہوئے ہیں۔ ابھی رزلٹ آنا ہے۔ ابھی بھی ڈگری ملتے ملتے وقت لگ جائے گا۔"

"کلاسز تو اسٹارٹ ہو جائیں گی نا بابا۔ میں مزید دیر نہیں کر سکتا۔" وہ بے چین ہوا تھا۔

"اوکے! ہم اگلے ماہ بوسان جا رہے ہیں........ یعنی اکتوبر کی چودہ کو۔"

"بابا اتنے دن انتظار کیسے کروں گا.... ترس گیا ہوں میں اسے دیکھنے کے لیے۔ پچھلے کئی مہینوں سے اس کی ایک جھلک تک نہیں دیکھی۔" وہ پھر بے چین ہوا تھا۔

"منع بھی تو اس نے کیا تھا....۔" سکندر آفندی نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"ویسے حماد بتا رہا تھا وہ فی الحال پڑھائی میں چند ماہ کا بریک لے رہی ہے۔" عالیان نے جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے سر ہلا دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

بوسان آئے اسے ایک ماہ ہونے والا تھا لیکن ابھی تک وہ اس کے دیدار سے محروم تھا۔ وہ کتنی دفعہ اس کے گھر کے باہر کے چکر کاٹ کر آیا تھا۔ کتنی دفعہ حماد نے اسے ڈانٹا تھا لیکن اندر جو آگ لگی تھی، وہ کسی طور ختم نہیں ہو رہی تھی۔ نا جانے کیوں وہ اتنا ڈھیٹ بن گیا تھا۔

خیر، ڈھیٹ تو وہ پہلے سے ہی تھا بس درمیان میں ذرا سا سدھر گیا تھا
اور کچھ زیادہ ہی سدھر گیا تھا۔

"وہ تمہیں یونیورسٹی کے علاوہ باہر مشکل سے ہی ملے گی۔" آج پھر وہ اس کے گھر کے باہر کھڑا تھا جب پیچھے سے حماد کی بیزاریت بھری آواز ابھری۔ اس نے مڑ کر حماد کو دیکھا۔ بٹنوں والی بلیک شرٹ کے ساتھ اس نے نیچے وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ بلیو پینٹ پہنے، سر پر پی کیپ اور چہرے پر ماسک لگائے وہ بالکل بھی عالیان نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن حماد اسے پہچان گیا تھا۔ وہ جانتا تھا، ایک ہی بندہ اس کے گھر کے باہر کھڑا ہو سکتا ہے۔

"کیوں؟ کیا تم نے اس کے باہر آنے جانے پر پابندی لگائی ہے؟"

"نہیں! وہ تم جیسے منحوس چہروں کو دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔" جتنے غصے سے پوچھا گیا تھا، اتنے ہی غصے سے جواب ملا تھا۔

"اس لیے تم بھی صبح کام پر جاتے ہو اور شام کو واپس آتے ہو۔" تڑخ سے جواب آیا تھا۔ حماد کے تو سر پر لگی اور تلووں پر بھی۔

"اگر اسی طرح قینچی کی طرح زبان چلاتے رہے نا تو کوئی تمہیں لڑکی بھی نہیں دے گا۔" حماد کی بات پر عالیان نے بے اختیار قہقہہ لگایا، اور اس قہقے میں حماد کو ماضی کے عالیان کی جھلک دکھائی دی۔ وہ لب بھینچ گیا۔

"مجھے کسی کی لڑکی کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے پاس حق حلال کی بیوی موجود ہے۔" حماد خاموش رہا۔ "بس اک عرصے سے ہم دونوں کھو گئے ہیں۔ تلاش ہے ہمیں ایک دوسرے کی۔ اور میں اس کو تلاشتا ہوا یہاں آنکلا ہوں۔ اس کے در پر۔"

کبھی عرش پر، کبھی فرش پر، کبھی ان کے در، کبھی در بدر
غم عاشقی تیرا شکریہ، میں کہاں کہاں سے گزر گیا.....!!

حماد خاموش رہا.... کیونکہ اسے خاموش ہی رہنا تھا۔ سامنے کا منظر دھندلا گیا تھا۔ عالیان اور بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔ اس کے ذہن کے پردوں پر ماضی دھندلا سا نظر آیا۔ آہستہ آہستہ منظر واضح ہوا۔

یہ آج سے تین ماہ پہلے کی بات ہے۔ جب وہ کسی کام سے سول گیا تھا۔ جس کام کے لیے وہ آیا تھا، جانتا تھا کہ مشکل ہے۔ لیکن اب وقت آگیا تھا کہ وہ سب کو حقیقت سے آگاہ کر دیتا۔ وہ سب ہاشم کے روم میں موجود تھے۔ وہاں موجود تمام نفوس شاکڈ اور بے یقینی سے حماد کو دیکھ رہے تھے۔ اگر وہاں کوئی حیران نہیں تھا تو وہ بس فرح تھی۔ وہ

پرسکون سی ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی۔وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کوئی ہے....... کوئی ہے اس کے علاوہ بھی جو یہ ساری حقیقت جانتا ہے۔

بس اسے اس حقیقت کے کھلنے کا انتظار تھا اور وہ آج کھل گئی تھی.......

"تم پچھلے تین سال سے جانتے ہو...اور...اور ہمیں آج بتا رہے ہو حماد؟" یاور کے چہرے پر سخت تاثرات لیے اس کی جانب آیا۔

"وہ چاہتا تھا کہ میں یہ بات کسی کو نا بتاؤں....جب تک کہ وہ خود کو بدل نہیں لیتا۔"

"وہ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا...میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن کم از کم تمہیں اتنی بڑی بات ہم سے نہیں چھپانی چاہیے تھی۔" وہ حماد کے کارنامے سے ناخوش نظر آتا تھا۔اگر کوئی خوش تھا

تو وہ تسبیحہ تھی۔ عالیان کے ساتھ اس کا خون کا رشتہ تھا۔ وہ کیسے خوش نا ہوتی۔

"تمہیں اپنی بہن کے آنسو یاد نا رہے..... لیکن اس دھوکے باز کی بات یاد رہ گئی تمہیں؟" یمان کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ "اگر اسے یہ حقیقت پتا چلی تو تمہارا سر پھاڑ دے گی۔ مشکل سے تم دونوں کی بننے لگی تھی آپس میں لیکن نہیں.... وہ حماد ہی کیا جو اپنی من مانی نا کرے۔" یمان کہتے ہوئے لب بھینچ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پتا نہیں کیا کر جاتا۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ اگر وہ پچھلے تین سال سے سول میں ہے تو ہم میں سے کسی نے اسے دیکھا کیوں نہیں۔" ہاشم جو کھڑکی کے پاس کھڑا تھا وہاں سے ہٹتے ہوئے کہا۔ اس نے بیڈ پر پرسکون سی بیٹھی

تسبیحہ کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گئی۔ جبکہ فرح کے اطمینان میں بے چینی پیدا ہوئی تھی۔

"اگر وہ یونیورسٹی گیا تھا تو کسی نے تو اسے دیکھا ہوگا۔" ہاشم نے کہتے ہوئے فرح کو دیکھا۔ ہاشم کی نظروں کے تعاقب میں یاور نے بھی فرح کو دیکھا۔ اس نے ایک نظر یاور کو دیکھا تھا اور پھر بہت سارا تھوک نگل کر وہ نظریں چرا گئی۔ اور یاور جان گیا تھا کہ وہ جانتی ہے.... کب سے.... یہ وہی بتائے گی۔ لیکن فی الحال وہ خاموش تھا۔ یوں سب کے سامنے اپنی بیوی کو وہ کٹہرے میں کھڑا نہیں کر سکتا تھا۔

"فرح.....۔" ہاشم نے آہستہ سے اس کا نام لیا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ یاور نے ناپسندیدگی سے ہاشم کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، فرح بول پڑی۔

"اس نے ریکوئسٹ کی تھی....." اور اب شاکڈ ہونے کی باری حماد کی تھی۔

یاور خود حیران سا اسے دیکھے گیا۔ حماد نے یاور کو دیکھا اور پھر بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"وہ بدل چکا ہے..... وہ کافی زیادہ بدل چکا ہے۔"

"ہمارا اس کے بدلنے سے کیا تعلق؟ جب اس نے ہماری بہن کو اتنا بڑا دکھ دے دیا ہے تو کیوں ہماری زندگیوں میں واپس آیا ہے؟" یمان ہمیشہ کی طرح جذباتی ہو گیا تھا۔ تبھی مومن نے آگے بڑھ کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے پیارے..... یہ جنگوک کے بدل جانے کا وقت تھا... پہلے مسلم سے غیر مسلم تک کا سفر... پھر گنہگار سے نیکوکار بننے کا سفر..... جنگکوک سے عالیان بننے کا سفر..... دنیا سے

کٹ کر خدا کو پہچان لینے کا سفر... اللہ کو پا لینے کا سفر.... ماریہ سے بچھڑ کر ماریہ کو دوبارہ مل جانے تک کا سفر.... بے شک وہ لڑکا ایک مشکل وقت سے گزرا ہے.... نفس کے ساتھ جنگ سب سے مشکل جنگ ہوتی ہے اور وہ لڑکا اس جنگ میں جیت چکا ہے.... بجائے کہ ہم اس کا ساتھ دیں.... ہم اسے برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو ناانصافی ہے یار۔" مومن نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سب خاموش ہو گئے۔

"جب اللہ معاف کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں.... جب اللہ پرانے زخموں پر مرہم رکھ دیتا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کسی کے زخموں کو ادھیڑنے والے۔ ہم سب یہی چاہتے تھے نا کہ وہ بدل جائے... وہ سدھر جائے۔ جب وہ بدل گیا ہے۔ سدھر گیا ہے تو ہم اسے دھتکار رہے ہیں۔ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے.... یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا۔ سو ہمیں بھول کر اب آگے بڑھ جانا چاہیے۔ یہی بخت ہے۔" لفظ بخت

پر علیزے نے مسکراتے ہوئے پہلو بدلا تھا۔ کیونکہ حال ہی میں اس نے بخت ناول پڑھا تھا اور یہ لفظ اسی ناول میں بولا جاتا تھا۔

وہ بات جو مسلہ پیدا کر رہی تھی، مومن نے چند الفاظ میں ہی اس بات کو ختم کر دیا تھا۔ اور وہ سب خاموش ہو گئے۔ یہ خاموشی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ عالیان کو دوسرا موقع دینے کے لیے تیار تھے۔ منظر بدل گیا تھا۔ سامنے دروازے پر عریش کھڑی تھی۔ چہرے پر بڑی چادر لیے وہ عالیان کو دیکھ رہی تھی۔ حماد کے بتانے کے بعد اس نے پہلی دفعہ عالیان کو دیکھا تھا۔

"چلتا ہوں میں، بھابھی....۔" اس نے نظریں اٹھائے بغیر عریش کو خدا حافظ کہا اور چلا گیا۔ حماد نے آنکھیں بند کر کے سانس اندر کو کھینچا اور پھر گھر کی جانب بڑھ گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

ہاشم نے اصرار کیا تھا کہ وہ عالیان کو دیکھنا چاہتا ہے، اور آج وہ عالیان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سول آیا ہوا تھا ان سب سے ملنے۔ ملاقات کا وقت ابھی ہوا نہیں تھا تو وہ عصر کی نماز پڑھنے چلا آیا۔ وہ چاروں بھائی بھی اسی مسجد میں نماز پڑھنے آئے تھے لیکن وہاں عالیان کو دیکھ کر حیران ہی رہ گئے۔ وہ واقعی ہی بدل چکا

تھا۔

اپنی زندگی کو غیر سنجیدہ طریقے سے گزارنے والا کتنی سنجیدگی سے نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بھیگا ہوا ہے۔ وہ رو رہا تھا.... وہ کانپ بھی رہا تھا..... لیکن وہ نماز کی ادائیگی بڑے پر سکون اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کر رہا تھا۔ اور یہ تھا مار یہ کا عالیان.......

"مجھے لگتا ہے کہ اب ہمیں کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" ہاشم نے مدھم آواز میں کہا۔ ان تینوں نے ایک ساتھ ہاشم کی طرف

دیکھا اور پھر ایک ہی ساتھ واپس عالیان کو......انہیں واقع ہی کچھ اور دیکھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ جو وہ دیکھ رہے تھے، وہی عالیان کی حقیقت تھی۔ان تینوں نے باری باری ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر وہ سب عالیان کو ملے بغیر واپس آ گئے۔

OOOOOOOOOOO

"تم مجھے کچھ وقت کے لیے سول بھیج دو۔ کچھ ضروری کام نپٹانے ہیں مجھے۔" عالیان کو سول سے واپس آئے تین دن ہو گئے تھے۔اس دن ملاقات نا ہونے کی وجہ اس نے حماد سے پوچھی تھی لیکن اس نے مجھے نہیں پتا کہہ کر بات ٹال دی تھی۔ آج وہ سکندر آفندی کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب اُنہوں نے کہا۔

"کیوں بابا؟ میں آپ کو وہاں اکیلے کیسے بھیج سکتا ہوں...۔" وہ کچھ الجھا الجھا سا تھا۔

"کہا تو ہے کہ کچھ ضروری کام ہیں۔اور ویسے بھی ابھی تمہاری نئ کلاسز اسٹارٹ ہونے میں وقت ہے۔""کلاسز میں وقت تو ہے....ہو سکتا ہے زیادہ وقت لگ جائے۔کیونکہ ابھی کچھ ریکوائر منٹس ہیں بی ایس مکمل ہونے کے لیے۔اس کے بعد ہی شروع ہوں گی۔"وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا سا بولا۔

"اگر کلاسز اسٹارٹ ہونے میں وقت ہے تو تم بھی سول چلو۔تھوڑی مدد ہو جائے گی۔"عالیان نے چونک کر اپنے باپ کو دیکھا۔

"بابا ابھی میں نے اسے دیکھا بھی نہیں.....۔"

"جب قسمت کو منظور ہوا تو وہ خود کہیں سے بھی تمہارے سامنے آجائے گی۔اس لیے وقت کے ساتھ ضد مت لگاؤ اور میرے ساتھ واپس چلو۔"اور ساری بات قسمت اور وقت پر آکر رک گئ تھی۔

"بابا کوشش بھی تو کی جاسکتی ہے...۔" اس نے آخری دفعہ اپنے باپ کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"کوشش بہت کرلی ہے تم نے...اب تم اس کا صلہ پاؤ گے۔بس تھوڑا سا صبر رکھو۔" اسکندر آفندی نے کہا تھا۔

"بابا.....۔"

"جب اسے تمہارے پاس واپس لوٹ آنا ہے تو تھوڑا سا صبر کرلو بچے۔" اور عالیان سکندر نے صبر کرلیا تھا۔اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔اب اسے صبر کے پھل کا انتظار کرنا تھا۔اور یہ انتظار کتنا لمبا ہونے والا تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔

دو دن بعد وہ واپس سول آگئے تھے۔آنے سے پہلے اس نے حماد کو بتا دیا تھا۔

ooooooooooooooooooooooooooo

وقت ریت کی مانند ہاتھ پھسلتا جارہا تھا لیکن عالیان کے لیے ایک ایک پل سو سو صدیاں بن گیا تھا۔ وہ کام تو کر رہا ہوتا لیکن اس کا دھیان اس طرف جاتا ہی نہیں تھا۔ ریکوائر منٹس مکمل ہو چکی تھیں لیکن ماریہ نے چند ماہ کے لیے بریک لے لیا تھا اور عالیان اس کے بغیر نئی زندگی شروع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو وہ بھی اب انتظار کی سولی پر لٹک گیا تھا۔ ایک سال کسی ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گیا تھا لیکن اگر کوئی عالیان سے پوچھتا تو وہ بتاتا کہ ہوا کا یہ جھونکا اس کے لیے کتنا عرصہ ٹھہرا رہا تھا۔

عالیان سکندر اور سکندر آفندی دوبارہ سے سول آ گئے تھے۔ یونیورسٹی کا سیزن بھی شروع ہو گیا تھا۔ عالیان اور ماریہ دونوں کے سبجیکٹ ایک جیسے تھے، سو وہ ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ عالیان ہر وقت ہڈی پہنے، چہرے پر ماسک لگائے اور سر پر پی کیپ پہنے گھومتا

رہتا تھا، تاکہ وہ اسے پہچان نا لے۔ پی کیپ بھی آدھی آنکھوں کے سامنے ہوتی تھی۔

وہ اکثر لیکچر لینے کے بجائے اپنی بیوی کو دیکھتا رہتا تھا۔ وہ حجاب اوڑھے لیکچر لینے میں جتنی بھی مصروف ہوتی، لیکن کسی کی نگاہوں کی تپش اسے بے چین کیے رکھتی تھی۔ جب دل زیادہ بے چین ہو جاتا تو وہ نظریں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتی لیکن سب کو مصروف پاتی۔ وہ جیسے ہی سر اٹھا کر دیکھتی عالیان فورا لیکچرار کی طرف دیکھنے لگ جاتا۔ اس دوران عالیان نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ ماریہ اکثر اسے دیکھ رہی ہوتی تھی۔ اور وجہ وہ جانتا تھا لیکن جان بوجھ کر انجان بن گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی اس سے اتنی محبت تو کرتی ہے کہ اس کا آس پاس ہونا اسے مضطرب کیے رکھتا ہے۔

"میں چاہتا ہوں کہ اسے بتادوں، لیکن میری ہمت نہیں ہوتی۔" آج حماد یونیورسٹی آیا تھا اس سے ملنے۔ اس کی اپنی تعلیم تو مکمل ہو گئی تھی اور اب ایک بینک میں جاب بھی مل گئی تھی۔ ہاشم نے اسے آفس آنے کے لیے کہا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ خود سے محنت کر کے کمائے، سو اس نے انکار کر دیا۔

"آج پتا چلے یا کل، پتا تو اسے چل ہی جائے گا۔ تب کیا کرو گے؟" حماد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔۔" وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس سے۔" حماد نے استعجاب سے اسے دیکھا۔

"پاگل ہو گئے ہو؟ وہ پہلے سے ہی تمہاری بیوی ہے۔"

"میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ اسے حقیقت بنا سکوں۔

"اگر یہ بات ہے تو وہ کبھی کسی غیر لڑکے سے شادی کے لیے تیار نہیں ہو گی۔"

"میں... میں غیر لڑکا ہوں؟" عالیان کو تو جیسے یقین ہی نہیں آیا کہ حماد نے کہا کیا ہے۔

"میں اس سے بات کروں گا.... اس کا جواب شائد تمہاری سمجھ میں آ جائے۔" عالیان خاموش رہا۔ تبھی حماد کی نظر پیچھے کھڑی ماریہ پر گئی۔ وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا کہ وہ کچھ الجھی سی ہے۔

"ابھی تم جاؤ.... تمہاری بیوی اسی طرف ہی دیکھ رہی ہے۔" حماد نے کہا تو عالیان پیچھے دیکھے بغیر وہاں سے جانے لگا۔

"میں اس سے بات کروں گا، تم چاہو تو خود اس کا جواب سن لینا۔"

عالیان کوئی بھی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ماریہ کافی غصے سے اس کے پاس آئی۔عالیان بس خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ عالیان کو دکھ ہوا تھا جب اس نے ماریہ کا شادی کے نام پر ری ایکشن دیکھا تھا۔وہ غصے سے وہاں سے چلی گئی تھی۔عالیان نے دکھ سے حماد کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

oooooooooooo

دسمبر کے سرد دن اپنے جوبن پہ تھے۔دھند سی سارے میں پھیل گئی تھی۔عالیان پرنسپل کے آفس سے باہر نکل رہا تھا جب اس کی نظر اس پر پڑی۔اپنی بیوی پر۔وہ یونیورسٹی کے باغیچے میں تنہا ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔وہ لمحے بھر کو وہاں رک گیا اور وہ لمحہ چند منٹوں میں بدل گیا۔نا جانے کیوں عالیان کا دل اس سے بات کرنے کو چاہا تھا۔

لیکن کیا بات کرے۔ تبھی اس کے لبوں پر ایک شریر سے مسکان آئی۔اس نے چہرہ ماسک سے کور کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"تم اتنی سردی میں یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہوئی۔ایک لمحے کو تو وہ بھی ڈر گیا تھا۔عالیان کو لگا جیسے وہ اسے پہچان گئی ہے۔ لیکن اس کی اگلی بات نے عالیان کو غلط ثابت کر دیا تھا۔

"تم سے مطلب اپنے کام سے کام رکھو۔" وہ بمشکل اپنی ہنسی کو کنڑول کر پایا تھا۔اس لمحے وہ بھول گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو دھوکہ دے رہا ہے۔اس نے بات کو طول دینے کے لیے حماد کی اس دن کی ہوئی بات کو دہرایا اور اس سے معذرت کرنے لگا۔

عالیان کی کسی بات کا جواب دیتے اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور اس کی ساری دنیا وہیں سمٹ گئی تھی۔ایک لمحے کو اس کا دل چاہا

کہ وہ اسے پہچان لے۔ وہ جان جائے کہ وہ اس کا جنگلوک ہے.... جو اب عالیان ہے۔ لیکن اگلے ہی لمحے جیسے وہ ہوش میں آیا تھا۔ کیونکہ وہ اجنبیت سے کچھ کہتی رخ موڑ گئی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ آپ کا نام کوئی میرے نام کے ساتھ جوڑے۔ میں حماد کو کہہ دوں گا کہ....." وہ مزید بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ درمیان میں ہی بول پڑی۔

"وہ میرا بھائی ہے۔ میں خود بات کر سکتی ہوں اس سے۔" اب کہ وہ ذرا نرم لہجے میں بولی تھی۔ عالیان کو اس کا یہ لہجہ کچھ پسند نہیں آیا تھا۔ بے شک وہ اس کا شوہر تھا لیکن وہ تو نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کا شوہر ہے۔ لیکن پھر بھی وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"شیور...." وہ خاموش رہی۔

"باہر بہت سردی ہے۔ تمہیں اندر جانا چاہیے۔" اس کی سوئی گھوم پھر کر وہیں آ گئی تھی۔

"تم....۔"

"میں جو بھی ہوں، فی الوقت آپ کا خیر خواہ ہوں۔" اس سے پہلے وہ کچھ الٹا سیدھا کہتی وہ فوراً بول پڑا۔

"دیکھیں مسٹر عالیان، میں یہاں سردی میں بیٹھوں، سردی سے مر جاؤں۔ آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے۔" عالیان نے خیرت سے دونوں ابرو اچکائے۔ پھر ماسک کے پیچھے مسکرایا۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ جانتا تھا اتنی آسانی سے وہ کسی غیر کی بات نہیں مانے گی۔ لیکن عالیان کو بھی طیقے آتے تھے۔ تبھی وہ لا پرواہی سے کہتا کندھے اچکا گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" وہ غصے سے کہتی وہاں سے چلی گئی۔ پیچھے عالیان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"تو مس ماریہ ایسے بات مانتی ہیں۔ انٹرسٹنگ۔" وہ بہت دلچسپی سے مسکرایا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

یہ اس دن کی بات ہے جس دن وہ سکندر آفندی سے ملنے آئی تھی۔ وہ اپنے ہی دھیان میں اپنے روم سے باہر نکل رہا تھا۔ وائٹ بٹنوں والی شرٹ پہنے، بالوں کو جیل سے پیچھے کیے وہ کف موڑتا ہوا روم سے باہر آیا ہی تھا جب سامنے سے چلتی ہوئی وہ آئی۔ اس کی نظر اٹھی اور وہ پلک جھپکنا بھول گیا۔

"او خدایا! یہ کہاں سے آ گئی۔" وہ آندھی طوفان کی طرح روم میں واپس گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ شاید ماریہ نے اسے دیکھا نہیں تھا۔

کچھ پل تو اسے سنبھلنے میں لگ گئے۔ وہ تیزی سے بیڈ کی طرف آیا اور سائیڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھایا۔ فوراً اسے حماد کا نمبر ملایا۔

"اگر وہ یہاں آرہی تھی تو تم مجھے بتا نہیں سکتے تھے؟" حماد کے کال اٹھاتے ہی وہ برس پڑا۔ "نہیں اگر وہ مجھے دیکھ لیتی تو کیا ہوتا۔ میں نے ماسک بھی نہیں لگایا تھا۔ اور تم نے مجھے پھنسانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" دوسری جانب سے مکمل خاموشی تھی۔

"شکر ہے اس نے مجھے دیکھا نہیں۔"

"اور یہ میں نہیں چاہتا تھا۔" فون کے اس طرف وہ گاڑی میں بیٹھا فون کان سے لگائے سخت تاثرات لیے ہوئے تھے۔

"میں چاہتا تھا وہ تمہیں دیکھ لے۔ لیکن افسوس ہوا یہ جان کر کہ اس نے تمہیں نہیں دیکھا۔" اس نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ جبکہ عالیان کتنی دیر تک شاک سے بند اسکرین کو دیکھتا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

فرقان ہاؤس میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ جنگلوک زندہ ہے جو کہ اب عالیان ہے۔ لیکن ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ عالیان کو سکندر آفندی نے ماریہ سے دور رہنے کے لیے کہا تھا۔ کیونکہ اس نے عالیان کے ساتھ شادی کے لیے یہی شرط رکھی تھی۔ اور پھر اس دن کے بعد سے عالیان ماریہ کے نزدیک نہیں گیا۔ وہ دونوں اپنی اپنی پڑھائی میں مشغول ہو گئے تھے۔ لگے ہاتھ عالیان نے اپنی یونیورسٹی میں تین چار لوگوں کو مسلمان بھی بنادیا تھا۔ اپنی خوبصورت آواز سے، اپنے انداز گفتگو سے..... وہ ہر مہینے بعد اپنی یونیورسٹی میں اسلام کے کسی ٹاپک پر بات کرتا تھا۔ یونیورسٹی میں جتنے مذاہب کے لوگ آتے تھے، سب اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ لیکن جب بھی عالیان اسٹیج پر آتا تو حال میں مکمل خاموشی چھا جاتی

تھی۔ تقریب میں وہ بھی جایا کرتی تھی اور عالیان کی سحر زدہ آواز میں وہ جنگکوک کی آواز کو تلاش کرتی تھی۔ وقت یونہی گزرتا جارہا تھا۔

یہاں تک کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے سول واپس آگیا تھا۔ ابھی بھی وہ اپنے روم میں تھا جب حماد کی کال آئی۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

"کیا وہ مان گئی؟" نا سلام نا دعا۔ اس نے سیدھا اپنے کام کی بات پوچھی تھی۔

"اسے ماننا ہی تھا... دو سال مانگے تھے اس نے۔ اسے وہ مل گئے۔"

"تو کب ہے نکاح؟"

"جمعے کو....۔"

"اتنی جلدی....۔"

"بھائی مزید دیر نہیں کرنا چاہتے۔"

"ہمممم.....۔" عالیان ہنکار بھر کر خاموش ہو گیا۔

"مبارک ہو...ایک بار پھر سے میرا جیجہ بننے پر...۔"

حماد نے اس خاموشی کو اپنی شرارتی آواز سے توڑا

تھا۔عالیان ہولے سے مسکرایا۔

"خیر مبارک۔"

اور پھر نکاح والا دن عالیان کی زندگی میں آہی گیا تھا۔اور تو کچھ نہیں لیکن بس ایک خوف تھا کہ ماریہ کا ری ایکشن کیا ہوگا۔جب وہ ساری حقیقت جان جائے گی۔اور پھر سب نے اس کا ری ایکشن دیکھا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس خاموش کھڑی تھی۔لیکن آنکھیں خاموش نہیں تھیں۔وہاں کئی آنسو تھے۔حماد نا جانے کب کا بول کر چپ ہو گیا تھا۔ عالیان سر جھکائے ایک کونے میں کھڑا تھا۔عریش بھی صوفے پر بیٹھی سب کو دیکھ رہی تھی۔پھر اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کی پہلی

نظر عالیان پر گئی تھی۔ اس کے جھکے سر کو دیکھ کر ماریہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ لیکن اس وقت وہ سخت غصے میں لگتی تھی۔

"بہت اچھی کہانی تھی۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"لیکن مجھے یہ کہانی پسند نہیں آئی۔" ان تینوں نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ "میرے خیال سے کہانی میں ٹوسٹ لانا چاہیئے۔ ہے نا؟" اب سب کے چہروں پر استعجاب تھا۔

"چھ سال..... چھ سال میں نے تڑپ تڑپ کر گزار دیئے۔ پچھتاوؤں نے مجھے جینے نہیں دیا اور یہاں کھیل کھیلے جا رہے تھے۔" وہ کہتی ہوئی عالیان کے قریب چلی آئی۔

"چھ سال سے میری نظروں نے آپ کو ہر جگہ تلاش کیا..... لیکن... اب..... آپ کی باری مسٹر عالیان۔" وہ کہتے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئی۔

"اب میں گم ہوں گی اور آپ مجھے ڈھونڈیں گے۔" عالیان نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"چھ سال، چھ گھنٹے، چھ منٹ یا چھ پل......" وہ قدم پیچھے لے جاتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔

"آپ کو ہر اس پل کا حساب دینا ہو گا مسٹر عالیان، جس پل میں میں آپ کے لیے تڑپی تھی۔ میری نظروں نے آپ کو ڈھونڈا تھا۔"

ماریہ کی آنکھوں میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔ کچھ خوفناک سا۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا دینے والا۔ عالیان کو اس کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" بے اختیار اس نے آگے بڑھنا چاہا لیکن ماریہ نے ہاتھ کے اشارے سے وہیں روک دیا۔

"جب ڈھونڈ لو گے تو پتا چل جائے گا کہ کہاں گئی تھی۔ ابھی تو میں خود بھی نہیں جانتی کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔" وہ کہتے ساتھ ہی دروازے سے باہر نکل گئی۔ عالیان اور حماد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ادھر وہ گیٹ کراس کر کے سڑک پر آ گئی تھی۔ وہ بھاگ رہی تھی۔ چہرہ کسی بھی قسم کے پردے سے عاری تھا۔ اور وہ بے خبر سی پاگلوں کی طرح دوڑتی رہی۔ تبھی ایک گاڑی اس کے پاس آ کر رکی۔ وہ پھر بھی نہیں رکی تو گاڑی والے نے اپنی گاڑی سے اسے ذرا سی ٹکر ماری۔ وہ اپنا توازن برقرار نا رکھتے ہوئے سڑک کے ایک طرف گر گئی۔

ooooooooooooooooooo

فرقان ہاؤس ویسے ہی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔اوپر سے ماریہ کی گمشدگی نے اسے مزید خوفناک بنادیا تھا۔ہاشم کو حماد کی کال آئی تھی تو وہ چلا گیا۔جانے سے پہلے وہ تسبیحہ کو بتا کر گیا تھا۔

"مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے'ہاشم۔وہ ٹھیک تو ہو گی نا۔"

"تم فکر نہیں کرو۔ہم ڈھونڈ لیں گے اسے۔"کہتے ہوئے اس نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا۔تسبیحہ نے اس کی اس حرکت کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

"ہاں بس....ایسے ہی۔تم میرب کا دھیان رکھنا۔میں جلد ہی آ جاؤں گا۔"

"آپ واپس آجائیں گے ناہاشم؟"تسبیحہ کے اس طرح پوچھنے پر وہ قدرے مسکرایا۔

"پاگل۔آجاؤں گا۔ابھی وہاں سارے پریشان ہیں۔مجھے جانا ہوگا۔"

اور پھر وہ رکا نہیں تھا۔ چلا گیا تھا۔اپنی زندگی کے اگلے موڑ سے بے خبر۔وہ چلا گیا تھا۔

تسبیحہ گھر میں اکیلی تھی اپنی بیٹی کے ساتھ۔میرب تو گہری نیند سو رہی تھی لیکن اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ تبھی وہ ٹہلتی ٹہلتی ٹیرس پر چلی آئی۔اس سے پہلے کہ وہ ایک قدم مزید آگے بڑھاتی، اندر سے آتی آواز پر وہ رک گئی۔سانسیں بھی رک گئیں۔

"میری زندگی میں یہ پہلی دفعہ ہے جیونگ ہون کہ میں نے فرقان ہاؤس کو دھوکہ دیا ہے۔اس کے ساتھ بے وفائی کی۔ لیکن اگر تم نے اسے نقصان پہنچایا تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔"وہ چیون سا کی آواز تھی۔تسبیحہ کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس دھوکے کی بات کر رہی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"کچھ پتا چلا کہ وہ کہاں گئی ہے؟" یمان اپنی گاڑی سے تقریباً بھاگتا ہوا ان تینوں کے پاس آیا۔ وہ تینوں کسی پارک میں کھڑے تھے۔

"نہیں.... ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا۔" عالیان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو پاتال سے ڈھونڈ نکالے۔ حماد نے مشکل سے اسے قابو میں رکھا ہوا تھا۔

"آخر وہ کھو کیسے گئی۔"

"اس کے نکلتے ہی ہم اس کے پیچھے گئے تھے یمان۔ لیکن ہمارے باہر آنے تک وہ غائب ہو گئی تھی۔"

حماد نے پریشانی کے عالم میں جواب دیتا رہا۔

"ہمیں اس معاملے میں پولیس کی مدد لینی چاہیے۔" یمان نے کہا تو ہاشم نے اسے دیکھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پچھلے تین گھنٹوں سے ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں لیکن وہ ہمیں نہیں ملی۔اب ہمیں پولیس کی مدد لینی چاہیے۔" ہاشم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر آپ کا یہ لاڈلا بھائی مجھے جانے دیتا تو اب تک میں اسے دنیا کے آخری کونے سے بھی ڈھونڈ لاتا۔" وہ ہر لفظ چبا کر کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں حماد کے لیے سرد مہری آ گئی تھی۔

"یہ جذبات سے نہیں، ہوش سے کام لینے کا وقت ہے بیٹا۔ ہم ڈھونڈ لیں گے اسے۔" ہاشم نے اس کی پشت پر نرمی سے ہاتھ پھیرا تو سختی سے لب بھینچ گیا۔

ooooooooooooooooooooooo

یہ کسی اسٹور روم کا منظر تھا۔ جہاں بہت سارا ٹوٹا ہوا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف گاڑیوں کے ٹائر اور رسیاں بھی پڑی تھیں۔ کمرہ مکمل

اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں اگر روشنی تھی تو بس اس کے چہرے پر۔ وہ دیوار کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی جبکہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سراپا دلہن وہ عام سے نقوش کے باوجود بہت خوبصورت اور معصوم لگ رہی تھی۔ جیونگ ہون بالکل اس کے سامنے بیٹھا مبہوت سا اسے دیکھنے میں مگن تھا۔ اس نے ابھی تک اسے چھوا نہیں تھا۔ یہ جیونگ ہون کی محبت تھی، اس کے دل میں ماریہ کے لیے احترام تھا یا کچھ اور۔ وہ فیصلہ نہیں کر پایا۔

"تمہیں چاند کہوں یا اس کی چمکتی ہوئی کرن۔ تمہیں پھول کہوں یا اس کی نازک پتی۔ تمہیں میرا کہوں یا کسی غیر کا۔" نالب ملے تھے نا زبان لیکن جیونگ ہون اس سے باتیں کر رہا تھا۔ تبھی اس کے فون پر رنگ ہوئی لیکن اس نے توجہ نہیں دی۔

"سوچا نہیں تھا کہ جب تم دلہن بن جاؤ گی تو اتنی خوبصورت لگو گی۔ تمہیں چھونے کی خواہش ادھوری رہ جائے گی، کبھی نہیں سوچا تھا۔"

فون پر مسلسل رنگ ہو رہی تھی۔ جیونگ ہون نے اکتاتے ہوئے موبائل اسکرین دیکھی۔

وہاں پر "چیون سا" لکھا آرہا تھا۔ ماں تو شاید ہی وہ اسے اب سمجھتا۔

موبائل سے نظریں ہٹا کر اس نے ماریہ کو دیکھا۔

"بہت ساری باتیں کرنی ہیں تم سے لیکن.... بس پانچ منٹ دے دو مجھے۔ میں ابھی آتا ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتا وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ ماریہ کے لیے بہت نرم پڑ گیا تھا لیکن چیون سا کی کال اٹھاتے ہی وہ سرد ہو گیا تھا۔

"کیا مسلہ ہے.... کیوں فون کر رہی ہیں بار بار؟" وہ کافی غصے سے بولا تھا۔دوسری طرف سے چیون سا نے کچھ کہا تھا تبھی وہ کمینگی سے مسکرایا۔

"اگر وہ میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں۔"اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا خون اتر آیا تھا۔"آپ پولیس کو بتاؤ یا اس کے بھائیوں کو۔میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"اگر فرقان ہاؤس کو پتا چل گیا کہ ماریہ کے بارے میں میں نے تمہیں بتایا تھا اور میں جانتی ہوں کہ تم نے اسے اغوا کیا ہے تو وہ مجھے پولیس کے حوالے کرنے میں ایک لمحہ نہیں لگائیں گے۔"چیون سا کی بات پر تسبیحہ کے قدموں تلے زمین نکلی تھی۔اس نے مظبوطی سے ریلنگ کو پکڑا۔

"بس اتنی سی عزت تھی آپ کی ان سب کی نظر میں۔ آپ کی ذرا سے غلطی پر وہ آپ کو پولیس کے حوالے کر دیں گے۔" وہ چھت پھاڑ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"میں نے انہیں دھوکہ دیا ہے، تکلیف دی ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میرے اس راز کو راز رہنے دو گے۔ اور ماریہ سے صرف بات ہی کرو گے۔ جو تم کرنا چاہتے تھے۔ اس سے زیادہ اس کے ساتھ کچھ مت کرنا۔" وہ غصے میں دھاڑی تھیں۔

جیونگ ہون نے ایک نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر دنیا سے بے خبر ماریہ کو دیکھا۔

"اگر وہ میری نہیں تو میں اسے کسی اور کے قابل بھی نہیں رہنے دوں گا۔" کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

جبکہ چیون سا چلاتی رہ گئیں۔

"جیونگ.... جیونگ تم اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرو گے۔"

انہوں نے فوراً واٹس ایپ کھولا اور ایک میسج ریکارڈ کرنے لگیں۔

"تم ماریہ کی عزت کے رکھوالے ہو جیونگ۔ میں نے اسی بھروسے تمہیں اس کا پتہ بتایا تھا۔ اگر تم نے اس کی عزت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تو میں تمہارا قتل کر دوں گی۔ اس گھر میں کوئی نہیں جانتا کہ میں.....۔"

یہاں انہوں نے ریکارڈنگ روک کر وائس نوٹ بھیج دیا تھا....

"گل رعنا میڈم کے قاتل کو پہلے دن سے جانتی تھی۔" دور خلا میں دیکھتے ہوئے وہ خود سے مخاطب ہوئیں۔ تسبیحہ کو ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس نے جو سنا ہے وہ سچ ہے۔ وہ کتنی دیر تک اپنے سے فاصلے پر کھڑی چیون سا کو دیکھے گئی۔ پھر ہمت کرتے اپنے قدم آگے بڑھائے۔

"جس دن سے میں اس گھر میں آئی ہوں۔۔۔۔" چیون سا جھٹکے سے پلیٹیں اور ساکت رہ گئیں۔ "مجھے اسی دن سے تم پر شک تھا۔ وہ شک جو کئی سال پہلے مجھے تم پر نہیں ہوا لیکن۔۔۔ جب دوبارہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تو تم میری نظروں میں چبھ گئیں تھیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھی، چیون سا پیچھے ہٹیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی دیوار تھی جہاں چھت کی حد ختم ہوتی تھی۔ چیون سا کی اس طرف پیٹھ تھی۔

"جیسا آپ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔"

"شٹ اپ۔۔۔۔۔" وہ حلق کے چل چلائی تھی۔ "میں کوئی رحمدل لڑکی نہیں ہوں جو تمہارے بڑھاپے پر رحم کھا کر تمہیں چھوڑ دے گی۔ میں تم جیسے لوگوں کے لیے پتھر ہوں۔ اور تم مجھ سے ٹکرائی ہو۔ پاش پاش ہو جاؤ گی تم، جب اس گھر کا ایک ایک فرد تمہاری

اصلیت جان جائے گا۔" وہ درشتی سے کہتی مزید آگے آئی۔ چیون سا آنکھوں میں بے یقینی لیے اسے دیکھے گئی۔

"آپ ایسا نہیں کریں گی۔ میں اپنی اولاد کی نظروں میں گر کر نہیں جی سکتی۔" ان کا لہجہ التجائیہ ہوا۔

"تم تو پہلے سے ہی گری ہوئی ہو۔ اور کیا گرو گی۔ اور جسے تم اولاد کہہ رہی ہو، اسے پچھلے کئی گھنٹوں سے تم نے پریشان کیا ہوا ہے۔"

"جیونگ بات کرنا چاہتا تھا ماریہ سے۔ میں نے صرف مدد کی تھی۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ شخص درندہ ہے۔"

"میرا بیٹا درندہ نہیں ہے۔" چیون سا کی ٹون بدلی تھی۔ "درندگی تو تمہاری خالہ نے دکھائی تھی۔ وہ تھی اصل چڑیل۔ جو اس گھر کی ساری خوشیاں کھا گئی۔" تسبیحہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"مجھ سے بہتر کون جانتا ہے اسے..."چیون سا نے اپنے قدم تسبیحہ کی جانب بڑھائے اور یہ وہ پل تھا جب تسبیحہ کو اپنے جسم سے جان نے نکلتی محسوس ہوئی تھی۔"میں دونوں کے بارے میں جانتی ہوں۔ تمہارا بیٹا بھی اتنا ہی گنہگار ہے۔" وہ ہمت نہیں ہار سکتی تھی۔

"میرا بیٹا ولن نہیں تھا...اسے بنایا گیا ہے...اس گھر کے ایک ایک فرد نے میرے بیٹے کو مجرم بنا دیا...یہ سب...یہ سب میرے مجرم ہیں۔" ایک ایک لفظ چبا کر کہتے اس نے تسبیحہ کو دونوں شانوں سے جکڑ لیا۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کی انگلیاں تسبیحہ کو اندر تک دھنستی محسوس ہوئیں۔

"یہ لوگ جتنے اچھے بنتے ہیں۔ یہ اتنے اچھے ہیں نہیں۔ وہ یمان....سب سے بڑا مجرم وہ ہے۔ میرے بیٹے نے مانگا ہی کیا تھا...اپنی محبت...اس کی بہن۔ غربت کا طعنہ دے کر اس نے

میرے بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ اسے برا بھلا کہا، اور خود.... خود اپنی ملازمہ سے شادی کرلی۔"

"نخ.... بختاور اس کے آفس میں کام کرتی تھی۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ نا جانے کیوں اسے لگا تھا جیسے وہ مرنے والی ہے اور وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ فی الحال تو بالکل بھی نہیں۔

"میرا بیٹا بھی تو اس گھر کے کام کرتا تھا... لیکن یہاں پر ہر انسان کے دو چہرے ہیں۔ اپنے لیے کچھ اور سوچتے ہیں... اور دوسروں کے لیے کچھ اور۔"

"بختاور اور یمان ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے جبکہ ماریہ تمہارے بیٹے کے لیے ایسا کوئی احساس اپنے دل میں نہیں رکھتی تھی۔" اس نے درشتی سے کہتے چیون سا کے بازو اپنے شانوں سے ہٹانے چاہے، لیکن گرفت اور مضبوط ہوئی۔

"پھر بھی میرا بیٹا بے گناہ ہے۔"

"تم تو گنہگار ہو.....۔" تسبیحہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں کیسے گنہگار ہو گئی؟ صرف اس لیے کہ میں اپنے بیٹے کی وکالت کر رہی ہوں اس لیے؟"

"نہیں... بیٹے کی وکالت کر رہی ہو، اس لیے نہیں... بلکہ اس لیے کہ تم پہلے دن سے جانتی تھیں کہ گل رعنا کی موت طبعی نہیں بلکہ ایک قتل ہے۔ تم نے پھر بھی سب سے چھپایا۔"

"ہر چیز میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔"

"ماریہ کو تمہارے بیٹے سے خطرہ ہے... یہ جانتے ہوئے بھی تم نے اس کا ساتھ دیا۔"

"بات کرنا چاہتا ہے وہ اس سے ۔۔۔۔ مار نہیں دے گا اسے۔" وہ چلائی تھی۔ تسبیحہ کا دل سکڑ گیا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔

"یہ تمہاری آخری سازش ہے۔" تسبیحہ کی آنکھیں ایک دم سرد پڑ گئی تھیں۔ وہ اپنے اندر کے خوف کو دبانا چاہتی تھی۔ "میں ہاشم کو سب کچھ بتادوں گی۔ پھر وہ تمہیں اس گھر میں کبھی نہیں رہنے دیں گے۔ انفیکٹ خود پولیس کے حوالے کر دیں گے۔" تسبیحہ کی بات نے چیون سا کو ڈھیر سارا طیش دلا دیا تھا۔ وہ نفرت سے تسبیحہ کی آنکھوں میں دیکھتی مزید اس کے قریب ہوئی۔ تسبیحہ نے ان آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہاں بدلے کی آگ تھی۔ وہ اس بدلے کی زد میں آگئی تھی۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ نہیں۔ فی الحال نہیں۔ اس نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی تھی۔

اس کی بیٹی کمرے میں سو رہی تھی۔اسے واپس جانا تھا۔اپنی بیٹی کے پاس۔اسے ہاشم کا انتظار کرنا تھا۔وہ فی الحال مر نہیں سکتی تھی۔ لیکن موت کا فیصلہ انسان تھوڑی نا کرتے ہیں۔یہ ان کے بس میں نہیں ہے۔

ایک آندھی سی چلی تھی، جس نے چند لمحوں کے لیے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔اس لمحے کے دوران فرقان ہاؤس میں ایک نسوانی چیخ گونجی تھی۔موت کی چیخ۔

کمرے میں تنہا سوئی میرب نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں تھیں۔

جیسے ڈر گئی ہو... کسی برے خواب سے۔

گاڑی چلاتے ہاشم کے پیر ایک دم بریک پر گئے تھے۔جیسے کوئی اس کا دل بری طرح کچل کر چلا گیا تھا۔

ادھر میرب زور زور سے رونے لگی۔ وہ ایک دم سے اتنی ڈر گئی تھی کہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں رہی تھی۔ آنکھیں بند کیے وہ اس خواب کو بھول جانے کی کوشش میں لگی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یہ وہ لمحہ تھا جب میرب نے ڈر کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ہاشم کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر یمان بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے حماد اور عالیان۔ مومن اور یاور کو ہاشم نے روک دیا تھا کہ گھر کی عورتوں کے پاس بھی کسی کو ہونا چاہیے۔ ان سب نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ سب فرقان ہاؤس چلے جائیں گے۔

رات کے اندھیرے میں کار سڑک پر دوڑ رہی تھی جب اچانک سے ہاشم کا پاؤں بریک پر گیا اور ہاتھ دل پر۔ سیٹ بیلٹ ہونے کی وجہ سے کسی کو چوٹ نہیں آئی تھی۔

"کیا ہوا بھائی؟ آپ نے اچانک گاڑی کیوں روک دی؟" یمان نے کچھ نوٹ کیا تھا۔

"پتا نہیں... اچانک سے لگا جیسے کوئی دل پر پاؤں رکھ کر گزرا ہے۔ اچانک سے شدید تکلیف ہوئی ہے۔" وہ سیٹ کے ساتھ سر ٹکائے آنکھیں موندے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"ظاہر سی بات ہے ہماری بہن اغوا ہوئی ہے۔ تکلیف تو ہو گی نا۔" حماد نے کہا۔ اس نے ایک نظر عالیان کو دیکھا جو خاموش سا باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ اکیلے جانا چاہتا تھا ماریہ کو ڈھونڈنے۔ لیکن وہ اتنے غصے میں تھا کہ حماد کو لگا وہ اس کڈنیپر کا قتل ہی نا کر دے۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہی بات ہو گی۔" ہاشم نے کہہ تو دیا تھا لیکن وہ ریلکس نہیں ہوا تھا۔

"اچھا مجھے ذرا ایڈریس بتاؤ دوبارہ۔ کہاں بلایا ہے اس نے ہمیں؟"

ہاشم نے خود کو نارمل کرتے ہوئے یمان سے پوچھا۔

یمان اسے بتاتا رہا اور وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وہ بالکل اس وقت ماریہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ماریہ کو بھی ہوش آچکا تھا۔وہ بالکل بھی ڈری ہوئی نہیں لگتی تھی لیکن اس کے چہرے پر شاک تھا۔

"تم نے مجھے اغوا کیا ہے؟تم نے مجھے اغوا کیوں کیا ہے؟"وہ دھیرے سے ہنسا۔کرب بھری ہنسی۔

"تاکہ آخری دفعہ تمہیں جی بھر کر دیکھ سکوں۔"

"مطلب؟"

"تمہیں دیکھ لینے کے بعد یہ آنکھیں کسی اور کو نہیں دیکھنا چاہتیں۔ اس لیے تمہیں یہاں لے آیا۔ جہاں تمہیں دیکھوں اور ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کرلوں..... لیکن اب تم سامنے ہو تو دل کر رہا ہے بس دیکھتا جاؤں۔ بس میں ہوں، تم ہو اور تم یونہی ساری زندگی میرے سامنے بیٹھی رہو۔ میں اپنی ساری زندگی تمہیں دیکھتے ہوئے گزار سکتا ہوں۔" وہ اس وقت کسی بھی اینگل سے جیونگ ہون نہیں لگ رہا تھا۔

وہ اسے اپنے بچپن کا بچھڑا ہوا دوست لگ رہا تھا۔ ہایون۔ اور بھلا دوستوں سے کون ڈرتا ہے۔ جب تک یقین نا ٹوٹ جائے، دوستوں سے ڈر نہیں لگتا۔

"میں کسی اور کی امانت ہوں۔" اس نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"اس لیے تو تمہیں چھو نہیں پا رہا۔ یہ دکھ الگ ہے کہ میں تمہیں دور سے دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے جانے دو۔ میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔" وہ تلخی سے مسکرایا۔

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ دیر انتظار کرو۔ میں خود چلا جاؤں گا۔ بس مجھے اپنی بات کہہ لینے دو۔"

"کیا بات؟" جیونگ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہاں اجنبیت تھی۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔

"جو شخص دنیا کے لیے ایک ظالم انسان ہے۔ وہ تمہارے لیے اتنا نرم اور مہربان کیوں ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ چہرہ موڑ گئی تھی۔

"کیونکہ.....وہ تم سے محبت کر بیٹھا ہے۔لاحاصل محبت۔"ماریہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔"اگر وہ لڑکا تم سے محبت کرتا ہے تو میں عشق کرتا ہوں۔اگر وہ تم سے عشق کرتا ہے تو میں بے انتہا عشق کرتا ہوں۔اگر اس کا بھی عشق بے انتہا ہے تو میں اس سے بھی کئی درجے آگے ہوں۔کیونکہ وہ ایک حد تک تمہیں چاہ سکتا ہے لیکن ہایون کی محبت کی کوئی حد نہیں۔وہ اپنے غم میں اتنا آگے نکل گیا کہ تمہیں ہی پیچھے چھوڑ دیا۔تمہارا خیال نہیں آیا اسے۔وہ اپنے غم کے ساتھ سروائیو نہیں کر پایا لیکن میں.....میں اس غم کے ساتھ بھی جی گیا کہ تم کسی اور کی ہو گئی ہو۔لیکن میرا دل مر گیا۔دل مرا تو میں ظالم بن گیا۔تم سامنے آئی تو میرا دل ایک دم سے نرم پڑ گیا۔آخر کیوں؟ کیوں کرتا ہوں میں تم سے ایسا عشق؟دو جواب؟ہے کوئی جواب

تمہارے پاس؟" وہ خاموشی سے بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔
آنکھیں تاثرات سے عاری تھیں۔

"عالیان جیسا عشق کرنا تو میں تمہیں تمہارے سوالوں کے جواب نہیں کر رہا تھا expect دوں گی۔" وہ یہ جواب
پھر بھی شدت سے مسکرایا۔

"اچھا تو بتاؤ ذرا، عالیان نے کیا قربانی دی تھی تمہارے لیے۔ کیا کیا ایسا اس نے کہ تمہیں اس کی محبت پر یقین ہے۔ لیکن مجھ پر نہیں۔" وہ ذرا آگے کو جھکتے ہوئے بولا تھا۔ فاصلہ ابھی بھی برقرار تھا۔ وہ مسکرائی۔ گہری مسکراہٹ۔ جیونگ کا دل رک گیا۔

"اس نے کبھی کسی لڑکی کو اغوا نہیں کیا۔ اس نے اپنی محبت کے لیے خود کو بدل لیا۔ اس کی زندگی میں اتنی مشکلات آئیں لیکن... وہ کبھی

دوبارہ غلط راستوں پر نہیں چلا۔" کہتے ہوئے اس نے فخر سے سر بلند کیا۔ جیونگ ہون کئی لمحے کچھ بول بھی نا سکا۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOO

چیون سا نیچے آئیں تو ہاشم کے کمرے سے میرب کے رونے کی آواز پر وہ رک گئی۔ چہرے پر پسینہ، دھڑکنیں بے ترتیب اور کانپتی ٹانگوں سے اس نے ہاشم کے کمرے کا رخ کیا۔ دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ کانپے تھے۔

"میڈم.... تسیحہ میڈم۔" اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتی، اسے لان سے چلانے کی آوازیں آئیں۔ وہ وہیں دیوار کے ساتھ جا لگیں۔ ان کے چہرے پر خوف تھا۔ قتل کا خوف۔

لان میں گارڈ کی آواز کے ساتھ مزید آوازیں شامل ہوئیں تھیں۔

"بھابھی...۔"

"تسبیحہ بھابھی... کیا ہوا آپ کو... یااللہ یہ کیا ہو گیا۔" وہ فرح کی آواز تھی۔سب کی آوازیں مکس ہو رہیں تھیں۔چیون سا نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا اور دیوار کے ساتھ زمین پر بیٹھتی ہی چلی گئی۔

"او گاڈ.... یہ... یہ کیا کر دیا میں نے۔" اس کی دھڑکن تیز سے تیز ہوتی گئی۔

ادھر لان میں وہ منہ کے بل زمین پر گری پڑی تھی۔اس کے سر پر چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے کافی خون بہہ گیا تھا۔اس کی آنکھیں کھلی ہوئیں تھیں۔بے جان آنکھیں۔حیران آنکھیں۔سرد آنکھیں۔ آس پاس خون کی ندی بہہ رہی تھی۔فرح، عریش، بختاور، علیزے سب کی چینخوں نے فرقان ہاؤس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔یاور اور مومن بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

ایمبولینس کو بلانے کا فائدہ نہیں تھا۔ واضح تھا کہ تسبیحہ کی ڈیتھ ہو چکی تھی، اور اسی بات نے سب کی روحیں کھینچ لیں تھیں۔

"نہیں.... پھر سے نہیں۔ ہم پھر سے ہاشم بھائی کی وہ حالت نہیں دیکھ سکتے.... وہ حالت جسے دیکھ کر ہم سب کو نیند نہیں آتی تھی۔"

یاور نے مومن کو تھاما۔ کچھ دیر پہلے اس گھر سے ایک ڈولی اٹھی تھی اور اب یہاں سے جنازہ اٹھنے والا تھا۔ شادی کا گھر موت کا گھر بن گیا تھا۔

ooooooooooooooooooo

ہاشم نے ایک دفعہ پھر گاڑی روک دی تھی۔ لیکن اس دفعہ اس نے بڑے آرام سے بریک لگائی تھی۔

"اب کیا ہوا بھائی؟" یمان نے پوچھا تھا۔

"یہ گاڑی تم چلاؤ یار...... مجھ سے نہیں ہو رہا۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر چلا آیا۔ یمان بھی پریشان سا باہر نکلا۔

"بھائی سب ٹھیک تو ہے نا؟" اس نے ہاشم کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"پتا نہیں یار.... دل بہت گھبرا رہا ہے۔ بار بار تسبیحہ اور میرب کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آرہا ہے۔ عجیب سے خوف نے مجھے جکڑ لیا ہے۔ بس اللہ خیر کرے۔" وہ پریشان سا کہتا فرنٹ ڈور کھولنے لگا۔

"کال کرلیں بھابھی کو۔"

"میں جلدی میں فون گھر بھول آیا ہوں۔" وہاں ایک پل کو خاموشی چھا گئی تھی۔

"آپ ایسا کریں، گھر چلے جائیں۔ ہم تینوں سنبھال لیں گے یہ معاملہ۔" یمان فکرمند ہوا تھا۔

"تم تینوں جذباتی نوجوان ہو... تینوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ ساتھ چلتے ہیں۔" وہ قدرے مسکرا کر کہتا گاڑی کے اندر چلا آیا۔ نا جانے کیوں لیکن یمان کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ لیکن فی الحال وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا سو گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

"سب ٹھیک ہے بھائی؟" اب کے حماد بھی پریشان ہوا تھا۔

"ہاں...... سب ٹھیک ہے۔" وہ پھر مسکرا کر بولا تو حماد مطمئن سا ہو گیا۔ جبکہ عالیان آنکھیں موندے اپنا سر سہلا رہا تھا۔ اس وقت اس کا دل کسی اور کے ہاتھ میں تھا۔ نا جانے کب کوئی اسے کچل دے۔ اک خوف سا تھا جو بار بار آ رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○

"میرے برا بننے میں تمہارے یمان بھائی کا قصور ہے۔" وہ بمشکل بولا تھا۔ ماریہ دھیرے سے ہنسی۔

"تم سیدھے راستے پر چل کر بھائی کو غلط ثابت کر سکتے تھے۔" ایک دم سے جیونگ ہون کو لگا جیسے اس نے اپنی زندگی ضائع کر دی ہو۔

"ہر کوئی عالیان نہیں ہوتا......" اس نے جیسے اقرار کیا تھا کہ وہ واقعی ہی ایک برا آدمی ہے۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے..... ہر کوئی عالیان نہیں ہوتا۔" وہ عالیان کی طرف سے ملی تکلیف کو بھول کر فخر سے بولی تھی۔ جیونگ نے اسے ایک نظر دیکھا۔ اس ایک نظر میں صدیوں کی تھکن تھی۔ بے بسی تھی۔ پھر وہ نظر چرا گیا۔ جو وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ کرتا تھا، وہ ماریہ کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا۔ کتنی قسمت والی تھی وہ کہ دو ایسے لڑکے اس سے پاک محبت کرتے تھے جو اس دنیا میں ہر گناہ کر چکے تھے۔ وہ زیر لب مسکرائی۔ تبھی دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ وہ ڈر کر سنبھلی۔ وہ ڈر کر کھڑا ہوا۔ سامنے وہ چاروں کھڑے تھے۔ پولیس ان

کے ہمراہ تھی۔ عالیان کی نظر دیوار کے ساتھ سمٹی بیٹھی اپنی بوی پر گئی۔ جبکہ حماد کی نظریں جیو نگ ہون پر۔ اس کا دل جیسے ٹوٹ سا گیا تھا۔

"ماریہ.....۔" اس کے لبوں نے تشنگی سے اس کا نام لیا تھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ پر سکون سی۔ عالیان نے قدم آگے بڑھانے چاہے، جبھی جیو نگ نے بندوق نکال کر ماریہ کے سر پر تان لی۔ اور عالیان کو وہیں بریک لگی۔ اس کی روح فنا ہو کر رہ گئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم؟" اس کی جان حلق میں آئی تھی۔

"جیسے مجھ سے میری محبت کو جدا کیا تھا... ویسے ہی تمہاری محبت کو تم سے جدا کر رہا ہوں۔" عالیان نے سختی سے لب ایک دوسرے میں پیوست کیے۔

"گھٹیا انسان اگر میری بہن کو کچھ ہوا تو تمہاری جان لے لوں گا۔" یمان چلایا تھا۔ تبھی ایک وردی والے نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور خود جیونگ کے سامنے آیا۔

"خود کو ہمارے حوالے کر دو......یہی بہتر ہو گا تمہارے لیے۔" پولیس والے نے اسے ہتھکڑی دکھائی۔ وہ ہنسا۔ طنزیہ ہنسی۔

"ہایون۔" حماد اس سارے میں پہلی دفعہ بولا تھا اور یمان نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا تھا۔ یہی حالت ہاشم کی تھی۔ وہ ہایون تھا۔ لیکن کیسے.....

"مجھے اریسٹ کرنا اتنا آسان نہیں انسپکٹر۔ شاید تم بھول رہے ہو کہ میرے پاس ان چاروں کی جان ہے۔ میں مرا تو کسی کو فرق تک نہیں پڑے گا۔ اگر یہ مری تو فرقان ہاؤس کے افراد خود بخود ہی مر جائیں گے۔" یمان اور ہاشم نے واپس جیونگ کی جانب دیکھا۔

وہ چاروں بے بسی سے اسے دیکھ رہے تھے جبکہ ماریہ ان چاروں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"تم میری بیوی کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے جیونگ ہوں۔"

"میں ہاتھ لگا بھی نہیں رہا۔ میں تو اسے مار رہا ہوں۔" اس نے ابرو اچکا کر طنز کیا تھا۔

"کوئی اپنی محبت کو کیسے مار سکتا ہے؟" عالیان کو جیسے اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ عالیان کی بات سن کر یمان چونکا جبکہ اب شاکڈ ہونے کی باری حماد کی تھی۔

"محبت.... کس محبت کی بات کر رہے ہو تم عالیان؟ یہ شخص درندہ ہے۔ اپنی پیاس بجھانے کے لئے کسی کا بھی قتل کر سکتا ہے۔" یمان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ جیونگ نے دکھ سے یمان کو دیکھا۔

"تم آج بھی ویسے ہی ہو یمان۔ بالکل بھی نہیں بدلے۔ جذباتی اور دوسروں کے بارے میں خود سے غلط رائیں قائم کرنے والے۔"

"تم بدل گئے نا...... کافی ہے۔" وہ کڑواہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

وہ دھیرے سے ہنسا۔ گن ماریہ کے سر سے ہٹا کر یمان پر نشانہ باندھ دیا۔ سب کی آنکھوں میں شاک ابھرا تھا۔ لیکن وہ ابھی بھی پر سکون سی اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

"تم پوچھتے تھے نا حماد... کہ اس رات کیا ہوا تھا۔" حماد نے نا سمجھی سے جیونگ کو دیکھا۔ "اس رات میں نے تمہاری بہن سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ اس کی سزا میں مجھے یمان نے بے دردی سے مارا اور گھر سے نکال دیا۔ سب کی نظروں میں مجھے گندا کر دیا یہ کہہ کر کہ..... میں ماریہ کو ورغلا رہا تھا۔ اس دن یمان نے میرے دل کے اتنے ٹکرے کیے کہ ان میں سے خون رسنے لگا۔ بس مجھے یمان سے

یہی بدلا لینا ہے۔اس کی جان لے کر۔" وہ بول کر چپ ہو گیا تھا جبکہ حماد ایک دیوار کے ساتھ جا لگا تھا۔عالیان کی نظریں بس ماریہ پر تھیں۔وہ الرٹ تھا۔

"تم نے مجھے قاتل بنا دیا یمان۔کیوں نا اپنے اس ہنر کو اپنے بنانے والے پر آزمایا جائے۔" اس نے ٹریگر پر شہادت کی انگلی رکھی۔ عنقریب وہ اسے دبانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ایک پل کو سب کی دھڑکنیں رکی تھیں۔

"تم تو کہتے تھے تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" اس کے پیچھے سے ماریہ کی آواز ابھری۔جیونگ نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"تمہیں کوئی شک ہے؟" گولی والا ہاتھ نیچے گیا۔

"مجھے یقین ہی نہیں اس بات پر۔شک تو دور کی بات ہے۔"

"کیسے یقین دلاؤں تمہیں؟"

"جو انسان کسی سے محبت کرتا ہے..... وہ اس سے جڑے ہر انسان سے محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی محبت کو تکلیف سے بچانے کے لیے اس سے منسلک رشتوں کو بھی تکلیف سے بچاتا ہے۔ جبکہ تم میرے بھائی کو میری آنکھوں کے سامنے مار دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔" وہ نڈر سے بولی۔ لیکن اندر کہیں اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ چہرے پر مسکان سجائے، وہ دل میں خوف لیے جیونگ کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس کی بات پر زخمی سا مسکرایا۔

"جانتا ہوں... تم یہ حربہ اپنے بھائی کو بچانے کے لیے آزما رہی ہو۔" وہ اس کی طرف مڑا۔ وہ چاروں الرٹ ہوئے۔ "لیکن تم اتنی خوبصورت تو ہو ہی کہ اگر تم سے محبت کی جائے تو تمہاری محبت کا احترام بھی کیا جائے۔ تمہیں ہر طرح کی تکلیف سے بچایا جائے۔" اس کے لبوں پر مسکان تھی۔ لیکن آنکھوں میں بے رحمی۔ اس نے

گن اپنی کنپٹی پر رکھی۔ اس کی بے رحم آنکھ سے ایک آنسو اس کے گال پر گرا۔ حماد کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ کیا وہ جیونگ سے نفرت نہیں کرتا تھا۔

"تمہارے باحیا چہرے کو دو اجنبیوں نے دیکھا تھا ماریہ۔ پہلے اجنبی سے تم چھین لی گئی۔ دوسرے اجنبی کی تم بیوی بن گئی۔" وہ دو قدم دور ہٹا۔

"جس شخص سے تمہیں چھینا گیا تھا، وہ تمہارے اس خوبصورت اور پاکیزہ چہرے کو اپنی آنکھوں میں بھر کر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے جا رہا ہے۔" ماریہ کا سانس رکا تھا۔

"جیونگ ہون گن نیچے کرو۔" ایک پولیس والا چلایا تھا لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"یہ آنکھیں اب کسی اور چہرے کی طلبگار نہیں رہیں۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔ انگلی سے ٹریگر کو پش کرتے اس کا ہاتھ کانپا۔

“I Love You”

اس نے توڑ توڑ کر اپنا جملہ ادا کیا تھا۔ آنکھوں سے آنسو چہرے پر بہتے جا رہے تھے۔

"تمہیں سنائی نہیں دے رہا، میں نے کہا گن......۔" انسپکٹر کا آدھا جملہ منہ میں ہی رہ گیا تھا جب گولی چلی۔ گولی کی آواز نے باقی ساری آوازوں کو خاموش کروا دیا تھا۔ اب وہاں سناٹا تھا۔ گولی چلتے ہی ماریہ نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں کو زور سے مینچ لیا تھا۔ لیکن اب وہ آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول رہی تھی۔ اسے سامنے کا منظر دھندلا دکھائی دیا تھا۔ پھر اس نے پوری آنکھیں کھولیں۔ منظر واضح ہوا۔ وہ دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھا ہوا۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں میں گرائے

اس کی نظریں ماریہ پر جمی تھیں۔ لبوں پر فاتح مسکراہٹ تھی۔ لیکن دونوں آنکھوں سے آنسو کی لائن نظر آ رہی تھی۔ کنپٹی سے خون کی ایک لمبی لکیر بنی ہوئی تھی۔

وہ بت بنی اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ جبھی عالیان اس کے پاس آیا۔

"تم ٹھیک ہو۔" اس نے اپنے بازوؤں اس کے ارد گرد پھیلا دیئے۔ جیسے اسے احساس دلایا ہو کہ وہ محفوظ ہے۔ ماریہ نے گردن موڑ کر عالیان کو دیکھا۔ شاک سے۔ بے ساختہ وہ اس کے سینے سے جا لگی۔ اور بے اختیار رونے لگی۔

"سب ٹھیک ہے ماریہ۔ میں آگیا ہوں نا۔" عالیان نے اسے مزید خود میں سمو لیا۔ یہ احساس ہی کتنا خوبصورت تھا کہ وہ ایک بار پھر سے اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے پاس تھی۔ وہ محفوظ تھی۔ ایک

پولیس والا آگے آیا اور گلوز والے ہاتھ سے جیونگ ہون کی نبض چیک کی۔ اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی ناک کے سامنے کیا۔ پھر نفی میں سر ہلاتا اٹھ گیا۔

"He is no more."

حماد لڑکھڑایا تھا۔ وہ کتنی دیر تک جیونگ کے مردہ وجود کو دیکھتا رہا۔ جیسے اسے یقین نا آیا ہو۔ جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ اس کے دماغ میں جا نہیں رہا تھا اور یہ بس چند لمحوں کا کھیل تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

کچھ دیر بعد وہ سب وہاں سے جانے لگے۔ عالیان نے ماریہ کو سہارا دیا ہوا تھا۔ بمشکل اسے گاڑی تک لایا۔

"اس کی ماں ہمارے گھر میں رہتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا جنازہ ہمارے ہی گھر سے اٹھے۔" ہاشم نے بھاری ہوتے دل کے ساتھ کہا تھا۔

"ٹھیک ہے ہاشم صاحب۔ لیکن کچھ ضروری بات کرنی ہے ہمیں آپ سے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیں۔" وہ جو گھر جانے کے لیے بے تاب تھا۔ بیزار سا ہوا۔

"شیور۔" وہ تھکن سے مسکرایا۔

"فجر کی اذان میں کتنا وقت ہے؟" گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائے، اپنے قریب بیٹھے عالیان سے پوچھا۔ اس نے اپنے ہاتھ پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔

"ایک گھنٹہ۔" عالیان نے بتایا۔ جواباً وہ خاموش رہی۔ پھر خاموشی سے اپنا سر عالیان کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ حیرت سے مسکرایا۔ لیکن

اس کی آنکھوں میں تشکر تھا۔عالیان نے اپنا ہاتھ اس کی کمر میں ڈال

کر اسے مزید اپنے قریب کیا تھا۔

"میں سونا چاہتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"سو جاؤ عزیز من۔" وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔ماریہ نے گردن موڑ

کر اسے دیکھا۔لمحے بھر کو وہ ٹھہر گئی

تھی۔لیکن اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کی تھی۔

"اسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ باقاعدہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈالے پوچھ رہا تھا۔

"شوہر ہیں آپ میرے.... دیکھ سکتی ہوں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے

بولی تھی۔عالیان کو یاد تھا۔پہلے بھی اس کے اسی سوال پر اس نے یہی

کہا تھا۔یاد آنے پر وہ دھیرے سے ہنسا۔

"ہنس کیوں رہے ہیں؟"

"تمہیں یاد ہے......" عالیان نے اس کے جھمکے کو چھیڑتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "ایک دفعہ پہلے بھی تم مجھے ایسے ہی دیکھ رہی تھی۔" اس کے ہاتھوں نے ماریہ کے گالوں کو چھوا۔ "میں نے پوچھا کہ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اب وہ اس کا ہاتھ پکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جیسے صدیوں بعد اسے دیکھ رہا ہو۔

"جانتی ہو تم نے کیا کہا تھا؟" ماریہ نے اپنے ابرو اچکائے۔

"کیا کہا تھا؟"

"بیوی ہوں آپ کی...... دیکھ سکتی ہوں۔" عالیان کی بات پر وہ بے اختیار ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ باہر کھڑے یمان اور حماد دونوں اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟ پاگل واگل تو نہیں ہو گئی؟" حماد آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ یمان بھی حیران تھا لیکن اتنا نہیں جتنا حماد ہو رہا تھا۔

"چھوڑو اس بات کو۔ تم یہ دیکھو ہماری بہن کتنی دیر بعد ایسے کھل کر ہنس رہی ہے۔ حقیقی خوشی۔" وہ کہہ کر پھر سے ہاشم کو دیکھنے لگا جو پولیس والے سے کوئی بات کر رہا تھا۔ حماد نے ایک نظر پھر اسے دیکھا اور رخ موڑ لیا۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟" عالیان خود حیران تھا۔

"پتا نہیں...۔" اس نے اپنی ہنسی کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔ وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"اچھی لگتی ہو، جب ہنستی ہو۔ ہنستی رہا کرو۔"

"صرف اچھی لگتی ہوں، اس لیے ہنسا کروں؟" وہ حیران ہوئی۔

"نہیں...... صرف اچھی نہیں لگتی۔ جب تم ہنستی ہو تو اندھیری رات میں ایک روشنی کی کرن پھوٹتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں پر تازگی آجاتی ہے۔ عالیان جی اٹھتا ہے۔ تمہارے ہنسنے سے میری ساری دنیا خوبصورت ہو جاتی ہے۔ سارے غم منہ چھپا کر کہیں دور چلے جاتے ہیں۔" کہتے ہوئے اس نے ماریہ کے ہاتھوں کو نرمی سے چوما تھا۔ اس کی دھڑکنیں پل بھر کو رکیں، اور پھر بے انتہا تیز ہوئیں۔ وہ کتنی ہی دیر تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

"گاڑی میں ہی رومانس شروع کر دیا تم دونوں نے۔ بندا گھر تک تو صبر کر لیتا۔" تبھی حماد نمودار ہوا۔

ماریہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی جبکہ عالیان خاصا بدمزہ ہوا تھا۔

"موقعے کا فائدہ اٹھا لینا چاہیے۔ پتا نہیں بعد میں پھر ایسا موقع ملے نا ملے۔" وہ ذو معنی مسکرایا۔ حماد نے گھور کر اسے دیکھا۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں؟"

"نہیں... تمہیں ادھار دی تھی۔ پتا نہیں کہاں رکھ دی تم نے۔" وہ منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"میاں بیوی کے رومانس کے درمیان بے شرموں کی طرح گھس گئے ہو۔" عالیان کی بات پر ماریہ نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی جبکہ حماد نے اچھی خاصی گھوری سے نوازا تھا۔ منہ میں بڑبڑاتا وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یمان ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔

"ہاشم بھائی کہاں ہیں؟" ماریہ نے ہاشم کی غیر موجودگی کو نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ پولیس اسٹیشن جا رہے ہیں۔ کچھ ضروری بات کرنی تھی پولیس والے کو۔"

"کونسی ضروری بات-کلئیر ہے کہ ہایون نے خود کشی کی ہے۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"ہو گی نا کوئی بات یار، آجاتے ہیں کچھ دیر تک۔ ہمیں جلد از جلد گھر پہنچتا ہے اور پھر ہایون کے کفن دفن کا بھی انتظام کرنا ہے۔" حماد نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ عالیان نے محسوس کیا جیسے وہ پریشان ہے۔ اس نے بہت آہستگی سے اس کا سر اپنے کندھے پر رکھا اور اس کے بال سہلانے لگا۔ وہ خاموشی سے اس کے کندھے پر سر رکھے آنکھیں موندھ گئی۔

"اس کا نام جیونگ ہون ہے۔ تم دونوں اسے ہایون کہنا بند کرو۔"

یمان نے جبڑے کھینچ کر کہا تو حماد نے اک نظر اسے دیکھا۔ آج اس پر وہ حقیقت آشکار ہوئی تھی، جو اس نے کبھی سوچی بھی نہیں ہوگی۔

oooooooooooooooo

صبح کی جامنی روشنی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ آج کی صبح فرقان ہاؤس میں سوگوایت لے کر نمودار ہوئی تھی۔ ایسے میں گھر کے باہر ایک گاڑی آکر رکی۔ بلیک پراڈو۔ اس میں سے ایک نفوس باہر نکلا۔ چہرے پر تھکن کے آثار واضح تھے نیند سے آنکھیں بوجھل تھیں۔ وہ بس اندر جا کر آرام کرنا چاہتا تھا۔

گیٹ کھلا اور وہ گاڑی اندر لے آیا۔ فرقان ہاؤس میں کافی رش تھا۔

ایک نظر ونڈو سے اس نے باہر دیکھا۔ وہاں ایک میت پڑی ہوئی تھی۔ ہاشم جانتا تھا کہ وہ میت جیونگ ہون کی ہے۔ اسی لیے اس کے

گھر میں رش تھا۔ وہ قدرے بیزاریت سے باہر آیا۔ گاڑی سے نکلتے وقت وہ لڑکھڑایا۔ ایک پل کو اسے لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح کھینچ لی ہو۔ اگلے لمحے وہ خود کو سنبھالتا ہوا لان تک آیا۔ پھر اندر جانے لگا۔ تبھی اس کی آنکھوں میں کچھ کھٹکا۔ وہ رکا۔ اس نے لان میں رکھی میت کو دیکھا۔ وہاں ایک نہیں، دو جنازے رکھے ہوئے تھے۔ اس کا سانس سینے میں اٹکا تھا۔ اس نے چوکیدار کو اشارہ کر کے بلایا۔ گھر میں سے کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نا تھا۔ چوکیدار کے چہرے پر بھی بارہ بجے ہوئے تھے۔

"ایک جنازہ تو جیونگ ہون کا ہے۔ دوسرا کس کا ہے؟" اس نے تیزی سے اپنا سوال مکمل کیا تھا۔ چوکیدار نے ہاشم کو دیکھا۔ اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ یہ کہہ سکے کہ جس گھر کو وہ ہنستا بستا چھوڑ کر گیا تھا، وہ اس کے لوٹ آنے تک اجڑ گیا ہے۔

چوکیدار نفی میں سر ہلاتا اپنے قدم پیچھے لے گیا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔ بتا کیوں نہیں رہے؟" چوکیدار نے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ہاشم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"صاحب... آپ خود دیکھ لیں۔ مجھ سے مت پوچھیں۔" ہاشم نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کر کے کھولیں اور پھر جنازے کی طرف جانے لگا۔ تبھی اس کی نظر لان کے فرش پر جمے خون پر گئیں۔ اس کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ اس کی نظروں نے اس جگہ سے اوپر کی جانب سفر کیا۔ ٹیرس۔ فرش۔ پھر ٹیرس۔ پھر وہ فرش۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا میت کے پاس آیا تھا۔ سب کی نظریں ہاشم کی جانب اٹھیں۔ جبکہ وہ ان سب میں اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

"کہاں ہے... کہاں ہے وہ؟" اس نے یاور کو شانوں سے پکڑا۔

"جنازے کے پاس سب ہیں۔ وہ کیوں نہیں ہے؟ اتنی بے حس تو نہیں ہے وہ کہ کسی کے جنازے میں شرکت بھی نا کرے۔" وہاں موجود ہر نفس کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یاور کی آنکھوں میں

آنسوں کا سیلاب امڈ

آیا تھا۔

"بولتے کیوں نہیں ہو۔ بیوی کہاں ہے میری؟"

"تسبیحہ...... تسبیحہ۔" وہ اس کو آوازیں لگاتا اندر کی طرف گیا۔

جیونگ ہون کے جنازے کے پاس بیٹھی چیون سا نے کرب سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ ضمیر کے بوجھ تلے دبی اپنے بیٹے کی میت پر رو بھی نہیں پا رہی تھی۔ ادھر وہ پورے گھر میں پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

باہر سے کوئی اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ اس وقت کسی کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔

"تسبیحہ کہاں ہو تم؟ دیکھو مجھے ایسا مذاق بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ جہاں بھی ہو... سامنے آؤ۔ جلدی کرو۔" وہ ڈھونڈتا ڈھونڈتا کچن کی طرف آنکلا تھا۔ اس کی نظریں نیچے ٹھنڈے فرش پر بیٹھی میرب پر گئیں۔ وہ خود میں سمٹی، سہم کر بیٹھی تھی۔ خوفناک نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ اسی کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔

"بابا کی جان ایسے کیوں بیٹھی ہے؟ مما کہاں ہے میرب کی؟" اس نے اپنی بیٹی کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ تین سال کی میرب اپنے باپ کے سینے میں منہ دیئے رونے لگی۔

"کیا ہوا میری جان؟ ایسے کیوں رو رہی ہو؟"

"سب کہتے ہیں.... میرب کی ماما.... اللہ کے پاس چلی گئی ہیں۔"

ہاشم کا سانس رکا تھا۔ "میں نہیں مانتی اس بات کو۔اس لیے میں یہاں چھپ کر بیٹھ گئی بابا۔" ہاشم نے میرب کو خود سے الگ کیا۔ بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کس نے کہا ہے ایسا؟ کس نے میری بیٹی کو تکلیف دی؟"

"وہ جو سارے باہر کھڑے ہیں۔ پتا نہیں مما کہاں چلی گئیں ہیں۔ جو یہ سب گندی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ تین سال کی تھی۔ اپنے ہر لفظ کو کھینچ کر بول رہی تھی۔

"آؤ میرے ساتھ۔ مل کر ڈھونڈتے ہیں ہم آپ کی مما کو۔" ہاشم نے خود پر ضبط کیا اور میرب کا ہاتھ پکڑ کر جانے لگا۔ لیکن وہ قدم آگے نہیں بڑھا سکا۔ کیونکہ میرب نے قدم آگے نہیں بڑھایا تھا۔

"رک کیوں گئیں؟ مما کو نہیں ڈھونڈنا کیا؟"

اس نے نفی میں سر ہلا یا۔

"میں نے بھی مما کو ڈھونڈا ہے بابا۔ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ وہ گھر میں کہیں نہیں ہیں۔" بولتے ہوئے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔ ہاشم کی میرب کے ہاتھ پر گرفت سخت ہوئی۔ جبھی کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ جھٹکے سے مڑا۔ وہ منہاج تھا۔ ہاشم شاک سے اسے دیکھنے لگا۔

"جانتا ہوں نقصان بہت بڑا ہے۔ یقین کرنا مشکل ہے۔ لیکن بھائی یقین کر لیں۔ تسبیحہ بھابھی اس دنیا میں نہیں رہیں۔ وہ ہم سب کو چھوڑ کر جا چکی ہیں۔" وہ بہت صبر سے بولتے ہوئے بھی صبر کے ضبط توڑ رہا تھا۔ ہاشم نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا۔ اور پھر اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار کے ساتھ لگا دیا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔ ہمت کیسے ہوئی تمہاری یہ سب کہنے کی ہاں۔

میری بیوی زندہ ہے۔ کچھ نہیں ہوا اسے۔" وہ سرخ پڑتی آنکھوں کے

ساتھ چلایا تھا۔ ہاشم سے فاصلے پر کھڑی میرب کی آنکھوں میں خوف

اترا۔ وہ چند قدم چل کر آگے آئی۔ اور ہاشم کی شرٹ پکڑ کر اسے

کھینچا۔ منہاج کے گریبان پر اس کی گرفت

ڈھیلی پڑی۔ مڑ کر دیکھا۔ سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"میں نے باہر لان میں مما کو زمین پر گرے دیکھا تھا بابا۔ ان کے سر

سے خون نکل رہا تھا۔" ہاشم لڑکھڑایا۔ بے یقینی سے میرب کو دیکھا۔

"آپ کی بیٹی بھی ڈینائل میں ہے اور آپ بھی ڈینائل میں ہیں۔ جبکہ

اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا

جب اس گھر کی عورتیں تسبیحہ بھابھی کو اٹھا رہیں تھیں۔" منہاج کی

بات سن کر وہ بے سدھ سا صوفے پر ڈھے گیا۔

"جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے۔ جنازہ نہیں اٹھایا جائے گا۔"

ہاشم نے منہاج کو دیکھا۔ منہاج کے الفاظ اسے ہتھوڑے کی مانند لگے تھے۔

"جنازہ.... تسبیحہ کا جنازہ... میری بیوی کا جنازہ.... میرب کی ماں جنازہ۔" وہ بے یقینی سے بولتا گیا۔ "یعنی.... یعنی وہ مر گئی۔ وہ اب مر کر بچھڑ گئی ہے۔ وہ پھر سے چھوڑ گئی ہے۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"اتنے وعدے کیے تھے اس نے۔ وعدے کیوں نہیں پورے کرتی وہ۔ کیوں بیچ راستے میں ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ میرا نہیں تو کم از کم میرب کا خیال کر لیتی۔ بیٹی تھی نا وہ اس کی۔" منہاج کی روح فنا ہوئی تھی۔ وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھے آواز سے رونے لگا۔ تبھی مخمل اور فرح اندر آئے۔ اپنے شوہر کو یوں روتا دیکھ

کر محمل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

اس نے منہاج کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ بھری آنکھوں سے اس نے محمل کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

"بھائی کا دکھ بڑا ہے محمل۔ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔"

"سنبھالیں خود کو۔ بھائی کو بھی آپ ہی نے سنبھالنا ہے۔" اس نے منہاج کے آنسوؤں اپنے ہاتھوں سے پونچھے۔ اب وہ اس کا حق رکھتی تھی۔

"میں میرب کو لینے آئی تھی۔ میں چاہتی ہوں آخری بار وہ اپنی ماں کو دیکھ لے۔" فرح نے آگے بڑھ کر میرب کو اٹھانا چاہا۔

"میں لے کر آتا ہوں میرب کو بھابھی۔" ہاشم نے کہا تو فرح وہیں رک گئی۔ اور پھر برا مانے بغیر وہ باہر چلی آئی۔ محمل اور منہاج بھی چلے گئے تھے۔ ہاشم نے بھیگی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو دیکھا اور پھر اس

کا ہاتھ تھامے باہر لان میں چلا آیا۔

باہر بہت زیادہ رش تھا لیکن پھر بھی یہ حویلی سنسنان تھی۔ وہ اپنے دل پر پاؤں رکھتا اس کے جنازے کے پاس آیا۔ دل انکاری تھا۔ لیکن ہاشم نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئیں تھیں۔ ہاشم کو لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح کھینچ لی ہو۔ وہ وہیں گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا۔ اس نے کتنی دفعہ بولنے کی کوشش کی لیکن اس سے بولا نا گیا۔ اس نے ہاتھ کی پشت کو سختی سے لبوں تلے دبایا۔ یہ بے بسی کی انتہا تھی۔

"تمہیں جانا تھا تو کم از کم بتا کر تو جاتیں۔ میں کچھ دیر کے لیے کیا گیا، تم ہمیشہ کے لیے چلی گئیں۔ نا میرا نا اپنی بیٹی کا، کسی کا بھی خیال نہیں آیا تمہیں۔" میرب اس کے پاس کھڑی اپنی ماں کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"اگر تو یہ مذاق ہے۔ تو بہت برا مذاق ہے۔ دیکھو میں مر رہا ہوں۔ اٹھ جاؤ نا۔ بہت اذیت میں ہوں میں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے اس کی منتیں کرتا سب کو رلا رہا تھا۔ سیمون آفندی اس کے پاس ایک چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عالیان بھی اس کے پاس کھڑا رو رہا تھا۔ باقی سب مرد ایک طرف کھڑے تھے اور عورتیں ایک طرف کھڑی تھیں۔ سیمون آفندی کچھ پڑھ بھی رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر رکھی جیونگ ہون کی میت کے پاس بیٹھی چیون ساہاشم کو ہی دیکھ رہی تھیں۔ دکھ سے۔ ملامت سے۔ شرمندگی سے۔

"پہلے جب گئیں تو چار پانچ سال بعد لوٹ آئیں۔ اب بتاؤ کب لوٹو گی؟ اس دفعہ جدائی کتنے عرصے کی ہو گی؟" وہ ٹوٹ گیا تھا لیکن بول ایسے رہا تھا جیسے وہ بالکل زندہ اس کے سامنے بیٹھی ہو۔

"پہلے جب تم گئی تو میں واقعی ہی تمہارا جانا برداشت نہیں کر سکا۔ لیکن اب.... اب دیکھو کیسے تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ یقین مانو برداشت اب بھی نہیں ہو رہا۔ لیکن اب میرے پاس تمہاری ایک نشانی ہے۔ ہماری بیٹی۔" اس نے میرب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کیا۔ پھر بہت محبت سے اس کے ہاتھ پر اپنے لب رکھے۔

"سچ بتاؤں تو تمہارا یوں چھوڑ کر جانا بنتا نہیں تھا تسبیحہ۔" آنسوؤں اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے گردن کو بھگو رہے تھے۔ وہ اس کے بے جان چہرے کو اپنی نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ تبھی پیچھے سے یاور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھیں لرزیں۔ وہ مڑا نہیں۔

"جنازے کا وقت ہو گیا ہے بھائی۔" ہاشم کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل نوچ لیا ہو۔ اس کا داہنا ہاتھ بے اختیار اس کے دل پر گیا۔

"میں مر رہا ہوں یاور۔ سن رہے ہو تم۔ میں مر رہا ہوں۔ میری دنیا اجڑ گئی ہے۔ وہ...... وہ پھر سے بچھڑ گئی ہے۔" وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے بول رہا تھا۔ یاور بھی منہ کے آگے ہاتھ رکھے رونے لگا۔

"سن رہی ہو تم... جدائی کا وقت آگیا ہے۔ لیکن پلیز جلدی مجھے بھی اپنے پاس بلا لینا۔ میں کیسے جیوں گا۔" وہ آنسو کے درمیان بولا تھا۔

تبھی اسے اپنی گردن کی پشت پر کچھ گرم سا محسوس ہوا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو دھک رہ گیا۔ اس کی بیٹی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی لیکن آنکھوں سے آنسو پھسل کر چہرے سے ہوتے ہوئے ہاشم کی گردن بھگو رہے تھے۔

"جب آپ اس دنیا سے جائیں نا بابا، تو پھر مجھے بھی ساتھ لے جانا۔ اکیلے مت چھوڑنا۔" وہ کہہ کر وہاں رکی نہیں تھی۔ گھر کے اندر بھاگ گئی تھی۔ جبکہ ہاشم کتنی دیر تک خاموش سا وہاں بیٹھا رہا۔

oooooooooooooooooooooo

اچانک سے آسمان پر کالے بادل چھائے تھے۔ صبح کے دس بجے ہی ایسے لگ رہا تھا جیسے شام ہو گئی ہو۔ جیسے اندھیرے نے ہر چیز کو خود میں چھپالیا ہو۔اچانک سے ہوا بھی تیز ہوئی تھی۔ موسم اچانک شدید بھیانک ہو گیا تھا۔ایسے میں فرقان ہاؤس سے دو جنازے اٹھائے جا رہے تھے۔ایک جنازے پر تو کسی کو فرق تک نہیں پڑا ہو گا لیکن دوسرے جنازے کے لیے وہاں ہر کوئی رو رہا تھا۔

لیکن حماد کو فرق پڑا تھا۔ وہ جیونگ ہون دنیا کے لیے تھا لیکن اس کے لیے وہ اس کا بچپن کا دوست تھا۔اس کا ہایون۔

تمام مرد جنازے کے ساتھ ساتھ گھر سے نکل گئے تھے۔ عورتیں روتے ہوئے اپنے غم کو مٹانے کی کوشش کر رہیں تھیں۔ غم کا اندھیرا ہر سو پھیل گیا تھا۔ گھر اچانک سے بے رونق ہو گیا تھا۔آج

ایک جلتا ہوا چراغ بجھ گیا تھا۔ آج ایک اور زندگی موت کی نظر ہو گئی تھی۔ آج ایک اور کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○

صبح سے شام ہونے کو تھی لیکن وہ اب تک گھر نہیں گیا تھا۔ تسبیحہ کی قبر پر بیٹھا، قبر کی تازہ مٹی کو اپنی مٹھیوں میں بھینچے وہ بے بسی سے اسے تک رہا تھا۔

"کیوں چلی گئی ہو چھوڑ کر۔ واپس آجاؤ نا۔ دیکھو... کتنا ویران ہو گیا ہوں تمہارے بغیر۔ ترس نہیں آرہا مجھ پر؟"

"اگر میرے بس میں ہوتا تو تمہارے ساتھ ہی اپنی قبر کھود یتا۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ......اس وقت میرب کی آنکھوں میں جو کرب مجھے نظر آیا تھا۔ میں شدید شرمندہ ہوا تھا۔ بڑی بھاری زمہ داری سونپ گئی ہو تم مجھے۔ نا چاہ کر بھی تمہارے بغیر جینا پڑ رہا ہے۔

لیکن..... لیکن میں زندہ کہاں ہوں۔ مر تو میں تمہارے ساتھ گیا ہوں۔" بولتے بولتے وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا تھا۔ اور پھر جب تک وہاں رہا۔ وہ خاموش ہی رہا۔

○○○○○○○○○○○○○○

تسبیحہ کو اس دنیا سے گئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ لیکن چیون سافر قان ہاؤس کے اندر نہیں گئی۔ وہ اپنے ہی کوارٹر میں رہ رہیں تھیں۔ کسی نے اس لیے نہیں پوچھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اپنے بیٹے کے سوگ میں ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ہاشم سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہیں تھیں۔ جانے انجانے میں وہ ایک قتل کر بیٹھی تھیں۔ اس گھر کے فرد کا، جس گھر میں انہوں نے ساری زندگی گزاری تھی۔ یہ سوچ انہیں لمحہ لمحہ ختم کر رہی تھی۔ وہ اب مزید جینے کی خواہش مند نہیں تھیں۔

"کافی دنوں سے چیون سا گھر نہیں آئیں۔ مجھے لگتا ہے انہیں مل کر بیٹھنا چاہیے ہمارے ساتھ۔ تاکہ ان کا غم کم ہو۔ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔" فرح، بختاور اور محمل کچن میں کام کر رہی تھیں۔ جب محمل نے کہا۔ تسبیحہ کی موت کے بعد سب فرقان ہاؤس میں ہی رکے ہوئے تھے۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم اپنے غم میں ان کا غم تو بھول ہی گئے۔" بختاور نے بھی محمل کی تائید کی۔

"میں جاتی ہوں۔ انہیں کوئی تسلی وغیرہ دلا کر یہاں لاتی ہوں۔ تاکہ ان کا دل بہل جائے۔" فرح کہہ کر کچن سے نکل آئی۔ اب اس کا روح کوارٹرز کی جانب تھا۔ چہرے کو بڑی چادر سے چھپائے، وہ لان سے ہوتی چیون سا کے کوارٹر تک گئی۔ پھر باہر کھڑے ہو کر دروازے پر دستک دی۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" اس نے پوچھا لیکن اندر ہی سے جواب نہیں آیا۔ اس نے دو دفعہ پھر پوچھا لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ کچھ حیران ہوتی وہ واپس جانے لگی لیکن کسی سوچ کے تحت وہ رک گئی۔ وہ خود ہی اندر آگئی۔ لیکن اندر کا منظر دیکھ کر وہ دھنگ رہ گئی۔ وہاں زمین پر ایک شیشے کی بوتل گری پڑی تھی۔ اور اس کے پاس ہی چیون سا کا بے جان وجود۔ فرح کو ایک دم سمجھ ہی نہیں آیا کہ اچانک سے ہوا کیا ہے۔ پھر وہ فوراً وہاں سے باہر بھاگی۔ کچھ ہی دیر میں پورے فرقان ہاؤس میں چیون سا کی موت کی خبر پھیل گئی تھی۔

اس غیر متوقع موت نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ خودکشی تھی سو پولیس کو انفارم کیے بغیر وہ وہاں سے چیون سا کی ڈیڈ باڈی نہیں اٹھا سکتے تھے۔

پولیس نے سب سے پہلے چیون سا کے کوارٹر کی تلاشی لی تھی۔ جہاں انہیں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا تھا۔ جس پر لکھے گئے الفاظ نے سب کو بری طرح شاکڈ کیا تھا۔ الفاظ کچھ یوں تھے۔

"میرے یہ الفاظ ہاشم صاحب کے نام..!"

"میں بولنے سے قاصر ہوں۔ سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ شرمندگی کی زندگی جینا نہیں چاہتی میں۔ میں نے اپنی پوری زندگی فرقان ہاؤس میں گزار دی۔ ان سے میری وفاداری اپنی جگہ لیکن میں اپنے بیٹے سے نفرت نا کر سکی۔ کچھ دن پہلے اس نے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ ماریہ سے ملنا چاہتا ہے۔ میری مدد کے بغیر وہ ماریہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

میں پہلے دن سے جانتی تھی کہ گل رعنا میڈم کی ڈیتھ میں سارہ آفندی کا ہاتھ ہے۔ اپنے بیٹے کی زندگی

کے لیے میں خاموش رہی۔ کیونکہ سارہ آفندی نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے کسی کو بتایا تو وہ میرے بیٹے کو مار دے گی۔ میں ماں تھی۔ڈر گئی۔

تسبیحہ میڈم سب جان گئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہاشم صاحب کو بتادیں گی سب کچھ۔ میں خوفزدہ ہو گئی کہ اگر انہوں نے سب کو سب کچھ بتادیا تو میں کیسے سامنا کروں گی سب کا۔ میں نے...... میں نے تسبیحہ میڈم کو مار دیا۔ غیر ارادی طور پر میں ان کی جان لے بیٹھی۔ مجھے اتنا دکھ اپنے بیٹے کی موت کا نہیں ہوا جتنی شرمندگی یہ قتل کر کے ہوئی۔

میں نہیں جانتی آپ سب کا کیا ری ایکشن ہو گا یہ حقیقت جاننے کے بعد۔ لیکن میری ہاشم سر سے ایک ہی درخواست ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیئے گا۔ میں انہیں مارنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن مجھ سے یہ

گناہ سرزد ہو گیا۔ میں جانتی بھی تھی کہ تسبیحہ میڈم سے بچھڑ کر آپ کی حالت کیسی ہو جاتی ہے۔ میں نے پھر بھی ان کی جان لے لی۔ وہ لمحہ ... وہ لمحہ ہی ایسا تھا کہ میں سب کچھ بھول گئی۔ یہ بھی بھول گئی کہ جب پہلی دفعہ وہ آپ کو چھوڑ کر گئیں تھی تو آپ کی حالت کی وجہ سے مجھے کتنی تکلیف ہوئی تھی۔ میرا ذہن بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ اس لمحے نے سب کچھ برباد کر دیا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

آپ کی مجرم!

"چیون سا"

کبھی کبھی الفاظ بھی آپ کی جان لینے کی سکت رکھتے ہیں۔ خط کو پڑھنے کے بعد ہاشم بے بس اور شاکڈ سا صوفے پر ڈھے گیا۔ باقی سب بھی شاکڈ تھے۔ پولیس کو یہ بات کلیئر ہو گئی تھی کہ چیون سا کی

خودکشی کی وجہ ان کی اپنی ذات تھی۔

OOOOOOOOOOOOO

چیون سا کی موت کے سانحے کو تین دن گزر گئے تھے۔ آج سارے گھر والے مل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بچے باہر لان میں کھیل رہے تھے۔ لیکن میرب ہاشم کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ تسبیحہ کی موت کے بعد وہ خاموش سی ہو گئی تھی۔

"تم لوگوں نے بہت وقت ضائع کر لیا اپنا۔ میرا خیال ہے اب تم سب کو اپنے اپنے گھر جانا چاہیے۔" ہاشم نے بات کا آغاز کیا۔

"آپ کا غم ہمارا غم ہے بھائی۔ اس میں وقت ضائع کرنے والی کیا بات ہے؟" یاور نے چونکتے ہوئے استفسار کیا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے یاور۔ لیکن اب تم لوگ اپنی پریکٹیکل لائف میں داخل ہو چکے ہو۔ بچوں کی تعلیم

بھی ضائع ہو رہی ہے۔"

"لیکن آپ کے پاس بھی تو کسی کو رکنا ہے نا۔"

"میرے لیے میری بیٹی کافی ہے۔"اس نے پیار سے میرب کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔

"میرب ابھی چھوٹی ہے بھائی۔آپ اکیلے اسے کیسے سنبھالیں گے؟"

"میں اپنی بیٹی کو کافی ہوں۔سنبھال سکتا ہوں میں اس کو۔"

"بھائی......"

"تم کیا چاہتے ہو یاور۔"

"ماریہ آپ کی بہن ہے بھائی۔اور میں چاہتا ہوں وہ اس گھر میں آپ کے ساتھ رہے۔"ہاشم نے ایک نظر ماریہ کو دیکھا اور پھر اس کے برابر بیٹھے عالیان کو۔پھر نفی میں سر ہلا یا۔

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بھروسہ.... وہ تو بالکل بھی نہیں۔" ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ بھروسہ ٹوٹا ہی ایسی جگہ سے تھا کہ دوبارہ کرنا مشکل تھا۔ اور ہاشم فی الحال اسی فیز سے گزر رہا تھا۔

سب جانتے تھے، اس لیے یاور نے مزید فورس نہیں کیا۔

ooooooooooooooooo

"میں پاکستان گیا ہوا تھا۔ واپس آکر مجھے اس بات کا پتا چلا تو میں ایک منٹ کی دیر کیے بغیر یہاں چلا آیا۔ مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ جو کچھ میں نے سنا یہ سچ ہے۔" یہ تسبیحہ کی موت کے ایک ماہ بعد کی بات تھی جب اسفندیار ہاشم سے ملنے آیا تھا۔ وہ جب اس کے گلے ملا تو وہ دونوں خوب روئے تھے۔ اسفند کے لیے ہاشم کو سنبھالنا مشکل ہو گیا

تھا۔ بمشکل اسے سنبھالا اور پھر صوفے پر بٹھایا۔ ابھی بھی وہ دونوں

ایک ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ اسفند سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے بھی یقین نہیں آرہا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے۔ وہ سچ ہے۔" ہاشم کے لہجے میں تکلیف واضح تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کہوں۔"

"مجھے بھی۔" اسفند نے اک نظر اسے دیکھا۔ اور پھر دیکھتا ہی رہا۔ بولنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ ہر جملے سے تکلیف جھلکتی تھی۔ وہ کافی دیر تک ہاشم کے پاس بیٹھا رہا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

لان میں ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ بہار اپنی جوبن پر تھی۔ تسبیحہ کی موت کو تین ماہ ہو چکے تھے۔ ہاشم نے فی الحال اپنی بیٹی کے لیے اپنے غم کو دبا لیا تھا۔ لیکن تنہائی میں وہ اب بھی رو لیتا تھا۔ میرب

آہستہ آہستہ اس ٹراما سے نکل رہی تھی۔ ابھی بھی وہ دونوں باپ بیٹی

لان میں فٹ بال کے ساتھ کھیل رہے تھے جب ہاشم کے فون پر

رنگ ہوئی۔ فٹ بال وہیں چھوڑ کر وہ فون تک آیا۔ ماریہ کالنگ لکھا آ

رہا

"اسلام علیکم! کیسی ہو؟" خوشگوار موڈ میں پوچھا گیا۔

دوسری جانب وہ اپنے روم میں کھڑکی کے سامنے کھڑی لان میں

کرسیوں پر بیٹھے سکندر آفندی اور عالیان سکندر کو دیکھ رہی تھی۔

چہرے پر بے تاثر سی مسکراہٹ تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں۔ آپ کی کال آ رہی تھی۔ میں اٹینڈ

نہیں کر سکی۔"

"الحمداللہ........ میں بھی ٹھیک ہوں۔" اور وہ جانتی تھی کہ وہ کتنا

ٹھیک ہے۔ اگر میرب نا ہوتی تو وہ نا جانے کب کا مر چکا ہوتا۔

"ہاں یاد آرہی تھی تمہاری۔ سوچا حال چال پوچھ لوں۔ تمہاری شادی والی رات تمہاری بھابھی بہت پریشان تھی۔"

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"عالیان کی حقیقت سامنے آنے کے بعد تمہارے ری ایکشن کی وجہ سے کہ پتا نہیں حقیقت معلوم ہونے پر تم کیا کرو گی۔" وہ ہولے سے ہنس دی۔

"میری ذرا سی نادانی کی وجہ سے بہت نقصان ہو گیا ہے بھائی۔" وہ ایک دم افسردہ ہوئی۔

"تم نے عالیان کو معاف کر دیا؟" وہ بات بدل گیا۔ وہ خاموش رہی۔

"میں جانتا ہوں اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے...... لیکن اس نے تمہارے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔ اب جب ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ لیا ہے تو معاف بھی کر دو۔" ماریہ نے اک نظر لان میں بیٹھے

عالیان کو دیکھا، جو نیوز پیپر سے کوئی خبر پڑھ کر سکندر آفندی کو سنا رہا تھا۔ یقیناً کوئی لطیفہ تھا، تبھی سکندر آفندی ہنسے تھے۔

"معاف کرنا اتنا آسان ہوتا ہے کیا بھائی؟"

"ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ جب آپ کسی انسان سے بے لوث محبت کرتے ہیں، بے انتہا عشق کرتے ہیں تو اس کی ساری خامیوں سمیت اسے قبول کرتے ہیں۔ اس کی بڑی سے بڑی غلطی بھی معاف کر دیتے ہیں۔ لیکن جب آپ کسی سے نفرت کرتے ہیں، یا کوئی اپنا بہت اپنا آپ کے ساتھ بے وفائی کر جائے۔ یا کچھ ایسا کر جائے جس سے آپ کو نقصان پہنچے۔ آپ کی آنے والی زندگی ڈیمج ہو جائے۔ آپ اس شخص کو اپنا یہ نقصان کبھی معاف نہیں کر پاتے۔ لیکن عالیان نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ وہ بالکل ویسا بن گیا

ہے، جیسا تم چاہتی تھیں۔ اب اپنی ناراضگی ختم کر دو۔'' وہ پھر خاموش رہی۔

''تمہاری بھابھی کہتی تھیں کہ عالیان پوری دنیا میں ایک ہے۔ عالیان کی حرکت نے مجھے بھی دکھ دیا تھا۔ میں بھی اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کی گارنٹی تمہاری بھابھی نے دی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ تم دوبارہ سے عالیان کے ساتھ بیاہی جاؤ۔'' ماریہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔ اور وہ جانتی تھی کہ فون کے دوسری طرف اس کے بھائی کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو گی۔

''اگر وہ ایسا چاہتی تھیں تو میں ایسے ہی کروں گی۔'' ایک زخمی سی مسکراہٹ ہاشم کے لبوں پر پھیل گئی۔ اس نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔ غم ابھی تازہ تھا۔ ہر سو موت کا ساسماں تھا لیکن زندگی سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی بیٹی۔ میرب۔

oooooooooooooooooo

پورا سول تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔رات سارے میں اتر چکی تھی۔ آج چاندنی رات تھی۔کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جہاں سے چاند کی روشنی اندر تک آرہی تھی۔ایسے میں وہ بیڈ پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔وہ گہری سوچ میں لگتی تھی۔ تبھی دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا۔وہ اندر آیا۔تھری پیس میں ملبوس،کوٹ بازو پر ڈالے ایک ہاتھ میں فون پکڑے،بال کچھ پیچھے،کچھ ماتھے پر بکھرے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ماریہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔وہ نا چاہ کر بھی خود کو اسے دیکھنے سے روک نہیں پائی تھی۔

"یہ اتنے خوبصورت کیوں ہیں۔بندہ ناراض بھی ہو تو ایسی شکل دیکھ کر خود ہی پگھل جاتا ہے۔"وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں ماریہ۔ مظبوط رہنا ہے۔اس کو احساس دلانا ہے کہ تم اس سے ناراض ہو۔"

"دیکھ کیوں رہی ہو؟ اگنور کرو اسے۔"اس نے نظروں کا زاویہ بدلا۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھے بغیر رہ نا سکی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا کف لنکس اتار رہا تھا۔ نظریں بالکل سیدھی تھیں لیکن پھر بھی وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی اسے کن اکھیوں سے دیکھ رہی ہے۔ وہ بمشکل اپنے مسکراہٹ روکے ہوئے تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"وہ اس کے سامنے ہاتھ لہراتا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ فوراً سیدھی ہوئی۔

"آپ کو تو نہیں دیکھ رہی میں۔"انداز میں اب بھی خفگی تھی۔

"اچھا تو کسے دیکھ رہی تھیں آپ؟"وہ جان بوجھ کر پوچھ رہا تھا۔

"میں جسے مرضی دیکھوں۔ آپ کو کیا؟"

"مجھے بہت کچھ۔" ماریہ نے ابرو اچکائے۔ "اب اگر بیوی خوبصورت شوہر کو چھوڑ کر ان بے جان چیزوں کو دیکھے گی، غصہ تو آئے گا نا۔" اس نے وضاحت دی۔ وہ پھر بھی مطمئن نا ہوئی۔

"اچھا نا... ختم کرو یہ ناراضگی۔ کب تک ناراض رہنے کا ارادہ ہے۔" وہ اب ملتجی ہوا تھا۔ ماریہ نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ تھکا ہوا لگتا تھا۔ آنکھوں کے گرد ڈارک سرکل نمایاں تھے۔

"آپ نے معافی کب مانگی ہے جو میں معاف کر دوں؟"

"معافی؟" وہ حیران ہوا۔ وہ چونکی۔ "میں معافی کب مانگ رہا ہو۔ میں تو ناراضگی ختم کرنے کا کہہ رہا ہوں۔" ماریہ نے قہر بار نظروں سے عالیان کو دیکھا اور پھر غصے سے رخ موڑ گئی۔

"جائیں جاکر اپنے صوفے پر سوئیں۔اور میرے بیڈ پر بیٹھنے کی اجازت کس نے دی ہے آپ کو؟" وہ غصے سے پھنکاری۔ لیکن اس طرح غصہ کرتے ہوئے وہ عالیان کو بہت کیوٹ لگی تھی۔

"محترمہ یہ میرا بیڈ ہے۔۔۔۔" وہ مسکراہٹ دبا گیا۔

"پچھلے تین ماہ سے اس پر میں سوتی رہی ہوں۔اس لئے اب یہ صرف میرا ہے۔" کتنے فخر سے اس نے گردن اکڑا کر کہا تھا۔عالیان تو فدا ہی ہو گیا تھا۔وہ محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔ تبھی اس کی نظروں سے گھبرا کر اس نے رخ بدل لیا۔پھر بھی سکون نہیں آیا تو گھورتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

وہ مسکرایا۔"کیسے دیکھ رہا ہوں؟"

"ایسے۔۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔عالیان کو تو پتنگے لگ گئے۔

"کیسے؟" وہ نروس ہوئی۔

"پتا نہیں......" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"پھر کسے پتا ہے؟" وہ اس کے قریب ہوا۔

وہ پیچھے ہوئی۔

"مجھے باتوں میں لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں آپ سے ناراض ہوں۔"

"اف یار کب ختم ہو گی یہ ناراضگی؟ تمہیں رحم نہیں آتا مجھ پر؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"دیکھو! غور سے دیکھو مجھے۔ تمہارے بغیر کتنا ادھورا سا ہو گیا ہوں۔" ماریہ اسے دیکھنے لگی۔

"مانا کہ غلطی ہو گئی ہے۔ لیکن اس کی اتنی بڑی سزا تو مت دو۔ معاف کر دو۔" اس نے ایک دم سے اپنے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے۔ وہ

جو خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی، ایک دم سے آگے آئی اور اس کے

ہاتھوں کو تھام لیا۔

"یہ کیا کر رہیں ہیں آپ؟"

"معافی مانگ رہا ہوں۔ دل دکھایا ہے میں نے تمہارا۔"

"میں آپ سے لاکھ خفا سہی عالیان۔ لیکن میں کبھی نہیں چاہوں گی

کہ آپ کا سر اللہ کے علاوہ کسی کے

سامنے جھکے۔" اس کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

"تو کیا تم مجھے معاف کرنے کے لیے تیار ہو؟" سوال وہی تھا، وہیں

تھا۔ وہ کتنی دیر تک خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر

اس کی گردن میں بازو حمائل کرتی اس کے گلے سے جا لگی۔ بالکل

خاموش۔

جیسے وہ کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی لیکن گلے لگ کر سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی۔

"میں نے آپ کو معاف کیا عالیان... مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔" عالیان نے اسے خود میں سمو لیا۔

"میں تمہارے اس احسان کا بدلہ......" وہ ایک دم پیچھے ہوئی۔

"احسان؟ میں نے آپ پر احسان تو نہیں کیا۔"

"تم نے مجھے معاف...."

"میں پرانی زندگی کو بھول کر نئی زندگی کی شروعات کرنا چاہتی ہوں عالیان۔ اس لئے اس بات کو احسان کا نام مت دیں۔ بس بھول جانے دیں۔ آگے بڑھنے دیں۔"

ماریہ کی بات پر اس نے سر کو خم دیا اور محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ محبت

سے اس کا سر سہلانے لگا۔

"ایک بات پوچھوں؟" کچھ دیر بعد پوچھا گیا۔

"ہمم پوچھیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیا میں آج سے بیڈ پر سو سکتا ہوں؟" اس کے سوال پر وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"بالکل سو سکتے ہیں۔" اس نے شرارت سے کہا۔ عالیان نے سر جھکا کر اسے دیکھا اور اس نے سر اٹھا کر۔ نظریں چار ہوئیں اور لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ باہر چاند اپنے جوبن پر تھا۔ بے شک زندگی سب کے لیے ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک طرف وہ دونوں اپنے مل جانے کی خوشی منا رہے تھے تو دوسری جانب فرقان ہاؤس میں وہ اپنی بچھڑی محبت کا سوگ منا رہا تھا۔ دن لوگوں کے لیے ہوتا تو رات اس کی بیوی کے نام ہوتی۔ لیکن رات کا آدھے سے زیادہ حصہ

اللہ کے لیے ہوتا۔ لوگ اپنے غم کو بھلانے کے لیے مختلف سرگرمیاں اپناتے ہیں لیکن ہاشم نے کبھی چاہا ہی نہیں کہ اس کا غم کم ہو۔ وہ اسے تازہ رکھے ہوئے تھا۔ کسی آس پر، کسی امید پر۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

کئی سال بدل گئے تھے، مہینے بدل گئے تھے۔ ان بدلتے دنوں میں لیو کو بھی اپنی منزل مل گئی تھی۔ دو سال پہلے بوسان میں ان دونوں کی شادی ہوئی تھی جسے ماریہ اور عالیان نے اپنے ایک سالہ بیٹے ارحم سکندر کے ساتھ اٹینڈ کیا تھا۔

شادی کے دو سال بعد چینگ من ایک خوبصورت بیٹی کی ماں بن گئی تھیں۔ سعد اور عنایہ کا بھی ایک پانچ سالہ بیٹا تھا۔ وہ اور عریش ایک ہی شہر میں رہتے تھے لیکن دوبارہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مگر آج عریش نے اسے دیکھا تھا۔ جس اسکول میں اس کی بیٹی ام ایمن

پڑھتی تھی، وہیں عنایہ کا بیٹا اعزاز بھی پڑھتا تھا۔ یہ بات عریش پر آج ہی آشکار ہوئی تھی۔ وہ دور فاصلے پر کھڑی اپنے بیٹے کو کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر مسکرا کر اسے دیکھا اور گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ عریش میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس کے پاس جا سکے۔ وہ بھی خاموشی سے بوجھل دل کے ساتھ واپس چلی آئی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

وقت کبھی کسی کی پکڑ میں نہیں آتا۔ اب بھی نہیں آیا تھا۔ جانے کب وقت گزرا اور پریسا بارہ سال کی ہو گئی۔ آج پریسا کی بارہویں اور حیدر کی ساتویں سالگرہ تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی ایک جیسی تاریخ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ سب یاور کے گھر اکٹھے ہوئے تھے۔ اور وہیں پر پانچ سال کے ارحم نے اپنے سے چار سال بڑی میرب کو دیکھا تھا۔ وہ خوبصورت سی لڑکی اس کی آنکھوں میں سما گئی تھی۔ وہ

چھپ چھپ کر اسے دیکھتا تھا۔ایک تو وہ اپنے سارے ماموؤں کالاڈلا تھا لیکن ہاشم نے کچھ زیادہ ہی سر چڑھا رکھا تھا۔ارحم کا زیادہ تر وقت فرقان ہاؤس میں ہی گزرتا تھا۔وجہ وہ خوبصورت سی لڑکی تھی۔

بختاور اور یمان کو بھی یوسف کے بعد دو بیٹیاں رحمت بن کر ملیں تھیں۔علیزے اور مومن کو ذوالنورین کے بعد بیٹی اور پھر بیٹا ملا تھا۔مخمل کو پریشے کے بعد دوبارہ اولاد نہیں ہوئی تھی جبکہ عریش ایک بار پھر امید سے ہوئی تھی۔سارے اپنی اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ رہے تھے۔سب خوش تھے۔سب مکمل تھے۔اگر کچھ ادھورا تھا تو وہ ہاشم تھا۔اس کی زندگی تھی۔اس کی اداس آنکھوں والی بیٹی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○

آج تسبیحہ کو اس دنیا سے گئے چھ سال ہو گئے تھے۔ وہ اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا۔ تازہ سرخ گلاب کے پھول اس کی قبر پر رکھتے اس کے ہاتھ کپکپائے تھے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
وہ اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اس کے لب ہلے۔ آنکھیں سرخ ہوئیں اور پھر ہمیشہ کی طرح ان میں سیلاب امڈ آیا۔

"کیا تمہیں واقعی ہی لوٹ کر نہیں آنا؟ کیا واقعی ہی مجھے تم سے ملنے کے لیے موت کا انتظار کرنا ہو گا؟" وہ تسبیحہ کی قبر کی مٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم واقعی ہی بڑی ظالم ہو۔ خواب میں بھی نہیں آتی۔ خوابوں میں بھی ساتھ چھوڑ دیا۔" وہ اس کی قبر کو دیکھتے ہوئے شکوہ کر رہا تھا جیسے قبر کے اس پار وہ اس کے شکوے سن رہی ہو گی۔

"بہت یاد آتی ہے تمہاری۔" وہ زکام زدہ سی آواز کے ساتھ بولا۔

"ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھولتی تم مجھے۔ سو چو چھ سالوں میں کتنے لمحے تھے۔" وہ خاموش ہو گیا۔ شام گہری ہو رہی تھی لیکن وہ جب بھی قبر پر آتا تھا، واپس جانا بھول جاتا تھا۔ پھر اکثر شام کی تاریکی میں کوئی اسے لینے آتا تھا، تبھی وہ گھر واپس جایا کرتا تھا۔ اور یہی ہاشم کی زندگی کی حقیقت تھی۔

○○

○○○○○○○○○○○

"چند سال بعد"

یہ ایک ریسٹورنٹ کا منظر تھا۔نیلی پیلی ہری جامنی تمام کلرز کی روشنی وہاں ٹیبل کے ارد گرد کرسیوں پر بیٹھے دو نفوس کے چہرے پر پڑ رہیں تھیں۔ایک قدرے بیزار تھا اور دوسرا بضد۔

"تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے یوسف؟" سوال پوچھنے والے کا انداز سخت تھا۔

"میں تمہارے پیچھے تو نہیں پڑا ہوا پری۔محبت کرتا ہوں یار۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔اس کی ایج بائیس تئیس کے درمیان تھی۔ لیکن وہ بہت خوبصورت تھا۔بالکل یمان کی کاپی۔

"پریشے....پریشے نام ہے میرا۔" اس نے سختی سے یوسف کو ڈانٹا۔ وہ محمل کی بیٹی تھی۔بالکل اس کی کاپی۔

"اور محبت والی بات کا جواب کون دے گا؟"

"میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔ یہ بڑوں کے فیصلے ہوتے ہیں اور وہی کریں گے۔"

"کیا تمہارا اپنا کوئی فیصلہ نہیں ہے؟" وہ ذرا سا آگے ہوا۔

"نہیں۔ مجھے اس معاملے میں نہیں پڑنا۔ یہ میرا سر درد نہیں ہے اور نا میں بنانا چاہتی ہوں۔" وہ پر سکون سی کہتی پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

ادھر یوسف کے دل کا بوجھ بڑھا۔

"تم جانتی ہو نا کہ میں ترکی صرف تمہارے لیے آیا ہوں۔ حالانکہ مجھے یہ ملک اور یہاں کے لوگ بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔" یوسف کی بات پر اس نے تیورا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"تو جاؤ اپنے ملک واپس۔ وہاں اپنے ملک کی اچھی لڑکی سے شادی کر لو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔" وہ غصے

سے کہتی وہاں سے جانے لگی۔

"سوچ لو۔اگر میں ایک دفعہ کوریا چلا گیا تو دوبارہ تر کی نہیں آؤں گا۔"پریشے کے چہرے کا رنگ پل بھر کو بدلا۔اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن اگلے ہی لمحے وہ اپنے تاثرات سخت کر چکی تھی۔

"میری بلا سے۔"اور پھر وہ چلی گئی۔پیچھے یوسف نے سختی سے اپنے لب بھینچے۔ناوہ خود اس بات سے واقف تھی اور نا یوسف کو ہونے دے رہی تھی کہ اندر کہیں بہت دور وہ یوسف کو پسند کرنے لگی ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

ذوالنورین جو بچپن میں انتہا کا شرارتی تھا،کیسے ممکن تھا کہ بڑا ہو کر بھی وہ سدھر جاتا۔وہ پچیس سال کا ہو گیا تھا لیکن ویسے کا ویسا شرارتی۔وہ اپنی تعلیم تقریباً مکمل کر چکا تھا۔اب اپنے باپ کا بزنس سنبھال رہا تھا۔لیکن اس کا سٹاف اس سے سخت تنگ تھا۔آئے دن

کوئی نا کوئی ایسی شرارت کرتا تھا کہ اسے مومن کی عدالت میں پیش ہونا پڑتا۔ دو دن سکون سے گزرتے تھے اور تیسرے دن پھر وہی حال۔ ابھی بھی وہ مومن کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کی وجہ سے مومن کی سیکرٹری سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچی تھی۔

موصوف نے سیڑھیوں کے بیچ و بیچ ایک چھپکلی رکھ دی تھی۔ اب اس لڑکی کو کیا پتا کہ وہ اصلی ہے یا نقلی۔

"سمجھ نہیں آتا کہ تم آخر کب سدھرو گے؟ شادی کی عمر ہو رہی ہے تمہاری لیکن حرکتیں وہی پانچ سال کے بچوں والی۔"

"بابا کوریا میں اس ایج کے بچوں کو پانچ سال کا ہی سمجھا جاتا ہے۔" وہ منمنایا۔

"پھر تو میں یہی کہوں گا کہ تم سے زیادہ سمجھدار اور سو بر پانچ سال کے

بچے ہوتے ہیں۔" ذوالنورین کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے یہ

بات کوئی خاص پسند نہیں آئی۔ "تمہاری وجہ سے اگر اس بچی کو کچھ

ہو جاتا تو؟ بولو تب کیا کرتے تم؟" وہ غصے سے پوچھ رہا تھا۔

"صاف مکر جاتا۔" مومن نے استعجاب سے اسے دیکھا۔ "بھئی چھپکلی

تو کہیں بھی آسکتی ہے۔ اس میں

میرا کیا قصور؟" وہ ایک دم معصوم بن گیا تھا۔

"وہ چھپکلی نقلی تھی ذوالنورین۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ خود نہیں

آئی۔"

"بابا وہ.... اصلی تھی۔" اس نے اپنے کان کھجاتے ہوئے کہا۔ جبکہ

مومن نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا۔

"شرم نہیں آتی بالکل بھی؟"

"وہ چھپکلی کی وجہ سے گری ہے۔اس میں میرا کیا قصور؟"

"تمہاری انہی حرکتوں کی وجہ سے پریسا تمہیں ناپسند کرتی ہے۔ورنہ میری شدید خواہش تھی کہ وہ میری بہو بنے۔"

"وہ ہوتی کون ہے مجھے ناپسند کرنے والی۔"اس کے تاثرات اور لہجہ بتا رہا تھا کہ اسے بھی پریسا پسند نہیں تھی۔"مجھے ایسی لڑکیاں بالکل بھی نہیں پسند بابا جو بیس سال کی عمر میں ساٹھ کی لگتی ہوں۔"

"ذوالنورین......"مومن نے اسے گھورا۔

"بابا آپ ہمیشہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔حالانکہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔وہ ہر وقت ہمارے درمیان رہتی ہے۔نا ہو کر بھی اور ہو کر بھی۔یہی وجہ ہے کہ میں اس سے شدید نفرت کرتا ہوں۔"وہ غصے سے کہتا وہاں سے نکل آیا۔جبکہ مومن کو الگ پریشانی نے گھیر لیا تھا۔

پتا نہیں نفرت کا یہ پارٹ اس کے بیٹے نے کہاں سے سیکھ لیا تھا۔

"یاد رکھنا پریسا میڈم! چھوڑوں گا نہیں میں تمہیں۔" باہر آکر اس نے غصے سے دل میں سوچا اور پھر وہاں

سے نکلتا چلا گیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

یونیورسٹی آف ہونے والی تھی۔ایسے میں وہ لان میں بالکل اکیلی ایک ڈیسک پر بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔جب کوئی خاموشی سے آکر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔درمیان میں کافی وقفہ تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" سوال پر ایمن نے چونک کر ساتھ بیٹھے نفوس کو دیکھا۔

"اعزاز...۔" وہ بمشکل مسکرائی۔"تم کب آئے؟"

"ابھی.....جب تم کچھ سوچ رہی تھی۔" اس کی آنکھیں بالکل عنایہ کی آنکھیں تھیں۔نیلی آنکھیں۔اس کی آواز ٹھہری ہوئی تھی۔

"میں کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔" وہ قدرے مسکرائی۔

"تم اتنی خاموش خاموش اور الگ الگ سی کیوں رہتی ہو؟ سب کے ساتھ گھلتی ملتی کیوں نہیں؟" اس کے سوال سے لگتا تھا جیسے وہ ایمن کو بہت نوٹ کرتا رہا ہے۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ بس مجھے تنہا رہنا اچھا لگتا ہے۔"

"کوئی ایک دوست تو ہونا چاہیے نا زندگی میں۔ جس سے آپ ہر بات کہہ سکو۔ بلا جھجھک۔ جہاں ٹرسٹ ایشو نا ہو۔" اعزاز کی بات پر وہ مسکرائی۔

"میرا بہتر دوست میرے بابا اور بہترین دوست اللہ ہے۔ میں ان دونوں سے اپنی ہر بات کہہ لیتی ہوں۔" اعزاز خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ ایمن اپنے بابا کے کتنا کلوز تھی۔

"میرے بابا میری ہر بات سنتے ہیں اور مانتے بھی ہیں۔مجھے کسی نئے دوست کی خواہش نہیں ہے۔" وہ ایک صاف گو لڑکی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ اعزاز کی پسند بن رہی تھی۔یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتا تھا لیکن وہ اکثر اس کے پاس چلا آتا تھا۔جیسے اسے لگتا تھا کہ یہی سکون ہے۔

"چھٹی ہو گئی ہے۔میں چلتی ہوں۔اللہ حافظ۔" وہ مسکرائے بغیر وہاں سے اٹھ گئی۔گیٹ کی جانب جاتے پل بھر کو وہ رکی۔وہ خود پر کسی کی نگاہوں کو محسوس کر سکتی تھی۔لیکن مڑی نہیں۔جبکہ اعزاز کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○

ارحم ہمیشہ کی طرح اپنے ویک اینڈ پر اپنے ماموں کے گھر آیا ہوا تھا۔وہ بچپن میں بھی ایک بیزار شخصیت کا لڑکا تھا اور سترہ سال کا ہو کر بھی وہ

بیزار ہی تھا۔ اگر اسے کسی کے پاس سکون ملتا تھا تو وہ میرب تھی۔

ابھی بھی وہ اس کے پاس کچن میں کھڑا تھا۔ وہ ارحم کی فرمائش پر اسے نوڈلز بنا کر دے رہی تھی۔ ہاشم لاؤنج میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ ایک دفعہ اس کا بھروسہ ٹوٹا تھا اور ابھی تک جڑا نہیں تھا۔ اس لیے وہ ارحم کی موجودگی میں گھر پر ہی رکتا تھا۔ لیکن ظاہر نہیں کرتا تھا۔

میرب نے اسے ایک باؤل میں نوڈلز ڈال کر دیئے تو وہ دو منٹ کے اندر چٹ کر گیا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"ویسے آپ کے ہاتھوں میں ذائقہ ہے۔" وہ باؤل سنک میں رکھتے ہوئے بولا۔

"کتنے پیٹو ہو تم ارحم۔ بندہ سامنے والے کو جھوٹے منہ پوچھ ہی لیتا۔ تم نے تو مجھ سے اخلاقاً بھی نہیں پوچھا۔" اس نے ارحم کو گھورا جبکہ وہ ایک دم سیریس ہو گیا۔

"آئم سوری میرب! کیا آپ کو بھی نوڈلز کھانے تھے۔ مجھے واقعی ہی دھیان نہیں آیا۔ سوری۔" وہ

اتنج میں اس سے چھوٹا لیکن قد میں بڑا ہو گیا تھا۔

"میں مذاق کر رہی تھی ارحم۔" اس نے آنکھیں گھما کر کہا۔

"لیکن میں سنجیدہ ہوں۔" وہ اتنی سنجیدگی سے بولا تھا کہ میرب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ میں بعد میں منگوالوں گی۔" اس نے قدرے مسکرا کر کہا۔

"میں نوڈلز کی بات نہیں کر رہا۔ یہ آپ اچھے سے جانتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے جسم میں سنسنی دوڑا گیا تھا۔ وہ اپنے لیے ارحم کے احساسات سے نامحرم نہیں تھی۔ لیکن وہ اس بات کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتی تھی۔ لیکن ارحم ہر بار کوئی ایسی بات کرتا تھا کہ وہ

پریشان ہو جاتی تھی۔ وہ اس سے عمر میں چھوٹا تھا اور وہ اسے چھوٹے بھائیوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتی تھی۔

"میں بابا سے چائے کا پوچھ کر آتی ہوں۔" اس نے جانا چاہا۔ ارحم اس کے راستے میں آ گیا۔

"آپ ناراض ہو گئی ہیں مجھ سے؟" میرب کی نظریں ہاشم پر گئیں جو کسی کال کو اٹینڈ کرتا ہوا روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پھر اس نے ارحم کو دیکھا۔

"میں تم سے کیوں ناراض ہونے لگی۔ بھلا بہنیں بھی بھائیوں سے ناراض ہوتی ہیں؟" لفظ "بہن بھائی" پر اسے شدید غصہ آیا تھا۔ اس کے تاثرات ایک دم ہی بدل گئے تھے۔ اس نے لب بھینچ کر میرب کو دیکھا۔ آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی یوں میرے جذبات کی تذلیل کیسے کر لیتی ہیں" اس نے دکھ سے پوچھا تھا۔

"چھوٹے سے تو ہو۔ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی بڑی بڑی باتیں کیسے کر لیتے ہو؟" اس نے بھنویں باہم ملاتے ہوئے سوال پوچھا۔

"ایک دن آپ کو میرے جذبات کی قدر ہوگی میرب۔ ڈھونڈیں گی آپ مجھے۔ لیکن میں آپ کو نہیں ملوں گا۔ یاد رکھیئے گا۔"

"میں تمہیں کیوں ڈھونڈوں گی۔ جبکہ تم ہر ویک اینڈ پر خود یہاں آجاتے ہو۔" وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی۔

"اب نہیں آؤں گا۔ بلائیں گی، تب بھی نہیں آؤں گا۔" وہ ہنسی۔

"پہلے بھی ایک دفعہ ناراض ہو کر گئے تھے۔ یہی کہا تھا تم نے اور دوسرے دن چلے آئے تھے۔"

وہ اپنی بات سے خود ہی محظوظ ہوئی تھی۔

"اس وقت میں اور اس وقت میں بہت فرق ہے میرب۔"

"میرے لیے ہمیشہ سے سب کچھ ایک جیسا ہی رہا ہے۔اب کیا بدلا ہے؟"

ارحم کتنے لمحے خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ جیسے آخری دفعہ دیکھ رہا ہو۔ جیسے واقعی ہی آج کے بعد وہ اس چہرے کو نہیں دیکھ پائے گا۔ کچھ ایسا ہی میرب کو محسوس ہوا تھا۔ لیکن بس ایک پل کو۔

"بہت کچھ بدلے گا۔آپ کو جلد محسوس ہو گا کہ میرا ہونا کیا تھا اور میرا نا ہونا کیا ہے۔"ارحم نے اپنے قدم پیچھے کی جانب لیے۔

"نہیں آؤں گا میں اب آپ کے پاس اپنی محبت کی بھیک مانگنے۔"

دل کی بات زبان پر آئی تو میرب کا وجود ساکت ہو گیا۔ارحم نے کبھی نہیں کہا تھا کہ وہ میرب سے محبت کرتا ہے لیکن آج اقرار بھی ہو گیا

تھا۔ وہ اپنی جگہ پر نمک کا مجسمہ بنی کھڑی رہی جبکہ ارحم گیٹ پار کر کے جا چکا تھا۔

ہاں! ارحم چلا گیا تھا اور یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ واپس آئے گا بھی یا نہیں۔ وہ آتا تو فرقان ہاؤس میں رونق اتر آتی تھی۔ وہ چلا گیا تو جیسے سب کچھ ویران ہو گیا تھا۔ رونقیں ساتھ لاتا تھا اور ساتھ ہی لے جاتا تھا۔

اسے لگا تھا کہ وہ لوٹ آئے گا۔ ساری بہاریں لوٹ آئیں گی۔ کیا وہ آئے گا؟ یہ وہ سوال تھا جو وہ ہر روز خود سے کرتی تھی۔ لیکن وہ نہیں آیا۔ وہ چلا گیا تھا۔ وہ اپنی بات پر قائم رہا تھا۔

ارحم گیا تو میرب کو لگا کہ جیسے وہ زندگی کی امنگ لے گیا ہو۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ جیسے اس نے کچھ بہت اہم کھو دیا ہے۔ ہر روز

انتظار کرتی تھی وہ اس کا۔ صبح انتظار سے شروع ہوتی اور رات نا

امیدی میں گزرتی۔

اور پھر اسی طرح دن گزرے

راتیں گزریں

ہفتے گزرے

مہینے گزرے

سال گزرے

اور یونہی زندگی اپنے راستے پر گامزن رہی

زندگی کے کچھ باب مکمل ہوئے تھے اور کچھ ادھورے رہ گئے تھے۔

کہانیاں کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ چلتی ہی رہتی ہیں۔ نسل در نسل۔ گود

سے قبر تک۔ ہر کہانی کو انجام تک نہیں پہنچنا ہوتا۔ کچھ کہانیوں کو

منزل پر پہنچنے کے لیے منظر سے غائب ہونا پڑتا ہے۔

کون جانے کہ کبھی میرب ارحم کی محبت قبول کر کے اسے واپس لے آئے۔شاید ذوالنورین سدھر جائے اور پریسا کو محبت اور عزت سے اپنا لے۔شاید یوسف کو پریشے کاتر کی پسند آجائے۔شاید ام ایمن اعزاز کے دل کی بات کو سمجھ پائے۔

مگر شاید.....!!!!!"

ختم شد